جاں نثارانِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی
سو سالہ قربانیوں کی منفرد دستاویز

تحفظ ختمِ نبوّت کی صد سالہ تاریخ

ترتیب و تدوین
مولانا مشتاق احمد چنیوٹی

ناشر: انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان

جانثارانِ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوسالہ
جدوجہد کی ایک منفرد دستاویز
تحفظ ختم نبوت
کی صد سالہ تاریخ
ترتیب وتدوین
مولانا مشتاق احمد چنیوٹی
ناشر
انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان

فہرست

تقریظ

تقریظ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتھم امیر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وحدہ. والصلاۃ والسلام علی من لانبی بعدہ
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد کہ جب سے نبی اکرم رسول خاتم سید المرسلین ﷺ دین برحق اسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معبوث ہوئے ہیں تب ہی سے تمام کفار کی یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کا یہ نور پھیلنے نہ پائے اور اس سلسلہ میں مختلف انداز سے انہوں نے ہمیشہ سازشیں کیں اور پلان بنائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے (یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون) یعنی کہ یہ کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ نے پوری کرنی ہے اپنی روشنی چاہے کافروں کو یہ برا لگے۔

یہ معرکہ حق و باطل میں شروع دن سے ہی برپا ہے اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا حتیٰ کہ ایک دن پورے عالم کے ایک ایک گھر میں اسلام کا نور داخل ہوگا جیسے کہ حضرت خاتم النبیین الصادق المصدوق ﷺ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

کفار نے ہر زمانہ میں اس نور اسلام کو بجھانے کے لیے مختلف طریقوں سے سعی کی اور خطرناک چالیں چلیں مگر بحمداللہ وفضلہ باحمیت وغیور مسلمانوں نے ہمیشہ ہمت وعزیمت سے ان کا مقابلہ کیا اور ان کے فتنوں کی سرکوبی کی اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی قربانی سے گریز نہ کیا۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سینکڑوں سالوں سے برصغیر (پاک و ہند و بنگلہ دیش) میں مسلمانوں کی حکمرانی قائم تھی آج سے تقریباً 250 اڑھائی سو سال پہلے انگریز تجارت کے لبادہ میں آیا اور اپنے اثرات بڑھانا

شروع کیے حتیٰ کہ 1857ء میں مسلمانوں کی حکمرانی ختم کر کے پورے برصغیر پر قابض ہوگیا۔

انگریز نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے لی تھی اس لیے اسے زیادہ خطرہ انہی سے تھا کہ بقیہ آدیان والے (ہندو، سکھ، آتش پرست، بدھسٹ وغیرہ) تو پہلے ہی محکوم تھے لہٰذا برطانوی سامراج نے پلان تیار کیا کہ مسلمانوں کا رشتہ سید الکونین خاتم النبیین حبیب رب العالمین ﷺ سے کسی طریقہ سے ختم کیا جائے یا کمزور تر کیا جائے اور اس مقصد کے لیے ایسا شخص تیار کیا جائے جس سے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرایا جائے اور مختلف چالوں اور طریقوں سے اس کی عظمت اور تقدس کو مسلمانوں کے دلوں میں بٹھایا جائے۔ پھر اس سے بحیثیت نبی ہونے کے اعلان کروایا جائے کہ جہاد منسوخ ہے تاکہ مسلمان انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت اور جہاد نہ کر سکیں اور برطانوی استعمار اطمینان سے پورے برصغیر میں بغیر کسی خطرے کے حکمرانی کرتا رہے۔

اس پلان کے پورا کرنے کے لیے انہیں مرزا غلام احمد قادیانی مل گیا اور اس سے انہوں نے اپنے مذکورہ مقاصد کے لیے بڑے مکر و دجل کے ساتھ کام کیا۔

مرزا قادیانی نے تدریجی طور پر پہلے مجدد پھر مہدی پھر مسیح مدعود ہونے کے دعویٰ کیے پھر ظلی و بروزی نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کے بعد صاف صاف تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور پھر اتنا بڑھا کہ ملعون نے آخر میں اپنی نبوت کو سید الرسل والانبیاء ﷺ کی نبوت سے افضل قرار دیا۔ **فلعنه الله وأخزاه وكل من تبعه.**

حالانکہ ختم نبوت کا عقیدہ قرآن مجید کے نصوص قطعیہ اور متواتر احادیث نبویہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ہر دور کے اجماع سے ثابت ہے جس کا منکر قطعاً کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس قادیانی ملعون نے یہ سب کچھ برطانوی سامراج اور اپنے آقا انگریز کے کہنے پر کیا۔ مرزا قادیانی خود اس حقیقت کا اقرار کرتا ہے کہ میں انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہوں اور اس کی تصنیفات اور تحریرات میں جگہ جگہ برطانوی حکومت کی تعریفیں ملیں گی اور جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی منسوخی کا مختلف انداز سے اعلان کرتا ہے حالانکہ پانچ سو (500) سے زیادہ آیات قرآنیہ اور ہزاروں احادیث نبویہ سے جو جہاد مشروع اور ثابت ہو وہ کیسے اس ملعون و کذاب کے کہنے سے منسوخ ہوسکتا ہے ہاں البتہ تمام علماء سلف وخلفاء کے نزدیک اس وجہ سے بھی وہ خود کافر د مرتد ہوا کہ ضروریات دین کا منکر سبھی کے نزدیک کافر ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی کفریات اس قادیانی ملعون سے صادر ہوئیں جس کی بناء پر تمام علماء اسلام نے اس کے اور اس کے ماننے والوں کے کفر وارتداد کا متفقہ فتویٰ دیا جس دن سے یہ قادیانی فتنہ شروع ہوا ہے۔ شروع دن سے ہی علماء اسلام نے اس کی بھرپور تردید کی اور ہر طرح سے تعاقب کیا اور ہر میدان میں ہر نوع کی جدوجہد جاری رکھی اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں۔ مقدمات' اذیتیں' جیلیں' ہتھکڑیاں' مختلف انداز کی تکلیفیں اور مصائب برداشت کئے مگر اس فتنہ خبیثہ کی سرکوبی میں کہیں کسی حال میں کمزوری نہیں دکھائی۔

26 مئی 1908ء میں مرزا غلام احمد قادیانی ملعون ہیضہ میں مبتلا ہو کر لاہور میں مرا۔ اس کی لاش کو قادیان لے جا کر دفنایا گیا۔

اب چونکہ 26 مئی 2008ء کو اس کی موت کو ایک سو سال پورا ہو جائے گا تو ''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' کے ذمہ داروں نے مشورہ کیا کہ اس موقعہ پر ایک دستاویزی کتاب مرتب کی جانی چاہیے جس میں علماء کرام اور مسلمانوں کے مختلف طبقات اور عیان کی سو سالہ تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں جو جدوجہد مختلف انداز میں ہوئی ہے۔ اس کا مستند تذکرہ آ جائے تاکہ مسلمانوں پر عیاں ہو کہ ان کے اسلاف واکابر نے کس ہمت و عزیمت سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور اس کی سرکوبی کے لیے کیسی کیسی قربانیاں دیں اور مسلسل اس کے تعاقب میں لگے رہے۔

اس عظیم الشان مقصد کے لیے علامہ کبیر محقق جلیل حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب مدظلہ العالی (جو کہ سفیر ختم نبوت فاتح قادیانیت حضرت مولانا احمد چنیوٹی نور اللہ مرقدہ کے معتمد خاص ہیں اور ردقادیانیت میں ماہر و متخصص ہیں) سے گزارش کی گئی کہ یہ کتاب وہ مرتب فرما دیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایان شان جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے کئی ماہ دن رات محنت کر کے یہ مستند دستاویز مرتب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مبارک تالیف کو قبولیت سے سرفراز فرما کر برادران اسلام کی تقویت ایمان اور غیرت وحمیت دینی اور ختم نبوت کے لیے قربانی دینے کے جذبہ میں قوت اور زیادتی کا ذریعہ بنائے۔

نیز اللہ تعالیٰ قادر کریم سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو توفیق عطا فرما دے کہ وہ اپنی جان و مال اور ہر صلاحیت کو دین اسلام کی سربلندی اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے خصوصاً صرف کریں اور اس کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں کہ یہ بہت عظیم سعادت ہے۔

ختم نبوت کے مبارک کاز کے لیے قربانی کی اہمیت کا اس سے اندازہ لگائیں کہ مورخین نے

لکھا ہے کہ نبی اکرم شفیع اعظم سید الکونین ﷺ کی حیات مبارکہ میں جتنی بھی جنگیں کفار کے ساتھ دین کے لیے ہوئیں ان سب میں (259) صحابہ کرام شہید ہوئے۔ جبکہ 759 کافر قتل ہوئے۔

اور ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک جنگ یمامہ میں جو جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب اور اس کے لشکر کے ساتھ خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیف اللہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ہوئی تقریباً (1200) بارہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے جن میں تقریباً سات سو (700) حفاظ و قراء کرام تھے۔

دیکھیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک ختم نبوت کا تحفظ کتنا اہم تھا کتنی بڑی قربانی اس کے لیے پیش کی **فجزاهم الله عنا خير الجزاء.**
اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو ختم نبوت کے اس مبارک کاز میں اپنا بھرپور حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس سے اپنے فضل و کرم سے کسی کو محروم نہ فرمادے۔ آمین

نیز دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے قادیانیوں کو رشد و ہدایت سے نوازے اور کفر و ارتداد سے توبہ کرنے اور ظلمات مرزائیہ سے نکل کر انوار محمدیہ علی صاحب الصلاۃ والسلام میں آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه وسيد رسله و خاتم الانبياء سيدنا وحبيبنا وقرة أعيننا نبينا ومولانا محمد النبى الامى الكريم وعلى آله واصحابه وازواجه واتباعه اجمعين وبارک وسلم تسليما كثيرا كثيرا. والحمد لله اولا وآخرا.

بروز منگل 29 ربیع الآخر 1429ھ
بمطابق 6 مئی 2008ء

کتبہ الفقیر الی رحمۃ ربہ الکریم

عبد الحفیظ المکی
(وارد حال راولپنڈی۔ پاکستان)

تقریظ

ممتاز سکالر شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

نحمدہ تبارک و تعالیٰ و نصلی ونسلم علی رسول الکریم وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

۱۹۰۸ء قادیانی امت اس سال اس حوالہ سے دنیا بھر میں اپنی سوسالہ تقریبات منارہی ہے کہ ۲۶ مئی کو اس امت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کا انتقال ہوا تھا اور اس لحاظ سے قادیانی مذہب نے اپنی عمر کے سو سال مکمل کر لیے۔ قادیانی گروہ اس سلسلہ میں دنیا کے مختلف حصوں میں تعارفی تقریبات کر رہا ہے اور ابلاغ عامہ کے ممکنہ ذرائع سے اپنی مزعومہ کامیابیوں اور پیش رفت کا ڈھنڈورا پیٹنے میں مصروف ہے۔ اس لے تحریک ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والی جماعتوں اور اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورتحال کو نظر میں رکھیں اور ملت اسلامیہ کے اجماعی موقف اور جذبات کی رائے عامہ بالخصوص نئی نسل کے سامنے وضاحت کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ اس سلسلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ قادیانی فتنہ کو بے نقاب کرنے کے لیے علماء امت نے جو مسلسل جدوجہد کی ہے اور اس کے جو نتائج سامنے آتے ہیں اسے بھی ایک منظم رپورٹ کی صورت میں سامنے لایا جائے اور اسلامیان عالم کو بتایا جائے کہ علماء امت نے مختلف ادوار میں اس دینی فتنہ سے نمٹنے اور مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لیے کس کس انداز میں جدوجہد کی۔

اس پہلو پر تحریک ختم نبوت کے ایک اہم فکری رہنما اور سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمتہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد خاص مولانا مشتاق احمد چنیوٹی نے قلم اٹھایا اور زیر نظر تصنیف میں قادیانیت کے علمی تعاقب کی جدوجہد کو مربوط انداز میں مرتب کر دیا جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبولیت سے نوازیں اور تمام دینی حلقوں کو اس سلسلہ میں میں اپنا اپنا کردار موثر انداز میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

ابو عمار زاہد الرشدی

نزیل جامعہ اسلامیہ ٹرسٹ کامونکی

۱۲ اپریل ۲۰۰۸

تقریظ

تقریظ جانشین سفیر ختم نبوت مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ. قال اللہ تبارک و تعالیٰ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان ان بکل شئی علیما

وقال رسول اللہ ﷺ : انا خاتم النبین لا بنی بعدی (الحدیث)

عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اور اساسی عقائد میں سے ہے۔ خیرالقرون صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں امت اسلامیہ کا سب سے پہلا اجماع منکرین ختم نبوت کے کفر وارتداد کے مسئلے پر ہی ہوا۔ چونکہ الصادق المصدوق نبی حضرت محمد ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی: سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یذعم انہ نبی و انا خاتم النبین لا بنی بعدی. (الحدیث)

ترجمہ: عنقریب میری امت میں تیس بڑے دجال اور کذاب پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، لیکن میں ہی آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس پیش گوئی کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں ہی متعدد لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ کچھ توبہ تائب ہو گئے اور کچھ مرتد کی شرعی سزا پا گئے۔ انہی میں سے مسیلمہ کذاب بھی تھا جس نے آدھے عرب پر نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا اور ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مقابلے کے لیے لشکر جرار بھیجا یمامہ کے مقام پر زبردست لڑائی ہوئی جس میں مدعی نبوت مسیلمہ کذاب اور اس کے بائیس ہزار پیروکار قتل ہوئے۔ بارہ سو صحابہ کرام نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے اس فتنے کا قلع قمع کیا۔ ان ۱۴ سو سالوں میں مختلف علاقوں میں متعدد لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

مسیلمہ پنجاب

ان مدعیان نبوت میں سے مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہے۔ برطانوی سامراج جب متحدہ ہندوستان میں اپنے قدم جمانے لگا تو اسے مسلمانوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ محبان وطن اس غیر ملکی قبضہ گروپ پر وہ حملے کرنے لگے تو انگریزی سوچنے پر مجبور ہو گیا ان سے کیسے جان چھڑائی جائے۔ تحریک احمدیت کے مولف لکھتے ہیں ۱۸۶۹ء میں استعماریوں نے اپنے جاسوسوں کا اجلاس بلایا اور انہیں ذمہ داری سونپی کہ وہ ہندوستان میں انگریزوں کے پاؤں نہ جمنے کے اسباب تلاش کریں پھر ۱۸۷۰ء میلادی میں ان لوگوں کو انگلینڈ میں اکٹھا کیا گیا جنہون نے رپورٹ دی کہ ہندوستان کے مذہبی بزرگوں کے پیروکار اپنے بڑوں کی بہت مانتے ہیں جب وہ انہیں بتاتے ہیں کہ یہ برطانوی عیسائی کافر ہیں اور ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں انہیں یہاں سے مار بھگاؤ تو وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کا یقین ہے کہ ان عیسائیوں کے ساتھ لڑنا جہاد کا درجہ رکھتا ہے لہٰذا اس جذبہ کو سرد کرنے کے لیے کوئی ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو نبوت کا دعویٰ کرے پھر وہ جہاد کی حرمت کا اعلان کردے۔ انگریزوں کی نظر انتخاب مرزا غلام احمد پر پڑی کیونکہ مرزا قادیانی نے اپنی تصنیف کتاب البریہ میں اپنے خاندان کی طرف سے برطانیہ کی جنگی مہم میں بھرپور امداد کرنے کا اعتراف کیا ہے اور جہاد کی حرمت بیان کرنے کے لیے مسلسل ۱۷ سال تک تحریری محنت کی ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں دنیا کے اکثر ممالک پر برطانیہ کی حکومت تھی اس نے اپنے قادیانی سفیروں کے ذریعہ جہاد کا پیغام پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس طرح اس خطرناک فتنہ نے عالمگیریت حاصل کرلی جس کی سرپرستی خود برطانوی حکومت کررہی تھی۔

مسلمانوں نے بھی روز اول سے ہی اس فتنہ باز گروہ کا تعاقب شروع کردیا۔ مرزا قادیانی کا وطیرہ تھا کہ جھوٹی شہرت حاصل کرنے کے لیے مختلف مذاہب' ممالک طبقات کے لوگوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا انہیں شیطانی چالوں اور مشروط مناظروں کے چیلنج کرتا اور عین وقت پر جل دے کر فرار ہو جاتا اور اس ہزیمت کو اپنی کمال کامیابی قرار دیا۔ بہت سے مناظروں میں اپنے مخالفین کے ہاتھوں جب شکست کی ذلت سے دوچار ہوتا تو کہتا کہ اگر میری کوئی پیش گوئی جھوٹی نکلی ہے تو کوئی بات نہیں کیونکہ بعض انبیاء کی پیش گوئیاں بھی تو جھوٹی نکلی ہیں۔ بہت سے علماء نے جب مرزا

قادیانی کو عدالتوں میں گھسیٹا تو مرزا نے عدالت کے روبرو وعدہ کیا کہ میں آئندہ کسی مسلمان سے مناظرہ، مباہلہ نہیں کروں گا، گرگٹ کی طرح رنگ اور شتر مرغ کی طرح ڈھنگ بدلنا اس کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ ان تمام کرتبوں کو اس نے مجددیت، مہدیت، مسیحیت اور نبوت کے نام دے رکھے تھے۔ آخر محمدی بیگم کے ساتھ شادی کی حسرتیں دل میں لیے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو راہی ملک عدم ہوا۔

قادیانی قوم اپنے متنبّی کی شب و روز تعلیوں کو قدرت کا کرشمہ جانتی ہے۔ مرزائیوں نے ۱۹۸۹ء میں بھی صد سالہ جوبلی کی آڑ میں اپنے باطل مذہب کے پرچار کی کوشش کی جو اس وقت کے ممبر پنجاب اسمبلی مولانا منظور احمدؒ چنیوٹی نے اسمبلی کے ذریعہ ناکام بنا دی۔ ڈی سی جھنگ نے دفعہ ۱۴۴ لگا کر اس جوبلی کو غیر قانونی قرار دے دیا اور یہ ایسا فیصلہ تھا کہ قادیانی سپریم کورٹ سے بھی اسے اپنے حق میں تبدیل نہ کروا سکے۔ چونکہ مرزا قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو آنجہانی ہوا تھا۔ حضرت والد گرامی مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ قادیانیوں کی سو سال ہزیمت پر ۲۶ مئی ۲۰۰۸ء کو سو سالہ ختم نبوت کانفرنس منعقد کی جائے اور مسلمانوں کو ایک دستاویز کے ذریعہ مرزا قادیانی کے سیاہ کرتوتوں سے آگاہ کیا جائے۔ حضرت شیخ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب دامت برکاتہم العالیہ امیر انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ کی حسب خواہش ادارہ مرکزیہ دعوت دارشاد چنیوٹ کے مولانا مشتاق احمد متخصص رد قادیانیت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ جنہوں نے شبانہ روز کی محنت سے یہ عظیم دستاویز تیار کی ہے۔ جس میں تفصیل کے ساتھ اس مرزائی سیاسی ٹولہ کی سو سالہ دشمن اسلام سرگرمیوں کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تیاری میں بہت سے مہربانوں کا تعاون شامل حال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اللہ رب العزت اس کاوش کو قبول فرما دیں اور خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ بنائیں۔ بھٹکے ہوئے قادیانیوں کی لیے صراط مستقیم اور ہم سب کی نجات اخروی کا سبب بنائیں۔ (آمین)

کتبہ: **محمد الیاس چنیوٹی**

امیر انٹرنیشنل ختم نبوت مومنٹ پاکستان

ناظم اعلیٰ ادارہ مرکزیہ دعوت ارشاد چنیوٹ

ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب

۲۰۰۸-۴-۲۷

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم امابعد.

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

یا یھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولایخافون لومۃ لائم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ واسع علیم.

(المائدہ ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں مرتدین سے مقابلہ کرنے والوں کے چھ اوصاف حسنہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں۔

(۳) وہ مومنوں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ہیں۔

(۴) وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔

(۵) وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں۔

(۶) وہ دینی معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

حدثنی میں سمع النبی صلی الل علیہ وسلم یقول ان سیکون فی اخر ھذہ الامۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن. (دلائل النبوۃ جلد۶ صفحہ ۵۱۳)

ترجمہ: یہ حدیث مجھے اس شخص نے سنائی جس نے نبی پاک ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے اعمال کا ثواب پہلے دور کے لوگوں کی شرح کے مطابق ملے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں گے اور اہل فتن سے معرکہ آرائی کرتے ہوں گے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

(یقاتلون) ای بایدیھم او بالسنتھم (اھل الفتن) ای من البغاۃ والخوارج والروافض وسائر اھل البدعۃ (مرقات ج ۱۱ص ۴۶۹)

ترجمہ: وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرتے ہیں (اھل الفتن کے ساتھ) یعنی باغیوں، خارجیوں، رافضیوں اور بدعتیوں کے ساتھ۔

مذکورہ آیت وحدیث مبارکہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کہ مسیلمہ کذاب سے مسیلمہ پنجاب (مرزا قادیانی) تک ہر جھوٹے نبی اور اس کے پیروکاروں سے مصروف جہاد رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جہاد کا مفہوم عام ہے۔ باطل کا مقابلہ خواہ زبان سے کیا جائے خواہ قلم یا تلوار سے یہ سب اقسام جہاد کے مفہوم میں داخل ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی جب یہ دعویٰ نبوت کیا تو انگریزی کی سرپرستی کے باوجود علمائے اسلام نے ہر ممکن طریقہ سے مرزا کا مقابلہ کیا اور اس کا جھوٹا ہونا روز روشن کی طرح واضح کیا کاش کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسا کوئی مجاہد ان کے دور میں ہوتا تو وہ گربہ کشتن روز اول پر عمل کر کے اس فتنہ کے بانیوں کا خاتمہ کر دیتا لیکن ع ہوتا ہے وہی جو منظور خدا ہوتا ہے۔

ماضی میں بھی کئی مدعیان نبوت کا اقتدار تین سو سال تک قائم رہا مرزائیت کے معاملہ کو طول دینے میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی حکمت تھی اس لیے اپنے بیرونی آقاؤں کے سہارے مرزائیت نے

سوسال نکال لیے ہیں اور وہ اس پر بہت شاداں وفرحاں ہیں وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی بہت لمبی ہے لیکن وہ پکڑنے پر آتے ہیں تو دیر نہیں لگاتے۔

قادیانیوں کو سوچنا چاہیے کہ زن، زر، زمین اور استعماری طاقتوں کے سہارے وہ سو سال گزارنے میں کامیاب ہو گئے لیکن تا کجے؟ استعماری طاقتیں اور ان کے ایجنٹ انہیں کب تک تحفظ فراہم کریں گے؟ انہیں غور کرنا چاہیے کہ گزشتہ ادوار کے تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن صباح کا فتنہ کتنا بڑا تھا؟ مسیلمہ کذاب کی فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا تھی، لیکن آج ان کا نام ونشان بھی نہیں ملتا......

قادیانیوں کو اپنے طرز فکر وعمل پر غور کرتے ہوئے دیکھنا ہوگا کہ

☆ قادیانی سربراہوں اور ان کے خاندانوں کا عام قادیانیوں کے ساتھ طرز زندگی معیشت و معاشرت میں اتنا فرق کیوں ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سو سال کی مہلت قادیانیوں کو حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور توبہ تائب ہونے کے لیے دی گئی ہے لیکن وہ الٹا اس مہلت کو اپنی صداقت کا نشان ٹھہرا رہے ہیں کیا وہ **ختم اللہ علیٰ قلوبھم** کا مصداق تو نہیں بن گئے؟

☆ قادیانیوں کو چاہیے کہ وہ خلافت کا سوسالہ جشن منانے کی بجائے درج ذیل قرآنی آیات پر غور کریں۔

۱۔ **والذین کذبوا بایتنا سنستدرجھم من حیث لایعلمون و املی لھم ان کیدی متین.** (الاعراف ۱۸۲،۱۸۳)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو عنقریب پکڑیں گے جہاں سے انہیں علم نہ ہوگا۔

۲۔ **اولم یروا انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا واللہ یحکم لامعقب لحکمہ وھو سریع الحساب ○ وقدمکر الذین من قبلھم فللہ المکر جمیعا یعلم ماتکسب کل نفس وسیعلم الکفر لمن عقبی الدار لمن عقبی الدار.** (الرعد ۴۱،۴۲)

ترجمہ: کیاوہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کواس کے کناروں سے گھٹاتے چلے جاتے ہیں اور اللہ حکم کرتا ہے اور کوئی اس کے حکم کو پیچھے نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور ان سے پہلے لوگ بھی فریب کر چکے ہیں سو اللہ ہی کے لئے سب تدبیر ہے ہر شخص جو کما تا ہے وہ جانتا ہےاور اب منکر معلوم کریں گے کہ آخری گھر کس کے لیے ہے۔

۳ **بل متعنا ھو لاء و اباء ھم حتی طال علیھم العمرہ افلایرون انا ناتی الارض نقصھا من اطرافھا افھم الغلبون.** (الانبیاء۴۴)

ترجمہ: بلکہ ہم نے ان کواور ان کے بڑوں کومہلت دی حتیٰ کہ ان کی عمریں لمبی ہو گئیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ہم زمین کواس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں پس کیا وہ جیتنے والے ہیں۔

۴ **افمن زین لہ سوء عملہ فرأہ حسنا.** (فاطر۸)

ترجمہ: بھلا ایک شخص جس کے لئے اس کے بُرے عمل خوبصورت بنا دیے گئے ہیں پس وہ انہیں اچھا سمجھتا ہے۔

۵ **ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار مھطعین مقنعی رؤوسھم لایرتدالیھم طرفھم وافئد تھم ھواء** (سورۃ ابراھیم۴۲،۴۳)

ترجمہ: اور مت خیال کرو کہ اللہ ظالموں کے کاموں سے بے خبر ہے البتہ تحقیق وہ ان کومہلت دیتا ہے اس دن کے لئے جس میں نظریں اوپر لگ جائیں گی ڈرتے ہوں گے سر اٹھائے ہوئے ان کی آنکھیں نہیں پھریں گے اور ان کے دل اڑ رہے ہوں گے۔

ہمارا مقصد فرمودات الٰہی کا احاطہ کرنا نہیں ہے' اگر کھلے دل و دماغ سے مطالعہ کرنا ہو تو یہ آیات مذکورہ بھی سو سالہ جشن کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ ضد اور ہٹ دھری کا کوئی علاج نہیں ہے۔ قادیانی دوستوں! ذرا غور تو کرو کیا تم آیات مذکورہ کا مصداق تو نہیں اس لئے کہ درج ذیل حقائق تمہارے علم میں ہیں روحانی خزائن اور دوسرے قادیانی لٹریچر میں صاف الفاظ میں لکھے ہوئے ہیں تم وہ کتابیں چاٹتے ہو پڑتے ہو اور سمجھتے نہیں۔ **ولھم اذان یسمعون بھا ولھم اعین لایبصرون بھا** کا مصداق بن رہے ہو۔ اگر تم اندھی عقیدت اور معاشی مفادات کی پٹی آنکھوں سے اتار کر غیر جانبدار ہو کر دیکھتے تو تم راہ ہدایت پا جاتے اس لئے کہ

1- مرزا صاحب کا سودی رقم اور طوائف کی کمائی قبول کرنا غیر محرم عورتوں سے اختلاط کرنا،

ٹانک وائن پینا وغیرہ امور کوئی تہمت نہیں علماء دنیا بھر کے پرفورم اور پرسٹیج پر یہ امور ثابت کر چکے ہیں

☆ تبلیغ کی آڑ میں برطانوی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے غیر ملکی مشن جو مرزا محمود نے شروع کئے تھے ان میں کام کرنے والے تمہارے ہی باپ دادا تھے۔

☆ تم پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوتی جارہی ہے۔

پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، شام، ترکی، مصر، متحدہ عرب امارات، جنوبی افریقہ گیمبیا وغیرہ کی عدالتیں اور دیگر اعلیٰ فورمیں تمہیں غیر مسلم قرار دے چکی ہیں

☆ آپ کا یہ عجیب مذہب اور دین ہے جو غیر مسلم عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں پروان چڑھ سکتا ہے، اس کے بغیر نہیں حتی کہ وہ طاقتیں پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی کے لئے شرط لگاتی ہیں کہ قادیانیوں کے متعلق قوانین ختم کئے جائیں تاریخ عالم میں کسی سچے مذہب کے متعلق یہ پڑھنے کو نہیں ملتا کہ کافر اس کے سرپرست رہے ہوں۔ ایسا ممکن ہی نہیں۔ ایمان اور کفر کا یہ اتحاد آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

مالی معاملات:

قادیانی جماعت احمدیہ کی طرف سے عائد کردہ چندوں کی چکی میں کس طرح پس رہے ہیں اس سلسلہ میں ان چندوں کو بھگتنے والے ایک سابق قادیانی مرزا منور احمد ملک کا تجزیہ پیش خدمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''جماعت احمدیہ میں چندوں کی بھرمار ہے ایک احمدی پر اس کی ماہوار آمدن کا چھ فیصد چندہ عام لاگو ہے اس کی ادائیگی لازمی ہے عدم ادائیگی پر وہ چندہ اس آدمی کے کھاتے میں بطور بقایا نام ہو جاتا ہے اگر ایک احمدی چندہ دینے سے انکار کر دے تو وہ احمدی نہیں رہ سکتا حالانکہ چندہ ایک اختیاری مد ہے جس کی شرح مخصوص نہیں ہوتی۔ آدمی حسب توفیق ادا کر سکتا ہے۔

جبکہ ٹیکس کی شرح مخصوص ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ عدم ادائیگی پر بقایا نام رہ جائے گا ختم نہیں ہوگا۔

چندہ عام کے ساتھ چندہ جلسہ سالانہ' چندہ تحریک جدید' چندہ وقف جدید' چندہ صد سالہ جوبلی'

چندہ خدام الاحمدیہ (چندہ مجلس)' یہ نوجوانوں پر لاگو ہے۔ چندہ تعمیر ہال (یہ حال ۱۹۷۳ء کے قریب تعمیرا ہوا تھا مگر چندے کی وصولی اب تک جاری ہے)' چندہ بوسنیا' افریقہ' چندہ ڈش انٹینا (احمدی ٹی وی نیٹ ورک کا)' چندہ لجنہ اماء اللہ (یہ خواتین پر لاگو ہے)' چندہ اطفال (یہ بچوں پر لاگو ہے)' چندہ انصار (یہ ۴۰ سال سے زائد عمر کے افراد کے لوگوں پر لاگو ہے) وغیرہ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک احمدی کو اپنی آمدنی کا کم از کم ۱۰ فیصد ماہوار چندہ دینا پڑتا ہے۔ چندوں کی وصولی کا رضا کارانہ نظام موجود ہے جس میں وصولی کرنے والے کا کوئی کمیشن نہیں۔ جماعت احمدیہ کا یہ مالی نظام شاید ہی کہیں اور ہو۔ سال میں دو تین بار مختلف چندوں کے مختلف انسپکٹرز مرکز سے آ کر حساب وغیرہ چیک کرتے ہیں اور کل وصول شدہ رقم مرکز (چناب نگر) میں پہنچانا یقینی بناتے ہیں۔ اس مالی نظام کی بناء پر جماعت احمدیہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ بڑی منظم جماعت ہے۔ حالانکہ اس کا کام نظام نہیں۔ قواعد وضوابط' اصول وغیرہ نہیں ہیں۔ صرف چندہ اکٹھا کرنے کا نظام ہے۔ اگر اس منظم طریقہ سے چندہ وصول نہ ہوتا تو آج مرزا صاحب کے خاندان کے ہر شہزادے کے نام کئی کئی مربع اراضی نہ ہوتی اور نہ ہی عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہوتے یہ سب اسی مالی نظام کی ''برکات'' ہیں۔ خیر اس پر بعد میں کسی اور موقع پر بات کی جائے گی۔ جب احمدی جذبات میں آ کر ان ''برکات'' سے انکار کریں گے؟

چندہ تحریک جدید میں ہر مرد اور عورت' جوان' بوڑھا اور بچہ شامل کیا جاتا ہے۔ جماعت اس بات پر پورا زور لگاتی ہے کہ ہر ذی روح تحریک جدید میں شامل ہو بلکہ کچھ بے روح بھی اس میں شامل ہیں۔ یعنی فوت شدہ افراد کے نام کا چندہ ان کے لواحقین سے لیا جاتا ہے۔ اب اگر کسی بستی سے تحریک جدید میں شامل ۱۲۰۰ افراد ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں کی آبادی زیادہ سے زیادہ ۱۲۰۰ افراد پر مشتمل ہے حالانکہ اس میں فوت شدہ افراد بھی شامل ہیں۔

(مرزا طاہر احمد کی لاکھوں کروڑوں بیتیں ص ۳'۴)

از مرزا منور احمد ملک

ایسا مضبوط معاشی بندوبست' چندوں کی بھرمار یہ ہر دور میں باطل کی خصوصیت رہی ہے۔ کیا کبھی قادیانیوں نے غور کیا ہے کہ دین اسلام میں تو اتنا جبر نہیں ہے۔ قادیانیوں کے ہاں اتنا جابرانہ نظام کیوں ہے؟ انہوں نے اس سو سال کے عرصہ میں کیا کھویا؟ کیا پایا؟ وہ لا اکراہ فی الدین کی غلط تفسیر بیان کر مسلمانوں کو تو گمراہ کرتے ہیں لیکن یہ نعرہ کیوں نہیں لگاتے لا اکراہ فی القادیانیۃ۔

قادیانی سربراہوں کا کردار:

مثل مشہور ہے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' مرزا قادیانی کے صدق وکذب کو پرکھنے کے لیے اس کی آل اور اولاد کو پرکھ لینا کافی ہے۔ مرزا محمود کے زخم خوردہ قادیانیوں کی ایک کثیر تعداد آج بھی موجود ہے یقین نہ آئے تو راحت ملک اور شفیق مرزا سے پوچھ لیجیے۔ حقیقت پسند پارٹی کیوں بنی؟ مرزا ناصر نے بڑھاپے میں دوسری شادی کیوں رچائی؟ حکیم نورالدین کے بیٹوں سے کیا سلوک کیا گیا' رفیق باجوہ' شفیق مرزا' زیڈ اے سلہری' حافظ بشیر احمد جیسے لوگوں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟ مرزا رفیع احمد کو کیوں اغوا کیا گیا؟ شہر سدوم اور ربوہ کا مذہبی آمر جیسی کتابیں کیوں لکھی گئیں؟ امریکہ و برطانیہ قادیانیوں کی کیوں سرپرستی کرتے ہیں؟

یہ سلگتے ہوئے سوالات قادیانیت کی حقانیت اور صد سالہ جشن کی قلعی کھولنے کے لیے کافی ہیں۔ صرف خدا خوفی اور انصاف شرط ہے۔

زیر نظر کتاب کے متعلق چند گزارشات:

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتہم چنیوٹ تشریف لائے اور جانشین سفیر ختم نبوت حضرت مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں یہ طے پایا کہ ۲۶ مئی ۲۰۰۸ء کو مرزا قادیانی کی موت کو سو سال مکمل ہو رہے ہیں اور قادیانی خلافت جوبلی کے عنوان سے پوری دنیا میں جشن منا رہے ہیں اور اپنے کفر وارتداد کو اسلام کا رنگ دے کر خودساختہ فتوحات اور خلافت کی برکات کے قصے عام کر رہے ہیں۔ ہمیں ۲۶ مئی ۲۰۰۸ء کو یوم نجات منانا چاہیے اور تمام ملک میں جابجا تحفظ ختم نبوت کانفرنسیں کرنی چاہیں اور ایک کتاب مرتب کی جائے جس میں علماء ومشائخ اور امت مسلمہ کے دیگر طبقات کی قادیانیت کے خلاف جدوجہد اور فتوحات کا مختصر وجامع تذکرہ ہو۔

یہ کتاب لکھنے کے لیے احقر کا انتخاب کیا گیا اور انتہائی مختصر وقت میں اتنے بڑے موضوع پر لکھنے کا حکم دیا گیا' احقر نے اس حکم کو اپنی سعادت سمجھا اور سب مصروفیات معطل کر کے مواد کی جمع و ترتیب میں دن رات ایک کر دیئے۔ مواد کے حصول میں حضرت مولانا اللہ وسایا اور نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل شاہ بخاری مولانا غلام مصطفیٰ' مولانا محمد مغیرہ اور محمد متین خالد نے کھلے ذہن سے

تعاون کیا اور مطلوبہ کتابیں مہیا کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ بعض مقامات پر مجاہد ختم نبوت پروفیسر خالد شبیر احمد اور محمد طاہر عبدالرزاق کی کتابوں سے بہت فائدہ پہنچا۔

محترم مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے، مولانا ثناء اللہ اور مولانا بدر عالم صاحبان کا ہر طرح سے تعاون میسر رہا مسودہ کی نوک پلک سنوارنے میں درجہ تخصص فی رد القادیانیۃ کے طالب علم مولوی محمد احمد، درجہ کتب کے طلباء مولوی محمد امتیاز اور محمد طاہر نے تعاون کیا محترم سید محمد کفیل شاہ بخاری اور مولانا بلال احمد سے بھی اہم امور پر مشاورت رہی۔ محترم ڈاکٹر عمر فاروق صاحب (تلہ گنگ) نے مجلس احرار کے تاریخی کردار پر ایک اہم مضمون لکھ دیا۔ محترم عبداللطیف چیمہ صاحب (چیچہ وطنی) اور مولانا قاری شبیر احمد عثمانی کا تعاون حاصل رہا مولانا قاری محمد رفیق وجھوی نے طباعت کے مراحل طے کرنے میں معاونت کی۔ محترم پیر حفیظ البرکات شاہ صاحب نے اپنے والد گرامی حضرت پیر محمد کرم شاہ الازھری مرحوم کے متعلق ایک اہم مضمون بھیجا طالب علمی کے زمانے میں عزیز مولانا محمد خالد کشمیری نے احقر کی زیر نگرانی ایک مضمون لکھا تھا وہ ہم کافی سمجھتے ہوئے اس کتاب کے دیباچہ کے طور پر شامل کرر ہے ہیں۔

فضیلۃ الشیخ حضرت مکی مدظلہ نے طباعت کے اخراجات کی کفالت کی اور اس کتاب کی ترتیب وطباعت انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے زیر اہتمام کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی محنت اور تعاون کو قبول فرمائیں آمین

چند ضروری وضاحتیں:

۱۔ تحفظ ختم نبوت کسی ایک مسلک یا فرقہ کی ذمہ داری نہیں امت مسلمہ کا مشترکہ مسئلہ اور ایمان کا تقاضا ہے۔ سو سال کے عرصہ میں امت مسلمہ کے ہر طبقہ اور ہر مسلک کے لوگوں نے باہمی اختلافات کو پس پشت ڈال کر قادیانیت کا مقابلہ کیا اور کامیاب رہے اس کتاب کی تالیف میں بھی بحمد اللہ اسی روح کو برقرار رکھا گیا ہے اور سب مکاتب فکر کو نمائندگی دی گئی ہے۔ کسی مسلک کے کسی بزرگ کو قصداً نظر انداز نہیں کیا گیا، احقر نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا ہے۔ کئی دروازوں پر دستک دی ہے، خطوط لکھے ہیں وقت بہت کم تھا کئی بزرگوں پر لکھنا چاہتا تھا لیکن مواد دستیاب نہ ہونے کے باعث نہیں لکھ سکا۔ بعض

حضرات کے متعلق لکھا ہے لیکن بہت مختصر اس کی بھی یہی وجہ ہے۔ اگر کسی عالم یا بزرگ کا تذکرہ رہ گیا ہے تو اسے مصنف کی بدنیتی پر محمول نہ کیا جائے بلکہ عذر قبول کیا جائے۔ انشاء اللہ العزیز طبع ثانی میں یہ کمی دور کردی جائے گی۔

۲۔ جیسا کہ عرض کیا ہے کہ یہ بہت بڑا کام انتہائی مختصر وقت میں مکمل کرنا تھا اس لیے بعض بزرگوں کے تعارف اور خدمات کا تذکرہ نہیں کیا جا سکا۔ ان کے معتقد حضرات غصہ کرنے کی بجائے اپنے محبوب علماء و مشائخ کی خدمات کی تفصیلات سے آگاہ فرمائیں تو بہتر ہوگا اور تلافی ہو سکے گی۔

۳۔ احقر نے علماء و مشائخ کی خدمات زیادہ تر اصل کتابوں سے من وعن نقل کی ہیں، اصل کتابوں سے خلاصہ نکالنے اور اپنے الفاظ میں لکھنے کے لیے کم از کم ایک سال کا عرصہ درکار تھا جس کی بالکل گنجائش نہ تھی، انشاء اللہ العزیز طبع ثانی میں یہ کمی دور کی جائے گی۔

۴۔ اس کتاب پر جذباتی اور غیر حقیقی تبصروں سے گریز کیا جائے۔ احقر نے کسی مسلک کے کسی بزرگ کو بڑھانے اور دوسروں کو گھٹانے سے کلیتہً احتراز کیا ہے۔ جو بزرگ جس مقام کا حق دار تھا وہ برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے کسی بزرگ پر طنزیہ جملے نہیں اچھالے، کسی کی طرف خلاف واقعہ باتیں منسوب نہیں کیں میں امید کرتا ہوں کہ قارئین کرام میری اس محنت کو پسند فرمائیں گے اور طبع ثانی کے لیے مطلوبہ مواد کی فراہمی میں تعاون فرمائیں گے...... کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے قارئین کے مشوروں کا انتظار رہے گا۔

مشتاق احمد چنیوٹی
انچارج شعبہ تخصص فی رد القادیانیۃ
ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد چنیوٹ ضلع جھنگ

۲۰ اپریل ۲۰۰۸ء

دیباچہ

الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ
والسلام علی رحمۃ للعلمین وخاتم
النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم و
علی آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین الی
یوم الدین۔

دین اسلام

تحریر: مولانا محمد خالد کشمیری

اسلام وہ واحد' برحق مذہب ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لیے امن وسلامتی' نجات اور فلاح دارین کا ضامن ہے۔ اس مذہب کے برحق ہونے کی بابت خالق ارض وسماء نے فرمایا ہے۔

ان الدین عند الله الاسلام. (القرآن)

ترجمہ: بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اسلام کے علاوہ دوسرا کوئی بھی دین و مذہب برحق اور ذریعہ نجات نہیں ہے۔ رب کریم کا فرمان ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه. (القرآن)

ترجمہ: اور جس کسی نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسلام کی بنیاد قومیت' لسانیت' رنگ ونسل یا عربی وعجمی ہونے پر نہیں بلکہ اسلام کی بنیاد ایک ''نظریہ'' پر قائم ہے جس کے بنیادی ارکان توحید باری تعالیٰ عز اسمہ' رسالت وختم رسالت حضرت محمد ﷺ اور عقیدہ معاد ہیں۔ ان عقائد کے حاملین آپس میں فروعی اختلافات کے باوجود ایک جسم کی مانند ہیں۔

پس امت مسلمہ کا وجود بھی اسی وقت تک قائم ہے جب تک یہ امت اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کی حامل ومحافظ ہوگی اور کوئی جماعت یا فرد ان عقائد ونظریات میں سے کسی ایک کا بھی منکر یا مخالفت ہوگا تو اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ایسی جماعت یا فرد اسلام سے خارج ہے۔

اسلام میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت

نبوت ورسالت انسان کی سب سے اہم بنیادی اور فطری ضرورت ہے جو تخلیق انساں کی ابتداء سے چھٹی صدی عیسوی تک قومی، علاقائی اور دیگر چند بنیادوں پر قائم ہونے والے انسانی معاشرے کی صلاح وفلاح کے لیے الگ الگ انبیاء ورسل کی بعثت کی شکل میں ہوتی رہی۔ پھر جب حکمت الٰہی کے مخفی اور مسلسل دل کے نتیجہ میں دنیا کے جغرافیائی، تمدنی، مواصلاتی اور ذہنی احوال ایسی صورتحال اختیار کر گئے کہ پوری دنیا کو ایک ہی مرکز ہدایت سے وابستہ کرنا ممکن ہو گیا اور قیامت تک کے لیے دین اور دین کے سرچشموں ''کتاب وسنت'' کی حفاظت کے اسباب پیدا ہو گئے تو حضرت محمد ﷺ کو رب العلمین نے ''خاتم النبین'' اور ''رحمۃ للعلمین'' بنا کر مبعوث فرمایا اور گویا یہ طے کر دیا گیا کہ قیامت تک کے آنے والے زمانہ اور پورے کرہ ارض میں بسنے والے جنات اور انسانوں کے لیے صرف یہی ذات اقدس وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس سے ان کے لیے ہدایت پھوٹ سکتی ہے۔ جو انسانیت کی راہنمائی کے لیے کافی ووافی ہے۔

دین اسلام میں جس طرح توحید باری تعالیٰ، رسالت اور قیامت کے بنیادی، قطعی اور اصولی عقائد پر ایمان لانا لازمی ہے اسی طرح اس امر پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے آخری پیغمبر ہیں اور آپ کی بعثت کے بعد یوم قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی شخص کے لیے باب نبوت کھلا ہے۔ جو شخص ختم نبوت کے اس معنی کا انکار کرے یا تاویل وتحریف کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی ہے اور حضرت محمد ﷺ خدا کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اجماع امت اور قیاس چاروں اصولوں کی رو سے ثابت اور طے شدہ ہے۔

قرآن مجید اور عقیدہ ختم نبوت

یوں تو پورا قرآن مجید ختم نبوت کی دلیل ہے کیونکہ قیامت تک کے لیے امت مسلمہ کو فلاح کی یہی ضمانت دی گئی ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں۔ اگر رسول پاک ﷺ کی بعثت کے بعد کسی

اور شخص کے بعثت متوقع ہوتی تو لازمی تھا کہ اس پر وحی رحمانی بھی نازل ہوتی تو پھر نجات کے لیے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون. (بقرہ آیت ۴، ۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں، اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اور یوم قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

قرآن کریم کی ایک صد آیات سے صراحتہ عقیدہ ختم نبوت ثابت ہے۔ ان میں سے چند آیات بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ ختم نبوت کی وضاحت ہوتی ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ جل شان کا فرمان ہے۔

وما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین و کان اللہ بکل شیء علیما. (سورۃ الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں صراحت ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور تمام نبیوں کے بعد آپ کی بعثت ہوئی گویا آپ کی آمد کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہی نہیں ہوسکتا اور آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انس و جاں آپ ہی کی امت میں داخل ہوں گے۔ اسی مضمون کو قرآن میں ایک مقام پر یوں ذکر فرمایا گیا ہے۔

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا. (الاعراف، آیت ۱۵۸، پ ۹، ع ۲۰)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونزیرا. (سبا، پ ۲۲، ع ۳)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کی طرف بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

ایک اور مقام پر رب العزت فرماتے ہیں۔

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین. (الانبیاء پ ۱۷ ع ۷)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔

ان تمام آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نوبت اپنے زمانہ سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والے سبھی انسانوں کے لیے عام ہے۔ آپ کے بعد کسی بھی نبی اور رسول کی بعثت نہیں اور اللہ کے دین کی تکمیل بھی ہو چکی۔ اسی لیے یہ اعلان بھی اللہ نے فرما دیا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا. (المائدہ پ ٦)

ترجمہ: آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دیا اور تمہارے لیے میں نے دین اسلام ہی پسند کیا۔

سرچشمہ دین اسلام کی تا قیامت حفاظت کی ذمہ داری کی بابت بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون. (پ ۱۴ ع ۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

احادیث نبوی اور عقیدہ ختم نبوت

سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اپنی ختم نبوت کا اعلان کئی عنوانات اور مختلف پیرایوں میں صدہا مرتبہ اور پھر ان عنوانات کو بھی صرف ایک ہی موقع پر نہیں بلکہ صدہا مواقع پر بیان فرمایا ختم نبوت کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ احادیث میں ختم نبوت کی اس قدر وضاحت ملتی ہے کہ ختم نبوت کا کوئی پہلو معرض خفا میں نہیں رہتا۔ دو صد احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہی۔

۱. عن جبیر بن مطعم رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال انا محمد و انا احمد و انا الماحی الذی یمحی بی الکفر و انا حاشر الذی یحشر الناس علی عقبی و انا العاقب و العاقب الذی لیس بعده نبی. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا

کہ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور ماحی ہوں یعنی میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا' اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد قیامت آ جائے گی اور حشر برپا ہوگا (یعنی کوئی نبی میرے اور قیامت کے دمیان نہیں آئے گا) اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔

۲. عن ثوبان رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لانبی بعدی. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ قریب قیامت میں میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۳. عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا و طهورا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے اول یہ کہ مجھ جوامع الکلم دیئے گئے اور دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی' تیسرے یہ کہ میرے لیے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا' اور چوتھے یہ کہ تمام زمین میرے لیے نماز پڑھنے کی جگہ بنادی گئی اور زمین کی مٹی میرے لیے پاک کر دینے والی بنادی گئی' پانچویں یہ کہ میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں' چھٹے یہ کہ مجھ پر انبیاء ختم کر دیئے گئے ہیں۔

۴. عن سعد بن ابی وقاص رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلی رضی الله عنه انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لانبی بعدی. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم

میرے ساتھ ایسے ہو جیسے حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

۵. عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب (رضی الله عنه) (رواہ الترمذی ص ۲۹۰ ص ۲)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔

۶۔ ایک موقع پر آپؐ نے نبوت کو ایک حسی محل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا۔

مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة من زوایاه فجعل الناس یطوفون به ویتعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة وانا خاتم النبین. (مسلم ج ۲ ص ۲۴۸)

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی عمارت بنائی ہو اور اس کی خوب زینت و آرائش کی ہو مگر اس کی ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہو۔ پس لوگ اس کے اردگرد چکر لگائیں اور اس کی خوبی تعمیر پر خوش ہوں اور اس سے کہیں کہ آپ نے یہاں اینٹ کیوں نہیں لگائی۔ آپؐ نے فرمایا پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔

اجماع امت اور عقیدہ ختم نبوت

اسلامی تاریخ میں یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں نبوت کا دعویٰ کیا اور نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جہاد کی جو پہلی مہم اپنی خلافت میں بھیجی وہ مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کی طرف تھی۔ جمہور صحابہ کرام نے مسیلمہ کو محض اس کے دعوائے نبوت کی وجہ سے اور اس کے پیروؤں کو اس کی تصدیق کی وجہ سے کافر سمجھا اور صحابہ و تابعین نے مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں سے باجماع وہ سلوک کیا جو کفار اور مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے گویا امت مسلمہ کا پہلا اجماع آنحضرت ﷺ پر ختم نبوت اور ہر نئے متنبی کے خارج از اسلام ہونے پر تھا۔

قاضی عیاض اپنی کتاب شفاء میں فرماتے ہیں۔

لانہ اخبرانہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الکنبین ولانبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبین واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ انہ مفھومہ المرادبہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھولاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا. (شفاءص۳۶۲'مطبوعہ ہند)

ترجمہ: اس لیے کہ آپؐ نے خبر دی ہے کہ آپؐ خاتم النبین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی خبر دی ہے کہ آپ سلسلہ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ میں سمجھ میں آتا ہے وہ ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے' پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں جو اس کا انکار کریں' اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ اس اجماع کو یوں نقل فرماتے ہیں۔

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطقت بہ الکتب و صدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ و یقتل ان اصر. (روح المعانی' ص۶۵'ج۷)

ترجمہ: اور آنحضرتؐ کا خاتم النبین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام آسمانی کتابیں ناطق ہیں' اور احادیث نبویہ اس کو بوضاحت بیان کرتی ہیں اور تمام امت کو اس پر اجماع ہے پس اس کے خلاف کا مدعی کافر ہے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ اسی مضمون کی بابت فرماتے ہیں۔

دعوی النبوۃ بعد نبینا کفر بالاجماع. (شرح فقہ اکبرص۲۰۲)

ترجمہ: ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا باجماع کفر ہے۔

عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت

ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا وہ بنیادی اور اہم عقیدہ ہے جس پر پورے دین کا انحصار ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ ہے تو دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو تو دین محفوظ نہیں رہتا گویا عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ پورے دین کا تحفظ ہے اس لیے کہ اگر یہ عقیدہ محفوظ نہ ہو اور حضور تاجدار انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا مان لیا جائے تو وہ نبی دین کے کسی حکم کو منسوخ کرنا چاہے جیسے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ''جہاد'' کے حکم کو منسوخ کر دیا' یا پورے دین کو منسوخ کر کے نیا دین پیش کر دے جیسا کہ بہا اللہ ایرانی نے پورے کا پورا دین اسلام منسوخ کر کے نیا دین ''دین بہاء'' ایجاد کر لیا حتیٰ کہ اس نے قرآن حکیم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ 'البیان' کتاب پیش کر دی اور مسلمانوں کا قبلہ وکعبہ مکہ میں ہے مگر اس نے قبلہ بدل کر ''عکہ'' فلسطین میں بنا لیا اب دین کی کیا چیز باقی رہی گویا نبوت بدلنے سے پورا دین بدل گیا۔ قرآن کریم نے ایک سو سے زائد آیات اور موجودہ ذخیرہ احادیث میں دوصد سے زائد احادیث نبوی اس عقیدہ کی وضاحت کر رہی ہیں۔ جن میں پورے بسط اور تفصیل سے ختم نبوت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ قرن اول سے لے کر آج تک پوری امت مسلمہ کا اجماع چلا آتا ہے کہ حضور اکرمؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے بلکہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تو فتویٰ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کی مدعی نبوت سے دلیل طلب کرنا یا معجزہ مانگنا بھی کفر ہے۔ فرمایا۔ ''**من طلب منه علامة فقد كفر**'' کہ نے حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کی وہ یقیناً کافر ہو گیا۔ اس سے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مدعی نبوت پر ایمان لانا تو کجا اس سے دلیل طلب کرنا کفر قرار دیا کیونکہ دلیل وہاں طلب نہیں کی جاتی اسی طرح حضور خاتم الانبیاء کے بعد کسی مدعی نبوت / رسالت سے دلیل طلب نہیں کی جاسکتی جس طرح کوئی انسان خدا نہیں بن سکتا اسی طرح حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی آدمی نبی / رسول بھی نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے جو عظیم قربانی دی وہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظر میں عقیدہ ختم نبوت کی جو اہمیت تھی اس کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مدعی

نبوت مسیلمہ کذاب سے جو معرکہ ہوا اس میں بائیس ہزار مرتدین قتل ہوئے اور بارہ صد کے قریب صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں چھ صد کے قریب تو حفاظ اور قراء تھے حتیٰ کہ اس معرکہ میں بدری صحابہ کرم کی قیمتی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کر دیا مگر اس عقیدہ پر آنچ نہ آنے دی۔

نوٹ: یہ بھی معلوم رہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں دین اسلام کے لیے شہید ہونے والے مرد و زن بچوں و بوڑھوں اور نو جوانوں کی تعداد ۲۵۹ ہے اور اس دوران قتل ہونے والے کفار کی کل تعداد ۷۵۹ ہے جبکہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے لڑی جانے والی صرف ایک جنگ میں شہداء و مقتولین کی تعداد اس سے کتنے گنا زیادہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک جھوٹی نبوت کا قلع قمع اور صفایا نہیں کیا۔ صحابہ کرام کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق کے اس عمل کی اہمیت کا اندازہ فاروق اعظم کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے فرمایا ابو بکر صدیقؓ! میری خواہش ہے آپ مجھ سے ایک سودا کر لیں کہ آپ میری زندگی کی تمام نیکیاں لے لیں مجھے پانی زندگی کی راتوں میں صرف ایک رات اور دنوں میں سے صرف ایک دن کی نیکیاں دے دیں میں یہ سمجھوں گا کہ میں نفع میں رہا۔ غار ثور میں جب آپ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر تین ایام تک نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے رہے اور پہرہ دیتے رہے ان میں سے صف ایک رات اور جب حضور ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کی جنگ لڑ رہے تھے اور پریشان تھے ان دنوں میں سے ایک دن کی نیکیاں دے دیں۔

فتنہ انکار ختم نبوت

سرور کون و مکان حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخر ایام میں منکرین ختم نبوت پیدا ہو گئے تھے۔ مسیلمہ یمامہ طلیحہ اور اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ آپ کی رحلت کے بعد بھی نبوت کے اس مضبوط قلعہ پر کئی طالع آزماؤں نے ناکام حملے کیے۔ گرچہ کچھ متنبیوں اور فتنہ پروردں نے بعض اوقات میں ایسی شوکت بھی حاصل کر لی کہ ہر طرف ان کا چرچا تھا مگر رفتہ رفتہ وہ فتنے کمزور پڑے رہے اور ان کی جگہ نئے فتنے مختلف انداز سے مگر ایک ہی منشور کے ساتھ جنم لیتے رہے۔

ان سب فتنوں کے باوجود عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں میں مسلم رہا اور اس کے متوازی ہر فتنے کو خارج از اسلام سمجھا جاتا رہا کیونکہ ایسے تمام فتنے مسلمانوں کی وحدت کے لیے خطرناک تھے۔

بقول شاعر مشرق علامہ محمد اقبال مرحوم ""مسلمان ایسی تمام تحریکوں کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہیں جنہیں وہ اپنی اساسی وحدت کے لیے خطرناک سمجھتے ہیں چنانچہ ہر ایسی مذہبی جماعت جو تاریخی طور پر اسلام سے وابستہ ہے لیکن اپنی بنیاد کسی نئی نبوت پر رکھتی ہے اور ان تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہے جو اس کے مبینہ الہامات پر اعتقاد نہیں رکھتے مسلمان اس جماعت کو اسلام کی وحدت کے لیے ایک خطرہ تصور کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ وحدت اسلامی کا تحفظ ختم نبوت کے عقیدہ ہی سے ممکن ہے۔

(تحریک ختم نبوت از آغا شورش کاشمیری ص ۹۸)

دور حاضر کے منکرین ختم نبوت

گزشتہ چند صدیوں کے دوران بعض مدعیان بنوت کو اپنے گروہ بنانے اور اپنے فاسد اثرات پھیلانے کے خاصے مواقع میسر آئے۔ان میں سے مندرجہ ذیل چار فرقے دور حاضر میں منکرین ختم نبوت کی صف اول میں شامل ہیں۔

ا۔ ذکری فرقہ

۸۴۷ھ میں ہندوستان کے اندر سید محمد نامی ایک شخص نے مہدیت کا دعویٰ کیا اور فرقہ مہدویہ کی بنیاد رکھی۔اس کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں میں سے ایک نہایت سرگرم شخص ملا۔محمد اٹکی نے ۹۷۷ھ میں بمقام سرباز اہر ہو کر مہدی کا دعویٰ کیا اور پھر کوہ مراد (بلوچستان' پاکستان) میں چھپ گیا۔کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوا کہ اس نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور راز سر نو اس نے اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اس فتنہ کی بنیاد رکھی اور اس کا نام "ذکری مذہب" رکھا۔

ملا محمد اٹکی نے بارہ برس تک تربیت میں قیام کیا اور پھر وہاں کے ایک سردار "مراد" نامی شخص کو اپنا جانشین بنایا اور ایک قبر بنا کر خود کہیں غائب ہو گیا۔

ذکری فرقہ کی زیادہ تعداد بلوچستان (پاکستان) کے جنوبی اضلاع میں آباد ہے۔اس فرقہ کے لوگ ملا محمد اٹکی کو خدا کا پیغمبر' مہدی اور خاتم المرسلین مانتے ہیں اور شریعت محمدیہ کو منسوخ تصور کرتے ہیں۔ ملا محمد اٹکی نے نماز' روزہ اور حج کی فرضیت ختم کرنے کا اعلان کیا اور مکران

(بلوچستان) کے علاقہ کی ایک پہاڑ ''کوہ مراد'' کو مقام محمود قرار دیا جہاں ذکری لوگ ہر سال ۹ ذی الحجہ اور ۲۷ رمضان المبارک کو بغرض حج جمع ہوتے ہیں۔ وہاں صفا، مروہ اور عرفات بھی بنائے گئے اور ایک چشمہ کے پانی کو آب زمزم کی مانند متبرک سمجھا جاتا ہے۔ ذکریوں کا کلمہ بھی مسلمانوں سے منفرد ہے اور وہ ''لا الہ الا اللہ نور پاک نور محمد مہدی رسول اللہ'' کے الفاظ میں کلمہ پڑھتے ہیں۔ ذکری فرقہ ملا محمد اٹکی کو تمام انبیاء کرام سے افضل قرار دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں ملا محمد اٹکی کو روح القدس، روح امین اور امام مبین قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ بہائی فرقہ

بہائی فرقہ ایران میں پیدا ہوا اور اس کا موسس علی محمد باب تھا جو ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا۔ علی محمد باب مہدی ہونے اور نزول وحی کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ میرے بعد ایک شخصیت الملقب بہ ''من یظھرہ اللہ'' ظاہر ہوگی۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کی مسند پر صبح ازل نامی ایک شخص بحیثیت جانشین متمکن ہوا۔ صبح ازل کا ایک بھائی مرزا حسین علی (المعروف بہ بہا اللہ) نہایت سرگرم آدمی تھا۔ اس نے اعلان کردیا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کی بابت علی محمد باب نے خبر دی تھی۔ صبح ازل نے اسے بہت سمجھایا اور اس دعویٰ سے باز رہنے کی تاکید کی مگر یہ باز نہ آیا نتیجتاً دونوں بھائیوں کی دو پارٹیاں بن گئیں اور آپس میں ان کے اختلافات اس حد تک بڑھ گئے کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے ارباب دولت عثمانیہ نے ان کی اس باہمی چپقلش کو دیکھ کر صبح ازل کو اس کے پیروؤں سمیت جزیرہ قبرص جبکہ مرزا حسین علی (بہا اللہ) کو اس کے پیروؤں سمیت شام کے شہر ''عکہ'' میں بھیج دیا جو بعد بہائیوں کا ہیڈ کوارٹر بنا۔

بھائیوں کے نزدیک قرآن حکیم اور اس کے احکامات منسوخ ہیں۔ انہوں نے اپنا قبلہ بدل کر بجائے ''مکہ'' کے ''عکہ'' فلسطین کو بنالیا۔ یہ لوگ نظریہ وحدت ادیان کے قائل ہیں اور اُنیس (۱۹) کے عدد کو مقدس مانتے ہیں۔ سال کے مہینے ۱۹ اور ہر مہینے کے ۱۹ دن ہیں۔ بعض ممالک میں ان کے بڑے بڑے مراکز بن رہے ہیں۔

۳۔ قادیانی فرقہ

قادیانی فرقہ کی بنیاد، ہندوستان میں فرنگی استعمار نے اپنی ساکھ مضبوط کرنے اور وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے اور جہاد کو ختم کرنے کے لیے اپنے ایک قدیم وفادار جانثار خاندان کے ایک فرد مسمی مرزا غلام احمد بن مرزا غلام مرتضٰی کے ہاتھوں رکھی۔ مرزا غلام احمد ۴۰۔۱۹۳۹ء میں مقام قادیان (تحصیل بٹالہ، ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوا۔ عربی فارسی کی چند کتب پڑھ کر ''نیم ملا خطرہ ایمان'' کا عظیم ترین مصداق ثابت ہوا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے بتدریج ملہم، محدث، مامور من اللہ، مہدی، مثیل مسیح، مسیح ابن مریم، نبی، حامل صفات عزوجل اور اس کے علاوہ دیگر بھی لاتعداد اور متضاد دعویٰ جات ۱۸۸۳ء سے ۱۹۰۸ء تک کیے۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو لاہور میں وبائی ہیضہ سے اس کی ہلاکت ہوئی اور حکیم نوردین اس کا جانشین اول بنا۔ ۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو نوردین کی وفات کے بعد قادیانی پارٹی دو گروہوں میں منقسم ہوگئی۔ قادیان کے اصل مرکز پر مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود نے تسلط جمالیا اور دوسری پارٹی کی سربراہی مرزا کے ایک باصلاحیت مرید مولوی محمد علی نے سنبھال لی اور بجائے قادیان کے لاہور کو اس نے اپنا مرکز بنایا۔

تقسیم ہندوستان کے دوران انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ شمار کرتے ہوئے اپنی علیحدہ فائل ریڈکلف کمیشن کے سامنے پیش کی تاکہ انہیں الگ ملک/ ریاست دی جائے مگر ناکامی پر انہوں نے پاکستان کے صوبہ پنجاب ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ میں دریا چناب کے پاس ایک مقام ۹۰ سالہ لیز پر خرید لیا اس کا نام ''ربوہ'' رکھا اور اسے عالمی ہیڈ کوارٹر بنایا۔ ۱۹۶۵ء میں مرزا کے جانشین دوم مرزا محمود کی وفات کے بعد اس کے بیٹے مرزا ناصر نے مرزا قادیانی کے جانشین سوم کا چارج سنبھالا۔ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانی پارٹی کے سربراہ مرزا ناصر اور لاہوری پارٹی کے سربراہ صدرالدین کے بیانات سننے کے بعد قادیانیوں کے ہر دو گروہوں کے خارج از اسلام و خارج از جماعت مسلمین قرار دینے کا دستوری فیصلہ کیا۔ پاکستان کے اس فیصلہ سے قبل اسی سال ۱۰ اپریل ۷۴ء کو رابطہ عالمی اسلامی نے مکہ مکرمہ میں قادیانیوں کے کفر کا متفقہ فیصلہ کیا۔

۹ جون ۱۹۸۲ء کو مرزا ناصر کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مرزا طاہر اس مسند پر جماعت

کے چوتھے سربراہ کی حیثیت سے متمکن ہوا۔ قادیانی چونکہ اپنے آپ کومسلمان اور تمام دنیا کے مسلمانوں غیر مسلم سمجھتے تھے اور ہیں' اپنے مذہب کی اسلام کے نام سے تبلیغ کرتے تھے اور طرفہ یہ کہ مسلمانوں کی مخصوص مذہبی اصطلاحات اس خانہ ساز نبی اور اس کی امت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس وجہ سے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے قادیانیوں کی ان کے خلاف اسلام سرگرمیوں کو روکنے کے لیے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو 'امتناع قادیانیت آرڈیننس' جاری کیا جس کی رو سے انہیں مسلمانوں کی مخصوص مذہبی اصطلاحات کے اس ناجائز استعمال سے روکا گیا۔ قادیانی سربراہ مرزا طاہر نے اس آرڈیننس کو قبول نہ کیا اور اس کی تاب نہ لاتے ہوئے چپکے سے یکم مئی ۱۹۸۴ء کو پاکستان سے فرار ہوگیا اور اب لندن سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ''سیٹلائیٹ'' چلا رہا ہے۔

قرآن حکیم کی سورہ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک بشارت کا ذکر ہے۔ انہوں نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی تشریف لائیں گے جن کا اسم گرامی احمد ﷺ ہوگا اس پیشگوئی کے صحیح اور حقیقی مصداق حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں مگر قدیانی اس پیشگوئی کا مصداق متنبی دوراں' مسلیمہ پنجاب' اسود ہندی مرزا غلام احمد قادیانی کو قرار دیتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو احمدی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو غیر احمدی (نعوذ باللہ) کہتے ہیں جو ان کا بڑا دھوکہ اور صریح کفر ہے۔

قادیانیوں کے فاسد عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ مرزا غلام احمد سچا نبی ہے اور وہ دین' مردہ دین ہے جس میں سلسلہ نبوت بند ہو۔ نیز ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹکائے گئے اور وہاں سے بچ کر کشمیر چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ قادنیوں کے نزدیک قادیان مکہ مکرمہ کی طرح ارض حرم ہے۔ اطاعت انگریز ان کے نزدیک واجب ہے اور اسلام کا عقیدہ جہاد مرزا کی وجہ سے منسوخ ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک اب جو مسلمان جہاد کے نام پر کسی سے لڑے گا' وہ بغاوت اور غدر ہوگا مرزا کے نزدیک تلوار اور بندوق کا جہاد و قتال بالکل ختم ہو گیا ہے اب صرف قلم و زبان سے جہاد ہوگا۔

انگریز کے ''خود کاشتہ پودا'' مرزا قادیانی کا دعویٰ ہے کہ ''میں نے بیسیوں کتابیں عربی' فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں۔''

(مجموعہ اشتہارات مرزا)

۴۔فرخان ازم (نام نہاد نیشن آف اسلام)

امریکہ میں اس فتنہ کی بنیاد ایلیج محمد نامی سیاہ فاموں کے لیے ایک نسل پرست لیڈر نے ۱۹۳۰ء میں رکھی۔ ایلیج محمد نے پہلے ماسٹر ڈبلیو فارڈ محمد کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا پھر ۱۹۳۴ء میں اس کے پراسرار طور پر گم ہو جانے کے بعد اس کی مسند خلافت سنبھال لی اور ''نیشن آف اسلام'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کی رکنیت نسل پرستی کے اصول پر سیاہ فاموں تک محدود رکھی۔ ۱۹۷۵ء میں ایلیج محمد کے بیٹے وارث دین محمد نے صحیح طور پر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ باقی ماندہ گروہ کی قیادت لوئیس فرخان نامی ایک نسل پرست لیڈر کر رہا ہے۔ دعویٰ تو یہ اسلام کا کرتے ہیں مگر ہاتھی کے دانتوں کی طرح ان کے اعتقادات و اعمال بالکل غیر اسلامی ہیں۔

لوئیس فرخان اینڈ کمپنی کے عقائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ ماسٹر ڈبلیو فارڈ محمد کی شکل ۱۹۳۰ء میں ظاہر ہوا۔ یہی وہ شخص تھا جو عیسائیوں کا منتظر مسیح اور مسلمانوں کا مہدی تھا۔ ایلیج محمد اللہ کا رسول ہے جو آدمی مرجائے دوبارہ اسے جسمانی سزا و جزا نہیں ہوگی۔ سیاہ فاموں کی بالا دستی پر بائبل اور قرآن کو نئی کتاب کی صورت میں بدل دیا جائے گا۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے لیکن اس دور میں ان کی تعلیمات قابل عمل نہیں ہیں بلکہ اب ایلیج محمد کی تعلیمات کی پیروی لازمی ہے۔ نماز بروز جمعہ بڑے اجتماع کی شکل میں اپنے پوپ کا وعظ سننے اور دعا کرنے کا نام ہے۔ روزے بجائے ماہ رمضان کے ماہ دسمبر میں رکھتے ہیں حج منسوخ ہو گیا ہے۔

ان سے مزید گمراہیاں بھی تحریری و تقریری طور پر صادر ہوتی رہتی ہیں۔

تحفظ ختم نبوت کا پہلا دور

۱۸۸۴ــــ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء

تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کا پس منظر:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اگرچہ مسلمان داخلی کمزوریوں کے سبب کامیاب نہ ہو سکے لیکن ان کے جذبہ جہاد نے انگریز کو حیران و پریشان کر دیا۔ انگریز ایک سازشی ذہن رکھنے والی قوم ہے۔ ان کی برصغیر آمد بھی ایک سازش اور منظم پروگرام کے تحت تھی اب برطانوی اقتدار کو طول اور استحکام دینے کا سوال درپیش تھا سو اس کے لیے بھی انہوں نے سازشیں کیں۔ اس وقت انگریزوں کے سامنے چار سوال تھے۔

۱۔ مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا توڑ کیسے ممکن ہے؟

۲۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں دوری کیسے پیدا کی جائے؟

۳۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر رکیک حملوں کا آغاز کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی توجہ جہاد سے ہٹ جائے اور وہ مباحث و مجادلہ میں مصروف ہو جائیں۔

۴۔ مسلمانوں میں باہمی متصادم عقائد پیدا کیے جائیں تاکہ ان کی ملی وحدت برقرار نہ رہ سکے۔

انگریز مذکورہ چاروں سوالوں کا حل تلاش کرنے میں کامیاب رہا۔ اس نے مسلمانوں کو معاشی و معاشری و سیاسی طور پر ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی بداعتمادی کو

فروغ دیا۔ برطانیہ سے عیسائی مشنری درآمد کیے گئے جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور اسلامی تعلیمات کو ہدف بنایا۔عیسائی مشینریوں کے دیکھا دیکھی ہندوؤں نے بھی دریدہ دینی اور سب و شتم کا آغاز کیا۔ ایک انگریزی ڈبلیوڈ بلیو ہنٹر نے اپنی کتاب "Our Indian Mussalmans." میں واضح طور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں کا جذبہ جہاد ان کی سلطنت کے لیے مستقل خطرہ ہے۔

سو اس خطرہ کے ازالہ کے لیے انگریز نے جہاد کے حوالہ سے نئے مباحث پیدا کر کے علماء سے ہندوستان میں جہاد کے عدم جواز پر فتوے حاصل کیے۔ کئی مفتیوں نے ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کے فتوے دیئے اور کہا کہ دارالاسلام میں جہاد جائز نہیں ہے۔

مسلمانوں میں متحارب و متصادم عقائد کے آغاز کے لیے ۱۸۶۹ء میں ایک دفد ہندوستان بھیجا جو کہ برٹش پارلیمنٹ کے ممبران' بعض برطانوی اخبارات کے ایڈیٹروں اور چرچ آف انگلینڈ کے نمائندوں پر مشتمل تھا۔اس وفد نے واپس جا کر حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں لکھا کہ اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے جو حواری نبی ہونے کا دعویٰ کرے اور اس شخص کی حکومتی سرپرستی میں پروان چڑھایا جائے تو اس سے برطانوی مفادات کے لیے مفید کام لیا جا سکتا ہے۔

برطانوی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا۔ درج ذیل قادیانی اعتراضات کے بین السطور سے بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔

۱۔ مرزا صاحب اور سیالکوٹ کا مشنری پادری مسٹر بٹلر ایم اے میں دوستانہ تعلقات قائم ہوئے جو چار سال مسلسل برقرار رہے۔ دونوں کے درمیان طویل ملاقاتیں اور مشورے ہوتے رہے۔ مسٹر بٹلر نے مرزا قادیانی کو عظیم آدمی قرار دیا

۲۔ مرزا صاحب نے برطانوی حکومت سے جہاد کو حرام اور اطاعت کو واجب قرار دیا۔

۳۔ مرزا صاحب کا خاندان انگریز کا کئی پشتوں سے وفادار اور خدمت گزار تھا اور برطانوی حکومت کی اس اطاعت شعاری پر مرزا صاحب ساری زندگی فخر کرتے رہے۔

۴۔ مرزا صاحب نے ملکہ برطانیہ کی انتہا درجہ خوشامد کرتے ہوئے اسے زمین کا نور اور خود کو آسمانی نور قرار دیا اور لکھا چونکہ نور نور کو کھینچتا ہے اس لیے میں ملکہ برطانیہ کے نورانی عہد میں پیدا کیا گیا۔

۵۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ میرے نزدیک دین اسلام کے دو حصے ہیں۔(الف)اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (ب) حکومت برطانیہ کی اطاعت

۶۔ مرزا صاحب نے برملا خود کو انگریز کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔

مرزا قادیانی کے دعویٰ اور طریق کار:

مرزا صاحب نے بیک وقت سب دعوے نہیں کیے بلکہ سب سے پہلے مناظر اسلام کے روپ میں ظاہر ہوئے پھر مجدد اور ملهم من الله ہونے کے دعوے کیے۔تدریجاً بلند بانگ دعویٰ کرتے چلے گئے۔ظلی بروزی نبی مجازی نبی' محدث حقیقی نبی' صاحب شریعت نبی' پھر اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر خدائی دعویٰ کر دیا۔(العیاذ باللہ) پستی کی طرف لوٹے تو انسانوں کی عار اور بشر کی جائے نفرت کے دعویٰ سے بھی گریز نہ کیا۔

مرزا صاحب کے دعوؤں پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔اختصاراً اسی اجمال پر اکتفا کرتے ہوئے عرض ہے کہ مرزا صاحب نے متضاد تحریریں قصداً لکھیں۔کہیں مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کہیں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ' کہیں مسیح علیہ السلام کی برابری اور کہیں ان سے افضیلت کا دعویٰ' کہیں مجدد کہیں محدث ہونے کے دعویٰ تو کہیں ظلی بروزی نبی ہونے کا ادعا کہیں صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کہیں اس کی نفی ۔ایک جگہ نبوت کا دعویٰ دوسری جگہ اس کی تردید۔

اقرار و انکار کا یہ ایک گنجلک اور نا قابل حل ایسا سلسلہ ہے جو کہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا ہے۔مرزا صاحب نے تضاد بیانی کے جو ریکارڈ قائم کیے ہیں ان کی بنا پر قادیانیوں میں کئی گروپ بن گئے اور ہر ایک مرزا صاحب کے کسی ایک دعویٰ کو مانتا ہے اور دوسرے دعوؤں کی نفی کرتا ہے۔

مرزا صاحب کا سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے یہ طریق کار رہا ہے کہ وہ کبھی ہندوؤں کو للکارتے تھے تو کبھی عیسائیوں کو۔کبھی علماء و مشائخ کو لیکن اس دعوت مبارزت میں نا قابل عمل شرائط عائد کر دیتے تھے تا کہ کوئی شخص سامنے نہ آ سکے اور اگر کسی سے مقابلہ ہو بھی جائے تو لفظی ہیرا پھیری کی وجہ سے واضح شکست نہ ماننی پڑے۔

باغباں رہے خوش اور خوش رہے صیاد بھی

کے مصداق سادہ لوح مرید بھی مطمئن رہتے تھے اور کسی مباحثہ مناظرہ' مباہلہ کی نوبت بہت

وہ علماء ومشائخ میں سے ہر ایک کو نام بنام للکارتے تھے اور ان سے شکست فاش کھانے کے باوجود کمال ڈھٹائی سے اپنی فتوحات کے اعلان کرتے چلے جاتے تھے اور مقابلہ کے لیے میدان میں اترنے والے علماء ومشائخ کو گالیاں دینا ان کا خصوصی شعار تھا۔

تحفظ ختم نبوت کے دور اول کی روداد قادیانیت کے تعاقب کی خشت اول ہے۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں علماء ومشائخ نے کسی مسلکی امتیاز کے بغیر مرزائیت کا تعاقب کس طرح کیا۔ تفصیلات قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

فتنہ مرزائیت کے ظہور کی پیش گوئی

ا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی کا کشف:

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں قیام کا ارادہ فرمایا تو ان کے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے ارشاد فرمایا۔

''پنجاب میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا جس کا سد باب صرف آپ کی ذات سے متعلق ہے۔ اگر اس وقت آپ محض اپنے گھر میں خاموش ہی بیٹھے رہے تو بھی علمائے عصر کے عقائد محفوظ رہیں گے اور وہ فتنہ نہ پکڑ سکے گا۔'' (مہر منیر ص ۱۲۹)

آپ پر بعد میں منکشف ہوا کہ یہ فتنہ فتنہ قادیانیت تھا۔

۲۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ رائے پوری:

حکیم نورالدین بھیروی ثم قادیانی ایک دفعہ حضرت میاں صاحب کے پاس مہاراجہ جموں کے لیے دعا کرانے گیا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا نام نورالدین ہے۔ حکیم نے کہا ہاں فرمایا قادیان میں ایک شخص غلام احمد کا نام پیدا ہوا ہے جو کچھ عرصہ بعد ایسے دعویٰ کرے گا جو نہ اٹھائے جائیں نہ رکھیں جائیں اور تم لوح محفوظ میں اس کے مصاحب لکھے ہوئے ہو' اس سے تعلق نہ رکھنا دور دور رہنا ورنہ اس کے ساتھ ہی تم بھی دوزخ میں پڑو گے حکیم صاحب سوچ میں پڑ گئے فرمایا تم میں الجھنے کی عادت ہے۔ یہی عادت تم کو وہاں لے جائے گی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد

قادیان میں ظاہرا ہوا اور دعویٰ نبوت کیا اور کبھی مسیح موعود بنا اور حکیم نور الدین اس کا خلیفہ اول بنا اور اس کے دین کو پھیلا دیا۔ یہ شخص بڑا عالم تھا۔ مرزا صاحب کو بہت کچھ سکھا تا تھا اس کے ساتھ گمراہ ہوا۔ (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت ص ۱۷۳)

مولانا پیر سید حسن شاہ صاحبؒ قادری کا کشف:

بٹالہ کے علماء و مشائخ کرام سے مرزا غلام احمد قادیانی کے آباؤ اجداد کو بے پناہ عقیدت و ارادت تھی، گاہے گاہے مرزا غلام مرتضیٰ (پدر مرزا غلام احمد) بھی بٹالہ حاضر ہوتا رہتا تھا' ان دنوں مولانا پیر سید حسن شاہ صاحب قادری ابن سید محی الدین قادری فاضل بٹالوی زیب سجادہ تھے۔ سید ظہور حسن قادری بٹالوی اپنے فرزند مولانا عبدالقادر بٹالوی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اپنے والد ماجد (مولانا پیر حسن شاہ صاحب قادری) کے اس عظیم انکشاف کا اظہار فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''مرزا غلام احمد قادیانی ایک روز مولانا پیر حسن شاہ صاحب قادری کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اسے ہدایت فرمائی کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت پر ثابت قدم رہنا اور خواہشات نفسانیہ اور ہوائے شیطانیہ کا غلام نہ بن جانا جب یہ کلام حافظ عبدالوہاب صاحب (جو حضرت کے شاگرد اور مرید اور یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے) نے سنا تو عرض کیا حضور آپ نے اسے جس طرح ہدایت فرمائی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ کچھ مدت بعد اس شخص (غلام محمد) کا دماغ خراب ہو جائے گا اور یہ نبوت کا دعویٰ کر دے گا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عطا سے معلوم ہوا ہے کہ قادیان سے قرن شیطان کا ظہور ہوگا اور وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا۔'' (ارشاد المسترشدین صفحہ ۱۶۱)

اس پیشگوئی کے ۳۶ سال بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیحیت و نبوت کا دعویٰ اگل دیا۔

علمائے لدھیانہ کے خدمات

مرزا قادیانی کے کفر کا سب سے پہلا فتویٰ علمائے لدھیانہ کے سرخیل مولانا مفتی لدھیانویؒ مولانا محمد عبداللہ لدھیانویؒ اور مولانا عبدالعزیزؒ لدھیانوی نے ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۴ء میں دیا جو کہ فتاویٰ قادریہ کے نام سے شائع کیا گیا۔ علمائے لدھیانہ نے مرزا قادیانی کے اولین تعاقب کی سعادت حاصل کی۔ اس کی مختصر و جامع روئداد مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی نے عمدہ انداز میں مرتب کی ہے جو کہ نذر قارئین ہے۔

مرزاغلام قادیانی کی طرف سے علماء لدھیانہ کومناظرہ کا چیلنج

مرزاغلام قادیانی نے جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس نے اشتہاروں کے ذریعہ سے اہل علم کا نام لے کر مخاطب کر کے لکھا کہ آپ کو شک ہو تو میرے ساتھ مباحثہ کرلو ان اشتہاروں میں علماء لدھیانہ کا نام بھی شامل تھا۔

یہ اشتہار مرزاغلام قادیانی نے ۳ مئی ۱۸۹۱ء کو جاری کیا۔

اس کے متعلق مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں۔

۳ مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا قادیانی نے علماء لدھیانہ کو تحریری چیلنج دیا کہ تم لوگ مسئلہ حیات و ممات مسیح علیہ السلام پر مناظرہ کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں فتویٰ دیا تھا کہ مرزا غلام قادیانی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ہمارا قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ جولوگ مرزاغلام قادیانی کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں وہ شرعاً کافر ہیں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ پہلے ہم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرو کہ تم دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو۔ اگر تم نے اپنا اسلام ثابت کر دکھایا تو پھر حیات ممات مسیح علیہ السلام پر گفتگو ہوگی۔ جب علماء لدھیانہ کی طرف سے اس مضموں کا اشتہار شائع ہوا تو مرزا کے ہوش اڑ گئے' کیونکہ اس کے لیے اپنا مسلمان ثابت کرنا ناممکن تھا۔ اس لیے حکیم نورالدین کو لاہور سے مشورہ کے لئے طلب کیا۔

بحوالہ آئمہ تلبیس

(جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۳)

چنانچہ اس کی تفصیل میں مولانا محمد لدھیانوی فتاویٰ قادریہ میں لکھتے ہیں کہ:

اس اثناء میں قادیانی نے اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے اشتہار جاری کیے اور ساتھ مباحثہ کے لئے دو اشتہاروں میں ہمارا نام بھی درج کر دیا ہم نے اس کے جواب میں یہ اشتہاری جاری کیا۔

(فتاویٰ قادریہ ص ۱۹۔۲۰)

علماء لدھیانہ کی طرف سے جوابی اشتہار

علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کے اشتہار کے جواب میں اپنا اشتہار مناظرہ کو قبول کرنے کا چند شرائط کے ساتھ جاری کیا وہ حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحق یعلو ولا یعلی

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

بعد از حمد صلوٰۃ جملہ اہل اسلام کو معلوم ہوا کہ مرزا غلام قادیانی اشتہارات اس مضمون کے شائع کر رہا ہے کہ عیسیٰ موعود ہوں' مولوی محمد' مولوی عبداللہ' مولوی عبدالعزیز وغیرہ جو میرے برخلاف ہیں' میرے سے جلسہ عام روبرو ایک افسر یورپین کے برمکان احسن شاہ وغیرہ ایک روز بعد عید الفطر کے گفتگو کر لیں۔

چونکہ ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ھ میں مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کا جاری کر دیا تھا اور رسالہ نصرۃ الابرار اور فیوضات مکی میں بحوالہ فتویٰ حرمین تحریر کر چکے ہیں کہ یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں شرعاً کافر ہیں۔ پس مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ اول سرکار سے اجازت طلب کر لے کیونکہ حکام شہر ہذا نے چند سال سے یہ حکم نافذ کر رکھا ہے کہ کوئی شخص اجنبی اس شہر میں آ کر بلا اجازت سرکار کوئی جلسہ مذہبی منعقد نہ کرے۔ ورنہ سرکاری مجرم قرار دیا جائے گا' بعد اجازت حاصل کرنے کے مکان شہزادہ نادر صاحب یا مکان خواجہ احسن شاہ صاحب یا کسی اور رئیس کے مکان کو واسطے گفتگو کے مقرر کر کے ہم کو مرزا قادیانی اور صاحب مکان تحریری طور پر اطلاع دیں کہ ہمارے مکان پر مرزا سے آپ آ کر بحث کر لیں چونکہ ہمارے نزدیک جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا' بعد میں عیسیٰ موعود ہونے کا کلام شروع ہوگا' اگر مرزا قادیانی بسبب کم لیاقتی کے تنہا مناظرہ نہ کر سکے تو اپنے متبعین کو ہمراہ لے کر میدان گفتگو میں آئے' اگر اس نہج پر بھی مطمئن نہ ہو' تو ان اہل علموں کو جو مرزا قادیانی

کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں جانتے' ہمراہ لے کر مکان گفتگو پر حاضر ہو کر اپنے دلائل پیش کرے' چونکہ ہر ایک شخص بموجب زعم اپنے کے اپنے آپ کو حق جانتا ہے' لہٰذا واسطے تمیز حق اور باطل کے مقاصد میں بحث کا جو نہایت آسان بتاتے ہیں اس کو اختیار کر لیں جس میں ان کا ایک حبہ بھی خرچ نہ ہو' وہ امر یہ ہے کہ مرزا قادیانی ہمارے ساتھ بلاخرچ مکہ معظّمہ کو چلے یا سلطان روم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مدعا کو ظاہر کرے' تاکہ اہل حق کا تاج نصرت سے سرفرازی حاصل ہو اور مبطل کی گردن میں طوق لعنت کا نمودار ہو اور آئندہ کوئی ایسے دعوائے باطلہ کرنے کی جرات نہ کرے۔

اگر مرزا کو مباحثہ بلا پابندی شرائط کے منظور ہو تو عید یا جمعہ کے مجمع میں حاضر ہو کر مستفید ہوں' اور اگر امورات مذکورہ بالا سے کسی امر کی تعمیل کرنے میں پہلو تہی کریں تو ان کو لازم ہے کہ آئندہ ایسے دعاوی سے اپنا تائب ہونا ظاہر کریں۔

خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ اور جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد اور اہل اسلام کو اس شخص سے ربط رکھنا حرام ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے جو چاہے ان کی عورتوں سے نکاح کر لے۔ کتب فقہ میں یہ مسائل باب مرتد میں تصریح کے ساتھ موجود ہیں' اگرچہ عوام کالانعام بعض مسائل کو سن کر کہتے ہیں کہ یہ مولوی ضدی ہیں: لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس مسئلہ کی صداقت ظاہر کر دیتا ہے تو پھر اسی منہ سے کہتے ہیں کہ ان مولویوں کا مسئلہ ٹھیک نکلا' دیکھو محمود شاہ کا جو ہم نے حال اشتہار میں لکھا تھا خدا تعالیٰ نے اس کے مددگاروں کے ہاتھ سے صداقت ہمارے اشتہار کی ظاہر کی۔ اسی طرح جیسا ہم نے ۱۳۰۱ھ میں مرزا قادیانی کو کافر اور مرتد قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی صداقت بھی محمد حسین لاہوری وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر کر دی جو اس کے اول درجہ کے مددگار تھے اور علماء مکہ معظّمہ نے بھی ہمارے فتویٰ کو صحیح قرار دیا' اب سکنائے شہر ہذا کو جو اس پر عقیدہ رکھتے ہیں یا کچھ ان کے دل میں اس کے کافر ہونے کا شبہ ہے۔ مرزا قادیانی کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آئیں اور سرکاری انتظام اگر مرزا نہ کر سکے تو اس کے مرید جو اس پر دل و جان سے فدا ہیں اس امر کا بندوبست کر لیں ورنہ سکنائے شہر سے چندہ کر لیں' اگر صرف تعلقہ ہی غرض ہے تو مثل برادر اپنے چماروں کے پیغمبر بن کر اپنا کام چلائیں' یعنی جیسا مرزا امام الدین قوم جاروب کش میں امام مہدی بن بیٹھا ہے تو مرزا غلام احمد چماروں کے عیسیٰ بن کر اپنا مطلب حاصل کریں۔

چونکہ مناظرہ کرنے میں ہر دو بحث کنندوں کا علم میں برابر ہونا امر ضروری ہے لہذا کتب مروجہ درسی میں فریقین کا امتحان لیا جائے گا اور عربی زبان میں ہر دو صاحبوں کو تحریر معہ ترجمہ کرنی پڑے گی' تا کہ عوام کالانعام پر جو مرزا قادیانی کو بڑا عالم جانتے ہیں۔ ظاہر ہو جائے کہ مرزا کو سوائے مرزائیت۔ کر یعنی انشاء پردازی کے جو اس قوم کی جبلی خاصیت ہے کچھ علمی لیاقت نہیں' خصوصاً علم دینی سے بالکل نابلد ہے ورنہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کو قبل از تمام معرض بیع میں نہ لاتا' کیونکہ بیع شے معدوم کے بدون شرائط سلم جو فیما نحن فیہ میں مفقود ہیں شرعاً ہرگز درست نہیں۔

پس جو شخص مرزا مزکور کو مجدد یا عیسیٰ موعود اعتقاد کرتے ہیں پرلے درجے کے نادان ہیں۔ خدا تعالیٰ اس گروہ کو ورطہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت پر لائے یا ان کے شر سے عوام کو محفوظ رکھے۔

اگر کسی طرح کا حیلہ یا بہانہ مرزا قادیانی کی شرط کی بابت پیش کرنا چاہیں تو بالکل لغو ہے کیونکہ سرکاری طور پر فیصلہ اس کا بروقت بحث ہو سکتا ہے یعنی ہر دو فریق اپنی اپنی شرائط بروقت حاضری سرکار میں داخل کریں جن شرائط کو سرکاری افسر منظور فرما دے وہی فریقین کو تسلیم کرنی پڑے گا' بعد میں مباحثہ اس طرز سے شروع ہوگا کہ جس کی ایک ایک فرد شامل مثل سرکاری ہو گیا اور ای ایک فرد فریقین کے پاس رہے گی تا کہ کسی کو کمی زیادتی کی گنجائش نہ رہے۔

اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

المشتہرات

مولوی محمد' مولوی عبداللہ و مولوی عبدالعزیز سکنائے لدھیانہ عفی عنہم مرقوم ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۲۰ تا ۲۳)

مرزا غلام قادیانی کا مناظرہ سے فرار

مرزا قادیانی کو جب پتہ چلا کہ علماء لدھیانہ نے اس کے مناظرے کے چیلنج کو قبول کر لیا ہے تو اس نے اس مناظرے سے کس طرح فرار حاصل کیا' یہ کہانی بھی مولانا شاہ محمد لدھیانوی کی زبانی سنیے۔

اس اشتہار کے شائع ہونے سے مرزا قادیانی مثل نمرود فبہت الذی کفر کا ماصدق علیہ ہوگیا اور کل کارروائیاں اس کی ہباء منثورا ہوگئیں عالم حیرت میں آ کر اپنے حواریوں کو طلب کیا خصوصاً حکیم نورالدین جس کو ۶۰ سال کی عمر میں دوازدہ سالہ دختر منشی احمد جان صاحب ساکن لودیانہ کی بذریعہ قادیانی ہاتھ لگی۔ فوراً لاہور سے فریادرسی کے طلب کیا بعد مشورہ یہ امر قرار پایا کہ ان مولویوں سے ہم کسی طرح عہدہ برا نہیں ہوسکتے کیونکہ جب بہ تقرری ثالث ایمان میں مباحثہ شروع ہوا تو فتویٰ حرمین جس میں دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا بہ نسبت آپ کے ذکر ہے پیش ہوا تو فوراً منصف ہمارے فریق پر ارتداد کا حکم لگا کر فریق ثانی کو فتح یاب کرے گا جس سے ہمارے کل دعاوی پر پانی پھر جائے گا پھر عیسیٰ موعود ہونے میں کسی طرح گفتگو نہیں کرسکتے کیونکہ بے ایمان کا عیسیٰ ہونا دائرہ امکان سے خارج ہے۔ القصہ آپ نے ان مولوی صاحبان کو مخاطب کرنے میں کمال غلطی کی البتہ جو اہل علم برخلاف ہرسہ مولویان آپ کو مسلمان جانتے تھے ان کے مخاطب کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے' کیونکہ ان سے صرف عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بحث کرنے کا ہم کو موقع مل سکتا ہے ایمان کی بحث کا نام بحکم المرء یوخذ باقرارہ وہ زبان پر نہیں لا سکتے لہٰذا اب اس سے بہت اور کوئی مشورہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان مولویوں پر کوئی الزام قائم کر کے گفتگو کرنے سے اعراض ظاہر کریں اگر آپ کی بحث مولوی محمد حسین لاہور سے مقرر ہو جو آپ کے اسلام کا اقرار کر چکے ہیں تو نہایت مناسب ہے۔ اس عاجز کو تاریخ مقررہ سے چند روز پہلے اطلاع دیں تا کہ بخوبی انتظام کیا جائے۔

بنابریں قادیانی نے ایک اشتہار یازدہم شوال ۱۳۰۸ھ میں بنام پادریان جاری کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ مسلمان ہمارے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اس واسطے ہم پادریوں سے بحث کرنے کا اشتہار دیتے ہیں۔

سختی کے برتاؤ سے اطلاق کفر وارتداد وغیرہ جو ہمارے اشتہار مذکورۃ الصدر میں ہے مراد لیا ہے اکثر عام بلکہ خاص بھی ایسے الفاظ کے استعمال کرنے کو خلاف تہذیب خیال کرتے ہیں۔ اگر بنظر غور خیال کریں تو ان الفاظ کا مہذب ہونا اظہر من الشمس وابین من الامس ہے' کیونکہ خنزیر کو خنزیر کہنا خلاف تہذیب نہیں البتہ جو شخص بکری کو خنزیر یا خنزیر کو بکری قرار دے تو وہ تہذیب سے خارج ہے۔

(فتاویٰ قادریہ صفحہ ۲۳'۲۴)

علمائے لدھیانہ کی طرف سے مرزا قادیانی کو مباہلہ کا چیلنج

علماء لدھیانہ نے جہاں مرزا قادیانی کے جھوٹے دعووں کی اہل اسلام کے سامنے قلعی کھولی وہاں پر اس کو مباہلہ کا چیلنج بھی دیا۔

مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی نے کئی بار مرزا قادیانی کو مباہلہ کی دعوت دی اور فرماتے تھے کہ ہم دونوں مکہ معظمہ چلتے ہیں اور کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں فیصلہ مانگتے ہیں جو جھوٹا ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا مگر مرزا قادیانی اس پر تیار نہ ہوا' ایک تو اس لیے کہ یہ جھوٹا تھا دوسرے اس لیے کہ اس کو معلوم تھا کہ علمائے حرمین نے بھی اس پر کفر کا فتویٰ دے دیا ہے کہیں اس کو وہاں قتل نہ کر دیا جائے۔

مرزا قادیانی کا علماء لدھیانہ کو صلح کا پیغام

حضرت مولانا شاہ محمد لدھیانوی فتاویٰ قادریہ میں فرماتے ہیں ان حالات میں کچھ دیر بعد قادیانی نے بنا کنجر کی سرائے میں قیام کر کے بذریعہ مولوی عبدالقادر ہم کو صلح کا پیغام بدیں مضمون کہلا بھیجا کہ مخالفین دین محمدی میرے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب علماء اسلام تیرے پر تکفیر کا فتویٰ شائع کر رہے ہیں تو تو ہم کو اسلام کی طرف کیسے دعوت کر رہا ہے۔

علمائے لدھیانہ کا جواب

مولانا مولوی شاہ عبداللہ صاحب لدھیانوی نے فرمایا کہ اگر صلح کرنی منظور ہے تو اپنے کلمات کفریہ سے بروز جمعہ برسر وعظ آ کر تائب ہو یا گفتگو کر کے ہم کو ساکت کرے یا ہم سے مباہلہ کرے بجائے جواب الجواب مرزا اپنے مسکن قادیان میں جا کر خواب خرگوشی اختیار کر کے سو رہا۔

(اول فتویٰ تکفیر صفحہ ۲۳ تا ۲۸)

علماءلدھیانہ کی خدمات قادیانی لٹریچر کے آئینہ میں

علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا قادیانی کے خلاف مزاحمت کی۔ اس کے دعویٰ مجددیت ومسیحیت کا بھانڈا چوراہے پر پھوڑ دیا۔ اس کے خلاف سب سے پہلے فتویٰ تکفیر دے کر اس کے لیے سد سکندری قائم کر دی۔ علمائے لدھیانہ کی ان خدمات کا تذکرہ خود مرزائی تاریخ نویسوں نے بھی کیا ہے جو کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (فیصل آبادی) کے شکریہ اور اصل کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ درج ذیل ہے۔

پہلی گواہی:

مجدد اعظم کا قادیانی مصنف ڈاکٹر بشارت لکھتا ہے۔

یہ لدھیانہ کا زمانہ عجیب طوفانی زمانہ تھا۔ اس لیے کہ لدھیانہ کے مولوی آپ کے خلاف سخت شوروشر کر رہے تھے۔ لدھیانہ کے تین مولوی یعنی ''مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد'' جو اس شہر میں بہت با اثر تھے دن رات لوگوں کو حضرت صاحب کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے اور پبلک میں اس قدر اشتعال پیدا کر دیا تھا کہ جب حضرت صاحب یا آپ کے احباب باہر نکلتے تو لوگ رستہ میں گالیاں دیتے اور خواہ مخواہ شرارتیں پیدا کرتے تا کہ فساد اور مار پیٹ کا موقع مل جائے۔

(مجدد اعظم جلد اول ص ۲۴۴)

دوسری گواہی:

لدھیانہ میں مولوی عبدالعزیز، مولوی عبداللہ، مولوی محمد تین بھائی تھے اور خاص لودھیانہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ پر ان کا بہت اثر تھا۔ وہ غالی حنفی تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں ان لوگوں پر انگریزوں کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں کچھ الزامات بھی لگے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لدھیانہ میں آپ کی قدر بڑھتی جاتی ہے تو حسد سے جل مرے۔ ابھی حضرت صاحب لدھیانہ تشریف بھی نہ لائے تھے جو حاسدین کے اس گروہ نے اپنی تقریروں میں آپ پر حملے کرنے

شروع کر دیئے۔ اس کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ لدھیانہ تشریف بھی لا رہے ہیں تو اس مخالفت میں اور بھی ترقی ہو گئی۔ چنانچہ جب آپ لدھیانہ پہنچے اور انہیں اس احترام اور قبولیت کا پتہ چلا جو لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق پیدا ہو گئی تھی تو ان کے جوش و غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اپنے پرانے حربے تکفیر پر اتر آئے۔ قدرتی طور پر میر عباس علی صاحب اور دوسرے دوستوں کو اس سے تشویش ہوئی چونکہ وہ ان مولویوں کی فتنہ پردازیوں سے خوب واقف تھے۔ اس لیے پریشان ہو کر حضرت صاحب کو خطوط لکھے۔

(مجدد اعظم جلد اول ص ۱۱۸)

تیسری گواہی:

اس تعلق سے آپ کا سب سے پہلا سفر لدھیانہ کا ہے۔ جو حضور نے ۳ مارچ ۱۸۹۱ء کو اختیار کیا۔ لدھیانہ میں آپ نے محلّہ اقبال گنج، مکان شہزادہ غلام حیدر میں قیام فرمایا۔ حضرت اقدس کے ساتھ حضرت حافظ حامد علی صاحب اور پیراں دتا تھے۔ حضرت اقدس بیمار تھے اس لیے حضور نے یہاں خطوط کے جوابات کے لیے منشی عبداللہ صاحب سنوری کو بلا بھیجا اور خود بیماری کے باوجود پیغام آسمانی پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ لدھیانہ کے علماء مولوی محمد صاحب اور مولوی عبدالعزیز صاحب وغیرہ جو ''براہین احمدیہ'' کی اشاعت کے زمانے سے مخالفت کرتے چلے آ رہے تھے اب اس دعویٰ پر پہلے سے زیادہ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے آپ کے ورود لدھیانہ پر آپ کے خلاف مخالفت کی آگ لگا دی۔ ان کے حوصلے یہاں تک بڑھے کہ وہ مسلمانوں کو آپ کے قتل پر کھلم کھلا اکساتے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول ۳۹۲، ۳۹۳)

چوتھی گواہی:

لدھیانہ کے مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد وغیرہ جو کافی عرصہ سے آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) کے مخالف تھے اور آپ کے خلاف ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے مگر مولوی محمد حسین بٹالوی کے دفاعی حملوں کی وجہ سے دب دب جاتے تھے۔ اب ان کو بھی موقعہ ہاتھ آ گیا اور وہ بھی کھل کر مخالفت کرنے لگے۔

حیاۃ طیبہ
(از شیخ عبدالقادر سابق سوداگرمل)

پانچویں گواہی:

پہلے روز شام کو میر عباس علی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ دوسرے دن صبح کو قاضی خواجہ علی صاحب نے اور شام کو صوفی احمد جان صاحب کے ایک مرید منشی رحیم بخش صاحب نے دعوت کی۔ لدھیانہ کی فضا اس وقت تک پرسکون تھی اور ابھی تک کوئی ناخوشگوار اور تلخ صورت پیدا نہیں ہوئی تھی لیکن اب شام کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام مولوی رحیم بخش صاحب کے ہاں تشریف لے گئے تو لدھیانہ کے بعض خدا ناترس علماء کی ایک افسوناک کارروائی سامنے آئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اقدس آٹھ دس اصحاب کے ہمراہ منشی صاحب کے گھر پہنچے جہاں آپ کو پہلے تو ایک کھلے کمرے میں تشریف رکھنے کے لیے کہا گیا لیکن جب کھانا تیار ہو گیا تو حضور کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا چکے تو مولوی عبدالعزیز لدھیانوی نے ہنگامہ آرائی کے لیے اپنا ایک ایلچی بھیج دیا جس نے آتے ہی حضرت صوفی احمد جان صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مولوی عبدالعزیز صاحب کہتے ہیں کہ قادیان والے مرزا صاحب ہمارے ساتھ بحث کریں یا کوتوالی چلیں۔ حضرت صوفی نے جواب دیا کہ ہم کیوں کوتوالی چلیں کیا ہم نے کسی کا قصور کیا ہے۔ اگر تمہارے مولوی صاحب نے کوئی بات دریافت کرنی ہے تو اخلاق و انسانیت کے ساتھ محلہ صوفیاں میں جہاں حضرت اقدس ٹھہرے ہوئے ہیں دریافت کر لیں۔ حضرت صوفی صاحب نے اپنا جواب ختم کیا ہی تھا کہ خود میزبان یعنی منشی رحیم بخش صاحب نے انہیں یہ خبر سنائی کہ جس کمرہ سے آپ پہلے اٹھ کر آئے ہیں وہاں بعض لوگ جمع ہیں اور اپنے شکوک پیش کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت صوفی صاحب نے انہیں سمجھایا کہ حضرت صاحب کو سفر کی وجہ سے تکان ہے۔ یہ لوگ حضرت اقدس کی قیامگاہ محلہ صوفیاں پر آ جائیں لیکن حضرت مسیح موعود نے یہ سن کر فرمایا کہ نہیں ہم بیٹھیں گے اور ان لوگوں کی باتیں سنیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت اقدس اپنے خدام کے ساتھ پہلے کمرے کی طرف چل دیئے۔ یہاں آئے تو دیکھا کہ کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں۔ حضور اور آپ کے ساتھیوں کو بمشکل جگہ ملی۔ ان لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے شکوک پیش کریں چنانچہ وہ اعتراضات کرتے رہے اور حضرت مسیح موعود ان کے جواب دیتے رہے لیکن ان شوریدہ سروں کو تحقیق حق تو

مقصود نہیں تھی وہ تو لدھیانہ کے بعض مولویوں کی اشتعال انگیزی پر اپنے جوش غضب کا مظاہرہ کرنے کو آئے تھے جو کرتے رہے۔ اسی موقعہ پر ایک شخص نے یہ سوال بھی کیا کہ آپ بھی پیشگوئیاں فرماتے ہیں اور نجومی اور رمال بھی کرتے ہیں۔ ہمیں صداقت کا پتہ کس طرح لگے۔ حضور نے فرمایا کہ نصرت الٰہی نجومیوں اور رمالوں کے ساتھ نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام اور مامورین کو نصرت اور کامیابی ملتی ہے۔ وہ ان اور ان کی جماعت روز بروز ترقی کرتی اور ان کا اقبال ترقی کرتا ہے۔ خدا کے مامور کا حوصلہ دیکھو کہ میر عباس علی صاحب تو لدھیانہ والوں کا بے جا جوش دیکھ کر گھبراتے جاتے مگر حضرت کے چہرے پر قطعاً کوئی ملال کے آثار نہیں تھے اور آپ پوری تسلی اور اطمینان کے لب ولہجہ میں انہیں فرماتے تھے کہ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں ان کو کرنے دو۔ آخر تھوڑی دیر بعد جب منشی رحیم بخش صاحب نے دیکھا کہ معاملہ طول کھینچ رہا ہے اور مخالفت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی ہے تو انہوں نے کمال عقلمندی سے کہہ دیا کہ حضرت صاحب کو زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ آپ لوگوں کے شکوک کے جواب حضرت صاحب نے کافی طور پر دے دیئے ہیں۔ حضور کو تکان ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس واپسی کا قصد کر کے اٹھے تو صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ عنہ نے میر عباس علی صاحب کو مشورہ دیا کہ مولوی عبدالعزیز صاحب فساد کے خوگر ہیں۔ دوسرے رستہ سے چلنا چاہیے۔ حضرت اقدس نے جو قریب ہی کھڑے سن رہے تھے اس موقعہ پر بھی کوہ استقلال بن کر ارشاد فرمایا نہیں اسی راستہ سے چلیں گے جس راستہ سے اندیشہ کیا جاتا ہے۔ غرض فوراً حضور اسی راستہ سے ڈپٹی امیر علی صاحب کے مکان تک تشریف لائے اور راستہ میں کسی شخص کو مزاحمت کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ چوڑے اور اونچے بازار تک سرے تک پہنچے تو لالہ ملاوامل نے میر عباس صاحب کو وہ رویا یاد دلایا جو کہ حضور نے لدھیانہ والوں کی مخالفت کے متعلق لکھا تھا اور ان سے پوچھا کہ وہ رویا پورا ہو گیا۔ میر عنایت علی صاحب نے جو اس وقت حضرت اقدس کے ہمراہ تھے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فی الواقع میر صاحب کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اس وقت خود میر عباس علی صاحب نے کھلا اقرار کیا کہ حضور کی رویا کمال صفائی سے پوری ہو گئی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد اول ۲۳۴، ۲۳۵)

یہاں پر قادیانی مصنف نے واقعات لکھتے ہوئے اگرچہ روایتی جھوٹ کا سہارا لیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کوہ استقلال بنا رہا اور جواب دیتا رہا۔ حالانکہ حالات اس کے خلاف تھے۔ اس

سے قطع نظر یہ بات واضح ہوئی کہ علمائے لدھیانہ مباحثے کے لیے مرزا قادیانی کے گھر تک پہنچ گئے لیکن قادیانی کسی نہ کسی بہانے سے ٹال گیا۔

اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے جب اشتہار علمائے لدھیانہ کو مباحثے کا دیا تو علمائے لدھیانہ نے مباحثے کا چیلنج قبول کرتے ہوئے کچھ شرائط پیش کی تھیں۔ان میں دو شرطیں یہ تھیں۔

۱ چونکہ ہمارے نزدیک جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔

۲ چونکہ مناظرہ کرنے میں ہر دو بحث کنندوں کا علم میں برابر ہونا امر ضروری ہے۔لہٰذا کتب مروجہ درسی میں فریقین کا امتحان لیا جائے گا اور عربی زبان میں ہر دو صاحبوں کو تحریر معہ ترجمہ کرنی پڑے گی۔

(فتاویٰ قادریہ ص ۲۱'۲۲)

جبکہ مرزا قادیانی نے شرائط کو پورا کرنے کی بجائے مباحثے کا رخ مولانا بٹالوی کی طرف موڑ دیا۔نیز علمائے لدھیانہ نے مباحثے کی بجائے مباہلے پر زور دیا تھا مگر مرزا قادیانی بھاگ گیا۔

مرزا قادیانی اور اس کے پیر کاروں کے متعلق کفر کے فتاویٰ

مرزا قادیانی نے سب سے پہلے مجدد اور ملھم من اللہ ہونے کے دعویٰ کیے پھر تدریجاً مثیل مسیح' مسیح موعود' ظلی بروزی نبی' حقیقی نبی ہونے کے دعویٰ کرتا چلا گیا صرف اسی پہ بس نہیں اس کے دعویٰ ہزار پہلو رکھتے ہیں جو کہ خدا' خدا کا بیٹا ہونے سے لے کر کرم خاکی اور انسانوں کی عار ہونے تک پر مشتمل ہیں۔

اس نے قرآن کریم کی مختلف آیات میں اپنی عربی عبارات کی پیوندکاری کر کے انہیں الہامات کا نام دیا اور خود صاحب الہام ہونے کا دعویٰ کیا تو اس وقت سب سے پہلے علمائے لدھیانہ نے مرزا پر کفر کا فتویٰ دیا' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حقیقت حال واضح نہ ہونے کی وجہ سے ابتدا میں مذبذب رہے لیکن علمائے لدھیانہ سے بحث مباحثہ کے بعد آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں شرح صدر عطا فرما دیا اور انہوں نے بھی مرزا اور اس کے ماننے والوں کو کافر قرار دیا۔

اس اثناء میں مختلف مسالک کے علماء کرام نے مرزائیوں کے کفر کے فتویٰ جاری کیے۔ بعض فتاویٰ کی ترتیب وقوع مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

"تو یہاں پر پنجاب سے مراد علمائے لدھیانہ ہیں جنہوں نے ۱۳۰۱ھ میں سب سے پہلے فتویٰ دیا پھر مولانا غلام دستگیر قصوری ہیں جنہوں نے ۱۳۰۲ھ میں اس پر کفر کا فتویٰ دیا پھر مولانا غلام دستگیر قصوری نے فتویٰ مرتب کر کے ۱۳۱۰۳ھ میں بلاد عرب میں بھیجا وہاں سے علمائے حرمین نے مرزا قادیانی پر کفر کے فتویٰ کی توثیق کی اور یہ فتویٰ بلاد عرب سے ۱۳۰۵ھ میں واپس ہوا جبکہ مولانا بٹالوی نے ۱۳۰۸ھ کے بعد کہیں جا کر فتویٰ دیا ہے۔

(تاریخ ختم نبوت ص ۲۸۶)

علماء دیوبند کے فتاویٰ

علمائے دیوبند کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے قادیانی کا علمی و سیاسی محاذ پر اپنے ہم عصر حضرات کی نسبت بہت زیادہ کام کیا ہے۔ قادیانیت پر کفر کا فتویٰ بھی منتسبین دارالعلوم دیوبند (علمائے لدھیانہ) نے دیا۔

تھے جب احتساب سے سارے بادہ خوار دست کش
مجھ کو یہ افتخار کہ میں مے خانے میں تھا

علماء لدھیانہ کا استخارہ:

۱۸۸۴ء کی ابتداء میں مرزا قادیانی نے لدھیانہ کا سفر کیا اور یہ دعویٰ کیا میں مجدد ہوں۔ تو علماء لدھیانہ مولانا مفتی محمد عبداللہ لدھیانوی اور ان کے ساتھی بہت پریشان ہوئے حتیٰ کہ مولانا عبداللہ صاحب نے شام کو کھانا بھی نہیں کھایا اور رات کو خود بھی استخارہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے بھی کرایا آپ نے رات کو خواب میں دیکھا کہ میں ایک مکان بلند پر مع مولوی شاہ محمد صاحب و خواجہ احسن شاہ صاحب بیٹھا ہوں۔ تین آدمی دور سے دھوتی باندھے ہوئے چلے آتے معلوم ہوئے۔ جب نزدیک پہنچے تو ایک شخص جو آگے آگے آتا تھا اس نے دھوتی کو کھول کر تہبند کی طرح باندھ لیا۔ خواب ہی میں غیب سے یہ آواز آئی کہ مرز غلام قادیانی یہی ہے۔ اس وقت خواب سے

بیدار ہوئے اور دل کی پراگندگی یکلخت دور ہو گیا در یقین کی ہوا کہ یہ شخص پیرایہ اسلام میں لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ موافق تعبیر خواب کے دوسرے دن قادیانی مع دو ہندوؤں کے لدھیانہ میں آیا۔ استخارہ کنندگان میں سے ایک کو معلوم ہوا کہ یہ شخص بے علم ہے اور دوسرے شخص نے خواب میں مرزا کو اس طرح دیکھا کہ ایک عورت برہنہ تن کو اپنی گود میں لے کر اس کے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ مرزا دنیا کے جمع کرنے کے درپے ہے۔ دین کی کچھ پرواہ نہیں۔

(''اول فتویٰ تکفیر'' مرتب محمد عثمان رحمانی لدھیانوی)

جس روز مرزا قادیانی لدھیانہ میں آیا اسی دن مولانا محمد لدھیانوی مولانا عبداللہ دھیانوی اور مولانا اسماعیل لدھیانوی نے براہین احمدیہ کو دیکھا تو اس میں کفریہ کلمات انبار در انبار پائے گئے تو انہوں نے لوگوں کو فوراً اطلاع دی کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق اور ملحد ہے۔

علماء لدھیانہ کا پہلا فتویٰ:

مرزا غلام قادیانی کی کتاب براہین کو دیکھا گیا تو اس میں کلمات کفریہ انبار در انبار پائے گئے۔ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق اور ملحد ہے۔ مدعی نبوت کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔ یہ شخص بحکم مرتد ہے۔ اس سے کوئی اسلامی معاملہ اور رشتہ ناطہ کرنا جائز نہیں۔ اس کے عقائد کا تسلیم کرنے والا بھی مرتد ہو جائے گا۔

محمد لدھیانوی عفی عنہ' عبداللہ لدھیانوی' عبدالعزیز لدھیانوی علماء لدھیانہ کی طرف سے مرزا غلام قادیانی کی جھوٹی نبوت پر فتویٰ جاری ہوتے ہی پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔

چند لوگوں نے مخالفت بھی کی لیکن جیسے جیسے مرزا کے حالات سامنے آتے رہے۔ علماء لدھیانہ کے فتویٰ کی تصدیق ہوتی گئی۔ بالآخر تمام علماء اسلام نے علماء لدھیانہ کے فتویٰ کی مکمل تائید کر دی۔

ایک اور اجتماعی فتویٰ:

مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کے کفریہ عقائد پر ایک فتویٰ نئے سرے سے مرتب کیا گیا اور اس پر علماء ہند کی مہریں بھی لگوائیں گئیں جو کہ ۱۳۳۶ھ یعنی 1918ء میں دیا گیا اور ۱۳۳۸ھ یعنی ۱۹۲۰ء میں شائع کیا گیا۔

(ملخص از اول فتویٰ تکفیر مرتب محمد عثمان رحمانی لدھیانوی' ناشر مجلس احرار اسلام ہند)

مولانا محمد یعقوبؒ نانوتوی کا فتویٰ

پہلا تاثر

آپ نے علمائے لدھیانہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

میں اس شخص (مرزا قادیانی) کو اپنی تحقیق میں غیر مقلد جانتا ہوں اور آپ کو اس کی تکفیر سے منع نہیں کرتا کیونکہ آپ اس کے کل حالات سے بسبب قریب الوطن ہونے کے واقف ہیں اور نیز آپ نے اس کی کتاب براہین کی ہر چہار جلد کو دیکھ لیا ہے۔ (فتاویٰ قادریہ ص ۱۶،۱۵)

پہلا فتویٰ مولانا محمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

چنانچہ مولانا صاحب نے حسب وعدہ کے ایک فتویٰ اپنے ہاتھ سے لکھ کر ہمارے پاس ڈاک میں ارسال فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہ شخص میری دانست میں غیر مقلد معلوم ہوتا ہے اور اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے اور نیز اس شخص نے کسی اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا معلوم نہیں کہ اس کو کس روح کی اویسیت ہے اور شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری مرحوم نے بروقت ملاقات فرمایا کہ مجھ کو بعد استخارہ کرنے کے یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص بھینسے پر سوار ہے کہ منہ اس کا دم کی طرف ہے جب غور سے دیکھا تو زنار اس کے گلے میں پڑا ہوا نظر آیا جس سے اس شخص کا بے دین ہونا ظاہر ہے اور یہ بھی میں یقیناً کہتا ہوں کہ جو اہل علم اس کی تکفیر میں اب متردد ہیں کچھ عرصہ بعد سب کافر کہیں گے۔ (فتاویٰ قادریہ ص ۱۷)

نوٹ: مولانا رفیق دلاوری مرحوم نے رئیس قادیان میں مذکورہ فتویٰ کو نقل کیا ہے۔ اس میں انہوں نے غیر مقلد کی جگہ لامذہب کا لفظ نقل کیا ہے۔

مولانا گنگوہی کا فتویٰ

بعض قرائن سے جن کا ذکر ایک دوسرے مقام پر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے شرح صدر کے بعد مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کے متعلق کافر ہونے کا ایک تفصیلی فتویٰ جاری کیا اور مرزا قادیانی کو ان کے اس فتویٰ سے بڑا صدمہ پہنچا اور اسے خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس وجہ سے وہ مولانا گنگوہی کا دشمن بن گیا اور ان کو ہمیشہ برے الفاظ سے یاد کرتا رہا۔

مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ نے اپنی کتاب فتویٰ امام ربانیؒ میں حضرت گنگوہی کے مرزا کے متعلق چھ فتویٰ ذکر کیے ہیں۔ بطور نمونہ تذکرۃ الرشید سے ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے۔

مرزا قادیانی گمراہ ہے۔ اس کے مرید بھی گمراہ ہیں۔ اگر (مسلمان اس کی) جماعت سے الگ رہیں تو اچھا ہے۔ جیسا کہ رافضی، خارجی کا (اہل سنت والجماعت سے) جدا رہنا اچھا ہے۔ ان کی واہیات مت سنو۔ اگر ہو سکے اپنی جماعت سے خارج کر دو۔ بحث کر کے ساکت کرنا اگر ہو سکے تو ضروری ہے ورنہ ہاتھ سے ان کو جواب دو اور ہرگز فوت ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں وہ بکتا ہے۔ اس کا جواب علماء نے جواب دے دیا ہے مگر وہ گمراہ اپنے اغوا و اضلال سے باز نہیں آتا۔ حیا اس کو نہیں رہی کہ شرما دے۔ جو عقیدہ صحابہ سے آج تک ہے۔ وہ یہ ہے کہ (عیسیٰ علیہ السلام) زندہ آسمان پر گئے اور نزول فرما کر دنیا میں فوت ہوئیں گے۔ اس کے خلاف باطل ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۰)

مولانا گنگوہی کے فتویٰ کے متعلق مرزائی اعتراف:

ایک فیصلہ کرنے والا اشتہار انعامی ہزار روپیہ میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی ایمان داری پرکھنے کے لیے جنہوں نے اس عاجز (مرزا) کی نسبت یہ اشتہار شائع کیا ہے کہ یہ شخص کافر دجال اور شیطان ہے اور اس پر لعنت اور سب و شتم کرتے رہنا ثواب کی بات ہے۔

(انوار الاسلام ص ۴۶ روحانی خزائن جلد ۹ ص ۴۷)

اہم تنبیہ:

مرزا قادیانی نے کتاب انوار اسلام ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو تحریر کی جیسا کہ روحانی خزائن جلد نمبر ۹ صفحہ ۴ پر تحریر ہے اور مولانا گنگوہیؒ کا انتقال ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ مرزا کے کفر کا فتویٰ اپنی وفات سے کم از کم بارہ سال سے پہلے جاری کر چکے تھے۔

علماء دیوبند کا اجتماعی فتویٰ:

ہم اور ہمارے مشائخ کا مدعی نبوت و مسیحیت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ شروع شروع میں جب تک اس کی بدعقیدگی ہمیں ظاہر نہ ہوئی بلکہ یہ خبر پہنچی کہ وہ اسلام کی تائید کرتا ہے اور تمام مذاہب کو بدلائل باطل کرتا ہے تو جیسا کہ مسلمان کو مسلمان کے ساتھ زیبا ہے ہم اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور اس کے بعض ناشائستہ اقوال کو تاویل کر کے محمل حسن پر عمل کرتے رہے اور اس کے بعد جب اسنے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس پر کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔

قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے۔ بکثرت لوگوں کے پاس موجود ہے کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے۔
(المہند علی المفند ص ۴۳)

المہند علی المفند پر درج ذیل علماء دیوبند کے دستخط ہیں۔

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی	۱۱۔ مولانا محمد سہولؒ
۲۔ مولانا میر احمد حسنؒ امروہی	۱۲۔ مولانا عبدالصمد بجنوریؒ
۳۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۱۳۔ مولانا حکیم محمد اسحٰقؒ دہلوی
۴۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۴۔ مولانا ریاض الدینؒ میرٹھی
۵۔ مولانا شاہ عبدالرحیمؒ رائے پوری	۱۵۔ مولانا مفتی کفایت اللہؒ شاہ جہانپوری
۶۔ مولانا حکیم محمد حسنؒ دیوبندی	۱۶۔ مولانا ضیاء الحق دہلویؒ

۷۔مولانا قدرت اللہ مراد آبادی	۱۷۔مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
۸۔مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	۱۸۔مولانا سراج احمد میرٹھی
۹۔مولانا محمد احمد نانوتوی	۱۹۔مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری
۱۰۔مولانا غلام رسول	۲۰۔مولانا مسعود احمد گنگوہی
۲۱۔مولانا محمد یحییٰ سہسرامی	۲۲۔مولانا کفایت اللہ گنگوہی

یہ ۲۲ بزرگ ابتدائی دور کے ہیں...... اس فتویٰ پر بعد میں ہر دور کے بزرگ تصدیقی دستخط کرتے رہے جس کے اسمائے گرامی المہند کی طبع جدید میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

القول الصحیح فی مکائد المسیح

از

مولانا محمد سہول دارالعلوم دیوبند

صفر ۱۳۳۱ھ بمطابق جنوری ۱۹۱۳ء میں کسی شخص نے دارالعلوم دیوبند میں ایک استفتاء بھیجا جس میں اس نے درج ذیل سوالات اٹھائے۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی مذکور اور اس کے معتقدین اہل سنت و جماعت میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کافر ہیں یا مسلمان؟

۲۔ ان لوگوں کے ساتھ اسلامی معاملہ درست ہے یا نہیں؟

۳۔ ان لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ ان لوگوں کو نماز پڑھنے اور دیگر احکام مذہبی ادا کرنے کے لیے اہل سنت و جماعت اپنی مسجدوں میں آنے دیں یا نہیں؟

۵۔ ان لوگوں کو قادیانی کہنا درست ہے یا نہیں؟

ان سوالات کے جواب میں مولانا محمد سہول مرحوم نے تقریباً بارہ صفحات پر مشتمل مدلل جوابات تحریر کیے۔

علماء کی تصدیقات:

اس فتویٰ پر درج ذیل مشاہیر نے دستخط فرمائے۔

مولانا محمود حسن دیوبندی' مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا محمد انور شاہ کشمیری' مولانا عبدالسمیع' مولانا مفتی عزیز الرحمٰن' مولانا سید حسن چاند پوری' مولانا اعزاز علی۔ ان بزرگوں کے علاوہ بھی مختلف علاقوں کے بیسیوں مفتیان کرام نے مرزائیوں کے کفر کے اس فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔

فتویٰ تکفیر قادیان

علمائے دیوبند کا متفقہ فتویٰ:

کسی سائل نے مرزا قادیانی کے ۲۵ کفریہ اقوال لکھ کر اس کے ماننے والوں سے رشتہ ناتہ کے متعلق شرعی حکم طلب کیا تھا۔ اس کے جواب میں اکابر علماء دیوبند نے لکھا کہ جس شخص کے ایسے عقائد ہوں وہ بوجہ مخالفت اسلام کے جماعت اسلام سے جدا ہے اور مسلمان مرد و عورت کا نکاح ایسے خارج عن اسلام سے درست نہیں' یہ فتویٰ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں اس فتویٰ پر دیگر مسالک کے علماء کے بھی دستخط کرائے گئے۔

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے علماء کرام:

مولانا محمد یحییٰ مفتی بھوپالی' مولانا ظہور الحسن وغیرہ از ریاست رامپور' علمائے ریاست حیدرآباد' مولانا محمد رسولؒ خان' مولانا سید اصغر حسینؒ' مولانا اعزاز علی' مولانا محمد ادریسؒ کاندھلوی از دارالعلوم دیوبند' مولانا اشرف علیؒ تھانوی' مولانا عنایتؒ الٰہی' مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری' مولانا بدر عالمؒ میرٹھی وغیرھم از مدرسہ مظاہر العلوم' حضرت شاہ عبدالقادرؒ رائے پوری' مولانا نور محمدؒ لدھیانوی' حضرت شاہ عبدالرحیمؒ رائے پوری' مولانا مفتی محمد عبداللہ و دیگر علمائے کلکتہ' مولانا محمد شیر خان و دیگر از بنارس' مولانا محمد مجیب الرحمٰن دربھنگوی' مولانا محمد ابراہیم قادری بدایونی و دیگر علمائے بدایوں' مولانا محمد عماد الدین سنبھلی' علمائے آگرہ و بلند شہر و مرادآباد' علمائے اہل تشیع از لکھنؤ' علمائے ندوۃ العلماء لکھنؤ' مولانا مفتی محمد کفایت اللہ و دیگر علماء دہلی' مجتہد علی اکائری لاہور' مولانا نور بخش

لاہور' علمائے لدھیانہ' علمائے پشاور' علماء راولپنڈی' علماء ملتان' جہلم' سیالکوٹ' ہشیاپور' گورداسپور' گجرات' گوجرانوالہ' مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری' مولانا محمد حسین' مولانا عبدالغفور الغزنوی' مولانا محمد داؤد غزنوی امرتسری' مولانا ثناءاللہ امرتسری۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فتویٰ:

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ایک مشہور مفسر قرآن' عارف ربانی اور علوم اسلامیہ کے ماہر تھے۔ آپ کو فقہ و فتاویٰ میں بھی ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ آپ نے قادیانیوں کے رد میں دو کتابیں لکھی ہیں۔

(۱) الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح۔

(۲) قائد قادیان۔

پہلا رسالہ ۱۳۳۸ ہجری اور دوسری ۱۳۴۰ میں شائع ہوا۔ مرزائیوں کے کفر پر آپ کے ہمعصر علماء نے جو فتوے جاری کیے ان پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط بھی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے قادیانی شبہات کے جوابات دیئے اور قادیانیوں کے کفر کا مستقل فتویٰ بھی جاری کیا۔ آپ کے یہ فتوے امداد الفتاویٰ کی پانچویں اور چھٹی جلد میں مطبوعہ ہیں۔ آپ نے مرزا کے کفر پر درج ذیل فتویٰ جاری کیا۔

''خود مرزا کے بقائے اسلام کے قائل ہونے کی تو اس کے اقوال دیکھنے کے بعد کچھ گنجائش نہیں۔ چنانچہ خود مرزا کے رسائل اور اس کے رد کے رسائل میں وہ اقوال بکثرت موجود ہیں۔ جن میں تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بت پرستی کو اس تاویل سے کفر نہ کہا جائے کہ توحید وجودی کی بناء پر یہ شخص غیر خدا کا عابد نہیں۔ اب رہ گئے اس کے پیرو تو قادیانی پارٹی ان اقوال کو بلا تامل مانتے ہیں ان پر بھی حکم بالا اسلام کی کچھ گنجائش نہیں۔

باقی لاہوری پارٹی کے متعلق شاید کس کو تردید ہو کیونکہ وہ مرزا کے دعویٰ نبوت میں کچھ تاویل کرتے ہیں سو اس تاویل کا صادق ہونا مرزا کے کاذب ہونے کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ اوپر اسی تاویل کا متحمل نہ ہونا مذکور ہے اور مرزا کا صادق ماننا اس تاویل کے باطل ہونے کو مستلزم ہے۔ پس اس جماعت پر حکم بالا اسلام کی صرف ایک صورت ہے کہ یہ مرزا کو کاذب کہیں اور اگر اس کو صادق کہیں

گے تو پھر ان پر بھی اسلام کا حکم نہیں کیا جا سکتا اور جب ان سے نفی اسلام کی ثابت ہو چکی تو ان کے ساتھ کوئی معاملہ اہل اسلام کا کرنا جائز نہ ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ جلد ششم ص ۵۹)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے فتاویٰ

تحریر: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مرحوم

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ سعادت تھی کہ انہوں نے اکابر مشائخ کی نگرانی میں فتوی نویسی میں کمال حاصل کیا اور پھر ایک وقت آیا کہ ایشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند میں انہیں صدارت افتاء کی مسند تفویض ہوئی جس کی بدولت انہیں ''مفتی اعظم'' کا خطاب بجا طور پر حاصل ہوا۔ اس دوران آپ نے قادیانیت کے بارے میں بھی بہت سے فتوے جاری فرمائے جن میں سے بعض میں قادیانیوں کی شرعی حیثیت کو واضح فرمایا گیا اور بعض میں ان کے شبہات کا قلع قمع کیا گیا۔ یہاں چند فتوؤں کو نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

پہلا فتویٰ:

س: **لاتکفر اهل قبلتک** حدیث ہے یا نہیں اور اس کا کیا مطلب ہے؟

ج: حدیث **لاتکفر اهل قبلتک** کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ یہ جملہ کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا لیکن اس مضمون کے جملے بعض احادیث میں وارد ہیں مگر قادیانی مبلغ جو ان الفاظ کو ناتمام نقل کر کے اپنے کفر کو چھپانا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جیسے قرآن سے کوئی شخص لاتقربوا الصلوٰۃ نقل کرے کیونکہ جن احادیث میں اس قسم کے لفظ واقع ہیں ان کے ساتھ ایک قید بھی مذکور ہے یعنی بذنب او بعمل وغیرہ جس کی غرض یہ ہے کہ کسی گناہ و معصیت کی وجہ سے کسی اہل قبلہ کو یعنی مسلم مسلمان کو کافر مت کہو چنانچہ بعض روایت میں اس کے بعد ہی یہ لفظ بھی مذکور ہے۔ الا ان تروا کفرا بواحا یعنی جب تک کفر صریح نہ دیکھو کافر مت کہو خواہ گناہ کتنا بھی سخت کرے۔

یہ روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں حضرت انسؓ سے اس طرح مروی ہے الکف عمن قال لا الہ الا اللہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل نیز بخاری نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ مرفوعاً من شہد ان لا الہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلی صلاتنا واکل ذبیحتنا فھو المسلم اہل قبلہ سے مراد باجماع امت وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو مانتے ہیں نہ کہ یہ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں چاہے ضروریات اسلامیہ کو انکار کرتے رہیں کما فی شرح المقاصد الجلد الثانی م صفحہ ۲۶۸ الی صفحۃ ۲۷۰ قال المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اھل القبلۃ لیس بکافر مالم یخالف ما ھو من ضروریات الدین الی قولہ والا فلا نزاع فی کفر اھل القبلۃ المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم و نفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات و کذا بصدور شئی من موجبات الکفر الخ و فی شرح الفقہ الاکبر وان غلافیہ حتیٰ وجب اکفارہ لایعتبر خلافہ ووفاتہ ایضاً الی قولہ وان صلی الی القبلۃ واعتقد نفسہ مسلما لان الامۃ لیست عبادۃ عن المصلین الی القبلۃ بل عن المومنین ونحوہ فی الکشف البزدوی صفحہ ۲۳۸، ج ۳ و فی الشافی صفحہ ۳۷۷، ج ۱ باب الامامۃ لا خلاف فی کفرہ المخالف فی ضروریات الاسلام و ان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات وقال الشامی ایضاً اھل القبلۃ فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الامور التی علم ثبوتھا فی الشرع واشتھر ومن انکر شیئا من ضروریات کحدوث العالم و حشر الاجساد و علم اللہ سبحانہ بالجزئیات وفریضۃ الصلوٰۃ والصوم لم یکن من اھل القبلۃ ولوکان مجاھداً بالطاعات الی قولہ و معنی عدم تکفیر اھل القبلۃ ان لا یکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیۃ غیر المشھورۃ ھذا ماحققہ المحققون فاحفظہ ومثلہ قال المحقق ابن امیر الحاج فی شرح التحریر لا بن ھمام والنھی عن تکفیر اھل القبلۃ ھو الموافق علی ماھو من ضروریات الاسلام ھذہ جملۃ قلیلۃ من اقوال العلماء نقلتھا واکتفیت بھا لقلۃ الفراغۃ وتفصیل ھذہ المسئلہ فی رسالۃ اکفار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین لشیخنا ومولانا الکشمیری مدظلہ واللہ اعلم۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۱۱ تا ۱۱۳، ج ۲)

دوسرا فتویٰ:

س: کلمہ گو اور اہل قبلہ کی شرعاً کیا تعریف ہے۔ قادیانی مرزائی' لاہوری مرزائی احمدی اہل قبلہ و کلمہ گو مسلمان ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کس وجہ سے؟

ج: کلمہ گو اور اہل قبلہ ایک خاص اصطلاح ہے اسلام اور مسلمانوں کی جس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں کہ جو کلمہ پڑھ لے خواہ کسی طرح پڑھے وہ مسلمان ہے یا جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے بلکہ یہ لفظ اصطلاحی نام ہے اس شخص کا جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایم اے پاس ہے تو ایم اے ایک اصطلاحی نام ہے ان تمام علوم کا جو اس درجہ میں سکھائے جاتے ہیں نہ یہ کہ جو ایم اے کے الفاظ میں پاس ہوتا ہے اور یاد رکھتا ہو اس طرح اہل قبلہ کے معنی بھی باتفاق امت یہی ہیں کہ جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو کما صرح بہ فی عامۃ کتب الکلام اور اس کی مفصل بحث رسالہ اکفار الملحدین مصنفہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب میں موجود ہے ضرورت ہو تو ملاحظہ فرمایا جائے مگر رسالہ عربی زبان میں ہے (اردو زبان میں بھی اس مضمون کا ایک رسالہ احقر کا ہے جس کا نام ''وصول الافکار'' ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۱۳' ج ۲)

تیسرا فتویٰ:

س: (۲۳)(۱) **لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان** ص ۲۴۶' ج ۲ الیواقیت الجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴ شرح فقہ اکبر ص ۱۰ میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) **ان عیسی ابن مریم عاش عشرین ومائۃ سنۃ الحدیث** کنزالعمال صفحہ ۱۲۵ جلد ۶ جلالین مجتبائی ص ۱۵۰ اس حدیث سے وفات ثابت ہوتی ہے۔ (۳) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کیوں ہوئی حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے؟ (۴) **ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ**

الرسل سورہ ال عمران۔ اس آیت سے وفات مسیح علیہ السلام پر استدلال کرنا کیسا ہے۔(۵)**اموات غیر احیا** الآیۃ سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔(۶) شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔لا نبی بعدی کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(۱)حدیث **لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین**۔ دو تین کتابوں میں مذکور ہے مگر سب میں بلا سند لکھی ہے اور جب تک سند معلوم نہ ہو کیسے یقین کر لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح قابل عمل ہے اگر اسی طرح بلا سند روایات پر عمل کریں تو سارا دین برباد ہو جائے اسی لیے بعض اکابر محدثین نے (غالباً عبداللہ ابن مبارک نے) فرمایا ہے **لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء** دوسرے اگر بالفرض سند موجود بھی ہو اور مان لو کہ صحیح بھی ہے تو غایت یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی پر صریح ہیں اور درجہ تواتر کو پہنچ گئی ہیں ان کی معارض ہوگی اور تعارض کے وقت شرعی اور عقلی قاعدہ یہی ہے کہ اقوی کو ترجیح ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک غیر معروف حدیث ان تمام صحیح اور قوی متواتر روایات حدیث پر راجح نہیں ہو سکتی یہ قادیانی مذہب کی خصوصیت ہے کہ مطلب کے موافق نہ ہو تو صحیح بخاری و مسلم کی حدیث کو معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لیے تیار ہو جائیں اور مطلب کی بزعم خود موافق ہو تو ضعیف روایات کو ایسا اہم بنائیں کہ صحیح اور متواتر روایات پر ترجیح دیں کوئی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا۔اس حدیث کی تحقیق پر مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہم ناظم تبلیغ دارالعلوم نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جو عنقریب طبع ہو کر شائع ہونے والا ہے۔

اس حدیث سے وفات کا ثبوت کرنا قادیانی فراست ہی کی خصوصیات سے ہے اولاً اس لیے کہ حدیث خود متکلم فیہ ہے بعض محدثین نے اس کو قابل اعتماد نہیں مانا' ثانیاً اگر حدیث ثابت بھی ہو جائے تو صحاح ستہ میں جو قوی اور صریح روایات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہیں۔ یہ حدیث ان کا معارضہ عقلاً واصولاً نہیں کر سکتی۔

ثالثاً حدیث کی مراد صاف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ایک سو بیس سال زندہ رہے آسمان پر زندہ رہنا چونکہ معجزہ ہے اس لیے اس حیات کو حیات دنیوی میں شمار نہ کرنا چاہیے تھا اور نہ کیا گیا اور اس حدیث میں زمین اور اس عالم عناصر کی حیات کا ذکر ہے بطور اعجاز جو حیات کسی کے لیے ثابت ہو اس کا اس میں شمار کرنا اور داخل سمجھنا عقل ونقل کے مترادف ہے۔

(۳) حق تعالیٰ کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جداگانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیوں نہ کیا اور جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیوں نہ کیا اور نہ صرف ان معاملات و واقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی ترجیح و تفضیل دی جاسکتی ہے جب تک دوسری صحیح وصریح روایات تفضیل پر دلالت نہ کریں۔

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکڑے کر دیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈال دیا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ میں پھر کسی پر یہ آفات ومصائب اول جاری کر دیئے پھر آخرالامر بچالیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا اب یہ سوال کرنا کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ہے ایسے ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں نہ کیا گیا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسیٰ علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے چہرۂ انور زخمی ہونے کی نوبت آئی آپ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا۔ غار میں چھپنا پڑا۔ سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمان بجلی کیوں نہ آ گئی یا دریا میں غرق کیوں نہ ہو گئے جیسے یہ سوال حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی بالکل بے جا اور نامعقول سوال ہے کہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا۔ آپ کو بھی زندہ آسمان پر رکھنا چاہیے تھا کیونکہ زیادہ نوں تک زندہ رہنا یا آسمان پر رہنا ان سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرام اور عوام امت کی عمریں آپ سے دوگنی چوگنی ہوئی ہیں ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان پر رہنا یا چڑھنا ہی مدار فضیلت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

۴۔ **قد خلت من قبله الرسل** سے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں عربی عبارت سمجھنے سے کوئی علاقہ نہیں اور جو محاورات زبان سے بالکل واقف نہیں کیونکہ اول تو اس جیسے عمومات سے کسی خاص واقعہ مشہورہ پر کوئی اثر محاورات کے اعتبار سے نہیں پڑتا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بیمار طبیب سے پوچھے کہ پرہیز کس چیز کا ہے وہ کہہ دے کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ۔ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ مضر نہیں۔ اب اگر یہ بیوقوف جا کر پتھر یا لوہے کھائے یا سنکھیا کھائے اور استدلال میں قادیانی مجتھدین کا سا استدلال پیش کرے کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ۔ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ کوئی مضر نہیں اور ساری چیزوں میں پتھر ولہا اور سنکھیہ (زہر) بھی داخل ہے لہٰذا میں جو کچھ کھاتا ہوں حکیم صاحب کے فرمانے سے کھاتا ہوں۔ انصاف کیجیے کہ کوئی عقلمند اس کو صحیح العقل سمجھے گا اور پھر یہ بھی انصاف کیجیے کہ اس قادیانی استدلال میں اور اس میں کوئی فرق ہے یا نہیں ذرا غور سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر بالفرض خلت کے معنی موت ہی ہوں تو بھی اس سے ان انبیاء کی موت ثابت نہیں ہو سکتی جن کے قرن و حدیث کی دوسری نصوص حیات ثابت کرتی ہیں جیسے سب چیز کھاؤ کے قول سے پتھر اور زہر کا کھانا مراد نہیں۔ اس کے علاوہ خلت کے معنی لغت میں موت کے نہیں بلکہ گزر جانے کے ہیں خواہ مر کر خواہ کسی دوسرے طریقہ سے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا۔

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اس لفظ کے یہی معنی لکھتے ہیں۔

والخلو یستعمل فی الزمان والمکان لکن لما تصور فی الزمان المضی فسّر اھل اللغة خلاالزمان بقولھم مضی الزمان وذھب قال تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل. انتہیٰ۔ یہ لفظ صریح ہیں کہ خلت کے معنی قرآن شریف میں چلے جانے اور گزر جانے کے جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بلاشبہ برابر ہو گئے۔ تعجب ہے کہ قادیانی خانہ ساز پیغمبر کے صحابی اتنی سی بات کو کیوں نہیں سمجھتے اور اگر حق تعالیٰ ان کو چشم بصیرت عطا فرمائے اور وہ ابھی بھی غور کریں تو سمجھیں گے کہ یہ آیت بجائے وفات عیسیٰ پر دلیل ہونے کے حیات عیسیٰ کی طرف مشیر ہے کیونکہ صریح لفظ مات وغیرہ کو چھوڑ کر خلت شاید خدا تعالیٰ

نے اسی لیے اختیار فرمایا ہے کہ کسی بیوقوف کو موت عیسیٰ کا شبہ نہ ہو جائے اگرچہ محاورہ شناس کو تو پھر بھی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

۵۔ اموات غیر احیاء کی تفسیر باعتبار لغت بھی اور جو کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کے اعتبار سے بھی یہی ہے کہ یہ سب حضرات ایک معین مدت کے بعد مرنے والے ہیں نہ یہ کہ بالفعل مر چکے ہیں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے **انک میت و انهم میتون** تو کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ معاذ اللہ آپ اس وقت وفات پا چکے ہیں بلکہ بالاتفاق وہی معنی مذکور مراد ہیں کہ ایک وقت معین میں وفات پانے والے ہیں یہ بھی جھوٹی نبوت کی نحوست ہے کہ اتنی سی بات سمجھ میں نہ آئی۔

۶۔ شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہو سکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں۔ ابن عربی کا قول ان میں سے فرمایئے کس میں داخل ہے۔ اس لیے اس کا استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے۔

ثانیاً خود ابن عربی اپنی اس کتاب فتوحات میں نیز فصوص میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہو چکی ہے ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح اور صاف رسائل ذیل میں مذکور ہیں۔ عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام۔ **التنبیه الطربی فی الذب عن ابن عربی** وغیرہ.

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی ہے آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔

چوتھا فتویٰ:

س: (۴۴) **لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین** کیا یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب میں موجود ہے یا کہ نہ بیہقی کا حوالہ دیا جاتا ہے اس میں ہے یا نہیں؟

ج: حدیث **لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین** کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں۔ البتہ تفسیر

ابن کثیر میں ضمناً یہ الفاظ لکھے ہیں اور اسی طرح اور بعض کتب تصوف میں نقل کر دیا ہے مگر سب جگہ بلا سند نقل کی ہے۔ اس لیے یہ حدیث بچند وجوہ احادیث مشہورہ کے معارض نہیں ہو سکتی اولا معارض کے لیے مساوات فی القوۃ شرط ہے اور اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں جہاں کہیں ہے تو وہ بلا سند ہے اور یہ قول آئمہ حدیث کا مقبول و مشہور ہے۔ **لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء.**

ثانیاً اگر بالفرض یہ حدیث معتبر ہی ہو تو احادیث متواترہ دوبارہ حیات نزول عیسیٰ علیہ السلام کے معارض ہو گی اور ترجیح کی نوبت آئی گی تو ظاہر ہے کہ احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی کو اس کے مقابلہ میں ترجیح ہو گی نہ کہ اس حدیث کو جس کا حدیث ہونا بھی ہنوز متعین نہیں۔

ثالثاً: اگر ان الفاظ کو صحیح و ثابت بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے معنی صاف یہ ہوتے ہیں کہ عالم زمین پر جبوۃ ہوتے کیونکہ حدیث میں اتباع نبوت کا ذکر ہے اور یہ اتباع اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ اگر اس عالم میں زندہ ہوتے تو آپ کا اتباع کرتے اب چونکہ دوسرے عالم میں زندہ ہیں اس لیے اتباع ان پر ضروری نہ رہا سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور اگر اس مضمون کو مبسوط دیکھنا چاہئیں تو مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اس مضمون پر مستقل رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظہ فرمایئے۔

پانچواں فتویٰ:

س: (۲۵) شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ لا نبی بعدی کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہو چکی ہے لہٰذا غیر تشریعی نبوت ختم نہیں ہوتی یہ صحیح ہے یا نہیں؟

ج: شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہو سکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم' حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں۔

ابن عربی کا قول ان میں سے فرمایئے کس میں داخل ہے۔ اس کا استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے۔ ثانیاً خود ابن عربی اپنی اسی کتاب فتوحات میں نیز فصوص میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ہو چکی ہے اور جس عبارت کو سوال میں پیش کیا ہے۔ اس کا صحیح

مطلب خود فتوحات کی تصریح سے یہ ہے کہ نبوت غیر تشریعی ایک خاص اصطلاح شیخ اکبر کی ہے جو مرادف ولایت ہے نہ وہ نبوت جو مصطلح شرع ہے کیونکہ جمیع اقسام نبوت کے انقطاع پر خود فتوحات کی بیشمار عبارتیں شاہد ہیں۔ ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح اور صاف رسائل مذکورۃ الصدر میں کچھ مذکور ہیں اور قلمی احقر کے پاس منقول لیکن سب کے نقل کرنے کی فرصت اور ضرورت نہیں۔

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی ہے آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۲۹ تا ۱۳۴، ج ۲

یہ چند فتاویٰ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، قادیانیوں کے بڑے بڑے شبہات کے جواب پر مشتمل ہیں۔ اس لیے ان فتاویٰ کو حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ کے مآثر میں شمار کیا جائے گا۔ حق تعالیٰ انہیں اپنے دین مبین کی حفاظت کا بہترین اجر عطا فرمائے اور امت محمدیہ کو ان کے علوم و انفاس سے مستفید فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(البلاغ کراچی مفتی اعظمؒ پاکستان نمبر) جمادی الثانیہ تا شعبان ۱۳۹۹ھ

فتویٰ علماءِ پنجاب و ہندوستان

مرتب و ناشر: مولانا محمد حسین بٹالوی

مولانا محمد حسین بٹالوی نے مرزا قادیانی کی کتب فتح اسلام، توضیح مرام اور ازالہ اوہام میں جب اس کے کفریہ عقائد پڑھے تو آپ نے بیس اقتباسات لکھ کر مولانا سید نذیر حسین دہلوی کو روانہ کیے اور ان سے ان عقائدہ حاصل کے متعلق شرعی حکم معلوم کیا تو مولانا نذیر حسین نے قادیانی عقائد پر مدلل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا۔

''اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور قادیانی کے حق میں فتویٰ دیا وہ صحیح ہے کتاب وسنت و اقوال علماء و امت اس کی صحت پر شاہد ہیں۔ اب

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز کریں اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداء سلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنونہ میں بلائیں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں اگر انہیں اعتقادات واقوال پر یہ رحلت کرے۔''

(فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم ص ۱۳۵)

اس فتویٰ پر مولانا بٹالوی نے ہندوستان کے تمام معتبر علماء کے دستخط حاصل کیے اور علماء کرام نے مرزائیوں کے کافر ہونے کی تصدیق کی۔

ایک اہم فتویٰ

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے دعویٰ مہدویت کے متعلق ایک استفتاء علماء اسلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ وہ سوال اور اس کے جوابات درج ذیل ہیں۔

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مہدی موعود کے آنے سے جو آخری زمانہ میں آئے گا اور بطور ظاہر و باطن خلیفہ برحق ہوگا اور بنی فاطمہ میں سے ہوگا جیسا حدیثوں میں آیا ہے قطعاً انکار کرتا ہے اور اس جمہوری عقیدہ کو کہ جس پر تمام اہل سنت دلی یقین رکھتے ہیں سراسر لغو اور بے ہودہ سمجھتا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنا ایک قسم کی ضلالت اور الحاد خیال کرتا ہے کیا ہم اس کو اہل سنت میں سے اور راہ راست پر سمجھ سکتے ہیں یا وہ کذاب اور اجماع کا چھوڑنے والا اور ملحد اور دجال ہے بینوا توجروا الرقوم ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء مطابق ۱۵ شعبان المبارک ۱۳۱۶ھ السائل المعتصم باللہ الاحد مرزا غلام احمد عافاہ اللہ مورید۔

الجواب

۱۔ جو شخص عقیدہ ثابتہ مسلمہ اہل سنت و جماعت سے خلاف کرے تو وہ صریح اور بیشک اس آیت کریمہ کی وعید کا مستحق ہے۔ قال عز من قال ومن یشاقق الرسول الخ حررہ عبدالحق الغزنوی۔

۲۔ درباب مہدی معہود و نزول عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وخروج دجال اکبر احادیث متواترہ وارد اند بریں است اجماع اہل سنت و جماعت منکر احادیث متواترہ کافر و مخالف اہل سنت و جماعت مبتدع وضال ومضل است فقط۔

عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنھما ثم امرتسری

۳۔ مسیح موعود کا آنا اور مہدی موعود کا آنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے...... پس جو شخص اس سے منکر ہے وہ مخالف عقیدہ سنت جماعت اور خاطی ہے اس کو ہرگز متبع سنت نہ جاننا چاہیے فقط واللہ اعلم۔

رشید احمد مورخہ ۱۸ شعبان ۱۶ ہجری اس فتویٰ پر ۲۱ علماء و مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں۔

(اشتہار مرزا قادیانی مورخہ ۸ جنوری ۱۸۹۹ء مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص ۹۶ تا ۱۰۰)

مولانا غلام دستگیر قصوری کا فتویٰ

تعارف

مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ کی اشاعت کے لیے اشتہار شائع کیے۔ پھر براہین احمدیہ ۱۸۸۰ تا ۱۸۸۴ء میں چار حصے شائع کیے۔ صفر ۱۳۰۲ھ (دسمبر ۱۸۸۴ء) میں قصور کے عالم دین حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری نے براہین احمدیہ سہ حصص اور اشتہار پڑھ کر اردو میں ایک رسالہ ''تحقیقات دستگیریہ فی رد ہفوات براہیمیہ'' تحریر کیا اور اس کی نقل مرزا قادیانی کو بھیج کر اس سے توبہ کا تقاضا کیا۔ مرزا قادیانی نے چپ سادھ لی تو مولانا قصوریؒ نے مولانا احمد بخش امرتسریؒ مولانا نواب الدین امرتسریؒ مولانا غلام محمدؒ امام شاہی مسجد لاہور' حافظ نور احمدؒ امام مسجد انارکلی لاہور' مولانا نور احمدؒ ساکن کھائی کوٹلی ضلع جہلم' مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی سے اس رسالہ پر تقریظات تحریر کرائیں جس میں مرزا قادیانی کا مدعی نبوت' مدعی الہام ایسے دعاوی کو مبرہن کیا گیا اور اس کے تائد کو اسلام اور اہل اسلام کے منافی قرار دیا گیا۔ علمائے کرام کے فتویٰ جات اور شرعی آراء آ جانے کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری نے مرزا قادیانی کو پھر دعوت اسلام دی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اسے بھی نظر انداز کر دیا تو مولانا نے شوال ۱۳۰۳ھ جولائی ۱۸۸۶ء میں تحقیقات

دستگیریہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''رجم الشیاطین براغلوطات البراہین'' تجویز کیا۔ علمائے کرام کے فتوے، مرزا قادیانی کی کتاب براہین کے متعلقہ حصے، اشتہار پر مشتمل دستاویزات تیار کر کے حرمین شریفین کے آئمہ و مفتیان سے فتوے طلب کیے۔ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں فتویٰ جات حرمین سے موصول ہوئے۔ فتویٰ آ جانے کے بعد مولانا قصوری مرزا قادیانی کو توبہ کے لیے مباحثہ، مناظرہ، مباہلہ کے لیے بلاتے اور دعوت اسلام دیتے رہے۔ مایوس ہونے پر ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۶ء میں کتاب شائع کر دی۔

(ملخص از فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم ص ۲۲)

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ کا فتویٰ

علمائے دیوبند میں سے ایک بزرگ مولانا رحمت کیرانوی مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری کے استفتاء کے جواب میں آپ نے براہین احمدیہ اور رسالہ اشاعۃ السنۃ کی فائل کا بغور مطالعہ کر کے مرزا کے کفر کا فتویٰ تحریر کیا، اس فتویٰ پر حرمین شریفین کے بڑے علماء کرام نے تصدیقی دستخط کیے۔

(رئیس قادیان ص ۳۸۱ بحوالہ فتاویٰ قادریہ ص ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول جسمانی کے منکرین کے متعلق فتویٰ

مدرسہ محمدی مدراس کے مولانا قاضی عبیداللہ مرحوم نے سید محمد محی الدین کے استفتاء پر ایک مفصل ومدلل فتویٰ تحریر کیا جو کہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس فتویٰ پر بعض علماء کرام کے تصدیقی دستخط بھی ہیں۔ یہ فتویٰ ۱۳۱۱ھ میں پہلی بار شائع ہوا تھا اور ۱۴۲۶ھ میں ایک سو پندرہ سال بعد دوبارہ شائع ہوا ہے۔

(فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم ص ۱۷۸ تا ۲۲۰)

علماء مصر شام وفلسطین کے فتاوی

علمائے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے فتویٰ کے کچھ مدت بعد مصر، شام اور فلسطین کے مفتیان عظام کے فتویٰ بھی ہندوستان پہنچ گئے ہیں، جن میں قادیانی کو بالاتفاق مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا گیا

تھا۔مصر کے فتوے پر شیخ محمد نجیب مفتی اعظم اور علامہ طنطاوی جوہری کے دستخط تھے۔اس فتوے کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''غلام احمد ہندی کی کتاب ''مواجب الرحمٰن'' کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو خاتم الانبیاء مانتا ہے مگر آپ کے خاتم الانبیاء سے یہ مراد نہیں لیتا کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا' بلکہ اس کے زعم میں ختم نبوت سے ختم کمالات نبوت مراد ہے' وہ لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں' بجز اس کے جو آپ کی امت میں ہو اور آپ کا کامل پیرو ہو اور اس نے آپ کی روحانیت سے پورا پورا فیض اور آپ کی روشنی سے کامل روشنی حاصل کی ہو' ایسے کامل پیرو کے لیے مغائرت کا مقام نہیں رہتا اور نہ ہی نبوت محمدیؐ سے الگ کوئی دوسری نبوت ہے بلکہ یہ خود احمد ہی ہے جو دوسرے آئینہ میں ظاہر ہوا ہے کوئی شخص خود اپنی صورت پر جس کو اللہ تعالیٰ آئینہ میں دکھتا اور ظاہر کرتا ہے غیرت نہیں کرتا پس جو شخص نبی ﷺ سے ہو' وہ ہو بہو وہی ہے۔''

''اس تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ غلام احمد حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد بھی نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ رکھتا ہے' اس کا دعویٰ ہے کہ ''وہ بھی آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے اتباع سے نبی ہے اور اس کی نبوت سرکار کائنات ﷺ کی نبوت سے مغائر نہیں بلکہ وہ ہو بہو محمدؐ ہے۔'' حالانکہ یہ عقیدہ صریح کفر اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وما کان محمد الخ کے خلاف ہے۔یہ بیان من جملہ ان دعاوی کے ہے جو غلام احمد ہندی کے کذب پر دلالت کرتے ہیں۔مصطفیٰ کامل پاشا مرحوم رئیس حزب الوطن اور مالک اخبار ''اللواء'' قاہرہ نے اس کتاب مواہب الرحمٰن کا رد لکھا تھا اور غلام احمد کو ضال ومضل بتایا تھا اور اس کے اقوال کو نجاست کی طرح دیوار پر ڈال دینے کے لائق لکھا تھا۔''

شام کا فتویٰ جس کا نام ''خلاصۃ الرد فی انتقاد مسیح الہند'' ہے۔علامہ مفتی محمد ہاشم الرشید الخطیب الحسینی القادری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مسیح ہندی کاذب ہے' وہ اور اس کے پیرو دائرہ اسلام میں داخل نہیں اسکندرانی نے

اور تمام جرائد نے اس کا رد کیا ہے اور تمام مسلمان اس یقین پر جازم ہیں کہ قادیانی ملحد اور کافر ہیں۔'' (بیانات علمائے ربانی صفحہ ۱۱۶' ۱۱۷) بیت المقدس کے فتویٰ پر مفتی اعظم فلسطین سید محمد امین الحسینی کے دستخط ہیں۔ اس فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے ک کتاب اللہ اس پر صریح ہے کہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اس عقیدہ پر ساری امت کا اجماع ہے۔ اس کے خلاف اعتقاد رکھنا کفر اور اسلام سے خروج ہے۔ پس جو شخص نبوت کے جاری رہنے کا عقیدہ رکھے وہ مرتد ہے اس ارتداد کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ (''بیانات علمائے ربانی'' صفحہ ۱۸۳ بحوالہ رئیس قادیان)

شیخ محمد حسنین محمد مخلوف مفتی اعظم مصر کا فتویٰ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی لبدہ

محترم قارئین!

قادیانی حضرات ان دنوں مصر کے ایک آزاد خیال پروفیسر شلتوت کی تحریر جو آج سے عرصہ بیس پچیس برس پہلے کی ہے۔ بڑے زور شور سے شائع کر رہے ہیں جس میں اس نے تحریر کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی فرد واحد یا چند افراد کا کچھ لکھ دینا پر کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا اور ان کا قول مردود سمجھ کار دی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں مصر کے مشہور عالم دین صاحب تصانیف کثیرہ علامہ محمد زاہد الکوثری اور دیگر علماء مصر نے پروفیسر مذکور کی تردید میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جو آج بھی موجود ہیں۔

شلتوت کے اس مضمون سے مرزائی لوگ عوام الناس کو یہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ تمام علماء مصر کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ ہم ان کے اس پردہ فریب کو چاک کرنے کے لیے حکومت مصر کے مفتی اعظم مشہور عالم دین الاستاذ محمد مخلوف کا فتویٰ اصل عبارت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ عام مسلمان اصل حقیقت کو دیکھ کر ان کے دھوکہ سے محفوظ رہ سکیں۔

منظور احمد پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ (۲۶ دسمبر ۱۹۶۲ء)

واعلم ان عیسیٰ علیه السلام لم یقتل ولم یصلب کما قال تعالیٰ وما قتلوه وما صلبوه ولکن شبه لهم وقال وما قتلوه یقینا. فاعتقاد النصاری القتل والصلب کفر لاریب فیه وقد اخبر الله تعالیٰ انه رفع الیه عیسیٰ کما قال ورافعک الی وقال بل رفعه الله الیه فیجب الایمان به والجمهور علی انه رفع حیا من غیر من غیر موت ولا غفرة بجسده وروحه الی السماء وانحصوصیة له علیه السلام هی فی رفعه بجسده وبقاء ه فیها الی الامد المقدر له. واما التوفی المذکور فی هذه الایة و فی قوله تعالی فلما توفیتنی فالمراد منه ماذکرنا علی الروایة الصحیة عن ابن عباس والصحیح من الاقوال کما قاله القرطبی وهو اختیار الطبری وغیره.

ترجمہ: زیرآیت انی متوفیک تحریر فرماتے ہیں۔

اور جاننا چاہیے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو قتل ہوئے ہیں اور نہ ہی سولی دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وما قتلوہ یقیناً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل بھی نہیں کیا اور سولی بھی نہیں دیا لیکن ان کے لیے ایک شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا اور یہ امر یقینی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل بنا دیا گیا اور یہ امر یقینی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا لہٰذا عیسائیوں کا قتل اور صلیب کا عقیدہ رکھنا بلاشبہ کفر ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خبر دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ ورافعلک الی (میں تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا)۔

وان من اهل الکتاب الالیومنن به قبل موته. ای مااحد من اهل الکتاب الموجودین عند نزول عیسی علیه السلام آخر الزمان الا لیؤمنن بانه عبد الله ورسوله وکلمته قبل ان یموت عیسیٰ علیه السلام فتکون الادیان کلها دیناواحدا. وهو دین الاسلام الحنیف دین ابراهیم علیه السلام ونزول عیسی علیه السلام ثابت فی الصحیحین و هو من اشراط الساعة. (صفوة البیان لمعان القرآن ص ۱۰۹ '۱۱۰)

ترجمہ اورفرمایا۔بل فعه الله اليه (بلکہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کواپنی طرف اٹھالیا ہے) لہٰذا اس پر...... (جسمانی رفع) ایمان لانا واجب ہے اور جمہور علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے عیسیٰ علیہ السلام کوموت یا نیند طاری کیے بغیر زندہ آسمان پر اٹھایا گیا ہے اور جسم سمیت آسمان پر اٹھایا جانا اور وہاں ایک مدت مقررہ تک مقیم رہنا آپ ہی کی خصوصیت ہے اور لفظ توفی جو اس آیت اور آیت فلما توفیتنی میں مذکور ہے۔اس سے مراد وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ کی صحیح روایت کی بنا پر تحریر کر دیا ہے اور مفسرینؒ کے اقوال میں سے بھی تصحیح قول وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ اور امام طبریؒ کے علاوہ دیگر عدلماء کرام نے بھی تصریح کی ہے۔

وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته کی تفسیر میں مفتی اعظم ارشادفرماتے ہیں۔

آخری زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے وقت جو اہل کتاب بھی موجود ہوں گے۔وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے اس بات پر ایمان لائیں گے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں اور تمام مذاہب کی جگہ ایک ہی مذہب رہ جائے گا اور وہ ابراہیمی دین' دین اسلام ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا (آسمان سے) نازل ہونا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ثابت ہے اور یہ نزول سماوی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہے۔

(صفوۃ البیان لمعان القرآن صفحہ ۱۰۹'۱۱۰)

والمراد علے القرء تين انه صلى الل عليه وسلم آخر انبياء الله و رسله فلانبي ولا رسول بعده الى قيام الساعة فمن زعم النبوة بعده فهو كذاب افاك وكافر' بكتاب الله وسنة رسوله ولذا افتينا بكفر طائفة القاديانيّة اتباع المفتون غلام احمد القادياني الزاعم هواتباعه انه نبي يوحي اليه وانه لا تجوز مناكحتهم ولا دفنهم في مقابر المسلمين. (صفرة البيان لمعان القرآن ص ١٨٦)

زیرآیت خاتم النبیین تحریرفرماتے ہیں۔

اور لفظ خاتم کی مراد زیر وزبر والی دونوں قراءتوں کی بنا پر یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے تمام نبیوں اور رسولوں کے آخر میں آنے والے ہیں۔آپؐ کے بعد قیامت کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں بنایا جائے گا۔لہٰذا حضور ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ پرلے درجے کا جھوٹا' بہت بڑا بہتان باندھنے والا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کا منکر ہے۔

اسی لیے ہم (علماء حق) نے مرزا غلام قادیانی کی تبع تمام جماعت کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے' مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی تمام جماعت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کی طرف وحی کی جاتی ہے اور ہم یہ بھی فتویٰ دیتے ہیں کہ نہ ان سے رشتہ ناطہ کیا جائے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

صفوۃ البیان لمعان القرآن ص۱۸۶۔
استاذ العلماء حضرت شیخ حسنین محمد مخلوف سابق مفتی اعظم حکومت مصر طبع اولیٰ ۱۳۷۰ھ

فتویٰ علماء حرمین وشام

مجلس تحفظ نبوت ملتان کے استفتاء پر حرمین شریفین اور ملک شام کے ائمہ کرام وعلماء عظام نے قادیانیوں کے کفر کا ایک تفصیلی فتویٰ جاری کیا جس پر درج ذیل مشائخ نے دستخط فرمائے۔

علمائے حرمین شریفین

الشیخ عبداللہ بن محمد بن حمید' الشیخ حسن محمد المشاط' الشیخ محمد بن علوی المالکی' الشیخ محمود نذیر الطرازی' الشیخ عبداللہ سعید الجی' الشیخ محمد علی صابونی' الشیخ محمد امین المصری' الشیخ محمد خیر الباکستانی' الشیخ طہ بن عبدالواسع البرکاتی' الشیخ محمد المنتصر الکتانی' الشیخ ابوبکر محمود جومی' الشیخ احمد عمرو غیرھم من المشاهیر۔

علمائے شام

الشیخ محمد ابوالفتح البیانونی مدرس فی کلیۃ الشریعۃ' الشیخ طاہر خیر اللہ خطیب جامع الروضۃ' الشیخ احمد القلاش خطیب جامع المیدانی' الشیخ عبداللہ خیرات مفتی جبل سمحان ا۔ اس فتویٰ پر مجموعی طور پر اٹھارہ علماء ومشائخ کے دستخط موجود ہیں۔

الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ

۱۹۶۴ء میں سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم نے سعودی عرب کے مفتی اعظم' وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ رئیس ریاسۃ البحوث الاسلامیہ دار الافتاء والدعوۃ والارشاد

الریاض سے ملاقات کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی رفع ونزول کے متعلق فتویٰ حاصل کیا اور محنت شاقہ کر کے اس پر چودہ ملکوں کے ۲۹۱ علماء ومفتیان کرام کے تصدیقی دستخط حاصل کیے۔ شیخ بن باز قدس اللہ سرہ کا یہ فتویٰ ''فتویٰ حیات مسیح علیہ السلام'' کے نام سے ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ سے شائع ہو چکا ہے اور دوسری بار اسے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم میں شائع کیا ہے۔

مجمع فقہ اسلامی جدہ سعودی عرب کا فتویٰ

جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ میں جب قادیانیوں کے خلاف مقدمہ چل رہا تھا۔ قادیانیوں نے یہ نکتہ اٹھایا کہ مسلمانوں کے پاس ایسا کوئی فتویٰ نہیں ہے جس پر تمام دنیا کے مسلمانوں نے صاد کیا ہو اس کی تصدیق کی ہو جسے امت مسلمہ کے اجماع سے تعبیر کیا جا سکتا ہو مسلم جوڈیشل کونسل جنوبی افریقہ کے سربراہ الشیخ محمد رئیس نے قادیانیوں کے اس چیلنج کے جواب میں عالم اسلام کے نامور مفتی ومحقق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ سے رابطہ کیا' آپ عالم اسلامی کی شرعی رہنمائی کے لیے سعودی حکومت کی قائم کردہ اکیڈمی المجمع الفقہ الاسلامی کے نائب صدر ہیں۔ آپ نے اکیڈمی کے ممبران کی رہنمائی کے لیے الشیخ محمد رئیس کے استفتاء کا جواب لکھ کر اکیڈمی کے سربراہ الشیخ حبیب بلخوجہ کی معرفت تمام ممبران کو بھیجا اور اس فتویٰ پر اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۱۰۔۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۲۔۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء میں غور کیا گیا اور عالم اسلام کی مفتی حضرات کی اس نمائندہ جماعت نے متفقہ طور پر مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ مجمع فقہ اسلامی کا یہ فیصلہ فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم میں شامل ہے۔

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ

اپریل ۱۹۸۶ء میں سکھر سے کسی صاحب نے مرزائیوں کے جنازہ میں شریک ہونے کے متعلق متعدد سوالات پوچھے تو ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ کراچی کے مفتی مولانا عبداللہ کلام نے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مفصل جوابات دیئے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ

۱۔ قادیانی مردہ کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا جائز نہیں۔

۲۔ قادیانیوں کے جنازہ میں شریک ہونا درست نہیں۔

۳۔ جن لوگوں نے میت کے قادیانی ہونے اور قادیانی عقائد کا تفصیلی علم رکھنے کے باوجود جنازہ پڑھا ہے۔ ان کا ایمان اور نکاح دونوں باطل ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے اگر حج کیا تھا تو اس پر دوبارہ حج کرنا بھی لازم ہے۔

لاہوری گروپ کے متعلق اہم فتویٰ

دوکنگ مسجد برطانیہ نے اراکین نے ستمبر ۱۹۷۳ء میں لاہور قادیانی گروپ کے متعلق شرعی حکم معلوم کرنے کے لے علماء کرام کی خدمت میں ایک سوال نامہ بھیجا جس کا حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، حضرت مولانا مفتی جمیلؒ احمد تھانوی، حضرت مولانا حافظ محمد الیاسؒ مولانا محمد حسین نعیمی، مولانا عبدالقادر آزاد اور مولانا سمیع الحق نے مفصل جواب دیا۔ ان سب حضرات کے جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ مرزائیوں کا لاہوری گروپ بھی قادیانی گروپ کی طرح کافر اور مرتد ہے۔ لاہوری گروپ دوسرے گروہ سے اپنا جو اختلاف ظاہر کرتا ہے وہ دھوکہ اور فراڈ ہے دونوں گروہوں کا ایک ہی حکم ہے......

قادیانیوں کی شرعی حیثیت

قادیانیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر صحیح اسلامی قانون نافذ ہو تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس کے متعلق درج ذیل علماء و مفتی حضرات نے فتاویٰ جاری کیے۔

اسلام میں مرتد کی شرعی حیثیت	مولانا محمد مراد ہالیجوی
مرتد کے احکام اسلامی قانون میں	جسٹس تنزیل الرحمٰن
گستاخ رسول کی سزا	مولانا سید احمد سعید کاظمی
سوشل بائیکاٹ کی شرعی حیثیت	مولانا مفتی محمد امین
اسلام میں شاتم رسول کی سزا	مولانا مفتی انعام الحق
مرتد کی سزا اسلامی قانون میں	مولانا مودودی
الشہاب الثاقب	مولانا شبیر احمد عثمانی
دفع الالحاد عن حکم الارتداد	مولانا نور محمد خان

قادیانیوں کے ساتھ تعلقات کا شرعی حکم

قادیانیوں کے ساتھ لین دین' کاروبار میں شراکت' نکاح' طلاق' جنازہ میں شرکت کے کیا حکام ہیں؟ ان موضوعات پر درج ذیل حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔

(۱) فتویٰ ترک موالات ۔تمام مکاتب فکر کے معتبر علماء کرام کے فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ (فتاویٰ ختم نبوت جلد دوم)

(۲) مرزائی کا جنازہ اور مسلمان ۔حضرت مولانا احمد سعید گوجرانوالہ مطبوعہ ۱۹۶۶ء۔

(۳) مرزائی کا جنازہ اور اس کے نہ پڑھنے کا حکم ۔حافظ عبدالحق سیالکوٹی مطبوعہ ۱۹۳۵ء۔

(۴) قادیانیوں کا بائیکاٹ ۔مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی ۱۹۷۴ء۔

(۵) مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانیوں کو دفن کرنا جائز نہیں۔ مولانا عبداللہ کلام ۱۹۸۶ء۔

(۶) حرمت تدفین المرتدین فی مقابر المسلمین ۔مولانا سیف اللہ حقانی۔

(۷) اسی موضوع پر بندہ ناچیز کا ایک رسالہ بھی ہے جو مولانا چنیوٹی کے حکم پر لکھا گیا۔

مولانا محمد حسین بٹالوی

مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا قادیان کے ہم مکتب ساتھی اور بچپن کے دوست تھے۔مرزا نے جب براھین احمدیہ لکھی تو علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا کی کفریہ عبارتوں پر گرفت کی اور اس کے کفر کا فتویٰ جاری کیا جبکہ مولانا بٹالوی مرزا کے بارے میں خوش فہمی کا شکار رہے اور انہوں نے مرزا کے دفاع میں قلم اٹھایا اور براھین کی عبارتوں کی تاویلیں کرنے کی کوشش کی۔مولانا بٹالوی کا یہ دفاعی مضمون ان کے رسالہ اشاعۃ السنۃ کے متعدد شماروں میں شائع ہوا۔بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مرزائی عزائم کے بارے میں شرح صدر عنایت فرمایا تو انہوں نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کرلیا اور مرزا قادیانی کے محاسبہ میں مصروف ہو گئے۔آپ نے قادیانیت کی تردید میں جو کام کیا۔اس کا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے۔

ا۔مباحثہ لدھیانہ:

اس مناظرے کا پس منظر یہ ہے کہ مرزا نے مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور بعض دوسرے علماء کو اپنے دعویٰ مسیحیت کے متعلق ۳ مئی ۱۸۹۱ء کو مناظرے کا چیلنج دیا۔یہ چیلنج مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۲۰۲ تا ص ۲۰۴ میں چھپا ہوا ہے۔مولانا بٹالوی نے اس چیلنج کے جواب میں مباحثہ کے لیے آمادگی ظاہر کی۔اس مباحثہ کے دو موضوع تھے۔

(۱) حیات و وفات عیسیٰ علیہ السلام

(۲) مرزا کا دعویٰ مسیحیت۔

دوسرے موضوع سے مرزا نے کنی کترانے کی بہت کوشش کی لیکن مولانا بٹالوی اور قادیانیوں

کے مجبور کرنے پر اسے آمادہ ہونا پڑا۔ مرزا نے مباحثہ سے جان چھڑانے کے لیے آٹھ مرتبہ ناقابل عمل شرائط پیش کیں جو کہ انہوں نے قبول کرلیں۔ ان کی تفصیل رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ صفحہ ۵۲ تا ۵۶ میں مذکور ہے۔ چاروناچار مرزا کو میدان مباحثہ میں آنا پڑا۔ یہ مناظرہ ۲۰ تا ۳۱ جولائی ۱۸۹۱ء جاری رہا۔ مولانا رفیق دلاوری لکھتے ہیں کہ مولانا بٹالوی نے صرف یہ ایک سوال پیش کر رکھا تھا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں۔ مرزا صاحب ٹال مٹول کرتے تھے اور صاف لفظوں میں اس کا جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر جب عام طور پر مشہور ہوا کہ قادیانی صاحب اتنے دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت ولعل کررہے ہیں تو ان کا ہر طرف مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی نے مرزائیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مرزا کے مرید حافظ محمد یوسف نے پیغام بھیجا کہ اس مباحثہ سے آپ کی بدنامی ہورہی ہے۔ یہ مناظرہ فوراً ختم کر دیں۔ حافظ محمد یوسف کے اس انتباہ پر مرزا نے بارہویں دن اس تحریری مناظرہ کی موقوفی کی درخواست پیش کردی اور مناظرہ ختم کرکے بھاگ کھڑے ہوئے۔ حتیٰ کہ اپنی آخری تحریر کی نقل بھی مولانا بٹالوی کو فراہم نہ کی جو کہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اس کی نقل نہ دینے اور نتیجہ کے بغیر مناظرہ بند کردینے سے قادیانی بہت بددل ہوئے۔ مرزا نے اپنے اس فرار کے عذر ہائے لنگ اپنے اشتہار یکم اگست ۱۸۹۱ء اور اپنی کتاب ازالہ اوھام میں پیش کیے۔ مولانا بٹالوی نے ان کا جواب اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کی جلد ۱۳ ص ۲۱۳ وص ۲۱۴ میں دیا۔ مناظرہ لدھیانہ کی مفصل کارروائی رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد نمبر ۱۴ ص ۱۱۴ تا ص ۳۵۲ میں درج ہے۔ مرزا نے اپنی شکست کا بدلہ یہ جھوٹ بول کرلیا ''مولوی محمد حسین اپنے وحشیانہ طریق بحث کی شامت سے شہر بدر کیے گئے اور ڈپٹی دلاور علی شاہ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر لدھیانہ انہیں ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ریل پر سوار اکرا کے آئے۔'' حالانکہ یہ سفید جھوٹ تھا۔

ا۔ ''مولانا بٹالوی کولاہور میں مناظرہ کرنے کا قادیانی چیلنج'':

مرزا قادیانی نے اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے مولانا بٹالوی کو پھر چیلنج کیا۔ مولانا نے جواب میں اعلان کیا کہ میں آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے ہروقت اور ہر جگہ تیار ہوں۔ یہ جواب سنکر مرزا کو سانپ سونگھ گئے اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ (ملخص از رئیس قادیان جلد ۲)

۲۔تفسیر نویسی کا چیلنج:

مرزا قادیانی نے ۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ محمد حسین بٹالوی میرے مقابلہ میں عربی میں تفسیر قرآن لکھے۔مقابلہ کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ وہ تفسیر کم از کم ۸۰ آیات کی ہو۔

۲۔ فصیح و بلیغ عربی زبان اور مقفیٰ عبارت میں ہو۔

۳۔ دس جزو سے کم نہ ہو۔

۴۔ وہ معارف جدیدہ اور لطائف غریبہ ہوں جو کسی دوسری کتاب میں نہ پائے جائیں اور بایں ہمہ اصل قرآن کے مخالف نہ ہوں۔

۵۔ حضور علیہ السلام کی مدح میں عربی نظم کتاب کے آخر میں لکھی جائے جس کے سو (۱۰۰) اشعار ہوں اور ان اشعار کی بحر بھی اسی جلسہ میں تجویز کی جائے۔

۶۔ فریقین کو اس کام کے لیے چالیس دن کی مہلت دی جائے۔

اگر مولانا بٹالوی ان شرطوں کو منظور نہ کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس لعنتیں نازل ہوں۔

مجموعہ اشتہارات ۲۸۰ تا ۲۸۳

مولانا بٹالوی نے جواب میں لکھا کہ (مجموعہ اشتہارات ص ۲۸۰ تا ص ۲۸۳) تمہارا سابقہ تحریرات میں یہ قید لگانا کہ دو ہفتہ میں جواب آئے اور آخری خط میں یہ لکھنا کہ ۲۰ اپریل تک جواب ملے ورنہ گریز مشتہر کیا جائے گا کمال درجہ کی خفت و وقاحت ہے۔اگر بعد ازاں اشتہار انکار ادھر سے اجابت کا اشتہار رہا تو پھر کون شرمندہ ہوگا۔

۴: ہماری طرف سے جو جواب خط نمبری ۲۱ مورخہ ۹ جولائی ۱۸۹۳ء کے لیے ایک ماہ کی میعاد مقرر ہوئی تھی اس کا لحاظ تم نے یہ کیا کہ تیسرے مہینے کے اخیر میں جواب دیا۔ پھر اپنی طرف سے یہ حکومت کہ جواب دو ہفتہ یا ۲۰ اپریل تک آئے' کیوں صاحب! شرم نہ ہوئی؟ تم نے اپنے آپ کو کیا سمجھا ہے...... کیا تم نے سب کو اپنا مرید ہی سمجھ رکھا ہے۔ذرا عقل سے کام لو۔ کچھ تو شرم کرو۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول حاشیہ ص ۳۹۱' ۳۹۲)

مولانا بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ ص ۱۸۹ تا ص ۱۹۱ میں مرزا کے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے لکھا کہ قادیانی کی یہ درخواست کوئی نیا چیلنج نہیں ہے وہ اپنی کتاب آسمانی فیصلہ میں پہلے بھی چیلنج دے چکا ہے اور میں اس کا جواب رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ ص ۲۷ پر دے چکا ہوں۔ آپ جس جگہ بھی تفسیر نویسی کے لیے بلائیں میں حاضر ہوں لیکن مناسب یہ ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں فتح اسلام' توضیح مرام' ازالہ اوھام اور آئینہ کمالات اسلام میں جو اسرار معارف اور حقائق قرآن بیان کیے ہیں میں حاضرین کے سامنے ان کو بیان کر کے آپ کا کفر ثابت کروں گا۔ اگر نہ کر سکوں تو پھر کہنا جب مرزا کو اپنی گیدڑ بھبکی کا دندان شکن جواب ملا تو ان کا تفسیر نویسی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا اور لاجواب ہو کر بغلیں جھانکنے لگے۔

۳۔ حکیم نورالدین سے مولانا بٹالوی کا مناظرہ:

یکم مارچ ۱۸۹۳ء کو ریل میں مولانا بٹالوی اور حکیم نورالدین کی ملاقات ہوگئی تو مولانا بٹالوی نے حکیم نورالدین سے اس کی رضامندی سے بحث کی اور مرزا کی کتابوں سے اس کے متعدد تضادات نکال کر دکھائے اور ان تضادات کی وجہ دریافت کی حکم نورالدین نے ان تضادات سے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ میں مرزا صاحب سے پوچھوں گا۔ مولانا بٹالوی نے کہا کہ قادیانی جو کچھ لکھتا ہے وہ آپ ہی کا بتایا ہوا ہے مضمون آپ کا ہے۔ عبارت آپ کی ہے آپ قادیانی کے مرید نہیں پیر ہیں لیکن ان کو پیر اور اپنے آپ کو مرید مشہور کر رکھا ہے۔ قادیانی کو جس قدر الہام ہوتے ہیں وہ آپ ہی القاء کیے ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں آپ کا یہ کہنا کہ میں ان کے چہرہ سے سبق لیتا ہوں محض تصنع اور جھوٹ ہے۔ حکیم صاحب نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ یہ بات غلط ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ آپ اس کا اعتراف کریں نہ کریں لیکن حقیقت حال یہی ہے۔

(رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴ ص ۴۱۳ تا ۴۱۶ بحوالہ رئیس قادیان ص ۵۴۲ تا ۵۴۴)

۴۔ مولانا بٹالوی کے متعلق مرزا کا ایک ڈراؤنا الہام:

مرزا قادیانی نے ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء کو مولانا بٹالوی کو ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مجھے آپ کے متعلق ایک ڈراؤنا الہام ہوا ہے اور آپ کے متعلق چند دوستوں نے بری خوابیں بھی سنائیں ہیں۔ جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے ڈر گیا ہوں اور میں آپ کی ہمدردی کے طور

پر یہ لکھتا ہوں کہ آپ مولویانہ جنگ جدال کو ترک کر کے چند روز طالب حق بن کر میرے پاس رہیں تو میں امید رکھوں کہ خدا تعالیٰ آپ کی تمام غلطیاں نکال دے گا اور مطمئن کر دے گا اور اگر آپ کو اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخری علاج فیصلہ آسمانی ہے۔ مولانا بٹالوی نے اس کے جواب میں خط لکھا کہ میں نے آپ کا خط تعجب سے پڑھا۔ میں ان گیدڑ بھبھکیوں سے نہیں ڈرتا بلکہ اس ڈرنے کو شرک سمجھتا ہوں۔ میں دین اسلام کو حضور ﷺ اور پہلے انبیاء کو سچا سمجھتا ہوں اور ان کو سچا سمجھنے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو جھوٹا سمجھوں۔ اس لیے کہ آپ کی تعلیمات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ آپ ایک مجمع میں اپنے تین الہامات پر مجھ سے بحث کر لیں اور ان کو سچا ثابت کر دیں تو میں آپ کو ملہم من اللہ مان لوں گا۔ خط کے آخر میں انہوں نے مرزا کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی اس دکانداری کو چھوڑ دیں اور دین اسلام کے تابع ہو جائیں مرزا نے اس خط کے جواب میں چھ سے زائد صفحات پر مشتمل خط لکھا اور صرف محمدی بیگم والی پیشگوئی پر بحث کی اور باقی باتوں کو چھوڑ دیا۔ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کی تجویز کا جواب دیتے ہوئے یہ لکھا کہ مجھے اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیشگوئی آزمائش کے لیے بٹالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں جانبین کی یہ خط و کتابت مرزا کی کتاب آئینہ کمالات اسلام (جس کا دوسرا نام دافع الوساوس ہے) میں تفصیلاً مذکور ہے۔

مولانا بٹالوی کے قادیانی ہوجانے کی پیش گوئی

مرزا قادیانی نے مولانا بٹالوی کے مرزائی ہو جانے کی پیش گوئی کئی بار کی تفصیل درج ذیل ہے۔

سن	حوالہ
(۱) مئی ۱۸۹۳ء	(۱) تذکرہ ص ۲۳۸، ۲۳۹ طبع دوم
	(۲) حجۃ الاسلام مندرجہ روحانی خزائن جلد ۶
	(۳) مجموعہ اشتہارات جلد اول ۴۱۵، ۴۱۶
	(۴) ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۲۸۱
(۲) ۱۳ دسمبر ۱۸۹۴ء	(۱) سراج منیر مندرجہ روحانی خزائن جلد ۱۲
	(۲) تذکرہ ص ۲۷۱، ۲۷۲ طبع دوم

(۳)ملفوظات احمدیہ جلد۸'ص۹۸

(۴)نومبر۱۹۰۲ء　　　　　اعجاز احمدی مندرجہ روحانی خزائن جلد۱۹'ص۱۶۳تا۱۶۴

لیکن مرزا قادیانی کی یہ پیش گوئی پوری نہ ہوسکی۔مولانا بٹالوی مسلسل مرزا قادیانی کی موت تک اس کے تعاقب میں مصروف رہے۔

ایک معذرت:

بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر احقر مولانا بٹالوی کی خدمات کا احاطہ نہیں کرسکا۔انشاء اللہ العزیز طبع ثانی میں یہ کمی پوری کردی جائے گی۔

حضرت گنگوہیؒ کا محاسبہ قادیانیت

حضرت مولانا رشیدؒ احمد گنگوہی علمائے دیوبند کے پیرو مرشد ہیں۔حدیث اور تصوف میں سب سلسلے آپ تک پہنچتے ہیں۔آپ ایک ممتاز محدث'فقیہہ اور صوفی تھے۔آپ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اجل اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے۔

آپ نے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں پر جب کفر کا فتویٰ دیا تو مرزا قادیانی نے آپ کو خوب کوسا۔انجام آتھم وغیرہ کتب میں ہمیں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔مرزا قادیانی آپ کے فتویٰ کفر اور اس کی خاطر خواہ تشہیر کا خود اعتراف کرتا ہے۔آپ کی ردقادیانیت کے سلسلہ میں عظیم الشان خدمات کا ممتاز محقق مولانا عبدالحق بشیر منظلہ نے اس طرح تذکرہ کیا ہے۔

خود حضرت گنگوہیؒ نے بھی مرزا قادیانی اور کے حواریوں کی طرف سے کیے گئے اس مناظرہ اور مباحثہ کا ذکر فرمایا ہے۔چنانچہ فرماتے ہیں۔

> مرزا غلام احمد (قادیانی) کے مریدوں نے مجھ سے مناظرہ کا تقاضا کیا تھا۔میں نے قبول کرلیا کہ یہ مناظرہ سہارن پور میں تقریری طور پر جلسہ عام میں ہو لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔(مفاوضہ نمبر۷۱'ص۴۲)

یعنی مرزا صاحب کی کوشش یہ تھی کہ یہ مباحثہ تحریری ہو تاکہ بحث کو طول دے کر اور ادھ ادھر کی خارجی بحثیں چھیڑ کر جان چھڑالی جائے اور اصلی حقائق کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کردیا جائے جبکہ مولانا گنگوہیؒ کا تقاضا یہ تھا کہ بحث تحریری کی بجائے تقریری ہوتا کہ ہر خاص وعوام اس

سے افادہ بھی کر سکے اور حقیقت بھی فوری طور پر عوام کے سامنے آجائے لیکن مرزا صاحب اس پر آمادہ نہ ہو سکے اور انکار کر دیا اور تقریری مناظر کی صورت میں بھی ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی خفیہ مقام پر ہو' عام نہ ہو تا کہ عام لوگوں کے سامنے ان کی حقیقت واضح نہ ہو جائے۔ مرزا صاحب کی انہی مکاریوں کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ مرزا صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

(مرزا قادیانی) بڑا چالاک ہے کہ اشتہار مناظرہ کا دیتا ہے اور جب کوئی مقابل ہوتا ہے تو لطائف الحیلسے ٹال دیتا ہے۔ (مفاوضہ نمبر ۲۶' ص ۴۱)

مناظرہ کا دوسرا چیلنج:

مولانا گنگوہیؒ نے جب تقریری مناظرہ پر اصرار فرمایا تو مرزا صاحب مجبور و بے بس ہو گئے۔ لہٰذا انہوں نے مجبوراً تقریری چیلنج قبول کر لیا اور عجیب و غریب شرائط عائد کر دیں تا کہ یہ مناظرہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ مولف تاریخ احمدیت رقم طراز ہیں۔

نیز حضور (مرزا قادیانی) نے پیر سراج الحق سے فرمایا کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو لکھ دیا جائے کہ اچھا ہم بطریق تنزل تقریری مباحثہ منظور کرتے ہیں مگر اس شرط پر کہ آپ تقریر کرتے جائیں اور دوسرا شخص آپ کی تقریر لکھتا جائے اور جب تک ایک کی تقریر ختم نہ ہو دوسرا فریق یا کوئی اور دوران تقریر نہ بولے پھر دونوں تقریریں شائع ہو جائیں لیکن بحث لاہور میں ہو۔ کیونکہ لاہور علوم وفنون کا مرکز ہے۔ پیر صاحب نے حضرت اقدس (قادیانی) کا یہ پیغام مولوی صاحب کو بھیج دیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ تقریر صرف زبانی ہوگی۔ لکھنے یا کوئی جملہ نوٹ کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی اور حاضرین میں سے جس کسی کے جی میں جو آئے گا وہ رفع اعتراض و شک کے لیے بولے گا۔ میں لاہور نہیں جاتا۔ مرزا صاحب بھی سہارنپور آجائیں اور میں بھی سہارنپور آجاؤں گا۔ حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ سہارنپور میں مباحثہ کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ سہارنپور والوں میں فیصلہ کرنے یا حق و باطل کی سمجھ نہیں ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد اول ص ۴۰۲)

قطع نظر اس سے کہ مناظرہ کا یہ طریقہ اصولی تھا یا غیر اصولی؟ آپ اس پورے مضمون پر غور کیجیے کہ مرزا صاحب کن حیلوں اور بہانوں سے مناظرہ اور مباحثہ سے گریز کے لیے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔

مناظرہ کا تیسرا چیلنج:

مولف ''تاریخ احمدیت'' لکھتے ہیں۔

کہ حضرت اقدس (مرزا قادیانی) کا یہ سفر چونکہ تمام حجت کی غرض سے تھا۔ اس لیے حضور نے لدھیانہ سے ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ تمام مشہور علماء بالخصوص مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی' مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی' مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھنو کے والے' مولوی شیخ عبداللہ صاحب تبتی' مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کو تحریری مباحثہ کا چیلنج دیا اور لکھا کہ میرا دعویٰ ہرگز قال اللہ و قال الرسول کے خلاف نہیں۔

(تاریخ احمدیت ص ۲۰۰ جلد اول)

مناظرہ کا چوتھا چیلنج:

مولف ''تاریخ احمدیت'' ہی لکھتے ہیں کہ

حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے خدا کے نشان کی یوں تکذیب دیکھی تو آپ نے (۶ ستمبر ۱۸۹۴ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ حاشیہ ۲ ص ۱۴۹) تین بڑے علماء (شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو انعامی چیلنج دیا۔ الخ

(تاریخ احمدیت ج ۱ ص ۳۲۳)

مناظرہ کا پانچواں چیلنج:

مولف ''مجدد اعظم'' رقم طراز ہیں کہ

اربعین نمبر ۲ آپ (مرزا قادیانی) نے ۲۷ ستمبر ۱۹۰۰ء کو شائع فرمایا۔ یہ بجائے اشتہار کے ایک خاصا رسالہ ہے۔ اس میں بھی آپ نے اپنے دعویٰ مسیحیت و مہدویت کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس رسالہ میں جو بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس میں آپ نے اپنے وہ الہامات جمع کیے ہیں۔ جن میں آپ کو خدا کی طرف سے بتایا گیا تھا کہ آپ مجدد اور مامور من اللہ ہیں اور مسیح

بن مریم مرچکے ہیں اور آپ ہی مسیح موعود اور مہدی ہیں پھر علماء اور مشائخ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں اس قسم کا تصفیہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ جب دلوں سے بکلی فساد دور ہو جائے اور دہشت آپ لوگوں کا ارادہ ہو جائے کہ خدا کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر لیں اور اس طریق میں (مشہور) مولوی جیسے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی' مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی' مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی' مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ایک تحریری اقرار نامہ بہ ثبت شہادت پچاس معزز مسلمانان کے اخبار کے ذریعہ اشتہار کر دیں۔

الخ (مجدد اعظم ج ۲ ص ۱۷۷)

یہاں یہ بات یقیناً محتاج تبصرہ نہیں کہ مرزا صاحب چالیس مشہور اور ذمہ دار مولویوں سے کم کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے تیار نہیں اور چالیس جید' معتبر' مشہور اور ذمہ دار علماء کی بھی مرزا صاحب کے ہاں کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ پچاس معزز آدمی ان علماء کے بارے میں گواہی نہ دیں اور اس گواہی کی بھی مرزا صاحب کے ہاں کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ یہ اخبار میں اشتہار کے ذریعہ نہ ہو اور یہ فرار کی ایسی انوکھی واردات ہے جس کی مثال فن مناظرہ کی تاریخ میں کہیں نہیں ملے گی لیکن قطع نظر ان تمام باتوں کے حضرت گنگوہیؒ کو مناظرہ کا چیلنج یہاں بھی موجود ہے۔

مولانا گنگوہیؒ کو مباہلہ کا چیلنج:

مناظرہ کے علاوہ مرزا قادیانی نے جن علماء کو مباہلہ کا چیلنج دیا ان میں بھی مولانا گنگوہیؒ کا نام باقاعدہ موجود ہے۔ چنانچہ ۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی نے انجام آتھم مرتب کی جس میں علماء کرام کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا۔ چنانچہ مولف ''تاریخ احمدیت'' لکھتے ہیں کہ

> چونکہ خدا ناترس علماء اور سجادہ نشین ابھی تک آپ کے مفتری و کذاب ہونے کی رٹ لگا رہے تھے۔ اس لیے حضور (قادیانی) نے خدا کے حکم سے اسی سال (۱۸۹۸ء میں) ہندوستان کے تمام قابل ذکر مخالف عالموں اور سجادہ نشینوں کا نام لے لے کر ان کو مباہلہ کی فیصلہ کن دعوت دی۔ (تاریخ احمدیت جلد ا' ص ۵۴۸) اور جن علماء کے نام حاشیہ میں دیئے گئے ہیں ان میں حضرت گنگوہیؒ کا نام بھی موجود ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد ا' ص ۵۵۳)

یہ تمام تاریخی حقائق وشواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مولانا گنگوہیؒ نے مرزا قادیانی کی خلاف بڑی شدومد کے ساتھ کفر کا فتویٰ دیا۔ چونکہ برصغیر میں حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ مسلم سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے مولانا فتوے کے معاملے میں انتہائی محتاط تھے۔ جب تک کسی مسئلہ کی تمام حقیقت وصورت کا علم نہو جاتا فتویٰ جاری نہ فرماتے۔

یہی معاملہ مرزا قادیانی کے بارے میں ابتداء پیش آیا۔ مولانا نے یکلخت فتویٰ کفر سے گریز کیا۔ جب اس کا کچھ حال معلوم ہوا تو اس کے دجال' کذاب اور گمراہ ہونے کے فتوے جاری کیے لیکن جب اس کے دعوؤں کے تمام نشیب وفراز کھل کر سامنے آ گئے تو مولانا نے اپنا فتویٰ کفر اشتہار کی صورت میں شائع فرما کر پورے ملک میں تقسیم کرا دیا۔

مولانا گنگوہیؒ کے خلاف مرزا قادیانی اور اس کی امت کا ردعمل:

مولانا گنگوہیؒ نے جب قادیانی نظریات کی کھل کر مخالفت کی اور اس کے خلاف کفر وارتداد کا کھلا فتویٰ جاری فرمایا تو مرزا قادیانی اور اس کی امت بدزبانی پر آ ئی۔ چنانچہ مرزا صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

> مولوی رشید احمد گنگوہی اٹھا اور ایک اشتہار میرے مقابل نکالا اور جھوٹے پر لعنت کی اور تھوڑے دنوں بعد اندھا ہو گیا۔ دیکھو اور عبرت پکڑو۔

(نزول مسیح ص۲۲ روحانی خزائن ص۴۰۹' جلد ۱۸)

دوسرے مقام پر مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

اخرهم الشيطان الاعمى والغول الاغوى يقال له رشيداحمد الجنجوهى هو شقى كالامروهى ومن الملعونين.

> ان میں سے آخری شخص وہ شیطان' اندھا اور گمراہ دیو ہے جس کو رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں اور وہ (مولانا احمد حسنؒ امروہی کی طرح شقی اور ملعونوں میں سے ہے۔

(انجام آتھم ص۲۵۲ روحانی خزائن جلد ۱۱)

مولانا گنگوہیؒ کے بارے میں مرزا صاحب کی زبان ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجیے کہ مرزا صاحب مولانا گنگوہیؒ کے بارے میں کس قدر مخالفت اور دشمنی کا اظہار کر رہے ہیں اگر مولانا

گنگوہی نے مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر جاری نہ کیا ہوتا تو مرزا صاحب کی طرف سے اتنی شدید مخالفت اور دشمنی کا اظہار بعید تھا۔

نیز مولف ''تاریخ احمدیت'' نے اپنے غم وغصہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

جو معاند علماء یا گدی نشین اپنی مخالفت پر بدستور قائم رہے۔ انہیں اپنے جرم کی پاداش میں ان سزاؤں میں سے کسی نہ کسی سزا کو بھگتنا پڑا۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی پہلے اندھے ہوئے پھر سانپ کے ڈسنے سے مرے۔ (تاریخ احمدیت جلد۱' ص۵۵۰)

قطع نظر اس سے کہ اس واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟ دو چیزوں کی وضاحت تو بخوبی ہوگئی۔ ایک تو یہ کہ مولانا گنگوہیؒ نے مرزا قادیانی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا اور بڑی شدومد کے ساتھ دیا اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے فتویٰ کفر پر آخری دم تک قائم ودائم رہے اور آخری وقت تک پھر انہوں نے مرزا قادیانی کے بارے میں اپنے موقف میں لچک پیدا نہیں کی اور نہ اپنے فتویٰ کفر سے رجوع کیا۔

ان تمام ناقابل تردید حقائق اور واقعات کے بعد حضرت گنگوہیؒ پر یہ الزام دینا کہ انہوں نے فتویٰ کفر جاری نہیں کیا سراسر بددیانتی' تعصب اور ہٹ دھری ہوگی۔ جو لاعلاج امراض ہیں۔ خدا تعالیٰ ان مہلک بیماریوں سے ہر ایک مسلمان کو محفوظ رکھے اور حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

ہمارے دم سے ہے سب گرمیٔ میخانہ
ارے ساقی یہ رونق پھر کہاں جب ہم نہیں ہوں گے

(فتویٰ امام ربانی برمرزا غلام احمد قادیانی ص۷۹تا۸۵)

قادیانی اعتراف

اس دوران پیر سراج الحقؒ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) سے عرض کیا کہ سب لوگوں کی نظر مولوی رشید احمد گنگوہی کی طرف لگ رہی ہے (یہ مولانا گنگوہیؒ کی علمیت و عظمت اور فیصلہ کن شخصیت ہونے کا کھلا اعتراف ہے۔ بشیر) اگر حکم ہو تو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو لکھوں کہ وہ مباحثہ کے لیے آمادہ ہوں۔ چنانچہ (مرزا قادیانی کی اجازت سے) مولوی

رشید احمد صاحب کو خط لکھا گیا تو مولوی رشید احمد صاحب نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ میں بحث کو مرزا صاحب سے منظور کرتا ہوں لیکن تقریری اور زبانی۔ تحریری مجھے منظور نہیں اور یہ بحث (کسی خفیہ مقام پر نہیں بلکہ) جلسہ عام میں ہوگی۔

(تاریخ احمدیت ج ا' ص ۴۰۱)

مولانا سید احمد حسنؒ محدث امروہی اور مرزا قادیانی

حضرت سید احمد حسن محدث امروہی (متوفی ۱۳۳۰ھ) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے اور حضرت حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی اور مولانا نانوتویؒ کے خلیفہ' مجاز بھی تھے۔ آپ مدرسہ عبدالرب دہلی اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدر مدرس رہے۔ ۱۳۰۳ھ میں مدرسہ شاہی سے مستعفی ہو کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروھہ کی داغ بیل ڈالی اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ بام عروج پر پہنچ گیا۔

بدقسمتی سے امروھہ میں حکیم محمد احسن نے قادیانیت قبول کر لی اور تبلیغی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مولانا امروہی اور ان کے تلامذہ نے حکیم محمد احسن کا ڈٹ کا مقابلہ کیا اور آپ کی کوششوں سے کئی لوگ جو قادیانیت قبول کر چکے تھے دوبارہ مشرف باسلام ہوئے۔ جن میں مولانا سید بدرالحسن بھی شامل تھے۔ آپ نے حکیم احمد حسن کو مناظرہ ومباہلہ کی دعوت دی تاکہ حق و باطل میں فرق واضح ہو سکے لیکن اس نے دعوت قبول نہ کی۔ آپ نے براہ راست مرزا قادیانی کو بھی ایک خط لکھا جس میں آپ نے لکھا ''بسم اللہ آپ تشریف لائیے میں آپ کا مخالف ہوں۔ آپ مسیح موعود نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں آپ اپنے آپ کو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں بنام خدا مستعد ہوں۔ خواہ مناظرہ کیجیے یا مباہلہ۔ آپ اپنے اس دعویٰ کا احادیث معتبرہ سے ثبوت دیجیے۔ میں انشاء اللہ اس دعویٰ کی قرآن واحادیث صحیحہ سے تردید کر دوں گا۔

(مباحثہ رام پوری ص ۵۲)

مرزا قادیانی نے مولانا کی جدوجہد کو اپنے لیے سنگین خطرہ محسوس کیا اور اپنی کتب انجام آتھم وغیرہ میں مولانا امروہی کو نازیبا الفاظ سے یاد کیا اور اپنی کتاب دافع البلاء میں لکھتا ہے۔

''اس جگہ مولوی احمد احسن صاحب امروہی کو ہمارے مقابلہ کے لیے خوب موقع مل گیا ہے۔

ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقیدہ کی حمایت میں کہ تا کسی طرح حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچالیں اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنادیں' بڑی جانکاہی سے کوشش کررہے ہیں......اور اگر مولوی احمد حسن صاحب کسی طرح باز نہیں آتے تو اب وقت آ گیا ہے کہ آسمانی فیصلہ سے ان کو پتہ لگ جائے......پس جس حالت میں میری دعا قبول کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں۔ یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آئے۔ اسی طرح مولوی احمد حسن صاحب کو چاہیے کہ اپنے خدا سے جس طرح ہو سکے امروہہ کی نسبت دعا قبول کرالیں کہ وہ طاعون سے پاک رہے گا......اگر مولوی احمد حسن اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ شائع کرے گا امروہہ کو طاعون سے بچا سکا اور کم سے کم تین جاڑے امن سے گزر گئے تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ پس اس سے بڑھ کر اور کیا فیصلہ ہوگا۔

(دافع البلاء مطبوعہ اپریل ۱۹۰۲ء روحانی خزائن ص ۲۳۵ تا ۲۳۸' جلد ۱۸)

مرزا کے اس چیلنج کا انجام:

مرزا نے قادیان میں طاعون کے نہ آنے کو اپنی صداقت کا نشان بنا کر پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جھوٹا ہونا ظاہر کرنے کے لیے قادیان میں بھی طاعون بھیج دیا۔

حوالہ نمبر ۱:

چونکہ آج کل مرض طاعون ہر جگہ بہت زور پر ہے۔ اس لیے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برعایت اسباب بڑا مجمع جمع ہونے سے پرہیز کیا جائے۔

(اخبار البدر ۱۹ دسمبر ۱۹۰۲)

حوالہ نمبر ۲:

طاعون کے دنوں میں جبکہ قادیان میں طاعون زوروں پر تھا میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا۔

(حقیقت الوحی حاشیہ ۸۴۔ روحانی خزائن ص ۸۷ جلد ۲۲)

بہرحال مرزا قادیانی اس پیشگوئی میں جھوٹا نکلا۔ مولانا امروہی قادیانیت کے مسلسل تعاقب

میں رہے۔ آپ نے ۱۹۰۹ء میں مناظرہ رام پور میں شرکت کی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کی معاونت کرتے رہے۔ اس مناظرہ میں مسلمانوں کو فتح مبین نصیب ہوئی۔ (ملخص از ماہنامہ دارالعلوم ختم نبوت نمبر جون' جولائی' اگست ۱۹۸۷ء)

مولوی غلام دستگیر قصوری کے مقابلہ سے فرار

مولانا محمد رفیق دلاوری لکھتے ہیں

جن ایام میں قادیانی صاحب کے خسر میر ناصر نواب دہلوی نقشہ نویس نہر سرہند کے دفتر واقع چھاؤنی فیروز پور میں کام کرتے تھے۔ الہامی صاحب وقتاً فوقتاً فیروز پور جابراجتے تھے۔ گو بادی النظر میں اس آمدورفت کی غرض خسر کی ملاقات ہوتی تھی لیکن اس کا حقیقی مقصد مسلمانوں کو مرتد کرنا تھا۔ الہامی صاحب فیروز پور جا کر وہاں کے رؤسا کو مرزائیت کی دعوت دیتے اور اپنے قیام گاہ پر قدم رنجہ فرمانے کے لیے مدعو کیا کرتے تھے لیکن چونکہ وہ لوگ مرزائی مسیحیت کی حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کی طرف سے ہر دعوت کا یہ جواب ملتا تھا کہ ''ہمارے علماء تمہیں مرتد اور خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ہم اس وقت تک تمہاری بات پر کان نہ دھر سکتے۔ جب تک تم ہمارے علماء کو قائل نہ کرو۔'' آخری دعوت کے بعد مرزا صاحب نے کہا اچھا تم اپنے کسی مولوی کو بلالو۔

ان ایام میں مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علمائے پنجاب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کا داماد چھاؤنی فیروز پور میں ایک سربرآوردہ تاجر تھا۔ رؤسائے فیروز پور نے مولوی غلام دستگیر صاحب کے داماد سے کہا کہ مولوی صاحب کو اس کی اطلاع کرو کہ مرزا غلام احمد نے اپنے مقابلہ میں کسی مسلمان عالم کو طلب کیا ہے۔ مولوی صاحب کے پاس پیغام بھیجا گیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کوئی قریبی تاریخ مقرر کر کے مجھے اطلاع دو۔ چنانچہ اتوار کا دن مقرر ہوا اور مطبع صدیقی فیروز پور میں اس مناظرہ کے اشتہار چھپ کر بڑی تعداد میں تقسیم ہوئے۔ مقام مناظرہ مسجد مولوی غلام نبی قرار پایا۔ مولوی غلام دستگیر تاریخ مناظرہ سے ایک دن پہلے کتابیں لے کر فیروز پور پہنچ گئے اور وقت معہود میں مسجد غلام نبی کے صحن کی ایک جانب کتابوں کا ڈھیر لگا کر جا مقیم

ہوئے لیکن الہامی صاحب وقت مقررہ پر مسجد مولوی غلام نبی میں تشریف فرما نہ ہوئے۔آخر عمائد چھاؤنی فیروزپور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئے حضرت والا آپ کی خواہش کے بموجب ہمارا ایک عالم مقام مناظرہ میں پہنچ کر آپ کا انتظار کر رہا ہے' جلد تشریف لے چلیے۔مرزا صاحب نے حیلے حوالے شروع کیے اور رؤسا کو بے نیل ومرام واپس آنا پڑا۔آخر مولوی غلام دستگیر کی تحریک سے وہ لوگ دوبارہ سہ بارہ گئے لیکن الہامی صاحب مقابلہ پر کسی طرح رضامند نہ ہوئے۔تیسری بار جب زیادہ اصرار ہوا تو فرمانے لگے۔''مجھے الہام ہوا ہے کہ آج کل کے مولویوں سے مباحثہ کرنا لا حاصل ہے۔''لیکن عمائد چھاؤنی نے کسی طرح ان کی جان نہ چھوڑی آخر جب ''مسیح موعود'' صاحب نے دیکھا کہ یہ لوگ تو گلے کا ہار ہو گئے ہیں' تو فرمانے لگے کہ میں فیروزپور جیسی چھوٹی جگہ میں بحث کرنا مناسب نہیں' خیال کرتا البتہ اگر تمہاری خواہش تو تو کسی مرکزی مقام مثلاً لاہور میں مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔مسلم عمائدین نے کہا' اچھا آپ لاہور ہی میں مناظرہ کیجیے لیکن کیجیے ضرور کیونکہ ہمیں آپ کو برسر مقابلہ دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔آخر موچی دروازہ لاہور کی مسجد چہل بی بیاں میں بتاریخ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۲ء مناظرہ قرار پایا۔مسلمانوں کی طرف سے اس مناظرہ کے متعلق برابر اعلان ہوتے رہے۔آخری مولوی غلام دستگیر صاحب کتابیں لے کر تاریخ معین پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گئے۔قصور' فیروزپور اور پنجاب کے دوسرے اضلاع کے بھی ہزارہا آدمی مناظرہ دیکھنے کے لیے لاہور آموجود ہوئے لیکن الہامی صاحب نے لاہور آنا پسند نہ فرمایا۔مولوی غلام دستگیر صاحب پانچ چھ دن تک مرزا صاحب کے انتظار میں لاہور میں مقیم رہے۔

مولانا قصوری کی دعا:

قادیانی صاحب نہ خود آئے نہ کسی کو اپنی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا اور نہ تار اور رجسٹری شدہ خط کا کوئی جواب دیا۔ناچار مولوی صاحب قصور واپس چلے گئے۔یہ واقعات مولوی قمرالدین صاحب خطیب مسجد جامع وزیرآباد نے خاکسار راقم الحروف سے بیان کیے تھے' جو ان ایام میں مطبع صدیقی فیروزپور کے مہتمم تھے۔

مرزا صاحب کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ قادیانی صاحب نے اس کے بعد جون ۱۸۹۳ء کو پھر لاہور ہی میں مولوی غلام دستگیر صاحب سے مناظرہ کرنا منظور فرمایا۔ چنانچہ ایک چٹھی میں منشی رستم علی کورٹ انسپکٹر کو لکھا کہ (مولوی) عبدالحق (غزنوی) نے بدست منشی محمد یعقوب صاحب ایک خط اس مضمون کا لکھا ہے کہ ''اس وقت تم عیسائیوں سے مباحثہ کر رہے ہو اس لیے میں مباہلہ مناسب نہیں سمجھتا جس وقت لاہور میں مولوی غلام دستگیر سے بحث ہوگی اس وقت مباہلہ کروں گا۔'' لیکن اس کے جواب میں کہا گیا کہ ''جو شخص ہم میں سے مباہلہ سے اعتراض کرے اور تاریخ مقررہ پر مقام مباہلہ پر حاضر نہ ہو اس پر خدائے تعالیٰ کی لعنت ہو۔'' (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ صفحہ ۲۱) ۷ ذی القعدہ ۱۳۱۰ھ کی چٹھی میں جو مولوی عبدالحق غزنوی کو بھیج تھی۔ مرزا جی نے لکھا کہ ''میں ۱۵ جون ۱۸۹۳ء کے مباحثہ میں لاہور نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم نورالدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کے لیے جائیں گے۔'' (تاریخ مرزا، صفحہ ۳۶) لیکن نہ تو حضرت مسیح موعود کو مولانا غلام دستگیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت ہوئی نہ اخویم حضرت حکیم نورالدین صاحب ہی نے لاہور کا رخ کیا اور نہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے بحث کے لیے لاہور آنے کی جرات کی، غرض لاہور کے مرزائی نہایت محجوب اور شرمسار ہوئے بعض مسلمانان لاہور نے ان سے کہا کیا ہم نہیں کہتے تھے۔

بہت جلد ہو جائے گا آشکارا
کہ جگنو کو سمجھے ہو تم اک شرارہ

(رئیس قادیان ص ۳۶۱ تا ۳۶۳)

مولانا محمد حسن فیضی مرزا قادیانی کے تعاقب میں

مولانا محمد حسن فیضی ایک جید عالم دین اور موضع بین تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال کے رہنے والے تھے۔ وہ عربی زبان پر کامل عبور رکھتے تھے۔ آپ نے مرزا قادیانی کو چیلنج کیا جو کہ سراج الاخبار میں ۹ مئی ۱۸۹۹ء کو شائع ہوا۔ اشتہار کا متن درج تھا۔

چیلنج

''ناظرین مرزا صاحب کی حالت پر نہایت ہی افسوس آتا ہے کہ وہ باوجودیکہ لیاقت علمی بھی جیسا کہ چاہیے نہیں رکھتے۔ کس قدر قرآن وحدیث کا بگاڑ کر رہے ہیں۔ سیالکوٹ کے کئی احباب جانتے ہوں گے کہ ۱۳فروری ۱۸۹۹ء کو جب یہ خاکسار سیالکوٹ میں مسجد حکیم حسام الدین صاحب مرزا صاحب سے ملا تو ایک قصیدہ عربی بے نقط منظومہ خود مرزا صاحب کے ہدیہ کیا جس کا ترجمہ نہیں کیا ہوا تھا۔ اس لیے کہ مرزا صاحب خود بھی عالم ہیں اور ان کے حواری بھی جو اس وقت حاضر محفل تھے ماشاء اللہ فاضل ہیں اور قصیدہ میں ایسا غریب لفظ بھی کوئی نہیں تھا۔ پھر اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لیے یہی کافی ہے کہ اس قصیدے کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سنا دیں۔ مزید برآں مسائل متحدثہ مرزا صاحب کی نسبت استفسار تھا۔ مرزا صاحب اس کو بہت دیر تک چپکے دیکھتے رہے اور مرزا صاحب کو اس کی عبارت بھی نہ آئی۔ باوجودیکہ عربی خوش خط لکھا ہوا تھا پھر انہوں نے ایک خاص حواری کو دیا جو بعد ملاحظہ فرمانے لگے کہ اس کا ہم کو تو پتہ نہیں چلتا۔ آپ ترجمہ کر کے دیں۔ خاکسار نے واپس لے لیا۔ پھر زبان سے عرض کیا تو مرزا صاحب کلمہ شہادت اور امنت باللہ الخ مجھے سناتے رہے اور فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں نہ رسول ہوں نہ میں نے یہ دعویٰ کیا۔ فرشتوں کو لیلۃ القدر معراج کو احادیث کو قرآن کو مانتا ہوں۔ مزید برآں عقائد اسلامیہ کا اقرار کرتے رہے دوسرے دن حضرت مسیح کی وات کی نسبت دلیل مانگی تو آیت **''فلما توفیتنی''** اور **''انی متوفیک''** پڑھ سنائی۔ معنے کے وقت علم عربی سے تجرد ظاہر ہوا۔ یہ پوچھا گیا کہ آپ کیوں مسیح موعود ہیں۔ آپ سے بہتر آج کل بھی اور پہلے بھی کوئی ایک عالم ولی گزرے ہیں وہ کیوں نہیں اور آپ کیوں ہیں تو فرمایا ''میں گندم گوں اور میرے بال سیدھے ہیں جیسے کہ مسیح اللہ کا حلیہ ہے۔''

افسوس اس لیاقت پر یہ غل۔ جانب مرزا صاحب وقت ہے توبہ کر لیجیے۔ آخیر پر میں مرزا صاحب کو اشتہار دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنے عقائد میں سچے ہوں تو آئیں صدر جہلم میں کسی مقام پر مجھ سے مباحثہ کر لیں۔ میں حاضر ہوں تحریری کریں یا تقریری۔ اگر تحریر ہو تو نثر میں کریں یا نظم میں۔ عربی ہو یا فارسی یا اردو۔ آیئے سنیئے اور سنایئے۔''

راقم ابوالفیض محمد فیضی حنفی ساکن بھین ضلع جہلم (تازیانہ غربت ۸۱)

غیر منقوط قصیدہ کے چند اشعار

لـــمـــالک مـــلـــکـــه حـــمـــد ســـلام

عـــلـــیٰ مـــرســـولـــه عـــلـــم الـــکـــمـــال

حمود احمد و محمد و

طہور مع اولاء و ال

اما مملوک احمد اهل علم

والهام و حلال السوال

لودک کم مدی همع الدموع

مطاطا راس اعلام عوامل

علی مرالدی وکع المودة

وحمل اهلها ادهی الحمال

قارئین اصل قصیدہ تازیانہ عبرت ص۸۲' ۸۳ میں ملاحظہ فرمائیں اور لطف اٹھائیں یہاں بطور نمونہ چند اشعار نقل کیے گئے ہیں۔

مولانا فیضی کی جانب سے دوسرا چیلنج:

مرزا قادیانی نے جب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو عربی میں تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو مولانا فیضی نے ایک بار پھر مرزا کو اپنا پرانا ادھار یاد دلایا کہ آپ پہلے میرا چیلنج قبول کریں پھر پیر صاحب کو چیلنج کرنا آپ کا دوسرا چیلنج اخبار سراج الاخبار کی ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا جو کہ درج ذیل ہے۔

''مکرمی مرزا صاحب زید اشفاقہ''

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔ آپ ۲۰ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کے مطبوعہ اشتہار کے ذریعے پیر مہر علی شاہ صاحب سجادہ نشین گولڑہ شریف اور دیگر علماء کو یہ دعوت کرتے ہیں کہ لاہور میں آ کر میرے ساتھ پابندی شرائط مخصوصہ فصیح و بلیغ عربی میں قرآن کریم کی چالیس آیات یا اس قدر سورۃ کی

تفسیر لکھیں، فریقین کو سات گھنٹے سے زیادہ وقت نہ ملے اور ہر دو تحریرات ۲۰ ورق سے کم نہ ہوں۔ آپ تجویز کرتے ہیں کہ ان ہر دو تحریرات کو تین بے تعلق علماء کے حوالے کر دیا جائے جس تحریر کو وہ حلفاً فصیح و بلیغ کہہ دیں گے وہ فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہوگا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دو فریق کی تحریرات کے اندر جس قدر غلطیاں نکلیں گی وہ سہو و نسیان پر محمول نہیں کی جائیں گی بلکہ واقعی اس فریق کی نادانی اور جہالت پر محمول کی جائیں گی۔ مجھے آپ کے پاس اس معیار صداقت پر بعض شکوک ہیں جن کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) کسی عربی عبارت کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس انداز و فصاحت کی دوسری عبارت معاوضہ کے طور پر نہیں لکھ سکتا۔ آج سے پہلے صرف قرانی عبارت کا خاصہ تھا۔ بشر کا کلام اعجاز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ افصح العرب حضرت سید الرسل ﷺ نے بھی اپنے کلام کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا اور نہ معارفہ کے لیے فصحائے عرب کو بلایا اگر مان لیا جائے کہ بجز کلام خدا کے دوسرے کلام بھی اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر فرمایئے کہ الٰہی اور بندہ کے کلام میں مابہ الامتیاز کیا رہا۔

(۲) ہزار ہا عربی کے غیر مسلم اعلیٰ درجہ کے فاضل اور منشی گزرے ہیں اور ان کی تصانیف عربی میں موجود ہیں اور ان کے عربی قصائد اور نثر اعلیٰ درجے کے فصیح و بلیغ مانے گئے ہیں کئی ایک غیر مسلم قرآن کریم کے حافظ گزرے ہیں۔ بعض غیر مسلم شاعروں کے قصائد کے نمونے میں نے اپنے ایک مضمون میں دیئے ہیں۔ جو ۱۸۹۹ء کے رسالہ انجمن نعمانیہ میں پھر اخبار چودھویں صدی کے پرچوں میں چھپا ہے۔

(۳) مجھے سمجھ نہیں آتی کہ چالیس علماء کی کیا خصوصیت ہے۔ اگر یہ الہامی شرط ہے تو خیر ورنہ ایک عالم بھی آپ کے لیے کافی ہے اور یوں تو چالیس علماء بھی بالفرض اگر آپ کے مقابلے میں ہار جائیں تو دنیا کے علماء آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ مجددیت' محدثیت' رسالت کا معیار عربی کسی طرح بھی تسلیم نہیں ہو سکے گی۔

(۴) تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنے اشتہار کے ضمیمہ کے ص ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مقابلے کے وقت پر جو عربی تفسیر لکھی جائے گی۔ ان میں کوئی غلط سہو و نسیان پر حمل نہیں کی جائے گی مگر افسوس کہ آپ خود اس اشتہار میں لفظ ''محصنات'' کو جو قرآن مجید میں مذکور ہونے ہے علاوہ ایک

معمولی اور مشہور لفظ ہے دو دفعہ ''محسنات'' لکھتے ہیں۔س اورص کی تمیز نہ ہونا اتنے بڑے دعویدار عربیت کے حق میں سخت ذلت کا نشان ہے۔ یہ لفظ اگر ایک دفعہ غلط لکھا ہوتا تو شاید سہو پر حمل کیا جا سکتا تھا مگر دو دفعہ غلط لکھا اور پھر شرط یہ ٹھہراتے ہیں کہ دوسروں کی غلطیوں کو سہو اور نسیان پر حمل نہیں کیا جاے گا۔

اخیر میں میر التماس ہے کہ آپ کے ساتھ ہر ایک مناسب شرط پر عربی نظم و نثر لکھنے کو تیار ہوں۔تاریخ کا تقرر آپ ہی کر دیجیے اور مجھے اطلاع کر دیجیے کہ میں آپ کے سامنے اپنے آپ کو حاضر کروں مگر یاد رہے کہ کسی طرح بھی عربی نویسی کو مجددیت یا نبوت کا معیار تسلیم نہیں کیا گیا۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

راقم محمد حسن بھین ضلع جہلم تحصیل چکوال مدرس دار العلوم نعمانیہ لاہور

۱۵ اگست ۱۹۰۰

(تازیانہ عبرت ص۸۵،۸۴)

تیسرا چیلنج:

مولانا فیضی نے ۲۷ اگست ۱۹۰۰ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے مرزا قادیانی کو چیلنج دیا۔انہوں نے کہا:

''ہمیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ وحی کا مگر قیاس غالب ہے کہ اس خط میں حضرت پیر صاحب کو علی الخصوص مخاطب کرنا دو وجہ سے تھا اول یہ کہ صوفیائے کرام کا طریق و مشرب مرنج و مرنجان کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ گوشہ تنہائی میں عمر کا بسر کرنا غنیمت سمجھتے ہیں کسی کی دل شکنی انہیں منظور نہیں ہوتی پھر حضرت صاحب ممدوح کے دینی مشاغل و مصروفیت سے بھی یہی قیاس ہوسکتا تھا کہ آپ عزلت نشینی اور للہی مصروفیت کو ہر طرح سے ترجیح دیں گے اور اس طریق فیصلہ کو جو حقیقتاً مرزا کے دعاوی کی تصدیق کا فیصلہ نہیں تھا پسند نہیں فرمائیں گے جو ظاہر بینوں کی نظر میں مرزا کی فتح یابی کا نشان ہو گا۔نیز دوسرے علماء کرام کے ساتھ تحریری معاوضہ کو چالیس والی شرط کے ساتھ گانٹھنا یہی راز رکھتا تھا کوئی بتا سکتا ہے کہ مرزا چالیس سے کم علماء کے ساتھ کیوں ایسا تحریری مباحثہ نہیں کرتا۔اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کو جھوٹی شیخی اور بیہودہ تعلیٰ دکھانی مطلوب تھی ورنہ اگر صرف تصدیق دعویٰ

اور ہدایت علماء مقصود تھی تو اس خاکسار نے جو ۱۳ اگست ۱۹۰۰ء کو ’’سراج الاخبار‘‘ جہلم میں بہ تسلیم جملہ شرائط مرزا کو میدان میں بلایا تھا اور بعدازاں خط بھی ارسال کیا تھا اور صاف لکھا تھا کہ مجھے بلاکم وکاست آپ کی جملہ شرائط منظور ہیں آیئے جس صورت پر چاہیے مقابلہ کر لیجیے۔ اس کے جواب میں مرزا جی ایسے بےخود ہوئے کہ اب تک کروٹ نہیں بدلتے۔ وہ مضمون ہی اڑا دیا اور وہ خط ہی غائب کر دیا۔‘‘

(تازیانہ عبرت ص۸۶)

مولانا فیضی کی موت کی قادیانی پیش گوئی:

مولانا فیضی کے مرزا قادیانی کو یہ تین چیلنج مرزا کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھے۔ اس نے ردعمل کے طور پر فوراً مولانا فیضی کے انتقال کی پیش گوئی کر دی۔

(۱) جو میر کتاب اعجاز المسیح کا جواب لکھے گا وہ شرمسار ہوگا اور اس کا حسرت کے ساتھ خاتمہ ہوگا۔
(ٹائیٹل طبع اول اعجاز المسیح)

محمد حسن فیضی ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم مدرس مدرسہ نعمانیہ واقعہ شاہی مسجد لاہور نے عوام میں شائع کیا کہ میں اس کتاب کا جواب لکھتا ہوں اور ایسی لاف مارنے کے بعد جب اس نے جواب کے لیے نوٹ تیار کرنے شروع کیے اور ہماری کتاب کے اندر بعض صداقتوں پر جو ہم نے لکھی تھیں لعنة الله علی الکاء بین لکھا تو جلد ہلاک ہوا۔ دیکھو مجھ پر لعنت بھیج کر ایک ہفتہ کے اندر ہی آپ لعنتی موت کے نیچے آ گیا۔ کیا یہ نشان الٰہی نہیں؟۔
(نزول المسیح ص۱۹۴ روحانی خزائن ص۵۷۲ جلد ۱۸)

(۲) محمد حسن کی موت کا موجب وہ دعائے مباہلہ ہے جو اعجاز المسیح کے صفحہ ۱۹۹ میں شائع ہو چکی یعنی یہ کہ انی مھین من اراد اھانتک یعنی میں اس کو ذلیل کروں گا جو تیری ذلت چاہتا ہے پس چونکہ اس نے اعجاز المسیح پر قلم اٹھا کر میری ذلت کا ارادہ کیا اس لیے خدا نے اس کو ذلیل کر دیا اور اپنے منہ سے مت مانگ کر چند روز میں ہی مر گیا اور اپنی موت کو ہمارے لیے ایک نشان چھوڑ گیا۔
(نزول المسیح حاشیہ ص۸۳ روحانی خزائن ص۴۶۱ جلد ۱۸)

مرزا قادیانی مولانا فیضی کی زندگی میں خاموش رہا ان کے چیلنج قبول نہ کر سکا لیکن ان کے انتقال پر اس نے بہت خوشی منائی اور ان کی موت کو اپنی فتح کا نشان قرار دیا جیسا کہ مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہے۔

عدالت میں اس پیش گوئی سے انکار:

مولانا کرم دین دبیر لکھتے ہیں:

''لیکن تعجب ہے کہ مرزا جی نے عدالت میں مولوی محمد حسن کی نسبت پیش گوئی کرنے سے بھی صاف انکار کیا اب کس منہ سے ان کو اپنی پیشگوئی کا مصداق قرار دے رہے ہیں۔ بمقدمہ حکیم فضل دین بنام مولوی کرم الدین مرزا جی کا جو حلفی بیان بحیثیت گواہ صفائی عدالت لالہ چندو لال صاحب مجسٹریٹ میں ہوا۔ اس میں یوں ارشاد ہے۔

''**الهام انی مهین من اراد اهانتک** کئی سال پہلے مجھ کو ہوا تھا یعنی مقدمات سے کئی سال پہلے یہ پیش گوئی **من قام للجواب و تنمر فسوف یری انه تندم وتدمر** فیضی کی نسبت نہیں ہے پھر گے چل کر فرماتے ہیں۔ سوال یہ دونوں الہام آپ کے سچے ہوئے کہ نہیں بہ متعلق مولوی محمد حسن اور پیر مہر علی شاہ۔ جواب پہلے میں نے قبل سراج الاخبار شائع ہونے کے خیال کیا تھا کہ یہ دونوں الہام سچے ہوں گئے ہیں مگر سراج الاخبار کے شائع ہونے کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ یہ میری رائے غلط نکلی کیونکہ پیش گوئیوں کا مصداق قائم کرنا اکثر رائے سے ہوا کرتا ہے۔ یہ بات صرف رائے کے متعلق ہے نفس پیش گوئیوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔'' پھر اب اس حلفی بیان کے خلاف مرزا جی کا یہ کہنا کہ مولوی محمد حسن میری پیش گوئی کے مطابق فوت ہوا ہے۔ کس قدر ڈھٹائی ہے۔

(تازیانہ عبرت ص ۶۹)

مولانا کرم دین کا محاسبہ قادیانیت

مولانا کرم دین مرحوم اس لحاظ سے ایک منفرد شخصیت ہیں کہ ان پر مرزا قادیانی کے مریدوں نے مقدمے قائم کیے اور جوابی کارروائی کرتے ہوئے انہوں نے مرزا قادیانی کو عدالت میں گھسیٹا۔ ان کے علاوہ کسی اور کو مرزا قایانی کو عدالت میں رسوا کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ آپ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مرحوم کے والد محترم ہیں۔

پس منظر:

مولانا کرم دین نے جب دیکھا کہ مرزا قادیانی بدزبانی کی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کو بھی معاف نہیں کیا۔ مولانا فیضی ان کے چچازاد بھائی تھے' اس حوالہ سے ان کو بہت دکھ پہنچا اور انہوں نے مرزا قادیانی کو نوٹس بھیجا کہ عدالت میں آپ سے جواب طلب کی جائے گی اس پر قادیانی بوکھلا اٹھے اور پیش بندی کے طور پر مرزا قادیانی نے اپنے مرید حکیم فضل دین کے ذریعہ یکے بعد دیگرے تین مقدمات دائر کیے۔

پہلا مقدمہ:

مرزا صاحب کے اشارے پر ان کے مرید خاص حکیم فضل دین بھیروی نے مولانا کرم الدین پر زیر دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں مقدمہ دائر کیا۔ یہ استغاثہ رائے گنگارام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر و مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت میں ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو دائر کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی مجسٹریٹ مذکور خواجہ کمال الدین قادیانی کے کلاس فیلو تھے اور قادیانیت کے متعلق نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مرزائی جماعت کی طرف سے حکیم نورالدین' مولوی عبدالکریم' بابو غلام حیدر تحصیل دار کی اور خود مرزا قادیانی کی شہادت ہوئی۔

مرزائی الہامات:

مرزا قادیانی نے اس مقدمہ میں اپنی فتح کے لیے درج ذیل الہامات شائع کیے۔ خدا تمہاری ساری مرادیں پوری کرے گا۔ (تذکرہ ص ۴۶۴ طبع دوم)

اثرک اللہ علیٰ کل شئی. (تزکرہ ص ۴۶۹)

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم محسنون. فیه ایات للسائلین. (تذکرہ ص ۴۸۷)

جاءک الفتح تم جاءک الفتح. (ایضاً)

الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یفعل کیدهم فی تضلیل. (تذکرہ ص ۴۹۱)

مقدمہ کا نتیجہ:

مرزا کی ان طفل تسلیوں کے باوجود اس مقدمہ میں جو کہ ۱۴ ماہ سے چل رہا تھا۔ مولانا کرم دین کو فتح حاصل ہوئی۔ بابو چندو لال مجسٹریٹ نے ۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو استغاثہ خارج کر دیا اور مولانا بری ہو گئے۔

اس مقدمہ کی کارروائی سراج الاخبار کی ۱۸ جنوری ۱۹۰۴ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ تفصیل کے لیے تازیانہ عبرت ص ۱۷ ملاحظہ فرمائیں۔ اس مقدمہ میں قادیانیوں نے حضرت پیر مہر علیؒ شاہ صاحب کو بے وجہ تکلیف دینے کے لیے انہیں بطور گواہ طلب کیا اور اس کے لیے درخواست دی لیکن عدالت نے ان کی درخواست منظور نہ کی۔

دوسرا مقدمہ:

پہلے مقدمہ میں خفت اٹھانے کے بعد قادیانی جماعت نے مولوی کرم الدین دبیر کے خلاف دوسرا مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ بھی لال چنو لال مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کی عدالت میں بذریعہ مسٹر اوگارمن بیرسٹر اور خواجہ کمال الدین دائر کیا گیا۔

اس مقدمہ کا پس منظر یہ تھا کہ پہلے مقدمہ میں حکیم فضل دین کے بیان پر جرح کے لیے مولانا کرم الدین نے مرزا کی کتاب نزول المسیح کے چند اوراق پیش کر دیئے۔ چونکہ اس سے حکیم مذکور کے بیان کی تردید ہوتی تھی۔ اس لیے اس نے اس کتاب کی ملکیت سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کتاب نزول المسیح جو ملزم نے پیش کی ہے اور جس پر نشان اے نمبر اے کا ہے اس کا پہلا ورق ہمارے طبع کا معلوم ہوتا ہے باقی اوراق کی نسبت میں نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے مطبع کے چھپے ہوئے ہوں نزول المسیح کی کاپی جو ملزم کی طرف سے پیش ہوئی ہے جس پر میں اعتبار نہیں کرتا ممکن ہے کہ ہمارے مطبع کے کاتب سے مل کر لکھائی ہوئی یا کسی اور کاتب سے لکھائی ہو جس کا خط ایسا ہی ہو استاد کاتبوں کے خط مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ۲۲ جون ۱۹۰۳ء کا ہے۔

۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو قادیانی جماعت نے زیر دفعہ ۴۱۱ تعزیرات ہند استغاثہ دائر کیا جس میں اوراق مذکورہ کو مال مسروقہ ظاہر کیا اور مولانا کرم الدین پر سرقہ کا الزام لگایا گیا حالانکہ

۱۔ مولانا کرم دین کو چند اوراق چوری کرانے کی ضرورت ہی کی تھی؟

۲۔ اتنے دور دراز علاقہ سے محض چند اوراق چوری کرانا ممکن نہیں تھا۔

۳۔ گذشتہ مقدمہ میں حکیم فضل دین مذکورہ کتاب کی ملکیت سے انکار کر چکا تھا۔

قادیانی سازش:

قادیانی جماعت نے مذکورہ دفعہ اس لیے لگوائی تھی کہ مولانا گرفتار ہو جائیں گے اور عدالتی تحقیقات مکمل ہونے تک زیر حراست رہیں گے اور اس طرح مرزا صاحب کا الہام **انی مھین من اراد اھانتک** پورا ہو جائے گا۔

سو قادیانی جماعت نے آپ کے وارنٹ ناقابل ضمانت جاری کرائے اور عدالت سے دستی آرڈر وصول کر کے شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم کو بھیجا کہ وہ مقامی پولیس کے تعاون سے اس حکم کی تعمیل کرائے تاکہ علاقہ بھر میں مولانا کرم الدین ایک تماشا بن جائیں اور ان کو ذلت پہنچے۔ تراب صاحب دور دراز کا سفر کر کے موضع بھیں پہنچے اتفاقاً مولانا موجود نہ تھے اس لیے اپنے مقصد

میں ناکام رہے۔تراب نے بھیں کے گردونواح کا تمام علاقہ چھان مارالیکن کچھ ہاتھ نہ آیا۔جہلم کاایک قادیانی پٹھانوں والالباس پہن کر ہینگ بیچنے کے بہانے جاسوسی کرتارہاپھرایک دفعہ وہی شخص پولیس انسپکٹر کا روپ دھار کر رات کے وقت موضع بھیں گیالیکن جیسے اللہ تعالیٰ ناکام کرنا چاہے اسے کون کامیاب کرسکتا تھا اسے بصد حسرت واپس آناپڑا۔

استغاثہ کی گواہی حکیم نورالدین، شیخ نوراحد، کرم علی، مفتی محمد صادق، ظفراحمد کپورتھلوی، حبیب الرحمٰن کپورتھلوی، نیاز احمد وزیرآباد، عبداللہ کشمیری امرتسر، شیخ رحمت اللہ بمبئی، احمد دین گوجرانوالہ اور حکیم محمد حسین نے دی۔ان گواہوں کی بالعموم یہی شہادت تھی کہ وہ مرزاصاحب کی تصانیف کے خریدار ہیں اور مدت سے حکیم فضل دین کی معرفت کتابیں منگوایا کرتے ہیں اور کتاب نزول المسیح متنازعان کے پاس نہیں پہنچی۔

مقدمہ کا نتیجہ:

استغاثہ اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ناکام رہا۔اس لیے مولانا کرم الدین کو عدالت نے باعزت بری کردیا۔

(ملخص از تازیانہ عبرت ص۶۲،۶۷)

تیسرا مقدمہ:

مولانا کرم دین کے خلاف دومقدموں سے جب مرزا قادیانی کی تسلی نہ ہوئی تو اس کے کہنے پر شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر الحکم نے زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند ازالہ حیثیت عرفی دائر کیا جس میں مدعی علیہ مولانا کرم دین اور مولوی فقیر محمد تھے۔

مقصد میں ناکامی:

قادیانیوں نے اس مقدمہ میں بہت روپیہ صرف کیا۔سفر کی صعوبتیں الگ برداشت کیں لیکن ان کو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوسکے۔مجسٹریٹ نے مولانا کرم دین اور مولانا فقیر محمد کو معمولی سا جرمانہ کیا جوانہوں نے موقعہ پرادا کردیا۔

مولانا کرم دین کی طرف سے پہلا مقدمہ

مولانا کرم دین نے اپنے اعلان کے مطابق مرزا صاحب اوران کے مرید خاص حکیم فضل دین بھیروی پر رائے سنسار چند مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ مرزا صاحب کے وکیل نے عدالت میں یہ اعتراض پیش کیا کہ یہ مقدمہ مولانا محمد حسن فیضی کے بیٹوں کی جانب سے دائر ہونا چاہیے تھا۔ ان کی موجودگی میں مولوی کرم دین کو مقدمہ دائر کرنے کا حق نہیں پہنچتا' اس موقع پر مرزا صاحب نے جہلم میں اپنی تازہ کتاب مواہب الرحمٰن تقسیم کی۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو پہلی پیشی کے موقع پر عدالت نے مرزا صاحب کے وکلاء سے اتفاق کرتے ہوئے مقدمہ داخل دفتر کر دیا۔ قادیانیوں نے اس پر بہت بغلیں بجائیں' فتح کے شور سے آسمان سر پر اٹھا لیا لیکن مولانا کرم دین نے دوسرا مقدمہ دائر کر کے ان کی خوشیاں خاک میں ملا دیں۔

مرزا قادیانی پر فوجداری مقدمہ

مقدمہ کا پس منظر:

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں مولانا کرم دین کو ناز یبا الفاظ سے یاد کیا تھا اور کتاب مذکورہ جہلم میں بکثرت تقسیم کی تھی صرف اسی پہ بس نہیں کی بلکہ کتاب مولانا کرم دین کو براہ راست بھی بھیجی۔ اس پر انہوں نے مرزا قادیانی اور حکیم فضل دین کے خلاف رائے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مجسٹریٹ درجہ اول جہلم کی عدالت میں درج ذیل استغاثہ دائر کر دیا۔

آغاز مقدمہ و نقل استغاثہ:

ابوالفضل مولوی محمد کرم الدین ساکن بھین تحصیل چکوال ضلع جہلم مستغیث

بنام

مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین مالک مطبع ضیاء الاسلام سکنائے قادیان ملزمان جرم دفعہ ۵۰۰' ۵۰۱' ۵۰۲ تعزیرات ہند

تمہید استغاثہ یوں ہے:

جناب عالی!

ا۔ مستغیث فرقہ اہل سنت والجماعت کا مولوی ہے اور مسلمانوں میں خاص عزت و امتیاز رکھتا ہے۔

۲۔ مستغیث نے ایک استغاثہ فوجداری بعلت ازالہ حیثیت عرفی برخلاف ملزمان نمبرا نمبر۲ نسبت اس ہتک اور توہین کے جوانہوں نے بذریعہ تحریرات مطبوعہ میرے بھائی و بہنوئی مولوی محمد حسن فیضی مرحوم کی کی تھی عدالت لالہ سنسار چند صاحب مجسٹریٹ درجہ اول ضلع جہلم میں کیا ہوا تھا جس کی تاریخ پیشی ۱۷جنوری ۱۹۰۳ء مقرر تھی۔

۳۔ ملزمان کو اس بات کا مجھ سے رنج تھا اس واسطے ملزم نمبرا نے اپنی مصنفہ مولفہ کتاب...... ''مواہب الرحمٰن'' کے صفحہ ۱۲۹ پر مقدمہ مذکور کی پیشگوئی کے پیرایہ میں ایک تحریر شائع کی جس میں میرا صریح نام لکھ کر میری سخت تحقیر وتوہین کی گئی اور میری حیثیت عرفی کا ازالہ کیا گیا ہے۔اس نیت سے کہ اس مضمون کی اشاعت پر مستغیث کی نیک نامی اور عزت کو جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے صدمہ پہنچے اور میری وقر وآبرو کو نقصان پہنچے۔ چنانچہ تحریر مذکور کے فقرات ذیل قابل غور ہیں۔

(الف) ''ومن ایاتی ما انبانی العلیم الحکیم فی امر رجل لیئم وبھتانه العظیم.

ترجمہ: از جملہ نشانہائے من انیست کہ خدا مرا در بارہ معاملہ شخص لیئم و بہتان بزرگ او خبرداد۔ (روحانی خزائن جلد 19 صفحہ ۳۵۰)

اس فقرہ میں رجل لیئم جس کے معنی کمینہ شخص ہے۔اس سے ملزم نے مراد مستغیث کو رکھا ہے اور یہ لفظ مستغیث کی نسبت سخت وہین وتحقیر کا کلمہ ہے اور بہتانہ العظیم کے لفظ سے ملزم نے میرے ذمے یہ خلاف واقعہ اتہام لگایا کہ میں جھوٹے بہتان باندھنے والا ہوں اور ایسا اتہام میرے ذمے میری سخت بے عزتی کا باعث ہے کیونکہ جھوٹا بہتان باندھنا ایک اخلاقی اور شرعی جرم ہے۔

(ب) ان البلاء یرد علی عدوی الکذاب المھین .

ترجمہ: یہ بلا میرے دشمن پر پڑے گی جو کذاب (بہت ہی جھوٹا) اور اہانت کنندہ ہے۔اس فقرے میں مستغیث کی نسبت کذاب کا لفظ لکھا گیا ہے جس کا معنی بہت ہی جھوٹا ہے اور یہ ایک

سخت تحقیر کا کلمہ ہے۔جس سے کوئی زیادہ مزیل حیثیت عرفی اور دل آزاری کا کلمہ نہیں ہوسکتا۔خصوصاً ایک مسلمان اور مولوی کی نسبت ایسا اتہام کہ وہ بہت جھوٹ بولنے والا ہے۔اس کی نیک نامی اور عزت کو بالکل غارت کر دینے والا ہے۔

(ج) فاذا اظهر قدر الله علی یدعدو مبین اسمه کرم الدین.

(ایضاً بحوالہ مذکورہ)

ترجمہ: پس ناگاہ ظاہر شد تقدیر خدا تعالیٰ بردست دشمن صریح کہ نام او کرم الدین است اس فقرے میں تصریح ہے کہ الفاظ مذکور فقرہ جات بالا کا مصداق مستغیث ہی ہے۔

۴۔ کتاب ''مواہب الرحمٰن'' جس میں مستغیث کی ہتک تصریح کی گئی ہے۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء کو خاص شہر جہلم میں جو حد سماعت عدالت ہذا میں ہے۔ کثرت سے شائع کیگئی اور خاص احاطہ کچہری میں یہ کتاب بہت لوگوں میں ملزمان نے مفت تقسیم کی بلکہ ایک مجمع عظیم میں جس میں مستغیث موجود تھا۔ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی جو ہمارے فرقہ کا ایک عالم شخص ہے ملزم نمبر ایک نے بدست محمد دین کمپوڈر شفاخانہ جہلم جو اس کا مرید ہے بھیجی۔ جس سے ملزم مذکور کی یہ نیت تھی کہ اس مجمع میں یہ کتاب پڑھی جانے سے مستغیث کی نیک نامی اور عزت کو نقصان پہنچے گا اور عام مسلمانوں میں اس کی خفت ہوگی۔

۵۔ اس کتاب کی تحریر مذکور کی اشاعت سے میری سخت خفت اور توہین ہوئی اور میری حیثیت عرفی کا ازالہ ہوا۔

۶۔ ملزم نمبر دو نے کتاب مذکور باوجود اس امر کے علم ہونے کے کہ اس میں صریح لائیبل ہے اپنے مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں جس کا وہ مالک و منیجر ہے چھاپا اور اس کو شہر جہلم میں جو حد سماعت عدالت ہذا میں ہے بھیج کر شائع کیا۔

۷۔ چونکہ ملزمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کی تشریح دفعات ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند میں ہے۔ اس لیے استغاثہ ہے کہ بعد تحقیقات ان کو سزا دی جائے اور اگر واقعات سے ملزمان کسی اور جرم کے مرتکب ثابت ہوں تو اس میں بھی ان کو سزا دی جائے۔

عرضے

مولوی کرم الدین ولد مولوی صدر الدین ذات آوان ساکن بھین۔ چکوال۔ ضلع جہلم ۲۶ جنوری ۱۹۰۳

مقدمہ کی تفصیلات:

اس مقدمہ کی تفصیل مورخ احرار پروفیسر خالد شبیر احمد نے نہایت خوبصورت انداز میں تحریر کی ہے جو کہ کسی قدر تلخیص کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

''مقدمہ دائر ہوگیا تو مستغیث کے سرسری بیان کے بعد لالہ سنسار چند مجسٹریٹ نے حکیم فضل دین کے نام وارنٹ ضمانتی تھا اور مرزا غلام احمد ملزم کے نام سمن (جس میں اصالتاً حاضری کا حکم تھا) جاری کیا۔ ان دونوں ملزمان کی تاریخ پیشی ۱۶ مارچ ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی لیکن تاریخ مقررہ سے پہلے قادیانیوں کے وکیل خواجہ وکیل الدین نے ۲ مارچ ۱۹۰۳ء کو مرزا غلام احمد کی جانب سے ایک درخواست عدالت میں پیش کی کہ ملزم کو زیر دفعہ ۲۰۵ ضابطہ فوجداری اصالتاً حاضری سے معاف فرمایا جائے۔ مجسٹریٹ نے تاحکم ثانی ملزم کو حاضری سے معاف کر دیا اور اس کی جگہ اس کے وکیل کے پیش ہونے کی اجازت دے دی۔

۱۶ مارچ کی تاریخ پر حکیم فضل دین پیش ہوا۔ مرزا صاحب کی جانب سے ان کا وکیل پیش ہوا۔ اس تاریخ کو ملزمان نے دفعہ ۵۲۶ کے تحت ایک درخواست برائے التوائے مقدمہ عدالت میں پیش کی کیونکہ ملزمان مقدمے کو چیف کورٹ میں منتقل کرنے کی درخواست دینا چاہتے تھے۔ عدالت نے مقدمے کی سماعت کو ۲۸ اپریل ۱۹۰۳ء تک ملتوی کر دیا۔ ۱۴ اپریل کو ملزمان نے چیف کورٹ میں درخواست برائے انتقال مقدمہ پیش کی جو نامنظور ہوئی اور مقدمہ لالہ چندو لال مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور کے سپرد ہوا کیونکہ مرزا صاحب نے ایک، درخواست کے ذریعے مقدمے کو جہلم سے گورداسپور منتقل کرنے کو کہا تھا۔ اس درخواست میں مرزا صاحب نے گھر سے دوری کی وجہ بتائی۔ سفر کی مشکلات کا ذکر کر کے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ تبدیل کرا لیا لیکن جب لالہ چندو لال کی عدالت نے ۱۸ اگست ۱۹۰۳ء کو مزمان کو عدالت میں طلب کیا تو پھر قادیانی وکیل خواجہ کمال الدین نے درخواست گزار دی کہ مرزا صاحب کو عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ اس پر دونوں طرف کے وکلاء نے بحث کی۔ استغاثہ کی طرف سے شیخ نبی بخش اور بابو مولا ل وکیل تھے۔ انہوں نے کہا کہ ملزم کو حاضری سے اصالتاً معاف کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ خاص طور پر ایسے حالات میں جبکہ مستغیث اور اس کے مددگار جہلم جیسے دور دراز علاقے

سے یہاں آجاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملزم غلام احمد قادیان سے نہ آئے جو گورداسپور سے صرف ۱۲ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ لالہ سنسار چند نے ملزم کو اس لیے حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا تھا کہ قادیان سے جہلم دور تھا۔ اب وہ بات ہی درمیان میں نہیں رہی اور مقدمہ جہلم کی بجائے گورداسپور میں منتقل ہو چکا ہے تو مرزا صاحب کی حاضری سے معذوری کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ وکلاء کے درمیان اس مسئلے پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی لیکن قدرت کے ہاں بھی ایک مقدمہ پیش تھا اور وہاں بھی فیصلہ ہو رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ اس نام نہاد پیغمبر کو ایک ہندو مجسٹریٹ کے سامنے کھڑا کر کے اس کی اصل حقیقت کو دنیا پر واضح کیا جائے کہ جسے سونا سمجھا جا رہا ہے وہ پیتل ہے اور طوفان سے اگر پتہ اوپر ہوا میں اٹھ جائے تو بلندی ہمیشہ کے لیے اس کا مقدر نہیں بن جاتی بلکہ بالآخر اسے دوبارہ طوفان کے بعد زمین پر ہی آن گرنا ہے اور لوگوں کے پاؤں تلے روندے جانا اس کا مقدر ہے۔ چنانچہ مجسٹریٹ نے قادیانیوں کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اگلی پیشی پر مرزا صاحب کو بذات خود تشریف لانا پڑے گا۔ اس پہلی شکست پر قادیانی حضرات کے اوسان خطا ہو گئے اور اگلی پیشی کی تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی جس دن مرزا صاحب کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری قرار دیا گیا چنانچہ تاریخ مقررہ پر مرزا غلام احمد حکیم فضل دین کے ہمراہ لالہ چندولال کی عدالت میں پیش ہوئے لیکن اس دفعہ ایک دوسری درخواست قادیانیوں کی جانب سے یہ پیش کی گئی کہ اس مقدمہ کی کارروائی کو اس وقت تک ملتوی کر دیا جائے۔ جب تک ان مقدمات کا فیصلہ نہیں ہوتا جو حکیم فضل الدین نے مولوی کرم الدین پر کر رکھے ہیں لیکن مولوی صاحب کے وکلاء نے اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے دلائل سے اس درخواست کی نامعقولیت کو عدالت میں ثابت کیا کہ درخواست حیلے بہانے سے مقدمے کو لمبا کرنے کی کوشش کی ہے جس سے مستغیث کو ایک بڑے عرصے کے لیے سفر کی مشکلات میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ فاضل مجسٹریٹ نے استغاثہ کے وکلاء سے اتفاق کرتے ہوئے قادیانیوں کی اس دوسری درخواست کو بھی مسترد کر دیا اور اسطرح قادیانی مع اپنے پیغمبر کے مقدمے کے فیصلے سے پہلے دوسری بار شکست سے دوچار ہو کر رسوا ہوئے۔ مقدمے کی دوسری تاریخ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ اس دن عدالت میں مستغیث کا بیان قلمبند ہوا اور گواہ استغاثہ جناب برکت علی صاحب کی شہادت ہوئی جس کے بعد تاریخ پیشی ۱۲، ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ نومبر کی اس تاریخ کو فقط مرزا غلام احمد

پیش ہوئے جبکہ دوسرے ملزم حکیم فضل الدین کے بارے میں عدالت کو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں اور انہیں حاضری سے معذور سمجھا جائے لیکن وکلاء استغاثہ نے اصرار کیا کہ وہ ضمانت پر ہیں اور ان کی حاضری عدالت میں انتہائی ضروری ہے۔ مجسٹریٹ لالہ چندولال نے حکم دیا کہ ملزم نمبر دو حکیم فضل الدین کو اگر وہ بیمار ہیں تو چارپائی پر اٹھا کر لایا جائے۔ چنانچہ حکیم کی تعمیل ہوئی اور قادیانی حکیم صاحب کو چارپائی پر اٹھا کر لے آئے۔ یہ نظارہ دیدنی تھا۔ خاص طور پر مرزا صاحب کی حالت غیر تھی جو اپنی امت کو ہمیشہ فتح و نصرت کے الہام سنایا کرتے تھے لیکن یہاں اس کے برعکس پے در پے شکست اور پسپائی مقدر بن چکی تھی۔ چنانچہ گواہوں کی شہادت قلمبند ہوئی۔ گواہوں کے نام مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل
۲۔ ملک تاج دین واصل باقی نویس جہلم
۳۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری
۴۔ مولوی عبدالسبحان صاحب ساکن مسانیاں
۵۔ مولوی اللہ دتہ ساکن سوہل

وکیل ملزمان نے شہادت کے بعد جرح محفوظ رکھنے کی خواہش کی۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ ایسی صورت میں فرد جرم کے بعد ہی جرح کی جاسکے گی۔ وکیل ملزمان نے تیاری نہ ہونے کا بہانہ کیا اور کہا کہ جرح کل کروں گا۔ اس پر مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ کل کا خرچہ گواہان کو دینا پڑے گا۔ قادیانی وکلاء نے اس کی حامی بھر لی اور مقدمہ دوسرے روز پر ملتوی ہوا۔

۱۳ نومبر کو مولوی کرم الدین پر جرح شروع ہوئی جو ۱۴ اور ۱۵ نومبر کو بھی جاری رہی۔ قادیانی وکلاء ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی مولوی صاحب کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے اور مولوی صاحب ایسے اعتماد سے وکلاء کا جواب دیتے کہ خود سوال کرنے والے حیران و ششدر رہ جاتے۔

مرزا صاحب کا اقرار:

۱۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کو عدالت میں مرزا قادیانی نے اپنے جرم کا اعتراف کیا کہ میں نے مواہب الرحمٰن میں مولوی کرم دین کی نسبت سخت الفاظ لکھے تھے۔

۱۶ دسمبر کو مولوی برکت علی منصف بٹالوی کی شہادت ہوئی پھر ان کی شہادت پر قادیانیوں نے جرح کی اور مولوی صاحب نے مدلل جوابات دیئے۔ ۱۷ سے ۱۹ دسمبر تک مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی شہادت پر مولوی محمد احسن امروہی قادیانی نے جرح کی اور مولانا نے قادیانیوں کی سازش ناکام بناتے ہوئے مسکت جوابات دیئے۔ ۱۹ دسمبر کو عدالت کی کارروائی ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء تک کے لیے ملتوی ہوگئی۔

۱۳ جنوری کو عدالت میں جم غفیر تھا۔ مسلمان اور قادیانی دونوں موجود تھے۔ ۱۱ بجے صبح کارروائی کا آغاز استغاثہ کی بحث سے ہوا۔ استغاثہ کے وکیل بابو مولا مل اور خود مولوی کرم الدین صاحب نے اس بحث کو انتہائی موثر طریقے سے جاری رکھا۔ ہر دو حضرات کے استدلال، حاضر جوابی اور قابلیت نے قادیانیوں کو مبہوت کر دیا۔ مرزا غلام احمد چونکہ عدالت میں موجود تھے۔ اس لیے مولوی کرم الدین صاحب کے انداز گفتگو میں بلا کی روانی اور جوش پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اسی روز عدالت کی کارروائی کے بعد مرزا صاحب شدید بخار کی لپیٹ میں آ گئے اور دوسرے روز مرزا صاحب نے اپنی بجائے بیماری کا سٹرفکیٹ بھجوا کر اپنی جان بچائی۔ ۱۴ جنوری کی اس کارروائی میں دوسرے ملزم حکیم فضل الدین نے اپنے وکیل کے ذریعے عدالت میں مقدمہ کے التواء کی درخواست دی کیونکہ وہ زیر دفعہ ۵۲۶ ضابطہ فوجداری مقدمہ دوسری عدالت میں منتقل کرنے کی درخواست دینا چاہتا تھا۔ اس پر وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ مقدمہ جبکہ اپنے اہم ترین مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ دوسری عدالت میں منتقل نہیں ہونا چاہیے لیکن عدالت نے مرزائیوں کی درخواست سن کر کارروائی ۱۴ فروری تک ملتوی کر دی۔ اس دوران قادیانیوں نے درخواست انتقال مقدمہ پیش کر دی۔

درخواست انتقال مقدمہ:

۱۴ جنوری ۱۹۰۴ء کو قادیانیوں نے اپنے وکیل مسٹر اورٹیل ایڈووکیٹ کے ذریعہ عدالت میں انتقال مقدمہ کی درخواست پیش کی۔

اس درخواست پر ڈپٹی کمشنر نے مستغیث کے نام نوٹس جاری کر دیا اور انہیں ۱۲ فروری ۱۹۰۴ء کو بمقام ''علی وال'' جہاں پر صاحب موصوف دورے پر تھے پہنچنے کا حکم دیا۔ قادیانیوں کی جانب

سے مولوی محمد علی خواجہ کمال الدین' مسٹر اورٹیل بیرسٹرایٹ لاءموجود تھے جبکہ مولوی کرم الدین اور ان کے وکیل مولامل بھی اس جگہ پر موجود تھے۔ مسٹر اورٹیل نے انتہائی محنت سے انتقال مقدمہ کے حق میں قادیانیوں کی جناب سے دلائل پیش کیے اور درخواست کی کہ مقدمہ دوسری عدالت میں منتقل ہونا چاہیے جبکہ مولوی صاحب کے وکیل نے اس کی مخالفت کی اور ثابت کیا کہ انتقال مقدمہ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے اور انتقال مقدمہ سے مستغیث کو بعض سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ دور دراز ضلع جہلم سے آتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے دونوں جانب سے دلائل سننے کے بعد مرزائیوں کی درخواست کو رد کر دیا اور حکم دیا کہ مقدمہ اسی عدالت میں جاری رہے گا جہاں مقدمہ چل رہا ہے۔ اس فیصلے پر مرزائی انتہائی ندامت اور حسرت سے عجیب وغریب کیفیت میں مبتلا ہوئے۔

فرد جرم عائد ہوگئی (۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء):

مرزائیوں کے انتقال مقدمہ کی درخواست مسترد ہوگئی تو مقدمے کی مسلیں دوبارہ رائے چندولال مجسٹریٹ کی عدالت میں واپس آئیں جس پر عدالت نے ۱۶ فروری ۱۹۰۴ء کو مقدمہ کی تاریخ مقرر کر کے فریقین کو نوٹس جاری کر دیئے تاکہ ہر دو فریق عدالت میں حاضر ہو کر مقدمے کی پیروی کریں۔ ۱۶ فروری کو مرزا صاحب قادیان سے گورداسپور پہنچ گئے لیکن گورداسپور آ کر ان کی طبیعت سخت خراب ہوگئی۔ چنانچہ عدالت میں اس روز مرزا صاحب کے وکیل نے طبی سرٹیفکیٹ پیش کیا کہ مرزا صاحب بیماری قلب میں مبتلا ہیں۔ اس واسطے وہ حاضری سے معذور ہیں۔ اس پر عدالت نے مرزا صاحب کو ایک ماہ تک اصالتاً حاضری سے معاف کر دیا۔ اسی روز قادیانیوں کے بڑے انگریز وکیل مسٹر اورٹیل کا ایک تار عدالت میں آیا کہ ملزمان کی جانب سے چونکہ انتقال مقدمہ کی درخواست چیف کورٹ میں داخل کر دی گئی ہے اس لیے عدالت کارروائی نہ کرے۔ عدالت نے چنانچہ اس روز کارروائی ملتوی رکھی لیکن ۲۳ فروری کو چیف کورٹ نے بھی مرزائیوں کے انتقال مقدمہ کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ چنانچہ ۲۳ فروری کو مرزائی جماعت اسی عدالت میں مقدمے کے لیے حاضر ہوئی۔ عدالت نے ۸ مارچ تاریخ پیشی مقرر کی۔ اس روز خواجہ کمال الدین نے تردید استغاثہ پر عدالت میں تقریر کی جس کے جواب میں مستغیث نے ۱۸ اوراق پر مشتمل

تحریری بحث ۱۰ مارچ کو عدالت میں پیش کر دی جس پر مجسٹریٹ صاحب نے غور کے بعد فرد قرارداد جرم دونوں مجرموں (مرزاق غلام احمد اور حکیم فضل دین) پر عائد کر دی۔ ۱۰ مارچ کو ہی حکیم فضل دین کا جواب بھی لے لیا گیا لیکن مرزا صاحب کے جواب کے لیے ۱۴ مارچ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ چنانچہ فرد جرم پر مرزائیوں کے حوصلے انتہائی طور پر پست ہو گئے اور انہیں کچھ سوجھتا نہ تھا کہ اس مقدمے سے کیونکر نجات حاصل کی جائے۔ انہیں وہ وقت ہاتھ نہیں آتا تھا جب انہوں نے مولوی کرم الدین پر مقدمے دائر کر کے اس مقدماتی چھیڑ چھاڑ کر آغاز کیا تھا۔

لیکن مرزا صاحب نے ۱۴ مارچ کو بھی عدالت میں حاضری نہ دی اور اپنے وکیل کے ذریعے طبی سٹوفکیٹ بھجوا دیا۔ اس پر وکلاء استغاثہ نے اعتراض کیا کہ یہ روزمرہ کی بیماری محض مقدمے کو لمبا کرنے کے لیے اختیار کی گئی ہے۔ اگر مرزا صاحب کی صحت واقعی خراب ہے اور وہ اس قابل بھی نہیں رہے کہ قادیان سے گورداسپور آ کر عدالت میں حاضری دے سکیں تو اس کے لیے باقاعدہ سول سرجن کا سٹوفکیٹ پیش کیا جائے اس سے کم ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کو آئندہ معتبر خیال نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس پر بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ ہوا کہ آئندہ سول سرجن کا سٹوفکیٹ مرزا صاحب کی غیر حاضری کے لیے ضروری ہوگا۔ چنانچہ ۱۵ مارچ کو سول سرجن کا سٹوفکیٹ عدالت میں پیش کر دیا گیا۔

چنانچہ اس سرٹیفکیٹ کے بعد جس میں مرزا صاحب کے بارے میں یہ تحریر تھا کہ ان کی عدالت میں حاضری ان کی موت کی وجہ بن سکتی ہے۔ مقدمہ کی پیشی کی تاریخ ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء مقرر ہوئی لیکن اسی دوران لالہ چندو لعل مجسٹریٹ مقدمہ ہذا کی تبدیلی گورداسپور سے ملتان سے کر دی گئی۔ اس لیے مقدمہ دوسرے مجسٹریٹ لالہ آتمارام کی عدالت کے سپرد ہوا۔ مرزائیوں نے حسب عادت لالہ چندو لعل کی اس تبدیلی کو حضرت حیات کا معجزہ قرار دیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ یہ تبدیلی کوئی تنزلی کی صورت نہ تھی بلکہ اسی تنخواہ پر خود ان کی اپنی درخواست سے ہوئی تھی۔ مرزائیوں کے حضرت کا معجزہ تو تب تھا کہ دوسرے مجسٹریٹ آ کر ان کے حق میں فیصلہ دیتے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے مجسٹریٹ نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے مرزا صاحب کو جرمانہ یا بصورت عدم ادائیگی جرمانہ قید کی سزا دی تو پھر اس میں معجزہ کی کونسی صورت باقی رہ جاتی ہے۔ دراصل قادیانی اس مقدمے سے اس قدر تنگ آ چکے تھے اور مولوی کرم الدین دبیر خدا انہیں

غریق رحمت کرے اس شدت سے قادیانیوں کے اعصاب پر سوار تھے کہ ایک مجسٹریٹ کی تبدیلی ان کے لیے انتہائی خوشی کا باعث بنی اور اسی خوشی کی ترنگ میں آ کر انہوں نے اس تبدیلی کو حضرت صاحب کا معجزہ قرار دے دیا اور یہ نہ سوچا کہ معجزہ کی صورت میں تبدیل ہونے والے مجسٹریٹ کے بعد دوسرا مجسٹریٹ بھی ملزمین کو سزا دے سکتا ہے جیسا کہ بعد میں ہوا۔

۸ مئی ۱۹۰۴ء کو نئے مجسٹریٹ لالہ آتما رام کی عدالت میں مقدمے کی پہلی پیشی تھی چونکہ ملزمان کے وکلاء حضرات نے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ کارروائی ازسرنو شروع کی جائے۔ اس لیے عدالت نے دوبارہ شہادت لینے کا فیصلہ کیا۔ مرزا صاحب ملزموں کے کٹہرے میں مولوی فضل الدین کے ہمراہ صبح ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک کھڑے رہے۔ مولوی محمد علی گواہ استغاثہ کی شہادت جاری رہی۔ نئے مجسٹریٹ لالہ آتما رام نے مقدمے کو جلدی ختم کرنے کی غرض سے روزانہ کارروائی سننے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ مرزا صاحب اب قادیان جانے کی بجائے گورداسپور میں ہی رہ گئے۔ عدالت میں ایک جامن کے درخت کے نیچے ان کا مع حواریوں کے ڈیرہ تھا اور اس طرح عدالت میں اس مقدمے کی وجہ سے کافی چہل پہل ہو گئی۔ شہادت گواہان استغاثہ ماہ اگست ۱۹۰۴ء تک جاری رہی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے وکیل، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی محمد جی قاضی تحصیل جہلم، مولوی غلام قاضی تحصیل چکوال استغاثے کے گواہ تھے۔

قادیانیوں کو اس مقدمے میں بظاہر حوصلہ شکن حالات کے باوجود موہوم سی امید تھی کہ مقدمہ خارج ہو جائے گا اور دنیا میں مرزا صاحب کی فتح و نصرت کا چرچا ہو گا اس پر انہوں نے اپنی دیرینہ عادت اور کام کی تکنیک کے مطابق ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء کو اخبار ''الحکم'' میں مرزا صاحب کے پرامید الہامات (''مبارک سو مبارک'' اور ''میں تجھے معجزہ دکھاؤں گا'') وغیرہ بھی شامل کرائے لیکن

ع

بسا آرزو کہ خاک شدہ

کی مصداق یہ تمام آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ جب معجزہ کے طور پر آگے آنے والے نئے مجسٹریٹ نے ۶ اگست ۱۹۰۴ء کو فرد جرم کی تکمیل کر دی اور مرزا صاحب کا جواب بھی قلمبند ہو گیا۔ ۶ اگست کا یہ تاریخی دن اس لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ وقت کا خود ساختہ نبی ہندو مجسٹریٹ کے سامنے بے بس کھڑا اس فیصلہ پر پیچ و تاب کھا رہا ہے، تلملا رہا ہے لیکن کچھ بن نہیں پڑتا اور

بالآخر بے اختیار زور سے چلا کر کہتا ہے کہ "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" لیکن اب چلائے کیا بنتا تھا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں یہ رسوائی لکھ دی تھی تا کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کر سکیں اور سچ جھوٹ سے الگ اور واضح ہو کر لوگوں کی راہنمائی کا باعث بن سکے لیکن جن کے دلوں پر مہر ثبت ہو جاتی ہے اور نجات جس کے مقدر میں ہوتی ہے انہیں ایسے حالات ومعاملات سے کوئی سبق حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ اس مقدمے کے دوران کئی ایسے مرحلے بھی آئے ہیں کہ جن سے مرزا صاحب کی تکذیب اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

مجسٹریٹ نے فرد جرم سنانے کے بعد مرزا صاحب سے شہادت صفائی طلب کی اور پوچھا کہ آیا وہ گواہان استغاثہ کو طلب کرانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ مرزا صاحب پر اب مقدمے کا نتیجہ تو واضح ہو چکا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب اس مقدمے میں وہ سزا سے نہ بچ سکیں گے تاہم مقدمے کو طول دینے کی غرض سے گواہان استغاثہ کو دوبارہ عدالت میں طلب کرنے کی غرض سے گواہان استغاثہ کو دوبارہ عدالت میں طلب کرنے کی درخواست دے دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جرح ہر لحاظ سے مکمل ہو چکی تھی لیکن چونکہ فرد جرم کے بعد ملزمان کو اس بات کا حق حاصل ہوا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو گواہان استغاثہ کو دوبارہ طلب کرا سکتے ہیں۔ اس لیے عدالت نے ملزمان کی درخواست پر گواہان استغاثہ کو دوبارہ طلب کر لیا اور ان پر دوبارہ جرح کی گئی۔ ان میں مولوی محمد علی صاحب ایم اے مولوی برکت علی منصف بٹالہ' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولوی محمد جی اور دوسرے لوگ شامل تھے۔

اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کے گواہان صفائی کی نوبت آئی تو مرزا صاحب کی جانب سے ایک لمبی فہرست اہم شخصیتوں کی عدالت کے سامنے پیش کر دی گئی۔ یہ فہرست ۲۶ اگست ۱۹۰۴ء کو پیش کی گئی اور اس میں ۱۲۴ اہم شخصیتوں کے نام درج تھے۔ جن میں کئی سیشن جج اور اعلیٰ عہدیداروں کے نام بھی تھے اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کا نام بھی موجود تھا۔ قادیانیوں کا اس بات پر انتہائی اصرار تھا کہ پیر صاحب کو ضرور عدالت میں بلایا جائے۔ مرزا صاحب کی یہ ایک دیرینہ خواہش تھی جو تقریباً ہر مقدمے کی کارروائی میں نمایاں نظر آتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ مرزا صاحب کی طرف سے مولوی صاحب پر مقدمے دائر کرانے کی ایک غایت پیر مہر علی صاحب گولڑہ شریف کی عدالت میں طلبی کی خواہش تھی تو بے جا نہ ہو گا لیکن اس مرتبہ بھی قادیانیوں کی یہ دیرینہ خواہش پوری نہ ہوئی اور عدالت نے اس فہرست میں سے چند افراد کو طلب کیا اور اتفاق سے ان میں پیر صاحب کا نام نہ تھا۔

۱۹ستمبر۱۹۰۴ءتک شہادت گواہان صفائی ختم ہوگئی۔ان شہادتوں کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ وہ الفاظ جومرزا صاحب نے اپنی کتاب ''مواہب الرحمٰن'' میں مولوی صاحب کے بارے میں استعمال کیے ہیں وہ شدید نوعیت کے ہرگز نہیں بلکہ معانی کے لحاظ سے معمولی نوعیت کے ہیں۔جنہیں بآسانی درگزر کیا جا سکتا ہے۔مولوی کرم الدین دبیر نے خود صفائی کے گواہوں پر جرح کی اور اس خوبصورتی سے کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔مولوی فیروز دین مولف لغات فیروزی سے مولوی کرم الدین دبیر نے جرح کے دوران یہ استفسار کیا کہ آپ نے جو معانی ملزمان کی خواہش کے مطابق اپنے بیان میں تحریر کرائے ہیں وہ ان معانی کے برعکس ہیں جو آپ نے اپنی کتاب ''لغات فیروزی'' میں تحریر کیے ہیں۔آپ عدالت کو بتائیں کہ آپ کے کونسی معنی درست خیال کیے جائیں۔بیان والے یا لغات والے؟ اس پر مولوی صاحب پر سکوت طاری ہوگیا اور عدالت میں لوگوں نے قہقہہ لگایا' لیکن بالآخر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ان کے وہ معنی درست ہیں جو انہوں نے بیان میں درج کرائے ہیں۔لغات والے درست نہیں۔

تاریخی فیصلہ (۱۸اکتوبر۱۹۰۴ء):

رائے سنار چند مجسٹریٹ نے اس تاریخی مقدمہ کا تاریخی فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طویل فیصلہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

مقدمہ ہذا میں: جملہ ضروری اجزاء جرم ازالہ حیثیت عرفی موجود ہیں' اتہام سخت قسم کے لگا کر مستغیث کے چال چلن پر مشتہر بایں ارادہ کیے گئے ہیں کہ اس کی حیثیت عرفی کو نقصان پہنچے۔ کھلے طور پر وہ بیانات مزیل حیثیت عرفی ہیں اور ہم وطنوں کی نگاہ میں مستغیث کی قدر و منزلت کو ان سے نقصان پہنچتا ہے۔یہ الزامات بے بنیاد ہیں اور از روئے کینہ لگائے گئے ہیں اور ایک مذہبی کتاب میں جو عام مسلمانوں کے لیے ہے مشتہر کیے گئے۔نیک نیتی ان میں بالکل نام کو نہیں۔ القصہ۱۴جنوری۱۹۰۳ءکو ملزم نمبر ایک نے ایک کتاب ''مواہب الرحمٰن'' تصنیف کی اور اسے مشتہر کیا۔ملزم نمبر دو نے اسے چھاپ کر فروخت کیا۔۱۷جنوری۱۹۰۳ءکو کتاب مذکور بمقام جہلم تقسیم کی گئی جہاں کہ مستغیث نے ملزمان کے برخلاف مقدمات درج کیے ہوئے تھے۔اس کتاب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن کو سادہ سادہ معنوں میں اگر لیا جائے تو بھی مزیل حیثیت عرفی ہیں کہ

سخت قسم کے اتہام چال چلن مستغیث پر ان میں لگائے گئے ہیں۔ بروئے رعایات تشریح و مستثنیات دفعہ ۴۹۹ تعزیرات ہند جو صفائی پیش کی گئی ہے وہ بالکل ناکام رہتی ہے بموجب سند کتاب ''آجز'' بارہ لائبل صفحہ ۱۵ ایسے الفاظ قابل مواخذہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر وہ الفاظ جھوٹے اور مزیل حیثیت ہوں خواہ سہواً یا اتفاقیہ طور پر ان کی تشہیر ہو جائے یا خواہ نیک نیتی کے ساتھ ان کو سچا سمجھ کر ان کی تشہیر کی جائے صفحہ ۱۸۴ کتاب مذکور میں مندرج ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک خط بدیں اختیار ملے کہ اس کی تشہیر کی جائے تو تشہیر کنندہ بری از ذمہ نہ ہوگا۔ اگر اسے کسی اخبار میں مشتہر کرتے جبکہ الفاظ ''لائبل'' والے اس میں ہوں پس ثابت ہوا کہ ملزم نمبر ایک مجرم زیر دفعہ ۵۰۰ اور ملزم ۲ زیر دفعہ ۵۰۱، ۵۰۲ تعزیرات ہند ہے اور ان کو جرائم کا مجرم تحریر ہذا کی رو سے دیا جاتا ہے۔ اب فیصلہ کرنا نسبت سزا کے رہا۔ مدعا سزا سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ مجرم کو بدلہ اس کے فعل کا دیا جائے بلکہ اس کو آئندہ کے لیے جرم سے روکنے کا منشاء ہوتا ہے۔ صورت ہذا میں ایک خفیف جرمانہ سے مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ خفیف رقم جرمانہ کی موثر اور رکاوٹ پیدا کرنے والی نہ ہوگی اور غالباً ملزم اسے محسوس نہ کرے گا ہر روز اسے بیشمار چندہ پیرووں سے آتا ہے جو ملزم نمبر ایک کے لیے ہر قسم کے ایثار کرنے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں تھوڑا سا جرمانہ کرنے سے ایک خاص گروہ کو جو بیگناہ ہونے کا ہے سزا ہوگی دراصل اصلی مجرمان پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ ملزم نمبر ایک کی عمر اور حیثیت کا خیال کر کے ہم اس کے ساتھ رعایت برتیں گے۔ ملزم نمبر ایک اس امر میں مشہور ہے کہ وہ سخت اشتعال انگیز تحریرات اپنے مخالفوں کے برخلاف لکھا کرتا ہے اگر اس کے اس میلان طبع کو برمحل نہ روکا گیا تو غالباً امن عامہ میں نقص پیدا ہوگا۔ ۱۸۸۷ء میں کپتان ڈگلس صاحب نے ملزم کو ہیچو قسم تحریرات سے باز رہنے کے لیے فہمائش کی تھی پھر ۱۸۹۹ء میں مسٹر ڈوئی صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس سے اقرارنامہ لیا کہ ہیچو قسم نقص امن والے فعلوں سے باز رہے گا۔ نظر بر حالات بالا ایک معقول تعداد جرمانہ کی ملزم نمبر ایک پر ہونی چاہیے اور ملزم نمبر ۲ پر اس سے کچھ کم لہٰذا حکم ہوا کہ ملزم نمبر ایک مبلغ ۵۰۰ جرمانہ دے اور ملزم ۲ ۲۰۰ ورنہ اول الذکر چھ ماہ اور آخر الذکر ۵ ماہ قید میں رہیں۔ حکم سنایا گیا۔ ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء۔

دستخط حاکم

رحم کی اپیل:

اس سزا کے بعد مرزا صاحب ۵ نومبر ۱۹۰۴ء کو سیشن جج امرتسر کی عدالت میں اس فیصلے کے خلاف رحم کی اپیل دائر کی جس میں آپ نے دوران مقدمہ مصائب و مشکلات اور اپنی کبرسنی کا حوالہ دے کر سیشن جج سے سزا معاف کرنے کی درخواست کی۔ ۷ جنوری ۱۹۰۵ء اپیل کے فیصلہ کے لیے آخری تاریخ مقرر ہوئی جس دن ملزمان کی طرف سے مسٹر بیچی ایڈووکیٹ اور خواجہ کمال الدین ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ چونکہ اس روز مستغیث بھی اصالتاً موجود تھا۔ اس لیے جانبین کی بحث کے بعد سیشن جج امرتسر نے ملزمان کی اپیل کو منظور کرتے ہوئے سزا اور جرمانے کی معافی کا اعلان کیا اور یوں مرزا صاحب کی خلاصی ہوئی لیکن ان مقدمات میں جو ذلت و رسوائی مرزا صاحب کے مقدر میں لکھی تھی وہ مل کر رہی اور اس کے بعد انہیں اپنی زندگی میں کسی کے خلاف مقدمہ بازی کی جرات نہ ہوئی۔

(تاریخ محاسبہ قادیانیت جلد اول ص ۲۳۶ تا ۲۵۹)

بریلوی مسلک کے علماء ومشائخ کی خدمات

مولانا احمد رضا بریلوی:

مولانا احمد رضا خان بریلوی، بریلوی مسلک کے بانی درہنما ہیں۔ آپ خاصے علم وفضل کے مالک اور نہایت ذہین وفطین تھے۔ اگرچہ آپ کے بعض افکار سے اختلاف کی یقیناً گنجائش موجود ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک بڑے عالم اور کتب کثیرہ کے مصنف ہیں۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف تحریری طور پر کافی مواد چھوڑا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ **جزاء الله عدوه بإباء ه ختم نبوت.** ۱۱۱ صفحات کا یہ رسالہ ۱۳۱۷ھ بمطابق ۱۸۹۹ء میں لکھا گیا ہے۔ اس میں تیس آیات اور ۱۲۰ احادیث مبارکہ سے ختم نبوت ثابت کی گئی۔

۲۔ **الجراز الديانی علی المرتد القاديان.** یہ کتاب محرم الحرام ۱۳۴۰ھ میں شائع ہوئی، اس کتاب کا خاص موضوع رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کا اثبات اور قادیانی دلائل کا رد ہے۔

۳۔ **قهر الديان علی مرتد بقاديان.** یہ کتاب ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی۔

۴۔ المبین. یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۲۶ھ میں شائع ہوئی۔
آپ نے دس وجوہ سے مرزا کا کفر ثابت کیا اس کی تفصیلات گذر چکی ہیں

مولانا حامد رضا بریلوی:

مولانا احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا حامد رضا بریلوی نے بھی ایک مستقل کتاب قادیانیت کے خلاف لکھی جس کا نام الصارم الربانی علی اسراف القادیانی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوئی۔

(ماہنامہ کنزالایمان لاہور ختم نبوت نمبر ستمبر ۱۹۹۷ء)

مولانا نواب الدین ستکوہی کی خدمات:

مولانا نواب الدین ستکوہی معروف نعت گو شاعر حافظ مظہر الدین کے والد تھے۔ قصبہ رام داس ضلع امرتسر کے رہنے والے تھے مرزا قادیانی کا تعاقب کرنے کے لیے آپ نے قادیان سے کچھ فاصلے پر واقع ستکوہ نامی گاؤں میں ڈیرے ڈال لیے جو کہ بٹالہ سے قادیان جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ آپ نے مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں سے ٹکر لی اور بیسیوں مناظرے کیے۔ حافظ مظہر الدین اپنے والد مرحوم کی خدمات کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں۔

جب مرزا ایک مقدمے میں ماخوذ ہو کر گورداسپور کی کچہری میں آیا تو والد صاحب بھاگم بھاگ کچہری پہنچ گئے اور مرزا کے گرد لوگوں کا حلقہ توڑ کر مرزا کا بازو پکڑ لیا۔ بازو کو ایک شدید جھٹکا دے کر فرمانے لگے کہ مردود! نبوت اگر جاری ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس علاقے میں کوئی نبی بھیجتا تو بتا! کہ مجھے جیسے وجیہہ انسان کو بھیجتا یا تجھ جیسے بجو کو؟ یہ سن کر حاضرین کے انبوہ سے ایک قہقہہ بلند ہوا اور مرزا پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ والد صاحب کی روانگی کے وقت ہی خواجہ سراج الحق صاحب کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ مولوی صاحب مرزا سے باتیں کرنے کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد حضرت بھی پہنچ گئے اور والد صاحب کو اپنے ساتھ لے آئے۔

میری عمر بہت چھوٹی تھی کہ ہمارے خاندان میں سے ایک خاتون کا رشتہ ایک مرزائی سے ہو گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص مرزائی ہے تو والد صاحب کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کافر سے مسلمان خاتون کا رشتہ جائز نہیں لیکن میرے ماموں ابراہیم تحصیل دار جو مشہور ناول نگار

نسیم حجازی کے والد تھی' اگر چہ مرزا کے بہت خلاف تھے اور مرزا کے رد میں بالعموم یہی دلیل دیا کرتے تھے کہ میں نے اور مرزا غلام احمد نے سیالکوٹ میں پٹوار کا امتحان دیا' وہ فیل ہو گیا اور میں پاس ہو گیا جو شخص پٹواری نہ بن سکے' وہ فرستادہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی ایسی صورت ہونی چاہیے کہ ہمارے خاندان کی لڑکی عدالت میں نہ جائے۔ چنانچہ والد صاحب نے یہ کہہ کر موصوفہ سے نکاح کر لیا کہ عدالت کا معاملہ میں خود نپٹ لوں گا۔ مرزائیوں کو جب اس نکاح کی اطلاع ملی تو انہوں نے گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ سات سال تک جاری رہا انجام کار والد صاحب کو فتح ہوئی اور میری دوسری والدہ مرزا بشیر الدین اور چودھری ظفر اللہ خاں کی انتہائی سعی وکوشش کے باوجود ایک بار بھی عدالت میں پیش نہ ہو سکیں۔

جب مرزا بشیر الدین بطور گواہ عدالت میں آیا تو ظفر اللہ خان نے یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بشیر الدین کو عدالت میں کرسی ملنی چاہیے۔ ادھر سے یہ تقاضا تھا کہ کرسی ملے تو دونوں کو۔ ورنہ دونوں کھڑے رہیں۔ والد صاحب بیٹھنے پر کھڑا رہنے کو ترجیح دے رہے تھے۔ کافی بحث کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ دونوں کھڑے رہیں۔ بشیر الدین اور ظفر اللہ پر والد صاحب کی جرح دیدنی تھی جس کا تھوڑا سا تصور اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ والد صاحب کہہ رہے تھے کہ برخوردار! تیرے والد کو حیض آتا تھا؟ اور ظفر اللہ سٹپٹا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ تنسیخ نکاح کا یہ پہلا مقدمہ تھا جو والد صاحب نے جیتا۔ مقدمہ بہاولپور بہت بعد کی بات ہے۔

تحریک ختم نبوت کے دوران تنسیخ نکاح کے سلسلے میں جتنی تحریریں میرے سامنے آئی ہیں ان میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ تنسیخ نکاح کا پہلا مقدمہ مولانا نواب الدین ستکوہی نے جیتا تھا۔ حالانکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

یہاں میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے محمدی بیگم سے آسمان پر نکاح ہونے کا دعویٰ کیا تو والد صاحب محمدی بیگم کے قصبہ ''پٹی'' پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی سحر بیانی قوت سے ''پٹی'' کے مغلوں کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ محمدی بیگم کا خاندان والد صاحب کا مرید بن گیا یوں مرزا غلام احمد کا آسمانی نکاح زمین پر نہ ہو سکا۔ والد صاحب کا مرزا پر سیاسی حملہ تھا۔ پٹی میں والد صاحب کا درود مسعود کی داستان ان کے ایک مرید مشہور صحافی اور شاعر حاجی لق لق مرحوم کے قلم سے چند سال پیشتر ہفت روزہ چٹان میں چھپ چکی ہے۔

آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر کے اسلامی اجتماعات کے اشتہارات کو اگر دیکھا جائے تو ان میں والد ماجد کے نام کے ساتھ فاتح قادیان کے الفاظ ملیں گے۔ یہ خطاب علمائے اسلام نے والد صاحب کو اسی لیے دیا تھا کہ انہوں نے تنسیخ نکاح کا پہلا مقدمہ جیتا تھا۔ ورنہ مناظر تو اس عہد میں اور بھی تھے۔

غالباً ۱۹۲۵ء کا واقعہ ہے کہ مرزائیوں نے ریاست جموں و کشمیر کو اپنی تخریبی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنالیا' چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اس فتنے کے سدباب کے لیے جموں میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کی اور علمائے اسلام کو دعوت نامے بھیجے۔ ان میں والد صاحب کا نام بھی تھا۔ یہ وہ عہد تھا کہ والد صاحب اپنے آبائی وطن راماس ضلع امرتسر میں تشریف لا چکے تھے۔ اس وقت عظیم الشان مکان زیر تعمیر تھا اور والد صاحب کی ساری توجہ مکان پر تعمیر پر مرکوز تھی۔ اسی دوران میں حضرت امیر کا دعوت نامہ آ گیا اور والد صاحب تمام کام چھوڑ کر جموں روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم بھی چلو گے! لیکن اس عہد طفولیت میں میری تمام تر توجہ اپنے کبوتروں پر مرکوز تھی۔ میں نے جواب دینے میں ذرا تامل کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے کہ تیرے کبوتروں کی حفاظت کے لیے میں خاص آدمی مقرر کر دیتا ہوں۔ جموں میں میں مرزائیوں کو جو پٹخنیاں دوں گا وہ تیرے کبوتروں کی قلابازیوں سے بہتر ہوں گی۔ مزا نہ آیا تو کسی کے ساتھ واپس بھیج دوں گا۔ یہ سن کر میں ہنس پڑا اور ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس منظر کو دیکھنے والے لوگ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ کانفرنس میں زیادہ تر والد ماجد ہی کی تقریریں ہوتی تھیں۔ اس معرکے سے خوش ہو کر حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب والد صاحب کو اپنے ساتھ علی پور لے گئے۔ علی پور میں والد صاحب کا قیام طویل سے طویل تر ہوتا گیا۔ ہر روز رات کو والد صاحب کی تقریر ہوتی تھی اور دن علمی و عرفانی باتوں میں گزرتا تھا ایک بچے کے لیے ایسے ماحول میں زیادہ دیر ٹھہرنا مشکل ہوتا ہے' چنانچہ میں گاؤں میں گھومنے پھرنے لگا' بلکہ حضرت امیر ملت خود فرما دیتے کہ مظہر! جاؤ مسجد' مدرسہ اور تہہ خانے دیکھ آؤ! ایک روز میں واپس آیا تو حضرت نے فرمایا کہ مسجد اور مدرسہ پسند آیا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا' تو فرمانے لگے کہ بس تعلیم کے لیے یہیں آ جاؤ۔ مختصر یہ کہ یہیں سے صاحبزادگان سے تعلقات کی ابتدا ہوئی۔

کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مرزائیوں نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب' مولانا دیدار علی شاہ صاحب اور والد ماجد کا جموں و کشمیر میں داخلہ قانوناً رکوا دیا۔ اس سے عوام نے اور بھی خوشگوار اثر لیا۔ وہ سمجھنے لگے کہ مرزائی مسلمان علماء کی تاب نہ لا سکتے۔

میرے عنفوان شباب میں والد صاحب کے مرزائیوں سے جو مناظرے ہوئے انہی کا نتیجہ تھا کہ مجھے تمام سوالات و جوابات یاد ہو گئے۔ جنہیں میں نے قلمبند کر کے خاتم المرسلین کے نام سے شائع کر دیا۔ یہ میری پہلی تصنیف تھی جس پر استاد محترم ابوالبرکات سید احمد صاحب' والد ماجد اور مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش نے تقریظیں لکھیں۔ میرے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد والد صاحب کے جو مناظرے ہوئے ان کی علمی باتیں اب تک میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ خدا نے چاہا تو سب باتیں کبھی ضیائے حرم میں لکھوں گا۔

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور تحریک ختم نبوت نمبر دسمبر ۱۹۷۴ء)

مجاہد اسلام مولانا فقیر محمد جہلمی

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی نے ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ میں جہلم سے ایک ہفتہ وار پرچہ ''سراج الاخبار'' کے نام سے جاری کیا۔ اس اخبار نے اپنے دور کے اعتقادی فتنوں خاص طور پر فتنہ مرزائیت کی تردید میں بڑا کام کیا۔ مرز قادیانی اور اس کے حواری ''سراج الاخبار'' کے کارناموں سے سٹپٹا اٹھے۔ چنانچہ انہوں نے ہر امکانی کوشش سے ''سراج الاخبار'' کو بند کرانے کے حربے استعمال کیے۔ آپ اور آپ کے رفیق کار حضرت مولانا محمد کرم دین صاحب دبیر پر مقدمات کا دور شروع ہوا' مگر یہ عالی قدر ہستیاں ان مصائب والام سے کب گھبرانے والی تھیں۔ ابتلا و آزمائش کی آندھیاں ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ کر سکیں۔ گورداسپور کی عدالت میں مقدمہ چلا جو قادیانی اور اس کے حواریوں کی شکست پر منتج ہوا۔ مرزا قادیانی کی خوب گت بنی اور اللہ تعالیٰ نے مجاہد اسلام مولانا فقیر محمد جہلمی اور مولانا کرم دین صاحب کو باعزت بری فرمایا۔ آپ نے بڑی اہم کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں ''حدائق حنفیہ'' کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔

قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی

حضرت مولانا قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی (کورٹ انسپکٹر پولیس پنشنر لدھیانہ) اہل سنت کی وہ عظیم المرتبت شخصیت اور مقتدر ہستی ہیں۔ جنہوں نے زبان وقلم سے فرقہ باطلہ کے خلاف ڈٹ کر جہاد کیا اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ جب قاضی صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف ''انوار آفتاب صداقت'' کا ظہور ہوا تو ملت اسلامیہ کے اکابر علماء و مشائخ نے زبردست خراج تحسین سے نوازا اور تقاریظ سے اس لاجواب تصنیف کو مزین فرماتے ہوئے آپ کے علم وفضل پر بھی مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ جن میں مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

ناموس رسالت پر جب حملہ ہوا تو قاضی صاحب کا راہوار قلم ردمرزائیت میں خوب چلا۔ ۱۸۹۸ء مطابق ۱۳۱۶ھ میں آپ نے مرزا قادیانی کی کتاب ازالہ الاوہام کے رد میں ''کلمہ فضل رحمانی بجواب اوہام غلام احمد قادیانی'' تصنیف فرمائی جو علمائے کرام کی تصدیق وتقاریظ کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد بھی قادیانی کذاب کے رد میں آپ برابر لکھتے رہے اور درج ذیل کتابیں آپ کے رشحات قلم کی یادگار ہیں:

۱۔ فضل الوحید مطبوعہ سراج دین ۱۹۳۵ء ص ۷۶ مصنفہ قاضی صاحب۔

۲۔ نیام ذوالفقار علی برگردن خاطی مرزائی فرزند علی مطبوعہ ۱۳۳۹ھ لاہور۔

۳۔ جمعیت خاطر غلام رسول انسپکٹر پولیس مرزائیسے تحریری بحث مطبوعہ ۱۳۲۳ھ لاہور۔

۴۔ کیا مرزا قادیانی مسلمان تھا؟ جناب ہرگز نہیں۔ غیر مطبوعہ ۱۳۲۷ھ۔

۵۔ مخزن رحمت بردقادیانی دعوت مطبوعہ ۱۳۴۵ھ (لدھیانہ)

حضرت مولانا غلام قادر بھیرویؒ

ردمرزائیت میں پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے ہی یہ فتویٰ جاری فرمایا کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام وناجائز ہے۔

بعد میں علماء دین ومفتیان شرح متین نے اسی فتویٰ مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے

مرزائیوں سے مناکحت، ترویج کو ناجائز اوران سے میل جول اور ذبیحہ تک کو حرام قرار دیا۔ مرزا نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور حکیم نورالدین نے اس کی تائید کی تو آپ نے حکیم نورالدین کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ آپ کی موجودگی میں اسے کبھی بھیرہ میں داخل ہونے کی جرات نہ ہوئی۔

مولانا اصغر علی روحی

آپ ۱۲۸۴ھ بمطابق ۱۸۶۷ء میں قصبہ کٹھیالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ لاہور آئے اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی، مولانا عبدالحکیم کلانوری اور مولانا قاضی ظفرالدین سے استفادہ کیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور ایم او ایل کی ڈگری حاصل کیے۔

آپ اورینٹیل کالج لاہور اور اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ آپ عربی اور فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ مرزا قادیانی نے جب نام نہاد قصیدہ اعجازیہ شائع کیا تو مولانا روحی نے فی الفور اس کے جواب میں قصیدہ لکھ کر پیسہ اخبار لاہور میں شائع کرایا۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۶۰، ۶۱)

حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی

آپ حضرت خواجہ گل محمد بن حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۶ء میں تونسہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنے دادا محترم کی جگہ بیٹھ کر لوگوں کے تزکیہ و اصلاح کا کام سنبھال لیا اور تازندگی جاری رکھا۔ مرزا قادیانی نے جب ابتدائی دعوے کیے تو آپ نے فوراً اپنی فراست ایمانی سے اس فتنہ کو بھانپ لیا اور نہایت سختی سے اس کی تردید کی۔

۱۸۹۶ء میں مرزا قادیانی نے ہندوستان بھر کے علماء و مشائخ کو دعوت مباہلہ دی تو اپنی کتاب انجام آتھم میں ان اکابرین کے نام شائع کیے۔ کتاب کے ص ۷۱ پر سجادہ نشینوں کی صف میں دوسرے نمبر پر آپ کا نام لکھا ہے۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۴۲، ۴۳ مع اضافہ)

حضرت خواجہ غلام فرید فاروقی چشتی

حضرت خواجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۵۔۱۹۰۱) چاچڑاں شریف تحصیل خان پور ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب سیدنا عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ظاہری و باطنی علوم اپنے بڑے بھائی حضرت خوجہ فخرؒ جہاں سے حاصل کیے اور ان کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ سرائیکی زبان کے قادرالکلام شاعر تھے۔

مرزا قادیانی نے آپ کو بھی دعوت مباہلہ دی تھی۔ دیکھیے انجام آتھم ص ۷۱ از مرزا قادیانی۔
(تذکرا کابر اہل سنت ص ۳۲۱ تا ۳۲۴ ملخصاً)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

گزشتہ دنوں میں قادیانی امت نے اپنی روایتی فریب کاری سے صدر الشریعہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کی نسبت جھوٹ وافترا کا ایک پلندہ ''شہادت فریدی'' کی نام سے شائع کر کے کثیر تعداد میں مسلمانوں میں تقسیم کیے۔ جس میں مسلمانوں کو یہ مذموم تاثر دینے کی کوشش کی کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ مرزا قادیانی کے دعویٰ مجددیت' مہدیت اور نبوت کے مصدق اور پیرو تھے۔ (نقل کفر' کفر نباشد)

شہادات فریدی میں قادیانیوں نے حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مرزا قادیانی کے ساتھ جعلی اور خانہ ساز خط و کتابت شائع کی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ان کی نبوت جعلی اور خانہ ساز ہے۔

اس کتاب میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات ''اشارات فریدی'' سے (جو حضرت کے وصال کے کئی سال بعد شائع ہوئے) ایک عربی خط کا حوالہ دیا ہے۔ جو ''حضرت خواجہ صاحب'' نے مرزا غلام احمد قادیانی کو لکھا اور میں مرزا قادیانی کو من عباد الله الصالحين لکھا۔ اس سے معلوم ہوا خواجہ صاحب موصوف مرزا کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

مرزائیوں کا یہ مکارانہ شاہکار کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا اور بدبودار جھوٹ ہے۔ جو آج سے چالیس برس قبل بھی جناب محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج ضلع بہاولنگر کی عدالت میں قادیانی

امت نے پیش کیا تھا اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ کو مرزائی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے اثبات میں ''ارشادات فریدی'' نامی کتاب کو پیش کیا تھا۔

الحمدللہ ہمارے علماء کرام مولانا غلام محمد گھوٹوی مرحوم' سابق شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور' مولانا قاضی غوث بخش واعظ جامع مسجد بہاولپور' مولانا محمد صادق صاحب ناظم امور مذہبیہ ریاست بہاولپور نے قادیانی امت کی اس کذب بیانی کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور مرزائی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا تھا جس کی تفصیل ''فیصلہ مقدمہ بہاولپور'' نامی کتاب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ اس مقدمہ میں مرزا کی ایک کتاب کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ اس کی نبوت کے مکفر اور مکذب تھے۔ مقدمہ بہاولپور کا یہ اقتباس پڑھ لیجیے۔ انشاءاللہ تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔

نوٹ: اس موضوع پر مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر موحوم کا ایک رسالہ ہے جو متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ردمرزائیت میں عظیم الشان کردار ادا کیا۔ جب مرزا قادیانی نے اپنے بال و پر نکالے تو حضرت نے مندرجہ ذیل اعلان جاری فرمایا:

۱۔ سچا نبی کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوتا' اس کا علم لدنی ہوتا ہے وہ روح قدس سے تعلیم پاتا ہے۔ بلاواسطہ اس کی تعلیم و تنظیم خداوند قدوس سے ہوتی ہے۔ جھوٹا نبی اس کے برخلاف ہوتا ہے۔

۲۔ ہر سچا نبی اپنی عمر کے چالیس سال گزرنے کے بعد یکدم بحکم رب العالمین مخلوق کے روبرو دعوائے نبوت کر دیتا ہے اور بتدریج آہستہ آہستہ اس کو درجہ نبوت نہیں ملتا۔ وہ نبی ہوتا ہے' وہ پیدائش سے نبی ہوتا ہے۔ جھوٹا نبی برخلاف اس کے آہستہ آہستہ دعاوی کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پہلے محدث' مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاء تک جتنے نبی ہوئے، تمام کے نام مفرد تھے۔ کسی سچے نبی کا نام مرکب نہ تھا، برعکس اس کے جھوٹے نبی کا نام مرکب ہوا۔

۴۔ سچا نبی کوئی ترکہ نہیں چھوڑتا ہے اور جھوٹا نبی ترکہ چھوڑ کر مرتا ہے اور اولاد کو محروم الارث کرتا ہے۔

۵۔ مرزائی جو مرزا غلام احمد کے پیرو ہیں، وہ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں اور حضور ﷺ کی رسالت و نبوت میں کمی کرنے والے ہیں اور حضور ﷺ کے مدارج کو مرزا غلام احمد کے لیے مانتے ہیں۔

(بحوالہ ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور، اپریل، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۳۳)

اس کے بعد حضرت نے مرزائی فتنہ کی سرکوبی کے لیے ملک گیر دورے کیے اور مرزا قادیانی کی عیاریوں کو بے نقاب کیا۔ آپ کے دو خلفاء حضرت مولانا غلام احمد اخگر امرتسری، مدیر ''الفقیہہ'' امرتسر اور سید محبوب احمد شاہ المعروف خیر شاہ امرتسری نے بارہا قادیان میں جا کر مرزائی عقائد کی تردید فرمائی۔ مرزا صاحب کو یا ان کے کسی حواری کو ان حضرات کے مدمقابل آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ اگست ۱۹۰۰ء میں جب مرزا صاحب نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو دعوت مناظرہ دی تھی تو حضرت امیر ملت محدث علی پوری قدس سرہ بھی حضرت گولڑوی کے ساتھ لاہور میں موجود تھے۔ مرزا صاحب کے فرار کے بعد بادشاہی مسجد لاہور میں حضرت گولڑوی کے اعزاز میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا، اس میں بھی حضرت امیر ملت نے ایک ایمان افروز اور باطل سوز تقریر فرمائی تھی۔ اسی طرح جب مرزا صاحب کے خلیفہ اول حکیم نور الدین نے نارووال ضلع سیالکوٹ میں اپنا تبلیغی کیمپ لگایا اور سادہ لوح لوگ اس کے دام فریب میں پھنسنے لگے تو حضرت امیر ملت اس وقت صاحب فراش تھے۔ چارپائی سے اٹھا نہیں جاتا تھا لیکن آپ نے حکم دیا کہ میری چارپائی اٹھا کر ہی نارووال لے چلو کہ اس فتنہ کی سرکوبی میں اپنا فرض ادا کر سکوں۔ چنانچہ متواتر چار جمعے آپ کی چارپائی نارووال اٹھا کر لے جاتے رہے اور آپ خطبہ جمعہ میں مرزائی عقائد کا تار و پود بکھیرتے رہے۔ ناچار حکیم نور الدین کو راستہ ناپنا پڑا۔

۱۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مرزا بذات خود اپنے حواریوں کے انبوہ کثیر کے ساتھ سیالکوٹ میں اپنے مذہب کی تشہیر و اشاعت کے لیے وارد ہوئے۔ ان دنوں یہاں مرزائیوں کا خوب شہرہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے دفتر کا سپرنٹنڈنٹ مرزائی تھا لہٰذا مرزا صاحب کو اپنے مشن میں کامیابی و کامرانی کی غالب امید تھی۔ حضرت امیر ملت نے سیالکوٹ میں تشریف لا کر تین ہفتے قیام فرمایا اور ردِ مرزائیت پر روزانہ شہر کے مختلف حصوں میں اپنے مخصوص مجاہدانہ انداز میں مجالس وعظ میں خطاب فرمایا۔ مرزا نے مقابلہ کی ٹھانی مگر ہمت نہ ہو سکی۔ مرزا کے ان کرتوتوں کو دیکھ کر بہت سے لوگ حضرت کے دست حق پر بیعت ہو کر تائب ہو گئے اور مرزا کو اپنا بوریا بستر لپیٹ کر راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔

۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب اپنی اہلیہ کے علاج کے لیے لاہور میں خواجہ کمال الدین کے مکان پر مقیم ہوئے تو ساتھ ہی اپنا دام تزویر بھی پھیلانے لگے۔ ان کے ساتھیوں نے لاہور شہر کے مختلف گوشوں میں تبلیغی کام شروع کر دیا تھا تو اہالیان لاہور نے حضرت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مرزائیت کے سدباب کی درخواست کی۔ حضرت لاہور تشریف لائے اور موچی دروازہ کے باہر مرزا کی قیام گاہ کے سامنے کئی روز تک مجالس وعظ و تقریر منعقد کر کے معتقدات مرزائیت کی تردید فرماتے رہے اور مرزا صاحب کو مقابلے میں آ کر اپنی صداقت کا ثبوت بیان کرنے کی دعوت دی اور پانچ ہزار روپے انعام کا اعلان بھی فرمایا لیکن مرزا کو مقابلہ میں آنے کی سکت نہ تھی، لہٰذا نہ آ سکے۔

کسی نے مرزا کے گوش گزار یہ بات کی کہ پیر جماعت علی شاہ لاہور میں اس مقصد کے لیے آئے ہیں کہ مرزا بھاگ جائے۔ مرزا صاحب یہ وہ شخص نہیں جو بھاگ جائے گا بلکہ اگر وہ بار برس بھی رہے تو قدم نہ ہلے گا۔ یہ خبر کسی نے حضرت امیر ملت کو پہنچا دی تو آپ نے فرمایا اگر وہ بارہ برس ٹھہر سکتا ہے تو ہم چوبیس برس کا ڈیرہ جمائیں گے مگر مرزا کا تو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے۔

جب مرزا اپنے بابانگ دہل دعووں اور بیشمار لاف زنیوں کے باوجود میدان میں نہ آیا تو پھر ۲۲ مئی ۱۹۰۸ء کو ہندوستان کے عظیم مسلمان فرمانروا حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیری غازی رحمۃ اللہ علیہ کی بنا کردہ شاہی مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد ہوا۔ اس جلسہ میں برصغیر کے نامور علماء بھی

موجود تھے۔ آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرزا صاحب تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی فوقیت جتاتے ہیں لیکن میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام ہوں۔ وہ تو اعلان کرنے پر بھی مقابلے کے لیے نہ آئے لہٰذا آپ سب دیکھ لیں گے کہ وہ جلد ہی ذلیل وخوار ہو کر اس دنیا سے جائیں گے۔ پھر ۲۵،۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کی درمیانی شب کو بوقت دس بجے رات بدوران وعظ اسی مسجد میں آپ نے فرمایا کہ میں پیشگوئیاں نہیں کیا کرتا۔ ایک دفعہ آگے کی تھی اور آج پھر کہتا ہوں کہ میں مرزا صاحب کے مقابلہ کے لیے تیار ہوں۔ زبانی اور روحانی طور پر اگر اس میں کوئی روحانیت موجود ہے تو وہ سامنے آئے اور اس کو چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں لیکن مسلمانو! یاد رکھو وہ میرے مقابلے پر نہ آ سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مرزا صاحب ۲۶ مئی کی صبح کو دس بج کر دس منٹ پر راہی ملک عدم ہوئے۔ مرزا کی موت بہت بری ہوئی۔ چھ گھنٹے پہلے زبان بند ہو گئی اور خدا جانے ہیضہ تھا یا پلیگ مگر ڈاکٹر نے ایسی دوا دے دی کہ نجاست کا رخ جو نیچے کی طرف تھا' اوپر کو ہو گیا۔ جس وقت مرزا کی لاش کو نہایت بے کسی کی حالت میں بٹالہ کی طرف لے گئے تو اہل اسلام نے نہایت تذلیل وتحقیر کی۔

حضرت پیر مہر علیؒ شاہ گولڑوی کی معرکہ آرائی

حضرت پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ نے حجاز مقدس میں قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ کے پیر ومرشد حضرت حاجی امدادؒ مہاجر مکی نے ایک کشف کی بنا پر آپ کو قادیانیت کی سرکوبی کے لیے واپس ہندوستان جانے کا حکم دیا یہ ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۹۰ء کا واقعہ ہے' اس کے اگلے سال مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے اور اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ آپ کو خواب میں نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ یہ شخص میری احادیث کو تاویل کی قینچی سے کتر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو۔ اسی اثنا میں حضرت گولڑوی کو بحالت مراقبہ حضور ﷺ کی زیارت ہوئی دیکھا کہ حضور ﷺ آپ سے چار بالشت کے فاصلہ پر تشریف فرما ہیں اور مرزا قادیانی فاصلے پر حضور ﷺ کی جانب پشت کیے بیٹھا ہے۔ (مہر منیر ص ۲۰۳)

شمس الھدایہ کی تصنیف واشاعت:

ان غیبی اشارات کی روشنی میں حضرت گولڑی اپنے اوراد ووظائف میں سے وقت نکال کر

ردقادیانیت کی طرف متوجہ ہوئے اور مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت کے ابطال کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام شمس الھدایہ فی اثبات المسیح رکھا اور یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں ہندوستان بھر کے عوام و خواص میں مفت تقسیم کی گئی جسے لوگوں نے بے حد پسند کیا۔

اہل حدیث مسلک کے ممتاز عالم مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے باقاعدہ خط لکھ کر حضرت گولڑی کو خراج تحسین پیش کیا۔ یہ خط اہل علم مہر منیر ص ۲۰۷ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ شمس الھدایہ کے جواب میں مولوی محمد احسن امروہی قادیانی نے شمس بازغہ لکھی، شمس بازغہ کے جواب میں پیر صاحب نے سیف چشتیائی تحریر کی، سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ قادیانی اس کا جواب نہیں لکھ سکے۔

حکیم نورالدین کے بارہ سوالات:

شمس الہدایہ پڑھ کر حکیم نورالدین نے حضرت پیر صاحب کو خط لکھا جس میں بارہ سوالات درج تھے۔ پیر صاحب نے ان ۱۲ سوالوں کے مدلل جوابات لکھ کر بھیجے۔ یہ خط و کتابت مولانا حافظ محمد غازی نے بصورت اشتہار شائع کر کے تمام ملک میں تقسیم کی۔

مرزا قادیانی کی طرف سے تفسیر نویسی کا چیلنج

شمس الھدایہ کی اشاعت جب عام ہوئی تو ملک بھر میں غلغلہ برپا ہو گیا اور لوگ مرزا صاحب سے جواب کا مطالعہ کرنے لگے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مرزا قادیانی کتاب کا جواب لکھتا اور درج ذیل امور پر پیر صاحب کو دعوت مباحثہ دیتا۔

۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات
۲۔ مرزا کا دعویٰ مسیحیت
۳۔ دعویٰ مہدویت
۴۔ ظلی بروزی نبوت
۵۔ مستقل نبوت

لیکن ان موضوعات کی بجائے مرزا نے محض وقت ضائع کرنے کے لیے پیر صاحب کو عربی میں تفسیر نویسی کا چیلنج کر دیا۔ چیلنج پر مشتمل یہ اشتہار ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء کو جاری کیا گیا۔ چیلنج کے الفاظ یہ تھے۔

''سومناسب ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لیے ایک جلسہ قرار دیا جائے اور اسطرح یہ مجھ سے مباحثہ کریں کہ قرعہ اندازی کے طور پر قرآن شریف کی کوئی سورت نکالیں اور اس میں سے چالیس آیت یا ساری سورت (اگر چالیس آیت سے زیادہ نہ ہو) لے کر فریقین یعنی یہ عاجز اور مہر علی شاہ صاحب اول تو یہ دعا کریں کہ یاالٰہی ہم دونوں میں سے جو شخص تیرے نزدیک راستی پر ہے اس کو تو اس جلسہ میں اس سورت کے حقائق اور معارف فصیح و بلیغ عربی میں عین اس جلسہ میں لکھنے کے لیے اپنی طرف سے ایک روحانی قوت عطا فرما اور روح القدس سے اس کی مدد کر اور جو شخص ہم دونوں فریق میں سے تیری مرضی کے مخالف اور تیرے نزدیک صادق نہیں ہے۔ اس سے یہ توفیق چھین لے...... پھر اس دعا کے بعد فریقین عربی زبان میں اس تفسیر کو لکھنا شروع کریں اور یہ ضروری شرط ہوگی کہ کسی فریق کے پاس کوئی کتاب موجود نہ ہو اور نہ کوئی مددگار اور ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق چپکے چپکے بغیر آواز سنانے کے اپنے ہاتھ سے لکھے تا کہ اس کی فصیح عبارت کے سننے سے دوسرا فریق کسی قسم کا اقتباس یا سرقہ نہ کر سکے اور اس تفسیر کے لکھنے کے لیے ہر ایک فریق کو پورے سات گھنٹے مہلت دی جائے گی اور زانو بہ زانو لکھنا ہوگا نہ کسی پردہ میں۔ ہر ایک فریق کو اختیار ہوگا کہ اپنی تسلی کے لیے فریق ثانی کی تلاشی کر لے اس احتیاط سے کہ وہ وہ پوشیدہ طور پر کسی کتاب سے مدد نہ لیتا ہو اور لکھنے کے لیے فریقین کو ساتھ گھنٹہ کی مہلت ملے گی مگر ایک ہی جلسہ میں اور ایک ہی اس تفسیر کو گواہوں کے روبرو ختم کرنا ہوگا اور جب فریقین لکھ چکیں تو وہ دونوں تفسیریں بعد دستخط تین اہل علم کو جن کا اہتمام حاضری و انتخاب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذمہ ہوگا سنائی جائیں گے اور وہاں ہر سہ مولوی صاحبان کا یہ کام ہوگا کہ وہ حلفاً یہ رائے ظاہر کریں کہ وہ دونوں تفسیروں اور دونوں عربی عبارتوں میں سے کون سی تفسیر اور عبارت روح القدس سے لکھی گئی ہے اور ضروری ہوگا کہ ان تینوں عالموں میں سے کوئی نہ اس عاجز کے سلسلہ میں داخل ہو اور نہ مہر علی شاہ کا مرید ہو اور مجھے منظور ہے کہ پیر مہر علی شاہ اس شہادت کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور مولوی عبداللہ پروفیسر لاہوری کو یا تین اور مولوی منتخب کریں جو ان کے مرید اور پیر د نہ ہوں...... اور دونوں فریق پر یہ واجب اور لازم ہوگا کہ ایسی تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے کسی حالت میں بیس ورق سے کم نہ ہو...... پس اس طرز کے مباحثہ اور اس طرز کی تین مولویوں کی گواہی سے اگر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت پیر

مہرعلی شاہ صاحب تفسیر اور عربی نویسی میں تائید یافتہ لوگوں کی طرح ہیں اور مجھ سے یہ کام نہ ہوسکا یا مجھ سے بھی ہوسکا مگر انہوں نے بھی میرے مقابلہ پر ایسا ہی کر دکھایا تو تمام دنیا گواہ رہے کہ میں اقرار کروں گا کہ حق پیر مہرعلی شاہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اپنی تمام کتابیں جو اس دعویٰ کے متعلق ہیں میں جلا دوں گا اور اپنے تئیں مخذول اور مردود سمجھ لوں گا میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے۔ میری طرف سے یہی تحریر کافی ہے جس کو میں آج بہ ثبت شہادت بیں گواہوں کے اس وقت لکھتا ہوں لیکن اگر میرے خدا نے اس مباحثہ میں مجھے غالب کر دیا اور مہرعلی شاہ صاحب کی زبان بند ہوگئی نہ وہ فصیح عربی پر قادر ہو سکے اور نہ وہ حقائق و معارف سورہ قرآنی میں سے کچھ لکھ سکے یا یہ کہ اس مباحثہ سے انہوں نے انکار کر دیا تو ان تمام صورتوں میں ان پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے مجھ سے بیعت کریں اور لازم ہوگا کہ یہ اقرار صاف صاف لفظوں میں بذریعہ اشتہار دس دن کے عرصہ میں شائع کر دیں......الیٰ آخرہ۔

(مجموعہ اشتہارات جلد۳، ص۳۲۵ تا۳۳۲)

اس اشتہار پر حکیم نورالدین، مولوی احسن امروہی، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی، مولوی محمد علی لاہوری، پیر سراج الحق نعمانی سمیت بیس قادیانیوں کے بطور گواہ دستخط موجود ہیں۔

ضمیمہ اشتہار:

مرزا غلام احمد نے اس اشتہار کا ایک ضمیمہ بھی شائع کر کے پیر صاحب کے پاس بھیجا جس کا خلاصہ یہ تھا۔

اس تفسیر نویسی کے لیے میں پیر مہرعلی شاہ صاحب کے ساتھ ہندوستان بھر سے چالیس علماء کو بھی دعوت دیتا ہوں۔ اس مقابلہ کے لیے درج ذیل شرائط ضروری ہیں۔

۱۔ تاریخ مقرر کر کے کم از کم ایک ماہ پہلے بذریعہ مطبوعہ اشتہار اطلاع دیں۔ ان علماء کے ساتھ پیر مہرعلی شاہ صاحب کی شمولیت بھی ضروری ہوگی۔

۲۔ مباحثہ لاہور میں ہوگا۔

۳۔ مباحثہ صرف ایک دن ہوگا ہر شخص مقابل کو سات گھنٹے کی مہلت ملے گی۔

۴۔ مباحثہ میں شریک علماء ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں گے۔

۵۔ ہر صاحب مضمون بیس ورق خالص عربی زبان میں لکھے گا اور اپنے دستخط کے ساتھ اس کی ایک کاپی مجھے دے گا۔

۶۔ ہر صاحب مضمون خود یا اس کا نمائندہ مضمون پڑھ کر سنائے گا۔

۷۔ اگر مضمون ایک دن میں نہ سنایا جا سکے تو دوسرے دن سنایا جا سکے گا۔

۸۔ تین ثالث صاحبان غالب شخص کی تعیین موکدہ بعذاب قسم اٹھا کر کریں گے۔

۹۔ اگر پیر مہر علی شاہ صاحب مقابلہ سے راہ فرار اختیار کریں تو دوسرے علماء کے لیے مقابلہ کا اشتہار دینا جائزہ نہ ہوگا۔

۱۰۔ اگر ۲۲ جولائی ۱۹۰۰ء سے لے کر چالیس دن تک پیر صاحب اور دیگر علماء نے اس چیلنج کو قبول کرنے کا اشتہار شائع نہ کیا تو ان کا سکوت میری فتح کی دلیل ہوگی۔

چیلنج کے مخاطب حضرات

مرزا قادیانی نے یہ چیلنج پیر صاحب کے علاوہ چالیس سرکردہ علماء و مشائخ کو دیا۔ بعض اسمائے گرای درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی محمد صاحب لدھیانہ۔

۲۔ مولوی عبدالعزیز صاحب برادر مولوی محمد صاحب لدھیانہ۔

۳۔ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ۔

۴۔ مولوی مشتاق احمد صاحب انیٹھوی مدرس لدھیانہ۔

۵۔ مولوی غلام حسن صاحب سیالکوٹ۔

۶۔ مولوی محمد خلیل احمد صاحب انیٹھہ ضلع سہارنپور۔

۷۔ مولوی نذیر احمد خاں صاحب دہلوی۔

۸۔ قاضی عبدالقدوس صاحب چھاؤنی بنگلور۔

۹۔ مولوی عنایت علی صاحب شیعی سامانہ ریاست پٹیالہ۔

۱۰۔ مولوی محمد حسین صاحب موضع بھیں ضلع جہلم۔

۱۱۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری۔

۱۲۔ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی یا جس مولوی کو وہ اپنا وکیل کریں۔
۱۳۔ علماء ندوہ لکھنو جس عالم کو اپنا وکیل کریں۔
۱۴۔ مولوی منشی سلیمان صاحب ملازم ریاست پٹیالہ مولف غایۃ المرام۔
۱۵۔ مولوی محمد شفیع صاحب قصبہ رام پور ضلع سہارنپور۔
۱۶۔ مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی۔
۱۷۔ مولوی دیدار علی صاحب ریاست الور۔
۱۸۔ شیخ اللہ بخش صاحب تونسوی۔
۱۹۔ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر۔
۲۰۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی۔
۲۱۔ مولوی اصغر علی صاحب پروفیسر حمایت الاسلام۔
۲۲۔ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپال۔
۲۳۔ مولوی عبدالجبار صاحب امرتسر۔
۲۴۔ مولوی عبدالحق صاحب حقانی دہلی۔
۲۵۔ منشی الٰہی بخش صاحب ملہم۔
۲۶۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہ ضلع سہارنپور۔
۲۷۔ مولوی الطاف حسین صاحب حالی پانی پت۔
۲۸۔ مولوی عبدالمنان صاحب وزیرآبادی جس عالم بینا کو منتخب فرمائیں۔
۲۹۔ قاضی سلطان محمود صاحب آئی آوان گجرات۔
۳۰۔ مولوی غلام محمد صاحب بگہ والا مسجد شاہ لاہور۔
۳۱۔ مولوی عبدالسمیع صاحب رام پوری۔
۳۲۔ مولوی محمود حسن صاحب مدرس اول مدرسہ دیوبند۔

(ملخص از مجموعہ اشتہارات جلد۳ ص ۳۳۳ تا ۳۴۱)

واضح رہے کہ مرزا صاحب نے ہندوستان بھر کے ۸۶ علماء و مشائخ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا۔ جن میں سے ۱۳۲ اہم شخصیات کے نام اوپر درج کیے گئے ہیں۔

مرزا صاحب کے ضمیمہ اشتہار کا ناقدانہ جائزہ

مرزا صاحب کے ضمیمہ اشتہار کا حضرت پیر مہر علیؒ شاہ گولڑوی کے کسی ارادت مند عالم نے ناقدانہ جائزہ لکھا جو کہ اس وقت کے اخبارات میں شائع ہوا۔اس جائزہ میں مرزا غلام احمد کی متعین کردہ شرائط کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ وہ ناقدانہ جائزہ درج ذیل ہے۔

۱۔ اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا منشا یہ ہے کہ اشتہار دعوت بھی مشتہر ہو جائے اور معاملہ بھی وقوع میں نہ آئے۔ اس لیے ایسے ایسے علماء اور سجادہ نشین درج فہرست کر دیئے ہیں۔ جو بعض تو بوجہ علائق متعدد اپنا مکان نہیں چھوڑ سکتے اور بعض ملازم ہیں۔بعض اس قدر بعد مسافت اور کثرت اخراجات کی وجہ سے سخت متأمل ہوں گے مگر بہر حال جو ہو سو ہو فہرست میں تو تعداد علماء صرف ۸۶ کس ہے' معلوم نہیں پانچ ہزار کاپی کیوں مطلوب ہوئی۔ بہر حال ان صاحبان کو کاپیاں پہنچا جائیں گی۔علاوہ بر آں پبلک کو بھی بذریعہ اشتہار مطلع کیا جائے گا۔مہربانی کر کے آپ بھی اپنے اشتہار مطبوعہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کی نقول ان صاحبان کو پہنچا دیں تا کہ اس بالمقابل درخواست کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ حضرت آپ خود ہی انتظام کریں' آپ کے لیے لاہور میں اہتمام کرنا بڑا آسان ہوگا۔آپ لاہور سے قریب ہیں۔آپ کے معتقدین بھی وہاں بہت ہیں۔کرایہ ہم ادا کر دیں گے۔

۳۔ مگر حضرت نقل مطابق اصل کا زمانہ بھی محسوس کریں۔کم از ۵'۶ گھنٹے اس میں بھی صرف ہوں گے۔ آپ تو اس روز کی نماز بخشوا لیں گے یا ایک ہی وقت جمع کر لیں گے۔ پیر صاحب تو امت محمدی کے ایک فرد ہیں۔ان پر اور باقی علماء پر نماز موقوت فرض ہے اور دیگر حوائج ضروریہ بھی ہیں۔ان کے واسطے وقت نکال لیجیے گا۔

۴۔ یہ کیا' آپ تو فرماتے ہیں کہ آپ الٰہی طاقت سے یہ مقابلہ یا مباحثہ (جو کچھ نام آپ رکھیں) کرتے ہیں۔ یہ ایسی آپ کیوں لگاتے ہیں۔ الٰہی زور تو دنیاوی لوگوں سے مغلوب نہیں ہوا کرتا' خواہ کتنی ہی تعداد مقابلہ میں آئے۔وادعوا شھدآء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ بھلا یہ تو فرما دیجیے گا کہ اس قدر کثیر جماعت علماء کی جمع

ہوکر کیا کرے گی۔ صبح سے شام تک بے آب و دانہ بیٹھ کر دو منشیوں کو یہ دیکھتی رہے گی کہ کس کا قلم زور سے چلتا ہے اور وہ کون سی دلچسپی ہے جس کے واسطے اور کون سا اور اہم علم ہے جس کی شہادت کے لیے آپ اس قدر علماء کو بصورت حاضری پیر صاحب طلب کرتے ہیں اور ایسی ہی بندش بکار ہے تو دو پولیس کانسٹیبل بلوا لیجیے گا۔ وہ آپ دونوں کے سروں پر پہرہ دیں گے اور بعد میں جب مضامین طبع ہوکر علماء کو مل جائیں تو وہ فیصلہ کر دیں گے۔ حلف تین چھوڑ دس دے لینا۔

۵۔ اس میں تو شک نہیں کہ آپ ضرور بیس ورق پورے کر لیں گے۔ اگر نفس مضمون نصف اوراق پر ختم ہو جائے گا تو باقی ورق آپ علماء' صلحاء' انبیاء اور فریق مخالف کو گالیاں دے کر بھی پورے کر لیں گے مگر حضرت ایک چوک تو ہوگئی کہ ورق کی تقطیع اور قلم کی موٹائی اور درآوردگی اور کشادگی خط کا آپ نے ذکر نہیں کیا۔

حضرت مرزا صاحب ''یہ اشتہار تو کجا بود اشہب کجا تاختم'' کا مضمون ہے۔ کیا آپ کو یہ دعویٰ ہے کہ آپ بڑے کاتب' منشی اور بڑے فصیح و بلیغ عربی نویس ہیں یا آنکہ مجدد و مہدی و مسیحؑ و مثیل محمدؐ۔ آپ اپنا دعویٰ ثابت کریں۔ یہ لت کیا سوجھ گئی ہے۔ آپ ذو بروزین ہیں' ایک نصف جسم آپ کا تو مثیل مسیحؑ ہے' دوسرا نصف مثیل محمدؐ وہ ہر دو انبیاء علیہما السلام امی تھے' لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے الا مقرر تھے۔ آپ مباحثہ تقریری کریں اور ان کی سنت پر چلیں۔ ہم نے مانا کہ آپ چھاپہ خانہ کی مشین ہیں۔ پر اس سے کیا ہوتا ہے۔ خاک پتھر' باقی رہی معارف وحقائق قرآنی کی تفسیر' تو وہ حضرت سلامت ۱۸۔۱۹ سال سے سنتے سنتے ہمارے کلیجے و کان پک گئے۔ جن حقائق و معارف کو اب آپ بذریعہ الہام تفسیر فرمائیں گے وہ تو یہی یا اسی طرح کے ہی ہوں گے۔ یعنی:

۱۔ آنحضرت ﷺ سورہ الزلزال کے معنی غلط سمجھے۔ (ازالہ صفحہ ۱۲۸ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ''ہمارے علماء نے جو ظاہری اس سورۃ کی یہ تفسیر کی ہے کہ زمین کو آخری ایام میں سخت زلزلہ کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ ایسا زلزلہ ہوگا کہ تمام زمین اس سے زیروزبر ہو جائے گی اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ سب باہر آ جائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا ہے تو وہ اس روز باتیں کرتے ہوئے اپنا حال بتائے گی۔ یہ معنی اور تفسیر سراسر غلط ہے۔''

۲۔ قران خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ (دیکھیے لیکھرام کی موت کی نسبت اشتہار ۱۵ مارچ ۱۸۹۷ء صفحہ ۳ کالم ۲ سطر ۳۳‘۳۴)

۳۔ فرشتے نفوس فلکیہ وارواح کواکب کا نام ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سیارات کی تاثیر سے ہوتا ہے۔ (توضیح مرام صفحہ ۳۳‘۳۷‘۳۸ تا ۴۰ و ۶۷)

۴۔ جبرائیل کبھی زمین پر نہیں آئے نہ آتے ہیں۔ (توضیح مرام ملخصاً صفحہ ۶۸‘۷۰‘۸۵)

۵۔ انبیاء علیہم السلام جھوٹے ہوتے ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۲۸‘۶۲۹)

۶۔ حضرت محمد ﷺ کی بھی وحی غلط نکلی۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۸۸‘۶۸۹)

۷۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کو ابن مریمؑ‘ دجال‘ خردجال اور یاجوج وماجوج اور دابتہ الارض کی وحی نے خبر نہیں دی۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۱)

۸۔ خردجال ریل گاڑی ہے۔ دابتہ الارض علماء ہوں گے اور دجال پادری صاحبان وغیرہ وغیرہ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۹۵‘۴۹۶‘ ورسالہ انجام آتھم)

۹۔ حضرت مسیح علیہ السلام مسمریزم میں مشق کرتے اور کمال رکھتے تھے۔ (ازالۃ الادہام صفحہ ۳۰۸)

۱۰۔ حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۳)

۱۱۔ ''براہین احمدیہ'' خدا کا کلام ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۳۳)

۱۲۔ قرآن شریف میں جو معجزے ہیں وہ مسمریزم ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۴۸ تا ۷۵۳)

۱۳۔ قرآن شریف میں انا انزالناہ قریباً من القادیان موجود ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶‘۷۷)

۱۴۔ مکہ‘ مدینہ‘ قادیان تین شہروں کا نام قرآن شریف میں اعزاز کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶‘۷۷)

۱۵۔ بیت الفکر واقع قادیان (وہ چوبارہ جس میں بیٹھ کر مرزا صاحب کتابت کرتے ہیں) مثل حرم کعبہ ہے۔ ومن دخلہ کان امنا (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

۱۶۔ آیت سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ کا معنوی اور اصلی طور پر مصداق وہ مسجد ہے جو مرزا صاحب کے والد نے بنائی اور مرزا صاحب نے اس میں توسیع کی۔ (اشتہار منارۃ المسیح)

۱۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ (حاجت حوالہ نہیں)

۱۸۔ حضرت رسول اکرمؐ خاتم النبیین والمرسلین نہیں ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ و اشتہار معیار الاخیار)

۱۹۔ قیامت نہیں ہوگی' تقدیر کوئی چیز نہیں ہے۔ (صفحہ دوم ٹائیٹل پیج ازالۃ اولاوہام)

۲۰۔ حضرت مہدیؑ نہیں آئیں گے۔ (ازالۃ الاوہام ۵۱۸ و اشتہارات حال جن کا لامھدی الاعیسیٰ کی حدیث پر استدلال ہے)۔

۲۱۔ آفتاب مغرب سے نہیں نکلے گا۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۱۵)

۲۲۔ عذاب قبر نہیں ہے۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۵)

۲۳۔ تناسخ صحیح ہے۔ (ست بچن صفحہ ۸۴)

۲۴۔ قرآن مجید میں گالیاں بھری ہوئی ہیں۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵۔۲۶)

(شاید ایس عقیدہ پر عمل کر کے مرزا صاحب بھی ہر ایک شخص مخالف کو اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کو ہزار ہزار بے نقط سناتے ہیں مگر حضرت' آیت شریف۔ **قولوا للناس حسنا** اور دیگر آیات قرانی اور آپ کے اپنے الہامات ذاتی **وتلطف بالناس وترحم علیهم یا داؤد عامل بالناس رفقا واحسانا** وغیرہ اردو الہامات ہم مضمون کو شاید بھول جاتے ہیں۔ آپ کی بدزبانی تو تلوار سے زیادہ کام کرتی ہے۔ شاید ان گالیوں میں بھی فصاحت پیدا کی گئی ہے)

مگر ان تمام امور سے قطع نظر کرکے بدیں خیال کہ آپ بیٹھے بٹھائے گھر میں اشتہار لکھ ماریں گے اور فضول ڈینگ ہانکیں گے اور عوام بھی سمجھیں گے کہ دعوت مباحث کو قبول نہ کرنا ظاہراً پیر صاحب کے خلاف ہے۔ پیر صاحب حاضر ہیں اور آپ کی سب شرائط جن کے آپ خود ہی مجاز ہیں اور خود ہی منصف منظور کرتے ہیں۔ اشتہار دینا اور مشتہر کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر یہ ذمہ نہیں ہے کہ وہ لوگ جمع بھی ہو جائیں گے۔ الا اس حالت میں کہ آپ ان کی دستگیری کریں۔ البتہ لاہور' امرتسر اور بعض دیگر مقامات کے علماء کو ہم بھی ضرور جمع کر لیں گے۔

مگر شرط یہ ہے کہ

قبل از بحث تحریری مذکورہ مجوزہ مرزا صاحب ایک بحث تقریری دعویٰ مسیحیت و مہدویت

وغیرہ عقائد مرزا صاحب پر جو تعداد میں تخمیناً ۱۳۶ کے قریب ہیں اور ان کی الہامی کتب میں مندرج ہیں بہ پابندی امور ذیل ہو جائے۔

(ا) تعیین وتقرر سوالات حضرت پیر صاحب کا منصب ہوگا کیونکہ ہم لوگ آپ کے دعاوی کے منکر ہیں اور آپ مدعی اور ان دعاوی کا اثبات کتاب اور سنت رسول اللہ سے مرزا صاحب کریں گے۔ مگر واضح رہے کہ اناجیل اربعہ جو مخالف مضامین قرآن شریف ہوں گے' بحث میں قبول نہ ہوں گے۔

(ب) یہ بحث تقریری اس بحث تحریری سے اول ہوگی۔ اگر ایک روز میں ختم نہ ہوگی تو دوسرے اور تیسرے روز تک جاری رہے گی۔ زیادہ تکلیف آپ کو نہ دی جائے گی۔

(ج) جو شخص بحث میں مغلوب ہوگا۔ اس کو بیعت توبہ کرنا لازمی ہوگا۔ وہ بیعت بحاضری جمیع علماء کرنی ہوگی اور اس بحث کے حکم خواہ وہی ہر سہ مولوی صاحبان ہوں جن کو مرزا صاحب منظور کرتے ہیں۔ یا اور جن کو مرزا صاحب مقرر کریں گے مگر رعایت یہ ہوگی کہ وہ مولوی صاحبان جن کو مرزا صاحب بعد میں مقرر کریں گے نہ تو ان کے معتقدین میں سے ہوں اور نہ پیر صاحب کے ملنے والوں سے ہے۔ مرزا صاحب کو اختیار ہے کہ ان کو جس طرح سے اور جو جو حلف قبل از اظہار رائے دینا مناسب سمجھیں دے لیں۔ وہ رائے قطعی ہوگی۔

(د) چونکہ احتمال ہے کہ ایک شخص مغلوب بھی ہو جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے۔ اس لیے فریقین ایک ایک معتبر ضمانت پانچ پانچ ہزار روپیہ کی دے دیں کہ وہ روپیہ ان علماء کے اظہار رائے پر فریق غالب کا حق ہوگا۔

(ہ) مرزا صاحب یہ بھی لکھ دیں کہ اس بحث کے وقت یا دوران زمانہ بحث میں اگر کوئی الہام اس قسم کا ان کو ہو جائے جو مبدل یا ناسخ شرائط بحث مباحثہ کا ہو یا مرزا صاحب کو کوئی تار اس مضمون کا آ جائے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے یا اور کوئی ہیچو قسم خط یا پیام وغیرہ آ جائے تو مرزا صاحب بحث ومباحثہ کو حسب شرائط مقررہ حال پورا کریں گے اور اس الہام' تار' خط یا پیام وغیرہ پر کاربند ہوں گے۔ پہلے سوچ سمجھ لو بابا' اور الہام کے ذریعہ ان تمام امور کی احتیاط کرلو۔ بعد میں کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔

اگر مرزا صاحب اب میدان میں تشریف نہ لائے اور اس مباحثہ سے منہ پھیر کر اس میں کوئی

حجت وحیلہ کریں گے یا اب شرائط میں کسی قسم کی کوئی وقت یا پیچیدگی پیدا کر دیں گے جس سے اس معاملہ کا وقوع غیر اغلب ہو جائے تو پھر سمجھا جائے گا اور اس کا نتیجہ فطرتی طور پر یہی ہوگا کہ مرزا صاحب کی الٰہی طاقت (وہی خدائی عاجی والی) مغلوب ہوگئی اور خدائے رب العلمین کی الٰہی طاقت نے ان کے غرور اور مشیخیت کو توڑ کر چل ڈالا اور ان کے تمام دعاوی بیہودہ پر خاک پڑ گئی۔ ہم تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ آپ میدان میں آئیں بلکہ آپ نے ان شرائط کو منظور کیا تو لوگ گھی کے چراغ جلائیں گے مگر پھر کہے دیتے ہیں کہ آپ کبھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ ہم الہام سے نہیں کہتے مگر سابق تجارب اس خیال کے موید ہیں۔

به بینیم تا کردگار جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

(العارض محمد غازی ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء)

نوٹ: پیر صاحب اس مباحثہ کے لیے ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء مقرر کرتے ہیں مگر مرزا صاحب خیال رہے کہ آپ اشتہار ہذا کے موصول ہونے پر منظوری یا نامنظوری سے اطلاع دیں ورنہ یاد رہے کہ اگر پیر صاحب لاہور تشریف لے گئے اور آپ تاریخ مقررہ پر نہ آئے تو آپ اس صورت میں کئی ذمہ داریوں کے ذمہ دار بھی ہوں گے۔ فقط

(مطبوعہ چودھویں صدی پریس راولپنڈی)

(مہر منیر ص۲۲۲'۲۲۶)

پیر مہر علی شاہ صاحب کا جواب:

مرزا صاحب کا اشتہار جس پر ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کی تاریخ درج تھی۔ ۲۵ جولائی کو حضرت پیر صاحب کو موصول ہوا۔ جس کا جواب اسی دن تحریر کر کے آپ نے راولپنڈی کے ایک اخبار چودھویں صدی میں شائع کرا دیا اور مرزا کی خواہش پوری کرتے ہوئے یہ جواب بصورت اشتہار پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوا کر ملک بھر کے عوام وخواص تک پہنچایا جس کے دو نتیجے ظاہر ہوئے۔

۱۔ ہندوستان کے دینی حلقوں نے اس معاملہ میں خاصی دلچسپی لی اور ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کا بڑی شدت سے انتظار کرنے لگے۔

۲۔ سستی شہرت اور ناموری حاصل کرنے کا مرزا قادیانی کا خواب پورا ہوگیا۔

بہر حال پیر صاحب کا جوابی اشتہار درج ذیل ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ و آلہ وعترتہ.

امابعد۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء آج اس نیاز مند علمائے کرام و مشائخ عظام کی نظر سے گزرا۔ مجھ کو دعوت حاضری مجلسہ منعقدہ لاہور مع شرائط مجوزہ مرزا صاحب بسرو چشم منظور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی میری ایک ہی گزارش کو بہ سلک شرائط مجوزہ منسلک فرمائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مدعی مسیحیت و مہدویت و رسالت لسانی تقریر سے بمشافہ حضار جلسہ اپنے دعویٰ کو پایہ ثبوت پہنچا دیں۔ بجواب اس کے نیاز مند کی معروضات عدیدہ کو حضرات حاضرین خیال فرما کر اپنی رائے ظاہر فرمائیں گے۔ مجھ کو شہادت ورائے تینوں علمائے کرام مجوزہ مرزا صاحب (یعنی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی' مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر لاہوری) کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہ ہوگا۔ بعد ظہور اس کے کہ مرزا صاحب اپنے دعویٰ کو بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچا سکے۔ مرزا صاحب کو بیعت توبہ کرنی ہوگی بعد اس کے عقائد معدودہ مرزا صاحب ہیں' جن میں جناب ساری امت میں منفرد ہیں بحث تقریری و اظہار رائے ہوکر مرزا صاحب کو اجازت مقابلہ تحریری کی دی جائے گی۔ یہ وہ شرط ہے کہ جناب کے دعویٰ اور تحقیق حق کے لیے عندالعقلاء مقتضی بالطبع ہے۔ ظاہر ہے کہ تیز نویسی اور قافیہ سنجی کو بعد بطلان مضامین کے کچھ بھی وقعت اور عظمت نہیں ہے۔ حقیقت مضامین کا محفوظ رہنا عیاران صداقت کے لیے مہتم بالشان ہے۔ اظہار حقیقت بغیر اس طریق کے متصور ہی نہیں کیونکہ مرزا صاحب کے حقائق و معارف قرآنیہ سے تو ان کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور وہی جناب کے دعویٰ کو عدم حقیقت کی وجہ سے دھبہ لگا رہے ہیں۔ علمائے کرام کی تحریرات اور اہل دیانت و فہم کامل کی تقریرات اس پر شاہد ہیں۔ تیز نویسی چونکہ بروز عیسوی و بروز محمدی سے بالکل اجنبی اور برطرف ہے۔ لہٰذا اس کو موخر رکھا جائے گا۔ اس شرط کی منظوری سے مع تاریخ مقررہ کے مشرف فرمائیں نہایت ممنون ہوکر حاضر ہو جاؤں گا۔ قانون فطرت اور کرات و مرات کا تجربہ مع شہادت **(ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا)** کے پیش گوئی کر رہا ہے کہ آپ کو عین وقت بحث میں الہام سکوتی ہو جائے گا۔ آپ فرمائیں اس کا کیا علاج ہوگا۔

اپنے اشتہار میں اس الہام ضروری الوقوع کا مستثنیٰ نہ فرمانا صاف شہادت دے رہا ہے کہ ایسے الہامات عندیہ اور اپنے اختیاری ہیں ورنہ درصورت منجانب اللہ ہونے کے کیونکر زیر لحاظ نہ ہوں اور مستثنیٰ نہ کیے جائیں۔ یہ بھی مانا کہ منجانب اللہ ہیں تو پھران پر تعمیل واجب ہوگی۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام کو تشریف آوری سے بغیر از تضیع اوقات و تکلیف عبث کیا حاصل ہوگا۔ لہٰذا عرض کرتا ہوں کہ شرق سے غرب تک ان بزرگواروں کو آپ کیوں تکلیف محض دیتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی نیازمند ان کا حاضر ہو جائے گا۔ بشرط معروض الصدر نامنظوری شرط مذکور یا غیر حاضری جناب کی دلیل ہوگی آپ کے کاذب ہونے پر۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''شمس الہدایت'' کے صفحہ ۸۱ میں نیازمند نے علم اور فقر میں لاف زنی کی ہے۔ ناظرین صفحہ مذکور کے ملاحظہ فرمانے کے بعد انصاف فرما سکتے ہیں کہ آیا لاف زنی ہے اپنے بارہ میں یا تہدید ہے۔ بمقابلہ محاورات مثلاً ''اجماع کورانہ'' ''ضرب نادان'' ''بےشرم'' ''بے حیا'' ''علمائے یہود'' وغیرہ جو آپ آپ نے اپنی کتاب ''ازالہ'' ''ایام صلح'' میں دربارہ علمائے سلف شکراللّٰہ سعیھم کے دیانت اور تہذیب لکھا ہے اور تفرد فی القرآن کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ اس اشتہار کے صفحہ ۳ کے آخر می باریک قلم سے لکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنی کتاب میں جہالت کا اقرار کرتے اور فقر کا بھی دم نہ مارتے تو اس کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ الخ

لاف زنی کی کیفیت تو ناظرین کو ملاحظہ مذکور سے معلوم ہو جائے گی۔ بھلا آپ یہ تو فرمائیے کہ جب آپ اپنی دعوت میں مامور من اللہ ہیں تو پھر لاف زنی پر اس دعوت کی بنا ٹھہرانی قول متناقضین نہیں تو اور کیا ہے؟

مرزا صاحب نیازمند کو مع علمائے کرام کے کسی قسم کا عناد یا حسد جناب کے ساتھ نہیں مگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعث انکار ہے۔ انصاف فرمائیں۔ مثل مشہور کا مصداق نہ بنیں (نالے چور نلے چتر) ظاہر تو عشق محمدی اور قران کریم سے دم مارنا اور در پردہ کیا بلکہ علانیہ تحریف کتاب وسنت کرنی اور پھر اس کمال پر مکتفی نہ رہنا بلکہ اوروں کو بھی اس کمال کے ساتھ ایمان لانے کی تکلیف دینا۔ بھلا پھر علماء کیسے خاموش بیٹھے رہے۔ آپ اپنے اشتہار میں جو کچھ بہت زور شور سے ارشاد فرما چکے ہیں اگر بہ لحاظ اس کے کچھ لکھا بھی جائے تو داخل گستاخی اور مورد عتاب اہل تہذیب نہیں ہو سکتا مگر تاہم لوگوں کو ہنسی سے شرم آتی ہے۔ اس سے زیادہ آپ کے اوقات گرامی کی تضیع نہیں کرتا ہوں۔

والسلام علی من اتبع الھدی و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

العبدالملتجی الی الله

مہرعلی شاہ از گولڑہ۔ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰

نوٹ: حسب الطلب یہ اشتہار بذریعہ رجسٹری ابلاغ ہے اور میں بروئے اختیار اشتہار دعوت ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء بمقام لاہور مقرر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اب آپ تاریخ مقررہ پر تشریف لے آئیں۔

گواہ شدند

محمد غازی' مولوی حضر میر معلم صاحبزادگان خان ملا خان صاحب رئیس کابل قاضی محمد زمان ساکن راولپنڈی' مولوی محمد' مولوی عبداللہ ساکن جلو' مولوی ہدایت اللہ' مولوی احمد دین ساکن بھوئی' مولوی محمد یوسف ساکن بھوئی' مولوی غلام ربانی ساکن بھوئی' مولوی سید حسن مدرس اول مدرسہ اسلامیہ پنڈی' مولوی محمد اسماعیل گولڑہ' مولوی عبداللہ شاہ سکن گڑھی افغاناں' مولوی میر حمزہ ساکن بھوئی' مولوی محمد عرفان ساکن گولڑہ' مولوی فضل احمد ساکن سواں' مولوی منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ' مولوی عبدالمجید ساکن کوٹ نجیب اللہ' مولوی محبوب عالم ساکن گولڑہ' قاضی نواب ساکن کورٹ' مولوی بدرالدین پوٹھواری۔

(مہر منیر ص ۲۱۹'۲۲۱)

علماء کی جانب سے جوابی اشتہار:

پیر صاحب کے شانہ بشانہ علماء کرام نے بھی اشتہار شائع کیا۔ مولانا فیض احمد لکھتے ہیں۔

جماعت علماء کی طرف سے جواب دعوت کا اشتہار:

اس کے بعد پنجاب' سرحد اور ہندوستان کے ساٹھ علماء و مشائخ کے دستخطوں سے ایک اشتہار مرزا صاحب کی دعوت کے جواب میں جاری ہوا جس میں درج تھا کہ ہمیں پیر صاحب کا اشتہار کا جواب دعوت مل گیا ہے اور ہم ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو پیر صاحب کے ہمراہ جلسہ مباحثہ لاہور میں حاضر ہو رہے ہیں۔ ہم حضرت پیر صاحب کی شرط برائے مناظرہ تقریری کو جائز اور ضروری سمجھتے ہیں۔

مرزا صاحب کا دعویٰ مسیحیت و مہدویت و نبوت ہی اہل اسلام کے درمیان ما بہ النزاع ہے اور وہ بقول خود مسلمانوں پر اس دعویٰ کے اثبات کے لیے مامور بھی ہیں لہٰذا مرزا صاحب کے لیے بہت اچھا موقعہ ہے کہ اس مناظرہ میں اپنا دعویٰ ثابت کر کے اہل اسلام پر اتمام حجت کریں۔ علم تفسیر اور عربیت میں آپ کا کمال ایک ثانوی چیز ہے اگر آپ کی امامت کو تسلیم کر لیا گیا تو آپ کے دیگر کمالات لامحالہ تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اپنے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود کو منوانے کا اس سے بہتر موقعہ مرزا صاحب کو کبھی نہیں ملے گا۔ یہ چیز کسی پہلو سے معقول نظر نہیں آتی کہ مرزا صاحب علمائے برصغیر ہندوستان کی ایک کثیر جماعت کو محض اس لیے بلا رہے ہوں کہ وہ جلسہ لاہور میں دن بھر خاموش بیٹھ کر دو منشیوں کی تفسیر نویسی کا مظاہرہ دیکھتے رہے۔ پیر صاحب تفسیر نویسی کے مقابلہ کے لیے بھی تیار ہیں لیکن اگر تقریری مباحثہ ہوا تو تفسیر نویسی کے مقابلہ کے بعد بھی متنازعہ فیہ مسئلہ جوں کا توں رہ جائے گا۔

حضرت کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت کا ردعمل:

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی طرف سے تقریری بحث کی دعوت نے اس ہونے والے مباحثہ کی قومی افادیت اور عوامی دلچسپی میں بے حد اضافہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے چیلنج میں تو اس مقابلہ کی حیثیت کم و بیش انفرادی تھی جس میں وہ فاضل مضمون نگار تفسیر نویسی اور عربی علم و ادب میں اپنی قابلیت کا مظاہرہ کر کے 'بڑے چھوٹے ہونے کا فتویٰ حاصل کرتے۔ مگر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کی دعوت نے قادیانیت اور اسلام اور کفر و ایمان کی دس سالہ کشمکش کو براہ راست بالمقابل کر کے تصفیہ اور قول فیصل کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

فریقین کی توقعات کا جائزہ:

فریقین اپنی اپنی جگہ مطمئن نظر آتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی الہامی بشارات شائع کر رکھی تھی کہ اس مباحثہ میں ''احمدیت'' کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی جس کی خوشی میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے اس روز کئی اندھے بینا ہو جائیں گے اور اپاہج چلنے پھرنے لگیں گے۔ مرزا صاحب کی جماعت کو کامل یقین تھا کہ عنقریب امت مرحومہ ''امام آخرالزمان'' کی بیعت میں شامل ہو جائے

گی اور یہ حالات محض نتیجہ کے ظہور کے لیے بطور اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کا انگیزی خوان طبقہ قادیانیت کو ترقی پسند عنصر اور رفتار زمانہ کا نباض سمجھنے لگ گیا تھا اور دین سے اپنی عدم واقفیت کی بنا پر اس کی مخالفت کو مولویوں کی قدامت پرستی سے تعبیر کرتا تھا۔ نیز ایک نئی جماعت کے جوش تنظیم اور جذبہ خود ارادیت میں اسے اسلام کی تعمیر نو اور حیات ثانیہ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

ابھی ہوائی جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا نہ ہی اقطار السموات والارض کو عبور کر کے چاند اور سورج کی طرف سفر کرنے والے سینکڑوں من وزنی راکٹ کا تصور پیدا ہوا تھا۔ لہٰذا انگریزی اسکولوں کے مسلمان سائنس ٹیچروں کو اپنے علم طبیں کو حرف آخر سمجھ بیٹھے تھے۔ مرزا صاحب کے ان اقوال میں کافی وزن نظر آتا تھا کہ ''میں دوسرا پاؤں اٹھا لوں تو گر جاؤں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر کیسے جڑھ گئے' وہاں پہ کھاتے کیا ہوں گے اور رفع حاجت کا کیا انتظام ہوگا اور اب تو پیر فرتوت ہو چکے ہوں گے۔'' وغیرہ وغیرہ (ازالہ اوہام)

پھر قادیانی جماعت اس سے بھی بے خبر نہ تھی کہ ''نیم ملا حضرات'' بھی راہ پر آ لگے ہیں۔ **توفی** کے معنی وفات لیتے ہیں **قد خلت من قبله الرسل** میں تمام انبیاء سابقین کی موت کے قائل ہو رہے ہیں۔ **وما منها بمخرجين** میں جنت سے واپسی کو ممکن نہیں سمجھتے اور کہتے کہ **وما صلبوه** سے اگر یہی مراد لی جائے کہ صلیب پر حضرت مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

چنانچہ مرزا صاحب کی جماعت قدرتاً ۲۵ اگست کے لیے یوم عید کی طرح چشم براہ تھی کہ اس روز علماء اور مشائخ کا مورچہ سر ہو کر قادیانیت جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل جائے گی۔ مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ادھر علمائے اسلام کے کیمپ میں حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے تبحر علمی اور کمالات ظاہری و باطنی کی دھوم تھی کیونکہ توحید و رسالت کے اسرار و رموز پر آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''تحقیق الحق'' تین برس قبل شائع ہو کر عرب و مصر و روم کی سرحدات عبور کر کے داد تحسین و کمال حاصل کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں براہ راست ''قادیانیت'' پر آپ نے اپنی کتاب ''شمس الہدایۃ'' میں روشنی ڈالتے ہوئے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا تھا اور اس وقت تک مرزا صاحب [illegible] [illegible] آپ کے سوالات کو کوئی عرصہ چھ ماہ سے مرزا صاحب [illegible]

اور حکیم نور دین کے مطب پر دستک کناں تھے۔ جن کا اس جماعت سے کوئی جواب نہیں پڑ رہا تھا۔ علاوہ ازیں علمائے اسلام کو خود مرزا صاحب کے اشتہار دعوت میں بھی ضعف کے آثار نظر آ رہے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری ہونے والے اپنے کلام پاک کی مثال پیش کرنے کے لیے تو دو جہان کو چیلنج کر دیا تھا کہ **وادعوا شهدآء کم اور ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا** مگر مرزا صاحب قادیانی وعدہ نصرت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اگر کسی مولوی نے پیر صاحب کو اشارۃً یا کنایۃً بھی کوئی مدد دی تو اسے کمرہ سے باہر نکال دیا جائے گا۔

(مہر منیر ص ۲۲۸‘۲۲۹)

پیر صاحب کے مقابلہ سے مرزا صاحب کا فرار:

۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کا تاریخی دن جیسے جیسے نزدیک آ رہا تھا لوگوں کے جذبات میں تلاطم برپا ہو رہا تھا اور حق و باطل کا یہ معرکہ دیکھنے کے لیے عوام و خواص کا جوش و خروش دیدنی تھا‘ ہندوستان کے طول و عرض سے لوگ لاہور پہنچے‘ تمام مسالک کے علماء او عوام ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے‘ ہوٹل‘ مسافر خانے دینی مدارس اور مساجد لوگوں سے بھر گئیں۔ اہل لاہور نے دل کھول کر باہر سے آنے والوں کو خوش آمدید کہا۔

پیر صاحب نے ۲۱ یا ۲۲ اگست کو لاہور پہنچنے کا اعلان اخبارات میں شائع کرایا اور خود ۲۴ اگست کو بذریعہ ریل گولڑہ سے روانہ ہوئے‘ لالہ موسیٰ پہنچ کر آپ نے اپنی آمد کا تار بھیجا۔ جب آپ لاہور پہنچے تو مسلمانوں نے آپ کا زبردست استقبال کیا اور آپ کو برکت علی ہال اور اس کی ملحقہ عمارات میں لے جا کر ٹھہرایا گیا۔

مرزا صاحب کا لاہور آنے سے انکار:

مرزا صاحب نے تاریخ مباحثہ سے صرف چار دن پہلے ایک خط پیر صاحب کو پہنچایا کہ انہیں تقریری مباحثہ کی شرط منظور نہیں اگر تفسیری نویسی میں مقابلہ کرنا چاہتے ہوں تو پیر صاحب آ جائیں تو اس پر پیر صاحب کی طرف ۲۱ یا ۲۲ اگست کو اخبارات میں یہ اعلان شائع کرایا گیا کہ وہ اپنی شرائط

کے مطابق تحریری مباحثہ کے لیے لاہور آ رہے ہیں اور اس اعلان کی ایک کاپی رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ انہوں نے قادیان بھی بھجوادی۔ پیر صاحب نے اس موقعہ پر یہ بھی فرمایا کہ مرزا صاحب اور میں خالی کاغذ پر قلم رکھ دیتے ہیں جس کے قلم نے خود بخود تفسیر لکھ دی وہ سچا اور دوسرا جھوٹا ہوگا۔مہر منیر کے مصنف کے مطابق اس وقت پیر صاحب پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اگر مرزا یہ چیلنج قبول کر لیتا تو پیر صاحب کی از خود قلم چلنے کی کرامت ظاہر ہو جاتی۔

مگر مرزا نے لاہور سے انکار کرتے ہوئے لکھا۔

''اور میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے۔

(۱) مجموعہ اشتہارات جلد۳ص ۳۵۰'(۲) تاریخ احمدیت جلد۲ص ۱۳۴'۱۳۵)

مولانا فیض احمد فیض رقم طراز ہیں:

عام حالات میں اپنے نتائج کی رو سے یہ شکست اس ناکامی و ہزیمت سے شدید تر اور زیادہ دور رس تھی جو چھ سال قبل' مرزا صاحب اور ان کے مذہب کو عبداللہ آتھم کی موت کی پیشین گوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی تھی لیکن جس طرح اس وقت مرزا صاحب کے قلم سے ''فتح اسلام'' اور ''انجام آتھم'' جیسی فاتحانہ اور ظفر مندانہ تالیفات عالم وجود میں آئی تھیں' بالکل اسی طرح اب بھی مرزا صاحب کے بعض عقیدت مندوں نے اس شکست و فرار کو فتح عظیم بیان کیا۔مولوی محمد احسن امروہی اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی کی طرف سے لاہور کے در و دیوار پر اشتہار دکھائی دینے لگے۔جن میں لکھا تھا کہ

''پیر صاحب گولڑہ نے امام آخر الزمان کے مقابلے میں فرار اختیار کیا۔''

''آسمانی نشان نے مولویوں اور پیروں کی شیخیوں کو کچل دیا۔''

''مسیح موعود کی الہامی بشارات صحیح ثابت ہوئیں۔'' حالانکہ لاہور کی پبلک بچشم خود حضرت پیر صاحبؒ کو لاہور میں موجود دیکھ رہی تھی اور جانتی تھی کہ مرزا صاحب باوجود ان کے بار بار بلانے کے نہیں آ رہے۔ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

(مہر منیر ص ۲۴۳)

مولانا ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں:

جس روز پیر صاحب گولڑہ لاہور میں آئے بغرض امداد حق اردگرد سے علماء اور غیر علماء بھی وارد لاہور ہوئے تھے۔ مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور خاکسار وغیرہ بھی شریک تھے۔ قرار پایا کہ جامع مسجد میں صبح کے وقت جلسہ ہوگا۔ پیر صاحب مع شائقین مسجد موصوف کو جارہے تھے۔ راستے میں بڑے بڑے موٹے حرفوں میں لکھے ہوئے اشتہار دیواروں پر چسپاں تھے۔ جن کی سرخی یوں تھی:

''پیر مہر علی کا فرار''

جو لوگ پیر صاحب کو لاہور میں دیکھ کر یہ اشتہار پڑھتے وہ بزبان حال لکھتے۔

''اینچہ مے بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب''

(تاریخ مرزا مصنفہ مولانا ثناءاللہ امرتسری ص ۴۹، ۵۰)

قادیانی جماعت میں انتشار:

جب قادیانی جماعت کا آخری وفد' قادیان سے مرزا صاحب کا یہ جواب لے کر ناکام لوٹا تو اس جماعت میں بہت انتشار پیدا ہوا۔ بعض نے اسی وقت توبہ کا اعلان کر دیا۔ بعض سخت مایوس ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ لاہور کے اکثر وہ لوگ جو مرزا صاحب کے بہت قریب تھے۔ حضرت قبلہ علام قدس سرہ کی روزانہ مجالس سے اثر پذیر ہو کر' کم از کم مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کے منکر ہو گئے۔ بعض دیگر حضرات مثلاً بابو الہٰی بخش اکاؤنٹنٹ وغیرہ نے جو قادیانیت کے سرگرم رکن رہ چکے تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے علم و فضل کی تعریف و توصیف میں اور آپ کی خداداد کامیابی و نصرت کے بیان میں اشتہارات اور ٹریکٹ شائع کیے لیکن قادیان سے آئے ہوئے تنخواہ دار مولویوں کی قیادت میں ایک گروہ اس گرتی ہوئی عمارت کی پشتیبانی پر برابر کمر بستہ رہا۔

شاہی مسجد میں مسلمانوں کا جلسہ (ماخوذ از رسالہ ''روائیداد جلسہ لاہور''):

جب مرزا صاحب کی آمد سے قطعاً مایوسی ہو گئی تو ۲۷ اگست کو شاہی مسجد میں مسلمانوں کا ایک

عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علمائے کرام نے اس دعوت مناظرہ کی مکمل داستان بیان کر کے قادیانیت کی واضح تصویر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ تمام اسلامی فرقوں کے سرکردہ علماء نے منبر پر کھڑے ہو کر ختم نبوت کی یہ تفسیر بیان کی کہ حضرت محمد ﷺ کے اس دنیا میں آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور جو شخص بھی اس عقیدہ کا منکر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۱۔ سب سے اول مولوی محمد علی صاحب نے دربارہ عقائد مرزا قادیانی وعظ فرمایا کہ یہ یہ اس کے عقائد ہیں جو صریحاً مخالف قرآن کریم وسنت واجماع امت ہیں۔

۲۔ مولانا مولوی عبدالجبار صاحب بن مولانا مولوی عبداللہ صاحب مرحوم ومغفور غزنوی ثم امرتسری نے وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے افعال واقوال یہ تھے۔ پس جو شخص ان کے مطابق چلنے والا ہے وہ ان کا پیرو ہے اور جو شخص ان کے مخالف ہے وہ مرتد اور کافر ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے افعال و اقوالط قطعاً مخالف سنت نبویہ وروش صحابہ کرام ہیں۔ اس لیے اہل اسلام کو اس سے بچنا چاہیے۔

۳۔ ابوالفیض مولانا مولوی محمد حسن صاحب مدرس دارالعلوم نعمانیہ نے دربارہ غرض انعقاد جلسہ وکارروائی مباحثہ ایک تحریر پڑھی جس کے آخر میں مولانا صاحب نے ایک پرزور تقریر میں بالتفصیل یہ بھی بیان کیا کہ اس سے پہلے بھی دنیا میں مرزا جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت سے جھوٹے نبی' مسیح' مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے پیدا ہو کر اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

۴۔ اس کے بعد مولوی تاج احمد صاحب جوہر مختار چیف کورٹ پنجاب سیکرٹری انجمن نعمانیہ نے مولوی محمد حسن صاحب کی تائید کی اور مرزا کے چند اشتہارات سے ان کی اس قسم کی کارروائیوں پر نہایت تہذیب اور شائستگی سے نکتہ چینی کی۔

۵۔ بعد ازاں جناب حضرت مولانا ابوسعد محمد عبدالخالق صاحب سجادہ نشین جہان خیل شریف نے مرزا صاحب اوران کی بیہودہ کارروائی کی نسبت چند ریمارکس دیئے۔

۶۔ پھر ایک نابینا حافظ صاحب نے جو اپنے آپ کو ظریف متخلص کرتے تھے کہ ایک ظریفانہ

نظم پڑھی جس کی نسبت حضرت ابوسعد محمد عبدالخالق صاحب موصوف نے کھڑے ہو کر فرمایا یہ ظریفانہ نظمیں پڑھنے کا موقعہ نہیں ہے بلکہ یہاں تو اقوال فیصل اہل الرائے علمائے کرام کے بکار ہیں۔

۷۔ اس کے بعد ابوالوفا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیوں کے غلط ثابت ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علمائے کرام کی ہتک اور ان کی شان سے بعید ہے۔

۸۔ مولانا حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب سجادہ نشین نے عقائد مرزا صاحب کے متعلق تردیداً اور کچھ جناب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کی نسبت تائیداً نہایت عمدگی سے بیان فرمایا۔

۹۔ ازاں بعد جناب مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی پروفیسر اورنٹیل کالج و پریذیڈنٹ انجمن حمایت اسلام لاہور نے چند آیات قرآن کریم و احادیث نبویہؐ نیز دلائل عقلیہ سے مرزا کے عقائد کی سخت تردید فرمائی۔

۱۰۔ اس کے بعد مولوی احمد دین صاحب ساکن موضع بادشاں ضلع جہلم نے مرزائی خیالات کی تردید میں ایک موثر وعظ فرمایا۔

۱۱۔ اور اخیر میں حضرت پیر صاحب نے دعائے خیر کی اور تمام حاضرین نے آمین کے نعرے بلند کیے۔

نوٹ: مولانا مولوی مفتی محمد عبداللہ صاحب و مولانا مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی جنہوں نے نمبر ۲ پر جلسہ ہذا میں وعظ فرمایا ہے۔ اس مباحثہ کے واسطے حسب تجویز مرزا قادیانی و منظوری پیر صاحب منصف قرار پا چکے ہوئے تھے۔ تیسرے صاحب ابوسعید مولوی محمد حسین صاحب شملہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ شریک جلسہ نہ ہو سکے ورنہ وہ بھی ضرور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔

نتیجہ یا فیصلہ جلسہ ہذا:

بہ لحاظ جملہ حالات مرزا و حسب روئیداد مندرجہ بالا جملہ علمائے کرام و مشائخ عالی مقام و روسائے عظام و حاضرین جلسہ اہل اسلام کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ:

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو تحقیق حق منظور نہیں اور وہ خواہ مخواہ بزرگان دین اور معززین اسلام کو اپنی شہرت کے واسطے مخاطب کر کے دیگر اشخاص کے مصارف سے اپنی شہرت و مشہوری کرانا چاہتا ہے اور یہی اس کا مقصود ہے۔

۲۔ اس موقعہ پر اس نے حضرت پیر صاحب کو مع دیگر علماء کے خود بخود دعوت مباحثہ دے کر تکلیف دی اور وقت پر مقابلہ میں آنے سے عمداً گریز کر کے اپنی لاف زنی سے ناحق صدہا بزرگان دین و معززین اہل اسلام کا وقت ضائع کیا بلکہ کئی ایک طرح کے حرج اور ہزاروں روپے کے مالی نقصان کا انہیں متحمل کیا۔

۳۔ اس کے عقائد بالکل خلاف قرآن کریم و سنت رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرامؓ کے ہیں۔

۴۔ اس کے دعوے بالکل غلط و بے بنیاد اور لغو ہیں۔

۵۔ وہ آنحضرت ﷺ کا مخالف اور خود رسالت کا دعوے دار ہے۔ وہ اپنے اشتہار معیار الاخیار میں یوں لکھتا ہے:

قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا .

(ترجمہ) اے غلام احمد تو تمام لوگوں کو کہہ دے کہ میں تمہارے لیے رسول اللہ ہوں۔

۶۔ وہ قرآن مجید کی آیتوں کو اپنے اوپر نازل ہونا تحریر کرتا ہے اور قادیان کو بیت اللہ سے نسبت دیتا ہے اور مسجد قادیان کو مسجد اقصیٰ کہتا ہے اور معراج آنحضرت ﷺ سے منکر ہے۔

۷۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کی سخت توہین کرتا ہے۔

۸۔ وہ بزرگان دین کے حق میں بہت بے جا وہتک آمیز تحریریں شائع کر کے ان کی دلشکنی کر رہا ہے۔

۹۔ وہ اپنے من گھڑت الہاموں اور فضول دعووں سے ناحق دنیا کو دھوکہ دے رہا ہے۔

۱۰۔ اس کے اور اس کے حواریوں کی تحریریں سخت بدتہذیب اور ناجائز الفاظ سے لبریز ہوتی ہیں۔

۱۱۔ اس کی عام اسلامی مخالفت اور دینی عقائد سے اختلاف کے باعث علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے چکے ہوتے ہیں۔

پس بہ لحاظ وجوہات مذکورہ بالا جملہ حاضرین جلسہ کی اتفاق رائے سے یہ قرار پایا ہے کہ یہ شخص مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا اور شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکانداری چلانا چاہتا ہے اور اس نے ہمیشہ بے اصول بحث اور متناقض دعاوی سے چالبازی اور حیلہ جوئی کو اپنا شعار بنالیا ہے اور شرفا کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری وعامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے اور مذہبی مباحثات میں جو آزادی ہماری عادل گورنمنٹ نے دے رکھی ہے اس کو بے جا طور پر استعمال کر کے ہندوستان کے مختلف فرقوں میں فساد اور عناد بڑھانا چاہتا ہے۔ اس لیے آئندہ کوئی اہل اسلام مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی کیسی تحریر کی پرداہ نہ کریں اور نہ ان سے مخاطب ہوں اور نہ ہی انہیں کچھ جواب دیں کیونکہ اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔

اس دستاویز پر تمام مکاتب فکر کے ۵۹ علماء ومشائخ اور ۲۱ عمائدین کے دستخط ہیں۔ جس کے اسمائے گرامی مہر منیر کے ص ۲۲۸، ۲۲۹ پر ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

مرزا قادیانی کی ایک اور تاویل:

پہلے مرزا صاحب کا ایک بہانہ باحوالہ نقل کیا جاچکا ہے کہ پیر صاحب مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اب دوسرا بہانہ ملاحظہ فرمائیں۔

''لاہور میں ایک قابل شرم کارروائی پیر مہر علی شاہ صاحب سے ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے بذریعہ ایک پرفریب حیلہ جوئی اس مقابلہ سے انکار کردیا کہ جس کو وہ پہلے قبول کر چکے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب میری طرف سے متواتر دنیا میں اشتہارات شائع ہوئے کہ خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے کہ میں فصیح وبلیغ عربی میں میں قرآن مجید کی کسی سورۃ کی تفسیر لکھ سکتا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل اور بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ وہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکے گا

اور اس کے مقابلے کے لیے پیر جی موصوف کو بھی بلوایا گیا تا کہ وہ اگر حق پر ہیں تو ایسی تفسیر بالمقابل بیٹھ کر لکھنے سے اپنی کرامت دکھلائیں یا ہمارے دعویٰ کو قبول کریں تو اول تو پیر جی نے دور بیٹھے یہ لاف ماردی کہ اس نشان کا مقابلہ میں کروں گا لیکن بعد اس کے ان کو میری نسبت بکثرت روائتیں پہنچ گئیں کہ اس شخص کی قلم عربی نویسی میں دریا کی طرح چل رہی ہے اور پنجاب و ہندوستان کے تمام مولوی ڈر کر مقابلہ سے کنارہ کش ہو گئے ہیں تب اس وقت پیر جی کو سوجھی کہ ہم بے موقع پھنس گئے۔ آخر حسب مثل مشہور مرتا کیا نہ کرتا۔ انکار کے لیے یہ منصوبہ تراشا کہ ایک اشتہار شائع کر دیا کہ ہم بالمقابل بیٹھ کر تفسیر لکھنے کے لیے تیار تو ہیں مگر ہماری طرف سے یہ شرط ضروری ہے کہ تفسیر لکھنے سے پہلے عقائد میں بحث ہو جائے کہ کس کے عقائد صحیح اور مسلم اور مدلل ہیں اور مولوی محمد حسین بٹالوی کو جو نزول مسیح میں انہیں کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس تصفیہ کے لیے منصف مقرر کیے جائیں پھر اگر مولوی صاحب موصوف یہ کہہ دیں کہ پیر جی کے عقائد صحیح ہیں اور مسیح ابن مریم کے متعلق جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے وہی ٹھیک ہے تو فی الفور ہی جلسہ میں راقم ان کی بیعت کرے اور ان کے خادموں اور مریدوں میں داخل ہو جائے اور پھر تفسیر نویسی میں بھی مقابلہ ہو جائے۔ یہ اشتہار ایسا نہ تھا کہ اس کا مکر و فریب لوگوں پر کھل نہ سکے۔ آخر عقلمند لوگوں نے تاڑ لیا کہ اس شخص نے ایک قابل شرم منصوبہ کے ذریعے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا اس کے بعد بہت سے لوگوں نے میری بیعت کی اور خود ان کے بعض مرید بھی ان سے بیزار ہو کر بیعت میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کی تعداد پہنچ گئی اور مولویوں اور پیرزادوں اور گدی نشینوں کی حقیقت لوگوں پر کھل گئی کہ وہ ایسی کارروائیوں سے حق کو ٹالنا چاہتے ہیں۔

(نزول المسیح حاشیہ ص ۵۳'۵۴' روحانی خزائن ۴۳۱'۴۳۲ جلد ۱۸)

قادیانی تاویلوں کا تجزیہ:

مرزا قادیانی کی ان تاویلوں کا پروفیسر خالد شبیر احمد نے خوبصورت تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اس تحریر سے بعض باتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اول تو یہ احساس ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا

تمام علماء اور صوفیاء اسلام کو عربی میں تفسیر نویسی میں چیلنج دینا ایک ایسا اقدام تھا جس کا اشارہ مرزا صاحب کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے ہوا تھا تا کہ لوگوں پر مرزا صاحب کی حقانیت واضح ہو سکے۔

دوسرے اس خدائی اشارہ کی وجہ سے مرزا صاحب کا حوصلہ بہت بلند تھا اور واقعی وہ یہ سمجھتے تھے کہ پورے ہندوستان کے علماء مل کر بھی عربی میں تفسیر نویسی میں ان سے بازی نہ لے جا سکیں گے۔

لیکن ان تمام خدائی اشارات کے باوجود انہیں اس بات کا حوصلہ ہرگز نہ تھا کہ وہ حیات و وفات مسیح یا کذب وصداقت غلام احمد کے موضوع پر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ گفتگو کریں۔ ایسی گفتگو کی راہ میں مرزا صاحب کے مطابق سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ حکم حضرات پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہیں یعنی عربی تفسیر کے مقابلہ میں انہیں منصفین پر پورا بھروسہ ہے اور وہ پیر صاحب کے ہم عقیدہ ہونے کے باوجود قابل اعتماد ہیں لیکن تحریری مقابلے سے پہلے اگر تقریری مقابلے میں انہیں اپنے دعویٰ کے حق میں ولائل پیش کرنے پڑیں تو پھر وہی لوگ نا قابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ بات درست بھی ہو تو مرزا صاحب کو منصفین کے تبدیل کرنے کے بارے میں کہنا چاہیے تھا نہ کہ سرے سے مباحثہ سے ہی انکاری ہو جاتے۔

(تاریخ محاسبہ قادیانیت جلد نمبر ا ص ۱۹۷)

اصل مسئلہ:

مرزا قادیانی کے فرار کا پس منظر یہ تھا کہ وہ جس طرح قرآن' حدیث سے نابلد تھے اسی طرح عربی زبان لکھنے' بولنے کی صلاحیت بھی نہ رکھتے تھے' عربی دانی کے تمام تر دعویٰ کرنے کے باوجود وہ اپنے مبلغ علم کو جانتے تھے۔ ایک تفسیر اور وہ بھی عربی زبان میں۔ مرزا صاحب کے لیے ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا والا معاملہ تھا۔ اگر وہ فی البدیہہ تفسیر لکھنے کے لیے میدان میں تے تو سارا بھرم کھل جاتا۔ اس لیے انہوں نے عذر بہانے کر کے اپنی عزت بچانے کی کوشش کی جو کہ بہر حال نہ بچ سکی۔ مرزا صاحب کی عربی دانی پر متعدد علماء کرام نے تحقیقات کی ہیں نمونہ کے طور پر ائمہ تلبیس جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔

الجیٹھ بالجیٹھ:

۱۹۰۴ء میں ختم ہونے والے قادیانی مقدمات کے بعد ۱۹۰۷ء میں پھر ایک مرتبہ قادیانیت کی طرف سے حضرت کے متعلق ایک کارروائی کا پتہ چلتا ہے شاید اس سال مرزا صاحب نے پھر کوئی زبانی یا تحریری پیشین گوئی داغی ہوگی جسے سنکر یا پڑھ کر نواب محمد حیات قریشی سکہ ضلع سرگودھا کے والد بزرگوار میاں محمد قریشی جو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کے پیر بھائی اور محب صادق تھے' پریشانی کے عالم میں گولڑہ شریف پہنچے اور عرض کی کہ مرزا قادیانی کہتا ہے۔ اس آنے والے جیٹھ کے مہینہ میں پیر صاحب گولڑہ کا انتقال ہو جائے گا۔ لہذا آپ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام رکھیں مبادا کوئی حملہ کر دے۔ حضرت نے انہیں تسلی دے کر فرمایا کہ میاں محمد موت تو برحق ہے اور اس سے مفر نہیں مگر تسلی رکھو انشاء اللہ اس جیٹھ میں تو میں نہیں مرتا۔ جب اگلے جیٹھ کا مہینہ آیا تو مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اس سال جب سیال شریف کے عرس پر ملاقات ہوئی تو حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے میاں صاحب سے فرمایا: **الجیٹھ بالجیٹھ** یعنی جیٹھ جیٹھ سے بدل گیا۔

قادیانیت کے خلاف حضرت کا معرکہ آپ کی اسلامی خدمات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کا چرچا برصغیر ہند سے نکل کر دیگر اسلامی ممالک تک بھی پہنچا۔ اس وقت سے تمام مسلمان مورخ اور محقق اپنی کتابوں اور تحریروں میں تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم گولڑی قدس سرہ کی علمی اور روحانی قیادت اس تحریک کی شکست میں ایک کارگر ثابت ہوئی۔ اس سلسلہ میں جناب ابوالقاسم رفیق دلاوری جو ایک مشہور نقاد اور محقق ہیں کی تصنیف ائمہ تلبیس قابل ذکر ہے۔

پیر صاحب کو تفسیر نویسی کا ایک اور چیلنج:

بادشاہی مسجد لاہور میں آنے سے انکار کرنے کے بعد مرزا صاحب کی جو ذلت و رسوائی ہوئی تھی۔ اس پر پردہ ڈالنے کے لیے مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو عربی میں سورت فاتحہ کی تفسیر لکھنے کا چیلنج کیا اور اس تصنیف و طباعت کے لیے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء سے ۲۵ فروری ۱۹۰۱ء تک ستر دنوں کی میعاد مقرر کی۔

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص ۳۷۰' ۳۷۳' ۳۷۴)

مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

حضرتؒ کی ذات گرامی پر اس نئی مبارز طلبی کا ردِعمل:

حضرت قبلہ عالم اقدس سرہ کی ذات گرمی پر اس نئے چیلنج کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا۔ آپ کی ذات مقدس کا اولیائے کبار کی اس برگزیدہ جماعت سے تعلق تھا جنہیں دائمی مشاہدہ ذات کے باعث اس شغل میں معمولی سا خلل حتیٰ کہ حکمی درس و تدریس کی طرف توجہ بھی گراں گزرتی ہے۔ ....ایسی صورت میں بھلا ان ذاتی تعلیوں کو جن سے نہ دین کا فائدہ متصور تھا نہ دنیا کا آپ اپنے اوقات شریفہ میں خلل انداز ہونے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ ''سیف چشتیائی'' میں مرزا صاحب کے ایک اشتہار کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''مجھ کو اپنے اوقات'' عزیز کی تضیع پر جو ایسے جاہلانہ اشتہارات کی تردید میں ہو رہی ہے۔ نہایت رنج و افسوس ہوتا ہے مگر کیا کروں بعض احباب نے مجبور کر رکھا ہے۔''

حضرت بابو جی قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت دیوان سید محمد پاک پتن شریف کے اصرار پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا لیکن پھر یہ کہہ کر دیوان صاحب سے معذرت خواہ ہوئے کہ میرے خیال تفسیر نویسی پر میرے قلب پر معانی و مضامین کی اس قدر بارش شروع ہوگئی ہے جسے ضبط تحریر میں لانے کے لیے ایک عمر درکار ہوگی اور کوئی اور کام نہ ہو سکے گا۔

''سیف چشتیائی'':

چنانچہ مرزا صاحب نے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کے ستر دن بعد ''اعجاز المسیح'' کے نام سے سورہ فاتحہ کی تفسیر شائع کی جب یہ تفسیر عربی دان طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچی تو مرزا صاحب کے تفسیری کمالات سب کے سامنے آگئے اور عربی دانی و عربی نویسی کے بلند بانگ دعاوی کی اصلیت سب پر روشن ہو گئی۔ اس تفسیر کی زبان محاورہ سے محروم، لغوی اور نحوی اغلاط سے مملو اور مسروقہ عبارات سے پر تھی۔ **"فی سبعین یوماً من شهر الصيام"** پر تو طلبا نے بھی آوازے کسے کہ قادیان کا رمضان شریف ستر دنوں کا ہوتا ہے۔ حسب معمول یہ تفسیری کارنامہ بھی محض مفسر کی اپنی ذات کے اشتہار

تک ہی محدود تھا۔ علمی انکشاف اور عرفانی اسرار کے نادر نمونہ جات اگر کوئی تھے تو یہ کہ "یوم الدین" مسیح موعود کے زمانہ کا نام ہے اور "الحمد لله" سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے جو وله الحمد في الاولى والاخره فرمایا ہے تو اس سے دو احمد مراد ہیں۔ احمد اول حضور نبی کریم ﷺ اور احمد آخر مرزا غلام احمد قادیانی۔ حالانکہ مرزا صاحب کی اپنی امت یہ کہہ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی احمد نہیں تھا۔

(مہر منیر ص ۲۴۵)

مولانا ثناء اللہ امرتسری کی فاتحانہ سرگرمیاں

مولانا ثناء اللہ امرتسری ترک تقلید کا نظریہ رکھنے کے باوجود دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے رہے ہیں۔ آپ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے شاگرد تھے۔ آپ کا شمار مسلک اہل حدیث کے ممتاز رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے مناظر اور قادیانی لٹریچر کے حافظ تھے۔ آپ نے مرزا قادیانی کو لوہے کے چنے چبوائے۔ مولانا صفی الرحمٰن اعظمی نے ردّ قادیانیت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات کا اس طرح تذکرہ کیا ہے.

مرزا صاحب سے مولانا امرتسری کی ابتدائی ملاقات

مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں.(براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے متعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک، اور براہین سے بعد، براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا، چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔ ان دنوں مرزا صاحب ایک معمولی مصنف تھے۔ مگر باوجود شوق اور محبت کے میں نے جو وہاں دیکھا مجھے خوب یاد ہے کہ میرے دل میں جو ان کی بابت خیالات تھے وہ پہلی ملاقات میں مبدل ہو گئے جس کی صورت یہ ہوئی کہ میں ان کے مکان پر دھوپ میں بیٹھا تھا۔ وہ آتے ہی بغیر اس کے کہ السلام علیکم کہیں، یہ کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام کرتے ہیں؟ میں ایک طالب علم علماء کا صحبت یافتہ تھا فوراً میرے دل میں آیا

کہ انہوں نے مسنون طریقہ کی پرواہ نہیں کی، کیا وجہ ہے؟ مگر چونکہ حسن ظن غالب تھا۔ اس لیے یہ وسوسہ دب کر رہ گیا (تاریخ مرزا طبع ششم صفحہ 49)

نوٹ: بٹالہ سے قادیان کا فاصلہ گیارہ میل ہے۔

مرزا صاحب کے دعوائے مسیحیت پر مولانا امرتسری کا ردعمل

یہ تو اس وقت کی بات ہوئی جب مولانا محض ایک طالب علم اور مرزا صاحب محض ایک مبلغ اسلام تھے لیکن جب مرزا صاحب دعوائے مسیحیت کے ساتھ جلوہ طراز ہو گئے تو اس پر مولانا کے جو کچھ تاثرات تھے انہیں مولانا ہی کے الفاظ میں سنیے، فرماتے ہیں:

"مرزا غلام احمد قادیانی نے جب سے دعوی مسیحیت موعودہ کیا ہے فقیر (مولانا امرتسریؒ) ان کے دعاوی کی نسبت بڑے غور و فکر سے تامل کرتا رہا، اور ان کیلکھیں ہوا خواہوں کی تحریریں جہاں تک دستیاب ہوئیں عموماً دیکھیں، استخارات سے کام لیا، مباحثات و مناظرات کیے۔

ایک دفعہ کا واقعہ خاص قابل ذکر ہے کہ حکیم نور الدین صاحب سے بمقام امرتسر رات کے وقت تخلیہ میں کئی گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ بحث و مباحثہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا آپ حسب تحریر مرزا صاحب مندرجہ رسالہ نشان آسمانی استخارہ کیجیے۔ خدا کو جو منظور ہوگا۔ آپ پر کھل جائیگا۔

ہر چند میں ایسے استخاروں اور خوابوں پر، بمقابلہ نصوص شرعیہ کے اعتماد اور اعتبار کرنا ضمناً دعوی عصمت یا مساوات معصوم بلکہ برتری کے برابر جانتا تھا، تاہم ایک محقق کے لیے کسی جائز طریق فیصلہ پر عمل نہ کرنا جیسا کچھ شاق ہوتا ہے مجھے بھی ناگوار تھا کہ میں حسب تحریر مرزا جی ان کی نسبت استخارہ نہ کروں، چنانچہ میں نے پندرہ روز حسب تحریر نشان آسمانی، مصنفہ مرزا جی استخارہ کیا۔ اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے صفائی میں کوئی کسر نہ رکھی۔ بالکل رنج اور کدورت کو الگ کر کے نہایت تضرع کے ساتھ جناب باری میں دعائیں کیں بلکہ جتنے دنوں تک استخارہ کرتا رہا اتنے دنوں تک مرزا جی کے بارے میں مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی سے مباحثہ یا مناظرہ بھی کیا ہو۔ آخر چودھویں رات میں نے مرزا جی کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک تنگ مکان میں سفید

فرش پر بیٹھے ہیں ۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ آپ کی مسیحیت کے دلائل کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم دوز ینے چھوڑ جاتے ہو۔ پہلے حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ، دوئم عدم رجوع کا مسئلہ طے ہونا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان دونوں کو طے شدہ ہی سمجھیے ۔ میری غرض یہ ہے کہ اس پیشگوئی کے الفاظ میں جتنے لفظوں کی حقیقت محال ہے ان کو چھوڑ کر حسب قاعدہ علمیہ باقی الفاظ میں مہماامکن مجاز کیوں مراد ہے یعنی اگر بجائے مسیح کے مثیل مسیح بھی آئے تو ان مقامات پر جہاں کا ذکر احادیث صحیحہ میں آیا ہے کیوں نہ آئے کیونکہ ان مقامات پر مسیح یا مسیح کا آنا محال نہیں، اس کا جواب مرزا صاحب نے ابھی دیا ہی نہ تھا کہ دو آدمی اور آ گئے ۔ ان کی آؤ بھگت میں ہم دونوں ایک دوسرے کی مواجہت سے ذرا الگ ہوئے تو مرزا جی کو دیکھتا ہوں کہ لکھنؤ کے شہیدوں کی طرح سکڑا سا چہرہ اور داڑھی بالکل رگڑ کر کتری ہوئی ہے، سخت حیرانی ہوئی ۔ اسی حیرانی میں بیدار ہو گیا۔ جس کی تعبیر میرے ذہن میں آئی کہ مرزا کا انجام اچھا نہیں ۔

(الہامات مرزا طبع ثالث ص ۴، ۵، ۶.)

ردقادیانیت کا آغاز وارتقاء

اس اقتباس سے ایک طرف یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا امرتسریؒ نے شرعی دلائل و شواہد کی روشنی میں بھی اور خود مرزا صاحب کے بتلائے ہوئے طریقہ تحقیق کے مطابق بھی ان کے دعاوی کو خوب خوب جانچا، لیکن انہیں ہر معیار پر کھوٹا، غلط اور پرفریب پایا.

دوسری طرف اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولانا نے اس مذکورہ استخارے سے پہلے بھی مرزا صاحب کے دعوے کی بابت بحث ومباحثہ کا سلسلہ خاصی گرمجوشی کیساتھ جاری کر رکھا تھا اور اس استخارے کے بعد بھی متعدد قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ استخارہ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۴ء کے درمیان کسی وقت کیا گیا تھا، اس لیے سمجھنا چاہیے کہ مولانا نے تعلیم سے فارغ ہو کر واپس آتے ہی مرزا صاحب کی تردید کا محاذ سنبھال لیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنے اس ابتدائی دور میں جو اقدامات کیے اور جن مواقع پر کیے سخت افسوس ہے کہ ہماری دانست کی حد تک اب ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے تاہم ان کی اہمیت کا اندازہ اس طرز تخاطب سے لگایا جا سکتا ہے جو مرزا صاحب نے مولانا مرتسریؒ کے بالمقابل اختیار کیا تھا.

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں انجام آتھم لکھی اس میں اپنے مکذبین پر بری طرح برسے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

''اے بدذات فرقہ مولویاں! تم کب تک حق کو چھپاؤ گے؟ کب وہ وقت آئیگا کہ تم یہودیانہ خصلت چھوڑ دو گے؟ اے ظالم مولویو! تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیاوہی عوام کالانعام کو پلایا جائے گا''

اسی سلسلہ میں آگے چل کر مرزا صاحب نے اپنے اشد اور نامی مخالفین میں مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا احمد اللہ امرتسری کے پہلو بہ پہلو مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کا نام بھی لکھا۔ اور ان تینوں کی بابت ارشاد فرمایا ہے کہ:

''کہ یہ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح جھوٹ کا مردار کھاتے ہیں'' (ضمیمہ ص ۲۵)

اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ کے حاشیہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ہی مرزائیت کی تردید میں مولانا امرتسری کی سرگرمیاں اس مقام کو پہنچ چکی تھیں کہ مرزا صاحب اور مولانا امرتسری کے درمیان مباہلہ کے لیے سلسلہ جنبانی اور خط و کتابت کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر اس کتاب کے ضمیمہ ص ۲۰ میں بھی مرزا صاحب نے مولانا امرتسری اور دیگر علماء کو دعوت مباہلہ دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب یہ علماء مباہلہ کے لیے مد مقابل آئے تو مرزا صاحب صاف مکر گئے۔

انجام آتھم کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تک مرجانا چاہیے تھا لیکن وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود زندہ رہا۔ اس پر علمائے کرام اور عامتہ المسلمین نے مرزاجی کی وہ درگت بنائی کہ منہ دکھانا مشکل ہو گیا لیکن تقریباً مزید دو سال بعد ۲۷؍جولائی ۱۸۹۴ء یا اس سے پہلے ہی وہ قادیانیت میں اتنی پیش رفت کر چکے تھے کہ ان کا نام صف اول کے مجاہدین کے پہلو بہ پہلو آنا شروع ہو گیا تھا.

پھر ۲۵؍مئی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ''معیار الاخیار'' کے نام سے ایک اشتہارات شائع کیا۔ اور اس میں کبار علماء کو مباحثہ کی دعوت دی۔ اس اشتہار کے مدعوئین میں بھی مولانا امرتسری کا نام موجود ہے۔ اور اس اشتہار کے جواب میں جو لوگ مباحثہ کے لیے اٹھے ان میں بھی مولانا امرتسری پیش پیش تھے۔ اسی طرح ۲۰؍جولائی ۱۹۰۰ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار کے ذریعہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف اور مولانا امرتسری کو دعوت دی کہ:

''میرے مقابل سات گھنٹہ زانو بزانو بیٹھ کر چالیس آیات قرآنی کی عربی تفسیر لکھیں۔ جو بتقطیع کلاں بیس ورق سے کم نہ ہو۔ پھر جس کی تفسیر عمدہ ہوگی وہ مئوید من اللہ سمجھا جائے گا'' (تاریخ مرزا ص ۵۷.)

اس مقالہ تفسیر نویسی کی روداد نہایت دلچسپ ہے۔ لاہور میں مقررہ مقام پر مولانا امرتسری اور دیگر علماء تشریف لائے۔ لیکن مرزا صاحب قادیان میں گھر کے اندر ہی دبک کر بیٹھ رہے اور وہیں سے علماء اسلام کے فرار کا اشتہار شائع کردیا.

ان چند متفرق واقعات سے مولانا امرتسری کی اس ٹھوس جدوجہد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے ردّ قادیانیت کے سلسلے میں اس فتنے کے نمود وظہور کے ابتدائی ایام ہی سے اختیار کر رکھی تھی افسوس ہے کہ اس دور کی سرگرمیوں کی تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں.

نوٹ: یہاں سے مناظرہ مد کی تفصیلات حذف کی جاتی ہیں ایک دوسرے باب میں نقل کی جائیں گی۔ (مئولف)

مولانا امرتسری قادیان میں

(جنوری ۱۹۰۳ء)

مرزا صاحب کے جس قصیدے کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے وہ موضع مد میں قادیانیوں کی شکست فاش کی یادگار تو تھا ہی، مرزا صاحب کی آئندہ کچھ شکستوں۔ ذلتوں اور رسوائیوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا اور خود مرزا جی کی حکمت عملی کی وجہ سے ہوا۔ ہوا یہ کہ مرزا جی نے جب یہ قصیدہ تیار کیا تو شکست کا داغ دھلنے کے لیے اسے معجزہ قرار دے دیا اور اس کا نام قصیدہ اعجازیہ رکھا۔ پھر مزید کچھ دعوے اور تحدیات لکھ کر اعجاز احمدی کے نام سے اسے کتابی شکل میں شائع کردیا۔ اور اس کتاب'' اعجاز احمدی'' کے ص ۸۸ پر اس مضمون کا اشتہار دیا کہ ''اگر مولوی ثناء اللہ امرتسری اتنی ہی ضخامت کا رسالہ اردو عربی نظم جیسا میں نے بنایا ہے پانچ روز میں بنادے تو میں دس ہزار روپیہ اس کو انعام دوں گا'' اس کے جواب میں مولانا نے کچھ کاروائی کی وہ ان ہی کی زبانی سنیے! لکھتے ہیں:

''میں نے ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار دیا، جس کا خلاصہ ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء کے پیسہ اخبار لاہور میں چھپا تھا کہ آپ (مرزا جی) پہلے ایک مجلس میں اس قصیدہ اعجازیہ کو ان

غلطیوں سے جو میں پیش کردوں صاف کردیں تو پھر میں آپ سے زانوں بزانوں بیٹھ کر ان غلطیوں سے جو میں پیش کروں صاف کردیں تو پھر میں آپ سے زانو دوزانو بیٹھ کر عربی نویسی کروں گا۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ گھر سے تمام زور لگا کر ایک مضمون اچھی خاصی مدت میں لکھیں اور مخاطب کو جسے آپ کی مہلت کو کوئی علم نہیں محدود وقت کا پابند کریں اگر واقعی آپ خدا کی طرف سے ہیں اور جدھر آپ کا منہ ہے ادھر خدا کا منہ ہے (جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے) تو کوئی وجہ نہیں کہ اب میدان میں طبع آزمائی نہ کریں ۔ بلکہ بقول حکیم سلطان محمود ساکن راولپنڈی

بنائی آڑ کیوں دیوار گھر کی
نکل دیکھیں تیری ہم شعر خوانی

حرم سراہی سے گولہ باری کریں۔☆ (الہامات مرزا۹۶)

مرزا جی اور ان کی امت کے اعصاب پر مولانا امرتسریؒ کی ہیبت اس طرح سوار تھی کہ کسی کو اس چیلنج کے جواب میں میدان کے اندر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بلکہ شیر پنجاب کی یہ گرج سن کر قادیان کے کوچہ و بازار اور درودیوار پر سناٹا چھا گیا.

مولانا نے اپنے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر آپ کی مجلس میں اغلاط نہ سنیں گے تو میں اپنے رسالہ میں ان کا ذکر کروں گا۔ چنانچہ مولانا نے ’’الہامات مرزا‘‘ کی اگلی اشاعتوں میں دکھلایا ہے کہ یہ قصیدہ جسے مرزا جی معجزہ قرار دے رہے ہیں اس کے کم از کم پچاس اشعار فصاحت و بلاغت تو درکنار صحت کے درجہ سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ اور شدید ترین فنی عیوب اور قباحتوں کا مرقع ہیں۔ باقی عربی زبان وادب کا معاملہ تو اس لحاظ سے تو پورا کا پورا قصہ ہی لچر پوچ ہے.

خیر اس طرح کی ضربیں تو مرزا صاحب سہنے کے عادی تھے لیکن اسی سلسلہ میں جو دوسرا واقعہ پیش آیا وہ خاصا اہم اور مؤثر تھا۔ اور اس نے مرزا صاحب کے اعجاز والہام کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسی اعجاز احمدی میں ص ۱۱ پر مرزا صاحب نے فرط جوش میں لکھ مارا:

’’اگر یہ (مولوی ثناءاللہ) سچے ہیں تو قادیان میں آکر کسی پیشگوئی کو جھوٹی ثابت کریں۔ اور یہ ایک پیشگوئی کے لیے ایک سو روپیہ انعام دیا جائے گا اور آمدرفت کا کرایہ علیحدہ‘‘

پھر ص ۲۳ پر لکھا:

''مولوی ثناء اللہ نے (مباحثہ مد میں) کہا تھا کہ سب پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں اس لیے ہم (مرزا) ان کو مدعو کرتے ہیں۔ اور خدا کی قسم دیتے ہیں کہ وہ اس تحقیق کے لیے قادیان میں آئیں۔ یادرہے کہ رسالہ نزول المسیح میں ڈیڑھ سو پیشگوئی میں نے لکھی ہے۔ تو گویا جھوٹ ہونے کی حالت میں پندرہ ہزار روپیہ مولوی ثناء اللہ صاحب لے جائیں گے۔ اور در بدر کی گدائی کرنے سے نجات ہوگی بلکہ ہم اور پیشگوئیاں بھی معہ ثبوت ان کے سامنے پیش کر دیں گے اور اسی وعدہ کے موافق فی پیشگوئی سو روپیہ دیے جاویں گے اس وقت ایک لاکھ سے زیادہ میری جماعت ہے پس اگر میں مولوی صاحب موصوف کے لیے ایک ایک روپیہ بھی اپنے مریدوں سے لوں گا تب بھی ایک لاکھ روپیہ ہو جائے گا وہ سب ان کی نذر ہوگا جس حالت میں دو دو آنہ سکے لیے وہ در بدر خراب ہوتے پھرتے ہیں۔ اور خدا کا قہر نازل ہے اور مردوں کے کفن اور وعظ کے پیسوں پر گذارہ ہے ایک لاکھ روپیہ حاصل ہو جانا ان کے لیے ایک بہشت ہے لیکن اگر میرے اس بیان کی طرف توجہ نہ کریں اور اس تحقیق کے لیے پابندی شرائط مذکورہ جس میں بشرط تصدیق ورنہ تکذیب دونوں شرط ہیں قادیاں میں نہ آئیں تو لعنت ہے اس لاف وگزاف پر جو انہوں نے موضع مد میں مباحثہ کے وقت کی اور سخت بے حیائی سے جھوٹ بولا...... وہ انسان کتوں سے بدتر ہے جو بلا وجہ بھونکتا ہے، اور وہ زندگی لعنتی ہے جو بے شرمی سے گزرتی ہے۔''

ان ''ارشاد عالیہ'' اور ''کلمات طیبہ'' سے مرزا صاحب کے اپنے دل کی بھڑاس تو نکل سکتی تھی لیکن ان کے مریدوں کے پائے ثبات میں جو لغزش آ چکی تھی اسے پختگی سے بدلنے کے لیے ناگریز تھا کہ وہ کوئی روحانی حربہ بھی استعمال کریں۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اسی اعجاز احمدی میں ص ۳۷ پر اس چیلنج کے سلسلہ میں مولانا امرتسریؒ کے متعلق تین پیشنگوئیاں بھی داغ دیں۔ ارشاد ہوا کہ:

''واضح رہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہوں گے

(۱) وہ قادیان میں تمام پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے میرے پاس ہرگز نہیں آئیں گے اور سچی پیشگوئیوں کی اپنے قلم سے تصدیق کرنا ان کے لے موت ہوگی.

(۲) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صبح صادق سے پہلے مرجائے تو وہ ضرور پہلے مریں گے.

(۳) اور سب سے پہلے اس اردو مضمون اور عربی قصیدہ کے مقابلہ سے عاجز رہ کر جلد تر ان کی روسیاہی ثابت ہوگی.''

اب ان تینوں پیشگوئیوں کا حشر سنئے! نمبر سوم کے سلسے میں مولانا نے جو چیلنج دیا اس سے مرزا جی اور ان کی پوری امت عاجز رہ کر روسیاہ ہوئی۔ تفصیل ابھی گذر چکی ہے.

نمبر دوم کا جواب مولانا کی طرف سے اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ **وما تدری نفس ماذا تکسب غدا ، وما تدری نفس بای ارض تموت**۔ کسی متنفس کو معلوم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا اور کون سی سرزمین میں مرے گا لیکن قدرت نے چند برس بعد خود اس کا جواب فراہم کر دیا۔ مرزا جی اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب، صادق سے پہلے مرجائے۔ اور اس کے بعد مرزا جی (کاذب) اس جہان بے ثبات سے بصد حسرت یاس گذر گئے۔ اور مولانا امرتسری ان کے بعد چالیس برس تک ان کی امت کی سرکوبی کے لیے زندہ رہے.

ہاں نمبر اول کا جواب بے شک مولانا کے بس میں تھا۔ یعنی قادیان پہونچنا۔ چنانچہ آپ رمضان شریف (جو شروع ہو چکا تھا) گذرتے ہی ۱۰ رجنوری ۱۹۰۳ء کو پیشگوئیوں کی پڑتال کے لیے بلائے بے درماں کی طرح قادیان جا دھمکے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف آپ کے قادیان پہنچ جانے ہی سے مرزا صاحب کی پیشگوئی نمبر ۱۔ باطل ہوگئی.

خیر اب سنیے کہ مولانا نے قادیان پہنچ کر کیا کاروائی کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

''۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء کو راقم نے قادیان میں پہنچ کر مرزا جی کو مندرجہ ذیل رقعہ لکھا جو یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

خاکسار آپ کی دعوت حسب مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱ و ص ۲۳ قادیان میں اس وقت حاضر ہے۔ جناب کی دعوت قبول کرنے میں آج تک رمضان شریف مانع رہا رہا ورنہ اتنا توقف نہ ہوتا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھاتا ہوں کہ مجھے جناب سے کوئی ذاتی خصومت اور عناد نہیں۔ چونکہ آپ (بقول خود) ایک ایسے عہدے جلیلہ پر ممتاز و مامور ہیں جو تمام بنی نوع کی ہدایت کے لیے عموماً اور مجھ جیسے مخلصوں کے لیے خصوصاً ہے اس لیے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری تفہیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے اور حسب وعدہ خود مجھے اجازت بخشیں گے کہ میں مجمع میں آپ کی پیشگوئیوں کو نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں میں مکرر آپ کو اپنے اخلاص اور صعوبت سفر کی طرف توجہ دلا کر اسی عہدہ جلیلہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور ہی موقع دیں

راقم ابوالوفا ثناء اللہ۔

۱۰؍جنوری ۱۹۰۳ء وقت ۳:۱۵ بجے دن

اس کا جواب مرزا جی کی طرف سے نہایت ہی شیریں اور مزیدار پہنچا جو مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط٥ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

ازطرف عائذ باللہ الصمد، غلام احمد، عافاہ اللہ اید،

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔

آپ کا رقعہ پہونچا اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو کہ اپنے شکوک و شبہات پیش گوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعوی سے تعلق رکھتے ہوں رفع کرا دیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگر چہ میں کئی سال ہو گئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثہ نہیں کروں گا، کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر چہ آپ نے اس رقعہ میں دعوی کر دیا ہے کہ میں طالب حق ہوں مگر مجھے تامل ہے

کہ اس دعویٰ پر آپ قائم نہ رہ سکیں گے کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ہر ایک بات کو کشاں کشاں بیہودہ اور لغو مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدائے تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا سودہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لیے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت ﷺ پر یا حضرت عیسیٰ پر یا حضرت موسیٰ پر یا حضرت یونس پر عائد نہ ہوتا ہو۔ اور حدیث اور قرآن کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری یہ شرط ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے ہرگز مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں، کہ میرا یہ اعتراض ہے پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائیگا۔ اعتراض کے لیے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری شرط یہ ہوگی یہ ایک دن میں صرف ایک ہی اعتراض کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے چوروں کی طرح آگئے۔ اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں خرچ کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ وعظ کی طرح لمبی شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا جیسے صُمّم بکم۔ یہ اس لیے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جائے اول صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ تین گھنٹہ تک میں اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جائے گا کہ ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنا دیں۔ ہم خود پڑھ لیں گے مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے میں باآواز بلند لوگوں کو سنا دوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا یہ جواب ہے۔ اسی طرح تمام وساوس دور کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ چاہو بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقع دیا جائے تو یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵/جنوری

۱۹۰۳ء کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے لیکن چودھویں جنوری ۱۹۰۳ء تک تین گھنٹہ تک آپ کے لیے خرچ کر سکتا ہوں اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیں تو یہ ایک ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے گا۔

سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ بذریعہ تحریر جو دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جائیں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسا صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسے دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ اس کو اپنے وساوس دور کرانے ہیں۔ اور کچھ غرض نہیں لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے ان کو تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔

بالآخر اس غرض کے لیے کہ اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں دو قسموں کا ذکر کرتا ہوں۔ اول چونکہ میں ''انجام آتھم'' میں خدا تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کو کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپکو یہ موقع دیا جائے گا کہ آپ

اول: ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر حد تین سطر تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور منہاج نبوت کے رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں۔ اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن اسی طرح دوسری لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا۔ اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ ایک کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جائیں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں

۔اب ہم دونوں میں سے ان دونوں قسموں سے جو شخص انحراف کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہے۔اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے آمین۔ سواب میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبوی کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں اور چاہیے کہ اول آپ اس عہد موکد بقسم کے آج ہی ایک اعتراض مجمع میں کیا جائیگا اور آپ کو بلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دیے جائیں گے"۔

مرزا غلام احمد بقلم خود مہر

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کا یہ کہنا تھا کہ میں نے انجام آتھم لکھنے کے زمانے میں بحث نہ کرنے کی قسم کھائی تھی یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ انجام آتھم ۱۸۹۶ء میں چھپی تھی اور مرزا صاحب نے اس کے بعد ۲۵ رمئی ۱۹۰۰ء کے اشتہار معیار الاخیار میں مباحثہ کی دعوت دی ہے۔

مولانا امرتسری لکھتے ہیں: کیسی صفائی اور ہوشیاری کے ساتھ بحث سے انکار کرتے ہیں حالانکہ تحقیق حق کے لے مجھے بلایا ہے جو بالکل بحث کے ہم معنی لفظ ہے۔(ملاحظہ ہو ص ۱۲۳ اعجاز احمدی) اور اب صاف منکر ہیں بلکہ مجھے ایسی خاموشی کا حکم دیتے ہین کہ صم بکم (بہرہ گونگا) ہو کر آپ کا لیکچر سنتا جاؤں یہ معلوم نہ ہو کہ بکم یعنی گونگا ہو کر تو میں سن ہی نہیں سکتا ہوں۔صم (بہرہ) ہو کہ کیا سنوں گا۔شاید یہ بھی معجزہ ہو۔خیر بہر حال اس کا جواب جو خاکسار کی طرف سے گیا ہو درج ذیل ہے۔

" الحمد لله و الصلوة على عباده الذين اصطفى. اما بعد.

اس خاکسار ثناء اللہ بخدمت مرزا غلام احمد صاحب۔

آپ کا طولانی رقعہ مجھے پہنچا۔مگر افسوس کہ جو کچھ تمام ملک کو گمان تھا وہی ظاہر ہوا ۔جناب والا! جبکہ میں آپ کی حسب دعوت مندرجہ اعجاز احمدی ص ۱۱۔۱۳۔ حاضر ہوا ہوں، اور صاف لفظوں میں رقعہ اولیٰ سے انہیں صفحوں کا حوالہ دے چکا ہوں تو پھر اتنی

طول کلام کی جو آپ نے کی ہے بجز العادة طبيعة ثانية کے اور کیا معنی رکھتی ہے.

جناب من! کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ اعجاز احمدی کے صفحات مذکورہ پر تو اس نیاز مند کو تحقیق کے لیے بلاتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ میں:

(خاکسار) آپ کی پیشگوئیوں کو جھوٹی ثابت کر دوں تو فی پیشگوئی مبلغ سو روپیہ انعام لوں .اور اس رقعہ میں آپ مجھ کو ایک دو سطر لکھنے کا پابند کرتے ہیں، اور اپنے لیے تین گھنٹہ تجویز کرتے ہیں۔ تلک اذا قسمة ضيزی

بھلا کیا یہ تحقیق کا طریقہ ہے۔ میں تو ایک دو سطریں لکھوں۔ اور آپ تین گھنٹے تک فرماتے چلے جائیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ آپ مجھے دعوت دے کر پچھتا رہے ہیں اور اپنی دعوت سے انکاری ہیں۔ اور تحقیق سے اعراض کرتے ہیں جس کی بابت آپ نے مجھے در منزلت پر حاضر ہونے کی دعوت دی تھی جس سے عمدہ میں امرتسری میں بیٹھا کر سکتا تھا۔ اور کر چکا ہوں مگر میں چونکہ اپنے سفر کی صعوبت کو یاد کر کے بلا تکمیل مرام واپس جانا کسی طرح مناسب نہیں جانتا اس لیے میں آپ کی بے انصافی کو بھی قبول کرتا ہوں کہ میں دو تین سطریں ہی لکھوں گا اور آپ بلا شک تین گھنٹے تک تقریر کریں مگر اتنی اصلاح ہوگی کہ میں اپنی دو تین سطریں مجمع میں کھڑا ہو کر سناؤں گا اور ہر ایک گھنٹے کے بعد پانچ منٹ نہایت دس منٹ آپ کے جواب کی نسبت رائے ظاہر کروں گا۔ اور چونکہ مجمع آپ پسند نہیں کرتے اس لے فریقین کے آدمی محدود ہوں گے، جو پچیس سے زائد نہ ہوں گے۔ آپ میرا بلا اطلاع آنا چوروں کی طرح فرماتے ہیں۔ کیا مہمانوں کی خاطر اسی کو کہتے ہیں؟ اطلاع دینا آپ نے شرط نہیں کیا تھا۔ علاوہ اس کے آپ کو آسانی اطلاع ہوگئی ہوگی۔ آپ جو مضمون سنائیں گے وہ اسی وقت مجھ کو دے دیجیے گا۔ کاروائی آج ہی شروع ہو جائے آپ کے جواب آنے پر میں اپنا مختصر سا سوال بھیج دوں گا باقی لعنتوں کی بابت وہی عرض ہے جو حدیث میں موجود ہے☆

۱۱/جنوری ۱۹۰۳ء

فائدہ

☆وہ یہ ہے کہ لعنت کا مخاطب اگر لعنت کا حق دار نہیں تو کرنے والے پر پڑتی ہے۔منہ

مولانا لکھتے ہیں اور بالکل سچ لکھتے ہیں ''کیسے معقول طریق سے راقم آثم (یعنی مولانا امرتسری) نے اپنے وجوہات بتلائے۔اور کس نرمی سے مرزا جی سے مرزا جی کی پیش کردہ تجویز تھوڑی سی خفیف اصلاح کے ساتھ (جسے کوئی منصف مزاج ناپسند نہ کرے گا) بعینہٖ منظور کر لی۔ مگر مرزا جی اور معقولیت؟ایں خیال است ومحال است وجنوں

چونکہ ہر ایک انسان کو اپنا علم حضوری ہے۔مرزا جی بھی اپنا پول خوب جانتے تھے اس لیے آپ اس رقعہ پر ایسے خفا ہوئے اور اتنی گالیاں دیں کہ کہنے سننے سے باہر۔ہم ان کو اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ قاصدوں کے لفظوں میں حاشیہ پر لکھتے ہیں۔آخر اس خفگی میں آپ نے رقعہ کا جواب بھی نہ دیا اور اپنے ایڈیکانگوں کو حکم دے دیا کہ لکھ دو۔چنانچہ وہ یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، حامد او مصلیا

مولوی ثناء اللہ صاحب۔آپ کا رقعہ حضرت اقدس۔امام الزماں، مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارک میں سنا دیا گیا، چونکہ مضامین اس کے محض عناد اور تعصب آمیز تھے جو طلب حق سے بعد المشرقین کی دوری اس سے صاف ظاہر ہوتی تھی لہٰذا حضرت اقدس کی طرف سے آپ کو یہی جواب کافی ہے کہ آپ کو تحقیق حق منظور نہیں ہے۔اور حضرت انجام آتھم میں اور نیز اپنے خط مرقومہ جواب سامی میں قسم کھا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔خلاف معاہدہ الٰہی کے کوئی مامور من اللہ کیونکر کسی فعل کا ارتکاب کرسکتا ہے۔طالب حق کے لیے جو طریق حضرت اقدس نے تحریر فرمایا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے۔لہٰذا آپ کی اصلاح جو بطرز شان مناظرہ آپ نے لکھی ہے وہ ہرگز منظور نہیں ہے اور یہ بھی منظور نہیں فرماتے ہیں کہ جلسہ محدود ہو، بلکہ فرماتے ہیں کہ کل قادیان وغیرہ کے اہل الرائے مجتمع ہوں، تا کہ حق و باطل سب پر واضح ہو جائے.

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔۱۱ جنوری ۱۹۰۳ء

گواہ شدہ محمد سردار وابو سعید عفی عنہ خاکسار محمد احسن بحکم حضرت امام الزمان

مرزا صاحب کا ردعمل

شہادت: ہم خدا کو حاضر ناظر جان کر بحکم لاتکتمو الشہادۃ سچ کہتے ہیں کہ جب ہم مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کا خط لے کر مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرزا صاحب ایک ایک فقرہ سنتے جاتے تھے۔ اور بڑے عقد سے بدن پر رعشہ تھا۔ اور دہان مبارک سے خوب گالیاں دیتے تھے۔ اور حضاور مجلس مریدان بھی ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ حضرت واقعی ان (مولوی) لوگوں کو تہذیب اور تمیز نہیں چند الفاظ جو مرزا صاحب نے علماء کی نسبت عموماً مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت خصوصاً فرماتے تھے یہ ہیں.

''خبیث۔ سور۔ کتا۔ بدذات۔ گوں خوار ہے۔ ہم اس کو کبھی نہ بولنے دیں گے۔ گدھے کی طرح لگام دے کر بٹھائیں گے۔ اور گندگی اس کے منہ میں ڈالیں گے۔ لعنت لے کر ہی جائے گا۔ اس کو کہو کہ لعنت لے کر قادیان سے چلا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سننے میں اور اس وقت کی حالت دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ہم حلفیہ بطور شہادت کہتے ہیں کہ ایسی گالیاں ہم نے مرزا صاحب کی زبان سے سنی ہیں جو کسی چوہڑے چمار سے بھی کبھی نہیں سنیں. راقمان۔ حکیم محمد صدیق سیالکوٹی ساکن ضلع جالندھر، بستی دانشمنداں، محمد ابراہیم۔ امرتسر کٹڑہ سفید۔

مولانا امرتسری کی پیش کش

مولانا لکھتے ہیں: چونکہ میرا روئے سخن خود بدولت سے تھا اس لے میرا حق تھا کہ میں کسی ماتحت کی تحریر نہ لیتا، مگر اس خیال سے کہ پبلک کو مرزا جی کے فرار کا نشان بتلایا جائے میں نے رقعہ مرقومہ قبول کرلیا.

ان حضرات مرسلین رقعہ و گواہان پر افسوس نہیں بلکہ افسوس ان لوگوں پر ہے جو ایسے لوگوں کو دراز ریش دیکھ کر عالم یا مولوی سمجھ لیتے ہیں جن کو یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ اور تحقیق ایک ہی چیز ہے ......اور صفحہ ۲۳ اعجاز احمدی پر مجھ کو تحقیق کے لیے بلا رہے ہیں ...... پس تحقیق حق کے لیے بلا کر

مناظرہ سے انکار صریح انکار بعداز اقرار کا مصداق ہے ۔اور موقع پر الہام کی بات مرزا جی! فرار کے بعد انکار معتبر نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو اعجاز احمدی ص ۳۰)

یہ واقعہ موجودہ حالات میں جیسا کچھ بھی معلوم ہوا ہو مگر اس وقت بڑے دور رس اثرات و نتائج کا حامل ہوا مرزا صاحب پہلے تو اپنے عربی قصیدہ کو معجزہ قرار دے کر دندناتے پھر رہے تھے۔ پھر مولانا امرتسری کے متعلق پیش گوئی کر کے بڑے ولولے کے ساتھ اپنے قصر نبوت کی تعمیر بھی کرنے لگے تھے اور اپنی ان واہی تباہی ڈینگوں سے اینٹ اور گارے کا کام لے رہے تھے سارے ملک کی نگاہیں مولانا امرتسری پر لگی ہوئی تھیں ۔ مولانا نے قادیان پہنچ جانے سے مرزا جی کے سارے اینٹ گارے بکھر گئے اور ان کا عالیشان قصر نبوت بتاشے کی طرح بیٹھ گیا۔ ظاہر ہے کہ مرزا صاحب ان معاملات کو منظر عام پر آنے سے روک نہیں سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی خرافات نے ارتداد کے لیے جو فضا ہموار کر رکھی تھی وہ یکسر بدل گئی اور خود ان کے مریدوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں چنانچہ جن طبیعتوں میں سلامتی تھی وہ قادیانیت سے تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اس طرح کا ایک خط الہامات مرزا طبع سوم کے آخری صفحہ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مسلسل ضربیں

(۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۷ء)

اسی سال (۱۹۰۳ء) کے ماہ نومبر میں مولانا نے ہفت روزہ اہلحدیث کا اجراء فرمایا جو مرزا صاحب اور ان کی امت کے لے بلائے بے درماں ثابت ہوا کیونکہ اس ہفت روزہ کا ایک ایک حصہ جہاں آریوں عیسائیوں اور دیگر دشمناں اسلام کے حملوں کے دفاع کے لیے مخصوص تھا وہیں اس کا ایک حصہ قادیانیت کی تردید کیے لیے بھی وقت تھا ہفتہ بھر میں جو کچھ قادیانیوں کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا تھا اس کی قلعی کھول جاتی تھی۔ اس سلسلہ نے اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچایا۔ خصوصاً ۱۹۰۴ء کے طاعون کے سلسلہ میں مرزا صاحب اور ان کی امت کی تمام پھندے اس طرح چاک ہوئے کہ وہ اپنی ساری تگ و دو اور حرف بازیوں کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے اس طرح ہر ہفتہ کی مسلسل ضربوں نے مرزا صاحب کا قافیہ اس حد تک تنگ کیا کہ اس

ہفت روزہ کے اجراء کے صرف تین سال ۵ ماہ بعد وہ اپنا اور مولانا امرتسری کا مقدمہ لے خدا کی عدالت میں جا پہنچے اور خدا تعالیٰ نے ان کے استغاثہ کے ساڑھے تیرہ ماہ بعد ایسا فیصلہ کیا جسے اہل اسلام اور قادیانیوں کی جنگ کی تاریخ کا یوم الفرقان کہنا صحیح ہوگا۔ اس کی روداد اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے!

خدائی فیصلہ اور

قادیانیوں کے تابوت میں آخری کیل

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابو الوفا
ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

جیسا کہ پچھلے صفحات میں اشارہ کیا جاچکا ہے قادیانیت کے خلاف مولانا امرتسریؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں عالمانہ گرفتوں اور فاضلانہ مواخذات کے مقابلے سے جب مرزا صاحب اور ان کی پوری امت عاجز آ گئی، اور مولانا کی ہیبت سے قادیانی ایوان میں زلزلے برپا رہنے لگے تو مرزا صاحب نے ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا۔ جس نے رہتی دنیا تک کے لیے مرزا صاحب کے صدق و کذب کا دوٹوک اور حتمی فیصلہ کر دیا وہ اشتہار بتمام وکمال یہ ہے۔

مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

یَسْتَنْبِئُوْنَکَ اَحَقٌّ ھُوَ. قُلْ اِیْ وَرَبِّیْ اِنَّہٗ لَحَقٌّ ط

بخدمت مولوی ثناءاللہ صاحب۔ السلام علی من اتبع الہدیٰ۔ مدت سے آپ کو پرچہ اہلحدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود۔ کذاب۔ دجال۔ مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا

رہا۔مگر چونکہ میں حق پھیلانے کے لیے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر
کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں۔اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور
ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہو سکتا۔اگر میں ایسا ہی
کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد
کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔کیونکہ میں جانتا ہوں
کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر ہوتی ہے۔اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے
اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے۔اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر
ہے۔تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا
کے مکالمہ اور مخاطبہ سے سے مشرف ہوں۔اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے
امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔پس اگر
وہ سزا دہ جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں۔بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے
طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئیں تو میں
خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں۔بلکہ محض دعا
کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا۔اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے
مالک، بصیر و قدیر، جو علیم و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔اگر یہ
دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا اقرار ہے۔اور میں تیری نظر میں مفسد
اور کذاب ہوں۔اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے، تو اے میرے پیارے مالک!
میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی
میں مجھے ہلاک کر۔اور میری موت سے ان کی جماعت کو خوش کر دے۔آمین۔مگر
اے میرے کامل اور صادق خدا!! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق
پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود
کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت
کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بد
زبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔آمین یا رب

العالمین! میں ان کے ہاتھ بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا، مگر اب دیکھتا ہوں کہ ان کی بد زبانی حد سے گذر گئی ہے۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا۔ اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ رَبَّـنا افتح بيننا و بين قومنا بالحق و انت خير الفاتحين . امین۔ بالآخر مولوی صاحب سے التماس کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم:۔ عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ وایدمرقومہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ھ۔

یہ اشتہار اپنا مضمون بتلانے میں کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہیں۔ اس اشتہار کے بعد ۲۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو قادیانی اخبار بدر میں مرزا صاحب کا ایک اور بیان شائع ہوا۔ جو یہ تھا:

''مرزا صاحب نے فرمایا: زمانہ کے عجائبات ہیں رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے۔ اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں، بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک دفعہ

ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا،
اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ ۔صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے۔باقی سب
اس کی شاخیں''

خلاصہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اشتہار بالا میں جو دعا کی تھی کہ مرزا جی اور مولانا ثناء اللہ میں سے جوجھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوجائے۔یہ دعا خدا کی تحریک پر کی گئی تھی اور اس کی مقبولیت کا مرزا صاحب کو الہام بھی ہوگیا۔اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہینہ بارہ دن بعد ۲۶ مئی ۱۹۰۸ بمطابق ۲۴ ربیع الاخیر ۱۳۲۶ھ کو میرزا صاحب اس اشتہار میں نامزد کردہ ایک بیماری ہیضے سے انتقال کر گئے اور مولانا امرتسری، مرزا جی کے انتقال کے بعد مسلسل چالیس برس تک پوری تاب وتوانائی کے ساتھ حق کا پھریرا لہراتے اور باطل کا علم سرنگوں کرتے ہوئے زندہ رہے اس طرح مرزا صاحب کی اپنی دعا وطلب کے مطابق خدائے تعالیٰ کا یہ دوٹوک فیصلہ ہوگیا کہ وہ برسر باطل اور کذاب ودجال تھے اور مولانا امرتسری برسرحق اور صادق۔اس سلسلے میں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر
کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

دوسرا دور

۱۹۰۸ء ـ ۱۹۵۳ء

تحفظ ختم نبوت کی جدو جہد کا پس منظر

حالات کا پہلا رخ:

مرزا غلام احمد قادیانی کے انتقال کے بعد حکیم نورالدین قادیانیوں کا سربراہ بنا۔ وہ زیادہ تر مذہبی مباحث اور جماعت احمدیہ کی دیکھ بھال میں مصروف رہا۔ ۱۹۱۴ء میں اس کے آنجہانی ہونے کے بعد قادیانوں کے دو گروپ بن گئے۔ ایک گروپ کی سربراہی مرزا بشیرالدین محمود اور دوسرے کی مولوی محمد علی لاہوری نے سنبھال لی۔ مرزا محمود کا گروپ عددی اکثریت کا حامل تھا۔ مرزا محمود ایک سازشی ذہن رکھتا تھا اور برطانوی استعمار کے لیے خفیہ خدمات سرانجام دیتا تھا۔ مسلمان عوام وخواص تو مذہبی مباحثہ میں الجھے رہے اور وہ خاموشی سے برطانوی استعمار کے استحکام کی سعی میں مصروف رہا۔ آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔

''مرزا بشیرالدین سیاسی ضرورت کا صحیح مہرہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کی جماعت کا مذہبی پھیلاؤ ختم ہو چکا ہے اب احمدی ہونے والے لوگ اغراض کے تابع ہیں کوئی ناواں ناداں مسلمان احمدی ہوتا تو اس کے پس منظر میں کوئی چیزیں ہوتیں مثلاً دیہی افلاس' کسی قادیانی زمیندار کا رسوخ' بعض ملازمانہ مجبوریاں اور اس سلسلہ میں معاشی وجنسی ترغیب وتحریص کسی ایسے شخص کے احمدی ہونے کا سوال نہ تھا جو دین کی تلاش میں ہو اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہے شکار ہونے والے ناخواندہ ہوتے یا ضرورت مند اور وہ بھی لاکھوں میں دو چار۔ مرزا بشیرالدین نے مذہبی روپ میں ایک سیاسی شاطر کی تربیت حاصل کی اور اپنے طائفے کو بعض عصبیتوں کے تابع اس طرح منظم کیا

کہ پنجابی مسلمان ان کی معرفت استعماری ہتھکنڈوں کا شکار ہوتے چلے گئے اور برعظیم کی فرقہ وار سیاست میں برطانوی خواہشیں راہ پائی گئیں۔ پنجاب ان خواہشوں کا محور تھا اب سوال یہ نہ تھا کہ احمدی مسلمانوں کی آواز ہیں یا انہیں ہندوستانی مسلمانوں میں کوئی رسوخ حاصل ہے۔ سوال یہ تھا کہ احمدی برطانیہ کی سیاسی ضرورتوں کا ایک عضو تھے اور اس عضو کی حیثیت سے وہ کسی نہ کسی خانے میں کام آتے تھے۔ (تحریک ختم نبوت ص ۴۵)

برطانوی استعمار کی خاطر قادیانیوں کی خدمات کا ایک خاکہ درج ذیل ہے۔

۱۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے اسلامی ملکوں میں مرزائی جاسوس مقرر کیے گئے جو برطانوی حکومت کو معلومات فراہم کرتے تھے۔

۲۔ عربوں کو ترکوں سے متنفر کرنے کے لیے وسیع لٹریچر تقسیم کیا گیا۔

۳۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط پر قادیان میں چراغاں کیا گیا۔

۴۔ مصطفیٰ کمال نے برطانوی مفادات پر ضرب لگائی تو ایک قادیانی مصطفیٰ صغیر کوتر کی بھیجا گیا وہاں جا کر اس نے مصطفیٰ کمال پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا لیکن حملہ سے پہلے ہی پکڑا گیا اور سزائے موت پا گیا۔

۵۔ مرزا محمود نے مصر میں برٹش ملٹری انٹیلی جنس کے سربراہ گلبرٹ کلیٹن سے ملاقات کی جو کہ ان دنوں فلسطین کا ہائی کمشنر تھا اور اس سے فلسطین میں اسرائیل کے قیام کے متعلق مفصل گفتگو کی۔

۶۔ مارچ ۱۹۲۸ء میں قادیانی مبلغ جلال الدین شمس قادیان پہنچا۔ اس کی سعی صالح عبدالقادر عودہ اور ان کا قادیان اور کئی دوسرے خاندان قادیانی بن گئے۔ شمس نے فلسطین میں یہودی ہائی کمشنر فیلڈ مارشل ہربرٹ پلومر سے ملاقات کر کے ہدایات لیں۔ فلسطین میں مستقل طور پر قادیانی مشن قائم کیا گیا جو کہ بعد ازاں اسرائیل کے زیر تسلط علاقہ میں منتقل ہو گیا۔

۷۔ ۱۹۳۴ء میں اس مشن کا انچارج ابوالعطا جالندھری تھا جس استعمار کے اشارہ ابرو پر اپنی خدمات جاری رکھیں۔

ملت اسلامیہ کے خلاف قادیانی سازشوں کی ایک طویل فہرست ہے۔

حالات کا دوسرا رخ

مرزا محمود کی آمریت:

مرزا بشیر الدین محمود ایک آمرانہ ذہن رکھنے والا شخص تھا۔ اس نے قادیان کو ایک ریاست کا درجہ دے رکھا تھا۔ جو قادیانی اس کے قائم کردہ نظام سے بغاوت کرتا۔ اس کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جاتا تھا اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اسے قتل کر دیا جاتا' کتنے ہی قادیانی خاک وخون میں تڑپائے گئے۔ درثاء نے حکام کو فریاد سنائی لیکن دادرسی کا سوال ہی نہ تھا۔ **جانباز مرزا مرحوم لکھتے ہیں۔**

شہر سدوم (قادیان) کے دستور:

اپنی اکثریت کے زعم میں مرزائیوں نے قادیان میں عوام کو پریشانی اور انہیں اپنے مذہب باطلہ پر لانے کے لیے عجیب وغریب دستور وضع کیا ہوا تھا۔ اس ضمن میں نام نہاد خلافت دجالیہ کی طرف سے تجارتی معاہدہ کے نام پر شہر کے دکانداروں کو لائسنس قیمتاً دیا جاتا تھا جس میں درج ہوتا۔

☆ میں مرزا غلام احمد کو حضرت مرزا غلام احمد کہوں گا۔

☆ میں قادیان میں مسلمانوں کے کسی جلسہ میں شریک نہیں ہوں گا۔

☆ میں قادیان میں مسلمانوں کا کوئی جلسہ نہیں کراؤں گا جس میں مسلمان علماء بلائے جائیں۔

☆ میں کسی غیر احمد سے کاروبار نہیں کروں گا اور نہ ہی اس سے سودا خریدوں گا' جس کے پاس تجارتی معاہدے کا لائسنس نہیں ہوگا۔

یہ معاہدہ فریم کرا کے ہر دکاندار نے دکان سے باہر لگایا ہوا تھا جس دکان پر یہ معاہدہ آویزاں نہ ہوتا مرزائی اس سے سودا نہیں خریدتا تھا' الٹا یہ شرارت کرتا' مثلاً دیکھتا کہ اس دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا وہاں جا کر سودا خریدتے' پیسے دیتے وقت دکاندار سے پوچھتے آپ کے پاس تجارتی معاہدہ نہیں ہے؟ دکاندار نے اگر انکار کیا تو خریدا ہوا سودا واپس کر دیتا اسی طرح کپڑے کی دکان پر جا کر بزاز سے کپڑے کا بھاؤ چکا کر تھان سے دو چار گز کپڑے کا ٹکڑا الگ کرواتے اسے باندھ کر رقم

دیتے وقت دکان پر ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر پوچھتے کہ آپ نے دکان پر تجارتی معاہدہ نہیں لگا رکھا
"جی ابھی نہیں لیا ہے۔ اچھا تو پھر یہ کپڑا واپس کر لیں۔

ایک اور معاہدہ:

مرزائیوں نے اپنے لیڈر ابن دجال کے سامنے مندرجہ ذیل عہد کیا ہوا تھا۔

میں اپنے لیڈر کے سامنے اس عہد کو دہراتا ہوں کہ

میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز فرمایا ہے میں اس حکم کے پورے کرنے کے عہد پر ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا اور میں اس مقصد کو کبھی بھی اپنے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا اور اپنے بیوی بچوں کو اور اگر خدا کی مشیت یہی ہوا تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لیے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے اصول پر ہر چھوٹی اور بڑی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

اے خدا! مجھے اس عہد پر قائم رہنے کی اور اس کو پورا کرنے توفیق عطا فرما۔

مندرجہ بالا تحریر ہر مرزائی کے گھر بطور کیلنڈر کے دیواروں پر آویزاں رہتی تھی۔

ان خودساختہ ابلیسی قوانین نے وہاں کے مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی گزربسر کے لیے دجالی احکام کی تعمیل کریں۔ اس کے خلاف اگر کوئی آواز حلق سے نکلے تو پھر اس کی خیر نہیں۔

ابلیس کے پالتو ہمہ اوقات گلی محلوں میں گشت کرتے رہتے تھے۔

برصغیر کی حقیقی ریاستوں میں بھی ایسے متشدد آئین نہیں تھے جیسے قادیان میں۔ حالانکہ یہ آئینی ریاست نہیں تھی بلکہ انگریز کی عملداری کا ایک حصہ تھی، چونکہ انگریزی کو اس گروہ سے سیاسی اغراض وابستہ تھیں۔ اس لیے علاقہ کی پولیس اور ضلعی حکام انسانی لہو کو پانی سمجھ کر پی جاتے۔

(مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک، ص ۱۶۰۔ ۱۶۳)

قادنیوں کے تازہ حالات معلوم کرنے کے لیے مجلس احرار اسلام نے اپنے چار گمنام کارکن قادیان بھیجے۔ قادیانیوں نے انہیں بے انتہا مارا پیٹا وہ موت سے تو بچ گئے مگر کئی ہفتے بٹالہ میں زیر علاج رہے۔

جانباز مرزا مرحوم اس طرح کے مزید واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''انجمن شباب المسلمین بٹالہ کا سالانہ جلسہ تھا' جلسے کے اختتام پر مسلمانان بٹالہ نے اپنے علماء کا ایک وفد تبلیغ کے لیے قادیان بھیجا۔ جب مرزائیوں کو علماء کی آمد کی اطلاع ملی وہ ان پر ٹوٹ پڑے' اس قدر مارا کہ علماء لہولہان ہو گئے۔ ان کا بند بند ٹوٹ گیا۔ اس کی رپورٹ پولیس میں لکھوائی گئی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔''

۱۹۲۶ء میں قادیان کے مسلمانوں نے انجمن اسلامیہ کے نام پر اپنا جلسہ کرنا چاہا۔ اول تو ضلعی حکام نے بڑی مشکل اجازت دی مگر بعد میں مرزائیوں کے دباؤ سے جلسہ ملتوی کر دیا اور تاکید کی کہ آئندہ کوئی مسلمان قادیان میں جلسہ نہیں کرے گا۔

اس کے باوجود قادیان کے مسلمانوں نے جرات کی تو مرزائی لٹھ بند وہاں پہنچ گئے۔ جسلہ میں ہنگامہ بپا کیا اور الٹا انتظامیہ نے مسلمانوں کو اپنی حراست میں لے لیا اس طرح جلسہ ختم کرنا پڑا۔

۱۹۲۹ء میں انجمن اسلامیہ قادیان نے پھر جلسہ کرنا چاہا۔ اس میں امرتسر سے مولانا ثناء اللہ سمیت لاہور اور بٹالہ سے علماء قادیان پہنچے۔ مولانا ثناء اللہ نے غلام احمد آنجہانی سے اپنے مباہلے کا ذکر کر دیا پس پھر کیا تھا مرزائی کپڑوں سے باہر ہو گئے' جلسے کے سائبانوں کی طنابیں کاٹ دیں' گیس توڑ دیئے' علمائے دین پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ مسلمان عوام بھی زخمی ہوئے۔

اس طرح قادیان میں دجالی ٹولے نے اپنے ہاں ایک مستقل تنظیم قائم کر لی تاکہ مسلمان یہاں آ کر جلسہ نہ کر سکیں۔ اس تنظیم کا انچارج ابن دجال کا سالا تھا جسے سالار جنگ کا خطاب دیا گیا۔

(مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک' ص ۱۶۰-۱۶۱)

چودھری افضل حق علیہ الرحمتہ احرار کے شہ دماغ تھے۔ انہوں نے اپنے مختلف خطبوں میں قادیانیت کا سیاسی تجزیہ کیا۔ تاریخ احرار (طبع ثانی) کے صفحہ ۱۷۶ تا ۱۷۸ پر ''فتنہ قادیان'' کے زیر عنوان نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) ملت اسلامیہ کی تشکیل محمد عربی ﷺ نے کی ہے۔ ان کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کا سوال ہی نہیں۔ ان کے بعد کسی بھی شخص کے دعوی نبوت سے ملت اسلامیہ

تقسیم ہو جاتی اور اس کی وحدت قائم نہیں رہتی۔ دین خدا کا ہوتا ہے لیکن ملت پیغمبر اٹھاتے ہیں۔ مرزا قادیانی خود کوئی ملت پیدا کرنے سے قاصر تھا۔ اس کا وجود استعماری کوخواہش کا نتیجہ تھا۔ اس نے ملت اسلامیہ میں نقب لگائی اور وحدت اسلامی کو دولخت کرنا چاہا' اس طرح اپنے پیروؤں کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جو ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اسلامی ملکوں میں برطانوی عملداری کی ہر نوع کی خدمات انجام دے رہی ہے اور اپنی اس مسلسل غداری پر قادیانی امت نے ہمیشہ فخر و ناز کیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود اس سلسلہ میں کرنل لارنس ثابت ہو رہا ہے اور اپنے اس کردار کو اپنے والد کے ملہمانہ ارشادات کی متابعت قرار دیتا ہے۔

(۲) قادیانی نبوت نے انگریزی حکومت کی الہامی تائید کر کے برطانوی اقتدار کا اعتماد حاصل کیا۔ نتیجتاً وہ کئی ایک سرکاری محکموں میں بہت زیادہ اثر ورسوخ کے مالک ہیں۔ بعض جگہ سارے کا سارا ضلع ان کے اثر ورسوخ میں ہے کئی ایک ملازمت کے خواہاں اور روزگار کے متمنی لوگ قادیانی امت کی سفارشات حاصل کرتے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ہر ضلع کے قادیانیوں کا شعار ہے کہ انتظامیہ کو مختلف تحریکوں کے احوال ووقائع سے مطلع رکھتے اور اس طرح حکام ضلع کا اعتماد حاصل کرتے ہیں۔

(۳) ایک معمولی اقلیت ہونے کے باوجود قادیانی اثرات کا یہ حال ہے کہ اسمبلی کے امیدواران ان کے خلیفہ سے رجوع کر کے قادیانی ووٹ حاصل کرتے اور اس طرح قادیانی احتساب کی تحریک سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے بالائی طبقے کو احساس واندازہ ہی نہیں کہ مرزائی کس مقصد کی تخلیق اور کس فن کے اہلکار ہیں اور ان کی بدولت اسلام اور مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے۔ فی الجملہ قادیانی برطانوی سرکار کی خوشنودی کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں۔

(۴) مسلمانوں کی ملازمتوں پر قبضہ کرنے اور ان کی سیاست کو ہاتھ میں رکھنے کے لیے قادیانی عامتہ المسلمین کی سیاسی وحدت میں رہتے ہیں ورنہ ان کے نزدیک تمام مسلمان کافر ہیں۔

چودھری صاحب علیہ الرحمتہ نے اعلان کیا کہ:

(۱) قادیانی برٹش امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔

(۲) وہ استعماری ذہن رکھتے ہیں اردگرد کی غریب آبادی کا بائیکاٹ کرنا اور دوسرے ذرائع سے انہیں مرعوب کرنا ان کا دھندا ہے۔

(۳) وہ مسلمانوں میں ایک نئی گروہ بندی کے طلبگار ہیں جو مسلمانوں کی جمعیت کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ دے گی۔

(۴) وہ مسلمانوں میں بطور ففتھ کالم کام کرتے ہیں۔

مرزائیوں نے علماء کی احتسابی تحریکوں کے باوجود قادیاں کو اپنی ریاست بنا رکھا تھا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے صوبہ کے مختلف اضلاع سے اپنی امت کے افراد بلوا کو قادیان میں بسا لیے تھے۔ علماء فتاویٰ جاری کرتے یا وعظ فرماتے لیکن خم ٹھونک کر مقابلہ میں نہیں آتے تھے۔ حاجی عبدالرحمٰن اور حاجی عبدالغنی نے بٹالہ میں ''شبان المسلمین'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی تھی۔ دونوں بھائی مقامی رئیس اور ختم الرسل ﷺ کے فدائی تھے۔ ان سے مرزائی امت اس طرح پسپا ہو چکی تھی کہ مرزا بشیر الدین کی سازش سے حاجی عبدالغنی شہید کیے گئے۔ شبان المسلمین کے ارکان مختلف علماء کو بلوا کر سالانہ اجلاس منعقد کرتے اور قادیانیت کی خبر لیتے اور یہی ان کا دائرہ کار تھا۔ ایک سال اجتماع ختم ہونے پر بعض علماء قادیاں دیکھنے گئے تو قادیانی شہ زوری کا حال یہ تھا کہ مرزا بشیر الدین کے ایماء پر مرزائی نوجوانوں نے ان علماء پر حملہ بول دیا۔ انہیں اس بری طرح پیٹا کہ پناہ بخدا چونکہ مقامی پولیس اور دوسرے حکام مرزا بشیر الدین کی مٹھی میں تھے اس لیے کسی نے رپٹ تک نہ لکھی اور نہ کوئی دادرسی کی۔ اس کے بعد کئی ایک سال تک صحیح العقیدہ مسلمان قادیان جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ مجلس احرار نے اس دہشت کو توڑنے کے لیے اپنے چند رضا کار قادیان بھیجے کہ وہاں جا کر مسلمانوں کی مساجد میں اذان دیں کیونکہ مرزائی اپنے سوا کسی کو اذان بھی دینے نہ دیتے تھے رضا کار وہاں پہنچے۔ اذان دی لیکن قادیانی ڈنڈے لے کر پل پڑے اور ان موذن رضا کاروں کو اتنا مارا کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔ وہ مدت تک ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ اس بہیمانہ تشدد کے خلاف مجلس احرار نے بٹالہ میں کانفرنس کی اور حکومت کو پہلی دفعہ للکارا کہ وہ اپنی چہیتی امت کے منہ میں لگام دے ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے لیکن حکومت کے کانوں پہ جوں تک نہ رینگی [illegible]

قادیانی ٹس سے مس ہوئے وہ گویا قادیان کی ریاست کے راجواڑے تھےاور وہاں قانون ان کے اشارہ ابرو پر حرکت کرتا تھا جب پانی سر سے گزر گیا اور قادیانی سرکش ہوتے گئے تو احرار نے جولائی ۱۹۳۵ء میں ورکنگ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ امرت سر میں فیصلہ کیا کہ قادیان میں احرار کا مستقل دفتر کھولا جائے جو قادیانی امت کے اعمال و افکار کی نگرانی کرے۔اس غرض سے مولانا عنایت اللہ چشتی (چکڑالہ) کو دفتر کا انچارج مقرر کیا گیا یہ وہ زمانہ تھا جب مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کے الفاظ میں قادیانیوں کا تمرد اور شورہ پشتی اپنی معراج کو پہنچی ہوئی تھی جو لوگ قادیانی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کرتے انہیں نہ صرف قادیان سے نکال دیا جاتا بلکہ بعض اوقات مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی جاتی۔مرزا محمود نے عدالتی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔قادیان میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی جاتی جو لوگ مخالف تھے ان کے مکانوں کو جلایا گیا۔کئی ایک افراد قتل کیے گئے۔مسٹر کھوسلہ نے اپنے فیصلہ میں اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ان کے روبرو مرزا بشیر الدین محمود نے تسلیم کیا کہ قادیان میں عدالتی اختیارات استعمال ہوتے ہیں اوران کی عدالت سب سے آخری اپیل کی عدالت ہے۔ اس غرض سے قادیانیوں نے اپنے اشٹام بھی چھاپ رکھے تھے۔مولوی عبدالکریم ایڈیٹر ''مباہلہ'' شروع میں قادیانی تھے جب انہیں قادیانیت کی صداقت کے متعلق شکوک پیدا ہوئے تو اس سے تائب ہو گئے ان پر ظلم وستم شروع ہوا۔مرزا محمود نے مولوی عبدالکریم ایڈیٹر ''مباہلہ'' کی موت کی پیشین گوئی کی جو ''الفضل'' میں چھپی۔نتیجتاً عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔وہ بال بال بچ گئے لیکن ان کا ضامن محمد حسین قتل کر دیا گیا۔اس کے قاتل کو پھانسی کی سزا ہوئی وہ پھانسی پا گیا تو اس کی نعش قادیاں لائی گئی اور نہایت اعزاز کے ساتھ اسے بہشتی مقبرے میں دفن کیا گیا اس کی تعریف میں ''الفضل'' کے صفحات سیاہ کیے گئے۔مرزا بشیر الدین محمود نے اعلان کیا کہ اس کی روح پھانسی پانے سے پہلے ہی خدائے عادل کے حکم سے پرواز کر گئی تھی۔مولوی عبدالکریم مباہلہ قادیاں سے اٹھ کر امرتسر آ گئے ان کا مکان نذر آتش کر دیا گیا۔ایک دوسرا قتل مرزائی مبلغ محمد امین کا تھا جس کو کلہاڑی سے قتل کیا گیا۔ہلاک اس لیے کیا گیا کہ مرزا بشیر الدین محمود اس سے ناراض ہو گیا تھا پولیس نے اس سلسلہ میں کوئی کارروائی نہ کی۔اس کے قاتل فتح محمد نے عدالت میں اقرار کیا کہ اس نے محمد امین کو کلہاڑی سے ہلاک کیا تھا تب قادیاں میں مرزائیوں

کی طاقت کا یہ حال تھا کہ ان کے خلاف کوئی شہادت دینے کی جرات ہی نہ کر سکتا تھا مسٹر کھوسلہ کے الفاظ میں سرکاری حکام قادیانیت کے مقابلے میں غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے اس ہولناک فضا میں احرار کا خیال تھا کہ مولانا عنایت اللہ چشتی قادیان میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ سرد مہر ہے اور بعض دنیاوی اغراض کی خاطر مرزائیت کی خوشنودی کو مقدم رکھتا ہے۔ احرار نے مولانا عنایت اللہ کے جانشینوں کی ایک فہرست تیار کر لی اور ہر چہ باداباد کے تحت کمربستہ ہو گئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے قادیانی ہائی کمان کی میٹنگ بلا کر احرار پر ہاتھ اٹھانے سے اجتناب کا فیصلہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ مرزائی امت کی لیے یہ سودا مہنگا ہوگا۔ پاکستان قائم ہوا تو احرار دو حصوں میں بٹ گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ہندوستان کے ہو گئے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ مولانا محمد علی جالندھریؒ اور شیخ حسام الدینؒ وغیرہ پاکستان آ گئے۔ احرار نے حالات کو محسوس کرتے ہوئے سیاست سے ہاتھ اٹھا لیے شاہ جی عملاً سبکدوش ہو گئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ہاتھ پاؤں پھیلانے شروع کیے وہ قادیان سے اٹھ کر لاہور آ گیا اور یہاں جودھامل بلڈنگ (نزد میو ہسپتال) میں قیام کیا۔ اس نے مختلف اخبار نویسوں سے ناطہ باندھا۔ کئی ایک کو رام کیا اور لاء کالج لاہور کے مینارڈ ہال میں پاکستان کے بعض سیاسی مسائل پر تقریریں شروع کیں۔ بالخصوص مسئلہ کشمیر پر اس نے شرح وسط سے اظہار خیال کیا ظاہر ہے کہ سرکاری مسلمان تو پہلے ہی فراخ دل تھے۔ ان تقاریر سے بعض سیاسی مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ ادھر عوام میں قادیانی امت نے رسوخ حاصل کرنا چاہا۔ احرار اس وقت منتشر تھے ان کا ترجمان روزنامہ ''آزاد'' راقم کی ادارت میں (لاہور سے) نکل رہا تھا۔ راقم نے آزاد میں مرزا بشیر الدین محمود کا نوٹس لیا۔ اس کے علاوہ شروع ۱۹۴۸ء میں احرار کے زیر اہتمام کوئی تبلیغی جلسہ تھا۔ راقم نے اس میں مرزائیت کے کفر کا اعلان کرتے ہوئے ظفر اللہ خاں کے تقرر پر احتجاج کیا اور یہ پاکستان میں اس سلسلہ کی پہلی آواز تھی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی (نائب صدر مجلس احرار اسلام پاکستان) نے راقم کو خط لکھا کہ پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے اعلائے کلمتہ الحق کا سہرا تمہارے سر باندھا ہے۔ یہ خط ۱۹۴۹ء کے چٹان میں شائع کیا گیا۔

مرزا بشیر الدین محمود پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے پاکستان کو اپنے مسلک کی

موت سمجھتے لیکن سیاستہً گومگو کی حالت میں تھے۔ جسٹس منیر کی رپورٹ (اردو ایڈیشن) کے صفحہ ۱۱۷ پر بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود قیام پاکستان کے خلاف تھا۔ مرزا نے اپنی ایک تقریر میں علی الاعلان کہا تھا ''موجودہ ملکی تقسیم غلط ہوئی ہے۔ وہ تقسیم ختم کرانے اور دونوں ملکوں کے باہمی افتراق دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے اس عارضی تقسیم کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا ہی جائے گا اور ہندوستان اور پاکستان پھر سے اکھنڈ ہندوستان بنایا جائے گا۔ مرزا کی یہ تقریر ان کی جماعت کے آرگن ''الفضل'' میں چھپی۔ اس کے علاوہ مرزا نے منیر انکوائری کمیٹی کے روبرو تسلیم کیا کہ اس نے ۱۱ جون ۱۹۴۴ء کو اپنی ایک تقریر میں پاکستان کے مطالبہ کو غلامی مضبوط کرنے والی زنجیر قرار دیا تھا۔ اسی طرح ۳ جون ۱۹۴۷ء کو مرزا نے بعنوان سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں یہ الفاظ تھے کہ ''میں دعا کرتا ہوں اے میرے رب میرے اہل ملک کو سمجھ دے اول تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔ اللھم آمین۔''

چودھری سر ظفر اللہ خاں کے بھتیجے کا نکاح ۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو تھا۔ مرزا محمود نے اس تقریب میں بھی اسی طرز کے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ ''انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ یہ حالت جلد دور ہو اور اکھنڈ ہندوستان نے جہاں ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں۔'' (ملاحظہ ہو الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

اسی طرح ۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو مرزا محمود نے اپنی مجلس علم و عرفان میں کہا کہ ''اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم راضی ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے پھر یہ کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد تر متحد ہو جائیں۔''

یہ تو خیر قبل از تقسیم کی باتیں تھے لیکن پاکستان میں قادیانی امت نے ''تاریخ احمدیت'' کی تدوین شروع کی تو اس کی دسویں جلد کے صفحہ ۲۷۶ پر لکھا کہ:

''ہم دل سے پہلے ہی اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے۔''

مرزا محمود کے خیالات ان کے مبینہ تقدس کی آواز تھے اور تمام قادیانی بہ دل و جان اس کے موید تھے۔ مرزا محمود کے بھائی اور مسٹر ایم ایم احمد کے والد مرزا بشیر احمد نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا اور اپنے کئی پمفلٹوں میں اس خیال کا اعادہ کیا کہ وہ تقسیم سے راضی نہیں' اکھنڈ ہندوستان کی طرف جانا چاہتے ہیں لیکن پاکستان بن گیا تو مرزا بشیر الدین محمود نے پینترا بدلا اور پاکستان کو اپنے نرغہ میں لینے کا عزم کیا۔ سر ظفر اللہ خاں پہلے دن سے وزیر خارجہ تھے اس کے سپرد دو کام تھے۔ ایک مختلف مقامات کے مرزائی افسروں کا تحفظ' دوسرا وزارت خارجہ میں مرزائی افسروں کی بھرتی' اس طرح مختلف ملکوں کے سفارت خانوں میں قادیانی عہدیداروں کی بھرمار ہوگئی۔ انہوں نے مختلف اسلامی ملکوں میں نہ صرف اپنے تبلیغی مشن قائم کیے بلکہ بعض عرب ملکوں میں خفیہ اہلکار متعین کیے جو عالمی سامراج کی ہدایات پر کام کرتے تھے اور دوہری تنخواہ پاتے۔ چودھری ظفر اللہ خاں کا خفیہ کام کابینہ کے اندرونی راز اور بعض اہم سرکاری فیصلے مرزا بشیر الدین محمود تک پہنچانا تھا۔ جب تک قائداعظم زندہ رہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں چوکنا رہا۔ خاں لیاقت علی خاں کی شہادت تک اس نے زیادہ پاؤں نہ پھیلائے لیکن خواجہ ناظم الدین الدین وزیراعظم ہو گئے تو اس نے تمام حدود پھاند ڈالے اور بلا جھجک قادیانیت کے پھیلاؤ میں منہمک ہو گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے خطبات میں زور دینا شروع کیا کہ ان کے پیرو تمام محکموں میں بھرتی ہوں اور اس طرح فوج' پولیس' ایڈمنسٹریشن' ریلوے' فنانس' اکاؤنٹس' کسٹمز اور انجینئرنگ پر چھا جائیں۔

(ملاحظہ ہو الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

اسی سال مرزا بشیر الدین نے خطبہ دیا کہ "۱۹۵۲ء گزرنے نہ پائے کہ دشمنوں پر احمدیت کا رعب غالب آ جائے اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گریں۔"

اس سے پہلے مرزا بشیر الدین نے دسمبر ۱۹۵۱ء کو اپنے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین و منکرین) مجرموں کی حیثیت میں میرے سامنے پیش ہوں گے۔

مرزا محمود نے ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء کے خطبہ میں کہا:

"اپنا یا بیگانہ کوئی اعتراض کرے' کوئی پرواہ نہیں۔ ہونا وہی ہے جو میں نے کہا ہے اور وہی ایک دن ہم کر کے رہیں گے۔ (الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء)

مرزا محمود نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۸ء کو کہا کہ وہ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانا چاہتا ہے منیر انکوائری رپورٹ میں مرزا محمود کے اس اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے ججوں نے لکھا کہ ان کی تقریر نہ صرف نامناسب بلکہ غیر مآل اندیشانہ اور اشتعال انگیز تھی ۔ (رپورٹ اردو ص ۲۸۰)

مرزا محمود نے بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کا اعلان اس کے آخری انگریز ایجنٹ مسٹر جیفر سے ملی بھگت سے کیا اور مسٹر ڈی ۔ وائی فل اور مسٹر ہنڈرسن سے پخت و پز کرنے کے بعد اس خوش فہمی کا شکار ہو گیا کہ بلوچستان ان کی ریاست ہو گا۔ اس نے اعلان کیا کہ اب صوبہ بلوچستان ہمارے ہاتھوں سے نکل نہیں سکتا۔ یہ ہماری شکار گاہ ہو گا۔ دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں۔

مرزا محمود کا یہی اصل روپ تھا جب تک انگریز رہا۔ وہ مذہب کی کمین گاہ میں بیٹھ کر انگریزی کی سیاسی خدمت انجام دیتا رہا۔ انگریز چلا گیا تو سیاسی شاطر کی حیثیت سے سامنے آ گیا اور قادیانیت کو برسر اقتدار لانے کی جدوجہد میں سرگرم ہو گیا مرزا اس خیال سے مطمئن تھا کہ احرار جیسی فعال جماعت مسلم لیگ سے ٹکراؤ کے باعث سترد ک ہو چکی ہے۔ دوسرے علماء ان سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور نہ انہیں مسلم لیگ کی تن آسان لیڈر شپ سے کسی مزاحمت کا خطرہ ہے خود علماء مرزا محمود کی سیاسی عیاریوں سے بے خبر تھے۔ ان کے نزدیک مرزائیت صرف ایک مذہبی مسئلہ تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ ختم نبوت کے مسئلہ پر کلام کرتے تھے۔ مرزا محمود ان حالات میں بطور ایک سیاسی شاطر کے حصول اقتدار کے لیے بے جھجک ہوتا گیا۔ اس کی خودسری کا یہ حال تھا کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا اور اس گھمنڈ سے باتیں کرتا تھا گویا ملک کی حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں عالمی سامراج کی شہ پر کام کرتا اور ملک میں جہاں کہیں جس عہدے پر کوئی مرزائی افسر تھا وہ علی الاعلان اپنے فرقہ کی خدمت کرتا اور اپنی عقیدے کی تبلیغ میں بے باک تھا۔ احرار کا تبلیغی عنصر اس سے غافل نہ تھا لیکن قادیانی سیاسی مسلمانوں کو یہ تاثر دینے میں کامیاب تھے کہ ان کے خلاف جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ مختلف اسلامی فرقوں کے تنازعات کی پرانی آویزش اور منبر و محراب کی باہمی خصومت کا پرانا ورثہ ہے۔ (تحریک ختم نبوت)

ربوہ‘ مرکز کفر و ارتداد کا تعارف

تحریر: مولانا منظور احمد الحسینی مرحوم

ربوہ کا قیام:

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ قادیانیوں نے سب سے پہلے اپنی جماعت کا مرکزی خزانہ بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان منتقل کر دیا پھر مستورات کو بسوں کے ذریعے لاہور بھجوایا۔ یہاں تک کہ اگست ۱۹۴۷ء میں مرزا بشیرالدین محمود بھی قادیان چھوڑ کر لاہور چلے آئے۔

مرزا بشیرالدین نے قادیان سے پاکستان روانہ ہوتے وقت نہایت اہم عہد کیا جو مختصراً درج ذیل ہے:

’’قادیان چھوٹ جانے کا صدمہ لازماً طبیعتوں پر ہوا ہے۔ میری طبیعت پر بھی اس صدمہ کا اثر ہے ہم اپنے آنسوؤں کو روکیں گے‘ یہاں تک کہ ہم قادیان کو واپس لے لیں۔‘‘ (تاریخ احمدیت ج ۱۱ ص ۵)

مرزا بشیرالدین کے لاہور پہنچنے سے پہلے قادیانیوں نے ہندوؤں کی متروکہ رہائش گاہوں میں سے چار بڑی بڑی عمارات پر قبضہ کر لیا۔ ان کوٹھیوں کے نام یہ تھے:

(۱) رتن باغ (۲) جودھامل بلڈنگ (۳) جسونت بلڈنگ (۴) سیمنٹ بلڈنگ۔ مرزا محمود اور اس کے خاندان کی رہائش کے لیے رتن باغ تجویز کیا گیا۔ دفاتر کے قیام اور کارکنوں کو ٹھہرانے کے لیے جودھامل بلڈنگ اور دیگر افراد کی سکونت کے لیے موخرالذکر کوٹھیوں کو موزوں سمجھا گیا۔

پاکستان آنے کے بعد قادیانیوں کی پہلی میٹنگ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء جودھامل بلڈنگ کے صحن میں ہوئی پھر روزانہ رتن باغ میں مشاورتی مجلس کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔ ان دنوں ان کوٹھیوں میں ۱۵۲ خاندانوں کے ۱۸۰۱ افراد رہتے تھے۔

اسی دوران رتن باغ کی ’’مجلس مشاورت‘‘ میں قادیانی مرکز (پاکستان) کے لیے موزوں جگہ کی تلاش کے سلسلے میں چودھری عزیز احمد باجوہ قادیانی (سیشن جج سرگودھا) کو مشورہ طلب کرنے کے لیے بذریعہ تار لاہور بلوایا گیا۔ عزیز احمد باجوہ نے ۲۵ ستمبر کو ایک یادداشت لکھی جس میں مرکز کے لیے دس جگہوں کی نشاندہی کی گئی۔ اسی یادداشت میں انہوں نے نویں جگہ کے بارے میں لکھا۔

''۹۔ چنیوٹ کے بالمقابل دریائے چناب کے پار۔ اس جگہ خیال ہے کہ کافی رقبہ گورنمنٹ سے مل سکے گا۔ جگہ ہر طرح سے موزوں ہے سوائے اس کے کہ احمدی ارد گرد کم ہیں۔''

(تاریخ احمدیت ج ۱۱ ص ۲۸۴)

یہ یادداشت اس مشاورتی مجلس میں سنائی گئی، چونکہ چودھری عزیز احمد تحصیل چنیوٹ کے تحصیلدار بندوبست رہے تھے اور یہ علاقہ ان کی نظر سے کئی دفعہ گزرا تھا لہٰذا انہوں نے اپنی رائے دی کہ قادیانی مرکز یہاں بننا چاہیے۔ چنانچہ اس رپورٹ کے سامنے کے بعد آنجہانی مرزا بشیرالدین نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مجوزہ زمین ملاحظہ کرنے کے لیے اس علاقے کا سفر کیا۔ اس علاقہ کو پسند (کیونکہ اس کے تین اطراف پہاڑیاں اور طرف دریا تھا۔ اس طرح سے یہ علاقہ ایک قلعہ کی مانند ہو گیا تھا۔ ناقل) کرنے کے بعد ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ کو اس اراضی کے خرید کرنے کے لیے درخواست دی گئی۔ اس درخواست میں ڈپٹی کمشنر سے یہ استدعا کی گئی کہ ۱۰۳۴ ایکڑ قطعہ اراضی انجمن احمدیہ پاکستان کو دے دیا جائے۔ بقول قادیانیوں کے ایک طویل کشمکش (کشمکش کی وضاحت نہیں کی گئی۔ ناقل) کے بعد ۱۱ جون ۱۹۴۸ء کو حکومت پنجاب نے حسب ذیل الفاظ میں زمین کی منظوری دے دی۔

''دس روپیہ فی ایکڑ کے حسب سے مجوزہ فروخت اصولی طور پر منظور کی گئی۔'' (تاریخ احمدیت ج ۱۱ ص ۲۹۲) جبکہ زمین کی قیمت اس وقت دس ہزار روپے فی کنال تک پہنچ گئی تھی۔'' (تاریخ احمدیت ج ۱۱ ص ۲۹۳) اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے لکھا تھا:

''قیام پاکستان کے وقت وہ اپنے روحانی مرکز کو چھوڑ کر پاکستان چلے آئے اور یہاں آ کر انہوں نے طے کیا کہ: (الف) پاکستان میں ایک عارضی مرکز قائم کیا جائے چنانچہ ایک مستقل علاقہ پنجاب میں ''کوڑیوں کے مول'' لیا گیا اور وہاں ربوہ کے نام سے خالص مرزائی شہر آباد کیا گیا۔''

(فتنہ قادیانیت ص ۱۱)

حکومت پنجاب کی طرف سے درخواست منظور ہونے کے بعد قادیانیوں نے جلد ہی اس کی حقیر قیمت ادا کر کے رجسٹری مکمل کرائی۔ مورخ قادیانیت لکھتا ہے۔

''اراضی کی خرید کے بارے میں تمام مراحل طے ہونے کے بعد ۲۲ جون ۱۹۴۸ء کو زمین کی قیمت اور اخراجات رجسٹری وغیرہ کے لیے فوری طور پر بارہ ہزار روپے داخل خزانہ سرکار کرائے......اس طرح سے رجسٹری مکمل ہوئی۔ (تاریخ احمدیت ج ۱۱ ص ۲۹۴)

پہلے یہ زمین پنجاب کے آخری انگریز گورنر سے لیز پر لی گئی لیکن بعد میں یہ ریکارڈ خرد برد کر کے اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز مرزائیوں نے ہیرا پھیری کر کے اس لیز کو مالکانہ حقوق میں بدل دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ ملبہ مکان والے کا ہے اور زمین انجمن اور تحریک جدید کی ملکیت ہے۔ جس شخص کے متعلق ذرا شبہ یا شکایت ملتی ہے' اس سے زبردستی مکان خالی کرالیا جاتا ہے یا اس کا سوشل بائیکاٹ کر کے اس پر ربوہ کی زمین تنگ کردی جاتی ہے۔ آج حکومت ربوہ کے مکینوں کو ان کے مکانوں کے مالکانہ حقوق دے دے تو رائل فیملی کے شہزادوں کے ستائے اور دکھیا ربوہ کے آدھے لوگ مرزائیت چھوڑ کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو جائیں گے۔

ربوہ کا سٹیٹ بینک:

ربوہ میں غیر منظور شدہ بینک قادیانی نام نہاد خلیفہ کی زیر نگرانی چل رہا ہے' جسے ''امانت فنڈ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس (بینک) کی طرف سے باقاعدہ چیک بک' اور پاس بک جاری کی جاتی ہے جس کا ڈیزائن منظور شدہ بینکوں کی چیک بکوں اور پاس بکوں سے ملتا جلتا ہے۔

ربوہ کا اندرونی نظام:

ربوہ ایک منی سٹیٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قادیانیوں نے اس شہر میں ایک قسم کی متوازی نظام حکومت بھی قائم کر رکھی ہے' یہ اپنے سربراہ کو امیر المومنین کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک حکومتی نظام کی طرح الگ الگ شعبے اور نظارتیں (وزارتیں) موجود ہیں۔ اس وقت ربوہ میں صدر انجمن احمدیہ کی جو نظارتیں قائم ہیں' ان کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔

(۱) ناظر اعلیٰ: اس سے مراد وہ ناظر ہے جس کے سپرد تمام محکمہ جات کے کاموں کی نگرانی ہو۔

وہ خلیفہ اور دیگر ناظروں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ (۲) ناظر امور عامہ (ہوم سیکرٹری) اس کے سپرد مقدمات فوجداری کی سماعت' سزاؤں کی تنفیذ' پولیس اور حکومت سے رابطہ کا کام ہے۔ (۳) ناظر امور خارجہ (وزیر خارجہ) اس کے ذمہ سیاسی گٹھ جوڑ کرنا' اندرون ملک و بیرون ملک کی کارروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنا ہے۔ (۴) ناضر ضیافت۔ (۵) ناظر تجارت (۶) نظر حفاظت مرکز (وزیر دفاع) (۷) ناظر صنعت (۸) ناظر تعلیم (۹) ناظر اصلاح و ارشاد (وزیر پروپیگنڈہ ومواصلات) (۱۰) ناظر بیت المال (وزیر خزانہ) (۱۱) نظارت قانون (۱۲) ناظر زراعت وغیرہ۔

''اس شہر میں مندرجہ ذیل وکالتوں کے دفتر اور محکمے قائم ہو چکے ہیں۔ وکالت علیا' وکالت مال' وکالت تجارت وصنعت' وکالت تبشیر' وکالت قانون اور وکالت تعلیم۔'' (الفضل ۲۸ ستمبر ۱۹۵۱ء)

یہ یاد رہے کہ ان ناظران کے اختیارات وفرائض خلیفہ ربوہ کی طرف سے تفویض ہوتے ہیں اوران کا تقرر اوران کی تعداد بھی خلیفہ ربوہ مقرر کرتا ہے۔ بجٹ خلیفہ قادیانی کی منظوری سے بنایا اوران کی منظوری سے ہی جاری ہوتا ہے۔ صدر انجمن احمدیہ کے تمام فیصلہ جات قادیانی خلیفہ کے دستخطوں کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتے۔ صدر انجمن احمدیہ اپنے خلیفہ کے تجویز کردہ قواعد وضوابط میں تبدیلی نہیں کرسکتا۔ ناظروں کی تقرری اور برطرفی مکمل طور پر خلفیہ قادیانی کے اختیار میں ہے۔ تمام مرزائی بدرجہ اول اپنے ''امیر المومنین'' اوراپنے نظام حکومت کے تابع ہوتے ہیں اور ملکی نظام حکومت کے کاموں میں اسی کے حکم اور اجازت سے حصہ لیتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی ملکی وزیر بنالیا جاتا ہے یا کسی بڑے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے' فوج میں بھرتی ہوتا ہے یا کوئی اور ملازمت اختیار کرتا ہے تو معہود ذہنی کے ساتھ ایسا کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے قادیانی امیر المومنین کا تابع فرمان ہے۔ یہ بات کہ مرزائی جماعت کے لوگ بدرجہ اول اپنے مرزائی امیر المومنین کے نظام حکومت کے تابع فرمان ہیں۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ مرزائیوں کی حکومت اس شخص کو اپنی تنظیم سے خارج کردیتی ہے جو امیر المومنین کی اجازت کے بغیر یا اس کے حکم کی پرواہ نہ کرتے

ہوئے پاکستان کی کوئی ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔اس حقیقت کے شواہد مرزائیوں کے سرکاری گزٹ الفضل کی ورق گردانی پہ سے بہت مل سکتے ہیں۔ مرزائیوں کے اس معہود ذہنی کا ثبوت حضرت علامہ اقبالؒ کے اس بیان سے بھی ملتا ہے جوانہوں نے ۱۹۳۳ء میں کشمیر کمیٹی کی صدارت سے مستعفی ہونے کے بعد دیا۔اس بیان میں حضرت علامہ اپنے استعفیٰ کے وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بدقسمتی سے کمیٹی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے مذہبی فرقہ کے امیر کے سوا کسی دوسرے کا اتباع کرنا سرے سے گناہ سمجھتے ہیں چنانچہ احمدی (قادیانی۔ناقل) وکلاء میں سے ایک صاحب نے جو میر پور کے مقدمات کی پیروی کر رہے تھے' حال ہی میں اپنے ایک بیان میں واضح طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا۔انہوں نے صاف طور پر کہا کہ وہ کسی کشمیر کمیٹی کو نہیں مانتے اور جو کچھ انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے اس ضمن میں کہا وہ ان کے امیر کے حکم کی تعمیل تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ان کے اس بیان سے اندازہ لگایا کہ تمام احمدی (قادیانی۔ناقل) حضرات کا یہی خیال ہوگا اور اس طرح میرے نزدیک کشمیر کمیٹی کا مستقبل مشکوک ہوگیا۔''

(پاکستان میں مرزائیت ص ۳۶' ۳۷ مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش)

تحریک ختم نبوت کا تیسرا دور

۱۹۵۳ تا ۱۹۸۴ء

تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کا پس منظر

۱۹۵۳ء کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت کن کن مراحل سے گزری، کون کون سے ادارے، شخصیات اور جرائد اس مقدس مہم میں شریک رہے۔ مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیری نے خوبصورت انداز میں ایک مختصر جائزہ لکھا ہے جو کہ بعض جزوی ترمیمات کے ساتھ درج ذیل ہے۔

اس تحریک کی پسپائی کے بعد ملک سیاسی توانائی سے محروم ہو گیا اور جمہوریت فالج کا شکار ہو گئی ایک طرف عالمی استعمار کی مداخلت بڑھ گئی دوسری طرف محلاتی سازشوں کا سلسلہ چل نکلا۔ جن لوگوں نے قائداعظم کے دست راست کی حیثیت سے پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا تھا وہ ایوان حکومت سے خارج ہونے لگے جسٹس منیر نے اس زمانہ ہی سے سر ظفر اللہ خاں کی نگہداری کے فرائض نہایت ہوشیاری سے انجام دیئے، لیکن اس ذہنی تمرد کے باوجود کہ وہ چیف جسٹس کی مسند پر متمکن تھے۔ انہیں یہ حوصلہ نہ ہوا کہ میرزائیوں کے مسلمان ہونے کا فیصلہ کریں۔ احرار پر ملاعن ومطاعن کے باوجود تسلیم کیا کہ تحریک پھر کسی وقت کروٹ لے سکتی ہے۔

بلاشبہ اُس وقت تحریک پسپا ہو گئی۔ خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد لادین عناصر کا حوصلہ بڑھ گیا۔ ملک غلام محمد نے ''انقلاب'' کیا تو سردار عبدالرب نشتر کو بھی ان کے اسلامی ذہن کی پاداش میں کابینہ سے حذف کر دیا۔ میاں مشتاق احمد گورمانی وزیر داخلہ تھے۔ مولانا ظفر علی خاں کی شدید

علالت کے پیش نظر راقم انہیں مولانا اختر علی خاں کی رہائی پر آمادہ کر رہا تھا کہ ان کے دولت کدہ پر سکندر مرزا آ گئے۔ مرزا ان دنوں ڈیفنس سیکرٹری تھے انہیں معلوم ہوا کہ مولانا اختر علی خاں کی رہائی کس مسئلہ ہے تو بھڑک اُٹھے۔ فرمایا کہ وہ رہا نہیں ہو سکتے راقم نے عرض کیا کہ اُن کے والد بیمار ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ خود تو بیمار نہیں؟ راقم نے کہا ان کے والد کی عظیم خدمات ہیں اسی کے پیش نظر اختر علی خاں کو رہا کر دیا جائے۔ سکندر مرزا نے باپ اور بیٹے دونو کو گالی لڑھکا دی اور کہا۔ ''دونو کو مرنے دو۔'' راقم نے مرزا صاحب کوٹو کا کہ ہفتہ پہلے آپ کا بیٹا ہوائی حادثہ میں موت کی نذر ہو گیا ہے اس قسم کے الفاظ آپ کو نہ بولنا چاہئیں۔ گورمانی صاحب نے راقم کے تیور دیکھ کر صحبت ختم کر دی، لیکن مرزا صاحب نے فرمایا یہ کابینہ کی غلطی ہے کہ اُس نے ان مُلاؤں کو پھانسی نہیں دی۔ ہمارے مشورہ کے مطابق پندرہ بیس علماء کو دار پر کھنچوا دیا جاتا یا گولی سے اُڑا دیا جاتا تو اس قسم کے جھمیلوں سے ہمیشہ کے لیے نجات ہو جاتی جس صبح دولتانہ وزارت برخاست کی گئی اس رات گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں سکندر مرزا کا ایک ہی بول تھا۔ مجھے یہ نہ بتاؤ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا یا فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔ مجھے یہ بتاؤ وہاں کتنی لاشیں بچھائی ہیں۔ کوئی گولی بیکار تو نہیں گئی؟ عبدالرب نشتر راقم کے بہترین دوست تھے ان سے اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو فرمایا ''جن لوگوں نے شیدائیان ختم نبوت کو شہید کیا اور ان کے خون سے ہولی کھیلی ہے میں اندر خانہ کے راز دار کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے؟ اور کن حادثات و سانحات کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب کا اطمینان سلب کر لیا اور ان کی روحوں کو سرطان میں مبتلا کر دیا ہے۔''

میرزائیوں نے عالمی استعمار کے مہرے کی حیثیت سے مہرہ بازی شروع کی اور مختلف محکموں میں حصول اقتدار کا منصوبہ تیار کیا۔ ایوب خاں برسرِ اقتدار آ گئے تو قادیانی کئی واسطوں سے ان کے مزاج میں وخیل ہو گئے۔ انہوں نے فوج میں بڑی سے بڑی جگہ پیدا کی، اقتصادی زندگی کو ہاتھ میں لینا شروع کیا۔ ان کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ مرزا غلام احمد کا پوتا ایم۔ ایم احمد مرکزی حکومت میں فنانس سیکرٹری ہو گیا۔ پھر پلاننگ کمیٹی کی سربراہی حاصل کی اور اقتصادی منصوبوں کا انچارج ہوا۔ جُوں جُوں ایوب خاں کی ہوا اکھڑتی گئی توں توں انہیں قادیانی قرب کی ضرورت پڑتی گئی۔ ایک طرف حکومت پاکستان کے مختلف شعبوں میں سی۔ آئی۔ اے کا ہاتھ کارفرما تھا دوسری طرف سیاسی ہلچل کا آغاز ہو چکا تھا۔ میرزائی ایک طرف ایوب خاں کو اپنی

وفاداری کا یقین دلاتے دوسری طرف سی۔آئی۔اے کے حسب منشاء شطرنج کھیلتے تھے۔ایوب خاں کے ساتھیوں میں نواب کالاباغ گورنر پنجاب قادیانیوں کے مخالف تھے۔بالآخر قادیانی انہیں نکلوانے میں کامیاب ہو گئے وہ گئے تو قادیانی ایوب خاں کی مونچھ کا بال ہو گئے۔انہوں نے حکومت سے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت اخبارات کے نام اس امر کا سرکلر جاری کرایا کہ اشارۃً وکنایۃً یا تفصیلاً واجمالاً کسی طرح بھی قادیانی فرقہ پر خفی وجلی تنقید نہ کی جائے کسی نے خلاف ورزی کی تو وہ قانون کے مطابق مستوجب سزا ہوگا۔ ہفتہ وار ''چٹان'' نے عرب ممالک کی اس دوسطری خبر پر الحمدللہ کا عنوان جمایا کہ ''وہاں اس فرقہ کی سرگرمیوں کا احتساب کیا جارہا ہے ہم بھی ان پر نگاہ رکھیں۔'' اس مختصر نوٹ پر چٹان پریس ضبط کرلیا گیا اور راقم کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر کے پنجاب سے باہر نظر بند کر دیا گیا۔اس سلسلہ کی تفصیلات ایک علیحدہ باب میں آئیں گی، لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک کے پسپا ہونے کا نتیجہ تھا کہ صدر ایوب کی حکومت نے ایڈووکیٹ جنرل کی معرفت لاہور ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ اس امر کا بیان دیا کہ قادیانی مسلمان ہیں۔اس سے بھی کسی پہلے کو یہ جرأت نہ ہوئی تھی۔

ممکن تھا حکومت کا حوصلہ نہ ہوتا، لیکن جس بُری طرح ۱۹۵۳ء کی تحریک کو کچلا گیا تھا اس نے کئی برس کے لیے مسلمانوں کے جذبات کو مدھم کر دیا تھا۔اس دوران میں کئی سانحات ہوتے رہے ایوب خاں کے مارشل لاء کی عمر دراز ہوگئی۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری جو اس تحریک کی روح رواح تھے اپنے اللہ کے ہاں چلے گئے۔ان کے جانشین قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھے اور ان کا موضوع ہی قادیانیت تھا، لیکن ان کا پیمانہ عمر بھی لبریز ہوگیا مولانا سید ابوالحسنات بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، بعض دوسرے راہنما عملی سیاست میں کھوگئے۔جن علماء نے اس مسئلہ کو اپنے خطبات میں مقامی طور پر زندہ رکھا وہ ختم نبوت کے مطالب پر وعظ کرتے یا قلم اٹھاتے تھے انہیں اس امر کا اندازہ ہی نہ تھا کہ مرزائی ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے پرورش پا رہے ہیں۔اور پروان چڑھ رہے ہیں۔

تحریک راست اقدام ۱۹۵۳ء حکومت کے وحشیانہ تشدد کی بدولت اس اعتبار سے ناکام ہوگئی کہ مجلس عمل کا ایک مطالبہ بھی تسلیم نہ کیا گیا، لیکن جہاں تک عام انتظامیہ اور پنجاب پولیس کا تعلق

تھا، انہیں عامۃ المسلمین کی اجتماعی قوت نے بے بس کر دیا۔ کئی شہروں میں ڈپٹی کمشنروں کا منہ کالا کیا گیا اور پولیس تھانوں میں چھپ کے بیٹھ گئی، لیکن لاہور میں مارشل لاء کے نفاذ سے فوج نے عوام کو اس قدر ہراساں کیا گویا اُس کے سامنے کسی دشمن ملک کے شہری ہیں پاکستان کی نوجوان نسلوں کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا اور ایک آزاد ملک کے شہری اس کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے جسٹس منیر نے لاہور ہائی کورٹ میں تحقیقاتی عدالت کی مسند پر فروکش ہو کر فدایان ختم نبوت کی اس طرح تحقیر کی کہ اس کے اثرات عام مسلمانوں کی ذہنی فضا کے لیے انتہائی ناخوشگوار تھے غرض حکومت کی بے رحمی کو فوج نے سہارا دیا اور عدالت نے توثیق کی، لیکن تحریک کی ناکامی حکومت کے دوائر میں ضرور ہوئی اور اس سے لادین عناصر کا مختصر گروہ بھی خوش ہوا۔ یا پھر قادیانیت نے خانہ ساز فتح حاصل کی، لیکن عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں قادیانیت کے لیے کوئی سی جگہ نہ رہی۔ ایک مستقل بیزاری اور ہمیشہ کی نفرت پیدا ہوگئی۔ اس صورت حال نے جو نتائج پیدا کیے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱۔ سیاستدان بیوروکریسی کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ پاکستان نوکر شاہی کے تصرفات کا شکار ہو گیا۔

ٹائم بم:

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے بعد ایک افسر نے طنزاً کہا ''شاہ جی''! آپ کی تحریک کا کیا بنا؟ شاہ جیؒ نے برجستہ فرمایا کہ میں نے اس تحریک کا ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک ٹائم بم فٹ کر دیا ہے۔ جو وقت آنے پر چل جائے گا۔ اس وقت مرزائیت کو اقتدار کی کوئی طاقت نہ بچا سکے گی۔ چنانچہ یہ ٹائم بم خود قادیانیوں کے ہاتھوں ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر پھٹا اور نتیجتاً قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

(''تذکرہ مجاہدین ختم نبوت' ص ۱۹۰۔۱۹۴' از مولانا اللہ وسایا)

۲۔ فوج نے سول اقتدار کا ذائقہ چکھ کر سارے ملک پر حکمرانی کا خواب دیکھنا شروع کیا۔ اسی کا نتیجہ خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے بعد مسٹر محمد علی بوگرہ کی وزارت میں جنرل محمد ایوب خاں کا شمول تھا۔ اس چیز کا اندازہ ایوب خاں کی سوانح عمری سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کا ذہن اس سانچے میں کیونکر ڈھلا اور وہ تین سال ہی میں سارے ملک پر کس طرح حکمران ہو گئے ان کے دس سالہ عہد اقتدار کا خمیر کیا تھا؟

۳۔ ملک میں جمہوریت اور اسلامیت کو رفتہ رفتہ نقصان پہنچا۔ ایک طرف مسلم لیگ بازیچہ اطفال ہو کر رہ گئی۔ اس کا تاریخی وقار مسلمانوں میں زائل ہو گیا۔ دوسری طرف اسلامی نظام کے طرفداروں کو آزمائش وابتلا کے ہاتھوں انتہائی ضعف پہنچا۔

۴۔ پاکستان کی سیاسی مرکزیت اس سانحہ کے بعد کمزور ہونے لگی۔ ان وجوہ کو زیر بحث لانے کا یہ محل نہیں لیکن مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف جو لہریں اُٹھیں وہ اس صورت حال کا قدرتی ردعمل تھیں۔ مشرقی پاکستان کی سیاسی لیڈر شپ کو مغربی پاکستان کو بیورو کریسی سے شدید شکایات پیدا ہوتی گئیں۔ پہلا صدمہ یہ تھا کہ خواجہ ناظم الدین کو ملک غلام محمد نے بلا استحقاق اور بلا جواز برخاست کیا۔ دوسرا رنج یہ تھا کہ مولوی تمیز الدین سپیکر قومی اسمبلی کی رٹ جسٹس منیر نے خارج کر کے آئین کی آبرو خراب کی۔ تیسرا املال یہ تھا کہ مسٹر محمد علی بوگرہ کو پہلے امریکہ سے درآمد کیا۔ پھر اس سے کام لے کر سکبدوش کر دیا۔ چوتھا حادثہ مسٹر حسین شہید سہروردی سے مغربی پاکستان کی ری پبلیکن پارٹی کا احمقانہ سلوک تھا۔ اس سے استعفیٰ لے کر اسکندر مرزا نے مشرقی پاکستان کو برافروختہ کیا۔ مغربی پاکستان کی بیورو کریٹ لیڈر شپ نے پے در پے مشرقی پاکستان کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ مثلاً مولوی اے۔ کے فضل الحق کو صوبائی گورنر بنایا۔ پھر موقوف کر دیا۔ ان کی جگہ اسکندر مرزا کو بھیجا۔ مولوی صاحب پر سیاسی گالیوں کی جھاڑ باندھی۔ ضرورت پڑی تو مرکزی وزارت میں لے لیا۔ ضرورت نہ رہی تو رخصت کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی سیاست مغربی پاکستان کے جن بیورو کریٹس کے ہاتھ میں رہی وہ سیاسی اعتبار سے کوئی سی عوامی خصوصیت نہ رکھتے تھے۔ انہیں اپنے ملک کے عوام کی بہ نسبت استعماری طاقتوں کی پشت پناہی پر بھروسہ تھا اسی زمانے میں پاکستان کی سیاسی ابتری شروع ہوئی اور حالات بگڑتے چلے گئے حتیٰ کہ عالمی طاقتوں نے پاکستان کو اپنی شطرنج کا مہرہ بنا لیا۔

۵۔ قادیانی بزرجمہروں نے اسکندر مرزا کے عہد میں اپنے سیاسی مقاصد کی مہم شروع کی۔ اور استعماری طاقتوں سے گٹھ بندھن کے بعد اسرائیل سے معاہدہ کیا کہ وہ ان کے لیے عرب ریاستوں میں خفیہ خدمات انجام دینگے اور پاکستان [illegible] فضا کو اُسی نہج پر

لے آئیں گے جو استعماری طاقتوں کی سیاسی خواہشوں کا منصوبہ ہے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کا پاکستان کی وزارت خارجہ سے سبکدوش ہو کر انٹرنیشنل کورٹ کا جج ہونا، اسی سلسلے کا ایک شگوفہ تھا۔ ادھر پاکستان میں قادیانیوں نے فوج کے تینوں شعبوں میں پاؤں جمانا شروع کئے۔ مسٹر ایم۔ ایم۔ احمد مرکزی حکومت میں مالیات کے سیکرٹری ہو کر براجمان ہو گئے آخر کار اقتصادی منصوبہ بندی اُن کے ہاتھ میں چلی گئی۔ انہوں مشرقی پاکستان کو استعماری پلان کے مطابق اقتصادی ترقی سے محروم رکھا جس سے اُس کی ناراضی کو شہ ملی اور مغربی پاکستان سے علیحدگی کا ذہن نشو ونما پانے لگا۔ پاکستان کی اٹامک انرجی کا چیر مین پروفیسر عبدالسلام قادیانی کو مقرر کیا گیا وہ انگلستان میں کیمرج یونیورسٹی کا پروفیسر، لیکن در پردہ سی۔ آئی۔ اے کا آلہ کار تھا۔ اور اب تک استعماری خدمات پر مامور ہے۔ (اب مر چکا ہے' مؤلف)

غرض تحریک راست اقدام کے بعد پاکستان سیاسی طور پر ایک کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد شاید ہی کوئی سال جمعیت خاطر کا ہو۔ ہر روز سیاسی شرارتیں جنم لیتیں اور مقتدرین قومی استحکام کو داؤ پر لگا کر قمار بازی کے شغل میں منہمک ہوتے تھے۔............

اس پُر اسرار کہانی کی تفصیلات کا تذکرہ ایک دوسری کتاب کا موضوع ہے، لیکن ایوب خاں نے جب امریکہ کی عالمی سیاست کے مشوروں سے اختلاف کیا تو سی۔ آئی۔ اے کے ہاتھ لمبے ہو گئے۔ اس نے اِکاّ دُکاّ سیاست دانوں کے علاوہ انتظامیہ میں سے کچھ لوگ تلاش کئے۔ انہیں ڈھب پہ لا کر سازش کی چوسر بچھائی۔ سب سے زیادہ اعتماد قادیانی امت پر کیا گیا۔ سر ظفر اللہ خاں کی معرفت ربوہ کے عمر دعیار میرزا بشیر الدین کو ہاتھ میں لیکر قادیانی امت کو استعمال کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ راقم کو یہ شرف حاصل ہے کہ قادیانی اداکاروں کا نام لے کر راقم نے سب سے پہلے سنگین حقائق کی چہرہ کشائی کی، اور اس انکشاف کو ایک تحریک بنا دیا کہ پاکستان میں قادیانی آفیسر مختلف کلیدی آسامیوں تک پہنچ کر عالمی استعمار کے لیے کیا فرائض انجام دیتے ہیں؟ ایوب خاں کا صدارتی انتخاب ختم ہوا تو اس کے چند ماہ بعد کشمیر کی جنگ، اور اس کے جواب میں ہندوستان کی پاکستان پر لشکر کشی، استعماری سیاست کا کرشمہ تھا۔ راقم نے اپنے ایک پمفلٹ عجمی اسرائیل میں اس کا انکشاف کیا۔ اپنی بہت سی تقریروں میں ذکر کیا کہ سر ظفر اللہ خاں نے امریکہ سے ڈاکٹر

جاوید اقبال کی معرفت صدر ایوب کے نام کیا پیغام بھیجا تھا، جنرل اختر حسین ملک قادیانی نے کشمیر میں جنگ کا محاذ کھلوانے کے لیے کیا کیا جتن کیے، اس کی روداد نواب کالا باغ نے خود راقم سے بیان کی نواب صاحب نے راقم کو وہ دستی اشتہار بھی دکھایا جو قادیانی امت نے ربوہ کے حسب ہدایت کشمیر میں تقسیم کیا تھا کہ مسیح موعود کی پیشگوئی کے مطابق وادی کشمیر کی فتحیابی اس کی جماعت کے ہاتھوں ہوگی۔ وہ ایک مسیح کا مدفن ہے اور دوسرے مسیح کی صداقت کا نشان ہوگا۔ نواب کالا باغ راوی تھے کہ قادیانی امت نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ڈول استعماری ہدایت پر ڈالا تھا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے ہمیں مصئون و محفوظ رکھا۔

اس جنگ کے بعد قادیانی امت نے استعماری معاہدوں کے تحت پاکستان میں اپنے منصوبوں کو پروان چڑھانے کی مہم تیز کر دی اور کھل کے حکومت کی شہ رگ کے شعبوں پر قبضہ کرنے کا آغاز کیا۔ مسٹر ایم۔ ایم احمد نے اپنے دادا کے پیروؤں کی اقتصادی ساکھ کو مضبوط کرنے کے لیے قادیانیوں صنعت کار بنانا شروع کیا۔ میرزا بشیر الدین محمود نے جماعتی روپے کے بل پر ملکی بنکوں میں اپنے مریدوں کے لیے بڑی بڑی ملازمتوں کا انتظام کرایا۔ بعض انشورنس کمپنیوں میں امت کے افراد کو جگہ دلوائی۔ ملک کے اکثر روزناموں کو بہ لطائف الحیل مہر بلب کیا کہ وہ قادیانی امت کے متعلق کوئی سی منفی خبر نہ دیں اور اگر ایسی کوئی خبر ملے تو اس کو ملکی استحکام کے خلاف قرار دیکر مسترد کر دیا جائے ان لوگوں کے خلاف پروپیگنڈا کی نیو رکھوائی جو قادیانیت کے حریف اور اسلام کے مخلص تھے۔ افسروں کے دیندار عناصر کو ایوب خاں سے قریب نہ ہونے دیا اور اُن لوگوں کو ان سے قریب رکھا جو قادیانیت کے احتساب کو ملک و قوم کی سالمیت کے خلاف سمجھتے اور اسی مفروضہ پر زندگی گزارتے تھے۔ میرزا بشیر الدین نے ان افسروں کے لیے کئی طرح کی رشوتوں کا انتظام کیا جس میں جسم کا لمس اور زر و مال کا نذرانہ شامل تھے۔ اسی دوران میرزائی امت نے عرب ریاستوں کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے آدمی بھجوانا شروع کیے جو میرزا بشیر الدین محمود اور سر ظفر اللہ خاں کی ہدایت کے مطابق اسرائیل کی خفیہ معلومات بہم پہنچاتے اور عالمی استعمار کے فرائض سے عہدہ برآمد ہوتے تھے۔

میرزائیوں نے ملکی نشر و اشاعت کے ذرائع کو بھی اپنے تصرفات میں ڈھال لیا۔ سب سے خطرناک چیز ملکی فوج میں میرزائی امت کا جوق در جوق بھرتی ہونا اور بڑے بڑے عسکری عہدے

حاصل کرتا تھا۔ روزنامہ ''الفضل'' فوجی بھرتی کے وہ تمام اشتہارات چھاپتا۔ جس بھرتی کے انچارج قادیانی افسر ہوتے اور وہ انگوٹھی کے نشان پر قادیانی العقیدہ نوجوانوں کا انتخاب کرتے غرض قادیانی امت بری فوج میں لگاتار بھرتی ہوتی گئی اور اس طرح ایک ایسا Cell قائم کیا جو میرزائی جرنیلوں کی معرفت ربوہ کے ماتحت تھا اور استعماری ضرورت کے وقت ففتھ کالم کا کام دے سکتا تھا، لیکن جو چیز انتہائی خطرناک تھی۔ فوج کے بنیادی عہدوں اور جنگ کے اہم محاذوں پر قادیانی جرنیلوں کا تقرر تھا اسی طرح بحریہ میں ربوہ کو ضروری کوائف سے مطلع رکھنے کے لیے قادیانی موجود تھے۔ لیکن اصل خطرہ فضائیہ سے تھا کہ اس پر قادیانیوں نے بھرپور قبضہ کیا اور پاکستانی فضائیہ کے تقریباً سبھی اسٹیشنوں کے انچارج ہو گئے۔ یہ ایک خطرناک چیز تھی اس کا تجربہ سعودی عربیہ کر ہو چکا تھا کہ اسرائیل سے جنگ کے دوران اس کے جہاز کیونکر ناکارہ ہو گئے اور جب کرنل ناصر نے روس سے دوستی کا آغاز کیا تو سعودی عربیہ کے طیاروں کی ایک لکڑی اُڑ کے قاہرہ پہنچ گئی۔ ایر مارشل نور خاں اور ائیر مارشل اصغر خان کے بعد قادیانی ہوابازوں اور مختلف رینکس کے مرزائی افسروں کو اور وسعت ہوئی۔ عجب نہ تھا کہ ایوب خاں کے زمانہ ہی میں مارشل ایس۔ ایم۔ اختر جو ایک مشہور قادیانی تھے ائیر فورس کے سربراہ ہو جاتے لیکن ان کی خدمات پی۔ آئی۔ اے کو منتقل کر دی گئیں۔ انہوں نے وہاں چیف کی حیثیت میں قادیانی امت کو اس طرح سرپرستی کی کہ اندر خانہ ایک ہلچل شروع ہو گئی۔ راقم نے صدر ایوب کو ذاتی خط لکھا چٹان میں مقالہ تحریر کیا بعض علماء کو متوجہ کیا مجلس تحفظ ختم نبوت کو آگاہ کیا۔ اس اجتماعی تگ و دو کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایوب خاں نے اپنے صدارتی وجود کو قائم رکھنے کے لیے مارشل ایس۔ ایم۔ اختر کو سبکدوش کر دیا، لیکن ائیر فورس کی اختیاری اکثریت پر قادیانی امت ہی کا تصرف رہا۔ اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ تھا کہ اسرائیل سے شکست کھانے کے بعد عرب ریاستوں نے پاکستان سے فضائیہ کا عملہ طلب کیا تو سرکاری طور پر جو لوگ ائیر فورس کی طرف سے بھیجے گئے وہ زیادہ تر قادیانی تھے یا پھر وہ مسلمان تھے جو قادیانی سحر کا شکار ہو چکے تھے اور فوج کے غیر قادیانی افسروں کو شکار یا رام کرنے کے لیے میرزائی امت نے اپنی دوشیزاؤں کو ان کے نکاح میں دیکر حسب مطلب نتائج پیدا کر لئے تھے ان ناموافق حالات میں بھی قادیانیت کا محاسبہ کم وبیش جاری رہا علماء نے منبر و محراب پر اپنے وعظ جاری رکھے اور مختلف دینی احزاب کے مجلوں نے اپنے احتسابی قلم کو رواں دواں رکھا سب سے بڑا فائدہ جو

اس تحریک راست اقدام سے پہنچا وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا باہمی اتحاد تھا۔ قضیہ جو بریلوی و دیوبندی نزاع کے نام سے لاینحل تھا اس تحریک کی بدولت سرد ہوگیا۔ اس طرح اہل حدیث و غیر اہل حدیث شیعہ وسُنی اور دیوبندی و بریلوی کے تنازعوں کی چنگاریاں بجھ گئیں اس کے حقیقی محرک سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ آپ نے مولانا سید ابوالحسنات قادری کو ساتھ لیکر اور مجلس عمل کی قیادت سونپ کر ایک شگفتہ زمین تیار کی، سید مظفر علی شمسی شیعہ نوجوانوں کے لیڈر تھے اور سن شعور سے احرار کا ذہن رکھتے تھے شاہ جی نے ان کی وساطت سے مشہور شیعہ عالم حافظ کفایت حسین کو ساتھ ملا کر قادیانیت کے حصار پر وہ ضربیں لگائیں کہ وحدت اسلامی کی یلغار کا نقشہ کھینچ گیا۔ جب ۱۹۵۳ء میں تحریک راست اقدام چلی تو راقم نے حسین شہید سہروردی کو مسئلہ کے ہر پہلو سے آگاہ کیا۔ میرزا غلام احمد کے دعاوی کی روداد سنائی۔ راقم نے مرزا غلام احمد اور مرزا بشیر الدین کی تحریروں کا انبار پیش کیا۔ سہروردی نے ایک ایک چیز کا مطالعہ کیا اور کہا کہ اس قسم کا شخص اگر مشرقی پاکستان میں ہوتا تو بنگال کا مسلمان پہلے ہی دن اس کو ہمیشہ کی نیند سلا دیتا اور اس کے پیروکار مرجھائی ہوئی شاخوں کی طرح کاٹ دیئے جاتے حیرت ہے کہ پنجاب نے اس کو قبول کیا اور مسلمانوں نے اپنی زمین میں اس کو پنپنے دیا اس طائفہ کا وجود مسلمانوں کے لیے نامور ہے مسٹر سہروردی نے اس سلسلہ میں خواجہ ناظم الدین کو فل سکیپ سائز کے تیس صفحوں کا ایک طویل خط لکھا جس میں تحریک راست اقدام کی حمایت کے علاوہ میرزا غلام احمد کی امت کو خارج اسلام قرار دینے کے مطالبہ کی پرزور حمایت کی۔ اس خوبصورت اور مدلل خط کی ایک نقل احقر کی عنایت کی۔ وہ خط راقم کے پاس منیر انکوائری کمیٹی کے آغاز تک محفوظ رہا۔ پھر مولانا سید محمد داؤد غزنوی کمیٹی کو دکھانے کے لیے لے گئے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خط کہاں رہ گیا۔ کیونکہ وہ خط کسی مرحلے میں منیر انکوائری کمیٹی کے سامنے پیش نہ کیا گیا۔ کئی سال ہوئے راقم کو اس خط کی ایک دوسری نقل خواجہ عبدالرحیم سے ملی، لیکن اس کے ابتدائی تین صفحے اور آخری دو صفحے غائب تھے۔ شہید سہروردی نے عوامی لیگ کی طرف سے تحریک راست اقدام پر صاد کیا۔ اور لاہور سے باہر جہاں کہیں جلسوں کا انعقاد ممکن تھا، اس دینی مسئلہ کی حمایت اور سرکاری تشدد کی مذمت میں زبردست تقریریں کیں۔ راجہ حسن اختر عوامیلیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے مسجد وزیر خاں کے جلسہ میں شامل ہونے کے لیے جا رہے تھے کہ سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مشتعل ہجوم کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ راجہ

صاحب کو پولیس نے روک کر واپس کر دیا۔ اُدھر مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ واضح رہے کہ مسجد وزیر خاں کے مورچہ کی پاداش میں مولانا عبدالستار خاں نیازی جو بریلوی مکتب فکر کے جید و متبحر نوجوان تھے، مارشل لاء کی عدالت سے پھانسی کے مستحق گردانے گئے انہیں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ ہی سزائے موت سنائی گئی۔ پھر انہی کے ساتھ عمر قید میں تبدیل کر دی گئی۔ انہوں نے اپنی رہائی کے بعد ختم نبوت کے تقریری محاذ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا۔ اس سلسلہ میں تحریک و مسئلہ سے متعلق دو یا تین کتابچے لکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالستار نیازی عشق رسالت میں قرن اول کے مسلمانوں کا مزاج رکھتے ہیں۔ انہوں نے باہر آتے ہی میرزائی امت کو للکارنا شروع کیا۔ ایوب خاں کے دور میں اس کی حکومت کو آڑے ہاتھوں لیا، ان مسلمانوں کو اینگلو مسلمان کا لقب دیا جو قادیانی امت کو مسلمانوں میں شمار کرتے اور عقیدۂ ختم نبوت کی اساس سے ناواقف تھے۔ مولانا عبدالستار نیازی اس دوران میں دوچار دفعہ پکڑے گئے۔ حتیٰ کہ ایوبی غنڈوں اور قادیانی اجیروں نے تنہا پاکر ان پر حملہ بھی کیا۔ میرزائیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ انہوں نے علماء کا استخفاف اپنا شعار بنا لیا۔ اور ایوب خاں کو بھی اسی راستہ پر لگا لیا۔ روزنامہ الفضل کے ایک ہم زلف ہفتہ وار نے علامہ اقبال کے خلاف ژاژ خائی کا سلسلہ شروع کیا۔ میرزائی امت کا حوصلہ تھا کہ اُس نے پاکستان میں علامہ کے خلاف بدزبانی کا آغاز کیا اور اقبال سے اس مقالے یا مقالوں کا انتقام لینا چاہا جو انکے قلم سے قادیانیت کے تابوت کی میخ تھے، علامہ اقبال کی فکر کے نمک خواروں میں سے کسی کو جواب دینے یا احتجاج کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ تب قادیانی رسوخ کا یہ حال تھا کہ پروفیسر حمید احمد خاں وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے مسند اقبال کا ہیڈ گورنمنٹ کالج کے مشہور قادیانی پروفیسر قاضی محمد اسلم کو مقرر کیا اور کسی احتجاج کی پروا نہ کی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ کو مجلس تحفظ ختم نبوت کی شکل دیکر مولانا محمد علی جالندھری کو پہلا ناظم اعلیٰ مقرر کیا اور حسب ذیل علماء اس کے بنیادی ارکان تھے۔

قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد حیات فاتح قادیاں، محمد شریف جالندھری، مولانا تاج محمود، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا شیخ احمد بوریوالہ، مولانا سعید احمد مظفر گڑھ، مولانا محمد شریف بہاولپوری، مولانا نذیر حسین پنوعاقل سندھ، مولانا علاؤ الدین ڈیرہ اسمٰعیل خاں۔

ان علماء نے قادیانیت کو مذہبی اعتبار سے کہیں ٹکنے نہ دیا۔ اپنا تنور روشن رکھا۔ تحریک راست

اقدام کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کا وجود انعام الٰہی تھا۔ شاہ جی کی رحلت کے بعد کچھ عرصہ کے لیے مولانا محمد علی جالندھری امیر ہو گئے پھر کام کی وسعت کے پیش نظر مولانا قاضی احسان شجاع آبادی کو امیر مقرر کیا گیا۔ قاضی صاحب حضرت شاہ صاحب کے شاگرد خاص اور قادیانی مسئلہ میں شمشیر برہنہ تھے۔ آپ نے زندگی بھر قادیانیت کا مقابلہ کیا اور اس طرح شکستیں دیں کہ مرزا غلام احمد کے جانشین ان کے نام سے کانپتے تھے۔ قاضی صاحب قادیانیت کے سلسلہ میں انسائیکلو پیڈیا تھے۔ اپنے ساتھ قادیانی لٹریچر کا بستہ رکھتے۔ وزیراعظم' وزیروں' گورنر جنرل اور گورنروں کے ہاں پہنچ جاتے۔ انہیں مرزا غلام احمد کی تصنیفات میں سے پوچ تحریریں اور بے نقط گالیاں دکھاتے' وہ کانوں پہ ہاتھ رکھتے اور کہتے کہ اس فاترالعقل نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا تھا۔ قاضی صاحب سحر طراز خطیب تھے۔ آپ کا ۱۹۶۶ء میں انتقال ہو گیا۔ مولانا محمد علی شروع دن سے ناظم اعلیٰ تھے۔ قاضی صاحب کی موت کے بعد امیر مقرر کیے گئے۔ مولانا لال حسین اختر ناظم اعلیٰ بنے۔ مولانا محمد علی ایک متدین عالم دین اور ایک معتدل خطیب تھے۔ ہر بات تول ناپ کر کرتے۔ آپ نے دارالمبلغین قائم کر کے قادیانیت کے لیے ایک ایسا شکنجہ تیار کیا کہ تمام اضلاع میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر قائم ہو گئے۔ کوئی پچاس سے زائد کل وقتی مقرر کیے جو مرکزی دفتر سے معمولی شاہرہ لے کر اپنے فرائض انجام دیتے۔ اس نظام نے قادیانیت کی سرکوبی نہایت احسن طریق پر کی۔ دارالمبلغین نے سینکڑوں مبلغ و مناظر تیار کیے۔ انہوں نے پاکستان ہی میں قادیانیت کی سرکوبی نہایت احسن طریق پر کی۔ دارالمبلغین نے سینکڑوں مبلغ و مناظر تیار کیے۔ انہوں نے پاکستان ہی میں قادیانیت کا گھیراؤ نہ کیا بلکہ ملک سے باہر افریقہ ممالک اور عرب ریاستوں میں آتے رہے۔ دارالمبلغین میں ہندوستان' برما' ماریشس' فجی آئی لینڈ اور افریقی ممالک کے علماء نے آ کر ردمیرزائیت کی تعلیم حاصل کی پھر اپنے ممالک میں واپس جا کر قادیانیت کا تعاقب کیا۔ یہ سب مولانا محمد علی جالندھری کی شبانہ روز مساعی کا اعجاز تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تائید ایزدی کے بل پر آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کو ایک طاقتور تنظیم بنا دیا۔ اس کا مرکزی دفتر ملتان میں خرید کیا۔ جوابی لٹریچر تیار کرتے رہے اور ان تمام مقدمات کے اخراجات مجلس کے ذمہ ہوتے جو مبلغین کے خلاف قائم کیے جاتے یا جن علاقوں میں مرزائی مسلمانوں سے انفرادی و اجتماعی سطح پر قانون کے مختلف معرکے رچاتے۔ مثلاً جائیداد کا تنازعہ' شادی بیاہ کے معاملے اور طلاق وغیرہ کا مسئلہ۔ مولانا کا وجود

مرزائیوں کے لیے درہ عمر تھا۔ آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے لیے لاکھوں روپے جمع کیے۔ خود بھی مشاہرہ لیتے تھے لیکن جب......١٩ء میں آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی یادداشتوں میں ایک تحریر برآمد ہوئی کہ میں نے آج تک مجلس تحفظ ختم نبوت سے بطور مشاہرہ جو رقم حاصل کی ہے وہ فلاں جگہ فلاں صندوق میں بندھی پڑی ہے وہاں سے لے لی جائے۔ اس اجلی سیرت کے انسانوں ہی نے مجلس تحفظ ختم نبوت کا چراغ روشن رکھا۔ آپ کے بعد مولانا لال حسین اختر امیر منتخب ہوئے۔ مولانا عبدالرحیم اشعر ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ مولانا لال حسین اختر قادیانیت کے سلسلہ میں گھر کے بھیدی تھے۔ ایک اعلیٰ پایہ کے مقرر' ایک خوش گفتار مبلغ اور ایک معجز بیان مناظر! آپ کا نام قادیانیوں کے لیے سوہان روح تھا۔ آپ نے ردمرزائیت کے سلسلہ میں انگلینڈ' جرمنی' امریکہ' فجی آئی لینڈ اور سعودی عرب کا دورہ کیا۔ آپ کی ثمرآور کوششوں سے ہڈرسفیلڈ (انگلستان) اور فجی آئی لینڈ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی دفتر قائم کیے گئے۔ ہڈرسفیلڈ کا دفتر مجلس کی ملکیت ہے۔ ان ملکوں میں آپ مرکزی دفتر سے مختلف زبانوں میں لٹریچر بھجواتے رہے۔ بالآخر ایک حادثہ کا شکار ہو کر ١٩٧٣ء میں رہرو عالم بقا ہو گئے۔ آپ کے بعد مولانا محمد حیات فاتح قادیاں کو عارضی طور پر امیر مقرر کیا گیا' لیکن جماعت کی شوریٰ نے جمع ہو کر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو امیر منتخب کیا اور مولانا محمد شریف جالندھری کو ناظم اعلیٰ ان کے علاوہ مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں' نائب صدر مولانا عبدالرحیم اشعر ناظم تبلیغ' مولانا عبدالرحمٰن میانوی نائب ناظم اور مولانا غلام محمد بہاولپور خازن مقرر ہوئے۔ اس دور میں قادیانیت سے کئی فیصلہ کن معرکے ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحریک راست اقدام کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا اس کو مجلس تحفظ ختم نبوت کی پراستقامت مساعی نے پر کیا اور حکمرانوں کے مخاصمانہ حالات میں بھی اپنے مشن کو قائم رکھا۔ اس سلسلے میں جو مبلغین کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔ (١) مولانا محمد حیات فاتح قادیاں (٢) مولانا عبدالرحمٰن میانوی (٣) مولانا محمد شریف بہاولپوری (٤) مولانا عبدالرحیم اشعر (٥) مولانا محمد شریف جالندھری (٦) مولانا غلام محمد (٧) مولانا سید منظور احمد شاہ (٨) مولانا قاضی محمد اللہ یار (٩) مولانا محمد انور (١٠) مولانا عبداللطیف کوئٹہ (١١) مولانا بشیر احمد سکھر (١٢) مولانا نذیر احمد بہاولپور (١٣) مولانا منظور احمد (١٤) مولانا زریں احمد خاں ملتان (١٥) مولانا اللہ وسایا لائل پور (١٦) مولانا نور محمد مظفر گڑھ (١٧) مولانا

عبدالرشید (۱۸) مولانا بشیر احمد مظفر گڑھ (۱۹) مولانا صوفی اللہ وسایا ڈیرہ غازیخاں (۲۰) مولانا محمد علی سمندری (۲۱) مولانا سید مختار الحسن (۲۲) مولانا عبدالروَف (۲۳) مولانا کریم بخش لاہور (۲۴) مولانا ضیاء الدین آزاد گوجرانوالہ (۲۵) مولانا محمد یوسف لدھیانوی (۲۶) مولانا سید حبیب اللہ (۲۷) مولانا محمد خاں سیالکوٹ (۲۸) مولانا خدا بخش ربوہ (۲۹) مولانا محمد شریف احرار چنیوٹ (۳۰) مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا کراچی (۳۱) مولانا غلام حیدر اسلام آباد (۳۲) حافظ غلام حبیب (۳۳) حافظ عزیز الرحمٰن خورشید سرگودھا۔

جیسا کہ عرض کیا مجلس تحفظ ختم نبوت دراصل برصغیر کی آزادی سے پہلے مجلس احرار اسلام کا شعبہ تبلیغ تھا۔ اس وقت کے تمام جید علماء قادیانی فتنے کے تعاقب کی مہم میں اس کے ہمنوا تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی روایت کے مطابق علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے احرار کو مشورہ دیا تھا کہ اپنی جماعت میں ایک غیر سیاسی شعبہ تبلیغ اس غرض سے قائم کریں چنانچہ چوہدری افضل حق' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' مولانا مظہر علی اظہر' ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا محمد حیات اس شعبے کی عاملہ کے ارکان مقرر ہوئے۔ میاں قمر الدین رئیس اچھرہ سرپرست قرار پائے۔ انہوں نے اس غرض سے بیشمار روپیہ صرف کیا۔ سید چراغ شاہ قادیاں میں معاون خصوصی رہے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے احرار کے خلاف کئی دفعہ وائسرائے سے واویلا کیا۔ سر ظفر اللہ خاں اپنی والدہ کو لے کر وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے فریاد کی لیکن قادیاں میں احرار کے پاؤں اس مضبوطی سے جم چکے تھے کہ محض قادیانی امت کی خوشنودی کے لیے کوئی جواز پیدا کیے بغیر احرار کو وہاں سے نکالنا آسان نہ تھا۔ احرار نے قادیاں میں شعبہ تبلیغ کیلیے زرعی جائیداد خرید کی۔ جماعت کا ملکیتی دفتر بنایا۔ اس کے علاوہ جامع مسجد' مدرسہ اور دارالتبلیغ قائم کیے۔ اس شعبے ہی کے زیر انتظام قادیاں میں وہ تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک کے نامور علماء شریک ہوئے اور پنجاب کے لاکھوں فدایان رسالت نے کانفرنس میں شامل ہو کر مرزائیت کو اسطرح ہراساں کیا کہ کئی ماہ تک مرزا بشیر الدین محمود اپنے مختلف بیانوں میں ٹسوے بہاتے رہے۔ حقیقت یہ ہے مجلس تحفظ ختم نبوت کے جلیل القدر زعماء نے پاکستان بن جانے کے بعد من حیث الجماعت قادیانیت کے عزائم کا نوٹس لیا۔ سر ظفر اللہ کی وزارت خارجہ کے دوائر میں مرزائیت نواز سرگرمیوں کا تعاقب کیا۔ غیر ملکی سفارت خانوں میں مرزا بشیر الدین کے استعماری ایجنٹوں کی نشاندہی کی اور جس عیاری سے پاکستان میں

متروکہ جائیداد پر قادیانی قبضہ جما رہے تھے۔ اس کا محاسبہ کیا۔ اگر احرار زعماء اس وقت آواز نہ اٹھاتے تو ظفر اللہ خاں کے بھائی عبداللہ خاں جو وزارت بحالیات میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے' اپنے ہم عقیدہ قادیانیوں کو مرزا بشیر الدین محمود کی ہدایت پر کروڑ ہا روپے کی جائیداد سرمہ مفت نظر کے طور پر تقسیم کر دیتے۔ غرض مجلس تحفظ ختم نبوت کی عظیم الشان خدمات اس عظیم الشان جدو جہد کی تاریخ کا نصف ہے۔

اس زمانے میں جن رسائل و جرائد نے قادیانیت کے محاسبے کو محو نہ ہونے دیا اور اس کے خط و خال پر کڑی نگاہ رکھی۔ ان میں ''لولاک'' لائل پور' المنبر'' خدام الدین لاہور'' ترجمان اسلام'' لاہور۔ ترجمان اہلحدیث لاہور۔ ''الاعتصام'' لاہور'' شہید لاہور۔ ''ندائے بلوچستان'' کوئٹہ اور ''چٹان'' لاہور سرفہرست ہیں۔ ان ہفتہ وار جرائد کے علاوہ ماہنامہ الحق' اکوڑ خٹک۔ ماہنامہ بنیات کراچی۔ ماہنامہ البلاغ' کراچی اور ماہنامہ الرشید' ساہیوال بھی محاسبہ کی تحریک میں نمایاں رہے۔ مولانا کوثر نیازی نے جماعت اسلامی کے دور میں اپنے ہفتہ وار شہاب میں قادیانیت کا ہر نوع کا محاسبہ کیا۔ ان کے جواب میں ربوہ نے قلم اٹھایا لیکن جواب آں غزل پا کر سپر انداز ہو گیا حکیم عبدالرحیم اشرف نے اپنے ہفتہ وار جریدہ المنبر' کی معرفت قادیانیت کے حصار میں بڑے بڑے شگاف ڈالے جس سے ربوہ کو انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا لیکن قادیانی فضلاء سے ان کی مدلل تحریروں کا جواب نہ بن پڑا۔ حکیم عبدالرحیم اشرف ایک نامور طبیب' ایک متبحر عالم اور ایک صاف گو صحافی ہیں۔ قدرت نے انہیں ایک زیرک سیاستدان کا ذہن عطا کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات کا ہر گوشے میں احترام کیا جاتا ہے۔ جس شخص نے علم و عمل کے میدانوں میں والہانہ جراتوں کے ساتھ قادیانی عزائم کو بے نقاب کیا۔ وہ مولانا تاج محمد مدیر' لولاک' لائل پور ہیں۔ مولانا تاج محمود تحریک ختم نبوت کے سرگرم رہنما ہیں۔ تمام زندگی ان کا یہی نصب العین رہا اور کبھی اس سے غافل نہ ہوئے۔ انہیں شاہ جی سے غایت درجہ ارادت رہی۔ وہ ذہنی طور پر انہی کے شاگرد رہے شاہ جی ان سے بے حد محبت کرتے اور تحریک کے سلسلے میں ان پر ہمیشہ اعتماد فرماتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے علامہ انور شاہؒ مولانا ظفر علی خاںؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دوسرے اکابر امت کی مساعی مشکور کے اس پرچم کو جھکنے نہ دیا۔ جو قادیانیت کے خلاف ملک کے ہر ہر گوشے میں گڑ چکا تھا۔ مولانا نے لولاک کو مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان بنا دیا۔ وہ

جماعت علماء میں پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے قادیانیت کا سیاسی تجزیہ شروع کیا اور'لولاک' کے ہر شمارے کو حقائق سربستہ کی چہرہ کشائی کے لیے وقف کر دیا۔

مولانا ایک صاحب فکر صحافی ہی نہیں ایک خوش بیان خطیب بھی ہیں۔ ہر جمعہ کو ریلوے سٹیشن لائل پور کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے اور آپ کے ہر خطبے کا مقطع قادیانیت کا احتساب ہوتا۔ آپ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک راست اقدام میں نہایت جگرداری کا ثبوت دیا اور جانثاری و جاں سپاری کے اعتبار سے لائل پور کو تحریک کا دوسرا مرکز بنا دیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علیؒ جالندھری کے بعد ان کی روایتوں اور حکایتوں کے وارث ہو گئے۔ وہ قادیانیت کے سلسلے میں کسی عنوان سے کوئی سا مفاہمانہ تصور نہیں رکھتے۔ اس کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہوگا کہ آپ نے ختم نبوت کی تحریک کو پروان چڑھانے میں اپنی تمام زندگی صرف کی ہے۔ اسی سلسلہ میں آپ کا وجود نقطہ اتحاد ہے۔ آپ کے علاوہ جن لوگوں نے تحریک کا چراغ مدہم نہ ہونے دیا اور مسئلے کو آب ودانہ مہیا کرتے۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے تین بیٹے[1] سید ابوذر بخاری' سید عطاء المحسن اور سید عطاء المہیمن انتھک نوجوان ہیں۔ انہوں نے کڑے سے کڑے وقت میں اپنے باپ کی معجز بیانیوں کو زندہ رکھا۔ مولانا ابوالحسنات قادریؒ کی بدولت بریلوی علماء کا طبقہ قادیانیت کے محاذ پر ڈٹ گیا اور اپنے مسلسل وعظوں میں عامتہ المسلمین کے ذہنی احتساب کو مستحکم کیا۔ آپ کے فرزند سید خلیل احمد قادری نے ۱۹۵۳ء کی تحریک میں عمر قید کی سزا پائی۔ پھر جب رہا ہوئے تو اس دن سے قادیانیت کا احتساب اپنے بیان و قلم میں شامل کر لیا۔ آپ کے بھتیجے علامہ سید محمد احمد رضوی خلف الرشید مولانا ابوالبرکات قادری نے بھی قادیانیت کے خلاف اپنی قلم وزبان کی روانی و جولانی قائم رکھی۔ آپ اس سلسلے کی آخری تحریک میں مجلس عمل کے جنرل سیکرٹری رہے۔ ایک ادیب و خطیب ہی نہیں بلکہ عالم و محدث بھی ہیں۔ مولانا عبیداللہ انور نے اپنے مایہ ناز والد حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت کو ''خدام الدین'' میں برقرار رکھا اور ان کی بے مثال بے باکی سے قادیانیت کا محاسبہ کرتے رہے۔ سید مظفر علی شمسی نے اپنے ہفتہ وار ''شہید'' میں اپنے قلم سے ذوالفقار کا کام لیا۔ ادھر کوئٹہ سے ندائے بلوچستان شائع ہوتا تھا۔ اس کے نوجوان ایڈیٹر سعید اقبال

[1] (آغا صاحب سے سہو ہوا حضرت امیر شریعت کے تین نہیں چار بیٹے ہیں چوتھے بیٹے کا نام سید عطاء المؤمن شاہ بخاری ہے۔ چاروں بھائی تحفظ ختم نبوت کے میدان میں کسی سے کم نہیں رہے)

نے پورے صوبے میں قادیانیت کو تہ و بالا کر دیا۔ جب بلوچستان کے عوام کو معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد کے پیروؤں کی دینی ساخت اور سیاسی فطرت ہر رعایت سے مکروہ ہے تو انہوں نے مرزائیت کو فورٹ سنڈیمن اور قلادت ڈویژن سے نکال دیا۔ اس احتساب و انجام سے گھبرا کر مرزائیوں نے کوئٹہ میں پناہ لیا لیکن ان میں کوئی بلوچی نہ تھا۔ اکثر پنجاب سے جا کر آباد ہوئے تھے، جن میں دو چار وکلاء تھے اور چند ایک کاروباری باقی چار پانچ درجن مختلف شعبوں کے سرکاری ملازم۔ کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کی اندرخانہ سازش کے باعث مولوی شمس الدین ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی شہید کیے گئے اور یہ فورٹ سنڈیمن سے قادیانیت کے اخراج کا انتظام تھا۔ مولوی شمس الدین کے خون ناحق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزائیت کے لیے بلوچستان میں رہنا ناممکن ہو گیا۔

جن ماہناموں نے مرزائیت کے خلاف مسلسل جہاد کیا۔ ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ان سب کی ادارت بڑے بڑے فضلاء کے ہاتھ میں رہی۔ ان کے مضامین علمی اعتبار سے اس پائے کے تھے کہ مرزائیت کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت پا کر لاہور آ گئے تو آپ کے سپرد جماعت اہلحدیث نے اپنی تاریخی مسجد چینیانوالی لاہور کی امامت کی۔ علامہ صاحب ایک فاضل اجل نوجوان ہیں۔ انہیں عربی زبان میں قدرت تامہ حاصل ہے۔ آپ نے جماعت اہلحدیث کے ہفتہ وار اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دینا شروع کیے۔ اس کے بعد اپنا ماہنامہ ترجمان الحدیث نکالا اور اس بری طرح قادیانیت کی خبر لی کہ اس کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی علامہ صاحب ایک شعلہ بیان خطیب، معجز رقم ادیب، بالغ نظر صحافی اور بہت سی زبانوں میں اتارو ہونے کے علاوہ دوررس نگاہ کے عالم متبحر ہیں۔ آپ نے قادیانیت کے متعلق پہلے اردو میں ایک مبسوط کتاب لکھی پھر اس کا انگریزی ایڈیشن شائع کیا۔ آخر رابطہ عالم اسلامی کی خواہش پر عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب تیار کی جس کو شاہ فیصل شہید نے بے حد پسند فرمایا اور تمام عرب ریاستوں میں اس کے بیشمار نسخے تقسیم کرائے۔ علامہ صاحب فن خطابت کی نزاکتوں سے کماحقہ واقف ہیں اور ایک بلند پایہ خطیب ہیں۔ اس سلسلے میں ایک چیز کا ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ بعض عدالتوں نے مرزائیت کے سلسلہ میں اس قسم کے مدلل فیصلے کیے کہ مرزائیت مسلمانوں کے دینی حصار میں پناہ لینے کے قابل نہ رہی مثلاً مقدمہ بہاولپور میں جسٹس محمد اکبر کا فیصلہ تاریخی سچائی کی علامت ہو گیا۔ اس

مقدمے میں علامہ انور شاہ مسلمانوں کی طرف سے پیش ہوتے رہے۔ جب تک مقدمہ زیر سماعت رہا حضرت قبلہ غلام محمد دین پوری قدس سرہ ہر پیشی پر خانپور آتے رہے۔ دوسرا فیصلہ جس نے مرزائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی اور تمام مرزائی بلبلا اٹھے۔ وہ سید عطاء شاہ بخاریؒ کے مرافعہ میں مسٹر جی۔ ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کا فیصلہ تھا۔ تیسرا فیصلہ ایک سیشن جج مسٹر محمد اکبر فاروقی نے کیا جس میں ایک مسلمان عورت کے رشتہ دار نکاح کی درخواست منظور کرتے ہوئے قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے) خارج قرار پایا۔ چوتھا فیصلہ ایک سینئر سول جج مسٹر محمد رفیق گریجہ جیمس آباد کا تھا۔ آخری دو فیصلے قیام پاکستان کے بعد ہوئے اور گریجہ کا فیصلہ ان دنوں صادر ہوا جب مرزائی پیپلز پارٹی کے دامن میں پناہ لے کر بزعم خویش ملک میں حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے۔

مرزائیوں نے ملک غلام محمد کے زمانہ سے لے کر یحییٰ خاں کے دور تک اپنی فصل کو ثمر آور کرنے کے لیے جو کچھ کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) حکومت کے بنیادی محکموں مثلاً فوج' مالیات' نشریات وغیرہ میں بہ لطائف الحیل قدم جمانا شروع کیے۔

(۲) استعماری سیاست کی ہر نوع کی خدمات بجالانے کا عمل تیز کیا۔

(۳) عرب ریاستوں میں اسرائیل کے معتمد اہلکار ہو کر خفیہ خدمات کا بیڑا اٹھایا۔

(۴) پاکستان کے علاقائی بٹوارے کی آبپاشی میں ہر دور کی حکومت کے منفی کردار کو بالا کیا۔

(۵) سرحد' بلوچستان' سندھ اور مشرقی پاکستان کی پنجاب سے ناراضی کو آب و دانہ مہیا کیا۔

(۶) جن صوبوں کو مرکزی حکومت سے شکایتیں رہیں۔ ان صوبوں میں فوجی کارروائی کا جزو لاینفک ہو کر انہیں پاکستان کی تقسیم کے لیے تیار کیا۔

(۷) مرزا بشیر الدین کی ہدایت کے مطابق قادیانی دوشیزاؤں نے بڑے بڑے مسلمان افسروں کی زوجیت میں آ کر جماعت کے خلافتی منصوبوں کی نگہداشت کی۔

(۸) اس روپیہ کا ایک حصہ پاکستان کے غیر قادیانی حکام' سیاسئین اور جرائد کے عملہ میں تقسیم کیا جو خلیفہ ربوہ اور اس کے یاران شاطر کو سی آئی اے اور اسرائیل سے ملا۔

(۹) مشرقی پاکستان کے تقسیمی ذہن کو جوان کیا۔

(۱۰) اپنے نوجوانوں کو اسلامی تحریکوں اور اسلامی تنظیموں کے برعکس لادین تحریکوں اور مادی تنظیموں میں داخل کیا۔ ان نوجوانوں نے ایثار پیشہ رہنماؤں کے خلاف عوام کو گمراہ کیا اور مظاہرے و مجاہرے برپا کرائے۔

(۱۱) ہر اقتدار کی پرستش کی لیکن جب اس پر عالم نزع طاری ہوا تو اس کو داغ دے کر آئندہ اقتدار کی چوکھٹ پر چلے گئے اور خودسپردگی کا انداز اختیار کیا۔

(۱۲) جنرل انتخابات ۱۹۷۱ء میں تمام اسلامی جماعتوں کے خلاف لادین عناصر کا ہاتھ بٹایا اور پیپلز پارٹی کی پناہ لے کر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا دامن تھاما۔ پاکستان میں شوکت اسلام کے جلوس سے خوفزدہ ہو کر اسرائیل سے روپیہ حاصل کیا اور اس روپے سے اسلام دوستوں کے خلاف ہنگامے برپا کرائے۔ اس زمانہ میں عزت دشمن اور اسلام کش مظاہروں کی دشنام طرازی کا طائفہ قادیانی نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ اس کی قیادت ربوہ کے فرستادہ افراد کرتے تھے۔

(۱۳) جب بنگلہ دیش بن گیا تو اپنے مکانوں پر چراغاں کیا' شیرینی بانٹی اور لاہور و ربوہ میں رقص کیا۔

(۱۴) مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے برسراقتدار آتے ہی دو کام شروع کیے۔ اول ان کی فراست کو فریب دے کر اپنا راستہ ہموار کرنا چاہا تاکہ استعماری طاقتیں انہیں پاکستان کا دماغ سمجھیں اور ان کی قیمت بڑھتی رہی اور اس صلہ میں ان کے لیے عجمی اسرائیل قائم ہو جائے۔ دوم جس کے لیے وہ کوشاں تھے وہ پیپلز پارٹی کے ہاتھوں دایاں بازو کی اسلامی شخصیتوں اور فکری تحریکوں کا استیصال تھا لیکن صورتحال اس طرح پلٹی کہ مرزائیت کا ''صیہونی چراغ'' جو اسلام کے طاق پر روشن تھا' ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔

چوتھا دور۱۹۸۴ء......
تاحال

۱۹۸۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران قادیانی سربراہ مرزا طاہر احمد کو سرکاری حلقوں اور ایجنسیوں میں موجود اس کی لابیوں نے اسے سنگین حالات کا احساس دلایا تو وہ رات کی تاریکی میں چناب نگر (ربوہ) چھوڑ کر بھاگ نکلا اور برطانیہ پہنچ کر دم لیا۔

اس کی اس بزدلانہ حرکت پر فاتح قادیانیت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم اپنے خطابات و بیانات میں کہا کرتے تھے کہ اگر مرزا طاہر احمد حق و صداقت کا علم بردار ہوتا تو وہ اس طرح نہ بھاگتا' گرفتاری پیش کرتا' قید و بند کی صعوبتیں پیش کرتا اور اپنی جان کی قربانی دیتا جو کہ ہر دور میں اہل حق کا شعار رہا ہے اگر وہ گرفتار ہو جاتا تو کونسا آسمان ٹوٹ پڑتا اہل حق تو ان قربانیوں کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ مرزا طاہر احمد نے اپنے عالمی سرپرستوں کے تعاون سے لندن کے قریب کئی سو ایکڑ اراضی خریدی اور وہاں پر اسلام آباد کے نام سے ایک مرکز قائم کیا اور اسلام' اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ پاکستان کے خلاف اس کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ ہمیں کافر قرار دینے والا آئین نافذ نہیں رہے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

مرزا طاہر احمد نے اپنی کفریہ تبلیغ کو عالمی سطح پر پہنچانے کا نیا انتظام کیا اور وہ یہ کہ اس نے ایم ٹی اے کے نام سے ایک چینل کھولا اور سٹیلائٹ کے ذریعہ اس کی نشریات ساری دنیا تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ جاری رہے۔ اس چینل کے ذریعہ نہ جانے کتنے لوگ گمراہ ہو رہے ہیں اسی طرح

انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی ارتدادی مہم جاری ہے قادیانی قرآن وحدیث اور اسلاف کی کتابوں میں ردوبدل کے ماہر ہیں غلط حوالہ دینے' بزرگوں پر کیچڑ اچھالنے' ان پر الزامات لگانے' انہی بدنام کرنے اور ان کے خلاف اغوا اور قتل کی سازشیں کرنے میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور یہی کچھ ان کی تاریخ سے واضح ہے

اسلامی ممالک بالخصوص انڈونیشیا اور افریقی ممالک ان کی ارتدادی سرگرمیوں کا مرکز ہے افریقی ممالک میں اتنی غربت ہے کہ ایک جگہ چاول کی چند بوریوں کی خاطر تمام گاؤں قادیانی ہو گیا۔ ایسے ممالک میں رفاہ عامہ کی آڑ میں یہ لوگ کام کرتے ہیں چیچنیا کے مسلمان یتیم بچے اور بیوہ عورتیں بھی ان کی توجہات کا مرکز رہی ہیں نہ جانے کتنے لوگ گمراہ ہوئے۔

اس وقت کی صورتحال یہ ہے کہ عالمی سطح پر یہ لوگ رفاہ عامہ کے روپ میں تحریر وتقریر کے ذریعہ اپنے کفر وارتداد کی مہم مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں چند اسلامی ممالک کے سوا کسی جگہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

چناب نگر (ربوہ) کے اردگرد تین اطراف میں انتہائی مہنگے داموں سینکڑوں ایکڑ زمین خرید چکے ہیں۔ ایک ایک ایکڑ پچاس لاکھ روپے میں خرید گیا۔ ان کا کیا منصوبہ ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا پاکستان میں بھی ان کی خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے قانونی قدغن کی ان لوگوں کو کوئی پروانہیں ہے۔

قادیانیوں کی اس نئی صف بندی کو دیکھتے ہوئے انہی خطوط اور معیار پر ہمیں بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرے، تیسرے اور چوتھے دور کے

مجاہدین ختم نبوت

(خطباء و مصنفین)

مولانا عبدالکریمؒ مباہلہ

مولانا عبدالکریم مباہلہ کے والد مستری فضل کریم جالندھر سے نقل مکانی کر کے قادیان آباد ہوئے اور لوہارا کام شروع کیا۔ سویاں بنانے کی مشین انہی کی ایجاد کردہ ہے۔ قادیان میں ان کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ عبدالکریم اور زاھد۔ عبدالکریم نے بڑے ہو کر مرزائی مبلغ کے طور پر کام آنا شروع کر دیا۔ اور انہیں مرزا محمود کا قرب حاصل ہوا۔ مولانا عبدالکریم کی زندگی میں ایک اہم موڑ آیا جس نے ان کی زندگی ہی بدل دی اس کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا عبدالکریم کی ہمشیرہ سکینہ بیگم، اہلیہ مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ (امیر جماعت احمدیہ پنجاب) کسی کام کے لیے قصر خلافت گئی۔ تو مرزا محمود نے اس کی عزت لوٹ لی۔ سکینہ بیگم نے اس واقعہ کا ذکر اپنے خاوند سے کیا تو اس نے کوئی نوٹس نہ لیا اور اندھی عقیدت کے اندھیروں میں گم رہا۔ لیکن مولانا عبدالکریم کا عقیدت کا محل زمین بوس ہو گیا انہوں نے احتجاج کیا تو قادیان میں کہرام مچ گیا۔ عبدالکریم اور ان کے خاندان پر باغی ہونے کا فتویٰ لگایا گیا۔ مظلوم عورتیں اور مرد کھل کر سامنے آنے لگے دوسری طرف بدکرداری میں مرزا محمود کے حصے دار اس کے دفاع میں مصروف ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۹۲۷ء کا ہے۔ اسی اثنا میں مولانا عبدالکریم نے مباہلہ نامی اخبار نکالا۔ اس میں مرزا کے گھناؤنے کردار کے مختلف واقعات لکھ کر اسے مباہلہ کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس وجہ سے مولانا عبدالکریم صاحب

مباھلہ کے نام سے مشہور ہو گئے اور مباہلہ ان کے نام کا جز بن گیا۔ اگر مباہلہ اخبار کی فائلوں کو تلاش کر کے کوئی صاحب انہیں دوبارہ شائع کر دیا جائے تو یہ تحفظ ختم نبوت کی تاریخ کا ایک اہم کارنامہ ہوگا۔ گمراہ لوگوں کے پاس دلائل کا جواب دلائل کے ساتھ دینے کی طاقت نہیں ہوتی۔ وہ اھل حق کو ان کے دلائل کا جواب گالیوں اور سازشوں کے ذریعے دیا کرتے ہیں۔ مرزا محمود کو جب اپنے تقدس کا محل زمین بوس ہوتا ہوا محسوس ہوا تو اس نے مولوی عبدالکریم مباھلہ کے قتل کی سازش تیار کی۔ اس سازش کا پتہ کسی طرح حکیم نورالدین کی بیوہ کو چل گیا۔ وہ بھی اگرچہ مرزائی تھی لیکن مرزا محمود کی زخم خوردہ تھی۔ وہ رات کے وقت برقعہ اوڑھ کر چھپتے چھپاتے آ گئی اور مولانا کو اطلاع دی مولانا اسی وقت اہل وعیال کے ساتھ سکھوں کے بورڈنگ ہاؤس پہنچ گئے۔ اور وہاں سے سکھوں نے انہیں بٹالہ اور پھر امرتسر پہنچا دیا۔ مرزائیوں نے اپنے پروگرام کے مطابق ۱۱/۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی رات کو ان کے مکان کو جلا کر رکھ کر دیا اور خود پہرہ دیتے رہے تا کہ کوئی بچ کر نہ نکلنے اور صبح اپنے اخبار الفضل میں ان کے آگ میں زندہ جل کر مرنے کی خبر شائع کر دی۔ مقامی پولیس کو اطلاع کی گئی لیکن انہوں نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ مرزا محمود نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو ایک مخالف سے جان چھوٹی۔ لیکن جب اسے تیسرے دن یہ اطلاع ملی کہ عبدالکریم مباھلہ تو اپنے بچوں سمیت بخیریت امرتسر پہنچ گئے ہیں تو اسے بہت افسوس ہوا اور اس نے اپنے ماتحتوں پر غصہ نکالا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا.

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت

مولانا عبدالکریم مباھلہ نے امرتسر سے مباھلہ اخبار نکالنا شروع کر دیا۔ اور اس ہفتہ وار اخبار کے ذریعے قادیانیت کا خوب پوسٹ مارٹم کیا۔ تو مرزا محمود نے مولوی عبدالکریم کے قتل کی دوسری سازش تیار کی اور مرزا محمود نے گورداس پور کی عدالت میں ان کے خلاف فوجداری استغاثہ دائر کیا اور یہ طے کیا کہ ایک آدمی بس میں سب لوگوں کے سامنے مولوی صاحب کو قتل کر دے قاتل کو اطمینان دلایا گیا کہ ہم تجھے مقدمہ عدالت سے بری کرالیں گے۔ قتل کرنے کے لیے محمد امین مرزائی المعروف مجاھد بخارا کی معرفت ایک پٹھان قاضی محمد علی نوشہروی سے قتل کا سودا کیا گیا۔ اور معاوضہ چار ہزار روپے طے ہوا۔ مولانا مباھلہ اپنے دوست اور ضامن حاجی محمد حسین بٹالوی سمیت جب عدالت جانے کے لیے امرتسر سے لاری میں سوار ہوئے تو قاتل نے مغالطہ میں حاجی محمد حسین کو شہید کر دیا، اور مولانا مباھلہ سے اللہ نے کام لینا تو تھا سو وہ بچ گئے یہ ۱۹۲۹ء

واقعہ ہے قاتل کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا گیا اور اس پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور اسے سزائے موت دی گئی۔ مرزائیوں نے قاتل کو چھڑانے کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہایا لیکن اس کی سزائے موت بحال رہی اور وہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ مرزائیوں نے اس کی لاش کو بہشتی مقبرہ میں دفن کیا۔

مولانا عبدالکریم مباہلہ کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے مجلس احرار کے رہنما چوہدری افضل حق سے ملاقاتیں کر کے انہیں قادیان کے سب حالات بتائے اور انہیں قادیانی فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی اس تحریک کے نتیجہ میں مجلس احرام اسلام نے قادیان میں شعبہ تبلیغ کا ایک دفتر قائم کیا جس جس کے جنرل سیکرٹری مولوی عبدالکریم مباہلہ قرار پائے اور وہ تازندگی اپنے یہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

مآخذ: نمبر ۱۔ مشاہدات قادیان۔ ص ۱۳۴ تا ص ۱۳۷۔

نمبر ۲۔ مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک ص ۱۲۲ تا ص ۱۵۹۔

مولانا عنایت اللہ چشتیؒ

مولانا عنایت اللہ چشتی ۱۳۱۹ء بمطابق ۱۹۰۱ھ میں چکڑالہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے انھی ضلع گجرات کے شیخ المعقولات حضرت مولانا غلام رسول صاحب سے خصوصی طور پر استفادہ کیا بعد ازاں بندیال میں مولانا یار محمد مرحوم سے پڑتے رہے۔ مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت بھی آپ کے استاد ہیں۔ مولانا حافظ مہر محمد مدرس مدرسہ فتحیہ لاہور سے دورہ حدیث پڑھا ۱۹۳۰ء میں فراغت حاصل کی۔ اونچی مسجد مین بازار مزنگ لاہور میں خطیب مقرر ہوئے۔ ساتھ ساتھ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تدریسی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ ۲۹ ردسمبر ۱۹۲۹ء کو مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا تو اکابرین احرار سے متاثر ہو کر مجلس احرار میں شمولیت اختیار کر لی۔ مجلس احرار نے قادیان میں دفتر قائم کیا تو آپ اس کے پہلے ناظم اور مبلغ مقرر ہوئے۔ آپ ۱۲ رفروری ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۲ء تک قادیانیوں کے مرکز میں بیٹھ کر ان کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔

چودھری افضل حق مرحوم آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس گناہ کے ہجوم میں مولانا عنایت اللہ کو دفاع ختم نبوت کا کام سپرد کیا گیا۔ دار الکفر میں

اسلام کا جھنڈا گاڑنا معمولی الوالعزمی نہیں تھی۔ مولانا عنایت اللہ کو دفتر لے دیا گیا۔ قادیان میں احرار کا جھنڈا لہرنے لگا۔ سُرخ جھنڈے کو دیکھ کر مرزائی روسیاہ ہو گئے۔ آہ اُن کے سینوں توڑتی نکل گئی ان کو آرزؤں کی پامالی کا دن تھا۔ مرزائیوں نے اپنی امیدوں کا جنازہ نکلتے دیکھا تو سر پیٹنے لگے۔ سرکار کی دہلیز پر سر دھر کر پکارے، حضور! قادیاں مرزائیوں کی مقدس جگہ ہے، احرار کے وجود سے یہ سرزمین پاک کر دی جائے! جب مرزائیت نصرانیت کا آسرا ڈھونڈنے نکلی تو ہم نصرانیوں اور قادیانیوں کے اتحاد کے ڈر سے ڈرے ضرور مگر خدا کو حامی و ناصر سمجھ کر اس کے تدارک میں لگ گئے ڈرنا اور پہلے سے زیادہ چوکنے ہو کر مقابلہ کرنا بڑی خوبی ہے۔ بساط سیاست پر نرد کو بڑھا کر اس کو تنہا چھوڑنا غلطی ہے۔ ہم نے اوّل ان احباب کی فہرست تیار کر لی جو مولانا عنایت اللہ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے ۲۴ گھنٹے کے اندر قادیان پہنچ جائیں کیونکہ مرزائیوں نے قادیان کو قانونی دسترس سے پرے ایک دُنیا بنا رکھا تھا جہاں مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں پر بلا خطا مظالم توڑے جاتے تھے، قتل ہوتے تھے مگر مقدمات عدالت تک نہ جا سکتے تھے، دوسرے ہم نے فوراً مولوی عنایت اللہ کے نام قادیان میں مکان خرید دیا تاکہ مرزائیوں اور حکام کا یہ عذر بھی جاتا رہے کہ مولوی صاحب موصوف ایک اجنبی ہیں اور ان کا قادیان سے کوئی تعلق نہیں، یہ گوہر مقصود اخبار مباہلہ کے قارئین میں چھپا تھا اور مولانا عبدالکریم مباہلہ ہی نے تلاش کر کے چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کیا پھر مولانا عنایت اللہ نے اسی اجنبی متشدد اور کافرانہ ماحول میں جس جرأت ایمانی اور دلیری سے اپنے منصب کو نبھایا یہ ان کے نامہ اعمال اور کتاب زندگی کا سنہری باب ہے یہاں رہ کر انہوں نے اپنے عمل، تحمل اور حکمتِ عملی سے اپنوں اور پرایوں کے دلوں میں ایسا گھر بنایا کہ آہستہ آہستہ دجالی گھرانوں کے راز ہائے سربستہ ان کے سامنے وا ہونے لگے، جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی۔

مختصر وقت میں احباب کی کافی تعداد ان کے گرد جمع ہو گئی جن کے تعاون سے احرار کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔

اس طرح احرار قادیان میں داخل ہوئے۔

وفات

مولانا عنایت اللہ چشتیؒ ایک طویل عمر پا کر ۱۳ ر مارچ ۲۰۰۳ء کو فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا ظفر علی خان

مولانا ظفر علیؒ خان نے محاسبہ قادیانیت کے ضمن میں جو تاریخی کردار ادا کیا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

ایک منفرد تجزیہ:

مولانا ظفر علی خان نے پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک ''زمیندار'' میں میرزائیت سے چٹکیاں لیں۔ گو موضوع و مضمون علما ہی کے انداز میں تھے لیکن لب و لہجہ ادبی و فکاہی تھا۔ مولانا کبھی کسی نظم میں طنز کر جاتے اور کبھی نثر میں اکثر علمی بحث کے چہرے پر ایک آدھ پہلودار فقرے سے رونق پیدا کرتے۔ مولانا کے نزدیک مرزا غلام احمد کا سلطان القلم کہلانا اضحوکہ خطاب تھا۔ ان کے مجموعہ کلام درثمین کے متعلق اس دور کے زمیندار میں لکھا کہ شاعری نہیں قلم کی متلی ہے۔

نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

مولانا ظفر علی خان کی اس خوبی کا جواب نہ تھا کہ وہ کسی تحریک کو لے کر اٹھتے تو برسوں کی منزلیں مہینوں میں طے کر لیتے تھے۔ انہوں نے قادیانی امت کے خدوخال ''ستارۂ صبح'' میں اس طرح واضح کئے کہ مسلمانوں میں نظری اعتبار سے ایک تحریک پیدا ہوگئی۔ اس تحریک ہی نے بیسویں صدی کی تیسری دھائی میں عملی احتساب کی مختلف شکلیں پیدا کیں جن سے برعظیم کے مسلمانوں میں قادیانی امت کے سیاسی و عمرانی مقاطعہ کا آغاز ہوگیا۔

قادیانی امت کو پہلی جنگ عظیم کے دوران اور اس سے کئی سال بعد تک چھیڑنا آسان نہ تھا' کیونکہ برطانوی حکومت کی استعماری مصلحتیں گوارا ہی نہ کرتی تھیں۔ لیکن مولانا ظفر علی خان نے ستارہ صبح میں مصرع طرح اٹھایا اور قادیانی امت کے استعماری موجود کو ولولہ دینے پسپا کرنا شروع کیا۔ مولانا کے ہاتھ میں دو ہتھیار تھے۔ ایک نثر کا ہتھیار تھا۔ دوسرا نظم کا مولانا نے اپنی شگفتہ نثر میں قادیانی عقائد کا تجزیہ کیا۔ موضوع بحث علمی ہوتے لیکن گرفت اس پیرایہ میں کرتے کہ خواص و عام متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ جو لکھتے دل میں کھب جاتا۔ خواص قائل معقول ہوتے۔ عوام میں احتجاج وتنفر کی روح پیدا ہوتی۔ مثلاً اس زمانہ میں مولانا نے ایک مقالہ لکھا۔ ''احمد کون ہے؟ حضور سرورکون و مکاں یا میرزائے قادیاں۔'' میرزائی اس عنوان سے چونک گئے اور قادیانیت کا

گھونگھٹ اتر گیا۔ ایک دوسرا مضمون بعثت مجدد دین'' کے عنوان تھا۔ مولانا چراغ حسن حسرت نے ارمغان قادیان کے دیباچہ میں لکھا کہ نہایت بلند پایہ اور وقیع مضمون ہے جو نہایت کاوش سے لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں نہایت طویل مقالے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض مضامیں ایسے ہی جن میں طنز کا انداز نمایاں ہے۔ مثلاً متنبی قادیاں کی ناک' قادیاں اور سید امیر علی مرحوم ملنگ بہ اشتیاق گولے کے الولد سر لابیہ متنبی قادیاں اور اس کا لاہوری طنبورہ۔ ستارہ صبح میں کئی ایک فکاہی مضامین چھپتے رہے۔ میرزا بشیر الدین محمود نے ان سے بدحواس ہو کر سر مائیکل اڈوائر کو بصیغہ راز امداد کی درخواست کی اور اسے مولانا کے خلاف بھڑکایا۔ ادھر اھل طریقت بھی ''زمیندار'' کی نکتہ چینی سے برہم تھے۔ انہوں نے ''زمیندار'' کے خلاف درخواست گذاری اور مولانا کے خلاف اڈوائر کو مشتعل کیا۔ یہ چیز میرزا بشیر الدین کی بالواسطہ مددگار ہوگئی۔ اڈوائر بھی پر تول رہا تھا کہ مولانا حیدرآباد لوٹ گئے اور ستارہ صبح دسمبر ۱۹۱۷ء کے آخری دنوں میں بند ہو گیا۔ لیکن ظفر علی خان کے قلم کی بدولت مسلمانوں میں یہ ذہن پیدا ہو چکا تھا کہ میرزائی نہ صرف حضور ﷺ کی ختم المرسلینی کے غاصب ہیں بلکہ ملت اسلامیہ کی شہ رگ پر استعمار کی چھری ہیں۔ القصہ مولانا قادیانیت کے خلاف احتساب کی پہلی آواز تھے جس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی اور مسلمانوں کو اس خطرہ سے چوکنا کیا اور انہیں قادیانیت سے متعلق یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی یثربی وحدت کو دولخت کرنے کیلئے برطانوی استعمار کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۹۵۲ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہونے سے چند دن پہلے لاہور کے ایک جلسہ عام میں تقریر کر رہے تھے کہ مولانا ظفر علی خان اپنے فرزند اختر علی خاں کے ساتھ اچانک جلسہ گاہ میں آئے مولانا انتہائی ضعیف ہو چکے۔ اور بیمار تھے۔ آپ کا نطق کمزور پڑ چکا تھا۔ نہایت مدھم بولتے لیکن الفاظ ٹوٹتے تھے۔ شاہ جی نے مولانا کی آمد پر ان کے دونوں گالوں کو تھپتھپایا اور بولے ''ظفر علی خاں تیرے ستارہ صبح نے میرے جگر میں آگ لگا دی تھی۔

شاہ جی فرماتے تھے ستارہ صبح نے مجھے قادیانیت کے زہرآب سے آگاہ کیا۔ حضرت سید مہر علیشاہ نے وصیت کی کہ اس فتنہ کی سرکوبی کرنا۔ علامہ انور شاہ نے مجھے اس محاذ پر کھڑا کیا۔ المختصر اہل قلم کی جدید کھیپ میں قادیانیت کے محاسبہ کی امنگ مولانا نے ستارہ صبح کی معرفت پیدا کی اور اس لحاظ سے مسلمانوں کے سیاسی محاذ پر ظفر علی خان پہلے حدی خواں تھے۔

قادیانیت کا مسلسل تعاقب:

مولانا نے قید سے رہائی کے بعد قادیانیت کا محاسبہ اپنی قلم وزبان کا نصب العین بنایا اور اس شدت سے احتساب کیا کہ اس کیلئے جینا دوبھر ہوگیا۔ مولانا نے ۱۹۲۰ء سے پاکستان بن جانے تک اور ''زمیندار'' نے پاکستان میں ۱۹۵۳ء کی تحریک تک قادیانیت کو اپنی قلم وزبان کی زد میں رکھا۔ مولانا قید و بند سے باہر ہوتے تو قادیانیت کا محاسبہ جاری رکھتے کسی قومی تحریک کے پھیلاؤ میں یہ تو ہوتا کہ محاسبہ کی رفتار ذرا مدہم ہو جاتی' لیکن یہ کبھی نہ ہوتا کہ قادیانیت سے کسی مدت کے لئے چشم پوشی کرتے۔ کانگرس میں رہ کر بھی قادیانیت کے شب و روز پر نگاہ رکھتے اور اپنی تقریر و تحریر کو اس سے غافل نہ ہونے دیتے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں کانگرس نے نمکین ستیہ گرہ کی تو دہلی' پنجاب اور سرحد کے بڑے بڑے لیڈر گجرات سپیشل جیل میں مقید تھے۔ وہاں مشاعرے ہوتے۔ مولانا مصرع طرح پر نظم کہتے تو اس میں قادیانیت سے متعلق بھی طبع آزمائی کرتے۔ مولانا کی بعض اشارتی نظمیں قادیانیت سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد تحریک کشمیر اور مسجد شہید گنج کے زمانہ میں مولانا نے اپنی بیشتر نظموں میں قادیانیت کو آڑے ہاتھوں لیا۔ تحریک خلاف 1919 سے مولانا محض ایڈیٹر نہ تھے بلکہ مسلمانوں کے ایک نامور لیڈر بھی تھے اور قلم کے علاوہ ان کی زبان کا بھی شہرہ تھا وہ صحافت کے دھنی اور خطابت کے غنی تھے۔ ان کی تقاریر کے لوگ شیدائی تھے۔ مولانا نے ''زمیندار'' کے صفحوں اور صوبہ کے میدانوں میں قادیانیت کو للکارنا اور پچھاڑنا شروع کیا اور ایک مختصر سی مدت میں مسلمانوں کے تمام دروازے اس پر بند کر دیئے مولانا نے ۱۹۳۳ء میں قادیانیت کے عوامی احتساب کے لئے ایک جماعت بنائی اس جماعت نے تقریباً ہر روز پبلک جلسے منعقد کرنا شروع کر دیئے۔ حکومت نے قادیانی امت کی پشت پناہی کیلئے اندیشہ نقص امن کی آڑ لے کر ۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو مولانا ظفر علی خان اور ان کے رفقاء مولانا احمد علیؒ مولانا حبیب الرحمٰن مولانا عبدالحنان' مولانا لال حسین اختر' مولانا محمد بخش مسلم اور خان احمد یار دزمی کو گرفتار کرلیا۔ یہ پہلا مقدمہ تھا جو سیاسی پس منظر کے تحت میرزائیت کی حمایت میں حکومت نے پہلی دفعہ مسلمان زعما کے خلاف تیار کیا۔ ٹھاکر کیسر سنگھ مجسٹریٹ درجہ اول نے حفظ امن کیلئے ضمانت طلب کی۔ مولانا احمد علی مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا محمد بخش مسلم کے عقیدتمندوں نے ضمانتیں داخل کر دیں لیکن مولانا

ظفرعلی خان مولانا عبدالمنان اور مولانا لال حسین اختر اور احمد یار خان نے انکار کر دیا عدالت نے وہ نوٹس پڑھ کر سنایا جو اس مقدمہ کی بنیاد تھا کہ۔

''تمہارے اور احمدی جامعت کے درمیان اختلاف ہے تم نے اس کے عقائد اور اس کے مذہبی پیشوا پر حملے کیے ہیں، جس سے نقص امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ وجہ بیان کرو کہ تم سے کیوں نہ نیک چلنی کی ضمانت طلب کی جائے''۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میرزائیوں کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے گا۔ لیکن جہاں تک میرزا غلام احمد کا تعلق ہے ہم اس کو ایک بار نہیں ہزار بار دجال کہیں گے۔ اس نے حضور المرسلینؐ میں اپنے نبوت کا ناپاک پیوند جوڑ کر ناموس رسالت پر کھلم کھلا حملہ کیا ہے۔ اپنے اس عقیدے سے میں ایک منٹ کے کروڑویں حصے کیلئے بھی دست کش ہونے کو تیار نہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میرزا غلام احمد دجال تھا۔ دجال تھا۔ دجال تھا۔ میں اسی سلسلہ میں قانون انگریزی کا پابند نہیں۔ میں قانون محمدیؐ کا پابند ہوں۔''

مولانا نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئی ارتجالاً ایک نظم کہی اس میں ایک شعر تھا۔

باپ لندن، شملہ بیٹا، قادیاں روح القدس
اے مسلمانوں، یہی تصویر ہے والتین کی

اور یہی قادیانیت کا لب لباب تھا۔

مولانا نے قادیانیت کے قلعہ پر وہ ضربیں لگائیں کہ تمام ملک میں ایک زبردست تحریک پیدا ہو گئی۔ مولانا قادیانیت کو مباحلے یا مناظرے کی چیز نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک قادیانیت طعن وطنز کے لائق ایک استعماری ناٹک تھا۔ وہ اس کی بھداڑاتے اور ۱۹۲۰ء سے اس نکتہ پر زور دیتے کہ غلام احمد اور اس کی امت برطانوی اقتدار کی سیاسی ضرورتوں کا مولود ہے۔ اس کا مذہب کاسہ لیسی کی روایات پر ہے۔ تمام دنیائی اسلام میں قادیانی برطانیہ کے لئے جاسوسی کرتے اور ہندوستان میں آزادی کی تحریکوں کو حکومت کی منشا کے مطابق سبوتاژ کرتے ہیں۔ مولانا مختلف قومی و اسلامی تحریکوں میں اس کا تجزیہ کر چکے تھے اور انہیں مطالعاتی بنیادوں پر معلوم تھا کہ میرزائی مختلف اداروں میں کیا کرتے ہیں۔ ان کے خلاف ایک عوامی اسٹیج پر جہاد کرنے کیلئے جس اسٹیج کی ضرورت تھی مولانا نے پیدا کیا اور جس زبان کی ضرورت تھی اس کو استعمال کیا۔

مولانا کوحضورؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ ختم نبوت کے سارق کو برداشت ہی نہ کر سکتے تھے۔ ان کے سامنے سوال یہ نہ تھا کہ میرزا غلام احمد کے دعوی نبوت کی تغلیط کیلئے اسلامیات کی زبان استعمال کریں۔ ان کے نزدیک میرزا صاحب طنزیات کا مضمون تھے اور ان کی نبوت کا جواب قلم و زبان کے وہ کچوکے تھے' جو عوام میں بسرعت تمام ایک تحریک بنتے گئے۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں میرزائیت کی اس طرح چھاڑ کی کہ اس کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ نثر میں مضمون لکھے تو متانت کو بھی ملحوظ رکھا اور ظرافت کو بھی' مسئلہ سنجیدہ ہوتا تو استدلال سے قلم اٹھاتے' مسئلہ تواضع کا ہوتا تو قلم سے نشتر چبھوتے اور قادیانیت کی فصد کھولتے۔ نظم میں ژالہ باری کرتے اور قادیانیت کا ٹینٹوا دباتے۔ میرزا بشر الدین سخت پریشان اور ہراساں تھے۔ انگریزوں کا وہ دور نہ رہا تھا کہ میرزائیت کے مخالفوں کا گلا گھونٹ دیتے۔ وہ خود سیاسی تحریکوں کو عوامی زد میں تھے اور ان کا اقتدار ذہنی اعتبار سے ہٹتا جا رہا تھا۔

روزنامہ زمیندار کے خلاف قادیانیوں کی فریاد

''زمیندار'' نے میرزائیت کا بری طرح ناطقہ بند کر دیا تو حکومت نے میرزا بشر الدین کی الحام وزاری پر توجہ کی اور اس بہانے کہ ''زمیندار'' نے پولیس پر تنقید کی ہے۔ دو ہزار ضمانت ضبط کر لی۔ مزید چار ہزار مانگا۔ وہ ادا کیا گیا۔ ''زمیندار'' اسی آب و تاب سے نکلتا رہا اور میرزائیت کا محاسبہ تیز سے تیز ہوتا گیا۔ حکومت نے مارچ ۱۹۳۳ء میں مولانا کو اندیشہ نقص امن میں گرفتار کر لیا کہ ان کی تقاریر سے مرازئیت اپنی تیئں محفوظ خیال نہیں کرتی' لیکن مولانا کی گرفتاری سے ملک بھر میں احتجاج کی فضا پیدا ہو گئی اور میرزائیت کے خلاف مسلمانوں میں احتساب کی ایک لہر دوڑ گئی۔

علماء کی طرف سے مولانا ظفر علی خاں کو خراج تحسین

اس سلسلہ میں علامہ انور شاہؒ نے دار العلوم دیو بند کے ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''غلام احمد قادیانی بلاشبہ مردود ازلی ہے۔ اس کو شیطان سے زیادہ لعین سمجھنا جزو ایمان ہے شیطان نے ایک ہی نبی کا مقابلہ کیا تھا۔ اس خبیث اور بد باطن نے جمیع انبیا علیہم السلام پر افترپردازی کی ہے...... مولانا ظفر علی خاں کا اقدام یقیناً لطیفہ الہیہ ہے۔ ان کی جدوجہد اور قربانی

اللہ ورسول کے نزدیک انشااللہ قبول ہوگی ۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں جلسہ عام کی صدارت کرتے ہوئے مولانا ظفر علی خان کو خراج ادا کیا اسلامیہ اور دین حقہ کی بے نظیر خدمات انجام دی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بڑا اجر ہے سید مرتضیٰ بہادر ممبر مرکزی اسمبلی کی صدارت میں مسلمانان دہلی کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا کی گرفتاری پر حکومت پنجاب کی مذمت کی گئی اور اس کی اقدام کو مداخلت فی الدین قرار دے کر مطالبہ کیا کہ مولانا کو فی الفور رہا کر دیا جائے ۔حکومت نے احتجاج کے پھیلاؤ کو دیکھ کر مولانا کو رہا کر دیا ۔مولانا نے رہا ہوتے ہوئی محاسبہ تیز کر دیا اور احتسابی جلسوں میں بلا فصل جانے لگے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ

انجمن حمایت اسلام کے جلسہ منعقدہ...19ء میں گورنر نے مسلمانوں کی لیڈر شپ کے بحران کا ذکر کیا اور ملفوف الفاظ میں قادیانیت کی حمایت کی کیونکہ وائسرائے نے مسلمانوں کے احتجاج کی پروانہ کرتے ہوئے ظفر اللہ خاں کو اگیزیکٹو کونسل میں لیا تھا۔ ''زمیندار'' اس احتجاج کا علمبر دار تھا۔ گورنر کو اندازہ تھا کہ مسلمان اس سلسلہ میں خفا ہیں ۔اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر قادیانیت کی حمایت کی لیکن اسی روز دوسرے اجلاس میں قادیانیت مردہ باد کے نعرے گونج اٹھے۔ ظفر اللہ خاں کی مذمت کی گئی ۔انجمن کے عہدیداروں نے بہتیرا چاہا کہ احتجاج نہ ہو' لیکن عوام مولانا ظفر علی خاں کو بلوانے پر مصر تھے' چنانچہ انجمن کے عہدیدار مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں بلا کر لائے ۔مولانا نے اجلاس سے خطاب کیا اور اس امر کی قرارداد منظور کرائی کہ میرزائی ایک جداگانہ اقلیت ہیں ۔ان کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اپنے کفر کی وجہ سے وہ انجمن حمایت اسلام میں رہ سکتے ہیں ۔اس احتجاج نے ہندوستان بھر کے مسلمان اداروں سے میرزائیت کے انخلاء کی تحریک پیدا کر دی۔

علی گڑھ میں قادیانی عناصر کے خلاف جہاد

انہی دنوں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طبیہ کالج میں میرزائی اساتذہ کا غلبہ تھا۔ خود پرنسپل ڈاکٹر بٹ قادیانی تھا اور چن چن کر میرزائی جمع کر رہا تھا۔ حکیم نورالدین کا بیٹا حکیم عبدالسلام عمر بھی

وہاں تھا۔اس کے متعلق الفضل میں لکھا گیا کہ وہ علی گڑھ کو اس طرح فتح کرے گا جس طرح طارق نے ہسپانیہ پر قبضہ کیا تھا۔مولانا کی تحریک علی گڑھ میں پہنچ چکی تھی ۔ان دنوں طلبہ کی روح رواں شریف چشتی انوار صمدانی، نسیم سودھری، سردار وکیل خاں، عمران القادری اور بعض دوسرے نوجوان تھے۔انہوں نے مولانا کو لاہور سے بلوانے کا فیصلہ کیا۔اس غرض سے یونین کا سیکرٹری دعوت نامہ لیکر لاہور پہنچا ۔مولانا ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء کو علی گڑھ تشریف لے گئے ۔ ان کا ریلوے سٹیشن پر زبردست استقبال کیا گیا۔اسی رات یونیورسٹی ہال میں جلسہ ہوا۔مولانا نے قادیانیت کا پول کھولا اور ارباب بست وکشاد کو طبیہ کالج میں میرازئی غلبہ کی دھاندلی پر لتاڑا۔اگلے روز آپ نے وقار الملک ہال میں تقریر کی ۔ادھر طلبہ نے آفتاب ہال میں ایک اور تقریر کا انتظام کیا۔۔اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ انگریز پروائس چانسلر اور پروفیسر حبیب نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔لیکن طلبہ نے ایک نہ سنی ۔مولانا کی تقریر ہوئی اور قادیانیت کے پرخچے اڑائے گئے ۔حکیم نوردین کے فرزند حکیم عبدالسلام عمر نے مداخلت کرنی چاہی لیکن طلبہ پل پڑے ۔مولانا نے طلبہ کو روک کر اس کی جان بچائی ۔مولانا کی ان تقاریر کا یہ اثر ہوا کہ یونیورسٹی کے ارباب کار فتنہ مرزائیت سے واقف ہوئے ۔قادیانیوں کی آئندہ بھرتی روک دی اور علی گڑھ کے طلبہ میں قادیانی ایک گالی ہو گئے ۔اس دورہ کے بعد مولانا ہر سال علی گڑھ جاتے رہے ۔طلبہ نے آپ کو فاتح قادیانیت کا خطاب دیا۔ جب بھی علی گڑھ جاتے تو وہ نعرہ ضرور گونجتا ۔اس کے بعد آپ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر منتخب کیے گئے ۔ادھر انگریز حکام علی گڑھ کی اس فضا سے پریشان تھی ۔وائسرائے کی ہدایت پر گورنر نے سر ظفر اللہ خاں سے کانوکیشن ایڈریس پڑھوانے پر یونیورسٹی کے اربابِ اقتدار کو تیار کیا' لیکن طلبہ نے فی الفور احتجاج کیا اور منسوخ کرا ڈالا ۔مولانا کا واحد کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے قادیانی امت اور اس کے اکابر کو مسلمانوں کی اجتماعی گرفت میں لا کر ایک ایسا طائفہ بنا دیا کہ وہ مسلمانوں کی عمرانی و سیاسی اور تہذیبی و تعلیمی مجالس سے خارج ہوتے گئے ۔

مولانا ظفر علی خان کی عوامی مقبولیت:

مولانا کی شبانہ روز مساعی ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی تحریک ہندستان بھی پھیل گئی ۔آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس دلی میں سر ظفر اللہ خان کے زیر صدارت منعقد کرانے کا فیصلہ کیا گیا' لیکن

مسلمانان دہلی کے اس احتجاج کی نذر ہو گیا کہ ظفر اللہ خاں جب مسلمان ہی نہیں، تو مسلم لیگ کی صدارت کیسے کر رہا ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی جدوجہد کے چند اور پہلو:

جنگ عظیم دوم کے آغاز ستمبر ۱۹۳۹ء تک ''زمیندار'' نے بہت سے قادیانی ایڈیشن شائع کئے۔ حکومت مختلف واسطوں سے بعض ایڈیشن ضبط کرتی رہی۔ مولانا کے قادیانیت سے متعلق بعض مضامین نظم ونثر کا مجموعہ 'ارمغان قادیان' ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ ادھر ۱۹۳۵ء میں میرزائیت کے خلاف علامہ انور شاہؒ کا ایک فتویٰ اور مقالہ شائع کرنے پر ''زمیندار'' کی ضمانت چار ہزار روپے ضبط کی گئی۔ اور پانچ ہزار مزید طلب کی گئی تھی لیکن ابتلا و آزمائش کے یہ معرکے مولانا کے عشق رسالت کو جوان کرتے رہے۔ انہوں نے میرزائیت کا قلمع قمع اپنا نصب العین بنا رکھا اور قلم و زبان کا الاؤ مدھم نہ ہونے دیا۔ احرار کے زعما بعض سیاسی وجوہ کے باعث مولانا سے الگ ہو گئے۔ بالخصوص تحریک شہید گنج میں جانبین کا اختلاف تصادم تک چلا گیا۔ لیکن قادیانیت سے متعلق اپنے سیاسی تجربے اور دینی مطالعے کی بنیاد پر صف آرا رہے حتیٰ کہ ایک مختصری مدت میں قادیانیت کے خلاف عوامی احتساب کی بے پناہ فضا پیدا کر دی چونکہ پنجاب ہی قادیانیت کا مولد تھا۔ اس لئے پنجاب ہی اس کے کاسہ سر پر گرز البرز شکن ہو گیا۔ مولانا ظفر علی خاں کے قلم و زبان احرار کی اس آمادگی کے ذہنی پس منظر میں پیہم شریک تھے۔ تمام احرار زعما مطلع سیاست پر ''زمیندار'' ہی کے افق سے چمکے تھے۔ مولانا کے قلم نے ان کی خوبیاں اجاگر کرنے میں بھرپور حصہ لیا ایک آدھ کے سوا تقریباً سبھی احرار رہنماؤں کی تعریف میں اشعار کہے اور انہیں صوبائی سیاست میں ایک طاقت بنا دیا۔ غرض مولانا کے زبان و قلم کی بدولت قادیانیت کے چہرے سے ہر نقاب اتر گئی۔

مولانا ہی کی شابہ روز مساعی کا نتیجہ تھا کہ:۔

(۱) میرزائیت کا مسئلہ عوامی تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔

(۲) مولانا سے پہلے میرزائیت کے تبلیغی دروازے سید نامہر علیشاہ نور اللہ مرقدہ اور بعض دوسرے اکابر کی بدولت بند ہو چکے تھے لیکن میرزائیت کے چور دروازوں پر قفل چڑھا دیا اور تبلیغی اعتبار سے ناکارہ کر دیا۔

(۳) مولانا نے میرزائیت کے سیاسی وجود کے استعماری آب وگل کا تجزیہ کیا اور یہ پہلا مرحلہ تھا کہ لوگوں کو میرزائیت کی حقیقت کا پتہ چلا کہ وہ کوئی مذہب نہیں بلکہ برطانوی علمداری کی ہندوستان میں تنسیخ جہاد سے متعلق استعماری ضرورت کا ناٹک ہے اور دنیائے اسلام میں انگریزوں کی خاطر اس نے جاسوسی کے پراسرار کارنامے انجام دیے ہیں۔

(۴) مولانا نے مسلمان عوام میں میرزائیت کے شرمناک وجود کو ننگا کر دیا اور حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ میرزائیت ملک کی آزادی کے راستہ میں ایک زبردست روک ہے۔

(۵) اس سے پہلی مغربی تعلیم یافتہ مسلمان رواداری برتتے اور انہیں مسلمانوں کی تقریبوں میں مدعو کر لیتے تھے۔ مولانا نے ایسی فضا پیدا کی کہ مسلمانوں میں ان کیلئے کوئی جگہ نہ رہی اور وہ لوگ جو اپنی سیاسی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر انہیں ساتھ رکھتے تھے وہ بھی چارونا چار ستکش ہو گئے اور کسی میں ان سے میل ملاپ کا حوصلہ نہ رہا۔

(۶) وہ مسلمان جو جدید تعلیم سے بہرہ مند تھے اور ختم نبوت کے مسئلہ میں مذہب کی بنیادی لم سے ناواقف تھے۔ بعض سیاسی افراد کو چھوڑ کر میرازئیت سے بیزار ہو گئے۔

(۷) قادیانیت سے متعلق اھل قلم کی ایک ڈار پیدا ہوئی اور مقرروں کی ایک ایسی جماعت سامنے آئی جس نے مذہب کے علاوہ سیاست کی بنیادوں پر میرزائیت کا محاسبہ شروع کیا حتی کہ لیگ اور کانگرس کے حلقوں میں بھی یہ بات راسخ ہوئی کہ میرزائی ان کی جدوجہد کے خلاف استعماری خواہشوں کے آلہ کار اور برطانوی عملداری کے ایجنٹ ہیں۔

(۸) مسلمانوں میں یہ مطالبہ قوی ہو گیا کہ میرازئی امت کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے ایک جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے علامہ اقبال نے پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں قادیانیت سے متعلق جو معرکہ تاریخی مضمون لکھا اس نے میرزائی امت کو الگ اقلیت قرار دینے کے مطالبہ کو پروان چڑھایا۔ سیاسی غرض مندوں اور سرکاری دانشوروں کو چھوڑ کر تمام مسلمان اس سے متفق تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے یورپ سے واپسی پر اپنے رفقا سے بیان کیا کہ میرزائی برطانوی گماشتہ ہیں۔ اس روایت کو خود میرزا بشیر الدین محمود نے ڈاکٹر سید محمد کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ غرض مولانا ظفر علی خان جس تحریک کے سب سے پہلے راہ نما تھے۔ وہ رنگ لائی اور میرزائیت بالآخر مسلمانوں سے الگ ایک شاخ

قرار پاگئی۔ مولانا نے قادیانیت سے متعلق مختلف نظموں کی صورت میں تقریباً تین ہزار اشعار لکھے اور نثر میں بے شمار مقالات سپرد قلم کئے۔ ان سب کا شمار مشکل ہے لیکن مولانا کے تمام رشحات بہشتی مقبرے کیلئے صبح قیامت کا محاسبہ تھے۔

(تحریک ختم نبوت ۶۱ تا ۷۲ مع تلخیص)

پروفیسر عنایت اللہ نسیم نے اپنی کتاب **مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد** میں ان کی خدمات پر تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

گذشتہ جنگ عظیم اول (۱۴ تا ۱۹۱۸) میں فتح بغداد۔ (یعنی جب برطانیہ اس پر قابض ہوگیا۔) پر قادیان میں چراغاں کیا گیا۔ پھر ترکیہ کی شکست پر قادیان میں جشن مسرت منایا گیا۔ اس پر مولانا ظفر علی خاں شعلہ بدامن ہوئے اور اس فرقہ ضالہ کے خلاف اور زیادہ شدت سے میدان میں اترے۔ اس دور میں ''الفضل'' نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں '''' زمیندار'''' اور ''ستارہ صبح'' کے زوردار مضامین سے بوکھلا کر ایک اپیل ''صلح'' شائع کی تو مولانا نے شرائط متارکہ کے طور پر جواب دیا کہ مرزائی حضرات:۔

مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی قرار دینا چھوڑ دیں۔

لسان شرع مبین میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب انبیائے ذی شان کی طرح حضرت محمد مصطفٰے کے لئے اسی طرح مخصوص ہے۔

لہٰذا آئندہ مرزا غلام احمد کو علیہ الصلوٰ ۃ والسلام نہ کہیں۔ ایسے ہی ازواج مطہرات حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح مرزائی، مرزا صاحب کی بیویوں کو ام المومنین کہ کر اس مقدس نسبت کی توہین نہ کریں۔

اپنے کافرانہ اور انوکھے عقائد صرف اپنی اور اپنے جماعت تک محدود رکھیں۔ مسلمانوں میں اس کی قطعاً تبلیغ نہ فرمائیں، لیکن اگر آپ مرزائیوں کو یہ شرائط نامنظور ہیں تو پھر ناموس رسالت و شریعت مطہرہ کا تقاضا ہوگا کہ ہمارا قلم حرکت میں آئے اور پردہ ضلالت چاک کرتا جائے۔

چنانچہ اس پر مولانا نے والقادیاں والقادیاں وماادراک ماالقادیاں

خریدار امتاع عدل اگر تم ہو ہم بھی ہیں کے عنوان سے مندرجہ بالا شرائط پیش کیں مگر جب وہ باز نہ آئے تو پھر علماء کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا

یہ فتنہ بڑھ چلا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے عالمان دیں میں تم سے بے سبب شاکی
بشیر الدین محمود آج پھیلاتا ہے بے کھٹکے
فرنگستان میں جاکر خرافات اپنے باوا کی

اورمسلمانوں سے یوں خطاب کیا۔

کہاں پنجاب میں اسلام تیری اٹھ گئی غیرت
بٹھایا کفر کو لا کر نبیؐ کے ہم نشینوں میں
حدیث اسمہ احمد غلام احمد پہ چسپاں ہو
پڑے خاک اس سلیقے پر لگے آگ ان قرینوں میں
کھلونا قادیاں کا بن گئی وہ سطوت کبریٰ
ہے اب تک شور جس کا آسمانوں اور زمینوں میں

اس سے قبل ''قادیاں کا تھیٹر اور قول فیصل کے عنوان سے مولانا نے ایک معرکہ آراء نظم لکھی۔ جو ستارہ صبح یکم نومبر ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ جس کے آخری دو تین شعر یہ ہیں۔

الحکمت لکم پڑھ کے زبان عربی میں
ظلی و بروزی کی نبوت کو مٹا دوں
ہے جن کو محمدؐ کی مساوات کا دعویٰ
مغواہ جہنم کی وعید اُن کا سنا دوں
کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے
انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں
اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت
میں اس کے لئے راہ میں آنکھوں کو بچھا دوں

بلکہ اب مولانا کھلم کھلا اس خیال کا اظہار کرنے لگے کہ مذہبی مباحثوں اور مناظروں کے بجائے اس فتنہ کی اصل سیاسی و مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے' چنانچہ انھوں نے اس فرقہ ضالہ کے مقاصد' عزائم و افکار اس کی بانی کی تحریروں سے پیش کر کے ملت اسلامیہ کو ان

ناپاک مقاصد سے آگاہ کیا اور دلائل سے ثابت کیا کہ اس استعماری ناپاک سازش کو کن وجوہ سے جامہ عمل پہنایا جارہا ہے۔

سرکابل میں حکومت افغانستان نے دو مرزائیوں کو مرتد قرار دے کر قتل کرادیا تھا۔ جس پر بشیر الدین محمود بے حد برہم ہوئے۔ چنانچہ اسی غرض لئے لنڈن بھی گئے تاکہ حکومت برطانیہ کہ حکومت افغانستان کے خلاف ابھارا جائے۔ مولانا نے اس پر ''زمیندار'' میں لکھا۔

عناد اور بغض کی تصویر بن کر
گئے لنڈن بشیر الدین محمود
یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے
کہ سرحد پر بچھادی جائے بارود
دکھائے یورپ آکر اس کو ننتی
جہنم کی لپٹ جس میں ہو موجود
یہ ساری سر زمین پھر بھک سے اڑ جائے
اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود
کوئی اس دیں کے دشمن کو بتائے
کہ ساری کوششیں ہیں تیری بے سود
بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے
کہ دوزخ میں تری خاطر پڑے کود
ہے تو بھی کیا کسی کرنل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

مولانا نے اس دور میں حکومت افغانستان کے اس اقدام کی پوری حمایت کی۔ قتل مرتد کی تائید میں ''زمیندار'' میں متواتر دو ہفتہ تک مقالات لکھے۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا آزاد اس مسئلہ میں دوسری رائے رکھتے تھے جس پر مولانا ظفر علی خان اور ان کے درمیان خاصی بحث ہوئی۔ تاآنکہ ۳۲۔۱۹۳۱ء میں قادیانیت کے فتنہ نے پوری شدت اختیار کرلی۔ مثال کے طور پر تحریک آزادی کشمیر کی دوران جب کشمیر کمیٹی بنائی گئی تو اس میں نہ صرف یہ کہ قادیانیوں کو شریک کیا گیا بلکہ میرزا

بشیرالدین محمود صدر بنا لئے گئے۔ مولانا نے اس خطرہ کو پوری طرح بھانپ لیا اور اندازہ لگایا کہ اب یہ یہودیت کی طرح خطرناک تحریک بننے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ''زمیندار'' میں سلسلہ مضامین شروع کیا۔ ادھر ظفر اللہ خاں کی وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں شرکت کا مسئلہ تھا۔ جسے مولانا بطور مسلمانوں کے نمایندہ کے قبول کرنے پر قطعاً تیار نہ تھے' چنانچہ ان کی تحریک پر پورے (متحدہ) ہندوستان میں ظفر اللہ خاں کے تقرر کے خلاف احتجاج شروع کیا گیا۔ جس پر (برطانوی) حکومت ہند کے کان کھڑے ہو گئے' مگر سر فضل حسین کی کوششوں سے ظفر اللہ خاں کو حکومت ہند کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن نامزد کر لیا گیا۔ مولانا نے اس پر ہی شدید احتجاج نہ کیا بلکہ سر فضل حسین کی بھی خبر لے ڈالی۔ بس پھر کیا تھا اس جرم حق گوئی میں کسی مضمون کی آڑ لے کر ''زمیندار'' کی ایک ہزار روپیہ کی ضمانت ضبط کر لی اور مزید چار ہزار روپیہ طلب کر لیا گیا۔ جسے مولانا نے جلد ہی ادا کر دیا اور ''زمیندار'' اپنے روایتی شان سے بدستور میدان عمل میں گامزن ہو گیا اور اعلان کیا'

سن لے جسے بخشی گئی ہو سننے کی توفیق
ہوگی نہ کبھی بند ''زمیندار'' کی آواز

غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی تجویز:

اسی سال انجمن ''حمایت اسلام'' کے سالانہ کھلے اجلاس میں مولانا نے ارباب انجمن کی مرضی کے خلاف اس مضمون کی قرارداد منظور کرا دی کہ ظفر اللہ خاں مسلمانوں کا نمائندہ ہرگز نہیں۔ نہ اس پر مسلمان عوام کو کوئی اعتماد ہے اگر حکومت اسے ایگزیکٹو کونسل میں ضرور رکھنا چاہتی ہے۔ تو قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اسے ان کا نمائندہ سمجھا جائے۔ مسلمان اسے اپنا ترجمان کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ اس طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کی قرارداد سب سے پہلے مولانا نے اس اجلاس میں پیش کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ظفر اللہ خاں صاحب بھی ان دنوں اسی حق میں تھے کہ انھیں جداگانہ اقلیت قرار دیا جائے۔ میں ان کی نمایندگی کروں گا۔ نیز مولانا نے تقریر و تحریر کے ذریعے ملت اسلامیہ کو ان خدشات سے آگاہ کیا جو قادیانیوں کو مسلمانوں کا نمایندہ بنائے جانے سے لاحق ہو سکتے تھے' مگر فضل حسین ظفر اللہ خاں صاحب کے موید بن کے سامنے آ گئے اور پوری قوت سے حکومت میں اس کی پشت پناہی کی جس پر مولانا نے ''زمیندار'' میں یوں لکھا۔

قادیاں خوش ہو کر فرماتے ہیں سر فضل حسین
حضرت میرزا غلام احمد ہیں سرکاری نبی
غرق بیڑا کمتریں کا ہوگیا پنجاب میں
گرچہ یہ فدوی ہے انگریزوں کا درباری نبی

یہ وہ دن تھے کہ ''زمیندار'' مسلسل اس فتنہ کے لیے خم ٹھونک کر سامنے آ چکا تھا۔۱۹۳۲ میں اسی ''جرم'' کی وجہ سے پولیس پر تنقید کے بہانے ''''زمیندار'''' کی ضمانت کا دو ہزار روپیہ ضبط کر کے مزید چار ہزار روپیہ طلب کر لیا گیا۔ پندرہ دن کی بندش کے بعد ''''زمیندار'''' ضمانت ادا کر کے ۱۴ جنوری ۱۹۳۳ کو پھر آن موجود ہوا۔اور صفحہ اول پر مولانا یوں گویا ہوئے۔

ملت بیضا کی عزت کا طلبگار آ گیا
سطوت کبریٰ شوکت کا علم دار آ گیا
جس نے ہر میداں میں باطل کو شکست فاش دی
شکر حق کا وہ شیر افگن علم دار آ گیا
خم کے خم جس نے مئے یثرب کے خالی کردیئے
آج پھر محفل میں رند قدح خوار آ گیا
جس نے سیکھا موت سے راز حیات جاوداں
اپنی قسمت کا وہ ہوکر آپ مختار آ گیا
امر حق کے واشگاف اعلان کا خمیازہ کش
ہر مصیبت کیلئے پھر ہو کے طیار آ گیا
پندرہ دن بند رہ کر پھر کھلی میری زباں
پھر نوا سنج فغاں ہو کے ''زمیندار'' آ گیا

قادیانیت مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کے آئینہ میں:

(تحریر: خالد بزمی)

خدا کا ہزار شکر ہے کہ تقریباً ایک صدی پرانا مرزائیت کا دل آزار اور تکلیف وہ مسئلہ اب حل

ہو چکا ہے اور مرزائیوں کو پاکستان نیشنل اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں جملہ اراکین کے متفقہ فیصلے کے مطابق غیر مسلم اقلیت قرار دیا جاچکا ہے۔ اس موقعے پر آپ اس دور کا تصور کیجئے جب اس باطل عقیدے کو انگریز کی مکمل حمایت اور پشت پناہی حاصل تھی اور انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا رفتہ رفتہ ایک تناور درخت بن کر اپنے برگ و بار پھیلا رہا تھا۔ انگریزی حکومت کے اس دور میں ہر قسم کے خوف و خطرے سے بے نیاز ہو کر مولانا ظفر علی خان نے اپنی البرز شکن نظم و نثر سے مرزائیت کے قلعے کو پاش پاش کر دیا۔

مولانا ظفر علی خان جب یہ کہتے ہیں تو اپنے دعوے میں بالکل سچے ہیں کہ:۔

اس بجھارت کو نہ بوجھا آج تک کوئی ادیب
میں نے ہی آخر کو حل کی چیستان قادیاں

یہ اس کی بات ہے جب مرزائی گھر گھر اس باطل عقیدے کی اشاعت و تبلیغ کر رہے تھے:

جو مجاور ہیں بہشتی مقبرے کے آج کل
بیچتے پھرتے ہیں گھر گھر استخوان قادیاں

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریر میں صرف و نحو اور قواعد کو جو اغلاط ہیں' وہ کسی بھی زبان شناس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مولانا ظفر علی خان نے اس طرف بھی نشان دہی فرمادی تھی۔

صرف غائب، نحو عنقا اور سلاست نایدید
ان سب اجزاء سے مرکب ہے زبان قادیاں

ہر باطل تحریک مکر و فریب اور کذب و افتراء کی زور پر آگے بڑھتی ہے۔ مرزائیت نے بھی ایسے ہر ناجائز حیلے سے کام لیا۔۔ اس لئے اگر کچھ سادہ لوح اس کے دام فریب میں آگئے تو اس میں چنداں حیرت کی بات بھی نہیں۔ظفر علیخاں سے اس سوال کا جواب سنیے۔

لوگ حیراں تھے کہ جب پھیکا ہے پکوان اس قدر
ہوگئی پھر اتنی اونچی کیوں دکان قادیاں

مرزائیت کے علمبردار قرآن حکیم کی بعض آیات کا عجیب مطلب بیان کرتے تھے۔ انہوں نے لیس کمثلہ شی کی شرح بھی اپنے مطلب کے مطابق فرمادی۔ اس پر مولانا ظفر علی خان نے اس طرح گرفت فرمائی ہے۔

معنی لبــــــــس کــمـثـلــــــہ آپ ہیں
یعنی آپ اللہ میاں کے باپ ہیں
عرش کو جس نے کیا ہے پے سپر
آپ اسی گھوڑے کی برقی ٹاپ ہیں
جو سبق بھی دے دیا طاغوت نے
موسیو محمود دیتے چھاپ ہیں
قادیاں ہے چشمہ آب حمیم
باپ پانی تھے تو بیٹے بھاپ ہیں
فاتبعہ کی انگیٹھی گرم ہے
آگ اس کی آپ لیتے تاپ ہیں
دیکھتے ملتی ہے کب اس سے نجات
اور کب کٹتے ہمارے پاپ ہیں

آج یقیناً مولانا ظفر علی خاں کی روح جنت میں خوشی ہوگی کہ مرزائیت کے علمبرداروں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جاچکا ہے۔ مرزائیت دین کے پردے میں دراصل ایک سیاسی تحریک تھی۔ اس کی تاریخ شاہد ہے کہ مرزائیوں نے سیاسی حالات سے ہمیشہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی مرزائیت کی تحریک حقیقتاً نکوکاری کے پردے میں سیاہ کاری کا حیلہ تھی اور اس باطل نبوت کا مقصد دراصل نصاریٰ کی رضا جوئی تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے ''حدیث قادیاں'' کے عنوان سے آج سے تقریباً نصف صدی پیشتر اس راز سے پردہ اٹھادیا تھا:

حقیقت قادیاں کی پوچھ لیجئے ابن جوزی سے
نکو کاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلہ ہے
یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پر
مسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح چھیلا ہے
پلی ہے مغربی تہذیب کے آخری عشرت میں
نبوت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے

نصاریٰ کی رضا جوئی ہے مقصد اس نبوت کا
اور ابطال جہاد انجاح مقصد کا وسیلہ ہے

قادیانیوں نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ اپنے مسلسل پروپیگنڈے سے مسلمانوں میں جا جا کر ایسا جال بچھایا کہ ان کی چالوں سے غافل اور سادہ لوح مسلمان دامے درمے بھی مرزائیوں کی مدد کرتے رہے مولانا ظفر علی خاں نے ایک موقعہ پر ایسی ہی صورت حال دیکھ کر مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ:

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہوشیار
کچھ یہود آتے ہیں دو جون کو چندے کیلئے
شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کیلئے
گردن امت مرحوم کو پھر تاکا ہے
نام توحید پہ تثلیث کے پھندے کیلئے

ایک موقعہ پر مولانا ظفر علی خان نے مسلمانوں کو انگریزوں اور قادیانیوں سے اس طرح خبردار کیا:

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے
تو قادیانیوں کے تیرے بے کماں سے بچو
دمشقیوں سے خطرناک تر ہیں اندلسی
گر ان کی ایں سے بچے ہو تو انکی آں سے بچو
جو بات بات پہ تم کو حرامزادہ کہے
ہر ایسے سفلہ بداصل و بدزباں سے بچو
نبی کی غصے میں ڈوبی ہوئی نگہ سے ڈرو
عتاب حضرت آقائے دو جہاں سے بچو

مندرجہ بالا اشعار میں سے دوسرے شعر میں دمشقی اور اندلسی دونوں لفظ خاص اصطلاحوں کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ بنوامیہ کے دور خلافت میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب ان کی حکومت دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک کا دارالحکومت دمشق و شام تھا اور دوسری اندلس ہسپانیہ یا سپین میں تھی۔

مولانا ظفر علی خاں مرزائیوں کی قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے لئے بالترتیب دمشقی اور اندلسی کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر آ چکا ہے کہ مرزائیت کے تحریک ایک سیاسی تحریک ہے۔ اس کے ثبوت میں متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے جس زمانے میں غازی امان اللہ حکمران تھے ان دنوں علمائے اسلام نے ایک قادیانی مبلغ کو سنگسار کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد اہل قادیاں غازی امان اللہ خان کے دشمن ہو گئے جب کچھ مدت کے بعد غازی امان اللہ خان کو حکومت کو زوال آیا تو قادیانیوں نے خوشی کی تقریب منائی۔ مولانا ظفر علی خان نے قادیانیوں کے اس ظاہر و باطن خبث پر لکھا کہ:

شمع کابل کی بجھ گئی جس رات
قادیاں میں چراغ گھی کے جلے
موسیو میرزا بشیر الدین
سجدہ کرنے کلیسیا کو چلے
مغربیت ہے آپ کی انا
دودھ پی پی کے جس کا آپ پلے
زندہ کیوں رہ گیا امان اللہ
موسیو اس سوال سے نہ ٹلے
جاں بچا کر نکل گیا اسلام
کف افسوس کفر کیوں نہ ملے

مرزا قادیانی نے ایک جگہ لکھا ہے میں نے انگریزوں کی تائید و حمایت اور تعریف و توصیف میں اس قدر لکھا ہے کہ اس سے پچاس الماریاں بھر گئی ہیں لیکن اس کے باوجود انگریزی حکومت نے میری خدمات کا اعتراف اس حد تک نہیں کیا جس قدر اسے کرنا چاہیے تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے ایک شعر میں کہا۔

جن پچاس الماریوں پر تھا غلام احمد کو ناز
حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے

مرزائیوں کے مشہور اخبار الفضل میں کسی مرزائی شاعر نے مولانا ظفر علی خان کے بارے میں جلے دل کے پھپھولے اس طرح پھوڑ کہ:

بری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں علی خان
سمجھ پہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیسے فتنے اٹھا رہے ہیں
جناب محمود کو برا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلت
یہی نہ جو کچھ رہی تھی عزت' اسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں
وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا بنے مخالف
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلمان ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

سات اشعار کی یہ نظم اسی طرح خرافات کا مجموعہ ہے۔ مولانا ظفر علی خان کب خاموش رہنے والے تھے۔ انہوں نے اسی زمین میں آٹھ شعروں کی نظم سے جواب دیا۔ ان میں سے پانچ اشعار پیش خدمت ہیں

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
ادھر رقیبوں سے مل رہے ہیں ادھر ہمارے گھر آ رہے ہیں
منافقوں کی ہے یہ نشانی زباں پہ دین ہو تو کفر دل میں
اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
رسولؐ مقبول کی شریعت کے نام پر دیں ہمیں نہ دھوکا
اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو الو بنا رہے ہیں
ظفر علی خان کی آبرو کو نہ حرف آیا نہ آ سکے گا
خدا نے دی ہے جب اس کو عزت تو آپ تلملا رہے ہیں

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ ساتھ ان کے تقدس تاب صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود احمد کی رنگین شخصیت اور ان کے سنہری کارناموں کا ذکر مولانا ظفر علی خان کے اشعار میں جا بجا ملتا ہے۔ بعض حد سے متجاوز رواداری قسم کے لوگوں کو مولانا مرحوم کے کلام پر یہ اعتراض رہا ہے کہ وہ مرزا محمود کی ذاتی زندگی کے بعض مشاغل کا ذکر بھی نہایت واشگاف طور پر کر دیتے ہیں۔ اگر غور فرمایا جائے تو معلوم ہوگا کہ نبوت اور خلافت کے دعویداروں کے معاملے میں یہ طریقہ کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہونا چاہیے تا کہ عام لوگوں کو ان دعاوی کی صداقت کو جانچنے کا موقعہ مل جائے اور وہ

ان کے اخلاق کو مسلمہ معیار پر پرکھ سکیں۔ مرزا بشیر الدین محمود کی سیرت میں مس رفو کا ''اغوا'' یقیناً کوئی قابل تقلید یا قابل توصیف کارنامہ نہیں ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ لاہور کے سیسل ہوٹل میں ایک اطالوی حسینہ مس رفو منتظمہ تھیں۔ مرزا بشیر الدین نے ایک موقعے پر صرف ایک روز کیلئے وہاں قیام فرمایا۔ دوسرے روز وہ حسینہ ہوٹل سے غائب تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مرزا محمود کے بچوں کی گورنس کے طور پر قادیاں میں ملازم ہوگئی ہے۔ اگر مولانا ظفر علی خان، مرزا محمود کی اس خوش ذوقی کی داد نہ دیتے تو یہ مولانا مرحوم کی بے ذوقی کا ثبوت ہوتا۔ داد ملاحظہ فرمایئے۔

اے کشور اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے ترے فیض سے چمن
پیغمبر جمال تری دلربا ادا
پرردگار عشق ترا چلبلا چلن
پروردہ فسوں ہے تری ساق صندلی
آوردہ سرور ترا مرمری بدن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشہ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے جو آج ہو قادیاں شکن

مس رفو کے اچانک ہوٹل سے غائب ہو جانے کے بعد لوگوں کے دلوں میں یہ سوال ابھرا کہ آخروہ ''برق'' کہاں گری ہے۔ مولانا ظفر علی خاں اس کے جواب میں کہتے ہیں

عشاق شہر کا ہے زمیندار سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایماں کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
روما سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جان جاں گئی

یہ چیستاں سنی تو زمیندار نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اس سے پہلے اس بات کا ذکر اشارتاً آ چکا ہے کہ مرزائی مسلمانوں سے اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے نام پر چندہ اکٹھا کرتے تھے اور بعض لوگ جو ان کے دام ہمرنگ زمین سے بے خبر تھے انہیں چندہ دے دیا کرتے تھے۔ مولانا ظفر علی خان نے چندے کا دھندا کے عنوان سے جو نظم کہی وہ اپنی فنی خوبیوں اور خاص طور پر لطف قوافی کے اعتبار سے ایسی ہے کہ وہ ان صفحات میں مکمل نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔

اگر چندے کی حاجت ہے تو کر دعویٰ رسالت کا
بغیر اس ڈھنگ کے چندہ مہیا ہو نہیں سکتا
سنا ہے قادیاں میں بانسری بجتی ہے گوکل کی
مگر یہ بانسری والا کنہیا ہو نہیں سکتا
یہ آساں ہے کہ بدلے جون اور بچھو بنتے لیکن
کبھی بھی شہد کی مکھی ہتیا ہو نہیں سکتا
مجدد الف ثانی سے غلام احمد کو کیا نسبت
ثریٰ کتنا بھی اونچا ہو ثریا ہو نہیں سکتا
اگر کے سے بھی کرتا وہ ڈھینچوں ڈھینچوں آ جائے
یہ ظاہر ہے خیر عیسٰی گویا ہو نہیں سکتا
برادر خواندگی کی شرط اگر ہو مرزائیت
قیامت تک بھی ہم سے یہ تو بھیا ہو نہیں سکتا
سرشتِ مرد مومن کا بدلنا غیر ممکن ہے
چنبیلی کا یہ پودا بھٹ کٹیا ہو نہیں سکتا
وطن کے پوجنے والو! تعلق نوع انساں کا
سمندر ہے محبت کا، تلیا ہو نہیں سکتا
جسے اسلام کی عزت پہ کٹ مرنا آتا ہو
مسلمانوں کے بیڑے کو کھویا ہوا ہو نہیں سکتا

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ پر جو فرشتہ وحی لاتا تھا۔ اس کا نام ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ وہ جبریل تھے غلام احمد قادیانی آنجہانی پر جو فرشتہ وحی لاتا تھا۔ اس کا نام ٹیچی ٹیچی تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کی اک نظم کا عنوان یہی ہے۔

نبوت مجھے بخشی انگریز نے
یہ پودا اسی کا ہے خود کاشتہ
پلومر کی بھٹی سلامت رہے
ہے جس کی صبوحی مرا ناشتہ
کنہیا بھی ہوں اور مہدی بھی ہوں
ہے دونوں کی عزت مری داشتہ
دکھائے نہ توحید آنکھیں مجھے
کہ تثلیث ہے پرچم افراشتہ
یہ ہے ٹیچی ٹیچی کی بروقت ٹچ
جو ہے میری تھیلی زر افراشتہ

اس نظم میں پلومر سے مراد مال روڈ لاہور کی مشہور دکان ای پلومر ہے اس دکان میں انگریزی ادویہ کے علاوہ اعلیٰ غیر ملکی شرابیں بکتی تھی ں۔ آخری شعر میں ٹیچی ٹیچی نامی جس فرشتے کا ذکر ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ آسمان سے اتر کر مرزا صاحب کی جیب روپوں اور نوٹوں سے بھر دیا کرتا تھا۔

مولانا ظفر علی خان نے باقاعدہ نظموں کے علاوہ مرزا اور مرزائیت کے بارے میں متفرق اشعار بھی کہے ہیں۔ انہوں نے مجموعی طور پر جو کچھ اس موضوع پر کہا ہے۔ اس کا مفصل ذکر ایک کتاب کی ضخامت کا طالب ہے۔ مرزائیت کے موضوع پر مولانا کے بعض متفرقات بھی خوب ہیں مثالیں ملاحظہ ہوں۔

منکر ختم نبوت ہو کے اہل قادیاں
اپنے وقتوں کے ثمود و عاد ہوجانے لگے

طوق استعمار مغرب خود کیا زیب گلو
اور گواہ اس پر ہیں مرزا کی پچاس الماریاں
بقائے وحدت اسلام ہے اگر منظور
تو قادیاں کی نبوت کی روک تھام کرو

آخر میں مرزائے قادیانی کی موت پر ظفر علی خاں نے جو معرکہ آرا نظم کہی ہے اس کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمایئے

میزائے قادیانی مر گیا
احمدی فرقے کا بانی مر گیا
ہو گیا اسلام کا اک رخنہ بند
سنتے ہیں دجال ثانی مر گیا
لے کے اپنے اندر سینکڑوں
آرزو ہائے جوانی مر گیا
کرتے ہیں مرزائی تاویلیں عبث
آئی مرگ ناگہانی مر گیا

الختصر مولانا ظفر علی خان نے اہل اسلام کو مرزائیت کے فتنے سے بچانے کی ممکن کوشش فرمائی

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

(ملخص از ماہنامہ ضیائے حرم لاہور دسمبر ۱۹۷۴ء)

فتنہ قادیانیت کے استیصال لئے
علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی جدوجہد

تحریر: مولانا محمد انظر شاہ کشمیری مرحوم

دارالعلوم دیوبند کی امتیازی خصوصیّت:

انفرادی واجتماعی طور پر مرزا سے نمٹنے کیلئے جو کچھ کوشش کی گئیں ان میں بڑا زبردست کردار دارلعلوم دیوبند کا رہا ہے۔ ایک صدی پرانا علم ومعرفت کا یہ میخانہ جسکی بنیاد ان اکابر اہل اللہ نے رکھی جو اپنے وقت میں تکوینیات کے قطب اور تشریع کے امام تھے۔ یہ محض ایک تعلیم گاہ نہیں بلکہ فکر ونظر کی ایک ٹکسال ہے۔ ہندوستان میں اسلامی اقتدار ٹوٹ جانے کے بعد خود اسلام کو جن خطرات کا سامنا تھا ان سے حفاظت کیلئے لطیفہ قدرت نے دارالعلوم کی شکل اختیار کی۔ آج ہندو پاکستان کے پچانوے فی صدی مدارس' درسگاہیں' تعلیمی ادارے' تصنیف وتالیف کے شعبے دارالعلوم کے فیضان کا پرتو ہیں جبکہ پانچ فی صدی یہ کارنامے دوسرے اداروں کے حصہ میں آتے ہیں۔ دارالعلوم نے جو کچھ کیا ان جلیل خدمات کا تعارف کا مقصد اس وقت سامنے نہیں تاہم قادیانی تلبیس کو شکست وریخت کرنے میں جو کچھ اس کا کردار ہے اسکی ایک مختصر تفصیل بہرحال پیش کرنا ہوگی۔

اس ادارہ کی یہ عجیب وغریب خصوصیت ہے کہ وقت کا جب بھی کوئی ایسا فتنہ اٹھا جسکے سرے خفی واخفی انداز میں الحادوزندقہ یا ضلالت وگمراہی سے مل رہے ہوں دارالعلوم کے اکابر نے انہیں پہلے ہی لمحہ میں دریافت کیا اور جراثیم کی دریافت جو دوسروں کیلئے راز تھی اکابر دارالعلوم کیلئے ایک سامنے کی حقیقت تھی۔ .... راقم السطور کو اس اظہار میں کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا کہ دارالعلوم کا یہ امتیازی کردار ایک ممتاز خصوصیت ہے۔

بہر حال قادیانیت کے اٹھائے ہوئے فتنہ سے نمٹنے کیلئے دارالعلوم کی پوری مشینری حرکت میں آئی صاحب سوانح مولانا انور شاہ کشمیریؒ مولانا مرتضے چاند پوری' مفتی محمد شفیع صاحب' مولانا محمد انور لائلپوریؒ مولانا بدر عالمؒ مولانا حفظ الرحمٰن' مولانا ثنا' اللہ امرتسری چھوٹے بڑے سینکڑوں افراد واشخاص سب دارالعلوم کے مشین کے پرزے تھے جو مشترکہ طور پر قادیانیت کے خلاف حرکت میں آئے۔ پس بلا شبہ انفرادی واجتماعی کوششیں جو ان کی جانب سے قادیانیت کے خلاف منظر عام پر آئیں ان کا تعلق دارالعلوم ہی سے ہے۔ اگر چہ اس مہم ہندوستان کے دوسرے اداروں نے بھی شرکت کی لیکن قادیانیت کے مقابلہ میں اصل حریف اس کی راہ کا سنگ گراں دارالعلوم دیوبند ہی تھا اس موقعہ پر حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جن کی زندگی کا بڑا حصہ قادیانیت کی تردید میں صرف ہوا۔

علامہ کشمیری کی جدوجہد:۔

بہر حال علامہ انور شاہ کشمیری جو قادیانیت کے دور شباب میں دارالعلوم کے صدر نشین تھے' آپ نے اس فتنہ کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا اور قلب بریاں کے ساتھ اسلام کے تحفظ و حفاظت کیلئے کھڑے ہو گئے سب سے پہلے آپ نے اپنے تلامذہ کی مستقل جماعت تیار کی جنہوں نے تقریر وتحریر دونوں محاذ پر قادیانیت کا بھرپور مقابلہ کیا۔ آپ تلامذہ سے اپنی نگرانی میں بیش قیمت کتابیں لکھواتے اور آپ کی تصحیح وتائید کے بعد وہ کتابیں شائع ہوتیں تھیں۔ تردید قادیانیت کا یہ ذوق حلقہ تلامذہ میں اس درجہ استوار کر دیا تھا کہ پھر جہاں کہیں آپ کا کوئی شاگرد پہونچا اس نے قادیانیت کی تردید کو ایک اسلامی فریضہ سمجھا۔ مفتی محمد شفیع صاحب مولانا ادریس صاحب کاندھلوی مولانا بدر عالمؒ مولانا انوریؒ مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری یہ کچھ چند نام اس پر جوش حلقہ کے ہیں جسے علامہ نے قادیانیت کے خلاف صف آراء کیا تھا۔

تردیدی تصانیف:

ادھر آپ نے خود تردید قادیانیت میں اپنے قلم سے اہم ترین نوادر تیار فرمائے جن میں سب سے زیادہ ضخیم عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ مرزا بار بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کا انکار کرتا تھا اسے لئے اسکی تردید میں یہ کتاب تصنیف کی جسمیں

قرآن مجید کی ان آیات کومتن حیثیت دی گئی جو حیات عیسےٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہیں پھران کی تشریح وتائید کیلئے احادیث پیش کی گئیں توفی کی حقیت اور مفہوم پر عالمانہ بحث کنایہ ومجاز کی حقیقت' ذوالقرنین کی تعیین' یاجوج ماجوج کا تشخص' سد سکندری دریافت اور بہت سے فاضلانہ مباحث اس کتاب میں موجود ہیں۔ اہل علم نے جسطرح اس کتاب کوسراہااس کا ذکر شاہ صاحب کی تصانیف کے ذیل میں انشاءاللہ مفصل آئے گا۔

دوسری کتاب التصریح بما تواتر فی المسیح ہے جس میں تواتر پر گفتگو کرتے ہوئے نزول مسیحؑ' حیات مسیحؑ' دونوں کو اسلام کے مسلمہ عقائد قرار دے کر ان احادیث کو جمع کیا ہے۔ جو مذکورہ بالا عنوان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر ان ہر دو تصانیف پر تحیۃ الاسلام کے نام سے اضافہ کیا۔ یہ ہرسہ کتب دیوبند کے مختلف کتب خانوں سے شائع ہوتی رہیں۔ پھر مجلس علمی ڈابھیل نے خصوصی مطبوعات میں اسے شائع کیا اور حال ہی میں مجلس علمی کراچی نے ان تینوں کتابوں یکجا شائع کردیا ہے۔ ادھر دمشق میں شیخ عبدالفتاح (جو علامہ کوثری مرحوم کے مایہ ناز تلمیذ ہیں) نے ''التصریع بما تواترفی نزول المسیح'' کو اپنے گرانقدر حاشیوں کے ساتھ تقریباً ساڑھے چارسوصفحات میں ایڈیٹ کیا ہے جس کا ذکر تالیفات شیخ میں آتا ہے۔ بعض نام نہاد علما یہ سمجھتے تھے کہ غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کیونکہ خود کو مسلمان کہتے ہیں نماز روزہ کے پابند ہیں' آنحضور ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور بجانب قبلہ نماز ادا کرتے ہیں اسلیئے وہ اہل قبلہ ہوئے اور ان کی تکفیر جائز نہیں آپ نے بردقت ''اکفارالملحدین'' کے نام سے چوتھی کتاب لکھی جس میں اس مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب پر سیر حاصل بحث کی اور بتایا کہ ضروریات دین جنہیں عام وخاص مسلمان جانتے ہوں ان کا انکار کھلا کفر ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ اور یہ کہ آپؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ ضرویات دین میں سے ہے اور اسکا انکار کرنے والا یا اس میں تادیل کرنے والا اگرچہ اہل قبلہ میں سے ہوتاہم کافر ہے۔ بلکہ کافر کو کافر نہ جاننے والا خود کفر کا ارتکاب کررہا ہے۔ حسب دستور آپ نے اس تالیف میں فقہاء کے اقوال' لطیف استنباط کا دفتر گرانمایہ پیش فرمایا۔ دوچار سال پہلے آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد ادریس میرٹھی نے کتاب کا اردو ترجمہ بلکہ مکمل شرح کئی سو صفحات میں بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے کی جسے مجلس علمی کراچی نے شائع کیا ہے۔ کشمیر کے غریب اور ناواقف مسلمان اپنی غربت و ناداری کی بنا پر قادیانیت کا خاص شکار ہوئے۔ قادیانی

مشنری نے ان غریب مسلمانوں کو بے دریغ روپیہ دے کران کے ایمان کے سرمایہ کوخرید لیا۔ علامہ کا وطن کشمیر تھا اس صورت حال پر آپ سب سے زیادہ مضطرب اور بے چین تھے۔ مرض وفات میں جب آپ نیم جاں ہوکر بستر مرگ پر لیٹے ہوئے تھے فارسی زبان میں ایک رسالہ ''خاتم النبیین '' کے نام سے لکھا جس میں دلائل آنحضور کے خاتم النبیین ہونے پر قائم فرمائے اور اس موضع پر بڑی دقیق علمی گفتگو کی۔ تالیف کی زبان فارسی کشمیر کی رعایت سے اختیار کی گئی۔ اس کتاب کو آپ اپنے لئے توشہ آخرت قرار دیتے تھے صرف خاص سے طبع کرا کر ہزاروں نسخے کشمیر میں تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا تھا مگر یہ تمنا پوری نہ ہوسکی اور یہ کتاب آپ کی وفات کے بعد مجلس علمی ڈابھیل نے شائع کی جس کا اردو ترجمہ حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی استاذ جامعہ طبیہ دارالعلوم نے کیا ہے جو ابھی تک غیر مطبوع ہے۔ یہ کل پانچ کتابیں آپ کے گہربار قلم نے ردقادیانیت میں تیار کیں۔ بیانات جو وقتاً فوقتاً اخبارات میں شائع ہوتے اور تقاریر جو اطراف ملک میں تردید قادیانیت کیلئے آپ نے کیں وہ ان سے علیحدہ ہیں۔

مجلس احرار کا قیام:۔

تصنیف وتالیف' تحریر وتقریر اور قادیانیت کے مقابلہ کے لئے بعض مناسب افراد واشخاص کی خصوصی تربیت کے باوجود مرحوم کی رائے تھی کہ اس فتنہ کی مکمل بیخ کنی کیلئے ایک ایسے مستقل ادارہ کی ضرورت ہے جو اپنی تمام توانائیاں اور قوت کار قادیانیت کی تردید میں صرف کرے۔ اسکے لئے آپ نے باربار ''جمعیۃ العلما ہند'' کو بھی توجہ دلائی بلکہ کلکتہ جمعیۃ العلما کے اجلاس میں جب اس مسئلہ پر غور ہورہا تھا کہ جمعیۃ العلما کی رکنیت کے لئے خود اسلامی فرقوں میں سے کس کس کے لئے اجازت ہونی چاہیے آپ نے یہ سوال اٹھایا کہ پہلے قادیانیوں کے کفر وایمان کا فیصلہ ہونا چاہیے تاکہ ان کے لئے حق رکنیت یا عدم رکنیت کی بات ہوسکے لیکن' جمعیة العلما هند''۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں جس سرگرمی سے حصہ لیا کسی دوسرے محاذ پر تندہی سے اس کیلئے کام ممکن بھی نہیں تھا پھر پنجاب جو اس فتنہ کی جائے پیدائش تھی وہاں پر اسکے مقابلہ کے لئے کسی ادارہ کا قیام سب سے زیادہ ضروری تھا پنجاب کے لوگوں کو خداتعالیٰ نے قوت عمل' جوش وخروش کی جن دولتوں سے نوازا ہے اسکی بنیاد پر بھی آپ کی بار بار نظر پنجاب ہی اٹھتی انہیں وجوہ واسبا

کے پیش نظر اپنے خصوصی تلامذہ و متعلقین کو ایک ادارہ کے قیام کی طرف متوجہ کیا۔ اسی زمانہ میں قوم پرور مسلمانوں کا ایک عنصر کانگریس ورکنگ کمیٹی میں مسلم پنجاب کی نمائندگی کے سوال پر ناراض ہوکر کانگریس سے ٹوٹا اور مجلس احرار کے نام سے جس ادارہ کی تشکیل کی وہ حضرت شاہ صاحب کی تمناؤں کے مطابق تھی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی' مولانا داؤد غزنوی' ظفر علی خاں' مولانا محمد علی جالندھری ان سب نے قادیانیت کے استیصال میں جو کام کیا وہ احرار کی تاریخ کا ایک اعلیٰ باب ہے۔

بخاری کے ساحرانہ خطابت نے ملک کو آتشیں فضا میں دھکیل دیا شاہ صاحب نے انھیں "امیر شریعت" کے خطاب سے نواز کر قادیانیت کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا اور پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ کی تگ و دو سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہوگیا۔ ظفر علی خاں کی ہنگامہ خیز شاعری نے مرزائے قادیان کی زندگی تلخ کردی اسطرح مجلس احرار کی تعمیر میں قادیانیت کی تردید کا جو تخم ڈالا گیا تھا وہ احرار کی پوری زندگی میں بروئے کار رہا۔ پاکستان بن جانے کے بعد بھی قادیانیت سے ایک بھرپور مقابلہ مجلس احرار ہی نے کیا اگرچہ ظفر اللہ قادیانی کی سازشوں کے نتیجہ میں احرار کے سینکڑوں کارکن نہ صرف قید و بند کی صعوبتوں بلکہ گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ آج بھی احرار کے "بقیۃ السیف" "تحفظ ختم نبوت" کے نام سے قادیانیت کے استیصال کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔ قادیانیت کے خلاف بے پناہ کام کے اجلے عنوانات اس ادارہ کا وہ کارنامہ ہے جسکی بنیاد پر یہ ادارہ عند اللہ و عند الناس انشاء اللہ سرخرو رہے گا۔ ہزاروں رضا کار سینکڑوں کارکن اور سینکڑوں آتش نوا مقررین نے احرار کے پلیٹ فارم سے اٹھکر ملک کو یہ شعور دیا کہ قادیانیت کفر کا دوسرا نام ہے۔ عوامی سطح پر اس شعور کی بالیدگی "احرار" کے بغیر ناممکن تھی اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس خاص مسئلہ پر علامہ کشمیری احرار کی پرجوش قیادت فرما رہے تھے اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ موصوف نے اس مقصد کیلئے احرار ہی کو اپنا مکتبہ فکر اور دائرہ عمل بنایا۔

کشمیر کمیٹی:

مہاراجہ کشمیر نے ایک بار مسائل کشمیر سے نمٹنے کیلئے ایک کمیٹی قائم کی جس کا سربراہ خلیفہ قادیان کو قرار دیا گیا۔ اس کمیٹی کے ایک رکن علامہ اقبال بھی تھے چونکہ کشمیر میں مسلم اکثریت ہے

اورانہیں کے مطالبہ پر اس کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تھا اس لئے مسلم حلقوں میں خلیفہ قادیان کے تقرر سے ہیجان ہوگیا۔ اول تو اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے تصفیہ طلب مسائل کیلئے ایک قادیانی مقرر کرنا اس بات کا اعلان تھا کہ قادیانی مسلمان ہے۔ حالانکہ تمام امت متفقہ طور پر قادیانوں کو مرتد قرار دے چکی ہے۔ دوسرے عام قادیانیوں کے بارے میں یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں قادیانیت کی پر جوش تبلیغ کرتے ہیں۔ سر ظفر اللہ خاں کی اس سلسلہ کی کوششوں سے جولوگ واقف ہیں وہ اس امر کی تصدیق کریں گے اسلئے یا تو بشیر الدین محمود کشمیر کے مسلم اکثریت کے ایمان کو تباہ و برباد کرتا یا اپنی تبلیغی مشن میں ناکامی کے باعث مسلمانوں کے مسائل کو کمیٹی کی سطح پر خوفناک نقصان پہونچاتا اور عجب نہیں کہ مہاراجہ کشمیر نے کچھ ایسے ہی سیاسی مقاصد کے پیش نظر سوچ سمجھ کر یہ تقرر کیا ہو۔ علامہ کشمیری اس صورت حال سے مضطرب ہوئے۔ مذکورۃ الصدر خطرات و اندیشوں کے تحت آپ نے اس تقرر کے خلاف اول تو خود مہاراجہ کشمیر کو اور کشمیر کے بعض ذمہ دار اشخاص کو احتجاجی خطوط لکھے اور ساتھ ہی مجلس احرار کو ہمہ گیر احتجاج پر آمادہ و تیار کیا۔ ڈاکٹر اقبال جن سے آپ کے تعلقات پہلے سے تھے وہ ابتک قادیانیت کے مضر پہلوؤں سے تقریباً ناواقف تھے۔ اسی زمانہ میں علامہ نے موصوف کو طویل خط لکھ کر فتنہ قادیاینت کے زہر چکانیوں سے مطلع کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے بعد میں کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ بھی دے دیا بلکہ وہ فتنہ قادیانیت کے استیصال کے محاذ پر ایک پر جوش داعی ہوگئے چنانچہ اس زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر نے اپنے ایک مضمون میں ہندوستانی مسلمان کو قادیانیت کی تائید کا مشورہ دیا اور اس دلیل کے ساتھ کہ قادیان کا پیغمبر ہندوستانی ہے اور ان کے مقدس مقامات بجائے مکہ اور مدینہ کے خود ہندوستان میں ہیں ان سے وابستگی کے نتیجہ میں وطن پروری کے جذبات پیدا ہوں گے اور ایک غیر ملکی مذہب سے دلچسپیاں کٹ کر وطن ہی میں پیدا ہونے والے مذہب سے راہ درسم بڑھے گی جس کا منطقی نتیجہ وطنیت کے جذبات سے معمور ہونا ہے۔

اس نظریہ کے آخری محرک ڈاکٹر شنکر داس مہرا تھے جو حال ہی میں سرگباش ہوئے ہیں۔ صدر کانگریس کے اس مضمون علامہ اقبال نے انگریزی زبان میں مسلسل کئی قسطوں میں بھرپور تنقید کی۔ کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ اقبال کے ان دین پرور خیالات کی تعمیر میں حضرت شاہ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔

مقدمہ بھاولپور:

تردید قادیانیت کے ذیل میں حضرت کا وہ تاریخی بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے جو آپ نے ریاست بھاولپور کی عدالت میں ایک مقدمہ میں دیا۔ آپ کا یہ معرکہ الآراء بیان قادیانیت پر سیر حاصل تبصرہ اور مرزا کے کفر پر برہان قاطع ہے اس میں وفور علمی کا مظاہر بے پناہ معلومات کا اظہار اور ہر دعوے پر قطعی دلائل کا انبار ہے جس سے مرزا کی باطل نبوت ہباء منشورا ہوگئی۔ یہ بیان اب نایاب ہے خود راقم السطور کو بھی بڑی مشکل سے دستیاب ہوا اسلئے اس علمی یادگار کو محفوظ کرنے کیلئے اس سوانح کے کچھ صفحات صرف کردیے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بیانات کے سرورق کا عنوان" بیانات علمار بانی ارتداد فرقہ قادیانی" ہے اس مجموعہ کا کل ضخامت ایکسو اٹھتر صفحات ہے۔ جس میں علما کے بیانات شریک طباعت کئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کا بیان صفحہ ایک سو ایک تا ایک سو بیالیس ہے۔ گویا کہ کل اکتالیس صفحات کا بیان کتابی سائز پر ہے۔ ہم سب سے پہلے جامع بیانات مولانا ابوالعباس محمد صادق نعمانی کا وہ دیباچہ نقل کرتے ہیں جس سے مقدمہ بھاولپور کی تاریخ اور اس کا پس منظر واضح ہوتا ہے وہ رقمطراز ہیں۔

ریاست بھاولپور پنجاب میں ایک اسلامی ریاست ہے اور اعلیٰ حضرت تاجدار عباسی خلداللہ اقبالہ وملکہ کا آئین ہے۔ اس میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق مرزائی ہوکر مرتد ہوگیا۔ اسکی منکوحہ مسماۃ غلام عائشہ نے سن بلوغ کو پہونچکر ۲۴ جولائی ۱۹۳۲ کو فسخ نکاح کا دعویٰ کیا اور مقدمہ ۱۹۲۱ء تک ایک دفعہ انتہائی مراحل طے کرکے پھر ۱۹۳۲ء میں ریاست کی عدالت اعلیٰ یعنی دربار معلے سے ابتدائی حیثیت میں ڈسٹرکٹ جج صاحب بھاولپور کی عدالت میں بغرض تحقیق شرعی واپس ہوا۔ مدعیہ کی طرف سے ہندوستان کے مشہور اکابر علما کی شہادتیں پیش ہوئیں اور مدعی علیہ کی جانب سے ان شہادتوں کی تردید پر پوری کوشش صرف کردی گئی۔ آخرے فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا"۔

گویا کہ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے ٹھیک تین سال بعد یہ فیصلہ ہوا۔ آپکو تردید قادیانیت میں جو دلچسپی تھی اسی کی بنا پر آپ نے اپنے بعض تلامذہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میری وفات ہوجائے اور اس مقدمہ میں مرزا اور اسکے متبعین کو کافر تسلیم کرلیا جائے تو فیصلہ کی اطلاع میری روح کی تسکین کی خاطر میری قبر پر آ کردی جائے۔

اس وصیت کا ایک ایک لفظ جذبہ ایمانی کی نشاندہی کرتا ہے جو قادیانیت کے فتنہ کے مقابلہ میں موصوف کو بے چین کیئے ہوئے تھا۔ شاہ صاحبؒ کا بیان اس مجموعہ میں ''البیان الازہر'' کے نام سے ہے۔ تمہید میں جامع نے لکھا ہے۔

''شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف' قدوۃ الخلف' حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی بلند ہستی کسی تعارف وتوصیف کی محتاج نہیں آپ کو مرزائی فتنہ کی تردید اور استیصال کی طرف خاص توجہ تھی۔ جب حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہونچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان سفر بندھ چکا تھا۔ مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کا سفر ملتوی فرمایا اور ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو بھاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا''

موصوف اس سفر کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حسب روایت مولانا محمد انوری لائلپوری جو اس سفر میں رفیق تھے بھاولپور پہونچے کے بعد جمعہ آپ نے بھاولپور کی جامع مسجد میں پڑھا اور نماز کے بعد ہزار ہا ہزار مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبہ سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلہ میں ڈابھیل کے لئے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ کا مکتوب مجھے ملا جسمیں بھاولپور آکر مقدمہ میں شہادت دینے کیلیے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا میرے پاس کوئی زاد آخرت تو ہے نہیں شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں محمدؐ کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں''۔

یہ سنکر مجمع بیقرار ہوگیا۔ ایک شاگرد مولانا عبدالحنان ہزاروی آہ وبکا کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور مجمع سے بولے کہ اگر حضرت کو بھی اپنی نجات کا یقین نہیں تو پھر اس دنیا میں کس کی مغفرت متوقع ہوگی؟ اسکے علاوہ کچھ اور بلند کلمات حضرت کی تعریف وتوصیف میں عرض کیئے جب وہ بیٹھ گئے تو پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ۔

''ان صاحب نے ہماری تعریف میں مبالغہ کیا۔ حالانکہ ہم پر یہ بات کھل گئی کہ گلی کا کتا بھی ہم سے بہتر اگر ہم تحفظ ختم نبوت نہ کرسکیں''۔

ان کلمات کو سنکر مجمع دقف آہ وبکا ہوگیا۔ پنجاب اور بھاولپور میں ممدوح کے اس سفر کو غنیمت باردہ سمجھا گیا اور زائرین کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا جامع بیانات نے بھی لکھا کہ۔

''ریاست بھاولپور اور ملحقہ دیہات وشہر کے علماء زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی اور زائرین مصافحہ سے بھی مشرف نہ ہو سکتے تھے''۔

۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا''۔

جس وقت بیان شروع ہوا۔

''عدالت کا کمرہ امراء ورؤسا ریاست اور علماء سے پر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجود حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ دن تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹہ یومیہ عدالت میں تشریف لاکر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے اور مرزائیت کے کفر اور دجل وفریب کے تمام پہلوؤں کو آفتاب کی طرح روشن کر دیا''۔

شاہ صاحب کے علمی افادات

آپ نے اپنے اس بیان میں کفر اور ایمان کو حقیقت پر جامع تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

''کسی کے قول کو اسکے اعتماد پر باور کرنے اور غیب کی خبروں کو انبیاء کے اعتماد پر یقین کرنے کو ایمان کہتے ہیں''۔ اور کفر

''حق ناشناسی اور انکار کا نام ہے''۔

دین محمدی کا جناب رسول ﷺ سے ثبوت یا تو تواتر سے ہے یا خبر واحد سے تواتر کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اعظم ﷺ سے کوئی بات متصلاً پہونچی ہو اور اس میں غلطی کا کوئی امکان نہ ہو۔ تواتر کی چند صورتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

''تواتر ہمارے دین میں چار قسم پر ہے۔ حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار حدیث متواتر ہے اور تیس صحابہ سے بسند صحیح مذکور ہے۔ اسکو تواتر اسنادی کہا جاتا ہے۔ نزول مسیح کے سلسلہ میں ہمارے پاس چالیس احادیث متواتر موجود ہیں ان کا انکار کفر ہے''

تواتر کی دوسری قسم ''تواتر طبقہ'' ہے جس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک چیز کو کس نے کس سے لیا مگر اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ پچھلوں نے اگلوں سے لی تھی۔ قرآن مجید کا تواتر اسی تواتر کے

ذیل میں آتا ہے اس کا منکر بھی کافر ہے۔ یہ بیان فرماتے ہوئے آپ نے ایک اہم بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ

''مسواک کا ثبوت بھی اوپر ذکر کردہ دونوں تواتر کے ذیل میں آتا ہے اس لیے مسواک کے ترک استعمال میں تو کوئی حرج نہیں لیکن پیغمبر خاتم المرسلین ﷺ سے اس کے استعمال کے ثبوت کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ''جو'' (غلہ) حرام ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ آنحضور سید المرسلین ﷺ نے ''جو'' کھائے اور امت اب تک ''جو'' کھاتی چلی آتی ہے اس تواتر قطعی کا انکار بھی کفر ہوگا۔ حالانکہ ''جو'' کا کھانا نہ کھانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔''

تواتر کی تیسری قسم ''قدر مشترک'' جس کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سی حدیثیں خبر واحد کی شکل میں آئی ہوں لیکن ان سب کا مضمون اور مفاد تواتر کے حد تک پہنچ گیا ہو جس کی مثال

''جناب خاتم المرسلین ﷺ کے معجزات ہیں کہ ان میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض خبر آحاد۔'' لیکن

''ان اخبار آحاد میں ایک مضمون مشترک ملتا ہے جو قطعی ہے اس کا بھی منکر کافر ہے۔''

تواتر کی چوتھی قسم تواتر توارث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک نسل نے دوسری نسل سے لیا ہو مثلاً تمام امت اس علم میں مساوی طور پر شریک ہے کہ

''خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

اس تواتر کا انکار بھی کفر ہے علامہ مرحوم نے تواتر کی ان چاروں اقسام پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ اگر تواتر کے منکر کو کافر نہ کہا گیا تو اسلام کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے بلکہ آپ نے اس پر بھی توجہ دلائی کہ متواترات میں تاویل اور ان کے مطالب کو مسخ کرنا بھی کفر ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ باطنیت اور زندقہ بھی متواترات کے معنی ہی کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ کفر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ قولی کفر، فعلی کفر۔

فرمایا کہ کفر فعلی یہ ہے کہ کوئی شخص ساری عمر نماز پڑھتا رہے اور مدت دراز کے بعد ایک ہی بار بت کو سجدہ کرلے تو وہ کافر ہے اور تارک نماز سے بھی بدتر اور خدا کے صفات و فعل میں کسی کو اس کا شریک قرار دینا یا یہ کہنا کہ آنحضور ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا کفر قولی ہے پھر آپ نے ایک

ہی بات جو مختلف مرتبہ کے لوگوں سے کہی جائے اور بات کے ایک ہونے کے باوجود اس کی حقیقت بدلتی رہے اسے واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"اپنے برابر کے آدمی سے یہ کہنا کہ تم نے بکواس کی کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر یہی بات اگر استاذ اور باپ کو کہہ دے تو کہنے والا عاق ہے اور خدانخواستہ پیغمبر کے لیے یہ کلمہ استعمال کر لیا تو قطعی کفر ہے۔"

بلکہ قرآن مجید سے تو معلوم ہوتا ہے کہ منافقین سے جب یہ کہا گیا کہ آؤ اور خدا کے رسول سے مغفرت کی دعا کراؤ اور منافقین یہ سن کر چلائے۔ پیغمبر کے مقابلہ میں یہ طرز بھی کفر ٹھہرا بلکہ بغیر نیت محض ازراہ مذاق زبان سے کلمہ کفر نکالنا بھی کفر ہے۔ ہاں غلطی سے اگر کوئی کلمہ کفر نکل گیا تو معاف ہے، یہ سب حقائق جو ابھی زیر بحث آئے ان کا منکر باغی ہے جس کی سزا سوائے موت کے اور کچھ نہیں۔ بیان یہیں تک پہنچا تھا کہ قادیانی وکیل نے کہا کہ کسی کے کفر و ایمان کا فیصلہ کس طرح ہو سکے گا جبکہ دیوبندی، بریلویوں کو کافر کہتے ہیں اور بریلوی، دیوبندیوں کو۔ ہم کسے کافر سمجھیں اور کس کی تکفیر معتبر ہوگی۔ اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا۔

"ہمارا اور قادیانیوں کا اختلاف قانون کا اختلاف ہے۔ جبکہ دیوبند اور بریلی کے اختلاف کی نوعیت صرف واقعات میں اختلاف ہے اسے قانونی اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔"

اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کہ مرزائیوں سے اختلاف قانون کا اختلاف ہے۔ فرمایا کہ مرزائی نے مہمات دین کے بہت سے اصول بدل ڈالے اور بہت سے اسماء کا مسمیٰ بھی بدل ڈالا اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ختم نبوت کے سلسلہ میں دو سو سے زائد احادیث موجود ہیں اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ ہر وہ مسلمان جسے اسلامی عقائد سے ذرا سا بھی واسطہ رہا وہ ختم نبوت کے عقیدہ سے کبھی غافل نہیں رہا۔ اس لیے اس عقیدہ میں تحریف یا اس سے انحراف کفر ہے بلکہ اگر کوئی ایسی آیت قرآن میں ہے جس کے معنی و مراد پر تمام صحابہ یا امت کا اجماع ہو چکا تو اس سے انکار یا اسمیں تحریف بھی کفر ہوگی۔ آپ کی اس وضاحت پر قادیانی وکیل بولا کہ اسلام میں اجماع کا دعویٰ ہی غلط ہے کیونکہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ **من ادعی الاجماع فھو کاذب** یعنی دعویٰ اجماع کرنے والا جھوٹا ہے۔ مرحوم نے قادیانی وکیل کی اس تلبیس کے جواب میں فرمایا کہ

''یہ جو کہا گیا کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ دعویٰ اجماع کذب بیانی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ احمد بن حنبل سرے سے اجماع ہی کے منکر ہیں بلکہ امام ہمام کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہیں کہیں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ ان مسائل میں اجماع نہیں ہوتا۔''

ظاہر ہے فقہ کہ چار مشہور مکاتب فکر میں امام احمد بن حنبل کا فقہ مستند فقہ ہے۔ اقطار عالم میں جابجا حنبلی فقہ کے پیروکار موجود ہیں۔ نہ جاننے والوں کے لیے عرض ہے کہ فقہ کے چار اہم ترین عناصر جن کی مدد و امداد سے مسائل کا استنباط و استخراج کیا گیا۔ ان میں اجماع امت عمومی حیثیت کا مالک ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ احمد بن حنبل ایک مستقل فکر کے موجد ہونے کے باوجود اجماع امت کا انکار کریں مگر قادیانی اس طرح کے شوشے چھوڑ کر امت کے ایمان سے ہمیشہ کھیلتے رہے۔ شاہ صاحب نے اس موقع پر نہ صرف اجماع ہی کا ثبوت بہم پہنچایا بلکہ عدالت کو یہ بھی بتایا کہ آنحضور ﷺ کے سانحہ وفات کے بعد اس امت میں سب سے پہلا اجماع ایک نبی کاذب یعنی مسیلمہ کذاب کے قتل ہی پر ہوا۔

''پہلا اجماع جو اس امت محمدیہ میں ہوا ہے وہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے قتل ہی پر ہوا۔ صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کے قتل کے واسطے صحابہ کو بھیجا اور کسی صحابی نے مسیلمہ کے قتل میں تردد نہیں کیا جس کا حاصل یہی نکلا کہ خاتم النبیین کے بعد جو ختم نبوت کا دعویٰ کرے وہ مرتد زندیق اور بلاشبہ واجب القتل ہے۔

مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہ خلجان ہو کہ جب آنحضور ﷺ نے خود مسیلمہ کے قاصد کو قتل نہیں کیا تھا تو حضرات صحابہ کے لیے مسیلمہ ہی کو تہ تیغ کر دینے کا جواز کہاں سے نکل آیا۔ مرحوم نے اس حقیقت سے نقاب کشائی کرتے ہوئے بتایا کہ آنحضور ﷺ کا قاصد کو قتل نہ کرنا آداب سفارت سے تھا۔ آپ ﷺ کی یہ رعایت خدانخواستہ اس تردد کی وجہ سے نہیں تھی کہ مدعی نبوت شرعاً گردن زدنی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بعد میں صحابہؓ کسی بھی دعوائے نبوت کرنے والے کے ساتھ تعارض نہ کرتے۔ حالانکہ تاریخ واقعات سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ نے خود مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں کے ساتھ بعد میں کوئی رعایت نہیں برتی۔ چنانچہ آپ نے معجم طبرانی سے) یہ روایت کھول کر عدالت کو سنائی کہ جب عبداللہ بن مسعودؓ کو ان قاصدوں میں

سے ایک کوفہ میں ملاتو ابن مسعودؓ نے فرمایا اب تو یہ قاصد نہیں ہے اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ فرمایا کہ یہ روایت بخاری کی کتاب الکفالہ میں بھی موجود ہے بلکہ ہر زمانہ میں اسلامی حکومت نے ہر اس شخص کو قتل کیا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے فرمایا کہ

''صبح الاعشےٰ ص ۳۰۵ جلد ۱۳ میں ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ایک شاعر کو علماء کے فتویٰ پر یہ شعر کہنے پر قتل کر دیا۔

وکـــان مبـــدأ هـــذا الـــديـــن مـــن رجـــل
ســـعـــى فـــاصـــبـــح يـــدعـــى ســـيـــد الامـــم

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس دین اسلام کی ابتدا ایک شخص کی ذاتی کوششوں سے ہوئی جو بعد میں تمام امتوں کا سردار بن بیٹھا۔ اس شعر میں نبوت کو کسبی کہا گیا تھا محض اس جرم پر ایوبی کی تلوار نے شاعر کا بے تکلف کام تمام کر دیا۔

ابھی آپ کا بیان عدالت میں جاری تھا کہ آپ نے قرآن مجید کی اس مشہور آیت پر جو ختم نبوت کے باب میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ توجہ فرمائی اور بتایا کہ آیت واضح کرتی ہے کہ آنحضور ﷺ کی ابوت کا علاقہ دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا اور اس کے عوض رسالت اور نبوت کا علاقہ ہمیشہ کے لیے قائم و ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت و رسالت محمدی ﷺ نے پوری دنیا کو گھیر رکھا ہے کوئی جگہ اس سے خالی نہیں بلکہ احادیث سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ

''آپ خاتم النبیین ہیں بلکہ یہ بھی کھل جاتا ہے کہ اشخاص نبوت کے بھی خاتم ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ انبیاء کے عدد میں کوئی باقی نہیں رہا اس لیے پہلے نبی کو لانا پڑا۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر انبیاء میں کوئی نبی باقی رہتا ہے تو قرب قیامت میں اس باقی ماندہ نبی کو لایا جاتا۔ سابق انبیاء میں عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لانا اس بات کی علامت ہے کہ جماعت انبیاء میں کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جسے آنحضور ﷺ کے بعد دنیا میں مبعوث کیا جاتا اس لیے غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت کے فریب سے آج بھی کچھ ایسے سادہ لوح جو غلام احمد قادیانی کے کفر میں صرف اس وجہ سے متردد ہیں کہ مرزا کا تعلق اہل قبلہ سے ہے اور ان برخود غلط لوگوں نے کہیں سے

یہ بھی سن پایا کہ اگر کسی شخص کے کلمہ کفر میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایمان کا صرف ایک ہی امکان ہو تو اس کی بھی تکفیر میں احتیاط برتنا چاہیے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ علوم و معارف کے طویل و عریض دفتر سے ناآشنائی کے باوجود صرف اس بنیاد پر یاوہ گوئیوں کا جواز ان غریبوں کے ہاتھ کہاں سے لگ گیا۔ سامنے کی بات ہے کہ طب اور ڈاکٹری کے کسی ایک ادھورے مسئلے کو اٹھا کر طباعت وڈاکٹری کے اسرار و رموز سے بھرپور واقفیت کا دعویٰ کیا صحیح ہوگا؟ آج ہم میں سے کتنے وہ لوگ ہیں جو رائج الوقت قوانین کے بہت سی دفعات پر براہ راست واقفیت رکھتے ہیں تو کیا فقط اسی بنیاد پر وکالت کی دکان سجا کر بیٹھ جانا دانشمندی ہو گی۔ دنیا کے کسی بھی گوشہ علم و فن میں ادھورے معلومات پر آج تک کسی نے اس علم و فن میں رائے زنی کی ہمت نہیں کی مگر وااسفا کہ دین ہی وہ ایک متاع کس مخربن کر رہ گیا کہ ہر کہہ و مہ مہمات مسائل میں مداخلت کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ علامہ نے دین پر ظلم کرنے والے اس گروہ کی غلط فہمی پر انتباہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

> ''یہ جو مشہور ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں حسب تشریح علماء اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے کلمات کے بارے میں عاجلانہ تکفیر نہیں کی جائے گی جو تمام متواترات اور ضروریات دین پر پورا ایمان رکھتا ہو گویا کہ اہل قبلہ کا لفظ۔ ایک عنوان ہے۔ اس کا معنون وہ ہے جو میں نے واضح کیا اس کی مزید تفصیل فتاویٰ عالمگیریہ جلد ص ۴۲۰ چار سو بیس ردالمختار ص ۳۷۴ چار سو چوہتر شرح فقہ اکبر ص ۱۷۹ ایک سو نواسی میں مل جائے گی۔''

یہ ہے حقیقت اس عنوان کی کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں دوسروں کا تو کیا کہنا بعض برخود غلط دانشور خدا جانے اسی ایک ادھوری بات کو جادو کی چھڑی کی طرح گھما کر نہ جانے کس کس ضلال پسند کو دھکیل دھکیل کر اسلام کے حصار میں داخل کر رہے ہیں۔ بظاہر تو ان کی نظر میں یہ کار ثواب ہی ہوگا کہ نکلنے والوں کو زبردستی اندر ہی رکھا جائے مگر سوال یہ ہے کہ جو نکلنے کا ارادہ کر ہی چکے انہیں روکنے کی کوششیں کیا کارآمد ہوں گی؟ یہ تو ایک غم و الم کی ایک کربی کیفیت ہے جو بے اختیار نکل گئی ورنہ تو میں آپ کو علامہ کا وہی بیان سنا رہا تھا جس نے بہت سی حقیقتوں پر سے یکسر پردہ الٹ دیا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ

> ''میں نے شروع میں کہا تھا کہ اجماع کا منکر کافر ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ اجماع صحابہ کا

قطعی ہے۔علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''اقامۃ الدلیل'' میں وضاحت سے لکھا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اپنی قوت کی بنا پر دوسرے تمام اجماع پر مقدم ہے کیونکہ اجماع مسلمانوں کا تعارف ہے۔ اگر اجماع کو درمیان سے نکال دیا جائے تو اسلام ہی کی بنیاد گر جائے گی البتہ بعض گناہ پر تکفیر نہیں کی جاتی ایسا گناہ وہ ہے جو حد کفر تک نہ پہنچا ہو لیکن جو کلمات یا افعال کفر سے ہیں ان پر تکفیر لازمی ہے۔''

گویا کہ اس مغالطۂ عامۃ الورود کی بقوت تردید کہ اہل قبلہ کی تکفیر میں ہر حال میں محتاط رہنا چاہیے اور بتایا کہ افعال یا کلمات کفریہ کے ارتکاب کے باوجود محض اہل قبلہ سے ہونا کچھ مفید نہیں' ساری دنیا جانتی ہے کہ ترک نماز اور انکار فرضیت نماز دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اول فسق ہے دوسرا مرحلہ استلزام کفر۔مگر اس کو کیا کیا جائے کہ نہ جاننے والے صرف اتنا ہی نہیں جانتے بلکہ جاننے والوں کو بھی الٹا دیوانہ بنانے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں۔مرحوم نے اس بیان میں کفر ونفاق وزیغ وزندقہ کے دقیق فروق پر گفتگو کرتے ہوئے ضروریات دین کے اہم عنوان پر عدالت کو انتباہ دیا کہ

''ضروریات دین وہ ہے جن کو خاص وعام سب پہچانیں کہ ان چیزوں کا تعلق دین سے ہے جیسے توحید ورسالت' نماز وروزہ زکوٰۃ' حج وغیرہ۔''

پس اگر ان ضروریات دین سے کوئی کسی چیز کا انکار کرتا ہے تو محض اس بناء پر کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا عادی ہے اس کی تکفیر میں تذبذب برتا جائے یہ دین سے کھلی لاعلمی کی علامت ہے۔کبھی یہ شبہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ نماز وروزہ وحج زکوٰۃ اور تمام اسلامی ارکان کے پابند ہونے کے ساتھ اسلامی تبلیغ میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں پھر ان کو کافر کہنے کے لیے معقول بنیاد کیا ہو سکتی ہے اس الجھن کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ

''خوارج اپنی نیک پسندی اور نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے باوجود دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔''

اور ان کی نیک روی یا اعمال اسلامی میں انہماک کفر کے اس داغ سے ان کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا جو کفریہ قول وعمل سے ان کے دامن ایمان پر لگ چکا۔مرحوم نے اپنے اس عالمانہ بیان میں جہاں اور بہت سے حقائق واشگاف کیے اور قادیانیوں کی تکفیر میں عامیانہ سطح پر جو ذواہی شبہات

درپیش تھے ان کے جوابات دیتے ہوئے اس شبہ کو بھی اٹھایا کہ اگر کلمہ کفر کسی تاویل کے ساتھ کہا جائے تو قائل پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ غلام احمد قادیانی ممکن ہے کہ ان کلمات کفریہ کو کسی تاویل سے پیش کر رہا ہوں لہٰذا اصولی طور پر وہ کفر سے محفوظ رہے گا۔ علامہ نے اس پر بھی توجہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

> ''جو لوگ ضروریات دین کے منکر ہوتے ہیں وہ عموماً اپنے کفر کو چھپانے کے لیے تاویلیں کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ہم اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ ہم ارکان اسلام ادا کرتے ہیں اور تبلیغ اسلام میں سرگرم حصہ لیتے ہیں اس لیے ہمیں خارج از اسلام کیسے کہا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی تو مفتی کو چاہیے کہ اسی ایک وجہ کو اختیار کر کے اسے مسلمان کہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ فقہاء قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص کلمہ کفر تاویل سے کہے تو قائل کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔''

ان رکیک تاویلات کو ذکر کرنے کے بعد جن سے بالعموم قادیانی کام لیتے رہے۔ علامہ نے ہر شبہ کا شافی جواب عنایت فرمایا۔ اہل قبلہ کے متعلق فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے والا لازماً مسلمان ہوگا اگرچہ تمام عقائد اسلامی کا منکر ہو۔ قرآن نے منافقین کو تمام کفار سے بدتر قرار دیا حالانکہ وہ قبلہ رخ ہو کر نماز ہی نہ پڑھتے تھے بلکہ تمام احکام ظاہری پر بھی عمل پیرا تھے۔ شرح فقہ اکبر میں اہل قبلہ ان کو قرار دیا گیا ہے جنہوں نے تمام ضروریات دین کو تسلیم کیا ہے اور یہ جو شہرت ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک علامات کفر نہ پائی جائیں اس وقت تک کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح یہ خیال کہ اعمال اسلامی کے کرنے کے بعد انسان کفر سے محفوظ ہو جاتا ہے درآنحالیکہ وہ ضروریات دین کا منکر ہو صحیح نہیں۔ فرمایا کہ خوارج کے انہاک عبادت کو حدیث میں تسلیم کرنے کے باوجود انہیں دائرہ اسلام سے خاج کیا گیا۔ یہ بھی فرمایا کہ ہر اس شخص کو مسلمان سمجھنا جس کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا لاعلمی ہے۔ فقہاء کا یہ فیصلہ اس شخص کے بارے میں ہے جس کا ایک ہی کلمہ سامنے آیا ہو اور عام زندگی مستور ہو اور اگر کسی کی زندگی و کردار نمایاں ہے تو پھر

اس کے کسی کلمہ میں ایک اسلام کے احتمال کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ لگانے میں تامل نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس شبہ کو بھی صاف کیا کہ تاویلاً کلمات کفر کا ارتکاب دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے لیے مانع ہے۔ فرمایا کہ تاویل اسی وقت مفید ہے جب اس کا تعلق ضروریات دین سے نہ ہو اور اگر وہ ضروریات دین میں تاویل کرتا ہے تو پھر اسے کافر قرار دینے میں پس وپیش نہ ہوگا۔ اس موقع پر جب حضرت شاہ صاحب نے عہد فاروقی کے کچھ واقعات بطور نظائرؒ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو قتل کرادیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروریات دین میں تاویل موجب کفر ہے۔ آپ نے قادیانی لٹریچر سے وہ حوالے بھی پیش کیے جن سے قادیانیوں کا ضروریات دین میں تاویل کرنے کا جرم نمایاں ہوتا ہے۔ فرمایا کہ قادیانی لٹریچر متواترات دین کے انکار سے لبریز ہے۔ بغرض افادہ عام ہم حضرت ممدوح کے بیان سے ایک مختصر فہرست ان متواترات دین کے انکار کی پیش کرتے ہیں جن کے مرتکب قادیانی ہیں۔

۱۔ ختم نبوت کا انکار اور اس کے اجماعی معنی کی تحریف۔

۲۔ دعویٰ نبوت اور غلام احمد کی طرف سے اس کی تصریح کہ میری نبوت انبیائے سابقین کی نبوت کے مثل ہے۔

۳۔ قادیانی کا خود پر وحی کے نزول کا دعویٰ اور یہ کہ میری وحی قرآن کی طرح واجب الایمان ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسلسل توہین درآنحالیکہ وہ جلیل القدر نبی تھے۔)

۵۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل اہانت (والعیاذ باللہ)

۶۔ اپنے متبعین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

بلاشبہ قادیانی قول وعمل میں یہ وہ اساسی وجوہ کفر ہیں جن کو موصوف کی دقتِ نظری نے گرفت میں لیا اور جس کے بعد غلام احمد قادیانی کی تکفیر ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آئی۔ شاہ صاحبؒ نے اپنے اس معرکتہ الآراء بیان میں ختم نبوت کا عقیدہ قرآن' حدیث اور اجماع امت سے ثابت فرمایا اور اس مضمون پر وہ محکم دلائل پیش فرمائے جن سے انکار ممکن نہیں۔ جابجا محدثین اور مفسرین کے اقوال استدلالاً پیش کیے گئے۔ ان بنیادی حقیقتوں پر قادیانی خرافاتی ذخیروں سے حوالے پیش کیے گئے۔ انبیاء کی جو توہین غلام احمد نے کی ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے حافظ ابن

تیمیہ کی تالیف ''الصارم المسلول'' سے حضرت عمرؓ کا ایک فتویٰ نقل فرمایا جس کا حاصل آنحضور ﷺ کی شان میں ایک گستاخی کرنے والے کے لیے قتل کا حکم ہے۔ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں من سب الله تعالیٰ او سب احدا من الانبیاء فاقتلوه۔" اس مضمون کی مزید تائید میں صدیق اکبرؓ کا بھی ایک فیصلہ عدالت کے روبرو پیش کیا۔ آپ نے مرزا کی ان بغوات کا بھی ذکر فرمایا جو وہ اپنی نبوت میں بروزی' ظلی' مجازی کی سہ گانہ تقسیم کرتے ہوئے عام مسلمانوں کو مبتلا فریب رکھنا چاہتا ہے۔ نبوت اور ولایت کا فرق صوفیاء کرام کے اقوال کا صحیح محمل' ان کے شطحیات کا مصداق اور اس ذیل میں اہم علمی نکات کا ذکر عدالت میں کیا گیا ہم نے اختصار کے پیش نظر اس اہم علمی بیان کے کچھ منتخب علمی اقتباسات پیش کیے۔ شائقین اصل بیان کے مطالعہ کے بعد اس کی قدر و قیمت پر مطلع ہوں گے۔ قادیانیت کے تار پود بکھیرنے میں مرحوم نے اپنی زندگی کا ربع حصہ صرف فرمایا ہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ حیات مبارکہ میں تو اس حد تک کامیاب ہو چکی تھیں کہ قادیانیوں کا کفر امت کا ایک اتفاقی فیصلہ بن چکا تھا لیکن مشیت الٰہی بعض اوقات عجیب و غریب رخ اختیار کرتی ہے۔ اس جدوجہد کے کچھ مرحلے آپ کی ناسوتی زندگی کے بعد تقدیر الٰہی میں طے تھے۔ قادیانیت پھیلتی رہی ہندو پاکستان کی تقسیم عمل میں آئی۔ ''سر ظفر اللہ خان'' پاکستانی کابینہ میں ایک موثر و مقتدر شخصیت کا مالک ہوا۔ حالانکہ کل عالم ظفر اللہ خان کی قادیانیت اور مشن کو بڑھانے و پھیلانے میں اس کی غیر معمولی دلچسپیوں پر مطلع تھا۔ نتیجتاً پاکستان کے باقتدار عہدے براہ راست دیا بالواسطہ قادیانیت کے زیر اثر آتے چلے گئے بلکہ بعد کی اطلاعات ہے پاکستانی فوج میں بھی اس ضلالت کے اثرات اپنی جڑیں مضبوط کر رہے تھے۔ دوسری جانب پاکستان میں ''حضرت مرحوم'' کا حلقہ تلامذہ بھی بدستور تعاقب میں تھا۔ وقفہ وقفہ سے قادیانیت کے خلاف تحریک ابھرتی لیکن انہیں پوری قوت سے کچل دیا جاتا۔ ان ہی تحریکات میں ''تحفظ ختم نبوت'' کمیٹی کے ارکان کی بے تحاشا گرفتاری ہے۔ آخر الامر مولانا محمد یوسف بنوری کے زیر قیادت ''مجلس عمل'' کا قیام اور علمائے ربانی کی جدوجہد سے مکہ معظمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں قادیانیوں کے کفر کا قطعی فیصلہ' مسٹر ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان کے عہد میں اس فیصلہ کی پاکستان میں صدائے بازگشت اور یہاں بھی کچھ قیل و قال کے بعد بالآخر قادیانیوں کو عام امت سے جدا فرقہ دینے کی منظوری اور اس طرح ان کے کفر پر عام اتفاق نیز عالم اسلام میں

اس فیصلے کے چرچے اور پھر اس تاریخی فیصلہ پر ممالک اسلامیہ کا اتحاد خیال' مرحوم کی وفات کے چالیس سال بعد ان کے روحانی اضطراب کے لیے ایک سکون' جد وجہد کی کامیابی کا جانفزا پیغام اور ایک عالم ربانی کی سوز وتڑپ' بے چینیوں اور بے تابیوں کی کامیابی کا ایک ایمان افروز مظاہرہ ہے۔

مصنف کا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ اس قادیانیت کے خلاف تحریک میں دوسرے ارباب علم وفکر یا اصحاب عزیمت وہمت کی شرکت نہیں تھی۔ بلاشبہ ان کی کوششیں اس تحریک کے عناصر میں اہم حیثیت رکھتی ہیں لیکن اسے تسلیم کرنا ہوگا اور تاریخ وثائق اس دعویٰ کی پشت پر بہترین دلیل ہیں کہ شاہ صاحب اس تحریک کے قائد اول اور اس کاروان عزیمت کے ''قافلہ سالار'' تھے۔ بہرحال دارالعلوم دیوبند کی وہ ایک خصوصیت کہ سوسالہ اس آخری عہد میں ابلتے ہوئے ہر فتنے کے لیے اسی کے فرزند سینہ سپر رہے۔ اس امتیاز کا نور حضرت شاہ صاحب کی ذات میں جلوہ پذیر ہوا اور راقم الحروف کو علامہ کی ان تمام مساعی کو دارالعلوم کی جانب منسوب کرنے میں الحمدللہ کوئی قلمی بخل نہیں۔

سطور بالا میں بیان بسلسلہ مقدمہ ''بہاولپور'' کے کچھ اہم اقتباسات نظر قارئین کیے گئے لیکن اس بیان میں علم کی کن کن بلند چوٹیوں سے انہوں نے قادیانیت کے قلعہ پر پرقوت سنگ باری کی۔ اس کی تفصیل جاننے کے لیے اس پورے بیان اور آپ کے قلم سے تیار کردہ دوسری تصانیف کی طرف مراجعت ضروری وکارآمد ہے۔

(نقش دوام ۱۷۹ تا ۱۹۴ مطبوعہ کراچی)

مثالی اضطراب

مولانا بنوری کہتے ہیں میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ حضرت امام العصر کو' ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم ہوگیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے: ''لعین بن اللعین لعین قادیان'' اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے' فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں؟ ہم اس طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کے اظہار پر مجبور ہیں۔

امام المجاہدین

مولانا لدھیانوی لکھتے ہیں اس فتنہ کے استیصال کے لیے یوں تو بہت سے اکابر نے زریں خدمات انجام دیں لیکن جس شخصیت کو اس دور کی قیادت وامامت تفویض ہوئی اور جسے حضرت بنوریؒ کے الفاظ میں ''واسطۃ القعد'' کہنا چاہیے۔ وہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو قادیانی فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئداد غم حضرت بنوریؒ سے سنیں:

''امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز انہی کے انفاس مبارکہ سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ وساوس کا امام العصر نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی۔ اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم نے خود بھی گرانقدر علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ مدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی واعانت فرماتے رہے۔ میں نے خود حضرت رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ ''جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دین محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔'' فرمایا ''چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ یہ دین باقی رہے گا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائے گا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کی جدوجہد کے مختلف پہلو

از قلم مولانا لدھیانویؒ

حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے اس کائنات میں خیر وشر اور حق وباطل کا سلسلہ ابتدائے تخلیق سے جاری فرمایا اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔ اس کی ابتداء اگر ابلیس وآدم کی آویزش سے ہوتی ہے تو اس کی انتہا دجالؔ ومسیحؑ پر ہوگی۔

اس سنت الٰہیہ کے مطابق جب کسی شر کی قوت نے سر اٹھایا۔ اس کا سر کچلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رجال خیر کو کھڑا کر دیا۔ اس صدی (چودھویں صدی ہجری) کا سب سے بڑا شر' سب سے بڑا فتنہ' سب سے بڑی گمراہی اور سب سے بڑا دجل و فریب لعین بن لعین' لعین قادیاں کا دعویٰ نبوت و مسیحیت تھا' جس نے گزشتہ صدیوں کے سارے کفر والحاد کا تعفن اپنے اندر سمیٹ لیا تھا۔

یہ فتنہ چونکہ دجل و فریب کی بیساکھیوں کے سہارے چل رہا تھا۔ اس لیے شروع شروع میں تو بہت سے لوگ اس کی حقیقت ہی نہ سمجھے اور جن حضرات کو اصل حقیقت تک رسائی ہوئی۔ انہوں نے اس کو دیوانے کی بڑ اور ''گوزشتر'' تصور کرتے ہوئے اسے لائق التفات ہی نہ سمجھا۔ ادھر انگریز کی عیاری و مکاری اس کی اعانت و نصرت اور تائید و حمایت نے اس فتنہ کو کم فہم انگریزی خواندہ نوجوانوں اور سرکاری ملازموں پر پہنچنے کا موقعہ دیا۔ تا آنکہ رفتہ رفتہ قادیانیت کی رگوں میں دجل و فریب کے علاوہ کبر و نخوت اور شیخی و تعلّی کا خون بھی دوڑنے لگا۔ وہ ہر راہ چلتے کا بازو پکڑ کر اسے حیات مسیح پر بحث کرنے کی دعوت دینے لگے اور انہوں نے گلی کوچوں میں مناظروں اور مباحثوں کی فضا پیدا کر دی۔ وہ ہر داڑھی والے کو دیکھ کر اس پر پھبتیاں کسنے اور اسلامی عقائد کو چیلنج کرنے لگے۔

یہ وہ صورتحال تھی جس نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کو پریشان کر دیا تھا اور آپ کی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی' خطرہ ہو چلا تھا کہ اگر اس ملعون فتنہ کو لگام نہ دی گئی تو یہ نہ صرف مسلمانوں کی گمراہی کا ذریعہ بن جائے گا بلکہ دین محمد (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کے کم از کم ہندوستان سے خاتمہ کا سبب ہوگا۔ علمائے امت بحمد اللہ اس فتنہ کی سرکوبی پہلے سے کرتے آ رہے تھے مگر حضرت امام العصرؒ کے پیش نظر اس فتنہ کے قلع قمع کے لیے چند اہم اقدامات تھے۔

اول: اس فتنہ کی ملعونیت و خباثت اس طرح اجاگر کی جائے کہ قادیانیت و مرزائیت کا لفظ بجائے خود گالی بن جائے۔ حتیٰ کہ خود قادیانی بھی اپنے آپ مرزائی' یا قادیانی کہلانا عار اور شرم کا موجب سمجھیں۔

دوم: اہل علم کی ایک باتوفیق جماعت تیار کی جائے جو قادیانیوں کی تلبیسات کا پردہ چاک کرے' اور ان تمام علمی مباحث کو نہایت صاف اور منقح کر دے جو اسلام اور قادیانیت کے درمیان زیر بحث آئے ہیں۔

سوم: دعوت وتبلیغ اور مباحثہ ومناظرہ کے میدان میں ایسی پیش قدمی کی جائے کہ حریف پسپا ہونے پر مجبور ہو جائے اور اسے ہر گلی کوچے میں مسلمانوں کو للکارنے کی جرات نہ ہو۔

چہارم: ردقادیانیت اور تحفظ ختم نبوت مسلمانوں کا ایک مستقل مشن بن جائے تاکہ جہاں کہیں قادیانیت کے طاغوتی جراثیم پائے جائیں وہاں ختم نبوت کا تریاق مہیا کیا جا سکے۔

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے علمی تفوق اور روحانی توجہ نے پورے دار العلوم دیوبند کو اس محاذ پر لگا دیا۔

حضرت شاہ صاحب کی تیار کردہ شخصیات

از قلم مولانا منظور احمد چنیوٹی

حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس فتنہ کے متعلق اس قدر پریشان تھے کہ روایت استاذی المکرم حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ چھ ماہ تک مجھے اس پریشانی کی وجہ سے نیند نہیں آئی دعائیں اور استخارے کرتا رہا۔ آخر چھ ماہ کے بعد یہ تسلی دی گئی کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔ حضرت نے اس فتنہ کے استیصال اور خاتمے کے لیے سیاسی فکری اور علمی ہر سطح پر کام شروع کیا۔ ایک طرف راسخ العلم علماء کی ایک جماعت تیار کی جو اس فتنہ کا محاسبہ کریں اور میدان مناظرہ میں ان کا مقابلہ کریں۔ ان میں سرفہرست مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری محدث شہیر مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی ثم المدنی شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جید علماء تھے جنہوں نے ملک بھر میں ان کے ساتھ مناظرے کر کے ان کا ناطقہ بند کر دیا دوسری طرف آپ نے مجلس احرار اسلام کی سرپرستی کی اور ان کے روح رواں خطیب الہند حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے آتش بیاں اور شعلہ نوا مقرر کی سرپرستی میں مقررین کی ایک ٹیم کو متوجہ کیا جس میں خطیب اسلام قاضی احسان احمد شجاع آبادی' مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری' خطیب خوش الحان مولانا گل شیر' شیر سرحد مولانا غلام غوث ہزاروی' مفکر احرار چوہدری افضل حق' ضیغم احرار شیخ حسام الدین' مفکر احرار ماسٹر تاج الدین انصاری اور بے باک صحافی مقرر و شاعر آغا شورش کاشمیری' صاحبزادہ سید فیض الحسن اور مولانا مظہر علی اظہر جیسے شعلہ بیاں مقررین تھے۔

صاحبزادہ فیض الحسن نے ختم نبوت اور قادیانیت کے بارے میں جو تربیت حضرت امیر شریعتؒ سے پائی تھی اسے وہ جماعت چھوڑنے کے بعد بھی نہ بھولے۔ بریلوی مکتب فکر میں آپ کو جہاں بھی ختم نبوت پر کوئی کام ملے گا اس کے پیچھے حضرت صاحبزادہ فیض الحسن کی وہ محنت کارفرما ہوگی جو حضرت امیر شریعت کا فیض عالم تاب ہے۔

مولانا مظہر علی اظہر نے ختم نبوت اور قادیانیت پر شیعہ علماء میں خوب محنت کی اور حضرت شاہ صاحب کا پیغام اور پروگرام گھر گھر پہنچایا۔ حافظ کفایت حسین جیسے شیعہ علماء کو قادیانیوں کے خلاف لا کھڑا کیا۔ مظفر علی شمسی کو اس موضوع پر شیعہ لیڈروں سے ملنے کے لیے کہا۔ یہاں تک کہ شیعہ جمہور مسلمانوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود مسئلہ قادیانیت پر حضرت امیر شریعت کے ساتھ ہو گئے۔

اب امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا موضوع فکر یہ تھا کہ جس طرح احرار ہندوستان کو انگریز دشمن اسلام کے پنجہ استبداد سے آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمانوں کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی نکلیں اور امت مسلمہ کو انگریز کے اس خودکاشتہ پودے سے بچانے کے لیے اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ چنانچہ مجلس احرار اسلام نے قبل از تقسیم برصغیر میں اس فتنہ کا جماعتی طور پر سیاسی محاسبہ شروع کر دیا اور انگریز کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس احرار کو سیاسی سطح سے ہٹا کر ہمہ تن ختم نبوت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اور فرمایا کہ جو حضرات سیاسی کام کرنا چاہیں وہ دوسری سیاسی جماعتوں میں مل جائیں اور فرمایا: ہم تو اس فتنہ کبریٰ کے استیصال کے لیے کام کریں گے اور ملکی سیاست سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت امیر شریعت نے ایک مستقل جماعت تحفظ ختم نبوت کے نام سے تشکیل دی جس کے دستور میں یہ شامل کیا کہ اس جماعت کو ملکی سیاست سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے پہلے امیر حضرت شاہ صاحبؒ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ مقرر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد خطیب پاکستان حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ان کی وفات کے بعد مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علیؒ جالندھری امیر منتخب ہوئے۔ حضرت جالندھری کی وفات کے بعد مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسینؒ اختر امیر مقرر ہوئے۔ مولانا لال حسینؒ کی وفات کے

بعد جماعت میں پھر تازہ خون بھرنے کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں استاذی المکرم حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری سے گزارش کی کہ اب جماعت کو وہ سمجھا لیں چنانچہ لال حسین اختر کے بعد محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس کے امیر مقرر ہوئے۔ تحریک ختم نبوت ۷۴ء میں آپ نے ملک کی مذہبی اور سیاسی 19 جماعتوں پر مشتمل مجلس عمل تشکیل دی۔ اس کے متفقہ امیر حضرت علامہ بنوریؒ قرار پائے۔ حضرت علامہؒ نے یہ تحریک ایسے ضبط اور نظم ونسق سے چلائی کہ یہ بخیر وخوبی ساحل مراد سے جالگی۔ اس مجلس عمل کے وہی مطالبے تھے جو ۵۳ء کی مجلس عمل کی تحریک کے تھے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا اس کا بنیادی مطالبہ تھا اور یہی نقطہ تحریک کی روح رواں تھا۔ بندہ ان دنوں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے سعودی عرب اور عرب امارات میں تحریک کے متعلق کام کر رہا تھا اور رابطہ کے جنرل سیکرٹری دارالافتا کے رئیس شیخ عبدالعزیز بن باز اور شئون دینیہ کے رئیس شیخ عبداللہ بن حمید سے رابطہ قائم کیا ہوا تھا۔ راقم الحروف نے وزیر اعظم پاکستان بھٹو کے نام مجلس عمل کے مطالبات کی تائید میں مفصل تار دلوائے۔ اسی طرح عرب امارات کے سرکردہ سرکاری شخصیات کے علاوہ پاکستانی احباب سے بھی مطالبات کے حق میں تار دلوائے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے موجودہ امیر خانقاہ سراجیہ کے جانشین خواجہ خان محمد دامت فیوضہم آف کندیاں شریف ہیں۔ ان کی امارت میں بھی ۸۴ء میں ایک تحریک چلی جس کے نتیجہ میں جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان نے ختم نبوت آرڈیننس جاری کیا۔ اس نتیجہ میں ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی گئی۔ ان کی مسلمانوں کو مغالطہ دینے والی اذانیں بند ہوگئیں۔ اسلامی شعائر کا استعمال ان کے لیے ممنوع قرار دیا گیا۔ یہ سب ثمرات اسی فکر وعمل کے ہیں جن کی روح حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ نے مرکز دارالعلوم دیوبند سے اپنے تلامذہ اور معتقدین میں پھونکی تھی۔

حضرت سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری طرف ملک کیممتاز مفکر اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتنہ کی سنگینی کی طرف متوجہ کیا۔ جنہوں نے نظم ونثر اور نظر وفکر ہر طریقہ سے پڑھے لکھے اونچے طبقہ کو اس فتنہ سے خبردار کیا اور انگریز کے اس دور میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے آپ نے ہی کیا تھا اور یہ وہ نکتہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ہی آپ کے ذہن رسا میں ڈالا تھا۔ چوتھی طرف مولانا ظفر علی خانؒ جیسے بے باک صحافی آتش

بیان مقرر اور قادر کلام شاعر کو بھی حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت شاہ صاحب بخاریؒ نے ان کے پیچھے لگا دیا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے بعض اہم واقعات

الحب للہ والبغض فی اللہ کے تحت حضرت شاہ صاحبؒ کو قادیانی سے کس قدر نفرت ہو چکی تھی اور آپ کے لب و لہجہ سے آپ کا مرزا غلام سے بغض اس قدر نمایاں تھا کہ راقم الحروف نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ مرزا قادیانی کا جب بھی ذکر کرتے تھے تو قادیانی کذاب یا لعین یا شقی جیسی صفت کے بغیر کبھی اس کا نام نہ لیتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کا ذکر آ گیا ہے تو ایک دو واقعات کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ جو میں نے اپنے اساتذہ سے سنے ہیں۔ میرے محبوب اور شفیق استاد حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس ایک دفعہ قادیانی مناظرین کا ذکر فرمایا کہ مرزائی کم بخت دار العلوم دیوبند کی جامع مسجد میں مناظرے کرنے کے لیے پہنچ گئے۔ غالباً ان میں عبدالرحمٰن مصری بھی تھا جو اصلاً تو ہندی تھا مگر کچھ عرصہ مصر رہا تھا۔ ان قادیانیوں کا اصرار تھا کہ مناظرہ عربی میں ہو۔ ہمارے حضرات نے فرمایا کہ عربی زبان میں کیا فائدہ ہوگا؟ عوام تو سمجھیں گے نہیں جب بہت ہی اصرار بڑھا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے جو مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھے یہ تمام کارروائی سن رہے تھے برملا فرمایا کہ ان صاحبوں سے کہہ دو کہ ''مناظرہ عربی زبان میں ہوگا اور نظم میں ہوگا'' اگر عربی میں اپنی علمیت کا اظہار کرنا ہے تو پھر عربی نظم میں سوال و جواب کریں تا کہ عربی پر قدرت اور علمیت کا پتہ چلے۔ قادیانیوں نے جب شاہ صاحب کی یہ بات سنی تو بھاگ گئے۔

ریاست بہاولپور میں قادیانیوں کے کفر و اسلام کا ایک مقدمہ چل رہا تھا جب وہ آخری مراحل میں پہنچا تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد گھوٹوی اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؒ تمام علماء نے استدعا کی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک علمی بیان عدالت میں ہونا چاہیے۔ شاہ صاحبؒ ان دنوں خونی بواسیر کے سخت مریض تھے۔ ڈاکٹروں حکیموں نے سفر سے بالکل روک دیا تھا کمزوری بہت ہو چکی تھی لیکن جونہی شاہ صاحبؒ کو دعوت پہنچی۔ آپ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ بہاولپور سے مفتی صادق صاحب خود انہیں لینے دیوبند گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر قیامت

کے روز حضور صلی ﷺ نے یہ سوال کر لیا کہ میری ختم نبوت کا مقدمہ پیش تھا اور تجھے طلب کیا گیا اور تو نہیں گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ موت تو آنی ہی ہے‘ اگر اسی راستہ میں آ گئی تو اس سے بہتر اور کیا ہوگا تو حکیموں کے روکنے کے باوجود آپ تشریف لے گئے۔ جج صاحب جن کا نام محمد اکبر تھا وہ حضرت شاہ صاحبؒ کا بہت احترام کرتے تھے۔ آپ کو عدالت میں کرسی مہیا کی گئی اور حضرت شاہ صاحبؒ کا آخری معرکۃ الآرا بیان ہوا اور قادیانیوں کی طرف سے اس پر جرح ہوتی رہی اور حضرت شاہ صاحبؒ جواب دیتے رہے۔ جب حضرت شاہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اور جرح ختم ہوئی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے بڑے مناظر جلال الدین شمس کا ہاتھ پکڑا اور بڑے جوش میں فرمایا کہ جلال الدین اگر اب بھی تمہیں قادیانی کے کفر میں شبہ ہو تو آؤ میں تمہیں اسے جہنم میں جلتا ہوا دکھاؤں یہ سن کر اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور کہنے لگا کہ آپ دکھا بھی دیں تو میں کہوں گا کہ یہ استدراج یعنی کوئی شعبدہ ہے حقیقت نہیں۔

ہمارے حضرات کہتے ہیں کہ وہ بدبخت بدنصیب تھا۔ اگر ہاں کر لیتا تو حضرت شاہ صاحبؒ پر اس وقت ایسی جذب کی حالت طاری تھی کہ وہ اسے کشفاً جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہے تھے اور دکھا بھی سکتے تھے۔

مقدمہ کی ساعت ہو جانے کے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ واپس دیوبند جانے لگے تو مولانا مفتی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کو وصیت فرمائی کہ مقدمہ کا فیصلہ اگر تو میری زندگی میں ہو گیا تو میں سن لوں گا۔ اگر یہ فیصلہ میری وفات کے بعد ہو تو میری قبر پر آ کر سنایا جائے۔ چنانچہ حضرت کی واپسی کے بعد آپ کی جلد وفات ہو گئی اور یہ فیصلہ آپ کی وفات کے بعد ہوا اور حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحبؒ کی وصیت کے مطابق خصوصی طور پر دیوبند گئے اور شاہ صاحبؒ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ فیصلہ سنایا۔ الحمد للہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔ اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضرت شاہ صاحب کو کتنی فکر اور کتنا لگاؤ اس مسئلہ سے تھا کہ وفات کے بعد بھی جبکہ وہ عالم برزخ میں چلے گئے تھے وہاں بھی آپ کو اس کا انتظار تھا۔ یہ اس وقت کے مسلمانوں کو اس فتنہ کے استیصال کی طرف متوجہ کرنے کی ایک صدا تھی جو شاہ صاحبؒ نے وصیت کی شکل میں بلند کی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا کو الوداع کہنے

والے تھے اس کا بھی ایک واقعہ بروایت حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ سن لیں۔ حضرت علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اجل شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت علامہ افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت کشمیریؒ کا آخری وقت آیا۔ کمزوری بہت زیادہ تھی چلنے کی طاقت بالکل نہ تھی فرمایا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں پہنچا ئیں۔ اس وقت کاروں کا زمانہ نہ تھا ایک پالکی لائی گئی۔ پالکی میں بٹھا کر حضرت شاہ صاحبؒ کو دارالعلوم کی مسجد میں پہنچایا گیا۔ محراب میں حضرت کی جگہ بنائی گئی تھی وہاں پر بٹھا دیا گیا۔ حضرت کی آواز ضعف کی وجہ سے انتہائی ضعیف اور دھیمی تھی۔ تمام اجل شاگرد حضرت کے اردگرد ہمہ تن گوش بنے بیٹھے تھے۔ آپ نے صرف دو باتیں فرمائیں پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تاریخ اسلام کا میں نے جس قدر مطالعہ کیا ہے۔ اسلام میں چودہ سو سال کے اندر جس قدر فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ قادیانی فتنہ سے بڑا خطرناک اور سنگین فتنہ کوئی بھی پیدا نہیں ہوا۔

دوسری بات یہ فرمائی حضور ﷺ کو جتنی خوشی اس شخص سے ہوگی جو اس کے استیصال کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے تو رسول اکرم ﷺ اس کے دوسرے اعمال کی نسبت اس کے اس عمل سے زیادہ خوش ہوں گے اور پھر آخر میں جوش میں آ کر فرمایا کہ جو کوئی اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنے آپ کو لگا دے گا اس کی جنت کا میں ضامن ہوں۔ (انتھی) سبحان اللہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں آخری وقت ہے اگر فکر ہے تو اس فتنہ کی۔

(دیباچہ چراغ ہدایت مصنف مولانا محمد چراغ)
از قلم مولانا چنیوٹی رحم اللہ

مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ اقبالؒ

ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب انجمن خدام الدین کے کسی سالانہ اجتماع میں شرکت کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب ملاقات کے لیے حضرت موصوف کی قیام گاہ پر آئے اور پھر ایک دن اپنے ہاں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ دعوت کا صرف ایک بہانہ تھا ورنہ اصل مقصد علمی استفادہ تھا۔ چنانچہ کھانے سے فراغت کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا

مسئلہ چھیڑ دیا‘ جس پر کامل دو اڑھائی گھنٹہ تک گفتگو رہی۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی اسلامی مسئلہ پر کسی بڑے عالم سے گفتگو کرتے تھے اور اس پر اپنے شکوک وشبہات بے تکلفانہ بیان کرتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ شکوک وشبہات اور اعتراضات کو بڑے صبر وسکون کے ساتھ سنا اور اس کے بعد ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کا ان دو مسئلوں پر اطمینان کلی ہو گیا اور جو کچھ خلش ان کے دل میں تھی‘ وہ جاتی رہی اور اس کے بعد ہی انہوں نے ختم نبوت پر وہ لیکچر تیار کیا کہ جو ان کے چھ لیکچروں کے مجموعہ میں شامل ہے اور قادیانی تحریک پر وہ ہنگامہ آفریں مقالہ سپرد قلم فرمایا‘ جس نے انگریزی اخبارات میں شائع ہو کر پنجاب کی فضا میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔

(’’حیات انور‘‘ ص ۱۹۴۔۱۹۵‘ مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر)

علامہ محمد اقبالؒ اور فتنہ قادیانیت

علامہ اقبال علم وحکمت میں گوہر یکتا اور شعر وادب میں بے مثل تھے آپ نے امت مسلمہ میں اپنی شاعری کا ذریعہ ایک روح پھونکی اور ۱۹۳۰ء میں پاکستان کا تصور پیش کیا۔قادیانی آپ کے کیوں مخالف ہوئے اور کس بنا پر ان کی بدنامی کی مہم چلائی جو کہ آج بھی جاری ہے۔ڈاکٹر جاوید اقبال اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

''اقبال کے مخالفین میں تیسرا گروہ احمدی عقیدہ رکھنے والوں کا تھا۔اقبال کی یورپ سے واپسی پر پنجاب میں احمدی تحریک کا چرچا تھا۔اُنہوں نے احمدی تحریک کا مطالعہ کیا،لیکن اس مطالعہ کے باوجود شروع شروع میں اس تحریک سے اپنی بیزاری کا وہ اظہار نہیں کیا جو بعد کو اُنہوں نے نظم ونثر دونوں میں شدت کے ساتھ کیا۔۱۹۱۰ء میں اپنے ایک انگریزی خطبہ بعنوان ''مسلم کمیونٹی ،ایک معاشرتی مطالعہ'' میں جو علی گڑھ میں دیا گیا۔اقبال نے ایک مقام پر قادیانی فقہ کو پنجاب میں خالصتاً مسلم طرز کے کردار کا طاقتور مظہر بیان کیا احمدیوں کی شروع ہی سے کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اقبال جیسی غیر معمولی قابلیت کی حامل شخصیت کو احمدی مذہب قبول کر لینے کے لیے رضا مند کیا جائے۔چنانچہ اُن میں سے کسی اقبال کو جاننے والے نے انہیں بیعت کا پیغام بھیجا۔لیکن اقبال نے اپنے منظوم جواب میں ایسا کرنے سے معذرت کی۔اس کے بعد احمدیوں کے ایک اخبار نے خبر وضع کر کے شائع کر دی۔کہ اقبال نے احمدی عقیدہ رکھنے والے کسی خاندان کی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔اس پر اقبال نے اس خبر کی تردید میں ایک بیان دیا کہ اُنہوں نے ایسی کوئی شادی نہیں کی، بلکہ جس کسی نے بھی یہ شادی کی ہے۔وہ کوئی اور ڈاکٹر اقبال ہوں گے جب احمدیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے اقبال کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔مگر جب اقبال نے احمدی تحریک سے بیزاری کا اظہار کھل کر کیا۔احمدیوں کے

عقائدکواسلام کے منافی ثابت کر کے انہیں ملت اسلامیہ سے خارج گردانا اورانگریزی حکومت سے مطالبہ کیا کہ انہیں ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جائے، تو وہ اُن کے دشمن ہو گئے اور اُنہوں نے اقبال کی کردارکشی کو اپنا شعار بنالیا۔

(زندہ رود ص ۲۷۶)

فرمودات اقبال

عقیدۂ ختم نبوت

''ختم نبوت اسلام کا ایک نہایت اہم اور بنیادی تصور ہے۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان سہاروں پر زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہو گی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لیے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے۔ یہ سب تصورات خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا یہ عقیدہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق سرچشمہ سے ہے۔ لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے۔ جس سے اس قسم کے دعووں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔''

(پانچواں خطبہ، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، صفحہ 95-193)

ختم نبوت کا تخیل

''انسانیت کی تمدنی تاریخ میں غالباً ختم نبوت کا تخیل سب سے انوکھا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ مغرب اور ایشیا کے موبدانہ تمدن کی تاریخ کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ موبدانہ تمدن میں زرتشتی، یہودی، نصرانی اور صابی تمام مذاہب شامل ہیں۔'' (قادیانیت اور اسلام، بہ جواب نہرو)

اسلام کا غدار

''دینیاتی نقطۂ نظر سے اس نظریے کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں۔ اسلام کی اجتماعی اور سیاسی تنظیم میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی ایسے الہام کا امکان ہی نہیں، جس سے انکار کفر کو مستلزم ہو۔ جو شخص ایسے الہام کا دعویٰ کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔'' (ایضاً)

قادیانیت کا مقابلہ

''علمائے ہند نے قادیانیت کو ایک دینی تحریک تصور کیا اور دینیاتی حربوں سے اس کا مقابلہ کرنے نکل آئے۔ میرا خیال ہے اس تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ طریقہ موزوں نہیں۔ 1799ء سے ہندوستان میں اسلامی دینیات کی جو تاریخ رہی ہے۔ اس کی روشنی میں احمدیت کے اصل محرکات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ دنیائے اسلام کی تاریخ میں 1799ء کا سال بے حد اہم سال ہے۔ اسی سال ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی۔ اسی سال جنگ نورینو ہوئی جس میں ترکی کا بیڑا تباہ ہو گیا اور ایشیا میں اسلام کا انحطاط انتہا کو پہنچ گیا۔''

(بہ جواب نہرو)

قادیانی

''فرمایا: ''قادیانی تحریک نے مسلمانوں کے ملی استحکام کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ اگر استیصال نہ کیا گیا تو آئندہ شدید نقصان پہنچے گا۔'' (عبدالرشید طارق' ملفوظات)

احمدیت کے اداکار

''تمام ایکٹر جنہوں نے احمدیت کے ڈرامے میں حصہ لیا ہے۔ وہ زوال اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔'' (بہ جواب نہرو)

سیاسی بول چال

''ہمیں قادیانیوں کے رویہ اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کی حکمت عملیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے کیوں مضطرب ہیں؟''

علیحدگی کا مطالبہ

''ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادنیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی وہ (قادیانی) اس قابل ہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے۔''

(سٹیٹس مین کے نام خط 10 جون 1935ء)

ہندوستانی پیغمبر

''قادیانی جماعت کا مقصد پیغمبر عرب کی امت سے ہندوستانی پیغمبر کی امت تیار کرنا ہے۔''

(پنڈت جواہر لعل کے مضامین مطبوعہ ''ماڈرن ریویو'' کا جواب)

رواداری

''الحاد کم زوری اور رواداری بسا اوقات خودکشی کے مترادف ہو جاتے ہیں۔ بہ قول گبن ایک رواداری فلسفی کی ہوتی ہے۔ جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر صحیح ہیں۔ ایک رواداری مورخ کی ہے۔ جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر غلط ہیں۔ ایک روادار کی مدبر کی ہے۔ جس کے نزدیک تمام مذاہب یکساں طور پر مفید ہیں۔ ایک رواداری ایسے شخص کی ہے۔ جو ہر قسم کے فکر و عمل سے بے تعلق ہوتا ہے۔ ایک رواداری کمزور آدمی کی ہے جو محض کمزوری کی وجہ سے ہر قسم کی ذلت اپنی محبوب اشیا و اشخاص کے متعلق سہتا ہے۔''

(پنڈت جواہر لعل کے مضامین مطبوعہ ''ماڈرن ریویو'' کا جواب)

عجمی اصطلاحیں

''اسلامی ایران میں موبدانہ اثر کے تحت ملحدانہ تحریکیں اٹھیں۔ انھوں نے بروز' حلول' ظل وغیرہ اصطلاحات وضع کیں' تاکہ تناسخ کے تصور کو چھپا سکیں۔ ان اصطلاحات کا وضع کرنا اس لیے بھی لازم تھا کہ مسلمانوں کے قلوب کو ناگوار نہ ہو۔ مسیح موعود کی اصطلاح بھی اسلامی نہیں، اجنبی ہے۔ یہ اصطلاح ہمیں دورِاوّل کے تاریخی اور مذہبی ادب میں نہیں ملتی۔'' (ایضاً)

قادیانیت اور بہائیت

''بہائیت' قادیانیت سے کہیں زیادہ مخلص ہے۔ کیونکہ وہ کھلے طور پر اسلام سے باغی ہے لیکن موخرالذکر (قادیانیت) اسلام کی چند نہایت اہم صورتوں کو ظاہری طور پر قائم رکھتی ہے۔ لیکن باطنی طور پر اسلام کی روح اور مقاصد کے لیے مہلک ہے۔
اس کے ضمیر میں یہودیت کے عناصر ہیں۔ گویا تحریک ہی یہودیت کی طرف راجع ہے۔''

اجتماعی خطرہ

''اگر حکومت کے لیے یہ گروہ مفید ہے۔ تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس جماعت کے لیے اسے نظرانداز کرنا مشکل ہے۔ جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔'' (ایضاً)

دوسرے فرقے

''مسلمانوں کے دوسرے فرقے کوئی الگ بنیاد قائم نہیں کرتے۔ وہ بنیادی مسائل میں متفق ہیں۔ ایک دوسرے پر الحاد کا فتویٰ جڑنے کے باوجود اساسات پر ایک رائے ہیں۔'' (ایضاً)

مذہب سے بیزاری

''(اس قماش کے) مذہبی مدعیوں کی حوصلہ افزائی کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ لوگ مذہب سے بیزار ہونے لگتے ہیں اور بالآخر مذہب کے اہم عنصر کو اپنی زندگی سے خارج کر دیتے ہیں۔'' (ایضاً)

علیحدہ جماعت

''حکومت کے لیے بہترین طریق کار یہ ہوگا کہ وہ قادیانیوں کو ایک الگ جماعت تسلیم کرے۔ یہ قادیانیوں کی پالیسی کے بھی عین مطابق ہوگا۔ مسلمان ان سے ویسی ہی رواداری برتیں گے۔ جیسی باقی مذاہب کے معاملہ میں اختیار کرتے ہیں۔'' (ایضاً)

نام نہاد تعلیم یافتہ

''نام نہاد تعلیم یافتہ مسلمانوں نے ختم نبوت کے تمدنی پہلو پر کبھی غور نہیں کیا۔ مغربیت کی ہوا نے انہیں حفظ نفس کے جذبہ سے عاری کر دیا ہے لیکن عام مسلمان جوان کے نزدیک ملا زدہ ہے۔ اس تحریک کے مقابلہ میں حفظ نفس کا ثبوت دے رہا ہے۔'' (ایضاً)

قادیانی

''یہ تحریک (قادیانی) اسلام کے ضوابط کو برقرار رکھتی ہے لیکن اس قوت ارادی کو فنا کر دیتی ہے۔ جس کو اسلام مضبوط کرنا چاہتا ہے۔'' (بہ جواب نہرو)

مذہبی سرحدوں کی حفاظت

''رواداری کی تلقین کرنے والے اس شخص پر عدم رواداری کا الزام لگانے میں غلطی کرتے جو اپنے مذہب کی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے۔ (ایضاً)

بروز کا مسئلہ

''جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ بروز کا مسئلہ عجمی مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اس کی آرین ہے۔ میری رائے میں اس مسئلہ کی تاریخی تحقیق قادیانیت کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی ہے۔'' (پروفیسر الیاس برنی کے نام)

ختم نبوت

''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ میں ہردو اجزا نبوت کے موجود ہیں یعنی یہ کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بنا پر قتل کیا گیا تھا۔''

(علامہ اقبال کا خط بہ نام نذیر نیازی' مطبوعہ طلوع اسلام' اکتوبر 1935ء انوار اقبال' مرتبہ بشیر احمد ڈار صفحہ 45-46)

قادیانی

''خضر تمیمی اور غلام مصطفیٰ تبسم حاضر ہوئے۔ علامہ نے آں زایراں بود وایں ہندی نژاد...... کی شرح کرتے ہوئے غلام احمد قادیانی کا ذکر کیا اور فرمایا: ''اس کی شخصیت نفسیاتی مطالعہ کے لیے بہت موزوں ہے۔'' عرض کیا' آپ سے بڑھ کر کون تجزیہ نفسی کرسکتا ہے۔

فرمایا: ''خرابی صحت مانع ہے۔ کوئی نوجوان آمادہ ہو تو میں راہنمائی کرسکتا ہوں۔''

پھر ان نقصانات کو گنوایا جو قادیانیت کو صحیح تسلیم کرنے کی صورت میں برداشت کرنے پڑے ہیں۔

فرمایا: ''قادیانیت اسلام کی تیرہ سو سال کی علمی اور دینی ترقی کے منافی ہے۔''

(ملفوظات)

ختم نبوت

فرمایا:''الیوم اکملت لکم دینکم'' کے بعد اجرائے نبوت کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔قادیانی اسلاف کی تحریروں کو محرف کر دیتے ہیں۔''(خصر تمیمی'ملفوظات)

قادیانیت

''قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کے اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس سے نبوت محمدیہ کے کامل واکمل ہونے کے انکار کی راہ کھلتی ہے۔''(مولانا مدنی کے جواب میں)

قادیانی اتحاد

''چودھری صاحب جب کبھی موقع پاتے قادیانی سیاست پر کوئی نہ کوئی فقرہ چست کر دیتے۔حضرت علامہ کی طبیعت پر بھی بیان کے ردوکد سے جو بار پڑا تھا دور ہو چکا تھا۔ایک مرتبہ چودھری صاحب کہنے لگے:''مزے کی بات تو یہ ہے کہ اہل قادیان اگرچہ عقیدۃً ہمیں کافر سمجھتے ہیں مگر اس کے باوجود اتحاد کے بھی خواہش مند ہیں۔وہ کہتے ہیں ہم سب کو ایک ہو جانا چاہیے۔اس لیے کہ ہندو بہر حال ہم سب کو ایک سمجھتے ہیں۔''

حضرت علامہ نے فرمایا''یہ خوب منطق ہے۔اسلام کی بنا پر تو ہم ایک ہیں۔نہ ایک ہو سکتے ہیں۔البتہ ایک ہیں اور رہو سکتے ہیں تو ہندوؤں کے اس کہنے پر کہ ہم سب مسلمان ہیں۔''

ارشاد ہوا''دراصل ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو قادیانیوں کا مسلمان ہونا تسلیم کر لیں۔البتہ وہ ہمیں برابر کافر سمجھتے رہیں۔یہ کیا خوب بنائے اتحاد ہے۔''اس پر ہم سب کو ہنسی آ گئی۔''

(اقبال کے حضور از سیّد نذیر نیازی)

حکیم نورالدین کی حکمت

''سرسیّد نے شائد مولوی نورالدین کی کوئی تحریر نہ دیکھی ہو مگر میر حسن کے پاس ایک پوسٹ کارڈ موجود تھا جو مولوی نورالدین صاحب نے غالباً جموں سے بھیجا تھا۔ اگلی مرتبہ وہ سیالکوٹ آئے اور مرزا صاحب کی بات چھیڑی تو میر حسن نے کہہ دیا۔'' وہ قرآن کی غلط تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی اصولی چیز نہیں۔ دوسرے معاملات میں کیسے ان کا اعتبار ہوسکتا ہے۔ دیگر' مرزا صاحب کولکھنا نہیں آتا۔ جس کتاب کو اٹھاؤ حاشیہ در حاشیہ چلی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ان کے دماغ میں کوئی مطلب صاف نہیں۔''

مولوی نورالدین نے اپنی تحریروں کے بارے میں دریافت کیا تو میر حسن نے جیب سے پوسٹ کارڈ نکال لیا۔ ''آپ تو سوال کا پورا جواب بھی نہیں دے سکتے۔ تشنہ چھوڑ جاتے ہیں...... میں نے آپ سے دوا پوچھی تھی۔ آپ نے دوا لکھ تو بھیجی لیکن یہ نہ بتایا کہ اسے کھاؤں' سونگھوں' گھس کر لگاؤں یا گھوٹ کر پیوں۔ نہ وزن لکھا کہ ماشہ کھاؤں' تولہ کھاؤں یا مَن کھاؤں۔'' یہ سن کر مولوی نورالدین خاموش ہو گئے۔''

(عبداللہ چغتائی)

مجھے بھی الہام ہوتا ہے

''ایک دلچسپ روایت ملفوظات اقبال میں اقبال کی زبانی بیان کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے جب نیا نیا الہام کا دعویٰ کیا تو وہ سیالکوٹ کی مسجد میں اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ ایک روز اقبال بھی پہنچ گئے اور کہا کہ مجھے بھی الہام ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے سننے پر رضامندی ظاہر کی تو انھوں نے عربی میں احمدیت کے خلاف کچھ فقرے جوڑ کر پیش کر دیے جس پر وہ ساری جماعت ان کے خلاف ہوگئی اور انہیں جان بچا کر بھاگنا پڑا۔''

(دمادم رواں ہے یمِ زندگی از خرم علی شفیق)

اقبال کا مطالبہ

''ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے، اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام (احمدی)' مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق' نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام اُمور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں......ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔''

(''سٹیٹمین'' کے جواب میں سے ایک اقتباس)

واجب القتل کون

''ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص بعد اسلام اگر یہ دعویٰ کرے کہ مجھے الہام وغیرہ ہوتا ہے اور میری جماعت میں داخل نہ ہونے والا کافر ہے تو وہ شخص کاذب ہے اور واجب القتل۔ مسیلمہ کذاب کو اسی بناء پر قتل کیا گیا۔ جیسا طبری لکھتا ہے وہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مصدق تھا اور اس کی اذان میں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق تھی۔''

اقبالؒ کا فتویٰ

''جو شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی کے آنے کا قائل ہے جس کا انکار مستلزم بکفر ہو۔ وہ خارج از دائرہ اسلام ہے۔ اگر قادیانی جماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔''

(گفتار اقبال از محمد رفیق صفحہ ۲۲)

عقیدۂ ختم نبوت

''ختم نبوت کے عقیدے پر گفتگو میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ ''ختم نبوت کے عقیدے کی ثقافتی قدر و قیمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے اعلان فرمادیا کہ آئندہ کسی انسان کے ذہن پر کسی انسان کی حکومت نہیں ہوگی۔ میرے بعد کوئی شخص دوسروں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بات کو بلا چون و چرا تسلیم کرلو۔ ختم نبوت ایسا عقیدہ ہے جس کی بدولت انسانی علم کے دائرے کو وسعت نصیب ہوگئی۔

''علی محمد باب کی دریافت یہ ہے کہ (۱) جہاد منسوخ ہوگیا (۲) صاحب الہام کے لیے کسی گرامر (صرف ونحو) کی پابندی لازمی نہیں ہے۔ یعنی الہام ایسی عبارت میں بھی ہوسکتا ہے جو گرامر کی لحاظ سے غلط ہو۔''

(روایت میاں عطاالرحمٰن' اقبال ریویو۔ جولائی ۱۹۶۴ء)

سر ظفر اللہ کا وجود

''چودھری ظفر اللہ خاں صاحب (قادیانی) کا ذکر آ گیا تو آپ (علامہ اقبالؒ) نے فرمایا کہ چودھری صاحب اور سر فضل حسین صاحب کے ذریعے حکومت برطانیہ نے پراونشل آٹانومی کی روح نکال لی۔ موخرالذکر کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان کا وجود ہمیشہ مسلمانوں کے لیے باعث مضرت رہا ہے اور وقت آ رہا ہے کہ ان کی مزعومہ اسلام دوستی اور مسلم نوازی کے بے حقیقت راز سے پردہ اُٹھ جائے۔''

(اقبال کے حضور میں از خواجہ عبدالوحید' نقوش لاہور' اقبال نمبر حصہ دوئم دسمبر ۱۹۷۷ء)

قادیان تباہ ہو جائے گا

15 جون 1935ء کل شام کو (محمد شریف) پنی صاحب کے ہمراہ سیر کے لیے نکلا۔ (ہم) علامہ اقبال کے مکان (کے سامنے) سے گزر رہے تھے کہ وہاں راجہ حسن اختر صاحب نے آواز دی۔ ان کے پاس ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر میں حضرت علامہ باہر تشریف لے آئے۔ اس کے بعد حضرات (عبدالمجید) سالک و (چراغ حسن) حسرت آ نکلے۔ پھر مولوی غلام محی الدین خاں

قصوری تشریف لے آئے اور پھر حضرت علامہ محمود شیرانی مع پروفیسر (محمد فضل الدین) قریشی و مولوی عبداللہ چغتائی آ گئے۔ رات کے نو بجے تک بڑی پرلطف صحبت رہی۔ حضرت علامہ کے پاس جتنا عرصہ ہم لوگ ٹھہرے، بہت دلچسپ گفتگو ہوئی۔ زیادہ تر قادیانیوں کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا مرزا صاحب وحی اولہام اور مہدی و مسیح میں تمیز نہیں کر سکے۔

(حضرت علامہ نے ازرہِ ظرافت چراغ حسن) حسرت صاحب کو مشورہ دیا کہ فوراً (روزنامہ) احسان میں موٹے الفاظ میں اعلان کر دیں کہ سترہ یوم کے بعد قادیان تباہ ہو جائے گا اور ہر روز اس اعلان کو شائع کرتے رہیں۔ سترہ روز گزر جانے پر اعتراض ہو تو کہہ دیا جائے کہ ''یوم'' قرآنی اصطلاح ہے نہ کہ چوبیس گھنٹے کا وقفہ۔

منکرین ختم نبوت سے نفرت

''مظاہر العلوم سہارنپور کے استاد مولانا محمد اللہ شاہ فرماتے ہیں کہ سہارنپور محلہ میر کوٹ میں مشہور شیعہ خاندان اور سادات بارہہ کے ایک ممتاز نمایاں فرد جناب سید جعفر عباس مرحوم تھے۔ انھوں نے یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا الشاہ محمد اسعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم کو حضرت موصوف کے حجرے میں سنایا کہ ہمارے چچا سیّد آغا حیدر چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے لاہور کے عمائد اور مشاہیر کو کھانے پر مدعو کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی مدعو تھے۔ اتفاق سے بلا دعوت حکیم نور الدین قادیانی آ گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت علامہ پہنچے تو حکیم نور الدین قادیانی کو دیکھ کر حضرت علامہ مرحوم اتنے سخت برہم ہوئے کہ یہ بھول گئے یہ دوسرے کا مکان ہے اور داعی کو حق ہے کہ جس کو چاہے مدعو کرے۔ چنانچہ حضرت علامہ نے فرمایا: آغا صاحب یہ کیا غضب ہے کہ آپ نے ختم نبوت کا انکار کرنے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسرے کو نبی ماننے والے کافر کو بھی مدعو کیا ہے اور فرمایا کہ میں جاتا ہوں میں ایسی مجلس میں ایک لمحہ بھی نہیں بیٹھ سکتا ہوں۔ اس وقت حکیم نور الدین فوراً ہی سخت نادم ہو کر چلے گئے اور آغا صاحب نے معذرت کے ساتھ فرمایا کہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا حکیم صاحب اتفاقاً آ گئے تھے۔ اس کے بعد ہی حضرت علامہ مرحوم وہاں بیٹھے۔

(تذکرہ مجاہدین ختم نبوت از حضرت مولانا اللہ وسایا ص33,32)

نبوت

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: میرے والد صاحب کی دکان پر ابن عربی کی فصوص الحکم باقاعدہ پڑھی جایا کرتی تھی۔ مولوی عبدالکریم قادیانی کہ ان کی آواز بلند تھی۔ یہ خدمت سرانجام دیا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی اس صحبت میں شریک ہوا کرتے تھے۔ مجاز اور حقیقت کی داستان وہ ابن عربی سے سنتے رہے۔ یہی فلسفہ بعد میں انھوں نے حقیقی اور مجازی نبوت کی شکل میں پیش کیا۔ اس طرح گویا مرزا صاحب نے ابن عربی سے فیض حاصل کیا اور ابن عربی نے افلاطون سے۔ ڈاکر صاحب تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا' ابن عربی' بیدل اور ہیگل کے جال میں جو ایک دفعہ پھنس جاتا ہے۔ اس کی رہائی مشکل سے ہوتی ہے۔

نوک جھونک

گفتگو کا رخ مرزا غلام احمد قادیانی اور بہاء اللہ کی تعلیمات کی طرف پلٹا' فرمایا: ''پچھلے دنوں ایک امریکن خاتون جس نے بہائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ میرے پاس آئی اور بہاء اللہ کی بابت باتیں کرتی رہی۔ میں نے قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر سنائیں اور جب اسے ان کے مطالب اور معانی سے آگاہ کیا تو اچھل پڑی کہ ہیں یہ تعلیمات تو ہمارے آقا بہاء اللہ کی ہیں۔ میں نے ہنس کر کہا نہیں یہ احکام تو خدا کے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ بہاء اللہ نے صرف ان میں تھوڑا سا تغیر کر کے اپنالی ہیں۔ اس کا دعویٰ درحقیقت سراسر باطل ہے۔ تم دونوں کی تعلیمات میں بے حد مشابہت اور مماثلت پاؤ گی، یا اگر سچ پوچھو تو بہاء اللہ کی تعلیمات علوم قرآنیہ کی فرع ہے۔ اس سے اس کی تشفی ہو گئی مگر جاتے ہوئے بہاء اللہ کی تعلیمات کا ایک مختصر سا رسالہ چھوڑ گئی۔''

پھر مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ اس تحریک نے مسلمانوں کے ملی استحکام کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے اور آئندہ پہنچائے گی اگر اس کا استیصال نہ کیا گیا۔

قادیانیت

حضرت علامہ اقبالؒ کی ذات گرامی کے متعلق ایک ہیچ مدان کا کچھ کہنا' چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔لیکن ایک صحبت کی یاد میرے دل سے محو نہ ہوگی۔

1936ء قادیانیت کی شدید مخالف کا زمانہ تھا۔ایک طرف تو مجلس احرار دوسرے علمائے اسلام اپنی تحریروں اور تقریروں سے ''قصر خلافت قادیان کی بنیادیں متزلزل'' کر رہے تھے اور دوسری طرف مرزائی صاحبان اپنی طویل اور قاطع دلیلوں سے ''سعید روحوں'' کو راہ راست پر لا رہے تھے۔ان ایام میں حضرت ممدوح علیل تھے۔لیکن طرفین کی وزنی دلیلیں' سیدھے سادے نوجوانوں کو سوچنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں۔اس لیے کئی ایک تشنگانِ ہدایت رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔یہ محسوس کرتے ہوئے کہ نوجوان بڑی بیتابی کے ساتھ آپ کے ارشادات عالیہ کے منتظر ہیں۔آپ نے اپنا شہرۂ آفاق مضمون ''اسلام اور قادیانیت'' شائع فرمایا' جس سے کئی ایک گتھیاں سلجھ گئیں اور وہ دلائل جو سیاق وسباق کا لحاظ رکھے بغیر سادہ دل نوجوانوں کو گمراہ کر سکتی تھیں۔تارِ عنکبوت کی طرح کمزور نظر آنے لگیں اور نوجوانوں کی متوقع بے راہ روی کا مکمل سد باب ہو گیا۔

پنڈت جواہر لال صاحب نہرو کو اس مضمون کے بعض حصے سمجھ میں نہ آئے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اسلامی تعلیمات اور ماحول سے واقفیت نہ تھی۔چنانچہ انھوں نے ''ماڈرن ریویو'' (کلکتہ) میں مذکورہ مضمون پر تنقید لکھی جس کا جواب حضرت علامہؒ نے ''اسلام اور احمدیت'' کے عنوان سے تحریر فرمایا۔اس کی اشاعت سے دلوں کے رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے۔

قصہ کوتاہ ہر طرف قادیانیت کے موافق یا مخالف تذکرے شروع تھے جن سے مساجد اور عام جلسہ گاہوں کے علاوہ مکلّف کوٹھیوں کے خلوت کدے بھی خالی نہ تھے۔ان ایام میں یہی معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں صرف دو ہی فریق رہ گئے ہیں۔ایک وہ جو قادیانیت کا مخالف ہے اور دوسرا وہ جو اس کے موافق۔میں نے اس سال پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے (فارسی) کا امتحان

دیا۔ حضرت ممدوح ہمارے ایک پرچے کے ممتحن اعلیٰ تھے اور اس میں ممدوح نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خلات الہیہ اور مجدد کے نظریے کے متعلق ایک سوال پوچھا تھا جس میں ضمنی طور پر قادیانیت بھی زیر بحث آجاتی تھی۔

(اقبال کے ہاں از خضر تمیمی' ملفوظات اقبال مع حواشی و تعلیقات از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

قادیانیت کے متعلق اقبال کا منظوم کلام

پس خدا برما شریعت ختم کرد
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفل ایام را
اُو رسل را ختم و ما اقوام را

خدمت ساقی گری با ما گذاشت
داد ما را آخریں جامے کہ داشت

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ زاحسانِ خدااست
پردہ ناموس دین مصطفےٰ است

قوم را سرمایہ قوت ازُو
حفظ سرِ وحدتِ ملت ازُو

حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست
تا اَبد اسلام را شیرازہ بست

دل ز غیر اللہ مسلماں برکند
نعرۂ لَا قَوْمَ بَعْدِیْ می زَنَد

(مثنوی ''رموزِ بے خودی'' از مجموعہ اسرار و رموز)

(ترجمہ)

۱۔ خداتعالیٰ نے ہم پر شریعت اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسالت ختم کر دی۔

۲۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ انبیاء اور ہم پر سلسلہ اقوام تمام ہو چکا' اب بزم جہاں کی رونق ہم سے ہے۔

۳۔ میخانہ شرائع کا آخری جام ہمیں عطا فرمایا گیا' قیامت تک ساقی گری کی خدمت اب ہم ہی انجام دیں گے۔

۴۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' احسانات خداوندی میں سے ایک بڑا احسان ہے۔ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس کا محافظ بھی یہی ہے۔

۵۔ مسلمانوں کا اصل سرمایہ قوت یہی عقیدۂ ختم نبوت ہے اور اسی میں وحدت ملت کے تحفظ کا راز پوشیدہ ہے۔

۶۔ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر دعویٰ نبوت کو باطل ٹھہرا کر اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے مجتمع کر دیا ہے۔

۷۔ اسی عقیدہ کے باعث مسلمان ایک اللہ کے سوا سب سے تعلق توڑ لیتا اور اُمت مسلمہ کے بعد کوئی امت نہیں' کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

اے کے بعد از تُو نبوت شد بہر مفہوم شرک

اے کہ بر دلہا رموزِ عشق آساں کردہ ای
سینہ ہا را از تجلی یوسفستاں کردہ ای

اے کہ صد طور است پیدا از نشانِ پائے تو
خاک یثرب را تجلی گاہِ عرفاں کردہ ای

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنورِ شمع عرفاں کردہ ای

اے کہ ہم نام خدا باب دیارِ علم تو
اُمیے بودی و حکمت را نمایاں کردہ ای

فیض تو دشت عرب را مطلع انظار ساخت
خاک ایں ویرانہ را گلشن بداماں کردہ ای

دل نہ نالہ در فراق ماسوائے نورِ تو
خشک چوبے را ز ہجر خویش گریان کردہ ای

(نعت یہ علامہ اقبال کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہے۔ یہ انجمن حمایت اسلام کی روداد 1902ء کے صفحہ 32 سے منقول ہے۔ اسے سب سے پہلے آغا شورش کاشمیری مرحوم نے ''چٹان'' لاہور کے شمارہ ۱۸ اپریل ۱۹۷۴ء کے صفحہ ۷ اپر شائع کیا تھا)

(ترجمہ)

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلوں کو رموزِ عشق سے آشنا فرمایا اور اپنے جلوؤں سے سینوں کو مطلعٔ انوار بنا دیا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشان پا سے سینکڑوں طُور ابھرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے خرام ناز کا فیض ہے کہ خاک بطحا معرفت کی تجلّیاں لیے ہوئے ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت بہر نوع، بہر مفہوم اور بہر رنگ شرک (فی النبوت) ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے محفل ہستی کو معرفت کی شمع سے نورانی کر دیا۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیارِ علم ہیں اور شہرِ علم کا دروازہ علیؓ ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نام بھی ''علیؔ'' ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امی ہوتے ہوئے علم و دانش اور حکمت و بصیرت کے ایوان آراستہ فرمائے۔

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض نے عرب کے ریگستان کو نگاہوں کا مرکز بنا دیا اور اس ویرانے کی خاک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے طفیل گلشن بداماں ہے۔

۲۔ میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی پُرنور شخصیت کے فراق میں گریاں ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے جن کے ہجر نے خشک لکڑی (اسطوانہ حنانہ) کو رُلا دیا تھا۔
(ترجمہ، پروفیسر محمد اقبال جاوید)

نبوت

میں نہ عارف' نہ مجدّدٕ نہ محدث' نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام

ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام

''وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگ حشیش
جس نبوت میں نہیں قوت و شوکت کا پیام''

(ضرب کلیم)

جعلی نبوت

غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن
انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر

پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت
کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر

آوازۂ حق اُٹھتا ہے کب اور کدھر سے
''مسکیں ولکم ماندہ دریں کشمکش اندر!''

(ضرب کلیم)

مہدی برحق

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار

پیران کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدت گفتار ہے، نے جدتِ کردار

ہیں اہل سیاست کے وہی کہنہ خم و پیچ
شاعر اسی افلاس تخیل میں گرفتار

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار

(ضرب کلیم)

امامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئنے میں تجھ کو دکھا کر رُخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دُشوار کرے

دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اُس کی:
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

(ضرب کلیم)

جہاد

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دُنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سُود و بے اثر

تیغ و تفنگ دست مسلماں میں ہے کہاں؟
ہو بھی تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اس کو مسلماں کی موت مر

تعلیم اس کو چاہیے ترک جہاد کی
دنیا کو جس کے پنجہ خونیں سے ہو خطر

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے در گزر

(ضرب کلیم)

الہام

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد

اے مرد خدا! تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جن کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

(ضرب کلیم)

ہو بندۂ آزاد اگر صاحب الہام
ہے اُس کی نگہ فکر و عمل کے لیے مہمیز

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

(ضرب کلیم)

نفسیاتِ غلامی

سخت باریک ہیں امراض امم کے اسباب
کھول کر کہیے تو کرتا ہے بیاں کوتاہی

دین شیری میں غلاموں کے امام اور شیوخ
دیکھتے ہیں فقط اک فلسفہ روباہی

ہو اگر قوت فرعون کی در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی!

(ضرب کلیم)

درس غلامی

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق

خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

(ضرب کلیم)

مرزا قادیانی

عصرِ من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآن بغیر از خود ندید

تن پرست و جاہ مست و کم نگہ
اندرونش بے نصیب از لا الہ

در حرم زاد و کلیسا را مرید
پردۂ ناموسِ ما را بر درید

دامن او را گرفتن ابلہی است
سینہ او از دل روشن تہی است

الحذر! از گرمئ گفتار او
الحذر! از حرف پہلو دار او

شیخ او لرد،گرد فرنگی را مرید
گرچہ گوید از مقام بایزید

گفت دین را رونق از محکومی است
زندگانی از خودی محرومی است

دولت اغیار را رحمت شمرد
رقصہا گرد کلیسا کرد و مُرد

(مثنوی پس چہ باید کرد)

(ترجمہ)

۱۔ میرے زمانے نے ایک نبی (مرزا قادیانی) بھی پیدا کیا
جس کو اپنے سوا قرآن میں کچھ نظر نہ آیا

۲۔ خود پسند، عزت چاہنے والا، کوتاہ نظر
اس کا دل لا الٰہ سے خالی ہے

۳۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا اور عیسائیوں کا غلام بنا
اس نے ہماری ناموس کے پردے کو چاک کرایا

۴۔ اس سے عقیدت رکھنا حماقت ہے
اس کا سینہ دل کی روشنی سے خالی ہے

۵۔ اس کی چرب زبانی سے بچو
اس کی چالبازانہ باتوں سے بچو

۶۔ اس کا پیر شیطان اور فرنگی کا غلام ہے
اگرچہ وہ کہتا ہے کہ میں بایزید کے مقام سے بول رہا ہوں

۷۔ وہ کہتا ہے کہ غلامی میں ہی دین کی رونق ہے
اس کی زندگی خودی سے محروم ہے

۸۔ غیروں کی دولت کو وہ رحمت جانتا ہے
اس نے گرجا کے گرد رقص کیا اور مر گیا

بحوالہ: علامہ اقبال اور فتنہ قادیانیت از قلم محمد متین خالد

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم ایک لا ثانی خطیب اور بے مثل لحن داؤدی کے مالک تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے آپ کی محبت، انگریز سے نفرت، انگریز کے خود کاشتہ پودے (قادیانیت) سے نفرت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے جذبہ جنون کی وہ مثالیں قائم کی ہیں کہ ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ان کے شایان شان الفاظ لانے سے احقر قاصر ہے۔

افسوس ہے کہ کہ نبی کریم ﷺ سے الفت اور قادیانیت سے نفرت پر دلالت کرنے والے جتنے واقعات تحریری صورت میں محفوظ کرنے کی ضرورت تھی اتنا کام نہیں ہو سکا۔ موجودہ ذخیرہ اصل حقائق کا شاید پانچواں حصہ بھی نہ ہو۔

اس لیے احقر نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت امیر شریعت کی شخصیت اور کارناموں پر خود کچھ لکھنے کی بجائے دوسرے حضرات کے مضامین کا ایک گلدستہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، ان مضامین سے حضرت امیر شریعت کی شخصیت اور جدوجہد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

مختصر تعارف از قلم مولانا تاج محمودؒ

مجلس تحفظ ختم نبوت کے پہلے امیر اور سربراہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری منتخب .دے۔ حق یہ کہ وہ اس جماعت کے بانی بھی تھے اور سربراہ بھی۔ شاہ جی کے آباء واجداد سرزمین بخارا سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے بڑے بزرگوں میں سے کوئی صاحب کشمیر آ کر آباد ہو گئے تھے۔

شاہ [illegible] والد اور والدہ دونوں گھرانے حافظ اور عالم تھے۔ شاہ جی کے والد حافظ سید ضیاء

الدین ناگڑیاں ضلع گجرات میں رہنے لگے تھے۔آپ کی والدہ بزرگوار پٹنہ کے ایک سید خاندان سے تھیں۔شاہ جی کا بچپن اپنے ننھیال پٹنہ میں گزرا تھا۔حق تعالی نے زبان بیان کے جوہر بچپن ہی میں عطا کر دیے تھے۔تعلیم کے سلسلے میں امرتسر میں رہے۔پھر وہیں قیام اختیار کر لیا۔ابتداء میں اصلاحی مضامین پر تقریریں کرتے تھے۔حق تعالیٰ نے بے پناہ مقبولیت بخشی تو مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی دعوت پر قومی تحریکوں اور جلسوں میں حصہ لینے لگے۔پنجاب کے حریت فکر رکھنے والے مسلمان رہنماؤں نے کانگریس سے علیحدہ اپنی جماعت مجلس احرار اسلام بنائی تو اس کے بانی ممبر کی حیثیت سے اس میں شامل ہو گئے۔

جن ہندوستانی رہنماؤں نے برصغیر کی تحریک آزادی کے لیے کام کیا۔قربانیاں دیں اور لوگوں میں بیداری پیدا کی۔شاہ جی ان میں ہر لحاظ سے سرفہرست تھے۔زندگی کا ایک چوتھائی حصہ جیلوں میں بسر ہوا۔خود ان کے بقول میری زندگی جیل، ریل اور تمہارے اس کھیل میں گزر گئی۔مسلمانوں میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی بیداری پیدا کرنے کے سلسلہ میں شاہ جی نے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔شاہ جی واحد رہنما تھے، جو مسلمانوں کو اخبار پڑھنے اور ملکی حالات میں دلچسپی لینے کی ترغیب دیتے تھے۔دیہات اور قصبات میں مسلمانوں کو کہہ کر دکانیں کھلواتے جبکہ مسلمان اس وقت دکانداری کرنا عیب سمجھتے تھے۔مسلمانوں کی معاشرتی اور سماجی طور پر بڑی خدمت کی۔آزادی وطن کے بعد کا جو نقشہ ان کے ذہن میں تھا۔اس پر اب بحث عبث ہے۔لیکن انہیں اس بات کا بہت دکھ تھا کہ انگریزوں نے ہندوستان، مسلمانوں سے چھینا تھا پھر انگریزوں کے نکالنے کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں بھی مسلمانوں نے ہی دی تھی۔سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو سے لے کر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک لاکھوں مسلمان آزادی کے لیے قربان ہوئے۔جلیں کاٹیں، گولیاں کھائیں، پھانسی کے پھندوں کو چومتے رہے۔لیکن اب جب ملک آزاد ہوگا تو وہ مسلمانوں کا ملک کس کو ملے گا؟

درمیان میں ایک عظیم متحد خطہ اور بہت بڑی سلطنت بکر ماجیت کا تخت بچھا کر ہندو کے حوالے کی جائے گی۔دائیں بائیں دو بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے سے ہزار میل دو ٹکڑے مسلمانوں کے حوالے ہوں گے جو ایک دوسرے کے دکھ مصیبت میں شریک نہیں رہ سکیں گے۔انہیں خواجہ اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاء حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور ان کے نوارنی

گھرانے اور دوسرے ہزار ہا صلحاء کے مزاروں کا کفرستان میں رہ جانا سمجھ میں نہ آتا تھا۔ وہ اس کے کے لیے بھی تڑپ جایا کرتے تھے کہ دہلی کی جامع مسجد مسلمانوں کی عظمت کا نشان لال قلعہ، آگرے کا تاج اور ایسی ہزاروں عظمتیں ہندو کے سپرد ہوں گی۔ دیو بندیوں کا دیو بند، بریلویوں کا بریلی، علی گڑھیوں کی علی گڑھ، جامعیوں کا جامعہ، ندویوں کا ندوہ، فرنگی محلیوں، بدایونیوں کے علمی اور روحانی مراکز کفرستان میں چلے جائیں گے لیکن جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو ان کی عظمت دیکھئے تمام معتقدین، متبعین ساتھیوں اور محبت رکھنے والوں کو کھل کر فرما دیا۔ جناب محمد علی جناح اور ہمارے درمیان سیاسی رائے کا اختلاف تھا۔ ایک ان کی رائے تھی، ایک ہماری رائے، دونوں دیانت پر مبنی تھیں۔ ان کی بات کو قوم کی اکثریت نے قبول کر لیا۔ ہماری بات ماننے سے اکثریت نے انکار کر دیا۔ اب تحریک آزادی کی ابتداء سے لے کر آخر تک کی مسلمانوں کی تمام محنتوں، قربانیوں اور کاوشوں کا صلہ پاکستان ہے۔ اس ملک کا حکم ایک مسجد کا ہے جو اب بن گئی ہے۔ اب اس کا آباد کرنا باعث اجر وثواب اور اس کو گرانا یا اسے نقصان پہنچانا حرام اور باعث عذاب ہے۔

شاہ جی انتہائی خوددار، غیرت مند، بہادر اور جری انسان تھے۔ ان کا وجود سراپا قدرت کا شاہکار تھا۔ زبان سے بولتے نہیں موتی رولتے تھے۔ آواز میں قدرت نے جادو بھر دیا تھا۔ حافظہ خدا کی عطا تھی۔ ان کے بیان کی اثر آفرینی مالک کی دین تھی۔ وہ تقریر کیا کرتے، لوگوں کے ہوش وخرد کا شکار کر لیتے۔ ان کی تقریر رات ۱۰، ۱۱ بجے شروع ہوتی۔ وہ خود اور ان کے تمام سامعین رات بھر خدا جانے کہاں چلے جاتے۔ صبح کی اذان ہوتی تو فرماتے اوہ صبح ہو گئی؟ موذن، تیری آواز کے اور مدینے اور پھر تقریر کے ختم کرنے کا اعلان کرتے تو ایک کہرام بپا ہو جایا کرتا۔ شاہ جی تھوڑی دیر اور بیان کر دیں اور شاہ جی کہتے نہیں۔ زندہ رہا تو انشاء اللہ پھر کبھی آؤں گا اور تقریر سناؤں گا۔ شاہ جی کی دیانت، امانت مثالی تھی۔ وہ حضور کے ارشاد الفقر فخری کی تصویر تھے۔ عظیم شخصیت ہوتے ہوئے بھی غریب کارکنوں، ساتھیوں اور رضا کاروں سے گھل مل کر رہتے۔ حضور اکرم کا عشق ان کے رونگٹے رونگٹے میں رچا بسا ہوا تھا۔ حضور ﷺ کا نام اتنے ادب سے لیتے کہ سامع کے دل میں حضور ﷺ کے لیے مقام واحترام ہو جاتا تھا۔

انگریز کے دشمن تھے اور انگریزوں کے دشمنوں کو سر آنکھوں پر بٹھانے والے، جھوٹ اور چوری ان کے ہاں نا قابل معافی گناہ تھا۔ جھوٹے اور چور کر قریب پھٹکنے نہ دیتے امرتسر کے بندے ماترم ہال میں ایک جلسے کا اہتمام ہوا جس میں مرزا بشیر الدین محمود کو شریک ہونا تھا چنانچہ پولیس کا انتظام بھی بے حد وسیع تھا لوگ بھی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ لیکن مرزا بشیر الدین محمود کے لئے چائے کا انتظام تھا وہ سٹیج کی اوٹ میں چائے نوشی کا لطف اٹھانے لگے ان کی اس حرکت سے لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہونے لگیں بلکہ ان میں ایک نفرت سی ابھرنے لگی۔ خیر اجلاس کا آغاز ہوا مرزا صاحب میر محفل بنے بیٹھے تھے۔ ایک مبلغ روشن دین نے تلاوت قرآن پاک شروع کی۔

اچانک پچھلی صفوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہوا، سید عطاء اللہ شاہ بخاری صفیں چیرتے ہوئے دیوانہ وار اسٹیج کی جانب لپک رہے تھے۔ ان کے چہرے پر جلال کی یہ کیفیت تھی کہ لوگ ازخود ان کے لئے راستہ بنانے لگے جب وہ اسٹیج سے کچھ فاصلے پر تھے تو ان کی آواز کا شعلہ فضا میں لپکا اور یہ الفاظ کہنے لگے۔

ٹھہرو تم قرآن پاک کی غلط تلاوت کر رہے ہو۔ خدا سے ڈرو! مرزا بشیر الدین محمود کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اتنے میں پولیس اسٹیج کے قریب آ گئی اور مرزا صاحب کو گھیرے میں لے لیا لوگوں میں ایک افراتفری سی پھیل گئی نعرہ ہائے تکبیر گونجنے لگے۔ اور آن کی آن میں تمام جلسہ تتر بتر ہو گیا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

مولانا محمد از ہر شاہ قیصر رقم طراز ہیں

شاہ جی سے مجھے محبت زائد اس وجہ سے ہوئی کہ میرے والد مرحوم فطری بہت خاموش، دنیا داری سے بالکل ملنے ملانے سے نفور اور تعلقات میں ایک زبردست معیار کے انسان تھے۔ بڑے سے بڑے انسان کے لئے مشکل تھا کہ وہ ابا جی کو متاثر کر سکتا اور ان سے تعریف و تحسین کے دو کلمے پا لیتا۔

۳۰ء یا ۳۲ میں گاندھی نے میرے والد مرحوم سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں گوشہ نشین فقیر لیڈروں سے ملنے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔

نظام حیدر آباد نے انہیں گھیر گھار کر اپنے یہاں بلایا۔ کہتے ہیں کہ نظام ترجمہ قرآن کے سلسلہ میں اباجی سے کوئی علمی خدمت لینا چاہتے تھے اور اس کام کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار تھے اباجی نے کہا کہ میں پیسہ لے کر قرآن کی کوئی خدمت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ آپ اس کام سے مجھے معذور سمجھیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے غیر ملنسار اور غیر دنیادار آدمی کا کسی سے متاثر ہونا واقعی مشکل تھا۔ مگر اباجی شاہ جی کی سو جان سے دیوانے تھے ہر وقت شاہ جی کا کلمہ پڑتے تھے ہر وقت انہیں کا حال پوچھتے تھے کتاب سے فراغت ہوئی چارپائی سے سنبھل کر بیٹھ گئے۔ سادہ چائے آئی اس کا دور چلا۔ سامنے میرے ماموں جناب حکیم جی محفوظ علی صاحب یا مولانا حفظہ الرحمٰن، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ہوئے اور اباجی نے سلسلہ کا م شروع کر دیا۔

''کیوں'' مولوی صاحب ہم عطاء اللہ شاہ کو اگر سب کاموں سے ہٹا کر صرف تردید قادیانیت پر لگا دیں تو یہ کیسا رہے گا۔ مولوی صاحب! یہ صاحب واقعی مخلص ہیں بہت محنتی اور بہت زیادہ بہادر۔ انہوں نے پنجاب میں چند تقریریں کر کے قادیانیت کے خلاف ایک عام جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے اسی طرح محنت سے کام کیا تو قادیانیت انشا اللہ ختم ہو جائے گی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے جاندار اور دھڑکتا ہوا دل بنا لینا ہی مشکل ہے سائنس کی تجوبہ کاریاں اگر متحرک زندہ اور جاندار دل بنا لیتے ہیں کامیاب ہو جاتی ہیں تو تخلیق اور آفرینش سے ان کا فاصلہ کچھ دور نہیں رہتا۔ مگر جب قدرت نے خود ارادہ کر لیا تو اس نے پہاڑوں کی سنگینی، بجلیوں کے زور، طوفان کے شور، آندھیوں کی بلاخیزی، بادلوں کی گرج، درختوں کی بلندی، صحرا کی وسعت، صبح کی بہار آفرینی شام کی رعنائی، راتوں کے سکون، پھولوں کی لطافت، کلیوں کی نزاکت، بادصبا کی شوخی، آبشاروں کے ترنم اور بہت سی متضاد چیزوں کو جمع کر کے ایک وجود بنایا اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس کا نام رکھا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۱۹۱۹ء سے لے کے 1947ء تک کشمیر سے لے کر راس کماری تک ہر صوبہ ہر شہر اور ہر بستی میں چیختا اور چلاتا، روتا رولاتا، ہنستا بولتا، گرجتا برستا پھرتا رہا شاید ہی کوئی شہر ہو جس کی فضاؤں میں بخاری کی تقریروں کی روانی ایک پوشیدہ قوت بن کر جاگزیں نہ ہو۔

ہندوستان کے مسلمان بخاری کو بھول جائیں مگر یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں جب کوئی ایک مسلمان کیسی پرشانی سے رویا ہے تو عطاء اللہ شاہ کے آنسوؤں نے اس کا ساتھ دیا ہے جب بھی کسی

مظلوم نے اسے آواز دی تو وہ سینہ تان کر اس کی حماعت میں سامنے آ گیا ہے۔ گجرات، ملتان، دہلی، علی پور (بنگال)، لاہور، امرتسر، راولپنڈی اور میانوالی کی جیلیں اس کی یادگار ہیں۔ آج نہ سہی ایک وقت ضرور آئے گا جب آنے والی نسلیں ان جیلوں کو بخاری کی قیام گاہ کی حیثیت سے آثار قدیمہ میں شامل کر دیں گی۔

آج تاج محل، مغل آرٹ کا ایک نشان اور ہندوستان کی عظمت کا ایک باوقار نمونہ ہے۔ وقت مجبور کرے گا کہ امرتسر اور ملتان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مکانات کو اپنی تاریخ حریت کی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جائے۔

لاہور کے ایک جلسہ میں پیغمبر برحق ﷺ کی توہین کرنے والے ایک مصنف کے خلاف احتجاج کیا جا رہا تھا۔ لاکھوں کے مجمع میں بخاری نے کہا کہ وہ دیکھو سامنے خدیجۃ الکبریٰ کھڑی شکایت کر رہی ہیں کہ میرے شوہر نامدار کی توہین کی گئی ہے اور لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہ بولا۔ لو وہ سنو فاطمہ زہرا فرماتی ہیں کہ میرے بادا جان کی بے عزتی کی گئی ہے اور ان کی امت نے کچھ نہ کیا۔ تو لاکھوں کے اس مجمع کی چیخیں نکل گئیں اور سینکڑوں مسلمان عورتوں نے اپنے شیر خوار بچوں کو شاہ جی کے سامنے پھینک دیا کہ ہم اپنے جگر گوشوں کو ناموس رسالت پر قربان کرتے ہیں۔ کوئی اور بھی اگر ایسا جادو بیان خطیب ہو تو مجھے بتاؤ۔

جن دنوں انجمن خدام الدین کے جلسہ میں ابا جی نے شاہ جی کے ہاتھ پر بیعت کی ان دنوں شاید اخبار انقلاب لاہور میں ایک نظم چھپی تھی جسے اس زمانہ کے مشہور اخبار سیاست نے بھی خوب مزے لے لے کر چھاپا تھا اس کے پہلے چند اشعار میں تو نمک کے محصول کے سلسلہ میں ابا جی کے ایک مشہور فتویٰ کا مذاق اُڑایا تھا۔ اس فتویٰ کا اس زمانہ میں اس وجہ سے بہت چرچا ہو گیا تھا کہ گاندھی نے اس فتویٰ کو سامنے رکھ کر نمک سازی کی اپنی مشہور تحریک شروع کی تھی۔

اس نظم میں ابا جی کی بیعت کا یوں ذکر کیا گیا تھا کہ۔

کی ہے اک شاگرد کی استاد نے بیعت قبول ۔۔۔ بڑھ گیا ہے مہر سے کس درجہ رتبہ ماہ کا
انقلاب آسماں دیکھو کہ اک ادنیٰ مرید ۔۔۔ پیر انور شاہ جیسا ہے عطا اللہ کا

اور بادی النظر میں یہ بات واقعی حیرت انگیز تھی کہ ابا جی شاہ جی کی بیعت کریں۔ مگر یہاں "میان عاشق و معشوق رمزیست" کا معاملہ تھا۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلا کہ مرید نے مرشد میں کیا جوہر دیکھے اور

کیوں اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ شاہ جی کا نام آیا اور ابا جی کے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل گئی کسی نے شاہ جی کی تعریف کی تو خوش ہو گئے کسی نے شاہ جی کو بُرا کہا تو بگڑ گئے۔

ابا جی کو اخبار پڑھنے کی کبھی عادت نہ تھی مگر صرف شاہ جی کی خبریں معلوم کرنے کے لیے اخبار پڑھنے والوں سے جب خیال آ جاتا تو پوچھتے کہ بھائی شاہ جی کی خبر ہے؟ کہیں تقریر کی یا نہیں؟ کہاں ہیں؟ ادھر دیو بند کی طرف تو آنے کی خبر نہیں؟

اللہ اللہ محبت، شفقت کا کیا عالم تھا۔ ایک دفعہ اسی طرح مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ آج اخبار میں شاہ جی کی کوئی خبر تھی کہ نہیں؟ میں نے جھنجھلا کر کہا کہ کوئی نہیں؟ فرمایا کہ الجمعیۃ بھی دیکھا تھا یا نہیں؟ میں نے کہا دیکھا تھا اس میں بھی کوئی خبر نہیں تھی ارشاد ہوا کہ اور زمیندار؟ میں اس کھود کرید سے تنگ آ گیا لہک کر بولا کہ جی اس میں خبر تھی کہ شاہ جی گرفتار ہو گئے۔ میری آنکھوں کے سامنے اٹھارہ انیس سال پہلے کا یہ نقشہ جوں کا توں موجود ہے۔ اس طرح کہ گویا یہ واقعہ آج ہی ہوا ہے۔ ابا جی چار پائی پر اپنے گھر درے، بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ یہ سنتے ہی اُٹھ بیٹھے۔ گھبرا کر پوچھا کہ گرفتار ہو گئے؟ کہاں گرفتار ہو گئے؟ بھائی کیا معاملہ ہے ذرا تفصیل سے سناؤ۔ ان کے گھبرا کر اُٹھ کر بیٹھنے اور اس طرح سوالات کرنے سے مجھ کو احساس ہوا کہ میرا یہ جھوٹ ابا جی کے لئے بدرجہ غایت تکلیف دہ ہو گا۔ یہاں تو محض دفع الوقتی کے لئے جھوٹ بولا تھا مگر اب یہ جھوٹ جان لے کر رہے گا۔ پریشان ہوا کہ آخر کیا کروں اور دل نے فوراً فیصلہ کیا کہ اس شاندار جھوٹ کو واپس لے لینے ہی میں عافیت ہے۔

میں نے عرض کیا کہ میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا۔ شاہ جی کہیں گرفتار نہیں ہوئے۔ ۱۴ مئی کو دہلی میں جلسہ ہے شاہ جی اس جلسہ میں شرکت کے لئے دہلی آنے والے ہیں۔

بے ساختہ فرمانے لگے کہ نعوذ باللہ جھوٹ کسی ضرورت اور حاجت سے بولا جاتا ہے۔ آپ کچھ عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ بظاہر جھوٹ بولتے ہیں آپ کا کوئی نفع نہیں تھا مگر آپ نے بے ساختہ جھوٹ بولا۔ گویا آپ ضرورتاً نہیں بلکہ عادۃً جھوٹ بولتے ہیں۔ حق تعالٰی آپ کو ہدایت فرمائے۔ آپ کو نیک عمل کی توفیق دے۔ آپ کا حال تو ہمارے نزدیک بہت افسوس ناک ہوتا جا رہا ہے۔

شاہ جی ایک دفعہ دیو بند تشریف لائے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ساتھ تھے۔ اور قیام

ہمارے ہی مکان پر تھا۔ میں ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہم جس مکان میں اب مقیم ہیں اس مکان میں بھی ابا جی سات سال تک ہمارے ساتھ رہے مگر اس سات سال کے عرصے میں صرف ایک مرتبہ یہ موقع آیا کہ ابا جی گھر کے باورچی خانہ میں تشریف لائے۔ صرف ایک مرتبہ اور یہ موقع وہی تھا جب شاہ جی ہمارے مہمان تھے۔ ابا جی نے باہر سے آتے ہی والدہ کو آواز دی۔ وہ باروچی خانہ میں تھیں آواز کا جواب نہ دے سکیں۔ جلدی سے ابا جی باروچی خانہ میں تشریف لے آئے۔ اماں سے فرمانے لگے کہ ارے سنتی ہو! آج ہمارے ایک بہت معزز مہمان آیا ہے۔ بہت زیادہ معزز۔ اس کی تواضع اور مہمان داری بہت اچھی طرح کرنی چاہیے۔ ابھی کسی ہمسائے کے یہاں سے ایک دو مرغ منگواؤ۔ ان کا شوربا پکالو۔ چاول پکاؤ کوئی میٹھی چیز بھی پکالو۔ شام کو بڑے سلیقہ اور فراغت سے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔

آپ لوگوں کے نزدیک یہ کوئی بات نہ ہوگی۔ کہ ہر شخص اپنے مہمانوں کی تواضع کرنا اور اسکی مدارات کے لیے مختلف اہتمام کرتا ہے مگر ابا جی کا معاملہ عام لوگوں سے الگ تھا۔ ان باتوں اور جھگڑوں سے ان کی بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ میں نے قرآن شریف ناظرہ سے شروع کر کے پورا حفظ کرلیا اور اس میں مجھے دو تین سال لگے۔ مگر ابا جی کو اس ساری مدت میں یہ نہ معلوم ہوا کہ از ہر کیا پڑھتا ہے۔ جس دن میں قرآن پاک کے حفظ سے فارغ ہوا۔ اس دن مولانا سراج احمد صاحب رشیدی مرحوم نے جو ابا جی مرحوم کی مجلس علمی کے ایک معزز رکن اور اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے ابا جی کو مبارک دی۔ فرمانے لگے یہ تو ہماری توقع اور علم کے بغیر ایسا ہوگیا ہے۔ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں تھا کہ از ہر حفظ کر رہا ہے۔ اور حفظ بھی اب ختم ہوگیا ہے۔ آپ اندازہ کیجیے کہ جس شخص کو دنیا داری سے اتنی بے تعلقی ہو شاہ جی کے حال پر اس کا یہ التفات، یہ محبت اور یہ توجہ قابل ذکر چیز ہے یا نہیں؟

شاہ جی کا تعارف ابا جی سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوں نے کرایا تھا۔ وہی اس آزاد منش، رند پارسا کو گھیر گھار کر ابا جی کے پاس لائے اور پھر مدت العمر دونوں ان کی بارگاہ میں مقبول رہے۔

قادیانیت کے سلسلہ میں شاہ جی نے جتنا کام کیا سب ابا جی کے اشارہ و ارشاد پر شاہ جی کی تقریریں پسند کی جاتیں تو ابا جی کا سیروں خون بڑھتا۔ وہ تردید قادیانیت کے لئے لمبے لمبے دورے کرتے تو ابا جی کی نگاہیں ان کے ہر قدم پر رہتی۔ ڈابھیل میں مسجد مدرسہ میں انکا معمول تھا

کہ جمعہ کوتقریر فرمایا کرتے ۔ایسی تقریر جس میں صرف مغز مغز ہوتا تھا۔ الفاظ بالکل نہیں ۔ نہ کوئی ابتداء ہوتی تھی اور نہ انتہا۔ تقریر ختم کر چکے مجمع اُٹھ گیا۔ خود منبر سے اتر آئے مگر کوئی بات پھر ذہن میں آ گئی تو دوبارہ پھر منبر پر جا بیٹھے اور تقریر شروع فرما دی۔ ایک دن خطبہ مسنونہ کے بعد صرف یہی مضمون بیان ہوا کہ پنجاب میں ایک صاحب مل گئے ہیں۔ صاحب توفیق صاحب صلاحیت صاحب سواد خود کام کرتے ہیں ۔ مولویوں کی طرح نہ خواہش زر میں مبتلا ہیں اور نہ خواہش شہرت میں بس بے چارے محض اللہ کے لئے کام کئے جاتے ہیں ۔ ہم نے قادنیت کے متعلق انہیں توجہ دلائی کہ یہ فتنہ عظیم صحیح اسلام کو جڑ سمیت اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کر بیٹھا ہے۔ آپ کیوں نہ اس فتنہ کے خلاف کچھ کام کر گزریں۔ آپ کا وہ کام دین میں آپ کے لئے نفع رساں ہوگا۔ اور دنیا میں اس سے اہل دین کو فائدہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر پھر شاہ جی کا نام لیا۔ فرمایا کہ بڑوں سے جو کام نہ ہوا وہ اس غریب نے کر دکھایا (طلباء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) آپ تو مدرسہ کی روٹیاں کھا کر ہر وقت بحث و مباحثہ میں لگے رہتے ہیں دین کی کوئی محبت آپ حضرات کے دل میں نہیں عطاء اللہ شاہ بخاری اگر یہاں آ گئے تو آپ ان سے ملے وہ عجیب آدمی ہیں۔

میرے خیال میں اباجی کے انہیں الفاظ کو سامنے رکھ کر حفیظ جالندھری نے ایک دفعہ کہا تھا کہ دور اول کے مجاہدین اسلام کے گروہ سے ایک سپاہی راستہ بھول کر اس زمانہ میں آ نکلا ہے وہی سادگی، مشقت پسندی یکسر عمل اخلاص اور اہلیت جو ان میں تھی وہ عطاء اللہ شاہ بخاری میں بھی ہے۔

لاہور کا تاریخی اجلاس جس میں آپ امیر شریعت بنائے گئے

مئی 1930ء کا جو تاریخی اجلاس انجمن خدام الدین لاہور کا ہو رہا تھا۔ جس کا سماں آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے اس وقت امام شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی مولانا ظفر علی خان نے امارت کے لیے پیش کیا۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر تقریر فرمائی اور اپنی کمزوری کی وجہ سے معذرت پیش کی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی امارت کی نہ صرف تجویز دی بلکہ امیر بنا کر فرمایا میں بھی اس مقصد کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں آپ حضرات بھی ان سے بیعت کریں اور

اپنے دونوں ہاتھ مبارک سید بخاری کے ہاتھ میں دے دیئے۔ وہ منظر بھی عجیب تھا کہ مولانا عطا اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے اور کہتے ہیں کہ خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں میں اس کا اہل نہیں اور حضرت شیخ اصرار فرما رہے ہیں۔ اس وقت سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے پہلی بیعت فرمائی۔ پھر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے بیعت کی راقم الحروف بھی اس مجمع میں شریک تھا اور غالباً تیسرا نمبر بیعت کرنے والوں میں میرا تھا۔ اس وقت شاہ جی امیر شریعت بنائے گئے اور ان کی شخصیت میں مقبولیت اور جاذبیت کا دور شروع ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ تھا اور اس کے بعد اخلاق کے ساتھ خدمت کی توفیق ان کو ملی۔ وہ ان کی زندگی کا تاریخی دور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی یہ عام مقبولیت اور مجاہدانہ سرگرمیاں منصفانہ خدمات اور حیرت انگیز تاثیر اور بے پناہ محبوبیت حضرت مولانا انور شاہ کی کرامت تھی۔ اپنے ہاتھ مبارک جو ان کے ہاتھوں میں رکھ دیئے تھے اس کی وجہ تھی اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو جو قادیانی فرقہ سے بغض وعناد تھا اس نے عطاء اللہ کی صورت میں اختیار کر لی تھی۔ دراصل شاہ جی کا وجود حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی کرامت تھا۔ جس کی وجہ سے علماء صلحاء، عرفاء و اتقیاء وقت بڑے بڑے اہل فضل وکمال مولانا عطاء اللہ کے جان نثار محبّ والہانہ معتقد بن گئے تھے۔

(ماہنامہ نصیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر حصہ اول 332)

احرار کی جانفشانیاں

جب ملک کے اندر ضمنی انتخاب کا مرحلہ آیا تو مسلم لیگ نے احرار کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے بعض قادیانیوں کو بھی مسلم لیگ کے ٹکٹ دیئے۔ جن پر احرار نے سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اور اعلان کر دیا کہ وہ قادیانی امیدواروں کی مخالفت کرے گی۔ خواہ ان کے پاس مسلم لیگ کا ہی ٹکٹ کیوں نہ ہو۔ ہر اس قادیانی کی مخالفت ہوگی جو الیکشن میں مسلمانوں کا نمائندہ بن کر اسمبلی کا ممبر بننے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ احرار اسلام نے چک جھمرہ کے حلقے میں بھی ایک قادیانی امیدوار عصمت اللہ کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے حلقوں میں بھی قادیانی امیدوار کھڑے کے گئے۔ ہر جگہ ہر قادیانی کے مقابلے میں احرار ڈٹ گئے اور انہیں ناکام بنانے کے لیے کوششیں شروع کر دی گئیں۔ چک جھمرہ کے حلقے میں قادیانی امیداور کے خلاف وسیع پیمانے

پر عوامی جلسوں کا اہتمام کیا گیا جن میں سے کئی جلسوں سے امیر شریعت نے بھی خطاب فرمانا تھا۔ شاہ جی نے ریل گاڑی کے ذریعے فیصل آباد ریلوے اسٹیشن پر اترنا تھا۔ انسانوں کا جم غفیر آپ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا۔ استقبال کرنے والے خوش نصیبوں میں، میں بھی تھا۔ جب آپ کی گاڑی ریلوے اسٹیشن پر آکر رکی تو فضا نعرہ تکبیر کی صداؤں سے گونج اُٹھی۔ امیر شریعت زندہ باد کے نعروں سے ماحول تھرا گیا۔

گاڑی کے جس ڈبے میں امیر شریعت موجود تھے۔ اس کے ساتھ والے ڈبے میں علاقے کے بہت بڑے پیر جو مولوی قطبی کے نام سے معروف تھے۔ بھی موجود تھے۔ انہیں بھی کسی کام کے سلسلے میں فیصل آباد میں ہی اترنا تھا۔ ان کی نگاہ جب امیر شریعت پر پڑی تو انہوں نے ازراہ احترام شاہ جی سے فرمائش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آپ کا بستر میں اُٹھالیتا ہوں۔ شاہ جی (غالباً انہیں پہلے سے ہی جانتے تھے) جواب میں فرمایا کہ یہ بوجھ تو میں اکیلا بھی اٹھالوں گا تم اس بوجھ میں میرا ہاتھ بٹاؤ جو رد قادیانیت کے سلسلے میں مجھ پہ آن پڑا ہے۔ آؤ میرے ساتھ مل کر قادیانی امیدوار کے خلاف تقریر کرو اور اسے ناکام بنانے میں میرا ساتھ دو۔ سنا ہے اس علاقے میں تمہارے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ انہیں منع کرو کہ قادیانی امیدار کو ووٹ نہ دیں تاکہ قادیانیوں کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت میں ان کے ووٹوں کے ذریعے اسمبلی کے رکن ہیں۔ چنانچہ پیر قطبی نے حامی بھر لی اور دوسرے روز ہم نے دیکھا کہ جلسہ گاہ میں وہ بھی موجود تھے۔ یہ خوبی تو حضرت شاہ جی میں بدر جہاتم موجود تھی کہ وہ راہ جاتے ایک فرد کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے اور اس سے دین کی خدمت کا کام لیتے تھے۔

چنانچہ انتخابی معرکہ آج تک لوگوں کو یاد ہے۔ میں خود روزانہ سائیکل پر سوار ہو کر علاقے کے اندر ہمیشہ جلسوں میں احرار رضا کاروں کے ساتھ شریک ہو کر لوگوں کے جذبہ ایمانی سے اپنے ایمان کو تازہ کرتا۔ مسلمانوں کا جذبہ ان کا ولولہ اور جوش و خروش دیدنی تھا۔ شاہ جی پر نچھاور ہوتے جاتے اور کہتے کہ انشاء اللہ ہم اس قادیانی کو مسلمانوں کا نمائندہ نہیں بننے دیں گے۔ مجھے یاد ہے کہ چک جھمرہ کے ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں اور احرار رضا کاروں کے درمیان ایک زبردست لڑائی بھی ہوئی تھی۔ جس میں قادیانی امیدوار عصمت اللہ خود بھی زخمی ہوا تھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اسی انتخابی معرکہ کے دوران اس وقت کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان لائل پور ریلوے اسٹیشن پر ایک سپیشل سیلون کے ذریعے پہنچے۔ان کے پروگرام میں قادیانی مسلم لیگی امیدوار کے حق میں تقریر کرنا تھی۔اس پروگرام پر علاقے کے مسلمان اچھے خاصے مشتعل تھے۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ لیاقت علی خان عصمت اللہ کے حق میں انتخابی تقریر کریں۔لیکن احراری حلقے اس بات پر متفکر بھی تھے کہ اگر لیاقت علی یہ تقریر کر گئے تو الیکشن میں ہمارے خلاف ایک غلط تاثر قائم ہوگا۔اور شاید قادیانی امیدوار جیت بھی جائے۔اس طرح امیر شریعت کی اس تحریک کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ادھر احراری حلقے اس سوچ میں تھے اور ادھر قدرت کاملہ بھی اپنا کام کر رہی تھی۔قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ انہوں نے ریلوے اسٹیشن پر خان لیاقت علی خان کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کی۔تاکہ وزیراعظم کو قادیانیت کے خدوخال سے آگاہ کر کرے انہیں جلسے میں خطاب سے باز رکھیں۔چنانچہ اس کوشش میں وہ کامیاب ہو گئے۔دس منٹ کی ملاقات تقریباً ایک گھنٹے کی ملاقات میں تبدیل ہوگئی۔قاضی صاحب نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ قادیانیت کا تاروپود ان کے سامنے بکھیرا کہ اس بات پر متفق ہو گئے اور تقریر کیے بغیر واپس چلے گئے۔خان لیاقت علی خان نے قاضی صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ نہ صرف اس حلقے میں بلکہ ملک بھر میں کسی قادیانی امیدوار کے حلقے میں تقریر نہیں کریں گے۔انہیں قادیانیت اور اس کی در پردہ سازشوں سے واقفیت ہو چکی تھی۔

ان دونوں رہنماؤں کے درمیان کچھ ایسے وعدے بھی ہوئے جو مستقبل قریب میں قادیانیت کے لیے نقصان دہ ہو سکتے تھے۔اس بات کا علم جب قادیانیوں کو ہوا تو وہ پھر خبردار ہو گئے۔یہی وجہ ہے کہ قادیانی اس سازش میں برابر کے شریک تھے جو لیاقت علی خان کو شہید کرنے کے لیے کی گئی تھی۔اگر اس مقدمہ شہادت میں دیانت داری سے کام لیا جاتا اور مقدمہ کی ساری فائل کو ضائع نہ کیا جاتا تو قادیانی سازش اس وقت طشت ازبام ہو جاتی۔بہرحال وزیراعظم خان لیاقت علی خان کے واپس چلے جانے سے قادیانی حلقے پر اوس پڑ گئی اور وہ بری طرح مایوس ہو گئے۔انتخاب کے نتائج کا جب اعلان ہوا تو پورے ملک کے اندر ایک قادیانی بھی فتحیاب نہ ہو سکا۔یہ سب کچھ اللہ

تعالیٰ کا کرم اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں مجلس احرار اسلام پاکستان مما قادیانی اور قادیانی نواز حکمرانوں کے خلاف پہلا کارنامہ تھا۔ جس پر ملت اسلامیہ امیر شریعت کی ممنون ہے۔

(ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" امیر شریعت نمبر حصہ دوم ص ۱۱۱۔۱۱۲)

ایک ٹکراؤ

اگرچہ امیر شریعت انتخابات ۔کے دنوں پنجاب کے علاوہ صوبہ یوپی میں بھی مصروف تھے۔ تاہم ان کی زیادہ تر توجہ کا مرکز ڈسکہ کی سیٹ تھی۔ چودھری سرظفر اللہ خان ہمیشہ اسی سیٹ سے مسلمانوں کے ووٹوں سے کامیاب چلا آ رہا تھا اور آج اس کا بھائی چودھری اسد اللہ خان ایڈووکیٹ اسی سیٹ پر الیکشن کے میدان میں سامنے آیا تھا۔ سرظفر اللہ خان اپنی جاٹ برادری اور ضلع میں مقبول عام تھا۔ سرکاری اثر و رسوخ بھی اسے پناہ دیے ہوئے تھا۔ اس تحصیل کے مسلمانوں پر چودھری ظفر اللہ خان کا اثر ریاستی نواب کی طرح تھا۔ ایسے حالات میں یہ ٹکراؤ بڑے جان جوکھوں کا کام تھا۔ خصوصاً جبکہ الیکشن بھائی چارے اور برادریوں کے نام پر لڑے جارہے ہوں۔

بڑی دوڑ دھوپ کے بعد اسی برادری کے ایک معزز جاٹ چودھری غلام رسول ستراہ جو اپنے حلقہ میں خاصے رسوخ کے مالک تھے مجلس احرار کے ٹکٹ پر انتخاب لڑنے کے لیے آمادہ ہوئے۔ چودھری غلام رسول کے پاس روپیہ، برادری کا اثر رسوخ سب کچھ تھا لیکن سرکاری دباؤ کا خوف سر راہ تھا۔ دوسری جانب مجلس احرار سمجھتی تھی کہ یہی شخصیت سرظفر اللہ کے کفر کو توڑ سکے گی۔ چنانچہ ایک رات امیر شریعت نے چودھری غلام رسول سے کہا:

"دیکھو غلام رسول اس وقت پیغمبر اسلام ﷺ کی عزت کا سوال ہے۔ غیر ملکی حکومت کا نمائندہ (وائسرائے) کہتا ہے محترم ظفر اللہ کو مسلمان نہیں کہتے۔ لیکن اس حلقہ کا مسلمان تو اس کو ووٹ دے کر منتخب کرتا ہے۔

چودھری صاحب! اگر آج اس سیٹ سے اس خاندان کا کوئی فرد جو حضور سرور کائنات ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا، مسلمانوں کے ووٹ سے اسمبلی میں چلا گیا تو قیامت کے دن تم مجرم قرار

ہو گے۔ کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے دنیوی خوبیوں سے نوازا ہے۔ برادری میں تمہارا اثر اس سے کم نہیں، دولت اور عزت تمہیں بھی خدا نے دی ہے۔ حکومت میں تمہارا بھی وقار ہے"۔

"شاہ جی میں بہت ہی سیاہ کار ہوں اس کے باوجود آپ حکم دیتے ہیں تو حاضر ہوں۔ لیکن میرے پاس برادری کی وہ قوت نہیں جو چودھری سر ظفر اللہ خان کے پاس ہے۔ روپیہ تو خرچ کر سکتا ہوں۔ لیکن حلقہ اور برادری کے ذمہ دار لوگ شاید میرا ساتھ نہ دیں"۔

امیر شریعت" نے چودھری غلام رسول کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا:

"تم اللہ کے رسول ﷺ کی عزت رکھو۔ اللہ تمہاری عزت کا وارث ہوگا۔ مجلس احرار کی سرخ فوج آج سے تمہارے حلقہ میں متعین کر دی گئی ہے۔ بے فکر رہو"۔

پولنگ شروع ہونے میں قریباً ایک ماہ باقی تھا کہ ڈسکہ سیٹ کی مہم شروع کی گئی۔ امیر شریعت دوسرے حلقوں کے علاوہ اس حلقہ میں زیادہ وقت اور توجہ صرف کرتے۔ مرکزی حکومت کے اشارے پر حکومت پنجاب نے بھی اسی سیٹ پر خاصی توجہ دی۔ امیر شریعت نے گاؤں گاؤں پھر کر جاٹ برادری کو خصوصیت کے ساتھ حضور خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے ناموس پر اپیل کی کہ وہ اپنا ووٹ برادری کے نام پر نہیں بلکہ حضور ﷺ کے نام پر دیں۔ تاکہ دشمنان دین کے تمام منصوبے خاک میں مل جائیں۔ اس سلسلے میں امیر شریعتؒ جب گھوئنکے (ضلع سیالکوٹ) پہنچے تو وہاں نماز جمعہ پڑھانے کا پروگرام تھا۔

چودھری عبدالغنی گھسن معہ اپنی جاٹ برادری کے بندوقوں، پستولوں اور دوسرے اسلحہ سے مسلح ہو کر آن پہنچے کہ ہم عطاء اللہ شاہ بخاری کو تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ (یہ لوگ چودھری اسد اللہ کے حامی تھے) امیر شریعت نے کہا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں صرف جمعہ کی نماز پڑھ لوں؟ اس پر انہوں نے ہاں کہہ دی۔ چنانچہ نماز سے پہلے امیر شریعت نے قرآن پاک کا ایک رکوع پڑھا اور مخالفین سے پوچھا۔ اگر آپ حکم دیں تو اس آیت کی تشریح کر دوں۔ اس پر مخالفین کے دو حصے ہو گئے۔ ایک گروہ تشریح کے حق میں تھا اور دوسرا مخالف۔ آخر شاہ جی نے قرآن کریم کی تفسیر شروع کی بس پھر کیا تھا کہ جمعہ کی نماز بھی مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ بعد پڑھی گئی۔ آخر میں مخالفین امیر شریعت کے ہمنوا ہو گئے اور چودھری عبدالغنی کو اپنے ارادے میں بری طرح شکست ہو گئی۔

چونکہ امیر شریعت جاٹ برادری کے دل اپنے قبضے میں کر چکے تھے۔ ہزار جدوجہد کے باوجود

سرکار کا اثر ورسوخ بھی کوئی کام نہ دے سکا۔ یہ لڑائی مسلمان اور مرزائی کے عنوان پر لڑی گئی۔ امیر شریعت کی مسلسل اور پیہم تقریروں سے ڈسکہ تحصیل کا مسلمان، مرزائی اور مسلمان کے درمیان حد فاصل کو سمجھ گیا اور جب اس الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو چودھری غلام رسول ستراہ نے چودھری اسد اللہ ایڈووکیٹ کو ہزاروں ووٹوں سے شکست دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طور پر اس گھرانے کا وقار ڈسکہ سے ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور تحریک مرزائیت کو خاصا نقصان پہنچا۔

(حیات امیر شریعت ۲۰۸ تا ۲۱۰ از جانباز مرزا)

قادیان کانفرنس

اس کانفرنس کا انعقاد اکتوبر 1937ء کے تیسرے ہفتے میں ہوا اور اس کانفرنس کے لیے 22,21 اور 23 اکتوبر کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس کے لیے ایک سکھ زمیندار کی اراضی حاصل کی گئی تھی۔ اس زمیندار کا نام ایشر سنگھ تھا۔ اس اراضی پر پنڈال بھی تیار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن مرزائیوں نے اس اراضی پر قبضہ کر لیا۔ اب احراریوں کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا یا تو وہ اراضی کے لیے لڑتے یا شہر سے دور کانفرنس منعقد کرتے۔ احرار نے جھگڑا کرنے سے گریز کیا کیونکہ اس وقت مرزائیوں کی مسلسل کوشش یہی تھی کہ فساد کرایا جائے اور اس بنیاد پر کانفرنس کو امن عامہ کے خلاف ثابت کر کے بند کروایا جائے۔ مجلس احرار مرزائیوں کے اس ارادے کو بھانپتی تھی۔ چنانچہ اس اشتعال کے باوجود مجلس احرار نے ایشر سنگھ کی اراضی پر کانفرنس منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد قادیاں سے ایک میل کے فاصلے پر ڈی اے وی سکول کے پہلو میں پنڈال تیار کیا گیا۔

کانفرنس سے دو دن پہلے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار نے قادیاں سے یہ خبر بھیجی تھی جس میں اس کانفرنس کے خدوخال اور اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ "مجلس احرار 21-22 اور 23 اکتوبر کو ایک تبلیغی کانفرنس قادیان میں منعقد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل یہ مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کانفرنس سے ان کا جان و مال خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حفاظت کے لیے لا تعداد دیہاتیوں اور اپنے مریدوں کو قادیان میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ ادھر احرار کی اس کانفرنس میں ۲۰ سے لے کر ۵۰ ہزار کا ہجوم ہے۔ مزید آں کانفرنس کے منتظمین کا مطالبہ ہے کہ ان کو کانفرنس کے صدر کا جلوس نکالنے کی اجازت ہونی چاہیے اور یہ جلوس قادیاں شہر میں سے گزرے۔

اس کانفرنس کے پیش نظر آج صبح پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خود بہ نفس نفیس قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ پولیس کی بھی ایک بھاری جمعیت تھی۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولیس نے کانفرنس

وغیرہ کا موقع دیکھا اور احکام جاری کر دیے کہ اگر اس کانفرنس کے دوران قادیانیوں نے کوئی اجتماع منعقد کرنے کو کوشش کی تو یہ اجتماع خلاف قانون متصور ہوگا۔ انسپکٹر جنرل پولیس نے احراریوں اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو بھی متنبہ کیا کہ وہ کانفرنس میں کسی قسم کے ہتھیار کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ لاٹھیوں کو بھی ساتھ لانے کی ممانعت کر دی گئی۔ مزید برآں کانفرنس میں شرکت کے لیے آنے والے لوگوں کے لیے ایک خاص راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ نیز اگر کسی قسم کا جلوس نکالا جائے تو اسے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج قادیان میں امن وامان بحال رکھنے کے لیے چار سو پولیس کے سپاہی پہنچ جائیں گے۔ احراری ہر حالت میں کسی قسم کے جھگڑے سے اجتناب کریں گے۔ اس کانفرنس کا پنڈال ڈی اے وی سکول میں بننا شروع ہو گیا ہے اور ارد گرد کے تمام علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے اور لاٹھیاں ساتھ نہ لانے کی بھی منادی کرادی گئی ہے"۔

امیر شریعت کی کانفرنس میں آمد اور تقریر

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورے پنجاب میں اس کانفرنس کے کس قدر چرچے تھے اور کتنے گوشوں سے اس کانفرنس کی کامیابی اور ناکامی کی خبروں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فضا میں یہ کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی، لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے تو اس کانفرنس کے صدر سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے۔ ہزارہا انسانوں کا ہجوم اور امیر شریعتؒ کی پنڈال میں آمد۔ اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہیں جس کی زبان گنگ ہوگئی تھی۔ جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کر لیا تھا۔ جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفید آ گئی تھی۔ یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھا۔ جس کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے۔ جو لاوڈ اسپیکر کے بغیر لاکھوں کے مجمع کو مسخر کر سکتا تھا۔ جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی، قمقموں کی وشنی اور اتنے میں حسن ونور کے پیکر، شعلہ بیاں خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد۔

تم آ گئے تو از سر نو زندگی ہوئی

بس پھر کیا تھا مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم اور اب وارفتگی اور دیدار یار کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے اور اس بے تابی اور وارفتگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے شاہ صاحب

ہیں کہ مسکراتے ہوئے، مجمع کو چیرے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے، چاروں طرف نگاہ مست انداز سے دیکھا۔ بس پھر کیا تھا۔ نعروں کا ایک اور سیل ٹوٹ پڑا اور امیر شریعت فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ مجمع خاموش ہوا، تلاوت ہوئی، نظم ہوئی۔ اب سے پچیس برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرایئے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ صاحبؒ کی تاریخی تقریر کی دبیز تہیں چڑھی ہوئی ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے بھی کوئی ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہوگی اور رات تھی کہ وہ بھی دم بخود گزرے جا رہی تھی۔ لیکن شاہ صاحبؒ کی شعلہ بیانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا:

وہ مرزا (محمود) نبی کا بیٹا ہے اور میں نبی کا نواسہ ہوں۔ وہ آئے اور مجھ سے اُردو پنجابی، فارسی، ہر زبان میں بحث کرے۔ یہ جھگڑا آج ہی طے پا جاتا ہے۔ وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اُٹھائے، کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دیکھے ہر رنگ میں آئے۔ میں ننگے پاؤں آؤں اور وہ حریر پرنیاں پہن کر آئے۔ میں موٹا جھوٹا پہنا کر آؤں۔ وہ مزعفر کباب یاقوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر ٹانک وائن پی کر آئے۔ میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آؤں، ہمیں میدان ہمیں گو"۔

یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع ہوئی تھی۔ جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا لوگوں نے سننا شروع کی تھی۔ یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع پر ہو کا عالم طاری رہا۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو، جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوئی ہو۔ اتنے میں صبح کا نور پھیلنا شروع ہو گیا اور موذن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی۔ لیکن موذن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریا کو بند مار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں کم خطیب اور مقرر ایسے گزرے ہیں۔ جنہوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو۔ جنہوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو۔

کوئی آیا نہ آئے گا لیکن
کیا کریں گر نہ انتظار کریں

("بیس بڑے مسلمان، 875-876-877)

مسٹر کھوسلہ کا فیصلہ

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے تاریخی مقدمے میں ان کی اپیل پر مسٹر کھوسلہ جج سیشن گورداسپور نے بزبان انگریزی جو فیصلہ صادر کیا ہے اس کا اُردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

مرافع گذار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تعزیرات کی دفعہ ۱۵۳ الف کے ماتحت مجرم قرار دیتے ہوئے اس تقریر کی پاداش میں جو انہوں نے 21 اکتوبر 1934ء کو تبلیغ کانفرنس قادیان کے موقعہ پر کی چھ ماہ کی قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔

مرزا اور مرزائیت

مرافع گذار کے خلاف جو الزام عائد کیا گیا ہے اس پر غور وخوض کرنے سے قبل چند ایسے حقائق و واقعات بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا تعلق امور زیر بحث سے ہے۔ آج سے تقریباً پچاس سال قبل قادیان کے ایک باشندے مسمی غلام احمد نے دنیا کے سامنے یہ دعویٰ پیش کیا کہ میں مسیح موجود ہوں اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے اسقف اعظم کی حیثیت بھی اختیار کر لی اور ایک نئے فرقے کی بنا ڈالی جس کے ارکان اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی تھے لیکن ان کے بعض عقائد اور اصول عقائد اسلامی سے بالکل متبائن تھے اس فرقے میں شامل ہونے والے لوگ قادیانی مرزائی یا احمدی کہلاتے ہیں اور ان کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ فرقہ مرزائیہ کے بانی (مرزا غلام احمد) کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

قادیانیت کی تاریخ

بتدریج یہ تحریک ترقی کرنے لگی اور اس کے مقلدین کی تعداد چند ہزار تک پہنچ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے مخالف ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کی اکثریت نے مرزا کے دعاوی بلند بانگ خصوصاً اس کے دعاوی تفویق دینی پر بہت ناک منہ چڑھایا اور مرزا نے ان لوگوں پر کفر کا الزام لگایا اس کے جواب میں ان لوگوں نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا مگر قادیانی حصار میں رہنے والے اس بیرونی تنقید سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئے اور اپنے مستقر یعنی قادیان میں مزے سے ڈٹے رہے۔

قادیانیوں کا تمرد اور شوری پشتی

قادیانی مقابلتاً محفوظ تھے۔ اس حالت نے ان میں تمردانہ غرور پیدا کیا دیا انہوں نے اپنے دلائل دوسروں سے منوانے اور اپنی جماعت کو ترقی دینے کے لئے ایسے حربوں کا استعمال شروع کیا جنہیں ناپسندیدہ کہا جائے گا۔ جن لوگوں نے قادیانیوں کی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کیا انہیں مقاطعہ، قادیان سے اخراج اور بعض اوقات اس سے بھی مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی بلکہ بسا اوقات انہوں نے ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا کر اپنی جماعت کے استحکام کی کوشش کی۔ قادیان میں رضا کاروں کا ایک دستہ (والنٹیر کور) مرتب ہوا اور اس کی ترتیب کا مقصد غالباً یہ تھا کہ "لمن الملک الیوم" کا نعرہ بلند کرنے کے لیے طاقت پیدا کی جائے انہوں نے عدالتی اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے گئے۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی۔ دیوانی مقدمات میں ڈگریاں صادر کیں اور ان کی تعمیل کرائی گئی۔ کئی اشخاص کو قادیان سے باہر نکالا گیا۔ یہ قصہ یہی ختم نہیں ہوتا بلکہ قادیانیوں کے خلاف کھلے ہوئے طور پر الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے مکانوں کو تباہ کیا، جلایا اور قتل تک کے مرتکب ہوئے اس خیال سے کہ کہیں ان الزامات کو احرار کے تخیل ہی کا نتیجہ سمجھ نہ لیا جائے میں چند ایسی مثالیں بیان کر دینا چاہتا ہوں جو مقدمے کی مثل میں شامل ہیں۔

سزائے اخراج

کم از کم دو اشخاص کو قادیان سے اخراج کی سزا دی گئی اس لئے کہ ان کے عقائد مرزا کے عقائد سے متفاوت تھے۔ وہ اشخاص حبیب الرحمٰن گواہ صفائی نمبر 28 اور مسمیٰ اسماعیل ہیں مسل میں ایک چھٹی (ڈی زیڈ۔23) موجود ہے جو موجودہ مرزا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور جس میں یہ حکم درج ہے کہ حبیب الرحمٰن گواہ نمبر 28 کو قادیان میں آنے کی اجازت نہیں۔ مرزا البشیر الدین گواہ صفائی نمبر 37 نے اس چھٹی کو تسلیم کر لیا ہے کئی اور گواہوں نے (قادیانیوں کے) تشدد اور مظالم کی عجیب وغریب داستانیں بیان کی ہیں۔ بھگت سنگھ گواہ صفائی نے بیان کیا ہے کہ قادیانیوں نے ان پر حملہ کیا۔ ایک شخص مسمیٰ غریب شاہ کو قادیانیوں نے زدوکوب کیا لیکن اس نے عدالت

میں استغاثہ کرنا چاہا تو کوئی اس کی شہادت دینے کے لئے سامنے نہ آیا۔ قادیانی ججوں کے فیصلہ کردہ مقدمات کی فیصلہ کردہ مسلیں پیش کی گئیں (جو شامل مسل ہذا ہیں) مرزا بشیر الدین محمود نے تسلیم کیا ہے کہ قادیان میں عدالتی اختیارات ہوتے ہیں اور میری عدالت سب سے آخری عدالت اپیل ہے۔ عدالت کی ڈگریوں کا اجرا عمل میں آتا ہے اور ایک واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ڈگری کے اجراء میں ایک مکان فروخت کر دیا۔ اشٹامپ کے کاغذ قادیانیوں نے خود بنا رکھے ہیں جو ان درخواستوں اور عرضیوں پر لگائے جاتے ہیں جو قادیانی عدالتوں میں دائر ہوتی ہیں۔ قادیان میں ایک والنٹیر کور کے موجود ہونے کی شہادت گواہ نمبر 40 مرزا شریف احمد نے دی ہے۔

عبدالکریم کی مظلومی اور محمد حسین کا قتل

سب سے سنگین معاملہ عبدالکریم (ایڈیٹر مباہلہ) کا ہے جس کی داستان داستان درد ہے۔ یہ شخص مرزا کے مقلدین میں شامل ہوا اور قادیان میں جا کر مقیم ہو گیا۔ وہاں اس کے دل میں (مرزائیت کی صداقت کے متعلق) شکوک پیدا ہوئے اور وہ مرزائیت سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس پر ظلم وستم شروع ہوا۔ اس نے قادیانی معتقدات پر تبصرہ تنقید کرنے کے لیے "مباہلہ" نامی اخبار جاری کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے ایک تقریر میں جو دستاویز (ڈی۔زیڈ) الفضل مورخہ کیم اپریل ۱۹۳۰ء میں درج ہے۔ مباہلہ شروع کرنے والوں کی موت کی پیش گوئی کی ہے۔ اس تقریر میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو مذہب کے لئے ارتکاب قتل پر بھی تیار ہو جاتے ہیں اس تقریر کے بعد جلد ہی عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا لیکن وہ بچ گیا ایک شخص محمد حسین جو اس کا معاون تھا اور ایک فوجداری مقدمے میں جو عبدالکریم کے خلاف چل رہا تھا۔ اس کا ضامن بھی تھا اس پر حملہ ہوا قتل کر دیا گیا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے پھانسی کی سزا کا حکم ہوا۔

محمد حسین کے قاتل کا رتبہ مرزائیوں کی نظر میں

پھانسی کے حکم کی تعمیل ہوئی اس کے بعد قاتل کی لاش قادیان میں لائی گئی اور اسے نہایت عزت واحترام سے بہشتی مقبرے میں دفن کیا گیا مرزائی اخبار "الفضل" میں قاتل کی مدح سرائی کی گئی۔ قتل کو سراہا گیا اور یہاں تک لکھا گیا کہ قاتل مجرم نہ تھا۔ پھانسی کی سزا سے پہلے ہی اس کی

روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اوراسی طرح پھانسی کی ذلت انگیز سزا سے بچ گیا خدائے عادل نے یہ مناسب سمجھا کہ پھانسی سے پہلے ہی اس کی جان قبض کرے۔

مرزا محمود کی دروغ گوئی

عدالت میں مرزا محمود نے اس کے متعلق بالکل مختلف داستان بیان کی اور کہا کہ محمد حسین کے قاتل کی عزت افزائی اس لئے کی گئی کہ اس نے اپنے جرم پا تاسف وندامت کا اظہار کیا تھا اوراس طرح وہ گناہ سے پاک ہو چکا تھا لیکن دستاویز (ڈی۔ایڈ) اس کی تردید کرتی ہے جس سے مرزا کی دلی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

عدالت عالیہ کی توہین

یہاں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس دستاویز کے مضمون سے عدالت عالیہ لاہور کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

محمد امین کا قتل

محمد امین ایک مرزائی تھا اور جماعت مرزائیہ کا مبلغ تھا اس کو تبلیغ کے لئے بخارا بھیجا گیا لیکن کسی وجہ سے بعد میں اسے خدمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کی موت کلہاڑی کی ایک ضرب سے ہوئی جو چوہدری فتح محمد گواہ صفائی نمبر 31 نے لگائی۔ عدالت ماتحت نے اس معاملے پر سرسری نگاہ ڈالی ہے لیکن یہ زیادہ غور وتوجہ کا محتاج ہے محمد امین پر مرزا کا عتاب نازل ہو چکا تھا اوراس لیے وہ مرزائیوں کی نظر میں موقر ومقتدر نہیں رہا تھا۔ اس کی موت کے واقعات خواہ کچھ ہوں اس میں کلام نہیں کہ محمد امین تشدد کا شکار ہوا اور کلہاڑی کی ضرب سے قتل کیا گیا پولیس میں وقوعے کی اطلاع پہنچی لیکن کوئی کاروائی عمل میں نہ آئی۔ اس بات پر زور دینا فضول ہے کہ قاتل نے حفاظت خود اختیاری میں محمد امین کو کلہاڑی کی ضرب لگائی اور یہ فیصلہ کرنا اس عدالت کا کام ہے جو مقدمہ قتل کی سماعت کرے چوہدری فتح محمد کا عدالت میں باقرار صالح یہ بیان کرنا تعجب انگیز ہے کہ اس نے محمد امین کو قتل کیا مگر پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کرسکی۔ جس کہ وجہ یہ بتائی گئی یہ مرزائیوں کی طاقت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ کوئی گواہ سامنے آکر سچ بولنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا ہمارے سامنے عبدالکریم

کے مکان کا واقعہ بھی ہے۔ عبدالکریم کو قادیان سے خارج کرنے کے بعد اسکا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور قادیان کی سمال ٹاؤن کمیٹی سے حکم حاصل کر کے نیم قانونی طریق سے اسے گرانے کی کوشش کی گئی۔

قادیان کی صورت حالات اور مرزا کی دشنام طرازی

یہ افسوسناک واقعات اس بات کی منہ بولتی تصویر ہیں کہ قادیان میں قانون کا احترام بالکل اُٹھ گیا تھا۔ آتش زنی اور قتل تک کے واقعات ہوتے تھے مرزا نے کروڑوں مسلمانوں کو جو اس کے ہم عقیدہ نہ تھے شدید دشنام طرازی کا نشانہ بنایا۔ اس کی تصانیف ایک استقف اعظم کے اخلاق کا انوکھا مظاہرہ ہیں جو صرف نبوت کا مدعی نہ تھا بلکہ خدا کا برگزیدہ انسان اور مسیح ثانی ہونے کا بھی مدعی تھا۔

حکومت مفلوج ہو چکی تھی

معلوم ہوتا ہے کہ (قادیانیت کے مقابلے میں) حکام غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔ دینی و دنیوی معاملات میں مرزا کے حکم کے خلاف کبھی آواز بلند نہیں ہوئی مقامی افسروں کے پاس کئی مرتبہ شکایت پیش ہوئی لیکن وہ اس کے انسداد سے قاصر رہے۔ مسل پر کچھ اور شکایات بھی ہیں لیکن یہاں ان کے مضمون کا حوالہ دینا غیر ضروری ہے اس مقدمے کے سلسلے میں صرف یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ قادیان میں جور و ستم رانی کا دور دورہ ہونے کے متعلق نہایت واضح الزامات عائد کئے گئے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قطعاً کوئی توجہ نہ دی۔

تبلیغ کانفرنس کا مقصد

ان کاروائیوں کے سدباب کے لئے اور مسلمانوں میں زندگی کی روح پھونکنے کے لئے تبلیغ کانفرنس منعقد کی گئی۔ قادیانیوں نے اس کے انعقاد کو بنظر ناپسندیدگی دیکھا اور اسے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایک شخص ایشر سنگھ کی زمین حاصل کی گئی تھی قادیانیوں نے اس پر قبضہ کر کے دیوار کھینچ دی اور اس طرح احرار اس قطعہ زمین سے بھی محروم ہو گئے جو قادیان میں انہیں مل سکتا تھا مجبوراً انہوں نے قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر اپنا اجلاس

منعقد کیا۔ دیوار کا کھینچا جانا اس حقیقت پر مشعر ہے کہ اس وقت فریقین کے تعلقات میں کتنی کشیدگی تھی اور قادیانیوں کی شورہ پشتی کس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اپنی دست درازی کے قانونی نتائج سے اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا مقناطیسی جذب

بہر حال کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت کے لئے اپیلانٹ سے کہا گیا وہ بلند پایہ خطیب ہے اور اس کی تقریر میں بھی مقناطیسی جذب موجود ہے اس نے اس اجلاس میں ایک جوش انگیز خطبہ دیا اس کی تقریر کئی گھنٹوں تک جاری رہی۔ بتایا گیا ہے کہ حاضرین تقریر کے دوران میں بالکل مسحور تھے اپیلانٹ نے اس تقریر میں اپنے خیالات ذرا وضاحت سے بیان کئے اور اس کے دل میں مرزا اور اس کے معتقدین کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات موجزن تھے ان پر پردہ ڈالنے کی اس نے کوئی کوشش نہ کی۔ تقریر پر اخبارات میں اعتراض ہوا، معاملہ حکومت پنجاب کے سامنے پیش ہوا جس نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی۔

تقریر پر اعتراض

اپیلانٹ کے خلاف جو الزام ہے اس کے ضمن میں اس تقریر کے سات اقتباسات درج ہیں جنہیں قابل گرفت ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ اقتباسات یہ ہیں:

۱۔ فرعونی تخت الٹا جارہا ہے انشاء اللہ یہ تخت نہیں رہے گا۔

۲۔ وہ نبی کا بیٹا ہے میں نبی کا نواسہ ہوں وہ آئے تم سب چپ چاپ بیٹھ جاؤ وہ مجھ سے اُردو، پنجابی اور فارسی ہر معاملے پر بحث کرے یہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے گا۔ وہ پردے سے باہر آئے نقاب اُٹھائے۔ کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دیکھے وہ ہر رنگ میں آئے وہ موٹر میں بیٹھ کر آئے میں میں ننگے پاؤں آؤں وہ ریشم پہن کر آئے، میں کھدر پہن کر آؤں وہ مزعفر اور کباب یاقوتیاں اور پلومر کی ٹانک وائن اپنے ابا کی سنت کے مطابق کھا کر آئے میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھا کر آتا ہوں۔

۳۔ یہ ہمارا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں یہ برطانیہ کے دم کٹے کتے ہیں وہ خوشامد اور برطانیہ کے بوٹ کی ٹو صاف کرتا ہے۔ میں تکبر سے نہیں کہتا بلکہ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو اکیلا چھوڑ دو پھر میرے اور بشیر کے ہاتھ دیکھو کیا کروں لفظ تبلیغ نے ہمیں مشکل میں پھنسا دیا ہے یہ اجتماع سیاسی اجتماع نہیں ہے۔ لو مرزائیو! اگر باگیں ڈھیلی ہوتیں میں کہتا ہوں اب بھی ہوش میں آؤ، تمہاری طاقت اتنی بھی نہیں جتنی پیشاب کی جھاگ ہوتی ہے۔

۴۔ جو پانچویں جماعت میں فیل ہوتے ہیں وہ نبی بن جاتے ہیں ہندوستان میں ایک مثال موجود ہے کہ جو فیل ہوا وہ نبی بن گیا۔

۵۔ او مسیح کی بھیڑو۔ تم سے کسی کا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ جس سے اب سابقہ ہوا ہے یہ مجلس احرار ہے اس نے تم کو ٹکڑے کر دینا ہے۔

۶۔ او مرزائیو! اپنی نبوت کا نقشہ دیکھو اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو نبوت کی شان تو رکھتے۔

۷۔ اگر تم نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو انگریزوں کے کتے تو نہ بنتے۔

مرافعہ گذار نے عدالت ماتحت میں بیان کیا کہ اس کی تقریر درست طور پر قلم بند نہیں کی گئی۔ جملہ نمبر کے متعلق اس نے بہ صراحت کہا ہے کہ اس کی زبان سے نہیں نکلا اور اگرچہ اس نے تسلیم کیا کہ باقی جملوں کا مضمون میرا ہے لیکن ساتھ ہی اس نے یہ کہا کہ عبارت غلط ہے، عدالت ماتحت نے قرار دیا ہے کہ ایک جملہ کی رپورٹ غلط ہے اور اس کے سلسلہ میں مرافع گزار کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا مرافع گذار کی سزایابی کا مدار دوسرے چھ فقروں پر ہے۔ مرافع گذار کے وکیل نے تسلیم کیا کہ فقرات ۱۔۴۔۶۔۷ مرافع گذار نے کہے اب میرے سامنے یہ امر فیصلہ طالب ہے کہ کیا یہ جملے جو مرافع گذار نے کہے 153 الف کے ماتحت قابل گرفت ہیں اور آیا یہ الفاظ کہنے سے مرافع گذار کس جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

عدالت کا استدلال

میں نے اس سے قبل وہ حالات و واقعات بہ تفصیل بیان کر دیئے جن کے ماتحت تبلیغ کانفرنس منعقد ہوئی، مرافع گذار نے بہت سی تحریری شہادتوں کی بنا پر یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ مرزا اور اس کے مقلدین کے ظلم وستم پر جائز اور واجبی تنقید کرنے کے سوا اس کا کچھ مقصد نہ تھا اس کا

بیان ہے کہ اس کی تقریر کا مدعا سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانا اور مرزائیوں کے افعال ذمیم کا بھانڈا پھوڑنا تھا۔ اس نے اپنی تقریر میں جا بجا مرزا محمود کے ظلم وتشدد پر روشنی ڈالی ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ جو مسلمان مرزا کی نبوت سے انکار کرنے اور اس کا خانہ ساز اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مورد آفات و بلیات ہیں ان کی شکایات رفع کی جائیں۔ میں نے قادیان کے حالات کی روشنی میں مرافعہ گذار کی تقریر پر غور کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تقریر مسلمانوں کے طرف سے صلح کا پیغام تھی لیکن اس تقریر کے سرسری مطالعے سے ہر معقول شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اعلان صلح کے بجائے یہ دعوت نبرد آزمائی ہے۔ ممکن ہے کہ مرافع گذار نے قانون کے حدود کے اندر رہنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن جوش فصاحت و بلاغت میں وہ ان امتناعی حدود سے آگے نکل گیا ہے اور ایسی باتیں کہہ گیا ہے جو سامعین کے دلوں میں مرزائیوں کے خلاف نفرت کے جذبے کے سوا اور کوئی اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ روما کے مارک انتھونی کے طرح مرافع گذار نے یہ اعلان تو کر دیا کہ وہ احمدیوں سے طرح آویزش نہیں ڈالنا چاہتا لیکن صلح کا یہ پیغام ایسی گالیوں سے پر ہے جن کا مقصد سامعین کے دلوں میں احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

تنقید کی جائز حدود

اس میں کلام نہیں کہ مرافع گذار کی تقریر کے بعض حصے مرزا کے افعال کی جائز اور رواجی تنقید پر مشتمل ہیں۔ غریب شاہ کو زدوکوب کرنے کا واقعہ محمد حسین اور محمد امین کے واقعات قتل اور مرزا کے جبر وتشدد کے بعض دوسرے واقعات جن کا حوالہ دیا گیا ہے ایسے ہیں جن پر تنقید کرنے کر ہر سچے مسلمان کو حق ہے نیز اس تقریر کے دوران میں ان توہین آمیز الفاظ کا زکر بھی کیا گیا ہے جو قادیانی پیغمبر اسلام محمد ﷺ کی شان میں استعمال کرتے رہتے ہیں اور جو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔

مرزائی اور مسلمان

مسلمانوں کے نزدیک محمد ﷺ خاتم المرسلین ہیں لیکن مرزائیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ محمدؐ کے بروز میں کئی نبی مبعوث ہو سکتے ہیں اور وہ سب مہبط وحی ہو سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ مرزا غلام احمد نبی اور مسیح ثانی تھا اس حد تک مرافع گذار کی تقریر قانون کی زد سے باہر ہے لیکن جب وہ دشنام طرازی پر

آتا ہے اور مرزائیوں کو ایسے ایسے ناموں سے پکارتا ہے جنہیں سننا بھی کوئی آدمی گوارہ نہیں کرسکتا۔ تو وہ جائز حدود سے تجاوز کر جاتا ہے اور خواہ اس نے یہ باتیں جوش خطابت میں کہیں یا دیدہ دانستہ کہیں قانون انہیں نظر انداز نہیں کرسکتا۔

تقریر کے اثرات

مرافع گذار کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ اس کے سامعین میں اکثریت جاہل دیہاتیوں کی تھی۔ نیز یہ کہ اس قسم کی تقریر ان کے دلوں میں نفرت وعناد کے جذبات پیدا کرے گی واقعات مظہر ہیں کہ تقریر نے سامعین پر ایسا ہی اثر ڈالا اور مقرر کی لسانی سے متاثر ہر کر انہوں نے کئی بار جوش و خروش کا مظاہرہ کیا یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سامعین نے اس وقت کیوں مرزائیوں کے خلاف کوئی متشددانہ اقدام نہ کیا اگر چہ فریقین کے تعلقات عرصہ سے اچھے نہ تھے مگر اس تقریر نے راکھ میں دبے ہوئے شعلوں کو ہوا دے کر بھڑکایا۔

تقریر کی قابل اعتراض نوعیت

فرد جرم میں جن سات فقروں کو قابل گرفت قرار دیا گیا ہے ان میں سے تیسرا اور ساتواں سب سے زیادہ قابل اعتراض ہیں ان میں اپیلانٹ نے مرزائیوں کو برطانیہ کے دم کٹے کتے کہا ہے میرے نزدیک دوسرے حصے دفعہ 153 الف تعزیرات ہند کے ماتحت قابل گرفت نہیں ہیں۔ پہلا حصہ یعنی فرعونی تخت الٹا جا رہا ہے میرے نزدیک قابل اعتراض نہیں۔ دوسرے حصے کا تعلق مرزا کی غذا اور خوراک سے ہے۔ اس کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ مرزائے اول نے اپنے مریدوں میں سے ایک کے نام چھٹی لکھی تھی۔ جس میں ان کی خوراک کی یہ تمام تفصیلات درج تھیں یہ خطوط کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں اور ان کے مجموعے کا ایک مطبوعہ نسخہ اس مسل میں بھی شامل ہے۔

شراب اور مرزا

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ایک ٹانک استعمال کرتا تھا۔ جس کا نام پلومر کی شراب تھا ایک موقع پر اس نے اپنے مریدوں سے ایک کو لکھا کہ پلومر کی شراب خرید کر مجھے بھیجو۔ پھر دوسرے خطوط میں

یاقوتی کاذکر ہے۔مرزامحمود نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے باپ نے ایک دفعہ پلومر کی شراب دواء کے طور ہر استعمال کی چنانچہ میرے نزدیک یہ حصہ بھی قابل اعتراض نہیں چوتھے حصے میں مرزا غلام احمد کے امتحان میں ناکام ہونے کا تذکرہ ہے چھٹے حصے میں مرزا پر لابہ گوئی اور کاسہ لیسی کا الزام لگایا گیا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ چاپلوسی اور لابہ گوئی پیغمبر کی شان کے خلاف ہے۔

عدالت کا تبصرہ

میری رائے میں تیسرے اور ساتویں حصے کے سوا اور کوئی حصہ تقریر کا قابل گرفت نہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ مرافعہ گزار کی تمام تقریر میں صرف وہ حصے قابل اعتراض ہیں۔تقریر کے انداز سے معلوم ہوا کہ جہاں مرافعہ گزار مرزائیوں کے افعال شنیعہ کی دھجیاں بکھیرنا چاہتا تھا وہاں وہ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت وحقارت بھی پیدا کرنا چاہتا تھا یہ امر کہ سامعین اس کی تقریر سے متاثر ہوکر امن شکنی پر کیوں نہ اتر آئے اس کے جرم کو ہلکا کرنے کا باعث ہوسکتا ہے۔
مجھے اس میں کلام نہیں کہ اپیلانٹ مرزائیوں پر تنقید کرنے میں حق بجانب تھا لیکن وہ اس حق کو استعمال کرنے میں جائز حدود سے تجاوز کر گیا اور تقریر کے قانونی نتائج کا سزاوار بن گیا۔مرافع گزار کے اس فعل کی مدح ثنا کرنا آسان ہے لیکن ایسے حالات میں جہاں جذبات میں پہلے ہی سے ہیجان واشتعال ہو اس قسم کی تقریر کرنا جلتی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہے اور اگرچہ مرافع گزار نے صرف ایک اصطلاحی جرم کا ارتکاب کیا ہے لیکن قانون کی ہمہ گیری کا احترام از قبیل لوازم ہے۔

فیصلہ نومبر ۱۹۳۵ء

مقدمہ کے تمام پہلوؤں پر نظر غائر ڈالنے اور سامعین پر مرافعہ گزار کی تقریر کے اثرات یا اندازہ کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مرافعہ گزار تعزیرات ہند دفعہ 153 کے تحت جرم کا مرتکب ہوا ہے اور اس کی سزا قائم رہنی چاہیے مگر سزا کی سختی ونرمی کا اندازہ کرتے وقت ان واقعات کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو قادیان میں رونما ہوئے۔نیز یہ بات بھی نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں کہ مرزا نے خود مسلمانوں کو کافر،سور اور ان کی عورتوں کو کیتوں کا خطاب دے کر ان کے

جذبات کو بھڑ کایا۔ میرا خیال یہی ہے کہ اپیلانٹ کا جرم محض اصطلاحی تھا۔ چنانچہ میں اس کی سزا کو کم کر کے اسے تا اختتام عدالت قید محض کی سزا دیتا ہوں۔

۲ نومبر ۱۹۳۵ء گورداسپور۔ دستخط جی۔ڈی کھوسلہ سیشن جج

حضرت امیر شریعت کے خطابات سے اقتباسات

مرزائیت کی تحریک جو مذہبی روپ میں نمودار ہوئی، دراصل مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد فنا کرنے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی ایک خوفناک سازش ہے جو انگریزی دور حکومت میں تیار کی گئی۔ مرزائیت کی تنظیم انگریزی راج کو دوام بخشنے کی ایک تدبیر ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی ساری زندگی انگریزوں کی قصیدہ خوانی میں گزری۔ مرزائیت کو ہم ایک ایسے درخت سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کی آبیاری اور حفاظت اپنی سیاسی مصلحت کے تحت انگریز کرتے رہے اور جب تک وہ یہاں رہے۔ اس کے برگ و بار سے متمتع ہوتے رہے"۔

منصب نبوت

آپ نے فرمایا نبوت کھیل تماشا نہیں۔ یہ دکان نہیں ہے۔ جو ہر ایک کھول لیتا ہے۔ یہ تو خدا کی رحمت ہے۔ جس کو چاہیں عطا کر دیں۔ نبی پرائمری فیل اور مڈل پاس نہیں ہوتا۔ نبی یونیورسٹی سے نہیں نکلا کرتے۔ نبی امی ہوتے ہیں۔ نبی کا استاد دنیا میں نہیں ہوتا۔ کائنات کی ساری وسعتیں نبی کے قدموں میں ہوتی ہیں۔ اگر حیوان اپنی ساری طاقتوں کے باوجود انسان نہیں بن سکتا تو انسان اپنی ساری خوبیوں کے باوجود پیغمبر نہیں ہو سکتا۔

آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک سب نبی امی تھے۔ نبی صرف خدا کی شاگردی کرتا ہے۔ وہ کائنات کی شاگردی سے بالکل مبرا ہوتا ہے۔

اعتماد کی بات

مسلمانو! آج میں کھل کر ایک بات کہتا ہوں بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اللہ کی ربوبیت اس وقت تک قائم ہے جب تک محمد کی نبوت قائم ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت کی ابدیت نبی اللہ

کی ربوبیت کی مظہر ہے۔ ہم میں سے کسی نے خدا کو دیکھا ہے۔ ہم کیسے یقین کرلیں کہ ایسی بھی کوئی ہستی ہے جسے خدا کہتے ہیں۔ ہاں ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، جنہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا بھی ہے ہمیں تو اعتماد ہے اس بلند شخصیت پر، بھائی اعتماد کی تو ساری بات ہے اگر اعتماد نہ رہا تو سارا کھیل ہی چوپٹ ہے۔

تکمیل نبوت

آیت خاتم النبین (الاحزاب) میں خاتم کے معنی قادیانی کے نزدیک مہر کے ہیں تو بھی ختم نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ گورنمنٹ کے مقرر کردہ محکمہ کے طرف سے جس مکان کے دروازہ پر سیل (مہر) لگادی جاتی ہے تو عوام کا کوئی فرد اسے توڑنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اسی طرح محکمہ ڈاک کے جس تھیلے پر مہر لگادی جاتی ہے۔ تو اسے بھی راستہ میں کوئی نہیں کھولتا تاوقتیکہ منزل مقصود پر افسر مجاز تک نہ پہنچ جائے۔ (محمد رسول اللہ پر) نبوت کے خاتمہ کی مہر ثبت ہوگئی ہے۔ اسے کھولنے کی تاقیامت کسی بشر کو اجازت نہیں اور اگر کوئی اسے کھولنے کی چوری کرے گا تو وہ پکڑا جائے گا۔

عقیدہ ختم نبوت اساس اسلام اور روح قرآن ہے۔ اگر مسلمان اس سے بال برابر بھی ادھر ادھر ہو جائیں تو پھر محمد عربی ﷺ کا قرآن باقی دیتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی وہ تنزیہہ و تقدیس کہ جس پر آدمؑ سے لے کر نبی ختمی مرتبت ﷺ تک تمام انبیاء متفق ہیں۔

مرزائیت اسی اساس دین، روح قرآن اور جان اسلام پر مرتدانہ ضرب ہے میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لئے فرض نہیں جانتا ہوں۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگی کی آخری بازی لگادوں گا۔

مرزائیت پاکستان کے مقدس جسم کا سیاسی ناسور ہے اگر حکمرانوں نے اس کا آپریشن نہ کیا تو یہ ناسور سارے جسم کو خدانخواستہ تباہ کردے گا۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر ص 217)

شہیدان ناموس رسالتؐ! تم پر سلام

ملتان میں 18 جنوری 1952ء کو قادیانیت کے خلاف اجتماع کرنے پر پولیس نے مجمع پر بلا وارننگ گولی چلادی۔ دس منٹ تک ستر راونڈ چلائے گئے جس کے نتیجہ میں چھ مسلمان شہید اور

کئی مسلمان زخمی ہوئے۔ 25 جولائی 1952ء کو امیر شریعت نے شہدائے ملتان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

صدیق اکبرؓ کی سنت:

میں کہتا ہوں کہ جب تک احرار زندہ ہیں جھوٹی نبوت نہیں چلنے دیں گے۔ جب بھی کوئی کذاب سر اٹھائے گا صدیق اکبرؓ کی سنت جاری کی جائے گی۔

ماضی میں احرار کی بے پناہ جدوجہد' جانکاہ محنت و ایثار اور ہماری برپا کردہ تحریک ''تحفظ ختم نبوت'' میں ہزاروں جوان گل گوں قبا' سرخ پوشان راہ بقا اور سرمستان عہد و وفا کی قربانی و شہادت احرار کے اخلاص کی زندہ مثال ہے۔

جو لوگ تحریک ''تحفظ ختم نبوت'' میں جہاں تہاں شہید ہوئے ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور جو آئندہ ہوگا اس کی بھی۔ شہداء ختم نبوت کے لیے میں کیا دعا کروں؟ دعا تو یہ ہے کہ ان کے صدقے میں ہمارا ایمان بچ جائے۔ (آمین)

یاد رکھو!

میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ شہداء ختم نبوت کا خون بے گناہی رنگ لا کر رہے گا۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر ص252)

چار چیزوں سے محبت

دنیا میں چار قیمتی چیزیں محبت کے قابل ہیں:

مال

جان

آبرو اور

ایمان

لیکن......

جب جان پر کوئی مصیبت آئے تو مال قربان کرنا چاہیے اور اگر آبرو پر کوئی آفت آئے تو مال اور جان دونوں کو اور اگر ایمان پر کوئی ابتلاء آئے تو مال' جان' آبرو سب کو قربان کرنا چاہیے۔ اور اگر ان سب کے قربان کرنے سے ایمان محفوظ رہتا ہے تو یہ سودا سستا ہے۔

کچھ تو غور کرو

شاہ جی نے ضعیفی کے عالم میں اتمام حجت کی خاطر قادنیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے قادیانیو! اگر نیا نبی مانے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہوسکتا' اگر اس کے بغیر تم جی ہی نہیں سکتے تو ہمارے قائداعظمؒ کو ہی نبی مان لو' ارے مرد تو تھا جس بات پر ڈٹا' کوہ کی طرح اڑ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے' اشکوں کی گھٹا چھائی' خون کی برکھا ہوئی' لاشوں کا سیلاب آیا مگر کوئی چیز قائداعظمؒ کے عزم کو نہ ہلاسکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ارے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ ملی تو اس کے قدموں میں تمام عمر گزار دی انگریز کی نوکری نہیں کی' حکومت سے خطاب نہیں لیا۔ انگریز سے کوئی تمنا وابستہ نہیں کی اور ایک تمہارا نبی ہے کہ جس نے حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں۔''

(''پیام اسلام'' امیر شریعت نمبر' ص 90,89)

قادیانیوں پر اثرات

شاہ جی اپنی زندگی کے دو مقاصد بیان کرتے ہیں۔ ایک انگریز حکومت کا خاتمہ اور دوسرا قادیانی تحریک کا انہدام۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز تو گیا مگر ابھی قادیانی فرقہ موجود ہے' جس کے خلاف ہم میدان میں آئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ شاہ جی آپ کی سرگرمیوں کا کوئی نتیجہ نظر نہیں آیا۔ انہوں نے کہا کہ برخوردار ہماری قادیانی مخالف تحریک کا یہ اثر ہوا ہے کہ تمہارے والد قادیانی ہو گئے تو ہو گئے مگر تمہیں ہم نے قادیانی نہیں ہونے دیا۔ نئے قادیانیوں کی نرسری مرجھا گئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ قادیانی کسی غیر قادیانی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے ہیں مگر جب اس تحریک کے زیر اثر نوجوانوں نے ان کی مرمت کی تو مرزا بشیر الدین محمود نے الفضل میں ایک خبر شائع کرائی ہے کہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر مل گئی ہے جس کے مطابق غیر قادیانیوں کے جنازہ میں

شرکت کی جا سکتی ہے۔انہون نے ہنستے ہوئے کہا کہ اگر ایک ضرب اور لگ گئی تو دوسری تحریر برآمد ہو جائے گی۔مرزا غلام احمد نبی نہیں ہے۔

(ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان' امیر شریعت نمبر' حصہ دوم' ص405)

تمغہ ہائے حریت

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند

پہلی گرفتاری:

زیر دفعہ 124' الف (تحریک بغاوت) 14 مارچ 1921ء' مدت تین سال' جیل میانوالی۔

دوسری گرفتاری:

زیر دفعہ 107' ضابطہ فوجداری' (نقص امن و آئین شکنی) 6 جولائی 1927ء' مدت سزا ایک سال' بورسٹل جیل لاہور (بہ سلسلہ سدباب فتنہ شاتم رسولؐ راجپال)

تیسری گرفتاری:

زیر دفعہ 108' الف 30 اگست 1930ء' مدت سزا چھ ماہ' علی پور جیل' ڈم ڈم جیل' (بہ سلسلہ تحریک حقوق خود اختیاری و آئین آزادی)

چوتھی گرفتاری:

زیر دفعہ 124' الف (غالباً) 1931ء' مدت سزا ایک سال' دہلی جیل' بہ سلسلہ تحریک کشمیر۔

پانچویں گرفتاری:

زیر دفعہ نمبر 153' نومبر 1934ء' مدت سزا چھ ماہ' بعد از اپیل سیشن کورٹ' سزا پندرہ منٹ تا برخاست عدالت' 6 دسمبر 1930ء (بہ سلسلہ تحریک استیصال مرزائیت بر بناء تقریر احرار کانفرنس قادیان)

چھٹی گرفتاری:

بوجہ خلاف ورزی دفعہ 144 ' عائد شدہ برداخلہ قادیان' مدت سزا چھ ماہ' گورداسپور جیل ونیو سنٹرل جیل ملتان' (بہ سلسلہ اداءِ نماز جمعہ در سرزمین قادیاں)

ساتویں گرفتاری:

زیردفعہ 117, 124, 153, 302 وغیرہ' ستمبر 1939ء دوران سفر برلاری' بربنائے تقریر راولپنڈی۔

آٹھویں گرفتاری:

زیردفعہ 117, 124, 153, 302' جون 1939ء مدت سزا بہ شکل حوالات ایک سال سات ماہ چار دن' راولپنڈی' گجرات اور نیو سنٹرل جیل لاہور۔ فیصلہ مقدمہ پر دونوں مقدموں میں باعزت بریت ورہائی' (بہ سلسلہ تحریک حصول آزادی وفوجی بھرتی بائیکاٹ)

نویں گرفتاری:

28 فروری 1953ء مدت سزا بطور نظر بندی' ایک سال ساڑھے آٹھ ماہ۔ مقام سزا کراچی' حیدرآباد۔ (ہائیکورٹ میں اپیل اور رٹ سماعت جرم ثابت نہ ہونے پر پہلی پیشی پر رہائی) سکھر' سنٹرل جیل ملتان۔

دسویں گرفتاری:

بہ صورت حکم پابندی کل مدت ملتان شہر میں چھ ماہ کی نظر بندی (بہ سلسلہ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت)

گیارہویں گرفتاری:

2 رمضان المبارک 1375ھ مطابق 14 اپریل 1956ء' مدت حراست ۳ گھنٹے' قریب انتظار ضمانت۔ مقدمہ کی کارروائی قریباً پانچ ماہ۔

کل گرفتاریاں:

گیارہ (11)' کل مدت قید ونظر بندی' نوسال دو ماہ چوبیس دن (تقریباً)

(''بیس بڑے مسلمان''ص 867' از عبدالرشید ارشد)

نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں
(مولف)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں فقہ وحدیث کے استاذ رہے ہیں' مفتی کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ حضرت علامہ انور شاہؒ کشمیری کے شاگرد خاص تھے اور حضرت شاہ صاحب نے آپ سے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں بہت کام لیا آپ کی ان جلیل القدر خدمات کے متعلق معروف سکالر' بزرگ عالم دین مولانا محمد یوسف لدھیانوی مرحوم نے تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

مفتی صاحب کے کام کی تین جہتیں

علامہ انور شاہ کشمیری کے زیر اشراف جو جماعت قادیانیت کے استیصال کے لیے تیار ہوئی ان میں حضرت اقدس مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ کی شخصیت بالآخر اپنے دور کی نمایاں ترین شخصیت بن گئی۔

حضرت مفتی اعظمؒ نے رد قادیانیت پر جو کام کیا اسے آسانی کے لیے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اول: دعوت وتبلیغ کے ذریعہ نیز مباحثہ ومناظرہ کے میدان میں اور عدالت کے کٹہرے میں قادیانیت کا مقابلہ۔

دوم: تصنیف وتالیف کے ذریعہ رد قادیانیت کی خدمت۔

سوم: دارالعلوم دیوبند کی مسند دارالافتاء سے قادیانیوں کی دینی حیثیت کی تشخیص اوران کے شبہات کا ازالہ۔

اپنے تحریری کام کے متعلق حضرت مفتی اعظم پاکستان خود بیان فرماتے ہیں۔

مصروعراق وغیرہ ممالک اسلامیہ میں فتنہ قادیانیت کا انسداد:

میں حسب عادت ایک روز استاذ محترم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی دائمی عادت کے خلاف یہ دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی کتاب زیر مطالعہ نہیں خالی بیٹھے ہوئے ہیں اور چہرے پر فکر کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیسا مزاج ہے؟ فرمایا کہ بھائی مزاج کو کیا پوچھتے ہو' قادیانیت کا ارتداد اور کفر کا سیلاب امنڈتا نظر آتا ہے۔ صرف ہندوستان میں نہیں عراق وبغداد میں ان کا فتنہ سخت ہوتا جاتا ہے اور ہمارے علماء وعوام کو اس طرف توجہ نہیں۔ ہم نے اس کے مقابلہ کے لیے جمیعتہ علماء ہند میں یہ تجویز پاس کرائی تھی کہ دس رسالے مختلف موضوعات متعلقہ قادیانیت پر عربی زبان میں لکھے جائیں اور ان کو طبع کرا کر ان بلاد اسلامیہ میں بھیجا جائے مگر اب کوئی کام کرنے والا نہیں ملتا۔ اس کام کی اہمیت لوگوں کے خیال میں نہیں میں نے عرض کیا کہ اپنی استعداد پر تو بھروسہ نہیں لیکن حکم ہو تو کچھ لکھ کر پیش کروں۔ ملاحظہ کے بعد کچھ مفید معلوم ہو تو شائع کیا جائے۔ ورنہ بیکار رہنا بظاہر ہی ہے۔

ارشاد ہوا کہ مسئلہ ختم نبوت پر لکھو۔ احقر نے استاذ محترم کی تعمیل ارشاد کو سرمایہ سعادت سمجھ کر چند روز میں تقریباً ایک سو صفحات کا ایک رسالہ عربی زبان میں لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ممدوح رسالہ دیکھتے جاتے تھے اور بار بار دعائیہ کلمات زبان پر تھے۔ مجھے کوئی تصور نہ تھا کہ اس ناچیز خدمت کی اتنی قدر افزائی کی جائے گی پھر خود ہی حضرت ممدوح نے اس رسالہ کا نام "**ھدیة المھدیین فی آیة خاتم النبیین**" تجویز فرما کر اس کے آخر میں ایک صفحہ بطور تقریظ تحریر فرمایا اور اپنے اہتمام سے اس کو طبع کرایا' مصر' شام' عراق' مختلف مقامات پر اس کے نسخے روانہ کیے۔

خاص قادیان میں پہنچ کر اعلان حق اور رد مرزائیت:

اسی زمانہ میں حضرت ممدوح کے ایماء پر امرتسر و پٹیالہ ولدھیانہ کے چند علماء نے یہ تجویز کیا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لیے خاص قادیان میں ایک تبلیغی جلسہ سالانہ منعقد کیا جائے تا کہ قضیہ زمین بر سرزمین طے ہو سکے۔

یہ عوام کو فریب میں ڈالنے والے مناظرے اور مباہلے کے چیلنج جو اکثر اس فرقہ کی طرف سے چھپتے رہتے ہیں ان کی حقیقت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ چند سال مسلسل یہ جلسے قادیان میں ہوتے تھے اور حضرت ممدوح اکثر بذات خود ایک جماعت علماء دیوبند کے ساتھ اس میں شرکت فرماتے تھے۔ احقر ناکارہ بھی اکثر ان میں حاضر رہا ہے۔

قادیانی گروہ نے اپنے آقاؤں (انگریزوں) کے ذریعہ ہر طرح کی کوشش کی کہ یہ جلسے قادیان میں نہ ہو سکیں لیکن کوئی قانونی وجہ نہ تھی جس سے جلسے روک دیے جائیں کیونکہ ان جلسوں میں عالمانہ بیانات تہذیب و متانت کے ساتھ ہوتے اور کسی نقص امن کے خطرہ کو موقع نہ دیتے تھے۔ جب قادیانی گروہ اس میں کامیاب نہ ہوا تو خود تشدد پر اتر آیا۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اور ان کے رفقاء کو قادیان جانے سے پہلے اکثر ایسے خطوط گمنام ملا کرتے تھے کہ اگر قادیان میں قدم رکھا تو زندہ واپس نہ جا سکو گے اور یہ صرف دھمکی ہی نہ تھی بلکہ عملاً بھی اکثر اس قسم کی حرکتیں ہوتی تھیں کہ باہر سے جانے والے علماء مسلمانوں پر حملے کیے جاتے تھے ایک مرتبہ آگ بھی لگائی گئی۔

لیکن حق کا چراغ کبھی پھونکوں سے بجھایا نہیں گیا اس وقت بھی ان کے اخلاق باختہ پر حملے مسلمانوں کو ان جلسوں سے نہ روک سکے۔

مرزائیت میں تصانیف کا سلسلہ:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام جلسہ قادیان میں حضرت ممدوح کے ساتھ حاضر تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے مخصوص تلامذہ حاضرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ زمانہ کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی دجال کا فتنہ ان سب میں زیادہ شدت اختیار

کرتا جاتا ہے۔اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عمر وتوانائی کا بڑا حصہ اور درس حدیث کا اہم موضوع حنفیت وشافعیت کو بنائے رکھا۔ملحدین زمانہ کے وساوس کی طرف توجہ نہ دی حالانکہ ان کا فتنہ مسئلہ حنفیت وشافعیت سے کہیں زیادہ اہم تھا۔ اب قادیانی فتنہ کی شدت نے ہمیں اس طرف متوجہ کیا تو میں نے اس کے متعلقہ مسائل کا کچھ مواد جمع کیا ہے اگر اس کو میں خود تصنیف کی صورت سے مدون کروں تو میرا طرز ایک خالص علمی اصطلاحی رنگ ہے اور زمانہ قحط الرجال کا ہے اس قسم کی تحریر کو نہ صرف یہ کہ پسند نہیں کیا جاتا' بلکہ اس کا فائدہ بھی بہت محدود رہ جاتا ہے۔ میں نے مسئلہ قراۃ فاتحہ خلف الامام پر ایک رسالہ ''فصل الخطاب'' بزبان عربی تحریر کیا۔ اہل علم اور طلباء میں عموماً مفت تقسیم کیا لیکن اکثر لوگوں کو یہی شکایت کرتے سنا کہ پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے اگر آپ لوگ کچھ ہمت کریں تو یہ مواد میں آپ کو دے دوں۔اس وقت حاضرین میں چار آدمی تھے۔احقر ناکارہ اور حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم شعبہ تعلیم وتبلیغ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت ودارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ وحال مہاجر مدینہ طیبہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند وشیخ الجامعہ بہاولپور وحال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور ادام اللہ تعالیٰ فیوضہم۔ہم چاروں نے عرض کیا کہ جو حکم ہو ہم امتثال امر کو سعادت کبریٰ سمجھتے ہیں۔

اسی وقت فرمایا کہ اس فتنہ کے استیصال کے لیے علمی طور پر تین کام کرنے ہیں اول مسئلہ ختم نبوت پر ایک محققانہ مکمل تصنیف جس میں مرزائیوں کے شبہات واوہام کا ازالہ بھی ہو۔

دوسرے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ کی مکمل تحقیق قرآن وحدیث اور آثار سلف سے مع ازالہ شبہات ملحدین۔

تیسرے خود مرزا کی زندگی اس کے گرے ہوئے اخلاق اور متعارض ومتہافت اقوال اور انبیاء واولیاء وعلماء کی شان میں اس کی گستاخیاں اور گندی گالیاں' اس کا دعویٰ نبوت ووحی اور متضاد قسم کے دعوے۔ان سب چیزوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی کتابوں سے مع حوالہ جمع کرنا جس سے مسلمانوں کو اس فرقہ کی حقیقت معلوم ہو اور اصل یہ ہے کہ اس فتنہ کی مدافعت کے لیے یہی چیز اہم اور کافی ہے مگر چونکہ مرزائیوں نے مسلمانوں کو فریب میں ڈالنے کے لیے خواہ مخواہ کچھ

علمی مسائل میں عوام کو الجھا دیا ہے۔ اس لیے ان سے بھی اغماض نہیں کیا جا سکتا۔ پھر فرمایا کہ مسئلہ ختم نبوت کے متعلق تو یہ صاحب (احقر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ایک جامع رسالہ عربی زبان میں لکھ چکے ہیں اور اردو میں لکھ رہے ہیں اور آخر الذکر معاملہ کے متعلق مواد فراہم کر کے مدون کرنے کا سب سے بہتر کام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کرسکیں گے کہ اس معاملہ میں ان کی معلومات بھی کافی ہیں اور مرزائی کتابوں کا پورا ذخیرہ بھی ان کے پاس ہے وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے کر جلد سے جلد پورا کریں۔

اب مسئلہ رفع وحیات عیسیٰ علیہ السلام رہ جاتا ہے۔ اس کے متعلق میرے پاس کافی مواد جمع ہے۔ آپ تینوں صاحب دیوبند پہنچ کر مجھ سے لے لیں اور اپنی اپنی طرز پر لکھیں۔

یہ مجلس ختم ہو گئی مگر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے قلبی تاثرات اپنا ایک گہرا نقش ہمارے دلوں پر چھوڑ گئے۔ دیوبند واپس آتے ہی ہم تینوں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ حیات عیسیٰؑ سے متعلقہ مواد حاصل کیا۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی دامت برکاتہم نے **انی متوفیک ورافعک الی** کی تفسیر سے متعلقہ مواد لے کر اس پر ایک مستقل رسالہ اردو میں بنام **الجواب الفصیح فی حیات المسیح** تحریر فرمایا جو علمی رنگ میں لاجواب سمجھا گیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے پسند فرما کر اس پر تقریظ تحریر فرمائی۔ یہ رسالہ 1342ھ میں شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دامت فیوضہم نے اپنے مخصوص انداز میں اسی مسئلہ پر اردو زبان میں ایک جامع اور محققانہ رسالہ بنام **کلمۃُ اللّٰہ فی حیوٰۃِ روحُ اللہ** تصنیف فرما کر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت ممدوح نے بے حد پسند فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اور 1342ھ میں دارالعلوم دیوبند سے شائع ہو کر مقبول و مفید خلائق ہوا۔

احقر ناکارہ کے متعلق یہ خدمت کی گئی کہ جتنی مستند و معتبر روایات حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات یا نزول فی آخر الزمان کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان سب کو ایک رسالہ میں جمع کر دے۔ احقر نے تعمیل حکم کے لیے رسالہ **التصریح بما تواتر فی نزول المسیح** بزبان عربی لکھا اور حضرت ممدوح کی بے حد پسندیدگی کے بعد اسی سال شائع ہوا۔

اس کے بعد حسب ارشاد ممدوح مسئلہ ختم نبوت پر ایک مستقل کتاب اردو زبان میں تین حصوں میں لکھی۔

پہلا حصہ ختم النبوۃ فی القرآن جس میں ایک سو آیات قرآنی ہے۔ اس مسئلہ کا مکمل ثبوت اور ملحدوں کے شبہات کا جواب لکھا گیا ہے۔

دوسرا ختم النبوۃ فی الحدیث جس میں دو سو دس احادیث معتبرہ سے اس مضمون کا ثبوت اور منکریں کا جواب پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا ختم النبوۃ فی الآثار جس میں سینکڑوں اقوال صحابہ وتابعین اور ائمہ دین اس کے ثبوت اور منکرین اور ان کی تاویلات باطلہ پر رد کے متعلق نہایت صاف وصریح نقل کیے گئے ہیں۔ یہ تینوں رسالے پہلی مرتبہ 1343ھ سے 1345ھ تک شائع ہوئے۔ اسی کے ساتھ مختصر رسالہ دعاوی مرزا اور مسیح موعود کی پہچان اردو زبان میں احقر نے لکھ کر پیش کیے۔ ان رسائل کا جو کچھ نفع مسلمانوں کی اصلاح وہدایت اور ملحدین منکریں پر اتمام حجت کے سلسلہ میں ہوا یا ہوگا اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے مجھے تو اپنی محنت کا نقد صلہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی مسرت وخوشنودی اور بیشمار دعاؤں سے اسی وقت مل گیا اور جوں جوں ان رسائل کی اشاعت سے مسلمانوں کی ہدایت بلکہ بہت سے قادیانی خاندانوں کی توبہ ورجوع الی الاسلام کے متعلق حضرت کو معلوم ہوئے۔ اسی طرح اظہار مسرت اور دعا کے انعامات ملتے رہے۔

فیروز پور پنجاب میں تاریخی مناظرہ:

اسی زمانہ میں چھاؤنی فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں کا ایک خاصا جتھا جمع ہو گیا تھا۔ یہ لوگ وہاں کے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے اور اپنے دستور کے موافق عام مسلمانوں کو مناظرہ مباحثہ کا یہ چیلنج کیا کرتے اور جب کسی عالم سے مقابلہ کی نوبت آتی تو راہ گریز اختیار کرتے۔ اسی زمانہ میں ضلع سہارنپور کے رہنے والے کچھ مسلمان جو فیروز پور میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ ان لوگوں نے روز روز کی جھک جھک کو ختم کرنے کے لیے خود قادیانیوں کو دعوت مناظرہ دے دی۔

قادیانیوں نے سادہ لوح عوام سے معاملہ دیکھ کر بڑی دلیری اور چالاکی کے ساتھ دعوت

مناظرہ قبول کر کے بجائے اس کے کہ مناظرہ کرنے والے علماء سے شرائط مناظرہ طے کرتے انہیں عوام سے ایسی شرائط مناظرہ پر دستخط لے لیے جن کی رو سے فتح بہرحال قادیانی گروہ کی ہو اور اہل اسلام کو مقررہ شرائط کی پابندی کی وجہ سے ہر قدم پر مشکلات درپیش ہوں۔

ان عوام مسلمین نے مناظرہ اور شرائط مناظرہ طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے چند علماء کو دعوت دی جو قادیانیوں سے مناظرہ کریں۔

مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ علیہ اللہ کے مشورہ سے اس کام کے لیے حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن صاحبؒ حضرت مولانا بدرعالم صاحب میرٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور احقر تجویز ہوئے۔ ادھر قادیانیوں نے یہ دیکھ کر ہم نے اپنی من مانی شرائط میں مسلم مناظرین کو جکڑ لیا ہے۔ اپنی قوت محسوس کی اور قادیان کی پوری طاقت فیروز پور میں لا ڈالی۔ ان کے سب سے بڑے عالم اس وقت سرور شاہ کشمیری اور سب سے بڑے مناظر حافظ روشن علی اور عبدالرحمٰن مصری وغیرہ تھے یہ سب اس مناظرہ کے لیے فیروز پور پہنچ گئے۔

ہم چار افراد حسب الحکم دیوبند سے فیروز پور پہنچے تو یہاں پہنچ کر چھپا ہوا پروگرام مناظرہ اور شرائط مناظرہ کا نظر سے گزرا۔ شرائط مناظرہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ان میں ہر حیثیت سے قادیانی گروہ کے لیے آسانیاں اور اہل اسلام کے لیے ہر طرح کی بے جا پابندیاں عوام نے اپنی ناواقفیت کی بناء پر تسلیم کی ہوئی ہیں اب ہمارے لیے دو ہی راستے تھے کہ یا ان مسلمہ فریقین شرائط مناظرہ کے ماتحت مناظرہ کریں جو ہر حیثیت سے ہمارے لیے مضر تھیں یا پھر مناظرہ سے انکار کر دیں کہ ہم ان شرائط کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے جو بغیر ہماری شرکت کے طے کر لی گئی ہیں لیکن دوسری شق پر مقامی مسلمانوں کی بڑی خفت اور سبکی تھی اور قادیانیوں کو اس پر وپیگنڈے کا موقع ملتا کہ علماء نے مناظرہ سے فرار کیا اس لیے ہم سب نے مشورہ کر کے مناظرہ کرنے کا تو فیصلہ کر لیا اور بذریعہ تار صورتحال کی اطلاع حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو دے دی۔

اگلے روز مقررہ وقت پر مناظرہ شروع ہو گیا۔ ابھی شروع ہی تھا عین مجلس مناظرہ میں نظر پڑی کہ حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما مع چند دیگر علماء کے تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی آمد پر ہم نے کچھ دیر کے لیے مجلس مناظرہ ملتوی کی اور ان حضرات کو

صورتحال بتلائی۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ جائیے ان لوگوں سے کہہ دیجیے کہ تم نے جتنی شرطیں اپنی پسند کے موافق عوام طے کرالی ہیں اتنی ہی اور لگالو ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں۔ تم چوروں کی طرح عام ناواقف مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے عادی ہو۔ کسی شرط اور کسی طریق پر ایک مرتبہ سامنے آ کر اپنے دلائل بیان کرو اور ہمارا جواب سنو پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق اسی کا اعلان کر دیا گیا اور مناظرہ جاری ہوا۔ ان اکابر کو مناظرہ کے لیے پیش کرنا ہماری غیرت کے خلاف تھا۔ اس لیے پہلے دن مناظرہ مسئلہ ختم نبوت پر احقر نے کیا۔ دوسرے تیسرے دن حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس صاحب نے دوسرے مسائل پر مناظرہ کیا۔

یوں تو مناظرہ کے بعد ہر فریق اپنی اپنی کہا ہی کرتا ہے لیکن اس مناظرہ میں چونکہ عموماً تعلیم یافتہ طبقہ شریک تھا۔ اس لیے کسی فریق کو دھاندلی کا موقع نہ تھا۔ پھر اس مناظرہ کا کیا اثر ہوا اس کا جواب فیروز پور کے ہر گلی کوچے سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ قادیانی گروہ کو کس قدر رسوا ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ خود اس گروہ کے تعلیم یافتہ وسنجیدہ طبقہ نے اس کا اقرار کیا کہ قادیانی گروہ اپنے کسی دعوے کو ثابت نہیں کر سکا اور اس کے خلاف دوسرے فریق نے جو بات کہی قوی دلیل کے ساتھ کہی۔

مناظرہ کے بعد شہر میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کی تقریریں قادیانی مسئلہ کے متعلق ہوئیں۔ یہ تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے۔ اس مناظرہ اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے۔ (الحمدللہ)

حضرت شاہ صاحب کا دورہ پنجاب:

1343ھ میں جبکہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی کوشش سے بذریعہ تصنیف و تحریر قادیانی دجل وفریب کا پردہ پوری طرح چاک کر دیا گیا اور قادیانیت سے متعلق ہر مسئلہ پر مختلف طرز و انداز کے بیسیوں رسائل شائع ہو چکے تو آپ نے اس کی بھی ضرورت محسوس فرمائی کہ ناخواندہ عوام کا

طبقہ زیادہ کتابیں نہیں پڑھتا اور قادیانی مبلغین چل پھر کر ان میں اپنا دجل پھیلاتے ہیں۔ ان لوگوں کی حفاظت کے لیے پنجاب کے مختلف شہروں کا ایک تبلیغی دورہ کیا جائے۔

پنجاب و سرحد کے دورہ کا پروگرام بنا۔ علماء دیوبند کی ایک جماعت ہمرکاب ہوئی۔ اس جماعت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اکابرین سے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ شریک تھے اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند' حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی' حضرت مولانا محمد ادریس صاحب اور مولانا محمد نعیم صاحب لدھیانوی اور احقر ناکارہ شامل تھے۔ یہ علم کے پہاڑ اور تقویٰ کے پیکر پنجاب کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور مرزائیت کے متعلق اعلان حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی' لدھیانہ' امرتسر' لاہور' گوجرانوالہ' گجرات' راولپنڈی' ایبٹ آباد' مانسہرہ ہزارہ' کھوٹہ وغیرہ میں ان حضرات کی بصیرت افروز عالمانہ تقریریں ہوئیں۔ مرزائی دجال جو آئے دن مناظرہ ومباہلہ کے چیلنج عوام کو دکھانے کے لیے پھرتے تھے۔ ان میں سے ایک سامنے نہ آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان میں نہیں ہیں۔

اس پورے سفر میں عام مسلمانوں نے **جاء الحق وزهق الباطل** کا منظر گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔

فتنہ قادیانیت پر حضرت مفتی صاحبؒ کی تصنیفات:

ردقادیانیت کے سلسلہ میں حضرت مفتی اعظمؒ کی اہم ترین خدمت ان کی وہ گرانقدر تصنیفات ہیں جو آپ نے اسلام اور قادیانیت کے درمیان زیر بحث مسائل پر مرتب فرمائیں' ان میں اکثر کا ذکر اوپر کی تحریر میں آچکا ہے' مگر مناسب ہوگا کہ ان کا مختصر سا تعارف یہاں پیش کر دیا جائے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تمام تالیفات میں چند خصوصیات ایسی ہیں جو صرف ان کی تحریر کا مخصوص رنگ کہلا سکتی ہیں اور جن کی وجہ سے ان کی تالیفات مفید خاص وعام ہیں۔

پہلی خصوصیت ان کی زبان کی بے ساختگی اور سلاست ہے۔ حضرت مفتی صاحب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو اسے ایسے عام فہم انداز میں صاف صاف بیان کرتے ہیں کہ متوسط استعداد کا آدمی بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکتا ہے' عبارت میں بے جا طول اور مطالب میں پیچیدگی سے ان کی تحریر مبرا ہوتی ہے۔

دوسری خصوصیت ان کے لب و لہجہ میں متانت اور سنجیدگی ہے وہ کٹر سے کٹر مخالف کے مقابلہ میں یہ تحمل اور متانت سے بات کرتے ہیں اور تلخی و اکتاہٹ سے ہمیشہ دامن کشاں رہتے ہیں۔ان کی تحریر میں آپ کو فقرے بازی کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس موضوع کو لیتے ہیں اس کے ساتھ پوری وفاداری کرتے ہیں اور موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیتے۔

چوتھی خصوصیت ان کا تفقہ' نکتہ سنجی اور استدلال کی قوت ہے جو ان کی ہر تصنیف میں نمایاں ہے۔وہ فقیہ النفس ہیں اور ان کی ہر عبارت تفقہ کی آئینہ دار ہے۔

پانچویں خصوصیت مطالب کی تہذیب اور مضامین کی ترتیب کا خداداد سلیقہ ہے۔

ان تمام خصوصیات کے بعد اب ان کی رد قادیانیت کے موضوع پر تصانیف کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(ا) ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبیین۔آپ نے یہ رسالہ حضرت شاہ صاحبؒ کے حکم پر عربی میں تالیف فرمایا:

اس رسالہ میں نہایت اختصار کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت پر قرآن کریم کی 33 آیات اور آنحضرت ﷺ کی 164 احادیث طیبہ جمع کی گئی ہیں۔ 6 صحابہ کرامؓ اور بیشمار اکابر سلف کی تصریح ذکر کی گئی ہے اور آخر کتب سابقہ سے مسئلہ ختم نبوت پر نقول پیش کی گئی ہیں۔

یہ رسالہ ۱۳۴۲ھ میں دیوبند سے شائع اور اس پر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری' مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی' مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی' مولانا اعزاز علی اور مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کی تقریظات ثبت ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی جانب سے یہ رسالہ دومرتبہ شائع ہوا۔

ختم نبوت کامل:

متوسط تقطیع پر چار سو صفحے کی یہ ضخیم کتاب گویا ہدیۃ المہدیین کا اردو ایڈیشن ہے۔اس میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مسئلہ ختم نبوت پر قرآن کریم' احادیث نبوی' اجماع امت اور کتب سابقہ کی نقول کا ذخیرہ پوری شرح و تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اسے تین حصوں پر تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) ختم النبوۃ فی القران (۲) ختم النبوۃ فی الحدیث (۳) ختم النبوۃ فی الآ ثار۔ ختم النبوۃ فی القرآن میں قرآن کریم کی 99 آیات معہ تشریح وتفسیر کے درج کی گئی ہیں۔ ختم النبوۃ فی الحدیث میں آنحضرت ﷺ کے (210) ارشادات نقل کیے گئے ہیں اور ختم النبوۃ فی الآ ثار میں صحابہ' تابعین' ائمہ مجتہدین' فقہاء' محدثین' مفسرین' صوفیاء' متکلمین' الغرض امت کے تمام طبقات کے اکابر کی تصریحات جمع کی گئی ہیں۔ اسی کے ساتھ انبیاء سابقین کے ارشادات اور کتب سابقہ کی نقول کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔

قادیانیت کی طرف سے آیات واحادیث کی جو تحریفات کی جاتی ہیں ان کا بھی نہایت شافی اور مدلل جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب حضرت مصنفؒ کے ان محاسن میں سے ہے کہ اگر فتنہ قادیانیت کے رد میں اس کے سوا ان کی اور کوئی تحریر نہ ہوتی تب بھی ان کی دینوی واخروی سعادت کے لیے کافی تھی۔ یہ کتاب تقسیم سے قبل دیوبند سے شائع ہوتی رہی اور پاکستان میں بھی حضرت مفتی صاحب کے ادارے سے بارہا شائع ہوئی۔

التصریح بما تواتر فی نزول المسیح:

قادیانیت کا سب سے بڑا مسئلہ حیات مسیح ہے۔ آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک پوری امت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابھی تک انتقال نہیں ہوا وہ آسمانوں پر زندہ ہیں' قیامت سے پہلے ان کا نزول ہوگا اور تمام اہل کتاب جو اس وقت موجود ہوں گے ان پر ایمان لائیں گے' آپؑ دین اسلام کی دعوت دیں گے اور پوری دنیا میں صرف ایک ہی دین ہوگا۔

حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق تمام احادیث کو ذخیرہ حدیث سے تلاش کر کے جمع فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ کو ان کے مرتب کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے ان احادیث کو التصریح کے نام سے مرتب کیا اور اس کے لیے ایک طویل اور پرمغز مقدمہ تحریر فرمایا۔ یہ عظیم الشان کتاب نہ صرف اپنے موضوع پر اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے' بلکہ ذخیرہ حدیث میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں علامات قیامت' خصوصاً ظہور مہدی' خروج دجال' نزول عیسیٰ بن مریم' خروج یاجوج' خروج دابۃ الارض کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی لسان وحی ترجمان کے لعل وجواہر جمع کر دیئے گئے ہیں۔

یہ کتاب پہلے دیوبند سے شائع ہوئی' پاکستان میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت کوئٹہ'' نے اسے شائع کیا اور چند سال پہلے الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ مدظلہ العالی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ حلب سے اس کا جامع ترین ایڈیشن نکلا جو 350 صفحات پر مشتمل ہے۔ حال ہی میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے اہتمام سے اس کا عکس شائع کیا گیا ہے۔

مسیح موعود کی پہچان:

یہ مختصر سا رسالہ ''التصریح'' کا گویا اشاریہ یا خلاصہ ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی جتنی صفات' حالات اور علامات آئی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ان کو مرتب کر کے مرزا قادیانی کا ان سے مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ ان صفات میں سے کوئی صفت بھی مرزا قادیانی کو نصیب نہیں۔ لہٰذا جس مسیح کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں نہ کہ مرزا قادیانی۔ التصریح کے حلبی ایڈیشن میں اس رسالہ کا عربی ترجمہ برادم مولانا محمد تقی عثمانی کے قلم سے شائع کیا گیا ہے۔

نزول مسیح اور علامات قیامت:

یہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کا اردو ترجمہ ہے' جو مولانا محمد رفیع عثمانی کے قلم سے ہے اس کے ساتھ موصوف نے علامات قیامت کا ایک جدول مرتب کر دیا ہے جس سے واقعات کی ترتیب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

وصول الافکار الی اصول الاکفار:

کسی مسلمان کو کافر کہنا بھی بڑا سخت گناہ ہے اور کسی کافر کو مسلمان ثابت کرنا بھی فساد عظیم کا موجب ہے کیونکہ اس سے اسلام اور کفر کی حدود مٹ جاتی ہیں۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اسلام اور کفر کے مسئلہ کو منقح کیا جائے۔ حضرت امام العصر مولانا محمد انور کشمیری نے اپنے مخصوص انداز میں اس موضوع پر ''اکفار الملحدین'' تالیف فرمائی' جسے حرف آخر کہا جا سکتا ہے مگر وہ عام فہم نہیں تھی' اس لیے حضرت مفتی صاحب نے خالص فقہی انداز میں اس پر قلم اٹھایا اور اسلام اور کفر کے معیار کو بالکل منقح کر کے رکھ دیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں

عبدالماجد دریا آبادی کے نام 7 شعبان 1351ھ کو تحریر فرمایا اور ماہنامہ ''النور'' تھانہ بھون ربیع الثانی 1252ھ میں شائع ہوا' اس رسالے کے بارے میں تحریر فرمایا:

''مولوی محمد شفیع صاحب نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع مانع اور نافع رسالہ لکھا ہے۔ بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا' مگر ان کی تحریر و تقریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہو گیا۔ وہ عنقریب چھپ جائے گا' میں نے اس کا نام رکھا ہے ''وصول الافکار الیٰ اصول کفار''۔ 7 شعبان 1251ھ۔''

یہ رسالہ الگ بھی کئی بار طبع ہوا' اور اب اسے ''جواہر الفقہ'' میں جو حضرت مفتی صاحب کے فقہی رسائل کا مجموعہ ہے۔ شامل کر دیا گیا ہے۔

مرتد کی سزا:

کابل میں نعمت اللہ قادیانی کو بسزائے ارتداد سنگسار کیا گیا تو قادیانی اس سے آتش زیرپا ہوئے' اور اسلام کے اس قطعی مسئلہ کا کہ ''مرتد کی سزا قتل ہے'' انکار کر دیا۔ اس رسالہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے قران کریم' حدیث نبوی' تعامل اور اجماع امت سے زیر بحث مسئلہ کو ثابت کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ عقل صریح کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ رسالہ بھی ''جواہر الفقہ'' میں شامل ہے۔

البیان الرفیع:

اس کا تذکرہ حضرت مفتی صاحبؒ کے مضمون میں بھی جو حیات انور سے نقل کیا جا چکا ہے۔ آیا ہے۔ بہاولپور کے مشہور تاریخی مقدمہ میں وکیل مدعیہ کی طرف سے جو بیان حضرت مفتی صاحب نے دیا تھا۔ اسے ''البیان الرفیع'' کے نام سے ''بیانات علمائے ربانی'' میں شائع کیا گیا ہے۔ اس میں آپ نے قادیانیوں کے دعاوی' ان کی حیثیت اور ان کے بارے شرعی حکم کی وضاحت فرمائی۔

یہ آٹھ رسائل راقم الحروف کے مطالعہ سے گزرے ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی مفید ترین تفسیر ''معارف القرآن'' میں اور عربی تفسیر ''احکام القرآن'' قادیانی سے متعلقہ

مباحث پر جو گرانقدر علمی ذخیرہ سپرد قلم فرمایا ہے اگر اسے یکجا کر دیا جائے تو ایک ضخیم اور جامع کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

(البلاغ مفتی اعظمؒ پاکستان نمبر)

قادیانیت کے بارے میں فتاویٰ:

قادیانیت کے متعلق حضرت مفتی اعظمؒ پاکستان کے فتاویٰ زیر نظر کتاب کے ایک دوسرے باب میں نقل کیے گئے ہیں۔ تکرار سے بچنے کے لیے یہاں سے حذف کیے جاتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمدؒ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں استاذ الحدیث اور صدر مہتمم بھی رہے۔ آپ نے اردو زبان میں قرآن مجید کے مایہ ناز حواشی لکھ کر دین اسلام کی اہم خدمت کی۔ تحریک پاکستان میں آپ کا نمایاں کردار رہا۔ پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد کی منظوری آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ پاکستان کا جھنڈا مغربی حصہ میں سب سے پہلے آپ نے لہرایا۔ قائد اعظمؒ کے انتقال پر ان کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔ قادیانیت کے متعلق آپ کی خدمات کا تذکرہ آپ کے سوانح نگار اس طرح کرتے ہیں۔

علامہ عثمانی کی قادیانیوں کے خلاف مساعی 1343ھ مطابق 1925ء:

دارالعلوم دیوبند اور وہاں کے علماء نے مخالفین اسلام کا ہمیشہ مقابلہ کیا۔ بانی دارالعلوم دیوبند کی تمام عمر اہلسنت والجماعۃ اور اسلام کی تائید اور قادیانیوں' آریوں' عیسائیوں' دہریوں' سناتن دھرمیوں کی مخالفت میں گزری۔ دارالعلوم دیوبند سے ایک وفد پنجاب کے دورے کو نکلا تاکہ قادیانیت کے دجل وفریب کی دھجیاں اڑا دی جائیں۔ حضرت سید محمد انور شاہ اور مولانا عثمانی بھی اس وفد سے جا ملے۔ فیروز پور میں قادیانیوں سے مناظرے کی ٹھہری۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ حیات انور کے مقالے میں لکھتے ہیں:

''مناظرے کے بعد شہر (فیروز پور) میں ایک جلسہ عام ہوا جس میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریریں فیروز پور کی تاریخ میں ایک یادگار

خاص کی نوعیت رکھتی ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو قادیانی دجل کے شکار ہو چکے تھے۔
اس مناظرے اور تقریروں کے بعد اسلام پر لوٹ آئے۔'' (حیات انور ص260)

قادیانیت کے استیصال میں پنجاب اور سرحد کا دورہ 1343ھ' 1925ء:

حضرت مفتی صاحب حیات انور کے اس مضمون میں تحریر فرماتے ہیں کہ:
''یہ علم کے پہاڑ (حضرت شاہ صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب' مولانا مرتضٰی حسن صاحب وغیرہم) پنجاب کے ہر بڑے شہر میں پہنچے اور مرزائیت کے متعلق اعلان حق کیا۔ منکرین کو رفع شبہات کی دعوت دی' لدھیانہ' امرتسر' لاہور' گجرات' راولپنڈی' ایبٹ آباد' مانسہرہ' گھوٹہ وغیرہ میں ان حضرات کی بصیرت افروز عالمانہ تقریریں ہوئیں۔'' (حیات انور ص261)

علامہ عثمانی نے مسئلہ ارتداد کے متعلق الشہاب کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اس کا تعارف درج ذیل ہے۔

الشہاب:

نعمت اللہ قادیانی کو جب 31 اگست 1924ء کو کابل میں شاہ امان اللہ کے حکم سے سنگسار کیا گیا تو قادیانیوں کی طرف سے بہت شور مچا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ آپ نے دلائل سے ثابت کیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ یہ رسالہ چھپوا کر شاہ امان اللہ خاں کے پاس بھیجا گیا تھا جو ۱۸ صفر ۱۳۴۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۴ء میں لکھا گیا۔

(حیات عثمانی ص182, 272, 273)

از پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی ناشر مکتبہ دار العلوم کراچی

مولانا ظفر احمد عثمانی

مولانا ظفر احمدؒ عثمانی ایک عظیم محدث اور فقیہ تھے۔ مشرقی پاکستان کے علاقوں کو پاکستان میں شامل کرنے میں آپ کا اہم کردار تھا۔ مشرقی پاکستان میں سب سے پہلے پاکستان کا جھنڈا آپ نے ہی لہرایا تھا۔ تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی ذیل خدمات کا حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی اس طرح تعارف کراتے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں جب قومی اسمبلی کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے پاکستان میں جداگانہ انتخاب کی سفارش کی تو اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر ۱۹۵۲ء میں مسلمانان پاکستان نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ پاکستان میں بسنے والی دوسری اقلیتوں کی طرح قادیانی گروہ کو بھی قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تا کہ ان کا شمار قانوناً مسلمانوں کی فہرست میں نہ ہو سکے اور وہ اپنے کو مسلمان کہلا کر حکومت کے عہدوں اور مسلمانوں کی انتخابی نشستوں پر اپنے حق سے زیادہ غاصبانہ قبضہ نہ کرتے رہیں۔ مولانا ظفر احمد عثانی اس کی سرگزشت میں اپنی خودنوشت سوانح میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

''اس سال ملت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ علمائے اسلام کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے۔ اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں چنانچہ قائداعظم کی نماز جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوئے۔''

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء اور عمائدین کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا پھر ایک اجتماع خصوصی حضرات علماء کا ہوا جس میں پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینہ کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہوگا (کمیٹی سے مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں مولانا مرحوم کے علاوہ مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مہتمم جامعہ قرآنیہ (ڈھاکہ) مولانا دین محمد خان صاحب، مفتی ڈھاکہ، مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ (کشور گنج) ساور پیر سرسینہ کا نام شامل تھا اور بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ مغربی پاکستان کے ارکان کمیٹی نے تو جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا مگر مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہ لی گئی۔

لیکن اس کے باوجود بھی مشرقی پاکستان کے علمائے کرام نے اس فیصلہ کی کوئی مخالفت نہیں کی اور البتہ یہ ضرور ہے کہ مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا گیا۔

اس زمانہ میں لاہور فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء لگا دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا بہت خون ہوا اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ جیل میں بند کر دیئے گئے۔

مولانا مودودی کی گرفتاری:

مولانا مودودی بھی گرفتار کیے گئے اور فوجی عدالت نے ان کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کر دی تو مولانا نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ:

''غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے۔ اسی لیے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ ''قادیانی مسئلہ'' ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے مگر اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ میں سارا عالم اسلام متفق ہے۔ اگر اس بناء پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں۔'' پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔

محمد علی بوگرا سے ملاقات:

مولانا لکھتے ہیں ''جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اس وقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لیے ڈھاکہ آئے تھے۔ ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور ملاقات کی غرض معلوم کی۔ مولانا نے کہا حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ نظام اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اس کا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کی کوشش کرنے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے۔''

وہ کہنے لگے مجھے بالکل خبر نہیں میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور جاتے ہی اس فیصلہ کی منسوخی کے لیے پوری کوشش کروں گا۔'' اگلے ہی روز خبر آ گئی کہ ''پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔'' مولانا مرحومؒ نے اس پر بھی جلسہ عام میں کڑی تنقید کی اللہ نے کیا یہ سزا بھی کم ہو گئی اور دو تین سال کے بعد مولانا رہا ہو گئے۔

1953ء میں تو ملت پاکستان کا یہ مطالبہ قانونی شکل اختیار نہ کر سکا لیکن جب 1974ء میں

پھر دوبارہ اس مسئلہ نے زور پکڑا اور اس وقت کی مجلس عمل نے قادینوں سے مقاطعہ کی تجویز بھی طے کی تو اس وقت کی اسمبلی نے اس کو منظور کرلیا اور قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے بھی مجلس عمل کی اس تجویز کی موافقت فرمائی تھی اور احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں رقم فرمایا تھا۔

''قادیانی جو مرتد ہیں ان کی سزا اسلام میں قتل ہے تین دن کی مہلت دی جائے توبہ نہ کریں تو قتل کیے جائیں۔ جو مرتد کی اولاد ہیں اگر وہ بھی دوسروں کو مرتد کرتے ہیں ان کی بھی یہی سزا ہے مگر اس سزا کا جاری کرنا حکومت کا فرض ہے اور دوسروں کو جائز نہیں۔ البتہ وہ مقاطعہ ضرور کریں کہ مقاطعہ میں ان کی ترقی رک جائے گی اور مقاطعہ سے ان کی تجارت فیل ہوگی۔ بھوکے نہیں مریں گے۔ یہ بہت ہیں آپس میں لین دین کر کے زندہ رہ سکتے ہیں۔''

والسلام ظفر احمد عثمانی 28 شعبان 1394ھ

حضرت مولانا مرحوم کے والا نامہ سے واضح ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کو جاری کرے۔ دوسروں کو جائز نہیں کہ وہ اس پر اقدام کریں البتہ ان سے مقاطعہ کیا جائے تاکہ ان کی ترقی رک جائے اور ان کی تجارت پر اثر پڑے۔

(تذکرہ الظفر ص 400 تا 402)

از مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مرحوم ناشر۔ مطبوعات علمی کمالیہ

حضرت مولانا بہاءالحق قاسمی

وہ علماء کرام جو قادیان جا کر قادیانیت کے خلاف کام کرتے رہے ان میں حضرت مولانا بہاء الحق قاسمی بھی شامل ہیں۔ آپ کے دو بیٹوں عطاء الحق قاسمی اور ضیاء الحق قاسمی نے صحافت' شعر وادب اور طنز و مزاح میں بڑا نام کمایا ہے۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف جو جدوجہد کی اس کا تذکرہ مولانا عنایت اللہ چشتی مرحوم نے کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

مولانا بہاء الحق قاسمی امرتسر کے رہنے والے تھے۔ بڑے ''خوش خلق' خوش رنگ' خوش گلو' تھے۔ بڑے پایہ کے عالم اور خوش بیان تھے۔ ''بہترین صحافی'' اور ''دوستوں کے دوست'' تھے۔ اخلاق کے پتلے اور وفا کے مجسمہ تھے۔ پہلے کٹڑا کمہاراں میں اور پھر گلو والی دروازہ کے اندر حضرۃ

امیر شریعت رحمۃ اللہ جب کٹڑا مہاں سنگھ سے اٹھ کر ان کے محلہ میں آ گئے تو پھر سڑک کی دوسری طرف ان کے مکان کے سامنے جگہ خرید کر اپنا نیا مکان بنا لیا تھا' رہا کرتے تھے''عالیشان مکان'' تھا۔ ''انجمن اسلامیہ امرتسر'' کے ہائی سکول میں عربی پڑھایا کرتے تھے۔ مرزائیوں کے خلاف شدید جذبہ رکھتے تھے۔ ''میانہ قد' دوہرا جسم' گورا رنگ' گھنی سیاہ داڑھی' ذرا سنبھلی ہوئی۔ سٹیج پر کھڑے ہوتے تو سامعین کو مسحور کر دیتے۔ ''خوش آواز اتنے کہ کسی راہ جاتے کے کان میں آواز پڑ جاتی تو وہ تھم جاتا۔ بیان اتنا عمدہ کہ کیا مجال مجمع میں سے کوئی ہلنے کا نام لے۔

جب مجلس احرار اسلام نے مرزائیوں کے خلاف ''شعبہ تبلیغ'' قائم کیا تو تہ دل سے اس کے معاون و مددگار بن گئے۔ ہم نے جب ''قادیان'' میں ''تحریک'' شروع کی تو طے پایا کہ ''ہر جمعہ کو باہر سے کوئی عالم آئے اور قادیان میں آ کر مرزائیوں کے خلاف تبلیغ کرے۔ اس سلسلہ میں ہم نے ان سے فرمائش کی تو انہوں نے ہماری درخواست پر یہ فریضہ اپنے ذمہ لیا۔ چنانچہ مولانا مہینے میں ایک دو بار اپنا جمعہ کسی کے حوالہ کر کے قادیان تشریف لے آتے اور ''جامع مسجد ارائیاں قادیان'' میں بڑی زوردار تقریر فرماتے اور شام کی گاڑی سے واپس امرتسر چلے جاتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد لاہور آ گئے اور ماڈل ٹاؤن لاہور کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ راقم الحروف سے بڑا پیار تھا اور تقسیم کے بعد میں کئی دفعہ ان کی ملاقات کے لیے ماڈل ٹاؤن گیا۔ وہ بہت خوش ہوتے۔

(''مشاہدات قادیان'' ص 241' از مولانا عنایت اللہ چشتی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم کاندھلہ کے معروف علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے' آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد خاص تھے۔ ان کے حکم پر تحفظ ختم نبوت کے میدان میں آئے اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ متعدد مناظروں میں شرکت کی' آپ کی تفسیر معارف القران مذاہب باطلہ خصوصاً عیسائیت وقادیانیت کے رد سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نہایت عالمانہ شکوہ کے مالک تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم اور پوتے ڈاکٹر محمد سعد صدیقی نے دینی خدمات کے اس سلسلہ کو قائم رکھا ہے۔ آپ کے

ایک دوسرے صاحبزادے مولانا محمد میاں صدیقی بھی دینی کاموں میں سرگرم عمل رہے ہیں۔
مولانا محمد میاں' اپنے ناموروالدگرامی کی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم نے قادیانیوں کے خلاف باقاعدہ تحریری جہاد کا آغاز 1342ھ/1922ء سے ''کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر کیا۔ دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:

''اس دور پرفتن میں ہر طرف سے دین پر فتنوں کا ہجوم ہے' جس میں ایک بہت بڑا فتنہ مرزائیت کا ہے۔ اس فتنے کا بانی منشی مرزا غلام احمد قادیانی ہے' اولاً اس نے اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا' پھر مثیل مسیح ہونے کا' پھر مسیح اور عیسیٰ ہونے کا اور اپنی مسیحیت کی دھن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مدعی بنا اور ان کے رفع الی السما کو محال قرار دیا اور صدہا اوراق اس بارے سیاہ کیے۔

علمائے اہل سنت والجماعت نے ردمزائیت پر عموماً اور حیات عیسیٰ پر خصوصاً مفصل' مختصر اور متوسط کتابیں تالیف فرمائیں اور بارگاہ خداوندی سے اجر حاصل کیا۔

1342ھ میں اس ناچیز اور بے بضاعت نے بھی ایک رسالہ ''کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے نام سے لکھا تھا' جس کو حضرت مخدومنا الحبیب ومطاعنا اللبیب مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا تھا۔''

(حیات عیسیٰ۔ طبع ملتان 1376ھ' ص: 4,3)

اس کتاب کے بارے میں والد صاحب اپنا ایک عجیب خواب بیان فرماتے ہیں:

''جس شب میں اس رسالے (کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ) کی لوح کا ورق (یعنی ٹائیٹل) طبع ہو رہا تھا' اس ناچیز نے یہ خواب دیکھا کہ یہ ناچیز دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھتا کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام منبر کے قریب اور محراب امام کے سامنے تشریف فرما ہیں' چہرہ مبارک پر عجیب وغریب انوار ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور حضرت کے ساتھ کوئی خادم بھی ہے۔ یہ ناچیز نہایت ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک قادیانی پکڑ کر لایا گیا اور سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ بعدازاں دو عبا لائے گئے۔ ایک نہایت سفید اور خوبصورت ہے اور

دوسرا نہایت سیاہ اور بدبودار ہے۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ سفید عبا اس ناچیز کو پہنادیں اور بدبودار عبا اس قادیانی کو پہنایا جائے۔ چنانچہ اس ناچیز کو پہنایا گیا اور سیاہ عبا اس قادیانی کو اور یہ ناچیز خاموش کھڑا ہے اور قادیانی کو دیکھ کر دل میں یہ آیت پڑھ رہا ہے۔ **سرابیلھم من قطران وتغشی وجوھم النار**۔[1] اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔''

(حیات عیسیٰ، طبع ملتان 1376ھ، ص:6,5)

''کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ' کا موضوع یہ ہے کہ: قادیانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان کا قرآن حکیم، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے مفصل اور مدلل جواب دیا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ رہنا اور اخیر زمانے میں آسمان سے نازل ہونا بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے تقسیم ہند سے قبل اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ موجودہ ایڈیشن ''حیات عیسیٰ'' کے نام سے طبع ہوا ہے۔ 142 صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب اگرچہ ضخیم نہیں ہے، مگر مضمون کے اعتبار سے کتنی اہم ہے، اس کا اندازہ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریظات سے لگایا جا سکتا ہے، جو اس کتاب پر انہوں نے تحریر فرمائیں، علامہ انور شاہ تحریر فرماتے ہیں۔

''رسالہ کلمتہ اللہ فی حیات روح اللہ'' مصنفہ علامہ فہامہ جناب مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس دارالعلوم دیوبند کا احقر نے کہیں سے دیکھا اور بعض مضامین کو مولف ممدوح کی زبان سے سنا، رسالہ مذکورہ حیات عیسیٰ علیہ السلام میں کافی وشافی اور مباحث متعلقہ کا حادی، اور جامع ہے۔ نقول، معتبر اور مستند کتابوں سی لی گئی ہیں اور عمدہ سے عمدہ قول سامنے رکھ دیا ہے۔ علماء اور طلبہ کو تلاش اور تتبع سے بے نیاز کر دیا ہے۔''

اسی کتاب کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''تقریباً دو سال ہوئے 1340ھ/1922ء مقام فیروز پور پنجاب قادیانی مرزائیوں

۱۔ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔

سے متنازعہ فیہ مسائل میں علمائے دیوبند کی گفتگو ہوئی تھی' سب سے پہلی بحث حضرت مسیح بن مریم کی حیات اور رفع الی السماء اور دوبارہ تشریف آوری کے متعلق تھی' جس میں دیوبند کی طرف سے برادر مکرم جناب مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس دارالعلوم وکیل تھے' مولوی صاحب نے جو عالمانہ اور محققانہ تقریر فرمائی' بحمد اللہ تعالیٰ نہ صرف عام پبلک بھی اس سے محفوظ اور مطمئن ہوئی بلکہ بندہ کے روبرو بعض ممتاز مرزائیوں نے بھی اس کی معقولیت اور سنجیدہ روش کی داد دی اور اس طرح مولوی صاحب کے عالمانہ طرز استدلال نے منکرین سے بھی خراج تحسین وصول کیا۔

میں نے اسی وقت مولانا موصوف سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب کی توضیح و تحقیق ایک کتاب کے ذریعے اس طرح کر دیجیے کہ غائب و حاضر کے لیے اس میں بصیرت ہو اور مسئلہ کا تمام مادہ بیک وقت سامنے آ جائے اور کسی باطل پرست کو گنجائش نہ رہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک حق پرست کے قدم ڈگمگا سکیں۔

شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس وقت تک کوئی کتاب اس قدر جامع اور حاوی ایسے سادہ اور بے تکلف انداز میں نہیں لکھی گئی۔''

(حیات عیسیٰ' طبع ملتان 1376ھ/ 1957ء ص:142,140)

''کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ'' کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی کے برادر بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

''برادر عزیز مولوی محمد ادریس صاحب' جو دارالعلوم دیوبند کے لائق مدرس ہیں اور عالم باعمل' متصلب فی الدین ہیں' نے رسالہ کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ تصنیف کر کے اس مسئلہ (حیات عیسیٰ کے) کو اور زیادہ روشن اور واضح کر دیا ہے کہ مصنف مزاج اور طلب حق کے لیے گنجائش تردد و تامل نہیں چھوڑی۔''

(11 رجب 1343ھ)

حیات عیسیٰ میں قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ: کسی جسم عنصری کا آسمان پر اٹھایا جانا نہ قانون قدرت کے خلاف ہے' نہ سنت اللہ سے متصادم ہے اور اسی طرح کسی جسم عنصری کا بغیر کھائے پیئے زندگی بسر کرنا اور ایک عرصہ تک زندہ رہنا ممکن ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات نہ پانے اور زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت کے قریب نزول پر چار دلیلیں قرآن حکیم سے اور چھ دلیلیں احادیث صحیحہ سے دی گئی ہیں۔''

یہ کتاب اگرچہ مرزائے قادیان کے رد میں تالیف کی گئی مگر اس سے عیسائیوں کا بھی رد ہوا کیونکہ وہ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی چڑھا دیا گیا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان (1949ء) میں تشریف لے آئے تو یہاں بھی امت مسلمہ کو اس فتنے کا سامنا تھا۔

1952ء کے آخر میں قادیانیت کے خلاف علمائے حق کی جدوجہد نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی۔

اس وقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بقید حیات تھے۔ جامع مسجد نیلا گنبد میں زیادہ تر جمعہ کے روز مفتی صاحب مرحوم تقریر فرمایا کرتے تھے۔ کبھی کبھی جامع مسجد نیلا گنبد میں آپ کی تقاریر ہوتیں اور ملک کے مختلف حصوں میں جو جلسے منعقد ہوتے وہاں تشریف لے جاتے اور قادیانیت کے خلاف بصیرت افروز تقریریں کرتے۔ 1953ء کے آغاز میں جب بہت سے علماء تحریک ختم نبوت کی پاداش میں دارورسن کی صعوبتیں اٹھارہے تھے' آپ تحریری وتقریری جہاد میں مصروف تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ فروری ۱۹۵۳ء کا کوئی ایک جمعہ تھا' شہر میں ہر طرف ہنگامہ بپا تھا' نیلا گنبد چوک میں آگ لگی ہوئی تھی' جامعہ کی گلی میں بعض شرپسند اپنے گھروں کے دروازوں سے گولیاں برسا رہے تھے اور کسی کے باہر جانے کی ہمت نہ ہورہی تھی' حضرت مفتی صاحب مرحوم اور والد صاحب جمعہ کی نماز کے لیے مسجد نیلا گنبد گئے اور قادیانیت ہی کے خلاف تقریریں کیں۔

تحریک ختم نبوت نے 1953ء میں شدت اختیار کی۔ تشدد کے واقعات ہوئے' اس لیے مارشل لاء لگانا پڑا اور آخرکار اعلیٰ اختیارات کا ایک کمیشن بیٹھا' جو ان تمام واقعات اور حالات کی تحقیقات کے لیے مامور کیا گیا۔ بہت سے علماء کے عدالت عالیہ میں بیانات ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ والد محترم نے ان مجاہدین کی کس طرح علمی رہنمائی کی جو جیل کی کوٹھڑیوں سے باہر رہ کر امت مسلمہ کی وکالت کررہے تھے۔ اکثر قاضی شمس الدین صاحب والد محترم کی خدمت میں تشریف لاتے' گھنٹوں بیٹھے رہتے۔ عدالت عالیہ میں اپنے موقف کی حمایت میں جو مواد بہم پہنچانا ہوتا' وہ والد صاحب سے حاصل کرتے۔

قاضی شمس الدین کے علاوہ ان دنوں والد صاحب کے پاس اس موضوع پر گفتگو کے لیے جو اہل علم تشریف لائے۔ ان میں خاص طور پر تحریک ختم نبوت کے مجاہد مولانا محمد علی جالندھریؒ مولانا لال حسین اخترؒ مولانا عبدالستار خاں نیازی اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ قابل ذکر ہیں۔

عدالت عالیہ نے والد صاحب کو بھی بیان دینے کے لیے بلایا' تحقیقاتی بنچ دو ججوں پر مشتمل تھا۔ جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی مرحوم دوران بیان جسٹس منیر نے مختلف سوالات کیے۔ ایک سوال یہ کیا کہ:

''مولانا! ترمذی میں ایک حدیث آتی ہے جس میں یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹتا ہے۔ بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء دیوبندی علماء کو کافر کرتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے ان کا کفر خود بریلوی علماء پر لوٹا اور وہ لوگ کافر ہوئے؟''

والد صاحب نے جواب دیا کہ:

''ترمذی کی حدیث تو صحیح ہے مگر آپ اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھے' حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ مسلمان ہے' دیدہ دانستہ کافر کہے تو اس کا کفر کہنے والے پر لوٹے گا' جن بریلوی علماء نے بعض دیوبندی علماء کو کافر کہا۔ انہوں نے دیدہ دانستہ نہیں کیا بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جس کی بنا پر انہوں نے ایسا کہا' انہوں نے منشا تکفیر یہ تجویز کیا ہے کہ ایسے علماء نے آنحضرت ﷺ کی توہین کی ہے۔ اگرچہ ان کا یہ خیال درست نہیں کیونکہ وہ اگر ذرا بھی غور و فکر کرتے یا ان ہی حضرات کی وہی کتابیں اور عبارتیں دیکھ لیتے جس سے بریلوی حضرات علماء کو یہ خیال ہوا ہے تو خود ہی اس کا ازالہ ہو جاتا پھر بھی ہم اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ان حضرات نے بعض علماء دیوبند کی تکفیر اس بنیاد یعنی توہین رسول کے مزعومہ پر کی ہے۔ لہٰذا یہ کفر کہنے والے پر نہیں لوٹے گا' کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی علماء بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور اقدس کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے۔

ہم جواباً ان کی تکفیر کا طریقہ اختیار نہیں کرتے۔ اس بلند پایہ جواب کو جو ایک صحیح عالم کی بلند حوصلگی کی ترجمانی کر رہا ہے۔ بہت سے بریلوی نہایت متاثر ہوئے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کاش کہ یہ وسعت حوصلہ دوسری جانب بھی پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ والد رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت اور محبت رکھنے میں ہر طبقہ کے علماء اور عام حضرات برابر کے شریک تھے۔

عدالت میں زبانی بیان دینے کے علاوہ آپ نے ایک مفصل تحریری بیان قلم بند کیا جس میں پوری تفصیل سے ایمان اور کفر کی تعریف' اس کے وجوہ اور اسباب پر بحث کی۔ یہ بیان بعد میں ''مسلمان کون' کافر کون'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں ایمان اور کفر کے موضوع پر جس قدر تفصیل سے بحث کی گئی' اتنی یقیناً یک جا کسی ایک کتاب اور مضمون میں اس سے پہلے نہیں کی گئی تھی۔

سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں سے ان کا اپنا عقیدہ اور مذہب بیان کیا' اس کے بعد جو عنوانات قائم کیے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں ان پر مفصل بحث کی۔ وہ یقیناً اس موضوع پر ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

حسب ذیل چند عنوانات سے اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

☆ ایمان کی تعریف۔
☆ کفر کی تعریف۔
☆ ضروریات دین کی تعریف۔
☆ قومی اسلام اور شرعی اسلام۔
☆ اسلام میں ختم نبوت کا عقیدہ متواتر ہے۔
☆ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں فرق۔
☆ مسئلہ تکفیر اہل قبلہ۔
☆ الحاد' زندقہ اور ارتداد کی تعریف اور احکام۔
☆ مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ۔
☆ آنحضرت ﷺ' حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے خاتم النبیین تھے۔
☆ اسلام میں مدعیان نبوت کے بارے میں اجماعی فیصلہ جس پر صدیق اکبر اور بعد کے قرون میں عمل کیا گیا۔
☆ ختم نبوت اور اس کا مفہوم و حقیقت۔

۱۹۵۳ء میں جب قادیانیت کے خلاف مسلمانوں کی تحریک عروج پر تھی۔ آپ نے ختم نبوت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی۔ حضور ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر اس کتاب میں اتنے

ٹھوس دلائل پیش کیے کہ قادیانیوں کے کسی فرد یا حلقے سے آج تک اس کتاب کا جواب بن نہ پڑا۔

اسی زمانے میں قادیانیوں نے بعض اولیائے کرام اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بعض عبارتوں کو مسخ کر کے اور ان کا سیاق وسباق حذف کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نعوذ باللہ بعض اولیائے کرام اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کسی ظلی اور بروزی نبی کا آنا ممکن ہے۔ آپ نے مرزائیوں کی اس تلبیس کا جواب دیا اور خاص اسی موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر شائع کر دیا جس کا موضوع ہی یہ تھا:

''حضرت صوفیائے کرام اور مولانا محمد قاسم نانوتوی پر مرزائیوں کا بہتان اور افترا۔''

آپ نے اس رسالے کے پیرایۂ آغاز میں لکھا:

''بندہ ناچیز محمد ادریس کاندھلوی اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مرزائیوں کو اپنی گمراہی اور غلط عقائد کے ثابت کرنے کے لیے کتاب اور سنت اور اقوال صحابہ و تابعین اور ائمہ دین اور فقہاء اور محدثین' مفسرین اور متکلمین کے کلام میں تو کہیں تل رکھنے کی گنجائش نہیں ملتی اس لیے یہ گروہ حضرات اولیائے کرام اور عارفین کے ناتمام اقوال قطع و برید کر کے عوام کے سامنے پیش کرتا ہے تا کہ عوام ان حضرات اولیاء کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں' حالانکہ ان بزرگوں کا صریح عقیدہ جو عین قرآن وحدیث کے مطابق ہوتا ہے وہ ان کتابوں میں مذکور ہوتا ہے' اس کو یہ لوگ نقل نہیں کرتے' البتہ بزرگوں کے بعض ایسے مبہم اور مجمل فقروں کو نقل کر دیتے ہیں' جو ان بزرگوں سے خاص حالت سکر میں نکل جاتے ہیں' جو باتفاق علماء حجت نہیں' جیسا کہ منصور نے ایک خاص بے خودی کی حالت میں ''انا الحق'' کہہ دیا مگر جب ہوش آیا تو تائب ہوئے تو کیا کوئی عاقل' منصور کے انا الحق کہنے سے یہ استدلال کر سکتا ہے کہ ظلی اور بروزی الوہیت بندے کو بھی حاصل ہو سکتی ہے اور لا الہ الا اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کوئی مستقل خدا نہیں ہو سکتا' البتہ ظلی اور بروزی خدا ہو سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ یہ صریح کفر اور ارتداد ہے۔ اسی طرح ''لا نبی بعدی'' میں یہ تاویل کرنا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی مستقل نبی تو نہیں آ سکتا' البتہ ظلی اور بروزی نبی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی صریح کفر اور ارتداد ہے''

اس رسالہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی اس عبارت کو سیاق وسباق کے ساتھ نقل کر کے اس

کے مفہوم کی وضاحت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان کا ہرگز وہ مقصد نہیں جو اس عبارت سے مرزائی اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا نانوتوی حتماً خاتمیت زمانی کے قائل ہیں اور صراحۃً یہ تحریر فرماتے ہیں: حضور پرنور سلسلہ نبوت کے علی الاطلاق خاتم ہیں' زماناً اور رتبۃً بھی۔'' نیز فرماتے ہیں: ''اپنا دین وایمان ہے کہ بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور کے نبی ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اس میں تامل کرے' اس کو کافر سمجھتا ہوں۔''[1]

مرزائی کیونکر ہر جگہ اور خاص طور پر بیرونی ممالک میں اسلام کے نام پر تبلیغ کرتے اور اپنے لیے عنوان ''مسلمان'' ہی کا اختیار کرتے ہیں۔ ان کے انداز تبلیغ سے عام لوگوں کو یہ دھوکہ اور مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کا ایک فرقہ اور طبقہ ہے۔ ایسے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے والد محترم نے ایک مستقل رسالہ تالیف کیا' اس کا نام ہی ''اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف'' رکھا۔ اس رسالے میں اپنے ہی نقطہ نظر سے نہیں بلکہ خود مرائے قادیان کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزائیت ایک جداگانہ مذہب ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ والد محترم نے اس رسالے میں اسلام اور مرزائیت کے دس بنیادی اختلاف بیان کیے ہیں۔

ایسے ہی ''دعاوی مرزا'' کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا' اس میں وہ سینکڑوں متضاد اور بعض مضحکہ خیز دعوی نقل کیے جو خود مرزا صاحب نے کیے اور ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔

مرزائے قادیان ہی کو بے نقاب کرنے کے لیے ''شرائط نبوت'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اس میں نبی کی دس شرائط بیان کیں۔ مثلاً: عقل کامل ہونا' حفظ کامل ہونا' علم کامل ہونا 'معصوم ہونا' صادق وامین ہونا' اعلیٰ حسب ونسب ہونا' اخلاق فاضلہ کا مجموعہ ہونا' زاہد وقانع ہونا' مرد ہونا' عورت نہ ہونا اور پھر یہ بتایا کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جتنے انبیاء بھیجے ہیں ان سب میں یہ شرائط اور صفات موجود تھیں مگر مرزائے قادیان میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی موجود نہ تھی' خود ان کے بقول عقل میں بھی فتور تھا' مراق تھا' حافظہ خراب تھا' علم وفضل کا یہ حال ہے کہ دنیا کی کوئی زبان صحیح لکھنے پر قادر نہ تھا' صدق وامانت اور زہد وقناعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ساری عمر مقدمہ بازیوں میں گزری۔

بہرکیف رسالہ مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع اور مدلل ہے۔

(تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ملخصاً)

از قلم مولانا محمد میاں صدیقی

مولانا غلام غوثؒ ہزاروی

تعارفی کلمات:

شیر سرحد مولانا غلام غوث ہزاروی حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد خاص اور حضرت امیر شریعت کے رفیق خاص تھے۔ آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا مفتی محمود کے ساتھ مل کر جمعیت علماء اسلام کو از سر نو متعارف کرایا اور مستحکم کیا' آپ کئی بار صوبائی وقومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مولانا مودودی کی منفرد تعبیرات کا آپ عوامی جلسوں میں سختی سے رد کرتے تھے۔ آپ کے سوانح نگار تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی خدمت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں...... ملاحظہ فرمائیں۔

پلڑا بھاری

س: مجاہد ختم نبوت میں مولانا غلام غوث ہزاروی اور تحریک ختم نبوت اور مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں جب مولانا کوثر نیازی مرحوم سے سوال کیا گیا کہ 1974ء میں قادیانیوں کے ساتھ اسمبلی کے اندر جو معرکہ لڑا گیا جس کا 7 ستمبر کو فیصلہ ہوا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ یہ بل مولانا ہزاروی نے پیش کیا تھا آیا یہ سچ ہے؟

ج: مولانا ہزاروی نے مرزائیت کے خلاف قومی اسمبلی میں 1974ء میں تحریک کے دوران جو کام کیا ہے اگر میں صرف اتنا کہہ دوں کہ اس وقت کی تمام اپوزیشن جماعتوں کا کام اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور مولانا ہزارویؒ کا دوسرے پلڑے میں ہو تو یہ جھوٹ نہ ہوگا اور نہ ہی مبالغہ آرائی ہوگی۔ قومی اسمبلی کی 1974ء کی تمام کارروائی مولانا کے پیش کردہ بل کے گرد گھومتی ہے اور مولانا کی مسٹر بھٹو سے ملاقاتیں جو اس دوران ہوئیں۔ میں ان میں اکثر موجود ہوتا تھا۔ مولانا جس زوردار طریقے سے بھٹو صاحب کو قائل کرتے' بحث کرتے' الجھتے' ڈانٹتے یہ انہی کا کام ہے۔ (سوانح مولانا غلام غوث ہزاروی ص404)

پروانہ موت پر دستخط

س: جب مسٹر بھٹو نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور دستخط کیے تو مولانا ہزارویؒ کے سامنے کہا۔ مولانا میں اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہا ہوں کیا یہ سچ ہے؟

ج: جی ہاں! میری موجودگی میں بھٹو صاحب نے کہا تھا یہ درست ہے۔ (سوانح حیات مولانا غلام غوث ہزاروی ص406,405)

تحریک ختم نبوت کا پیسہ نہیں لینا

جب روپوشی کے دن ختم ہوئے تو مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابرین نے حضرت کو پیسے دینے چاہے۔ حضرت نے فرمایا۔ میں پیسے نہیں لیتا۔ یہ کام میں نے اپنی نجات کے لیے کیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وہ کام کر دکھایا جو جماعتیں کیا کرتی ہیں۔ مولانا ہزاروی زندگی بھر باطل کے خلاف گرجتے اور برستے رہے۔ ان میں دو بہت بڑے دشمن ان کے سامنے تھے۔ انگریز اور انگریز کا خود کاشتہ پودا مرزائیت۔ مولانا ہزاروی نے قومی اسمبلی میں ملت اسلامیہ کے موقف کو جواب محضر نامہ کے نام سے پیش کیا۔ جو مجاہد ملت مولانا عبدالحکیم ہزاروی نے سات گھنٹے میں پڑھ کر سنایا۔

مولانا ہزارویؒ کی محنت کی وجہ سے مانسہرہ سے مرزائیت کا جنازہ نکل گیا

ہمارے بہت سے دوستوں نے بتایا کہ اگر مولانا غلام غوث ہزارویؒ محنت نہ کرتے تو آج مانسہرہ دوسرا قادیان ہوتا۔ مولانا ہزاروی کی محنت رنگ لائی تو مانسہرہ سے خوانین کے اندر سے مرزائیت کا جال توڑ دیا جس کی وجہ سے عوام بھی اس ناسور سے بچ گئے۔ یہ سب مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی کرامت ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں۔

فتنہ مرزائیت

قادیانیت کا فتنہ بھی ضلع ہزارہ میں داخل ہوا اور انگریز کے ٹاؤٹ قسم کے بعض جاگیرداروں اور خانوں نے انگریز کی خوشنودی کے لیے اس فتنہ کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مگر ان کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ کی صورت میں شمشیر برہنہ ان کے سر پر لٹکا دی۔

مولانا نے اس پامردی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا کہ شاید و باید قادیانیت کے خلاف جلسے کیے، مناظرے ہوئے، تقاریر ہوئیں اور عوام و خواص کے اذہان کو بیدار کیا گیا۔ اس میں بھی حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا یہ کارنامہ ناقابل تردید کارنامہ ہے۔

1953ء میں مولانا ہزاروی کا کردار:

اس حوالہ سے حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے بتایا۔ 1953ء میں جب مارشل لاء کا نفاذ ہوا تو مولانا چند دن تو لاہور میں ہی روپوش رہے۔ اس کے بعد فیصل آباد مولانا کے عزیز تھے۔ ان کے پاس پہنچے۔ چونکہ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے بارے میں حکومتی حکم یہ تھا کہ مولانا ہزارویؒ جہاں ملیں گولی سے اڑا دیا جائے اور اس کی اطلاع سب سے پہلے مرحوم بہادر خان جو صدر ایوب خان کے بھائی تھے۔ انہوں نے بہم پہنچائی تھی اور مولانا ہزارویؒ کے بارے میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور دوسرے اکابرین کا حکم تھا کہ مولانا ہزارویؒ گرفتاری نہ دیں۔ تحریک کی قیادت سنبھالیں اور ہدایات بھیجتے رہیں۔ چونکہ مجلس عمل کے سارے قائدین پہلے ہی مرحلے میں گرفتار کیے جا چکے تھے۔ اس لیے بھی مولانا ہزارویؒ کا روپوش ہونا ضروری تھا تو فیصل آباد سے مولانا ہزارویؒ اپنے اسی عزیز کے ہمراہ بھیس بدل کر خانقاہ سراجیہ پہنچے۔ چونکہ حضرت ثانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب سے بیعت کا تعلق تھا دوسرے خانقاہ سراجیہ بھی آبادی سے الگ تھی اور پھر اپنے پیر و مرشد سے مولانا ہزارویؒ مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ مولانا ہزاروی کو خانقاہ سراجیہ میں ایک کمرے میں بٹھایا اور مولانا ہزارویؒ کے وہی عزیز حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کی حضرت ذرا کمرے میں تشریف لے جائیں۔ حضرت کمرے میں پہنچے مولانا

کے منہ سے کپڑا اٹھایا اور کہا۔ یہ حضرت آپ کی امانت ہے۔ میں سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ وہ ہمراہی واپس چلے گئے۔

چنانچہ حضرت نے مجھے حکم دیا کہ ان کو خانقاہ کے پچھواڑے ایک کمرہ تھا وہاں پہنچایا مولانا ہزاروی ہفتہ یا دس بارہ دن اسی کمرے میں رہے۔ سوائے حضرت ثانی مولانا عبداللہ صاحب اور میرے خانقاہ میں کسی کو علم نہ تھا کہ مولانا ہزاروی یہاں موجود ہیں۔ مولانا کا کھانا وغیرہ میں لے جاتا اور دیگر ضروریات کی نگرانی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ اسی دوران حضرت ثانیؒ نے بھلوال میں صوفی احمد یار خان اور حکیم مولانا عبداللہ صاحب کو بلا بھیجا۔ یہ دونوں حضرات حضرت ثانی کے مرید تھے۔ یہ دونوں جب خانقاہ سراجیہ آئے تو حضرت ثانیؒ نے فرمایا کہ بھائی دیکھو یہ مولانا غلام غوث ہزاروی ہیں۔ ان کو روپوش رکھنا ہے کہ ان کا تعلق مجھ سے ہے اور یہاں ان کا رہنا ٹھیک نہیں۔ حکومت کھوج لگائے گی لہٰذا تم دونوں اس کا کوئی حل سوچو۔ صوفی احمد یار نے کہا کہ حضرت فکر نہ فرمائیں۔ میں مولانا کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔

آپ دعا کرتے رہیں۔ چنانچہ صوفی صاحب مولانا ہزارویؒ کا بھیس وغیرہ تبدیل کر کے اپنے ساتھ بھلوال لے گئے اور سرگودھا میں دور دراز کے علاقے میں مولانا کو پہنچا دیا۔ مولانا نے روپوشی کا زمانہ گزارہ جو تقریباً...... مہینے تھا۔ اس دوران حکومت سے مجلس عمل کی بات چیت جاری ہے۔ جب مولانا ہزاروی کے بارے میں حکومت نے اپنا سابقہ آرڈر منسوخ کیا تو پھر سب سے پہلے مولانا ہزارویؒ اور صوفی احمد یار خان اور مولانا عبداللہ خانقاہ تشریف لائے اور دس بارہ دن یہاں قیام کیا۔ روپوشی کے دوران مولانا ہزارویؒ سرگودھا ہی کے اس علاقے سے تحریک ختم نبوت کی قیادت کرتے رہے اور تازہ احکام لاہور بھیجتے رہے۔ (سوانح حیات 380)

تحریک ختم نبوت 1953ء میں مولانا ہزاروی انچارج

مولانا ہزارویؒ خود لکھتے ہیں۔

1953ء کی تحریک ختم نبوت سے پہلے تمام خانقاہوں کے پیران عظام، تمام پارٹیوں، مدارس اور لیڈروں کو دعوت دینے اور برکت علی ہال لاہور میں جمع ہو کر ختم نبوت پر سوچنے کے لیے مجھے انچارج بنایا گیا تھا۔ (سوانح حیات مولانا ہزاروی ص 18)

تحریک کا کام

تو میری روپوشی کی وجہ تحریک کے کرتا دھرتا اور خاص کر فدائے ختم نبوت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا یہ ارشاد تھا کہ تم گرفتاری نہ دینا۔ ورنہ پھر کام چلانے کے لیے پیچھے کوئی نہ رہے گا۔ چنانچہ میرا وارنٹ گرفتاری جاری تھا اور رات کو احرار اسلام لاہور کے دفتر پر پولیس نے چھاپہ بھی مارا مگر میں وہاں سے نکل کر حضرت مولانا حکیم عبدالمجید سیفی کے ہاں بیڈن روڈ پر چلا گیا تھا۔ یہ وہ رات تھی جس سے پہلے بڑے بڑے لیڈر سید عطاء اللہ شاہ بخاری سمیت کراچی میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔

مخالفت کی انتہا

یہاں تک میری جو مخالفت ہوئی کہ اپوزیشن لیڈروں نے مرزائیوں کے خلاف اپنے بل پر بعض ممبروں کے دستخط کرائے ہم نے خود بل پیش کیا یا کرنے والے تھے۔ ہم کو ان کے بل پر دستخط کرنے کی ضرورت نہ تھی نہ ہی یہ کوئی قاعدہ یا اصول کہ ضرور ایسا کیا جائے مگر اس دستخط نہ کرنے کے خلاف کراچی سے مانسہرہ تک پروپیگنڈہ کا طوفان کھڑا کیا گیا۔

ایک پبلک جلسے میں مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب الازہری (اپوزیشن ممبر) نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دیکھوں اس بل پر کتنے آدمیوں نے دستخط کیے ہیں۔ اس پر مولوی غلام غوث اور مولوی عبدالحکیم نے دستخط نہیں کیے۔ پھر الازہری نے فرمایا ان کا کیا علاج ہے۔ مطلب صاف تھا گویا قتل کی ترغیب تھی۔ اس کو مولوی عبدالحکیم نے اسمبلی میں پیش فرمایا مگر بے سود۔

اپوزیشن نے ایک بیان کتابی شکل میں اسمبلی میں داخل کیا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی دوزخی ولعین کے کفریہ خرافات درج تھے۔ جن سے سارے مسلمان واقف تھے اور سب ہی مرزائیوں کو کافر جانتے تھے صرف قانونی سقم تھا۔ پھر بڑا افسوس یہ ہے کہ اس کتاب پر جمعیۃ علماء اسلام کا نام نہیں تھا۔ گویا جمعیت نے پیش نہ کی تھی بلکہ اپوزیشن نے پیش کی تھی پھر اس کتاب میں مرزا ناصر احمد قادیانی کے سوالوں' اعتراضات اور تنقیدوں کے جواب نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ وکیل مقدمہ کیسے جیت سکتا ہے جو دوسرے وکیل کے سوالوں کا جواب نہ دے سکے مگر ہم نے اپنے بل کی

تائید میں جو کتاب محضر نامہ سے پیش کی۔ اس میں مرزا ناصر احمد کی مکمل تردید سوالوں کے جوابات دیئے۔ حیات مسیح اور ختم نبوت کے مسئلے پر مکمل بحث تھی۔ مرزا کے خرافات' اس کا ٹوڈی پن' اسمبلی کے اختیارات' مسلمانوں کی باہمی تکفیر اور بزرگان دین کے وہ اقوال جن کو مرزائی اپنے حق میں پیش کرتے ہیں اور چیلنج اور مستند حوالہ جات اور مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے سوا کسی ممبر قومی اسمبلی نے ایک سوال پیش کیا' کسی نے چار سوالات اور کسی نے چھ یا آٹھ مگر ہم نے مرزا جی کے بارے میں دوسو بائیس (222) سوال دیئے طریقہ یہ تھا کہ جو بھی سوال کرتا وہ اپنا سوال اٹارنی جزل کو لکھ کر دے دیتا اور وہ اپنی صوابدید پر ان میں سے جس سوال کو چاہتا پوچھتا اور کسی کو سوال کرنے یا بحث کرنے کی اجازت اسمبلی میں نہ تھی۔ ورنہ ہڑبونگ کا خطرہ تھا۔ سوانح حیات 54۔

مولانا ہزارویؒ قادیانیوں کے تعاقب میں

مولانا سید منظور احمد شاہ مانسہرہ لکھتے ہیں۔

1932ء کا پورا سال مولانا ہزارویؒ نے جیل میں گزارا اور 1933ء کو رہا ہوئے۔ اس رہائی کے بعد مولانا ہزاروی کو معلوم ہوا کہ قصبہ زیدہ ضلع مردان میں قادیانی خوانین کا اس قدر رعب تھا کہ ہر شخص مجبور ہے کہ وہ مرزا قادیانی کو لازماً حضرت مرزا صاحب کہے۔ مولانا ہزارویؒ کو پتہ چلا تو آپ جہانگیرہ کے علماء اور اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا عبدالحنان صاحب فاضل دیوبند جریدی ہزاروی وغیرہ کو ساتھ لے کر زیدہ پہنچے۔ گاؤں کے ایک طرف مسلمان پٹھانوں کی شاخ کے چار پانچ گھر آباد تھے اور ان کی ایک چھوٹی مسجد بھی تھی۔ پہلے مولانا نے ان کی رگ ایمانی کو متحرک کیا اور آمادہ کیا کہ وہ اپنی مسجد میں جلسہ کرنے کی اجازت دیں۔

مرزائی مناظر کو شکست فاش

1937ء میں مرزائیوں نے عظیم تیاریوں کے بعد اپنے مایہ ناز مناظر اللہ دتہ جالندھری کا غان فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ مانسہرہ کے بڑے بڑے مرزائی خان بہادروں' ڈاکٹروں اور وکیلوں کی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ اب اللہ دتہ نے دیہاتی امام مسجدوں کو للکارنا شروع کیا۔ خوب لن ترانیاں ہانکیں۔

اب دیہاتی امام بے چارے اللہ دتہ جیسے چھٹے اور منجھے ہوئے عیار و تیز وطرار مناظر کا کیا مقابلہ کرتے۔ نتیجے میں میدان ہر جگہ اللہ دتہ کے ہاتھ رہا۔ اب مسلمانوں کو اپنے ایمان کی فکر ہوئی۔ مولانا قاضی محمد یونس صاحب فاضل دیوبند بالاکوٹ سے دو ساتھیوں کے ہمراہ بفہ پہنچے۔ مولانا کے سامنے صورتحال رکھی۔ یہ وہ نازک وقت تھا کہ مولانا کے لخت جگر زین العابدین کو موت کی آخری ہچکیاں آ رہی تھیں۔ مولانا نے تھوڑی دیر حسب عادت غور کیا اور پھر فرمایا کہ آپ ٹھہریں میں گھر سے کتابیں وغیرہ لے کر آتا ہوں اور بالاکوٹ چلتے ہیں۔ اندر جا کر کتابیں باندھنے لگے تو اہلیہ محترمہ نے پوچھا کہ کدھر جا رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ میں بالاکوٹ جا رہا ہوں۔ اہلیہ نے فرمایا کہ زین العابدین کی حالت کو دیکھنے کے بعد بھی جا رہے ہیں۔ جو چند ساعتوں کا مہمان نظر آ رہا ہے۔ فرمایا کہ ادھر زین العابدین کی بات ہے ادھر امت محمدیہ کے ایمان کی بات ہے۔ لاکھوں زین العابدین آقائے مدنی ﷺ کے قدموں پر قربان ہوں۔ یہ کہہ کر مولانا گھر سے کتابیں لے کر نکل پڑے۔ جب بفہ کے اڈے پر پہنچے تو پیچھے سے اطلاع آئی کہ زین العابدین اپنے رب سے ملاقی ہو گیا۔ واپس تشریف لے آیئے اور تجہیز و تکفین کے بعد چلے جائیں لیکن اس استقامت کے پہاڑ کی بات ہی نرالی ہے۔ یہاں سے تو اکابرین کے عشق رسول کا پتہ چلتا ہے جو ان کو سرکار مدنی ﷺ سے تھا تو جب یہ اطلاع آئی کہ زین العابدین فوت ہو گیا ہے تو قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنے بڑے دل گردے کی بات ہے اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا امتحان بھی ہے۔ زبان سے عشق مصطفیٰ ﷺ کرنا تو آسان ہے لیکن عشق کو ثابت کرنا ذرا مشکل ہے۔ ایسے عاشق مصطفیٰ ﷺ بھی موجود ہیں جو اسٹیجوں پر لمبے چوڑے دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب ناموس رسالت پر جان دینے کا وقت آتا ہے تو پھر سنت نبوی کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے لیکن ایک عاشق مصطفیٰ ﷺ غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ کو جب پتہ چلا کہ بیٹا فوت ہو گیا ہے تو **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھا اور فرمایا جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اس کا کفن دفن کر دینا میں ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے جا رہا ہوں۔ اب واپس نہیں آ سکتا۔ احباب دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا سوچیں اس وقت دل کی کیا کیفیت ہو گی۔ چنانچہ مولانا بالاکوٹ پہنچے۔ اللہ دتہ جالندھری (مرتد) کو للکارا اور پہلے ہی مناظرے میں لاجواب کیا۔ وہاں سے ایسا بھاگا کہ قادیاں جا کر دم لیا۔ ”جان بچی سو لاکھوں پائے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے“ کا مصداق ہو گیا۔ (سوانح حیات مولانا ہزاروی 95)

قرارداد نہیں بل پیش کیے

74ء میں جب قادیانیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت چلی تو متحدہ جمہوری محاذ نے ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد پر سینتیس (37) ممبران اسمبلی نے دستخط کیے۔ جب دستخط کرنے کے لیے مجاہد ملت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے پاس لائی گئی تو مولانا ہزارویؒ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا کہ اسمبلی میں پارلیمانی اصولوں کے مطابق قرارداد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اگر قرارداد پاس بھی ہو جائے تو قانون کا حصہ نہیں بنتی بلکہ اسمبلی میں بل پیش کرنا چاہیے۔

چنانچہ مولانا ہزاروی نے ایک بل مرتب فرمایا جس پر مولانا عبدالحق صاحب بلوچستانی ایم۔ این۔ اے اور مولانا عبدالحکیم ایم۔ این۔ اے سے بھی دستخط لیے اور وہ بل اسمبلی میں پیش کر دیا۔ چنانچہ مولانا ہزاروی کے پیش کردہ بل پر ہی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ پر بحث شروع ہوئی۔ جس کا فیصلہ 7 ستمبر 1974ء کو ہوا۔

جواب محضر نامہ' مولانا کا کارنامہ

قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی میں 22 جولائی 1974ء کو ایک محضر نامہ داخل کیا جس میں مختلف قسم کے سوالات اٹھائے۔ حضرت مولانا ہزارویؒ نے ہی اس کا جواب اسمبلی میں داخل کیا۔ جس کا نام جواب محضر نامہ تھا۔ یہ دو سو ساٹھ (260) صفحات پر مشتمل مولانا ہزارویؒ کا عظیم شاہکار ہے۔ یہ مولانا ہزارویؒ نے اکیلے مرتب فرمایا کسی جماعت کا تعاون مولانا ہزارویؒ کو حاصل نہ تھا۔ قومی اسمبلی کی کارروائی میں قادیانیوں کے خلاف سب سے زیادہ سوالات (225) دو سو پچیس کی تعداد میں قادیانیوں پر کیے۔ حضرت مفتی صاحب اور باقی ارکان اسمبلی کے وہ جوابات اگر جمع کیے جائیں تو ایک سو کے لگ بھگ ہوں گے لیکن مولانا ہزارویؒ نے جو سوالات اٹھائے ان کی تعداد دو سو پچیس (225) ہے۔

لاہوری مرزائیوں پر یلغار

اسی طرح مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے خلاف مولانا ہزارویؒ نے الگ محضر نامہ داخل فرمایا۔ مولانا ہزارویؒ نے اپنے محضر نامے میں مسئلہ حیات مسیح پر جو عالمانہ و محققانہ بحث فرمائی ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

یہ مولانا کا عظیم کارنامہ ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔ص 167 سے 338 تک مولانا نے مسئلہ حیات مسیح کی تشریح فرمائی ہے۔قرآن پاک احادیث نبویہ علماء متقدمین و متاخرین کے اقوال اور سائنس اور عقل کی روشنی میں مولانا نے حیات مسیح کا مسئلہ حل فرمایا۔(سوانح حیات ص۱۰۲)

حضرت مولانا غلام غوث وزیر اعظم بھٹو کو سمجھاتے رہے

اسمبلی میں جتنی کارروائی ہوتی رہی وہ مولانا ہزاروی کے پیش کردہ بل پر ہوئی۔ یہ ساری باتیں ریکارڈ میں موجود ہیں۔ مولانا عبدالحکیم صاحب کہتے ہیں کہ چھ ستمبر 1974ء کو حضرت ہزاروی نے مجھے فون پر حکم دیا کہ بھائی گاڑی تیار کر کے رکھنا شام کو پرائم منسٹر مسٹر بھٹو سے ملنے جائیں گے۔ اسمبلی کے اندر تو ہم نے اتمام حجت کر دیا ہے۔اب بالمشافہ بات کریں گے۔ وقت میں نے لے لیا ہے۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں کہ شام کو ہم تین آدمی مسٹر بھٹو کے پاس گئے۔ ایک تو مولانا ہزارویؒ تھے دوسرا میں اور تیسرے مولانا عبدالحق صاحب بلوچستانی تھے۔ چنانچہ جب ہم بھٹو صاحب کے ہاں پہنچے تو مولانا ہزاروی نے قادیانیوں کے بارے میں تمام مذہبی تجزیے پیش کیے۔ تمام حالات مفصل گوش گزار کیے۔

نجات کا پروانہ

آخر میں فرمایا۔بھٹو! اب آپ کی آزمائش اور امتحان کا وقت ہے۔ناموس رسالت کے لیے اگر تم یہ فیصلہ کر دو تو خدا و مصطفیٰ ﷺ بھی راضی ہوں گے اور عوام بھی خوش ہو جائیں گے۔ تمہارے لیے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی ہوگی۔بھٹو صاحب سنتے رہے اور کہا مولانا! آپ درست فرماتے ہیں لیکن میری کچھ مجبوریاں ہیں۔تمام بیرونی حکومتوں کا دباؤ ہے۔اس کا مجھے ہی علم ہے تو بھٹو صاحب نے بار بار یہ کہا کہ مولانا میں مجبور ہوں۔ مجھ پر بہت دباؤ ہے تو مولانا نے جوش میں آ کر فرمایا۔بھٹو صاحب! لعنت بھیجیے بیرونی دباؤ پر۔آپ اپنے رب کو راضی کریں۔ خدا کی مدد آپ کے شامل حال ہوگی۔ خدا پر بھروسہ رکھیں۔ مولانا نے یہ ساری باتیں کچھ ایسی انداز میں کیں کہ بھٹو صاحب پر سکتہ طاری ہو گیا اور تین چار منٹ بالکل خاموش آسمان کی طرف دیکھتے رہے اور اس کے بعد کہا۔ اچھا مولانا! آپ میرے لیے دعا کریں۔ خداوند قدوس مجھے توفیق

دے۔ مولانا برابر اصرار فرماتے رہے اور مولانا نے دوران گفتگو یہ بھی فرمایا کہ بھٹو صاحب آپ ذہین اور بڑے مدبر آدمی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پارلیمانی شوشہ چھوڑ کر گڑبڑ کرادیں۔ ہم اس مسئلہ کا مکمل حل چاہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحکیم فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے ہی بھٹو صاحب نے اپنا ملٹری سیکرٹری طلب کیا۔ ہماری موجودگی میں چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ سے رابطہ کر کے ان کو حکم دیا کہ آپ راتوں رات اپنے علاقوں کے قومی اسمبلی کے ممبران سے کہیں صبح ۷ ستمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں فوراً پہنچیں کوئی ممبر رہ نہ جائے۔ چونکہ آئین میں ترمیم کا مسئلہ ہے۔ اس لیے تمام ممبران اسمبلی سے رابطہ کریں۔ اس کی شہادت بھی پیش کردو۔ ۷ ستمبر کو جب قومی اسمبلی میں ممبران اسمبلی دو، تین تین منٹ تقریریں کر رہے تھے تو عبدالولی خان نے اپنی تقریر میں کہا۔ ''میں تو نہیں آ رہا تھا لیکن مجھے کمشنر پشاور ڈویژن نے مجبور کیا کہ وزیراعظم کا حکم ہے کہ تمام ممبران شریک ہوں۔ اس لیے چلا آیا۔ یہ بات قومی اسمبلی کے ریکارڈ میں آج بھی موجود ہے۔ تو اس سے اندازہ کریں کہ بھٹو صاحب نے ممبران اسمبلی کو جبراً بلایا ورنہ اگر صرف اپوزیشن ممبران کی بات ہوتی تو وہ صرف تینتیس (33) تھے۔ ترامیم تو اتنے ممبران سے نہ ہو سکتی تھی۔ (سوانح حیات 104)

مولانا ہزاروی کی اہم خدمات

دوسرا کام ہزارویؒ نے یہ کیا کہ اسلم قریشی جنہوں نے ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اور ان کو فوجی عدالت نے پندرہ (15) سال قید بامشقت سزا دی تھی۔ جب بھٹو صاحب برسر اقتدار آئے تو اس کی سزا معاف کرائی اور رہا کرایا اور اسلم قریشی دو سال آٹھ مہینے پندرہ دن سزا کاٹ کر رہا ہو گئے۔ (سوانح حیات 109)

تیسرا کام یہ بھی کیا کہ جنرل ٹکا خان جو کہ چیف آف آرمی سٹاف تھا۔ ان کی مدت ملازمت پوری ہو چکی تھی اور اس کے بعد جس جنرل نے یہ عہدہ سنبھالنا تھا وہ قادیانی تھا۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو سے کہا کہ آپ جنرل ٹکا خان کی مدت ملازمت میں ہی توسیع کر دیں تا کہ قادیانی کمانڈر نہ بن جائے۔ چنانچہ بھٹو صاحب نے ایسا ہی کیا۔ چوتھا کام مشہور قادیانی ایم ایم احمد جو پاکستان کا اقتصادی مشیر تھا اور مرزا قادیانی لعین کا پوتا ہے۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو سے فرمایا کہ اس کو نکال دو۔ چنانچہ اس کو نکال دیا گیا۔ پانچواں کام یہ کیا کہ مشہور قادیانی ایئر مارشل ظفر چوہدری جو کہ

کٹر قادیانی تھا اور اس نے قادیانیوں کے جلسہ میں مرزا ناصر کو فضائیہ سے سلامی دی۔ مولانا ہزارویؒ نے مسٹر بھٹو مرحوم سے فرمایا کہ اس کو سبکدوش کر دو چنانچہ اس کو فوراً ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ (سوانح حیات 109)

مولانا ہزاروی والدہ کے جنازہ میں شامل نہ ہو سکے

صوفی احمد یار سے بندہ نے عرض کی کہ (1953ء کی تحریک کے دوران) مولانا کو گھر سے جب خط آتا تو مولانا پریشان تو نہ ہو جایا کرتے تھے۔ صوفی صاحب نے فرمایا اس دوران جب مولانا مرحوم ڈیرہ سجاد پر مقیم تھے اطلاع آئی کہ مولانا کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس صبر وضبط کا مظاہرہ فرمایا جو ایک پختہ مسلمان سے ہی ہو سکتا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء. (سوانح حیات ص 114)

ختم نبوت کے لیے بغیر بستر کے مسجد میں

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ایک کانفرنس رکھی۔ مولانا مرحوم کو جو ہم عصر احباب تھے۔ ان کو بلا تکلف کہہ دیا کہ کانفرنس میں بستره ہمراہ لائیں۔ کانفرنس پنجاب میں تھی اور مولانا غلام غوث مرحوم نے سندھ سے تشریف لانا تھا۔ ان کا سندھ کا دس پندرہ روزہ تبلیغی دورہ تھا۔ پورے دورہ میں ایک کانفرنس کے لیے بستره ہمراہ رکھنا مشکل تھا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم بغیر بستر کے تشریف لائے۔ مولانا محمد علی مرحوم کے ہمراہ کھانا کھایا۔ رات کو تقریر کی صبح کو ٹرین سے واپس جانا تھا۔ مولانا محمد علی مطمئن کہ میرے کہنے کے مطابق مولانا بستر ہمراہ لائے ہوں گے۔ اس لیے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مولانا ہزارویؒ نے دل میں خیال کیا کہ مولانا کا حکم تھا کہ بستر ہمراہ لائیں۔ اب اگر بستر ہمراہ نہیں لایا تو قصور میرا ہے۔ اس لیے مولانا جالندھری کو تکلیف کیوں دوں۔ کانفرنس سے فارغ ہوئے تو پنڈال کے قریب کسی مسجد میں ایک لوئی میں سردی کی رات گزار دی۔ صبح راز منکشف ہوا تو مولانا جالندھری نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہ تھا کہ بستر ہمراہ نہ لا سکا۔ مولانا ہزاروی نے کہا اگر آپ میرے بھائی بھی ہیں اور مخدوم بھی۔ اگر میں اس کام میں آپ کا ہاتھ نہیں

بتا سکتا تو تکلیف کا سبب بھی نہیں بننا چاہیے۔ رات گزر گئی۔ ہائے! ایسی اجلی سیرت کے انسان کہاں سے آئیں گے۔ (سوانح حیات 421)

(تلخیص از تحریک ختم نبوت میں مولانا ہزارویؒ کا مجاہدانہ کردار از مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی)

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا قاضی محمد امین شجاع آباد کے معززین میں سے تھے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے حضرت امیر شریعتؒ کی رفاقت اختیار کر لی اور ان کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کی جدوجہد اور قادیانیت کا تعاقب کرتے رہے۔ آپ ایک شعلہ نوا خطیب تھے۔ **مولانا تاج محمود مرحوم آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔**

قاضی صاحب شاہ جی کا ظل و عکس تھے۔ قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہوا تھا' ان کا وجیہہ چہرہ مہرہ خطیبانہ تھا۔ بلا کے ذہین انسان تھے۔ عالم باعمل قسام ازل سے غضب کا حافظ پایا تھا۔ شاہ جی کا ظل اور عکس شمار ہوتے تھے۔ پہلے احرار میں اور تقسیم ملک کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کے بانی ممبران میں شامل تھے۔ شعلہ نواب خطیب لاکھوں کے مجمع پر چھا جنے والے مشکل سے مشکل مسائل کا اپنے آسان طرز بیان سے عوام کے ذہن نشین کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ ضرورت کی کتابوں' اخباروں' رسالوں اور دستاویزات کا حوالہ ان کے پاس موجود ہوتا۔ جسٹس منیر کے بقول ان کے ساتھ ایک بہت بڑا صندوق لازماً ہوا کرتا تھا جسے ایک مضبوط زنجیر اور تالا کے ذریعے محفوظ رکھا جاتا وہ صندوق دراصل قاضی صاحب کا اسلحہ خانہ تھا جس میں وہ تمام دستاویزی ثبوت اور حوالہ جات محفوظ رکھتے تھے۔ قاضی صاحب نے اونچے حلقوں میں اور اسی طرح تعلیم یافتہ طبقہ میں جماعت کی سفارت اور ترجمانی کا حق ادا کیا۔ قاضی صاحب مرحوم بظاہر امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ رکھتے تھے لیکن درحقیقت وہ صحیح معنوں میں درویش منش انسان تھے۔

لیاقت علی سے ملاقات:

قاضی صاحب نے جب مرزائیت کے متعلق حوالہ جات پہلی دفعہ سیالکوٹ کے ریلوے اسٹیشن پر سیلون میں ٹھہرے ہوئے خان لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان کو دکھائے تو خان صاحب کی حیرت گم ہوگئی۔

عربوں کا مرزا بشیر الدین کو تار:

قاضی صاحب نے خان لیاقت علی خاں کو جب عربوں کا مرزا بشیر الدین محمود ہیڈ آف دی جماعت ربوہ کے نام خط دکھلایا جس میں عربوں نے مرزا محمود کا اس بات پر شکریہ ادا کیا تھا کہ آپ کی ہدایت پر چوہدری ظفر اللہ خان نے ہماری یو۔ این۔ او میں حمایت کی ہے تو خاں صاحب کی آنکھیں کھل گئیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا' خان صاحب سر ظفر اللہ وزیر خارجہ پاکستان کا ہو۔ تنخواہ پاکستان کے خزانہ سے لیتا ہو۔ آپ کی کابینہ کا ممبر' نمائندہ آپ کا ہو اور عرب شکریہ مرزا محمود کا ادا کریں حالانکہ عربوں کی یو این او میں حمایت مرزا محمود کی نہیں بلکہ پاکستان کی پالیسی ہے۔ عربوں کو شکریہ مرزا محمود کا نہیں بلکہ حکومت پاکستان اور آپ کا ادا کرنا چاہیے تھا۔

میاں امین الدین سے ملاقات:

قاضی صاحب ایک دفعہ مرزائیوں کی ان سرگرمیوں کا احتساب کرنے کے لیے کوئٹہ تشریف لے گئے جو مرزائیوں نے بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانے کے لیے بپا کر رکھی تھیں اور جن کے پیچھے ایک گہری سازش کارفرما تھی۔ میاں امین الدین وہاں حکومت کے انچارج اعلیٰ تھے۔ ان کا مزاج افسرانہ اور متکبرانہ تھا۔ قاضی صاحب نے ملاقات کے لیے وقت مانگا تو اس نے معذرت کر دی۔ قاضی صاحب نے دوبارہ کہلوایا کہ ملکی نوعیت کے مسائل پر گفتگو مقصود ہے اس نے پندرہ منٹ عنایت فرما دیے۔ قاضی صاحب اندر گئے ملاقات شروع ہوئی۔ مرزائیت کے متعلق بات شروع کی تو اس نے بڑے غرور سے کہا کہ اس کے متعلق ہم نے سرکلر کر دیا ہے۔ چھوڑیے اس بات کو کوئی اور بات ہے تو کیجیے۔

قاضی صاحب نے فرمایا۔ وہ سرکلر آپ نے نہیں کیا میں مرکزی حکومت سے جاری کروا کر آیا ہوں۔ میاں صاحب کی اکڑی ہوئی گردن کچھ ڈھیلی ہوئی' دریافت کیا آپ مرکز میں کس سے ملے تھے۔ قاضی صاحب نے مرکزی وزراء وزیراعظم کا نام لیا اور سرکاری محکموں میں مرزائیوں کی ریشہ

دوائیوں کے متعلق سرکلر کے جاری کیے جانے کی تفصیل بتائی۔ میاں صاحب کی گردن میں مزید خم پیدا ہوگیا۔ اب قاضی صاحب نے اپنا صندوق اندر منگوایا اور مرزائیوں کے متعلق وہ تمام حوالے نکال نکال کر دکھانے شروع کیے۔ جن میں مرزائیت کے سیاسی عزائم اور بلوچستان پر قبضہ کرنے کی باتیں درج تھیں۔ مرزائی لٹریچر سے جب میاں صاحب نے وہ حوالے دیکھے تو قاضی صاحب نے فرمایا میاں صاحب بلوچستان کے متعلق یہ خطرات آپ کے علم میں ہیں' میاں صاحب نے جواب دیا مجھے تو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ نے مرکز کو بھی قادیانی سرگرمیوں کی کوئی اطلاع نہیں بھجوائی ہوگی' بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کے زیر انتظام علاقہ میں ملکی سالمیت کے خلاف یہ سازشیں پروان چڑھ رہی ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی علم نہیں۔ یہ سن کر میاں صاحب باکل جھک کر بیٹھ گئے اب وہ سب اکڑفوں ختم ہوگئی۔ گفتگو شروع ہوئی جو اڑھائی گھنٹے تک جاری رہی' قاضی صاحب نے معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا وہ حیران سے حیران ہوتا چلا گیا۔ اب قاضی صاحب نے اسے گریبان سے پکڑ لیا اور محبت سے کبھی اپنی طرف کھینچتے اور پھر کبھی ڈھیلا کر کے اسے پیچھے لے جاتے اور اپنی خاص ادا میں فرمایا میاں صاحب ابھی تو آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی جا کر اپنے فرائض کے متعلق جواب دینا ہے کہ آپ نے اسلامی حکومت کے ایک بہت بڑے صوبہ کی ذمہ داریوں کو کیوں نہیں ادا کیا تھا؟

غرضیکہ قاضی صاحب مرحوم ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے بھرپور زندگی بسر کی جیلیں کاٹیں قربانیاں دیں۔ ایک تحریک کے دوران پولیس کے لاٹھی چارج میں ان کے بازو کی ہڈیاں توڑ دی گئی تھیں۔ ملت اسلامیہ کے لیے بے مثال خدمات سرانجام دیں اور مطمئن ضمیر لے کر اللہ کے پاس چلے گئے۔

مدت امارت:

خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ۱۲ شوال 1382ء ہجری مطابق 9 مارچ 1963ء سے 9 شعبان 1384 ہجری مطابق 23 نومبر 1966ء عیسوی تک 8 سال 8 ماہ 27 دن باقاعدہ امیر اور سربراہ رہے۔

مولانا حبیب اللہؒ فاضل رشیدی کی یادداشتیں

ایک عجیب جنون:

مرزا غلام احمد آنجہانی کی کتب غیر دلچسپ اور اغلاط سے بھرپور ہیں قطع نظر بحث کفر و اسلام اُن کو قیمتاً خریدنا بدذوقی اور مطالعہ کرنا انتہائی کور ذوقی ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ دس روپیہ کی بعض کتب سو سو روپیہ میں خریدتے اور بعض اوقات اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال لیتے۔ "الفضل" ایک آنہ والا پرچہ ایک ایک روپیہ میں مہیا کرتے اور مجھے تاکید کرتے کہ "الفضل" منگوا کر مطالعہ کیا کرو اور فلاں قسم کا لٹریچر ضرور دیکھو میرے گھر پہنچ کر میری ذاتی لائبریری دیکھتے۔ جامعہ کے کتب خانہ میں خصوصی کتب کے متعلق استفادہ کرتے!

ارتداد سے بچالیا:

میری ذاتی معلومات میں کتنے خاندانوں کو مرزائیت سے بچایا۔ ارتداد سے محفوظ رکھا۔ اکثر تعلیم یافتہ اور بڑے بڑے آدمیوں کو ان کی تبلیغ و راہنمائی و احسان سے توبہ نصیب ہوئی۔ مولانا مودودی اس فتنہ کی اہمیت سے اس قدر واقف اور کچھ زیادہ معلومات نہ رکھتے تھے۔ شجاع آباد سے ساہیوال مجھے تار دیا کہ لاہور کے لیے فلاں گاڑی پر آؤ ملتان سے فون کرا دیا۔ راقم ساہیوال سے ساتھ ہو لیا تو فرمانے لگے میرے فاضل بھائی! جماعت اسلامی کے امیر کے پاس جارہے ہیں۔

خان لیاقت علی صاحب مرحوم:

بعض وزراء اور اعلیٰ حکام و افسران کو مرزائیت کے فتنہ سے آگاہ کیا۔ حتیٰ کہ خان لیاقت علی خان مرحوم اور خواجہ ناظم الدین مرحوم کو مرزائیت کے پس منظر اور اس کے اصلی خدوخال سے خبردار کیا اور خواجہ صاحب کے سامنے تو اتمام حجت کر دیا تھا ایک گورنر اور دوسرے وزیراعظم سے بھی ملاقات فرمائی اور دین و ملت کا یہ کام اور جہاد عظیم صرف قاضی صاحب مرحوم کی ذات سے متعلق تھا۔ سب سے بڑا خلا یہی ہے کہ ملک میں کوئی ایسا جامع خطیب، محسن و شجاع نظر نہیں آتا۔

آہ موت کو موت آئی ہوتی

مولانا ضیاء القاسمی کا خراج عقیدت:

قاضی صاحب قادیانیت کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے زہر قتل سمجھتے تھے۔ سرکار دوعالم ﷺ کے ذکر پر آنسوؤں سے چہرہ تر ہو جاتا تھا۔ بہادر اتنے تھے کہ جان کی پرواہ کیے بغیر دشمن کی صفوں میں گھس کران پر وار کرتے تھے چک جھمرہ میں لیاقت علی خاں کے دور میں ایک قادیانی کو مسلم لیگ کا ٹکٹ الیکشن میں دے دیا گیا کسی جماعت کو چک جھمرہ میں قادیانی امیدوار عصمت اللہ قادیانی کے مقابلے میں جانے کی جرات نہیں تھی۔ مجلس احرار نے چک جھمرہ میں عصمت اللہ قادیانی کے مقابلے میں جلسہ رکھا تو قاضی صاحب کوتقریر کے لیے مدعو کیا گیا۔

قاضی صاحب تشریف لائے اس جرات بہادری سے خطاب کیا کہ پورے علاقے میں قادیانیوں کے پیرا کھڑ گئے۔ خطابت کیا تھی ایک کڑکتی اور کوندتی ہوئی بجلی تھی۔ بجلی تھی جس نے عصمت اللہ قادیانی کے تمام آشیانے جلا کر خاکستر کر دیئے اور عصمت اللہ قادیانی کو عبرتناک شکست ہوئی۔

اوائل عمر میں شہرت:

مجلس احرار میں قاضی صاحب واحد خطیب تھے جنہیں اوائل عمر میں ہی اللہ تعالیٰ نے شہرت وعزت سے سرفراز فرمایا تھا! یہ روایت بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ قادیان میں مجلس احرار کی تاریخ ساز کانفرنس کے افتتاح کی سعادت بھی حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو حاصل ہوئی۔

ذکر اس پری وش کا

(از قلم سید انیس جیلانی)

تردید قادیانیت محبوب موضوع:

انگریز کے بعد اگر کسی کے خلاف محاذ قائم رہا تو وہ مرزا غلام احمد کی جماعت تھی جسے احمدیت قادیانیت اور مرزائیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور احراری اسے خارج از اسلام تصور کرتے ہیں (یہ صرف احرار ہی نہیں تمام مسلمانان عالم کے نزدیک قادیانی اسلام سے خارج ہیں۔

(مرتب) بعض حلقے ایسے بھی ہیں جو اس جماعت کو سمجھتے تو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہیں مگر گمراہ ترین فرقہ مرزائیت قاضی صاحب کا محبوب و مرغوب موضوع تھی گھنٹوں رد مرزائیت پر بولتے صرف ان کا ذرا ذکر چھیڑنے کی ضرورت تھی۔

پھر دیکھیے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیانہ صہبا مرے آگے

عام گفتگو میں بھی تقریر کا مزہ ہوتا تھا میرے خیال میں مرزائیت پر جتنا مواد ان کے پاس تھا قادیانیوں کے پاس بھی نہ رہا ہوگا۔ جھوٹے سے چھوٹا کتابچہ' اشتہار اور بڑی سے بڑی کتاب اس کے سینکڑوں حوالے از بر۔ ایک بار میں نے ان سے کہا مرزائیت پر جتنی تحقیق آپ نے کی ہے کسی اور نے شائد نہ کی ہو۔

تحریری سرمایہ:

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور سے لوگ کہا کرتے تھے آپ کچھ تحریری سرمایہ بھی یادگار چھوڑ جائیے' قلم سے اتنی دوری قلم اور کاغذ کی محرومی تصور کی جا رہی ہے تو مرحوم بے ساختہ فرماتے ہیں کیا لکھوں میری کتابیں تو قاضی اور ''شورش ہیں اور قاضی نے کارزار زندگی میں یکساں قدم بڑھائے ہیں منزل دونوں کی ایک تھی آزادی' اور وہ پا کر رہے۔

(ماخذ۔ سوانح و افکار مولانا قاضی اور احسان احمد شجاع آبادی)

از مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علیؒ جالندھری

حضرت مولانا محمد علیؒ جالندھری' حضرت امیر شریعتؒ کے قریبی ساتھی اور پنجابی زبان کے بے مثل خطیب تھے' 1953ء تک آپ مجلس احرار اسلام میں شامل رہے۔ مجلس احرار پر پابندی لگنے کے بعد آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی۔ آپ مجلس کے تیسرے امیر مقرر ہوئے..... تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ محترم ڈاکٹر نور محمد غفاری نے آپ کی مفصل سوانح لکھی ہے جس سے چند اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔

تاتو بیدار شوی نالہ کشیدن ورنہ:

مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کو ساتھ ملا کر چلانے میں سراپا اخلاص مولانا محمد علیؒ کا بہت بڑا دخل تھا۔ راقم نے انہیں کئی بار یہ فرماتے سنا ''جب ہم نے تحریک ختم نبوت کا آغاز کیا تو میں مولانا ابوالحسنات قادریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں درخواست کی کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں۔ وہ فوراً راضی ہوتے نظر نہ آئے تو میں نے ان کے قدم پکڑ لیے اور نہایت لجاجت سے عرض کیا ''مولانا! پیارے نبی ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کا مسئلہ صرف دیوبندیوں ہی کی ذمہ داری نہیں' آپ کی بھی ہے۔ دیکھیے مرزائی اس وقت منظم ہیں۔ وہ کلیدی اسامیوں پر فائز ہیں اور ہمارے خلاف ہمہ قسم کی کارروائی کرا سکتے ہیں۔ حکومت نے بھی ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ ان حالات میں اگر یہ تحریک ختم نبوت ناکام ہوگئی تو پھر آپ جانتے ہیں کیا ہوگا؟ میں آپ کو اللہ کریم کا واسطہ دینے آیا ہوں ہماری مدد کریں ورنہ میں قیامت کے دن نبی اکرم ﷺ سے کہہ دوں گا کہ میں آپ کی ختم نبوت کی حفاظت کے لیے ایک ایک کے پاس گیا مگر میری کسی نے مدد نہ کی۔'' میری اس منت سماجت پر مولاناؒ کا دل پسیج گیا اور ہمارے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہو گئے۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدن ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کند

تین طبقوں کو ایک ہی نصیحت:

ایک دفعہ ایک جلسہ میں دوران تقریر فرمایا:

''دیکھو! میں اپنی عمر کے آخری پیٹے میں ہوں' بوڑھا ہو گیا ہوں' شاید جدائی کا وقت قریب ہو' میں تین طبقوں کو ایک ہی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ شاید آپ اس پر عمل کر کے میری قبر ٹھنڈی کریں۔

۱۔ سرکاری حکام اور ارباب حل و عقد کو میری وصیت ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کے وفادار بن کر رہیں اور کسی عہدہ کے لالچ یا دنیا کی عارضی عزت کے بدلے جناب رسول اللہ ﷺ سے بے وفائی کرتے ہوئے منکرین ختم نبوت کی مدد یا حوصلہ افزائی نہ کریں۔ ورنہ ان کا حشر وہی ہو گا جو ان سے پہلے ان حکام کا ہو چکا ہے۔ جنہوں نے

آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کا عہد وفا توڑ دیا اور دشمنان عقیدہ ختم نبوت کے ہاتھ مضبوط کیے۔ پھر چند ایسے بدنام زمانہ حکام اور افسران کے واقعات بھی سنائے۔

۲۔ علماء کرام کو خبردار کرتا ہوں کہ ان کی یہ درسگاہیں جو ان کے لیے آرام گاہیں بن چکی ہیں، انہیں میسر نہیں رہیں گی۔ جب ایسے حالات آ جائیں تو ثابت قدمی سے دین پر خود بھی قائم رہیں اور اشاعت دین بھی کرتے رہیں۔ ایسے حالات میں رستوں پر بیٹھ کر اور درختوں کے سائے میں ڈیرہ ڈال کر اللہ کریم کا دین پڑھاتے اور سکھاتے رہیں۔ آپ کے اسلاف نے ایسا کر کے دکھایا ہے۔ اس کے برعکس ایسے حالات بھی آئیں گے کہ ملازمت یا عہدہ کا لالچ دے کر علماء کو خدمت دین سے باز رکھا جائے گا۔ خدارا بھوکوں مر جانا مگر اللہ کریم کے دین سے بے وفائی کر کے اس دنیا کی فنا ہونے والی عزت پر نقد دین نہ لٹوانا۔ دین سکھاتے رہنا بے شک کچھ ہو جائے۔

۳۔ عام لوگوں سے میری درخواست ہے کہ ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جب عقیدہ ختم نبوت کا نام لینا جرم بن جائے گا اللہ کرے ایسا نہ ہو لیکن اگر حالات تمہیں ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیں تو جان دے دینا مگر باوفا نبی اکرم ﷺ سے دنیا کی عارضی تکلیف پر بے وفائی نہ کرنا اور اپنے عقیدہ پر جمے رہنا۔ یہاں تک کہ موت تمہیں دنیا کی ان عارضی چیزوں سے بچا کر اللہ کریم کی دائمی نعمتوں والی جنت میں داخل کر دے۔

ما عین رأت، ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر. (متفق علیہ)

نہ کسی آنکھ نے انہیں دیکھا، نہ کسی کان نے ان کے تذکرے سنے اور نہ کسی دل پر ان (کی رنگارنگی) کا خیال گزرا۔

چاند پر مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر:

ایک بار لانگے خان باغ ملتان میں دوران تقریر فرمایا:

"کہتے ہیں کہ لوگ چاند پر جا رہے ہیں۔ یاد رکھیے اگر چاند پر انسانوں کی آبادی شروع ہو گئی تو انشاءاللہ ہم نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا پرچم لے کر وہاں بھی پہنچ جائیں گے اور وہاں بھی اللہ کریم نے چاہا تو چاند پر بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر ہوگا۔" ع

تو دقطع منازلہا، من دیک لغزش پائے

مولانا تاج محمود فیصل آبادی

(وفات 20 جنوری 1984ء)

(تحریر: آغا شورش کاشمیری)

جن لوگوں کا نام تحریک ختم نبوت کی تاریخ کے اس دور میں سرفہرست آئے گا' ان میں ایک محترک شخص مولانا تاج محمود بھی ہیں۔ مولانا پہلے دن سے تحریک ختم نبوت کے شیدائی اور فدائی ہیں۔ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے تئیں احرار سے وابستہ کرلیا۔ ابتداً اس کی دوسری صف کے راہنما تھے لیکن جلد ہی صف اول میں آ گئے۔ احرار کے محاذ میں ختم نبوت کی سپاہ کے ہراول دستہ کا ایک سالار رہے۔ اس محاذ پر اتنے عظیم کارنامے سرانجام دیئے کہ اس مسئلہ میں جدوجہد کی طویل تاریخ ان کے جذبہ و استقلال کی شکرگزار ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری انہیں معنوی اولاد گردانتے۔ مولانا محمد علی جالندھری بھائی کہتے اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی ان پر جان چھڑکتے تھے۔ فرماتے! جب تک تاج محمود اور ان جیسے مخلصین ہماری صف میں ہیں تحریک ختم نبوت کا شعلہ گل نہ ہوگا۔ یہ چراغ روشن رہے گا اور ایک دن آئے گا' ممکن ہے ہم نہ ہوں' لیکن تاج محمود کامرانی کی صبح ضرور دیکھیں گے۔

لائل پور (موجودہ فیصل آباد) ختم نبوت کے عشاق کا سب سے بڑا معسکر تھا۔ 1953ء کے بعد یہ محاذ ناقابل تسخیر ہو گیا۔ مولانا تاج محمود وہاں ریلوے کی جامع مسجد کے خطیب (وفات تک رہے ہیں) ہیں۔ وہ محض ملائے مکتبی نہیں اور نہ ان کے چہرے پر منبر ومحراب کی شکنیں ہیں اور نہ لب ولہجہ میں دستار وعبا کی یبوست ہے۔ وہ ایک باغ و بہار انسان ہیں۔ علم دین کی منزل کو پہنچ کر انہوں نے فارسی و اردو کے علم و ادب کی وادیاں قطع کیں اور علوم شرقیہ کا مدرسہ قائم کر کے ہر سال بیسیوں طلبہ کو پڑھاتے رہے۔ اپنے رب کے سوا کسی انجمن یا ادارے کے محتاج نہیں۔ قدرت نے انہیں فیاض ہاتھ' سخی دل اور روشن دماغ دیا ہے۔ وہ دامن کو اجلا رکھتے اور دوسروں کی مدد کرنا اپنے ایمان کا جزو لاینفک سمجھتے ہیں۔ ان کی بدولت بیسیوں نوجوان تعلیم و تدریس کی منزلیں گزار کر کہیں سے کہیں جا پہنچے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئے۔ وہ ایک ہاتھ سے دیتے تو دوسرے کو خبر نہیں ہونے دیتے۔ مہمان نوازی ان کی فطرت ثانیہ ہے۔ ان کا دروازہ دل ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ غمگسار کیا ہوتا ہے؟ اس کے معانی کا مجسمہ ان کا وجود ہے۔

1953ء کی تحریک ختم نبوت جو مارشل لاء کی بھینٹ چڑھ کر شہید ہوگئی لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں ان کے دم قدم سے چلی۔ حکومت نے بڑی تگ ودو کے بعد آپ کو گرفتار کیا۔ لاہور کے شاہی قلعہ میں لایا گیا۔ اس بوچڑ خانہ میں پولیس کے بعض افسروں نے آپ پر ستم توڑنے کی انتہا کردی لیکن اس مرد خدا نے ہر صعوبت ہر تشدد اور ہر اذیت کو خندہ پیشانی سے جھیلا۔ اف تک نہ کی۔ اپنی استقامت سے قرن اول کی یاد تازہ کردی کہ رسول اللہ کے عشاق کفار مکہ کے ظلم سہتے اور حضور ﷺ کے عشق میں قربان ہوتے تھے۔ سید اعجاز حسین شاہ اس زمانہ میں سی آئی ڈی کے ڈی ایس پی اور قلعہ کے انچارج تھے۔ انہوں نے خود راقم الحروف سے ذکر کیا کہ:

"تاج محمود قرون اولیٰ کے فدایان رسول کی بے نظیر تصویر ہے۔ وہ پولیس کے ہر دار پر درود پڑھتا اور عشق رسالت میں ڈوب جاتا ہے۔"

شاہ جی رحلت کر گئے تو ختم نبوت کی تحریک کے لیے ایک جانگسل موڑ تھا۔ قاضی احسان احمد داغ مفارقت دے گئے تو ایک زبردست خلا پیدا ہو کر میدان سونا ہو گیا۔ مولانا محمد علی جالندھری اٹھ گئے تو اس صدمہ جانکاہ سے پورا قافلہ نڈھال ہو گیا۔ مولانا لال حسین اختر واصل بحق ہوئے تو ایک ویرانہ پیدا ہو گیا۔ انہیں شدید صدمہ تھا کہ ان کے ساتھی اور بزرگ ایک ایک کر کے چلے گئے لیکن وہ عشق رسالت کی جوت جگا کر اس قافلہ کی نئی پود فراہم کرتے رہے۔ انہوں نے اخباروں کو اس مسئلہ میں مہر بلب پایا تو خود ہفتہ وار "لولاک" نکالا اور قادیانی امت کے ربوہ (موجودہ چناب نگر) ایڈیشن کا اس شدومد سے محاسبہ شروع کیا کہ روز بروز ان کے خفیہ اوراق کھلتے گئے اور اس کی اندرونی پخت وپز بے نقاب ہونے لگی۔ خط وخال سامنے آ گئے۔ مولانا تاج محمود کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے خلافت ربوہ کے حصار میں اپنے رفیق پیدا کر لیے۔ وہ انہیں اندرون خانہ کی خبریں لا کر دیتے۔ مولانا تاج محمود انکشاف عام کرتے۔ اس طرح حکومت کے ایوانوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ قادیانی مسلمانوں کا مذہبی فرقہ نہیں بلکہ ایک سیاسی سازش ہے جو استعمار کی معرفت مسلمانوں کی وحدت کو پاش پاش کرنے کے لیے پروان چڑھی ہے اور اب اپنے اقتدار

کے لیے پاکستان میں بقول شورش کاشمیری عجمی اسرائیل قائم کرنا چاہتی ہے۔تاج محمود نے مجلس ختم نبوت کے شہ دماغ کی حیثیت میں قادیانی امت کا احتساب جاری رکھا۔لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے رہے لیکن دیوانہ اپنے مشن میں ہوشیار تھا۔

تاج محمود کی ناقابل تسخیر جرات کا یہ حال رہا کہ وہ تسلسل سے ختم نبوت کانفرنسیں کرتے رہے۔ان نوجوانوں کی ہمت بڑھائی جو ربوہ (موجودہ چناب نگر) سے پٹ کے نڈھال ہوئے اور اپنے تئیں موت کے منہ میں محسوس کرتے تھے۔اس دوران میں مولانا تاج محمود کے عشق ختم المرسلین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے مسئلہ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیا۔صحرا میں اکیلے ہی اذان دیتے رہے۔حتیٰ کہ ایک ایسا قافلہ پیدا ہو گیا جس نے ربوہ (موجودہ چناب نگر) کو لرزہ براندام کیا اور سیاسی مصلحتوں کے خرمن کو آگ لگا کر دین کے لالہ زار میں بہار بے خزاں کی رونق پیدا کر دی۔حتیٰ کہ ہم کامیابی کی اس منزل پر آ گئے کہ آج ہمارے خوابوں کی تعبیر ہمارے ہاتھ میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہمارے عزائم کو فتح مند کر دیا ہے۔

نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ سے ربوہ (موجودہ چناب نگر) سٹیشن پر جو سلوک ہوا' وہ مولانا تاج محمود کی دھن سے لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے ریلوے اسٹیشن سے اٹھ کر ایک نئی لہر کے ساتھ تحریک بن گیا۔اس تحریک نے بال و پر پیدا کیے۔تمام جماعتوں کے دینی اتحاد کی راہیں کھلیں۔مجلس عمل قائم ہوئی' حتیٰ کہ شبانہ روز مساعی سے ایک ایسا ولولہ پیدا ہو گیا جس کا مسخر کیا جانا ناممکن تھا۔حقیقت یہ ہے کہ نشتر میڈیکل کالج کے طلبہ پر جو بیتی' اس کو تحریک بنا دینے کی پہلی آواز مولانا تاج محمود تھے۔ایک پودا جو نوے برس سے سینچا جا رہا تھا' اس نے پھول اور پھل پیدا کیے تو اس کے نگہداروں کی سعادت جن لوگوں کو حاصل ہوئی' مولانا تاج محمود ان کے سرخیل ہیں۔مولانا تاج محمود مرزائیت کا انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ان کی معلومات سے خود حکومت فائدہ اٹھاتی رہی ہیں۔وہ ایک مایہ ناز خطیب اور خوش نگار ادیب ہیں۔قدرت نے انہیں علم و نظر کی وسعتیں دے کر تحریک ختم نبوت کا مایہ ناز ہیرو بنا دیا ہے۔تاج محمود زندہ باد۔

(ہفت روزہ ''چٹان'' جلد 27' شمارہ 36' از قلم شورش کاشمیری)

مولانا احتشام الحقؒ تھانوی

تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں خطیب پاکستان کا کردار:

ملک میں جب قادیانی فتنہ اٹھا تو اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھی خطیب پاکستانؒ میدان میں آ گئے تھے۔ اس لیے مرزا محمود نے جون 1952ء میں اعلان کیا تھا کہ ہم خطیب پاکستانؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مفتی محمد شفیعؒ، عبدالحامد بدایونی اور مودودی کو قتل کر دیں گے۔ اس تحریک ختم نبوت کے بانی علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ مفتی محمد شفیعؒ، خطیب پاکستانؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مولانا لال حسین اختر، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود اس تحریک کے نڈر مجاہدین ہیں، مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے فیصلہ کیا کہ قادیانیوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، خطیب پاکستان اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بنیادی کردار ادا کریں گے اور ان کے مکروہ عزائم پر حکومت کو مطلع کریں گے۔

چنانچہ خطیب پاکستانؒ مولانا عبدالحامد بدایونی، مفتی جعفر حسین مجتہد، مولانا محمد یوسف کلکتوی اور مولانا لال حسین اختر نے اپنے دستخطوں سے دعوت نامے جاری کر کے کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس بلائی اور مندرجہ ذیل مطالبات پاس کیے (الف) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (ب) چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ (ج) تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹا دیا جائے۔ ان مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ ہوا اور اس کنونشن کے انعقاد کے لیے علماء پر مشتمل ایک بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی محمد شفیعؒ، خطیب پاکستان، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مفتی صاحب داد، مولانا سلطان احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا لال حسین اختر، مفتی جعفر حسین مجتہد اور الحاج ہاشم گزدر۔ اس بورڈ کے کنوینر خطیب پاکستان مولانا تھانوی منتخب کیے گئے۔

13 جولائی 1953ء کو الحاج ہاشم کے گھر پر بورڈ کا اجلاس ہوا اور کنونشن کے انعقاد کے متعلق فیصلے ہوئے۔ فیصلہ کے مطابق 1953ء میں عظیم الشان کانفرنس بلائی گئی۔ جس میں مختلف النوع جماعتوں نے شرکت کی پھر ملک کے طول و عرض میں جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً تین سو کے قریب جلسے ہوئے۔ جنوری 1954ء کو کراچی میں کانفرنس بلائی گئی جس میں عوام وخواص اور مشاہیر علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔

مذکورہ کانفرنس کے بعد وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں خطیب پاکستان بھی شامل تھے' حسب ترتیب یہ وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا اور اپنے مطالبات پیش کیے' خواجہ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی' ایک ماہ گزر جانے کے باوجود جب کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی اعظم پاکستانؒ اور خطیب پاکستانؒ دوبارہ خواجہ صاحب سے ملے اور سابقہ وعدہ یاد دلایا لیکن خواجہ نے معذرت کر دی۔ خواجہ کی معذرت کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطیب پاکستانؒ مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید نور الحسن بخاریؒ وغیرہ حضرات کراچی میں جمع ہوئے اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیا جس کے تحت جلسے وجلوس شروع ہو گئے۔ بالآخر 1974ء میں قادیانی کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ ظاہر سی بات ہے کہ اس کامیابی کا سہرا بھی دیگر علماء کے ساتھ خطیب پاکستان کو جاتا ہے۔

مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے متعلق ایک اہم مشترکہ اعلان

مسئلہ ختم نبوت کے متعلق مارچ 1953ء میں جب بعض کارکنوں نے غلط اور غیر شرعی طریقہ اختیار کیا تو خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد یوسف کلکتویؒ نے ایک مشترکہ اعلان جاری کیا جو من وعن درج ذیل ہے۔

جیکب لائنز کراچی 2 مارچ 1953ء

تین چار روز سے مسلسل کراچی کے عام مسلمان اور باہر سے آنے والے رضا کار ڈائریکٹ ایکشن کے متعلق ہدایات اور پروگرام معلوم کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس بناء پر یہ واضح کر دینا

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو مطالبہ دینی و مذہبی جماعتوں کی طرف سے اٹھایا گیا اور جو ہمارے نزدیک اس ملک کی سالمیت اور دین اسلام کی بقاء کے لیے ایک بنیادی اور ناگزیر مطالبہ ہے اس کو تسلیم کرانے کے لیے بعض جماعتوں یا کارکنوں کی طرف سے جو طریق کار اختیار کیا گیا اور جس کے نتیجے میں علماء وزعماء کی اچانک گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں اور سینکڑوں رضا کاروں کی گرفتاری کا سلسلہ جاری ہے۔اس کے متعلق اگرچہ ہم کو گرفتار شدہ زعماء کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے یا ہدایات دینے یا موجودہ صورتحال کو روک دینے کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ ہم کو اس پروگرام کی تفصیلات سے باخبر کیا گیا۔ جس کے تحت اس مرحلہ پر یہ اقدام عمل میں لایا گیا ہے لیکن اس وقت بغیر کسی سنجیدہ قیادت کے پبلک کا ایسی پوزیشن اختیار کرنا کہ جو جس کے جی میں آئے کر گزرے یا بغیر کسی واضح اور معین پروگرام کے اپنے آپ کو ابتلاء میں ڈال دے نہ صرف اس بنیادی مطالبہ کے لیے بلکہ آئندہ عام دینی جدوجہد کے لیے انتہائی مضر اور خطرناک ہوگا۔اس لیے ہم ناموس رسول پر مرمٹنے کا جذبہ رکھنے والے نوجوانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جذبات اور ہیجان پر قابو پانے کی کوشش کریں اور تحفظ ختم نبوت کے مسئلہ کو مستقل خطرہ میں نہ مبتلا کر دیں۔ جب تک پوری تدبیر اور غور فکر کے بعد اس مطالبہ کو منوانے کے لیے دینی جماعتوں کے باہمی اتفاق سے عمل کی صحیح راہ اور واضح پروگرام طے نہ کرلیا جائے' اس وقت تک پبلک کی انفرادی اور گراں قدر قربانیوں کے لیے کسی معین صورت کا پیش کرنا ہمارے لیے دشوار ہے۔اس سے زیادہ اس منزل پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

دستخط: نمبر۱ (مولانا) احتشام الحق تھانوی' نمبر۲ (مولانا مفتی) محمد شفیع' نمبر۳ (مولانا) محمد یوسف کلکتوی)

(ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی مولانا احتشام الحق تھانویؒ نمبر اگست ۲۰۰۵ء)

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان
(آپ کی جدوجہد کی چند جھلکیاں)

یہ قربانیاں

اس طرح مجلس عمل کے رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد پورے ملک میں سب سے پہلے آپ کی گرفتاری وقوع پذیر ہوئی۔ گرفتاری کے بعد پولیس نے جس اذیتناک کمینگی کا مظاہرہ کیا' وہ انتہائی قابل نفرین تھا۔ آپ کو ایک ایسی کوٹھڑی میں رکھا گیا' جہاں گدھوں' گھوڑوں اور کتوں کی غلاظت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ کئی دن اس جاں گداز تکلیف سے دوچار رکھنے کے بعد جیل بھیج دیا۔ بعدازاں گرفتاریوں کا سیل بیکراں شروع ہوا جس نے قصر اقتدار کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ چار چھ ماہ بعد تمام اسیران تحریک ختم نبوت کی رہائی کے باوجود حکمران ٹولہ آپ کی رہائی کو برداشت نہ کر سکا اور تحریک کے جن مقتدر رہنماؤں پر ناموس ختم نبوت کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہونے کے الزام میں مقدمات بغاوت قائم کیے گئے تھے' آپ بھی انہی کے زمرہ میں شامل تھے۔

(سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص۲۷۲'۲۷۳' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

(مولف)

اور لاجواب کر دیا

جن دنوں تحریک پورے عروج پر تھی اور جوش وخروش کے ساتھ منزل مراد کی طرف رواں دواں تھی تو وزیراعظم بھٹو نے شیخ القرآن سے ایک ملاقات کے دوران درشت لہجہ میں کہا تھا:

''مولانا آپ کا یہ دارالعلوم ہے یا تحریکوں کا ہیڈ کوارٹر۔''

شیخ نے برجستہ جواب دیا:

''وزیراعظم صاحب میرے مدرسہ کا نام ہے دارالعلوم تعلیم القرآن اور قرآن کی تعلیم یہ

ہے ما کان محمدا ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔"

("سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص ۲۸۸' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

ہونٹ سل جائیں مگر جرات اظہار رہے
دل کی آواز کو مدھم نہ کرو دیوانو

قول حق

بعض ٹوڈیان کرام حکومت کے پٹھو مولوی کہتے ہیں کہ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ بڑی زیادتی ہے اور وہ حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی کتا بھی پیاسا مر گیا تو اس کی باز پرس بھی مجھ سے ہوگی۔ میں کہتا ہوں کتے کے ساتھ ہمدردی ضرور ہونی چاہیے لیکن کسی مرزائی دجال کے ساتھ ہرگز ہمدردی نہ کی جائے کیونکہ قادیانی دجال کتے سے بھی برے ہیں۔ کتا قرآن پر حملہ نہیں کرتا' کتا رسولؐ خدا کی عصمت پر حملہ نہیں کرتا' کتا عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ نہیں کرتا لیکن قادیانی دجال قرآن پر' دین مصطفیٰ ﷺ اور انبیاء کرام پر حملے کرتے ہیں۔

("سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص ۲۸۹' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

دشمن احمدؐ پہ شدت کیجیے
ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
(مولف)

جرات اظہار

میں برملا کہتا ہوں کہ جلوس ہر قیمت پر نکالا جائے گا خواہ ہمیں گرفتار کر لو۔ ہماری جان جاتی ہے تب بھی جان کا نذرانہ پیش کر کے ختم نبوت کا جلوس نکالیں گے۔ ہمیں گولی کھانی پڑی تو کھائیں گے۔ ہم ختم نبوت کے لیے اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں مگر جلوس کا

پروگرام ملتوی نہیں ہوگا۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اگر مجھے گرفتار کرلیا گیا تو میں اپنی جگہ مولانا قاری سعید الرحمٰن مہتمم جامعہ اسلامیہ کو مجلس عمل کا صدر مقرر کرتا ہوں۔ اسی طرح اگر انہیں بھی گرفتار کرلیا گیا تو ان کی جگہ دوسرے علماء جلوس کی قیادت کریں گے۔ جلوس نکالنے کا فیصلہ مجلس عمل نے کیا ہے۔ اس لیے نہ ہم جلوس کا راستہ تبدیل کریں گے اور نہ اس کا پروگرام ملتوی کریں گے۔

(''سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص ۲۹۰'۲۹۱' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

طاقت پر بڑا ناز ہے دشمن کو سنا ہے
کیوں دب کے رہیں ہم بھی ہمارا بھی خدا ہے
(مولف)

ایک مشق

''ہم نے پنجاب میں بھی یہ تحریک چلائی ہے کہ ہر ایک آدمی کی زبان پر ہو' مرزائی کافر۔' دکانداروں سے کہتا ہوں جو بھی گاہک سودا لینے آئے' اسے دو چار آنے سودا سستا دیں اور ساتھ یہ بھی کہیں کہ یہ عقیدہ کی بات ہے کہ قادیانی کافر ہیں۔ آپ لوگ جب اپنے گھروں میں جائیں تو بچوں اور عورتوں سے کہیں قادیانی کافر ہیں۔ نوجوان اسکولوں اور کالجوں میں جائیں تو راستہ میں ایک دوسرے سے کہتے جائیں' قادیانی کافر ہیں۔ جب کلاس میں جائیں تو آپس میں کہیں قادیانی کافر ہیں۔ پروفیسروں اور پرنسپلوں کو کہو' قادیانی کافر ہیں۔ اگر اس طرح دکانوں' بازاروں' اسکولوں' کالجوں' دفتروں اور گھروں میں یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو حکومت کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس آواز کو مٹانا ہمارے بس کا روگ نہیں۔''

(''سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص ۲۹۱' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

اگرچہ بے سروساماں ہیں ازہر پھر بھی ہمت ہے
بدل دیں گے نظام زندگی ہم دیکھتے رہنا
(مولف)

بھٹو کے قتل کی مرزائی سازش

ایک مرتبہ مرزائیوں نے وزیر اعظم بھٹو کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازش تیار کی جو قبل از وقت بے نقاب ہو گئی۔ اس پر شیخ القرآن نے اپنا ردعمل اس طرح پیش کیا تھا:

''تم نے یہ خیال کیا کہ بھٹو کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیں گے۔ سن لو پاکستان پر قبضہ کرنے کا تمہارا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔ ہم تمہارے خون سے پاکستان کو لالہ زار بنا دیں گے۔ نہ تمہارا ناصر دجال بچے گا اور نہ کوئی اور بچ سکے گا۔ بھٹو کو قتل کرنا تو درکنار' پاکستان کو مرزائیت کی ریاست بنانا تو درکنا' تمہیں ماں نے جنا ہی نہیں کہ تم سامنے بھی آ سکو۔ پاکستان پر قبضہ کرنے کی سازشیں کرنے والو! ہم پاکستان کو تمہارا قبرستان بنا کر چھوڑیں گے۔ قبضہ کرنے کے بچو' تم نے ابھی تک سمجھا نہیں ہے۔ میں نے جنرل عبدالحمید کا بیان بھی پڑھا کہ ''میں ذاتی طور پر مرزائی ہوں'' اس وقت تو اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی مگر معلوم ہوا کہ اسے بلا جواز ترقی دے کر اعلیٰ منصب پر کسی سازش کے تحت فائز کیا گیا تھا۔ اب تو بھٹو صاحب کو بھی پتہ چل گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مرزائیوں کی وفاداریوں کا علم بھٹو کو ہو گیا ہے۔ ہم تو کہتے کہتے مر گئے مگر یہ مانتا ہی نہیں تھا۔ اب جب اس کے اپنے سر پر پڑی ہے تو ہوش آ گیا ہے۔ ہم تو روز اول سے کہہ رہے ہیں کہ مرزائی پاکستان کے دشمن' اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

(''سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان' ص ۲۹۲' ۲۹۳' مصنفہ محمد عبدالمعبود)

نگاہ بلند' سخن دلنواز' جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

قادیانی مغل خاندان سے تھا

ہماری جماعت کے ایک شخص حبیب اللہ کلرک امرتسری گزرے ہیں جو تقسیم ملک سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ وہ کھانا بہت کھایا کرتے اور کہا کرتے تھے میرا ہاضمہ بھی قوی ہے اور حافظہ بھی قوی ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کا ہاضمہ بھی خراب تھا اور حافظہ بھی خراب تھا۔ میرے خیال میں مرزا قادیانی دجال کو اپنی کتابوں کی اتنی عبارتیں یاد نہیں تھیں' جتنی حبیب اللہ کلرک کو یاد تھیں۔

کتابوں کے نام‘ صفحہ اور سطر تک یاد تھیں۔کلرک موصوف نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ماں‘ نانی‘ پرنانی سے مائی حوا تک سب کے نام لکھے۔اسی طرح مرزا قادیانی کے باپ‘ دادا‘ پردادا‘ نکردادا سے حضرت آدم علیہاالسلام تک سب کے نام ترتیب وار بیان کیے۔گویا کہ اس دجال کا مکمل نسب نامہ لکھا تھا۔

سب مسلمان تعجب کرتے تھے کہ حبیب اللہ کو کیا ہوگیا ہے کہ اس دجال کا نسب نامہ لکھنے کی ''سعادت'' حاصل کر رہا ہے۔ میں اس زمانہ میں نیا نیا یہاں آیا تھا۔کوہ مری میں معمولی سی خطابت تھی۔ میں نے بھی کہا کہ آپ نے اس دجال کا نسب نامہ کیوں لکھا ہے تو وہ کہنے لگے میں نے اس کے ننہالی اور ددھیالی نسب سے ثابت کیا ہے کہ یہ سب مغل خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے۔ان میں سے کوئی بھی ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق نہیں رکھتا جبکہ قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام انبیاء ان کی ہی نسل سے ہوں گے۔

وجعلنا فی ذریتھما النبوہ.

''اور ہم نے نبوت ان دونوں (نوح اور ابراہیم علیہما السلام) کی اولاد میں منحصر کر دی۔''

تو میں نے ثابت کیا ہے کہ جتنے مغل ہیں‘ یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں‘ اسے نبوت از روئے قرآن نہیں مل سکتی۔

(''سوانح حیات مولانا غلام اللہ خان‘ ص ۲۹۴‘ ۲۹۵‘ مصنفہ محمد عبدالمعبود)

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ عظیم محدث تھے‘ آپ محدث جلیل حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد خاص اور ان کے علوم کے صحیح وارث تھے۔آپ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے کراچی میں ایک عظیم درسگاہ قائم کی۔تحفظ ختم نبوت کا جنون آپ کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔**آپ کی خدمات کے متعلق مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں۔**

قادیانیوں کا جلسہ الٹ دیا:

حضرت فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے وطن پشاور تشریف لائے تو وہاں کے سرکاری حلقوں اور انگریزی خواں نوجوانوں میں قادیانیت کا خاصا اثر ورسوخ تھا۔ وہ کھلم کھلا قادیانیت کی تبلیغ کرتے اور ''یوم النبی'' کے نام پر جلسہ عام بھی کرتے۔ مرزائیوں کی یہ کھلے عام مرتدانہ سرگرمیاں حضرتؒ کی ''ایمانی غیرت'' کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کا انسداد ضروری تھا۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ قادیانیوں نے حسب عادت ''یوم النبی'' کا اعلان کیا اور اس کے اشتہارات لگائے' میں نے اور میرے رفیق مولانا لطف اللہ نے باہم مشورہ کیا کہ قادیانیوں کی اس جرات کا سدباب ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہم نے طے کرلیا کہ یہ جلسہ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جلسہ کی تاریخ آئی اور قادیانیوں نے مقررہ جگہ پر جلسہ کے انتظامات کے بعد کارروائی شروع کی تو ہم لوگ بھی اسٹیج پر پہنچ گئے۔ قادیانیوں کی طرف سے جلسہ کے صدر کا نام تجویز ہوا تو میں نے فوراً اٹھ کر اعلان کر دیا کہ یہاں جلسہ مسلمانوں کا ہوگا اور میں جلسہ کی صدارت کے لیے فلاں صاحب کا نام پیش کرتا ہوں' اس اعلان کا جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا' وہی ہوا' ایک ہنگامہ مچ گیا' ہماری اور قادیانیوں کی ہاتھاپائی ہوئی' بالاخر حریف پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا' ہنگامہ کا سن کر پورا شہر ٹوٹ پڑا' میں نے ختم نبوت پر تقریر کی' قادیانیوں کی مکاریوں سے لوگوں کو آگاہ کیا' قادیانی ذلت ورسوائی کے ساتھ بھاگ گئے اور آئندہ ان کو کبھی کھلے بندوں جلسے کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

یہ حضرتؒ کا قادیانیت سے پہلا معرکہ تھا' جس میں آپ کو کامیابی اور قادیانیوں کو ذلت و شکست ہوئی' دیکھنے میں یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن جس بھیانک دور میں آپ نے ایمانی غیرت وحمیت اور جرات وعزیمت کا یہ مظاہرہ کیا' اگر وہ پیش نظر ہو تو اسے مافوق العادت کارنامہ تصور کیا جائے گا اور پھر آپ کے اس عملی اقدام کے جو نتائج سامنے آئے وہ شاید ہزاروں روپے کا لٹریچر تقسیم کرنے پر بھی رونما نہ ہوتے۔

(ماہنامہ بینات مولانا بنوریؒ نمبر ص 296,295)

مصر میں قادیانیت شناسی کی تحریک

۱۹۳۷ء میں آپ ''مجلس علمی ڈابھیل'' کی کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں مصر تشریف لے گئے۔ وہاں کے اکابر علماء سے تعلقات استوار کیے' علمائے دیوبند کے تعارف پر وہاں کے مجلّات میں گرانقدر مقالے شائع کیے مگر اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے شیخ انورؒ کے مشن ''ردقادیانیت'' کو وہاں بھی فراموش نہیں کیا' وہاں کے تمام علماء ومشائخ کو قادیانیت کے خلاف جہاد کے لیے تیار کیا' ان سے قادیانیت پر رسالے اور مقالے لکھوائے اور انہیں اس موضوع پر حضرت شاہ صاحبؒ کے لعل وجواہر سے آگاہ کیا۔ علامہ محمد زاہد الکوثری جنہیں مصر کی علمی فضا میں وہی بلند پروازی حاصل تھی جو حضرت شاہ صاحبؒ کی ہندوستان میں۔ انہوں نے ایک مقالہ حیات عیسیٰ علیہ السلام پر رقم فرمایا جو'' مقالات کوثری'' میں شامل ہے۔

بلاشبہ یہ حضرت نبوری قدس سرہ کی قادیانیت کے خلاف عظیم الشان مہم تھی جس میں انہیں زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔

تحریک ختم نبوت 1953ء میں شمولیت

حضرت 1951ء میں پاکستان تشریف لے آئے اور دارالعلوم ٹنڈو الہ یار میں حدیث وتفسیر کی تدریس کے فرائض انجام دینے لگے' اسی دوران ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت چلی تو یہ شیخ وقت فوراً میدان عمل میں آ گیا اور ظفر اللہ قادیانی کی وزارت خارجہ کے خلاف احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کرنے لگے۔ یہ تحریک اگرچہ اپنے تمام مطالبات میں کامیاب نہیں ہوئی تاہم کون نہیں جانتا کہ یہی تحریک ظفر اللہ خاں کی وزارت خارجہ کے ساتھ خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ کو بھی بہا کر لے گئی۔ تحریک ختم نبوت میں آپ کی شمولیت کا یہ تجربہ دراصل مستقبل کی تیاری کا پیش خیمہ تھا۔

۱۹۵۴ء میں حضرت مستقل طور پر کراچی میں آ گئے' کراچی میں آپ کے قیام میں حق تعالیٰ کی جو جو تکوینی مصلحتیں تھیں ان کی تفصیلات کا احاطہ کون کر سکتا ہے؟ مگر خیال ہوتا ہے کہ قدرت آپ کو کراچی کے مرکز میں لا کر ''تحریک ختم نبوت'' کی قیادت آپ کے سپرد کر رہی تھی۔ آپ

یہاں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ آپ کی سیادت ومحبوبیت کا نقش دلوں پر ثبت ہونے لگا اور اندرون و بیرون ملک ہر طبقہ کے لوگوں سے آپ کے تعلقات وسیع ہوتے گئے اور آپ کو ہر بڑے چھوٹے سے ملنے، ہر ایک کو پڑھنے اور سمجھنے اور ہر ایک کی صلاحیت کے مطابق اس سے کام لینے کا موقع ملا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام نہ ڈابھیل کے دور افتادہ خطے میں میسر آ سکتا تھا نہ ٹنڈو الہ یار کے قصبے میں اور نہ ''لال جیوہ'' کے ویرانے میں۔ کراچی لا کر گویا قدرت نے ولقد مکنا لیوسف فی الارض کا نقشہ لوگوں کو ایک بار پھر دکھایا اور حدیث نبوی ثم یوضع لہ القبول فی الارض کا سماں پھر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ تو بھی قدرت امام ربانی کے نقش قدم پر چلا رہی ہے اور حق تعالیٰ اس ملک کے صالح قلوب کو آپ کی طرف از خود متوجہ فرما رہے ہیں۔

کام کرنے کے تین میدان

بہرحال اس دور میں حضرتؒ نے ''عقیدہ ختم نبوت'' کی حفاظت کے لیے خاموشی سے کام شروع کر دیا اور اس کے لیے تین میدان منتخب ہوئے۔

اول: اندرون ملک ہر طبقہ کے وہ سعید قلوب، جو اس مقصد کے لیے موثر اور کارآمد ہو سکتے تھے آپ نے انہیں تلاش کر کے جوڑنا اور قادیانیت کے خلاف انہیں منظم اور بیدار کرنا شروع کیا۔ ان میں علماء بھی تھے، وکلاء بھی، کاروباری بھی تھے اور سرکاری ملازمین بھی۔

حضرتؒ کو معلوم تھا کہ ملک میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' اس فتنہ کے خلاف منظم طور پر پوری یکسوئی، تندہی اور جانفشانی سے کام کر رہی ہے۔ حضرتؒ نے اس کی بھی سرپرستی شروع کر دی اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی اعانت ونصرت فرمائی۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے زعیم حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ (جو امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید اور خطیب العصر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے دست راست اور جانشین تھے) حضرت کی خدمت میں کراچی حاضر ہوئے، کئی کئی دن قیام رہتا، گھنٹوں حضرت سے تنہائی میں مشورے کرتے۔ راقم الحروف ایک بار کراچی سے پنجاب گیا، مولانا محمد علی جالندھریؒ کی زیارت وملاقات میسر آئی، موصوف نے علیک سلیک کے بعد پہلا سوال اپنے مخصوص پنجابی انداز میں یہ فرمایا: ''سنا

پھر میرے شیخ دا کی حال اے'' اور ''میرے شیخ'' کا لفظ جس عظمت و محبت کے لہجے میں ادا فرمایا اس کی حلاوت و شیرینی کا لطف کاغذ پر کیسے منتقل کر دیا جائے؟

الغرض حضرت بنوریؒ نے خاموشی سے ان تمام حضرات کو اپنے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا جو اس فتنہ کی سرکوبی میں کوئی موثر کردار ادا کر سکتے تھے اور کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ یہ مرد مجاہد ختم نبوت کا قلعہ تعمیر کرنے کے لیے کہاں کہاں سے اینٹ مصالحہ ڈھونڈ کر لا رہا ہے۔

دوم: قادیانی مسئلہ صرف پاکستان کا نہیں بلکہ خود اسلام کا مسئلہ تھا۔ اس لیے حضرتؒ نے عالم اسلام کے تمام اکابر علماء سے بھی رابطہ رکھا۔ انہیں قادیانی سازشوں کی تفصیلات سے مسلسل آگاہ کرتے رہے، ان کے گھناؤنے عقائد و نظریات کے علاوہ ان کی مسلم کش پالیسیوں سے انہیں چوکنا کرتے رہے اور اس **رابطہ کے تین ذرائع تھے۔ اول** یہ کہ باہر سے علماء کے جو وفود پاکستان آتے نیوٹاؤن میں ان کی تشریف آوری ہوتی، **دوسرے** حضرت بھی بین الاقوامی اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے تشریف لے جاتے، **تیسرے سال** میں کم از کم دو بار حرمین شریفین میں حاضر ہوتی جہاں عالم اسلام کا دل و دماغ سمٹ آتا ہے، ان تمام مواقع میں جہاں حضرتؒ کی عظمت و محنت کا نقش عالم اسلام کے قلب پر مرتسم ہوتا۔ وہاں قادیانیت سے نفرت و بیزاری کی تحریک کو بھی انگیخت ہوتی...... ربیع الاول ۱۳۹۴ھ۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں مکہ مکرمہ میں ''رابطہ عالم اسلامی'' کی کانفرنس میں دنیا بھر کی ۱۴۴ تنظیموں کے نمائندوں نے جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی تھی کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کسی جانشین مجدد الف ثانیؒ کی محنتوں کے بغیر یہ سب کچھ ہو گیا تھا؟

حضرت اقدسؒ جہاں دنیا بھر کے علماء و مشائخ اور اعیان و اکابر سے رابطہ قائم کیے ہوئے انہیں قادیانی فتنہ کی سنگینی سے مسلسل آگاہ کر رہے تھے، وہاں ارباب قلوب اور اصحاب باطن سے بھی رابطہ استوار تھا، اور انہیں بھی اس سلسلہ میں ''صرف ہمت'' اور دعا و التجا کی طرف متوجہ رکھتے تھے۔

سوم: تیسرا اور آخری کام جو آپ نے کیا وہ عالم اسلام کے ارباب اقتدار (جن میں ملکوں کے سربراہ و سفراء بھی شامل تھے) سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں قادیانی فتنہ سے باخبر رکھنا تھا۔ عرب [illegible] جو سفراء ہمارے ملک میں وقتاً فوقتاً تعینات ہوتے رہے۔ ان میں سے اکثر و بیشتر

حضرتؒ کے شناسا اور قدر دان محب تھے۔ اسلامی ممالک کے امراء و وزراء سے بھی اچھا تعارف تھا۔ خصوصاً پاسبان حرم شاہ فیصل شہیدؒ تو آپ کے بہت ہی قدر شناس تھے... شہید مرحوم سے آپ نے متعدد بار ملاقات بھی کی اور انہیں بالمشافہ قادیانی فتنہ کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا۔ ایک ملاقات کا حال مولانا عبدالرحیم اشرف نے حضرتؒ کی زبانی یوں قلمبند کیا ہے:

''حضرت مولانا محمد یوسف بنوری۔ متعنا الله بطول حیاته. نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ ''مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی تحریک سے کچھ پہلے آپ حرمین حاضر ہوئے' تو ایک دوست نے از خود یہ کوشش کی کہ جلالۃ الملک سے ملاقات ہو۔ ملاقات طے ہوگئی' مولانا بنوری شاہ فیصل کے ہاں تشریف لے گئے' ملک محترم نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اپنی کرسی سے بہت قدم آگے بڑھ کر مصافحہ فرمایا۔ گفتگو کامل التفات سے سنی (یہ گفتگو تمام تر قادیانیت پر تھی۔ ناقل) اور اکثر و بیشتر امور میں پرزور تائید اور گرم جوشانہ حمایت کا وعدہ فرمایا۔ ملاقات ختم ہوگئی تو آرام سے مولانا کو الوداع کہنے دروازے تک تشریف لائے۔ مولانا نوری اپنے رفیق کے ہمراہ شاہی محل سے نکل رہے تھے کہ شاہ شاہ شہید علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے۔ مولانا کو احساس ہوا تو راستہ سے ایک کنارے پر کھڑے ہوگئے۔ شاہ وہاں پہنچے تو مولانا سے حسب سابق آگے چلنے کو فرمایا' مولانا نے اس سے انکار فرمایا' اور شاہ سے درخواست کی کہ آپ ہی آگے چلیں' اس پر جلالۃ الملک نے مولانا کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں آگے چلنے پر مجبور کر دیا' اور خود پیچھے پیچھے چلتے رہے اور جب شاہی محل کے دروازے تک پہنچے تو دوسری بار مولانا کو گرمجوشی سے الوداع کہا۔''

جہاں عالم اسلام کے ارباب حل وعقد کو اپنی نجی ملاقاتوں میں اس مسئلہ کی طرف متوجہ فرماتے' وہاں خطوط کے ذریعہ بھی توجہ دلاتے۔ افسوس ہے کہ حضرتؒ نے ان مکاتیب کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا ورنہ یہ ہماری تاریخ کا قیمتی' علمی و اصلاحی ذخیرہ ہوتا' تاہم یہاں حضرتؒ کے دو خطوں کا خلاصہ درج کرتا ہوں' جو رفیق محترم جناب قاری سعید الرحمٰن کی وساطت سے راقم الحروف کو میسر آئے۔ ان میں پہلا خط شاہ فیصل شہیدؒ کے نام ہے اور دوسرا لیبیا کے صدر جناب کرنل معمر قذافی کے نام۔ یہ دونوں خط اس وقت لکھے گئے تھے جب ہمارے ہاں خدا کا قہر مسٹر بھٹو

کے صدر اور عوامی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہونے کی شکل میں نازل ہورہا تھا۔ جب مسٹر ایم ایم احمد قادیانی کا طوطی بولتا تھا' جب قادیانی مسٹر بھٹو کے زیر سایہ پاکستان پر داد حکمرانی دے رہے تھے اور جب ہمارے ملک کے سب سے نازک طبقہ فوج کو آغوش قادیانیت کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں حضرتؒ پر بے چینی کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ ان کے خطوط کے بین السطور میں صاف پڑھی جاتی ہے۔.........................

الغرض یہ تین میدان تھے جن میں حضرتؒ نے قادیانیت کے مقابلہ میں کام کیا اور جن کا دھندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ قادیانیت سے آخری جنگ لڑنے کے لیے حضرت نے اپنی بساط کی حد تک اسباب و وسائل مہیا کر لیے تھے۔ اندرون ملک و بیرون ملک اس کے لیے زمین تیار کی جا چکی تھی اور حضرتؒ کے سوز دروں اور آتش جگر نے اس فتنہ کے خلاف ملت اسلامیہ کو آتش فشاں میں تبدیل کر دیا تھا۔ تا آنکہ ادھر قدرت آپ کو ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی قیادت کے لیے کھینچ لائی' اور ادھر خود قادیانیوں کے ہاتھ سے ربوہ اسٹیشن (موجودہ چناب نگر) کے سانحہ کا دھماکہ کرا دیا جس سے ملت اسلامیہ کا آتش فشاں شعلے اگلنے لگا اور قادیانیت کفر کے خاکستر میں ڈھیر ہو کر رہ گئی۔

قادیانیت کے خلاف حضرتؒ نے جو کارنامہ انجام دیا۔ اس کے لیے دست قدرت نے آپ کو خود تیار کیا تھا اور پیکر یوسفی میں لطیفہ نصرت خداوندی کارفرما تھا۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

(ماہنامہ بینات کراچی مولانا بنوریؒ نمبر)

تحریک ختم نبوت کے قافلۂ سالار

حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اس قافلہ کا پہلا امیر و قائد منتخب کیا گیا۔ 9 ربیع الاول 1381ھ مطابق 21 اگست 1961ء کو حضرت امیر شریعتؒ کا وصال ہوا اور جماعت کو طفولیت کے عالم میں یتیم کر گئے۔

شاہ جی کے بعد حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ المتوفی 9 شعبان 1386

بمطابق 23 نومبر 1966) امیر دوم' حضرت مولانا محمد علی جالندھری (التوفی 24 صفر 1391ھ مطابق 21 اپریل 1971) امیر سوم اور مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر (التوفی 11 جولائی 1973ء)امیر چہارم منتخب ہوئے ۔مولانا لال حسین اختر کے بعد فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات مدظلہ العالی کو نئے انتخاب تک مسند امارت عارضی طور پر تفوی ہوئی ۔ خیال تھا کہ آئندہ جماعت کی زمام قیادت مستقل طور پر انہیں کے سپرد کردی جائے مگر اپنے ضعف وعوارض کی بناء پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرمادیا اور جماعت خلا میں گھومنے لگی ۔ یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان پیش قدمی کے رک جانے کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا لیکن حق تعالیٰ شانہ کا وعدہ' حفاظت دین یکا یک ایک لطیفہ غیبی کی شکل میں رونما ہوا' اور وہ اس منصب عالی کے لیے اسلاف کے علوم وروایات کی حامل ایک ایسی ہستی کو کھینچ لایا جو اس منصب کی پوری طرح اہل تھی' جس سے ملت اسلامیہ کا سر بلند ہوا جس کے ذریعہ قدرت نے ختم نبوت کی پاسبانی کا وہ کام لیا جو اس دور کی تاریخ کا جلی عنوان بن گیا' اور وہ تھے شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسینی نور اللہ مرقدہ۔

15 ربیع الاول 1394ھ مطابق 9 اپریل 1974ء کو یہ عبقری شخصیت ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی مسند امارت پر رونق افروز ہوئی۔

کسی جماعت کی صدارت قبول کرنا حضرت کے مزاج ومشاغل کے قطعاً منافی تھا لیکن مخلصین کے اصرار پر آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑا۔

حضرت بنوری قدس سرہ کا دور امارت اگرچہ بہت ہی مختصر رہا اور اس میں بھی حضرت اپنے بیشمار مشاغل اور ضعف وپیرانہ سالی کی بناء پر جماعت کے امور پر خاطر خواہ توجہ نہیں فرماسکتے تھے' اس کے باوجود حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی پرخلوص قیادت کی برکت سے جماعت کے کام کو ثریٰ سے ثریا تک پہنچا دیا اور ''بنوری دور میں'' جماعت نے وہ خدمات انجام دیں جن کی اس سے پہلے صرف تمنا کی جاسکتی تھی۔

عالمی تحریک:

7 ستمبر 1974ء کے فیصلہ کے بعد بھی حضرت چین سے نہیں بیٹھے' بلکہ اس فیصلہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں آپ کے پیش نظر تین چیزیں تھیں:

ا۔ اندرون ملک صرف قادیانیوں کے ''غیر مسلم' ہونے پر اکتفا نہ کیا جائے۔ بلکہ حکومتی سطح پر ان کے ساتھ معاملہ بھی وہی کیا جائے جس کے غیر مسلم مستحق ہیں۔ مثلاً شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں ایک خانہ مذہب کا تجویز کیا جائے اور اس میں قادیانیوں کے ''غیر مسلم'' ہونے کی تصریح کی جائے۔ قادیانیوں کو اسلام کے شعار اپنانے کی اجازت نہ دی جائے اور ان امور کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ

۲۔ بیرون ملک جہاں جہاں قادیانی اثرات ہیں وہاں تحریک ختم نبوت کو ایک عالمی تحریک کی شکل دی جائے' پاکستان قومی اسمبلی کے فیصلہ کی دنیا بھر کی زبانوں میں اشاعت کی جائے' اور قادیانیوں نے اسلام اور مسلمانوں سے جو غداریاں کیں ہیں۔ ان سے ساری دنیا کے مسلمانوں کو باخبر کیا جائے۔ آئندہ قادیانیوں کے جو منصوبے ہیں ان پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۳۔ سب سے اہم یہ کہ جو لوگ غفلت یا جہالت کی بنا پر قادیانی چنگل میں گرفتار ہوئے ہیں اور انہوں نے قادیانیت کو واقعی اسلام سمجھ کر قبول کر لیا ہے جہاں تک ممکن ہو موعظت وحکمت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے اور اسلام اور قادیانیت کے درمیان جو مشرق ومغرب کا بعد ہے وہ ان پر واضح کیا جائے۔

حضرت اقدسؒ نے مولانا سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کے نام اپنے ایک گرامی نامہ میں ان نکات کی وضاحت فرمائی ہے جو درج ذیل ہے:

''برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب زادکم اللہ توفیقا الی الخیر السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ نہ معلوم نامہ کرم کب آیا اور کہاں ہے لیکن عزیز محمد بنوری سلمہ سے یہ معلوم ہوا کہ جواب کا انتظار کر رہے ہیں اور اشاعت رکی ہوئی ہے۔ اس لیے چند حروف لکھ رہا ہوں' تفصیل کی نہ حاجت' نہ فرصت' نہ ہمت۔ اختصار بلکہ ایجاز سے عرض ہے کہ آئینی

فیصلہ نہایت صحیح اور باصواب ہے' اگرچہ بعد از وقت ہے اور بعدازخرابی بسیار۔
وزیراعظم صاحب نے جواخبارت میں یہ اعتراف فرمایا ہے کہ ''قادیانی مسئلہ کے حل ہونے سے پاکستان کو سیاسی استحکا حاصل ہوگیا۔'' اور تہامی صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ ''پاکستان آج صحیح معنوں میں پاکستان بنا۔''

دونوں سیاست دانوں کے اعلان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ یہ کام کتنے عرصے پہلے ہونا چاہیے تھا۔

ہماری ذمہ داری ختم نہیں ہوئی بلکہ آئینی نقوش کو جب تک عملی جامہ نہ پہنایا جائے اس وقت تک مقصد ناتمام ہے۔ ''اسلام در کتاب مسلماناں در گور'' والا معاملہ ہوگا' اندرون ملک قادیانیوں کا جو کچھ ردعمل ہے وہ تذبذب ہے' مایوسی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیدڑ بھبکی ہے اور کچھ نہیں۔ باہر ممالک میں حتیٰ کہ انگلستان میں بھی اس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں' لیکن افریقہ کے ممالک میں اس آئینی فیصلہ کی اشاعت اور عام کرنے کی بڑی ضرورت باقی ہے۔ حکومت کو اپنا بین الاقوامی دامن بچانے کے لیے..... عربی' انگریزی اور فرانسیسی زبان میں اس مقصد کی اشاعت اپنے سفیروں کے ذریعے تمام ممالک میں کرانی چاہیے۔ اس وقت جو کچھ حکومت کی پالیسی ہے اس میں تغافل' تذبذب بلکہ ایک گونہ نفاق ہے۔ اس لیے (حکومت نے) عملی صورت میں کوئی اقدام نہیں کیا' نہ ان قیدیوں کو رہا کیا (جو تحریک ختم نبوت کے دوران گرفتار کیے گئے) نہ ربوہ (موجودہ چناب نگر) کو باقاعدہ تحصیل کی شکل دی ہے' نہ فارغ علاقہ ان سے واپس لیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مرکز سے زیادہ پنجاب گورنمنٹ کی دوغلی پالیسی یا طرف وارانہ پالیسی کا نتیجہ ہو۔ بہرحال حالات اگر مایوس کن نہیں تو زیادہ امید افزاء بھی نہیں۔ بس اس وقت زیادہ لکھنے کی فرصت نہیں۔ تفصیلات بہت کچھ ہیں والسلام۔''

یہ گرامی نامہ 1975ء کے آغاز میں (14 جنوری کو) تحریر فرمایا' ان دنوں حضرت پر پوری دنیا میں اس تحریک کو عام کرنے کا جذبہ بڑی شدت سے غالب تھا۔ فرماتے تھے ''کاش میں جوان ہوتا' قوی مں طاقت و ہمت ہوتی تو دنیا بھر میں آگ لگا دیتا۔'' چنانچہ ضعف و ناتوانی اور پیرانہ

سن کے باوجود آپ نے فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لیے بیرونی ممالک میں بھی کوششیں شروع کردیں' اور یورپ' افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کو قادیانیت کے مقابلہ میں منظم اور بیدار کرنے کے لیے خود دومرتبہ طویل سفر فرمایا۔ پہلا سفر 1974ء کے اواخر میں انگلستان کا کیا جس کی ابتداء حرمین شریفین کی حاضری اور اعتکاف سے ہوئی۔ اس کا مختصر سا تذکرہ حضرتؒ نے ذیقعدہ 1394ھ (دسمبر 1974ء) کے ''بصائر وعبر'' میں کیا ہے۔ جس کا ابتدائی حصہ درج ذیل ہے:

''الحمد للہ ماہ رمضان المبارک میں کچھ لمحات حرمین شریفین میں نصیب ہوئے۔ انگلستان کی دینی دعوت آئی تھی' اگرچہ صحت اچھی نہیں تھی اور ڈاکٹروں کی حتمی رائے سفر نہ کرنے کی تھی اور خود مجھے بھی تردد ضرور تھا' لیکن استخارہ کرکے اللہ کا نام لے کر جدہ سے 22 نومبر 74ء کو روانہ ہوگیا' بڈرشفیلڈ میں جاتے ہی ایک جدید حادثے سے دوچار ہوا' ڈاکٹروں نے تین روز سکوت اور ایک ہفتہ آرام کا مشورہ دیا لیکن بیانات کا نظم بن چکا تھا اور اس کا اعلان ہوگیا تھا اس لیے بادل ناخواستہ ڈاکٹروں کے مشورے کے خلاف کرنا پڑا' الحمد للہ کہ تقریباً تمام پروگرام حق تعالیٰ شانہ نے پورا کردیا۔ متعدد مقامات پر جانا ہوا اور جن اہم دینی مسائل کی ضرورت سمجھی ان پر بیانات ہوئے۔ بڈرشفیلڈ' بولٹن' ڈیوز بری' بلیک برن' پرسٹن' بریڈفورڈ' گلسٹر' والسال' برمنگھم' ولور ہملٹن' کونٹری' لسٹر' نیٹی ٹن اور خود لندن کے مختلف مقامات پر پروگرام بن چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے باوجود صحت کی خرابی وطبیعت کی ناسازی کے توفیق محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائی۔ متعدد دینی موضوعات پر بیان ہوا۔

لوگ انگلستان جاتے ہیں تو بڑی ''سوغاتیں'' ساتھ لاتے ہیں' مگر حضرت کے اس سفر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت نے اس میں کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا' فرماتے تھے کہ ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے لیے ایک شخص نے باصرار پانچ پونڈ کا عطیہ دیا تھا' صرف وہی لایا ہوں اس کے سوا کچھ نہیں لایا۔

حضرت نے اس سلسلہ میں دوسرا سفر تقریباً ایک درجن افریقی ممالک کا کیا جو حسب معمول حرمین شریفین سے شروع ہوا اور حرمین پہنچ کر ختم ہوا۔ اس سفر کی مفصل روئداد حضرت کے رفیق سفر

جناب مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق کے مقالہ میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے البتہ حضرت نے اس سفر کے بارے میں ایک گرامی نامہ نیروبی سے تحریر فرمایا تھا اس کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے جس سے کام کے طریق کار پر روشنی پڑتی ہے۔

''جدہ سے روانگی کے وقت کچھ معلوم نہ تھا کہ کہاں جانا ہوگا اور کس طرح کام کرنا ہوگا' اس لیے روانگی ایسے وقت ہوئی کہ نہ پورے ویزے لے سکے' نہ باقاعدہ کسی کو مطلع کیا جاسکا' نیروبی پہنچ کر کچھ نقشہ کام کا سمجھ میں آ گیا کہ موثر اور صحیح صورت یہ ہے کہ ہر مرکزی مقام پر مقامی باشندوں کی جماعت ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے نام سے تشکیل دی جائے جو بسلسلہ قادیانیت موثر کام کر سکے اور تقریروں میں اسلام اور ختم نبوت کی اہمیت وحقیقت واضح کی جائے' چنانچہ اس انداز سے کام شروع کیا اور نشان منزل نظر آنے لگا......

زمبیا سے واپسی پر یوگنڈا کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے تین چار دن یہاں تاخیر ہوگئی' شاید کل روانگی ہو سکے گی......سفر کے اختصار کا سوچ رہا تھا لیکن معلوم ہوا کہ نائجیریا میں قادیانیوں کے اسکول' ہسپتال اور ادارے ہیں اور حکومت میں بھی ان کے عہدے ہیں۔ وہاں جانے کی شدید ضرورت ہے' اس لیے مغربی افریقہ کا ارادہ کرنا پڑا' اور پھر ساتھ ہی مغربی افریقہ کے بقیہ ممالک کا جوڑ بھی لگانا ہوگا۔ اس لیے سفر طویل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں۔ آمین۔''

حضرتؒ کا یہ سفر جدہ سے 7 شوال 1395ھ مطابق 12 اکتوبر 1975ء کو شروع ہوا اور 19 ذیعقدہ 1395ھ مطابق 22 نومبر 1975ء کو جدہ واپسی ہوئی۔

1975ء میں انڈونیشیا کے ایک بہت بڑے عالم الشیخ الحبشی الشافعی مشرق وسطیٰ کے دورہ سے واپسی پر حضرتؒ کی خدمت میں کراچی تشریف لائے۔ کئی دن ان کا قیام رہا اور انہوں نے حضرتؒ کے سامنے انڈونیشیا میں قادیانی سرگرمیوں اور نصرانی سازشوں کی تفصیلات پیش کیں۔ یہ بھی بتایا کہ ''قادیانیوں سے ہمارا معرکہ رہتا ہے جب ہم مرزا غلام احمد کا کوئی حوالہ پیش کرتے ہیں تو قادیانیوں کی طرف سے اصل کتاب پیش کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ میں نے مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو لکھا تھا کہ اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس فن کے

امام مولانا شیخ محمد یوسف بنوری ہیں۔ کراچی میں ان سے رجوع کریں۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

حضرتؒ نے ان کی بہت ہی قدر اور ہمت افزائی کی اور ان سے فرمایا کہ ہم نہ صرف قادیانیوں کا سارا لٹریچر آپ کے لیے مہیا کریں گے بلکہ ایک ایسا عالم بھی بھیجیں گے جو قادیانیت کا پورا ماہر کیونکہ قادیانیوں کی بیشتر کتابیں اردو میں ہیں۔ ہمارے آدمی آپ کے یہاں کے علماء کو قادیانی کتابوں کے حوالوں کا ترجمہ عربی میں نوٹ کرادیں گے اور قادیانیت پر ایسی تیاری کرادیں گے کہ اس کے بعد آپ حضرات کو کسی اور سے مراجع کی حاجت نہیں ہوگی۔ وہ نقشہ آج بھی راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے ہے جب شیخ حسین رخصت ہوتے ہوئے حضرت کی پیشانی اور ریش مبارک کو بوسہ دے رہے تھے ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھے اور وہ بڑے رقت انگیز لہجے میں حضرت سے درخواست کررہے تھے۔

"یا سیدی! زودنی بما زود سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم معاذ بن جبل حین بعثه الی الیمن."

"اور جواب میں حضرت نے اسی رقت انگیز مگر بزرگانہ لہجہ میں فرمایا: **زودک الله التقوی. واستودع الله دینکم وامانتکم وخواتیم اعمالکم."**

بہرحال ان کی درخواست پر حضرتؒ نے جناب مولانا عبدالرحیم اشعر اور رفیق محترم مولانا اللہ وسایا کو قادیانیوں کا ضروری لٹریچر دے کر انڈونیشیا بھیجا' ان حضرات نے وہاں قادیانیوں کو مناظرہ ومباحثہ کی دعوت دی' مگر کوئی مقابلے پر نہیں آیا' وہاں مختلف مقامات پر ان کے بیانات ہوئے جن کا ترجمہ ساتھ کے ساتھ انڈونیشین زبان میں ہوتا رہا۔ وہاں کے ریڈیو پر بھی ان کی تقریریں نشر ہوئیں اور سب سے اہم کام یہ کیا کہ قریباً دوصد حضرات علماء وکلاء اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت کو عربی میں قادیانیت سے متعلق مختلف موضوعات پر تیاری کرائی۔ قادیانیوں کی کتابوں کے اصل مآخذ کی نشاندہی پیش کر کے ان کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ اس طرح ایک بڑی جماعت کی ردقادیانیت پر تیاری مکمل کرائی۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

ان دونوں احباب کی میزبانی کے فرائض شیخ حسین الحبشی نے ادا کیے مگر سفر کے جملہ مصارف حضرتؒ نے جماعت کی طرف سے برداشت کیے اور قادیانی لٹریچر کا یہ ذخیرہ بھی انڈونیشیا

چھوڑ دیا گیا۔ یہ دورکنی وفد 26 ذوالحجہ 1395ھ مطابق 22 دسمبر 1975ء کو کراچی سے روانہ ہوا اور 28 محرم 1396ھ مطابق 24 جنوری 1976ء کو واپس ہوا' ان کی واپسی پر شیخ حسین نے حضرت کی خدمت میں شکریہ کا خط لکھا جس میں ان حضرات کی مساعی کی تفصیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ''ان حضرات کا قیام اگرچہ ایک مہینہ رہا' لیکن ہم نے ان سے ایک سال کا استفادہ کیا۔''

رمضان المبارک 1395ھ میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے فاضل مبلغ جناب مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب کو متحدہ عرب امارات میں کام کرنے کے لیے بھیجا' وہاں رابطہ قائم کرنے کے لیے حضرتؒ نے ابوظہبی میں شئون دینیہ کے سربراہ جناب ڈاکٹر عبدالمنعم النحر اور ابوظہبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک کے نام عربی میں الگ الگ گرامی نامے تحریر فرمائے۔ نیز ابوظہبی کے پاکستانی حضرات کے نام اردو میں حسب ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا:

> ''اس وقت اسلام جن فتنوں سے گھرا ہوا ہے محتاج بیان نہیں' مسلمان دنیا کے جس خطے میں ہو اسلام کا داعی اور مبلغ ہے' ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اس کا مکلّف ہے کہ دینی خدمات انجام دے اور آخرت کی سرخروئی اور قیامت کی جوابدہی حاصل کرے۔''
>
> مجلس مرکزی تحفظ ختم نبوت نے اپنی شاخ کے افتتاح کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ابوظہبی اور امارات خلیج میں دینی خدمت ہو سکے اس خدمت کے لیے اپنے ایک داعی و مبلغ مولانا منظور احمد شاہ کا تقرر کیا ہے۔
>
> آپ حضرات کے دینی مزاج اور مکارم اخلاق سے مجھے پوری توقع ہے کہ موصوف کی مقدور بھر امداد میں جس طرح بھی ہو سکے دریغ نہیں فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔''

چنانچہ موصوف نے وہاں کے احباب کے توسط سے اکابر علماء اور شیوخ سے رابطہ قائم کیا' انہیں قادیانیت کے مالہ وماعلیہ سے آگاہ کیا' قادیانی لٹریچر سے جو ساتھ لے کر گئے تھے' قادیانیوں کے مرتدانہ نظریات وعقائد نکال کر دکھائے اور ان کی اسلام کش سرگرمیوں کی تفصیلات بتائیں جس کے نتیجہ میں وہاں کے رئیس القضاۃ شیخ احمد بن عبدالعزیز المبارک نے قادیانیت کے خلاف

وہ فیصلہ کیا جو جماعت کی طرف سے ''قادیانیوں کا ایک عبرت ناک انجام'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ مولانا منظور احمد شاہ صاحب نے 1976ء میں متحدہ عرب امارات کے علاوہ کویت اور بحرین کا دورہ بھی کیا اور وہاں مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم کیں۔

1975ء میں مولانا مقبول احمد کو ختم نبوت کے داعی کی حیثیت سے انگلینڈ بھیجا۔ موصوف نے وہاں کے نہ صرف پاکستانی حضرات سے رابطہ قائم کیا بلکہ ممالک عربیہ کے طلبہ میں بھی کام کیا۔

1976ء کو ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' کے متخصص جناب مولانا اسداللہ طارق کو فیجی آئرلینڈ کے لیے داعی و مبلغ بنا کر بھیجا' موصوف نے وہاں ایک سال سے زیادہ عرصہ کام کیا' اس کے بعد جرمنی تشریف لے گئے اور وہاں قادیانیت کا ناطقہ بند کیا۔

1976ء میں مولانا منظور احمد چنیوٹی اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود (مقیم برمنگھم) نے افریقی ممالک کا دورہ کیا اس کی روئداد اخبارات و رسائل کے علاوہ الگ بھی شائع ہو چکی ہے۔

مساجد و مراکز کی تعمیر:

سید بنوری قدس سرہ کے سہ سالہ دور امارت میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے تعمیراتی منصوبوں میں بھی حیرت افزا ترقی ہوئی' متعدد مسجدیں تعمیر ہوئیں' جماعتی مراکز کا افتتاح ہوا اور کئی مدارس کھلے۔

شعبہ نشر و اشاعت:

حضرتؒ کے دور میں جماعت کے شعبہ نشر و اشاعت کو بھی خاصی ترقی ہوئی' اگرچہ یہ دور 1974ء اور 1976ء کی تحریکات کے ہنگامہ رستاخیز کی بناء پر اشاعتی کاموں کے لیے بڑا حوصلہ شکن تھا' تاہم جماعت نے قریباً دو لاکھ روپیہ اشتہارات اور کتابچوں کے علاوہ نہایت دقیع اور علمی کتابوں کی اشاعت پر خرچ کیا۔

(ماہنامہ بینات کراچی مولانا بنوری نمبر)

جنوری' فروری 1978ء

محرم الحرام تا ربیع الاول 1398ھ

تحفظ ختم نبوت اور خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

حضرت مولانا احمد خان رحمہ اللہ کے خلیفہ اور خانقاہ سراجیہ کندیاں کے سجادہ نشین۔ حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ' اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و ناموس کو عقیدہ ختم نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے ہوئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرز جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ ختم نبوت کے منکروں' اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں اور جعلی نبوت کے قائلین کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔ 1953ء میں جب تحریک ختم نبوت ابھری تو آپ نے اس کی پوری طرح پشت پناہی فرمائی۔ عقیدۂ حق کا اعلان کرنے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ جہاں جہاں آپ کے متوسلین تھے' انہوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ خود آپ نے مرکز میں رہ کر اس تحریک کی قیادت فرمائی۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب قبلہ کو برملا اعلان حق کرنے اور میانوالی اجلاس منعقد کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت قبلہ تعمیل ارشاد کے پیش نظر قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی تشریف لے گئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پہلے میانوالی جیل میں رہے۔ پھر بورسٹل جیل لاہور منتقل کر دیئے گئے۔ بعد ازاں اس تحریک کے دبانے کے لیے اس دور کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے حدود لاہور میں جو تحریک کا سب سے بڑا عملی مرکز تھا' مارشل لاء نافذ کر دیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی علیہ الرحمتہ کے متعلق حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملیں' انہیں گولی مار دی جائے مولانا ہزاروی صاحب حضرت اقدس کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ آپ کو ان کی حفاظت جان کی فکر ہوئی۔ انہیں لاہور سے خانقاہ شریف خاص حکمت عملی سے لایا گیا پھر کسی محفوظ و مخفی مقام پر حالات درست ہونے تک رکھا گیا۔

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان۔ اگست 1991ء)

تحفظ ختم نبوت سے والہانہ لگاؤ

حضرت اقدس مولانا محمد عبداللہ اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و ناموس کو عقیدہ ختم نبوت کی اساس سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اس عقیدہ کو ایمان کا موقوف علیہ تصور فرماتے

ہوئے اس کے تحفظ کے سلسلہ کو حرز جان کی طرح اولین اہمیت دیتے تھے۔ختم نبوت کے منکروں اس عقیدہ میں من گھڑت تاویلات کرنے والوں اور جعلی نبوت کے قائلین کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن گردانتے تھے۔1953ء میں جب تحریک ختم نبوت ابھری' تو آپ نے اس کی پوری طرح پشت پناہی فرمائی۔عقیدۂ حق کا اعلان کرنے والوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔جہاں جہاں آپ کے متوسلین تھے' انہوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا خود آپ نے مرکز میں رہ کر اس تحریک کی قیادت فرمائی' موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب قبلہ کو برملا اعلانِ حق کرنے اور میانوالی اجلاس منعقد کرنے کے لیے بھیجا۔حضرت قبلہ تعمیل ارشاد کے پیش نظر قید و بند کی صعوبتوں سے بے نیاز میانوالی تشریف لے گئے اور خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔پہلے میانوالی جیل میں رہے پھر بورسٹل جیل لاہور منتقل کر دیئے گئے۔بعد ازاں اس تحریک کو دبانے کے لیے اس دور کے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے حدود لاہور میں جو تحریک کا سب سے بڑا عملی مرکز تھا مارشل لاء نافذ کر دیا۔مولانا غلام غوث ہزاروی علیہ الرحمۃ کے متعلق حکم دے دیا گیا کہ جہاں ملیں انہیں گولی مار دی جائے۔مولانا ہزاروی حضرت اقدس کے حلقۂ ارادات میں شامل تھے۔آپ کو ان کی حفاظت جان کی فکر ہوئی انہیں لاہور سے خانقاہ شریف خاص حکمت عملی سے لایا گیا۔پھر کسی محفوظ و مخفی مقام پر حالات درست ہونے تک رکھا گیا۔پھر جب لاہور میں اس تحریک کے سلسلہ میں تحقیقاتی کمیشن بیٹھا تو منکرین ختم نبوت کے خارج از اسلام ہونے اور عقیدۂ ختم نبوت کو اسلام کا بنیادی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے علماء اسلام کا بورڈ حکیم عبدالمجید سیفی کے مکان بیڈن روڈ پر بیٹھا متعلقہ کتب فراہم کی گئیں۔تحریک مرائیت لعن اللہ بانیہا سے متعلق تمام لٹریچر جمع کیا گیا۔علماء کرام ختم نبوت کے عظیم الشان مسئلہ کے اثبات میں کتابوں سے حوالے تلاش کر کے فراہم کرتے رہے۔حتیٰ کہ مودودی جماعت کے افراد بھی حکیم عبدالرحیم اشرف لائلپوری (فیصل آباد) کی سرکردگی میں اس مرکز تحقیق سے اپنے لیے کارآمد مواد حاصل کر کے لے جایا کرتے تھے۔

حضرت قبلہ کی اسیری

1953ء میں تحریک ختم نبوت نے زور پکڑا تو امت مسلمہ کے ہر فرد و بشر نے جذب و مستی سے سرشار ہو کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جاں نثارانِ حضرت ختمی مرتبت ﷺ، فدایان ناموس رسالت، عاشقان رحمتہ للعالمین علمبرداران پیغام آخریں دریائے خوں سے گزر کر تاریخ امت میں ایک نئے باب کا اضافہ کر رہے تھے اور اپنی جاں نثاری سے روایات عشق و محبت کو دوام بخش رہے تھے۔

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کہ کامل میرا ایماں ہو نہیں ہوسکتا

اس سلسلے میں علماء کرام کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ حضرت قبلہ مولانا خواجہ خان محمد صاحب جیسا کہ اجمالاً مذکور ہو چکا ہے حضرت ثانی کے ارشاد سے میانوالی تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔

اے عاشقان ختم نبوت بشارتے
زنداں دہد بہ صدق شما ہم شہادتے

چنانچہ آپ 5 اپریل 1953ء کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہونے کے بعد میانوالی جیل بھیج دیئے گئے اور 25 اپریل 53ء کو میانوالی سے سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیئے گئے۔ 28 اپریل 1953ء کو بورسٹل جیل جانا پڑا۔ جہاں سے پھر ارباب بست و کشاد نے 11 اگست کو سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ جب سنٹرل جیل کی کال کوٹھڑیوں میں اپ اسیری کے ایام بسر کر رہے تھے، آپ سے متصل احاطہ میں درج ذیل حضرات اسیر تھے۔

1- امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ
2- مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ
3- مولانا ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ
4- مولانا ابوالحسنات کے صاحبزادے مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ
5- مولانا عبدالحامد بدایونی صاحب

6- صاحبزادہ فیض الحسن صاحب

7- مولانا عبدالستاری خان نیازی

8- جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب وغیرہم

(امیر شریعتؒ نمبر۔ دسمبر 1992ء)

حضرت خواجہ صاحب دامت برکاتہم کی قیادت میں قافلہ ختم نبوت آج بھی رواں دواں ہے۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہؒ درخواستی

حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ حجۃ الاسلام اور آیۃ من آیات اللہ تھے۔ آپ کی خدمات کا دائرہ مقدمہ بہاولپور سے ان کی وفات تک تقریباً اسی سال پر محیط ہے۔ صاحبزادہ مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی آپ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حافظ الحدیث حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان نفوس قدسیہ میں سے تھے جنہیں قدرت حق نے دین اسلام کی سربلندی وخدمت کے لیے پیدا فرمایا تھا وہ صاحب حال بزرگ تھے۔ شریعت اسلامیہ کی پابندی ان کی طبیعت ثانیہ تھی اللہ رب العزت نے ابتداء سے ہی ان کو ایسا ماحول میسر فرمایا تھا جو ہمہ گیر دینی جدوجہد کا ماحول تھا۔ برصغیر میں دارالعلوم دیوبند کا نشان اور اس کی عظیم روایات کا حامل و وارث جنوبی پنجاب میں دین پور شریف تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دین پور کی نسبت نے اکابر دیوبند کی روایات کا وارث بنا دیا۔

تقسیم سے قبل ریاست بہاولپور میں حضرت مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے) کی صاحبزادی کا نکاح عبدالرزاق نامی شخص سے ہوا جو بعد میں مرزائی ہو کر دائرہ اسلام سے نکل گیا۔

مولانا الٰہی بخش مرحوم پرانے ثقہ عالم اور بزرگ تھے وہ اس نکاح کو عدالتی طور پر فسخ کرانا چاہتے تھے مگر عدالتی جھمیلوں میں کبھی نہ پڑے تھے۔ حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بستی درخواست میں تدریسی وتبلیغی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد رشید کو اس واقعہ کی اطلاع دی حضرت رحمۃ اللہ علیہ تمام مصروفیات ترک کر کے استاد محترم کی خدمت میں پہنچے۔ مولانا الٰہی بخش رحمۃ اللہ علیہ نے صورت حال کی وضاحت فرمائی اور

یہ بھی کہ مخالفین سخت دباؤ ڈال رہے ہیں۔ حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ نے درپیش مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر استاد محترم کی حمایت میں کمر باندھ لی اور مولانا الٰہی بخش مرحوم کو ساتھ لے کر حضرت دین پوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں دین پور حاضر ہوئے اور تنسیخ نکاح کا مقدمہ درج کرانے کی اجازت چاہی حضرت دین پوری رحمتہ اللہ علیہ نے اجازت دے دی اور کامیابی کے لیے دعا بھی فرمائی۔ احمد پور شرقیہ کی عدالت میں مقدمہ درج کرا دیا گیا۔ حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ تمام مصروفیات ترک کر کے کیس کی پیروی میں لگ گئے۔ مقدمہ درج کرانا اس کی تاریخیں بھگتنا کیس کی نگرانی کرنی ان تمام امور کو اول سے آخر تک حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ مقدمہ کی نوعیت ایسی تھی کہ کافی دن بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ مخالفین نے کیس خارج کرانے کی بے حد کوشش کی مگر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے وزنی اور ٹھوس دلائل عدالت میں پیش کیے کہ بالآخر جج صاحب کو یہ کیس مجبوراً بہاولپور کی مرکزی عدالت میں منتقل کرنا پڑا۔ جہاں حضرت مولانا محمد صادق صاحب مرحوم (جو ہمارے علاقہ کی بہت بڑی علمی شخصیت تھی اور جن کا حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے گہرا تعلق تھا) اور شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب مرحوم جیسی یکتائے روزگار شخصیات بھی موجود تھیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے ان حضرات سے فرمایا کہ اس کیس کو آپ اپنی سرپرستی میں لے لیں جسے دونوں بزرگوں نے قبول کر لیا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ذمہ اس مقدمہ کی تشہیر کرنا اور ہندوستان کی ریاستوں و خانقاہوں و مدارس سے فتاویٰ حاصل کرنا اور بحث و مباحثہ کے لیے اس وقت کے جید اور مستند علماء کو مقدمہ کی اہمیت سے آگاہ کرنا تھا۔

بہاول پور کے علمائے کرام کی خدمات دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ' مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمتہ اللہ علیہ' مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری رحمتہ اللہ علیہ کو منگوانا عدالت میں ان حضرت کے بیانات کرانا دین پور شریف سے حضرت دین پوری رحمتہ اللہ علیہ کی تشریف آوری کوٹ مٹھن کی خانقاہ کے سجادہ نشین کی خدمات حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی و مولانا محمد صادق مرحوم کی دلچسپی ان تمام امور میں حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ کا کردار مرکزی رہا۔

آپ کو قدرت نے محنت و ایثار کا مجسمہ بنایا تھا۔ حوالہ جات کی تلاش کے لیے آپ کے بے پناہ حافظہ نے تمام مشکلات کو حل کر دیا۔ انہیں خدمات و صلاحیتوں کے باعث آپ تمام اکابر علماء

کی آنکھوں کا تارہ بن گئے تھے۔ یہ 1925ء سے 1936ء کے گیارہ سالوں کی بات ہے۔ ان گیارہ سالوں میں آپ کی تمام تر صلاحیتیں اس کیس کے لیے وقف رہیں۔

اس کیس کے سلسلے میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ جب بہاول پور تشریف لائے ان کی خدمت حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ذمہ لے لی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے شرف تلمذ بھی حاصل کیا۔ آپ نے بخاری جلد اول (مکمل) سنا کر خصوصی سند کے علاوہ حافظ الحدیث کا خطاب حاصل کیا۔

ان ایام میں حضرت کشمیری رحمتہ اللہ علیہ بیمار تھے اس کے باوجود عدالت میں جا کر ایسے براہین قاطعہ پیش فرماتے جس سے مختار مدعا علیہ جلال الدین شمس (قادیانیوں کا وکیل) کے پاؤں اکھڑ گئے۔

حضرت اقدس رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دلائل قاطعہ سننے کے بعد ہمیں فتح کا یقین ہو گیا تھا کہ انشاء اللہ یہ کیس ہم جیت جائیں گے۔ واپسی کے وقت حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اس کیس کا فیصلہ اگر میری زندگی میں نہ ہو سکے تو میری وفات کے بعد میری قبر پر ضرور سنایا جائے۔ آپ کی اس آرزو کو پورا کرنے کے لیے حضرت مولانا محمد صادق صاحب مرحوم نے (تاریخی فیصلہ جس میں مرزائیوں کو مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا تھا کے بعد) دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر مقدمہ کا فیصلہ سنایا۔ پوری دنیا میں یہ اعزاز ریاست بہاولپور کی اسی عدالت کو حاصل ہے جس نے مرزائیوں کے ارتداد کا سب سے پہلے فیصلہ سنایا۔ 1936ء سے 1952ء تک آپ برابر تحفظ ختم نبوت کے لیے کام کرتے رہے۔ 1947ء میں آپ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا جس کی ایک وجہ تحفظ ختم نبوت کی خدمات بھی بتلائی جاتی تھیں۔

1952ء میں آپ حج پر تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے اور حضوری میں رہنے کی اجازت چاہی رات کو خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پاکستان میں میری نبوت کو چیل اور کتے نوچ رہے ہیں ان سے تحفظ ختم نبوت کے لیے مقابلہ کرو اور میرے نواسے عطاء اللہ شاہ بخاری کو بھی میرا پیغام پہنچا دو اس کے بعد آپ فوراً واپس پاکستان تشریف لائے ملتان گڑھ میں جا کر حضرت عطاء اللہ شاہ

بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو حضور ﷺ کا پیغام اور سلام پہنچایا۔1953ء میں مشہور زمانہ تحریک کے الاؤ کو جلا بخشی ہمہ تن تحریک کی کامیابی کے لیے مصروف عمل رہے۔آپ نے تقریروں کے ذریعے بلا مبالغہ ہزاروں شاگردوں و متعلقین کو گرفتاری پیش کرنے کے لیے کراچی بھیجا۔ جب تمام سرکردہ راہنما کراچی میں گرفتار ہو گئے تو آپ نے تحریک کو اپنے وجود سے ایسا سہارا دیا جس سے حکومت زچ ہوئی۔قید و بند کی صعوبتوں کی پرواہ کیے بغیر منزل کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھا اور آخر وقت تک تحریک کے لیے بہادر جرنیل کی طرح مورچہ زن رہے۔

1954ء میں تحریک ختم نبوت کے بعد جب مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد رکھی گئی تو آپ نے اس کی سرپرستی فرمائی چونکہ اکابرین مجلس امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا خصوصی تعلق تھا اس لیے کوئی اہم ختم نبوت کی کانفرنس نہ ہوتی تھی جس میں آپ کی صدارت و شرکت نہ ہو کوئی ایسا امر نہیں ہوتا تھا جس میں آپ کا مشورہ شامل نہ ہوا ہمیشہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین کی سرپرستی فرمائی مبلغین کو پند و نصائح سے نوازتے اور ان کے کام کی نگرانی فرماتے۔اپریل 1965ء میں تغلق روڈ ملتان پر آپ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر کا سنگ بنیاد رکھا اس تقریب میں تمام اکابر وقت تشریف فرما تھے۔آپ نے اپنے تمام حلقہ اثر کو اس نیک مقصد کے لیے ہمہ وجود متوجہ فرمایا۔

حاجی محمد مانک نے کرونڈی ضلع خیر پور میں عبدالحق نامی قادیانی کو اس کی رحمتہ اللعالمین ﷺ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی پر جہنم رسید کیا حاجی صاحب پر کیس چلا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے اس کیس کی پیروی کی ابتداء کیس سے فیصلہ تک ہر اہم امر میں حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ کا مشورہ شامل رہا۔

مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ مقدمہ کی پیروی کے لیے ہر پیشی پر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی دینی ثقاہت و وجاہت نے اس کیس کو ملک بھر میں مشہور کر دیا۔حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے ہر قسم کے تعاون و سرپرستی نے مقدمہ کے ضمن میں درپیش مسائل و مشکلات کو حل کر دیا۔تا آنکہ قدرت نے فضل فرمایا اور حاجی صاحب کو سزائے موت نہ ہو سکی۔معمولی سزا کاٹ کر جیل سے بخیر و عافیت رہا ہو گئے۔ان کی رہائی کے وقت بھی حضرت رحمتہ اللہ علیہ بنفس نفیس جیل کے دروازہ پر استقبال کے لیے تشریف فرما تھے۔

اس طرح ایبٹ آباد کو مرزائیوں نے پروگرام کے تحت اپنا مرکز بنانا چاہا تو ان کی سرکوبی کے لیے حضرت وہاں تشریف لے گئے اور حاجی ناول خان مدظلہ (جو حضرت کے متعلقین میں سے ہیں) کو فرمایا کہ دشمنان خاتم النبیین ایبٹ آباد کو مرکز بنا کر یہاں کے سادہ لوح عوام کو گمراہی کی دلدل میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ یہ تمہارے عشق رسول کا امتحان بھی ہے کہ ان کے پاؤں یہاں نہ جمنے دو۔ اس کے جواب میں چند شیدائیوں نے مسلح ہو کر ان سے مقابلہ کیا جس کی وجہ سے پانچ چھ مرزائی جہنم واصل ہو گئے۔ مقدمات بھی چلے مگر حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی دعاؤں اور مخلص ساتھیوں کی کوشش سے سب کے سب ان مقدمات سے بری ہو گئے۔

اس کے بعد قادیانیوں نے بلوچستان کی طرف رخ کر کے کوئٹہ کو اپنا مرکز بنانا چاہا اور وہاں بڑے منظم انداز میں گمراہ کن لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو علم ہوا تو ان کی بیخ کنی کے لیے تشریف لے گئے آپ کی تقریروں سے متاثر ہو کر چند جواں ہمت مسلمانوں نے مرزائیوں کے سرغنہ پر قاتلانہ حملہ کر کے اس کی انتڑیاں نکال دیں جس کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد مرزائیوں کو بلوچستان کا رخ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے جامعہ مخزن العلوم کو ختم نبوت کی خدمات کے لیے پیش پیش رکھا۔ سالانہ جلسہ پر جماعت کے تمام راہنما و مبلغین کو دعوت دیتے تھے۔ ہر سال دورہ تفسیر کے موقع پر مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ کو بلوا کر رد قادیانیت کے لیے خصوصی لیکچروں کا اہتمام فرماتے۔ دکھ ہو یا سکھ خوشی ہو یا غم ہر موقع پر ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے راہنماؤں و کارکنوں کو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا تعاون و سرپرستی حاصل رہی۔ خطیب پاکستان مولانا احسان احمد شجاع آبادی رحمتہ اللہ علیہ' مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ' مجلس تحفظ ختم نبوت کے تینوں امراء کی حضرت درخواستی رحمتہ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں مرکزی مجلس عمل کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

پورے ملک میں کراچی سے خیبر تک خود اور اپنی جماعت جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ہر خورد (چھوٹوں بڑوں) و بزرگ کو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے وقف کر دیا۔

آپ کی ہمہ گیر شخصیت دینی وجاہت اور جمعیت علماء اسلام کی طاقت کا حکومت کو علم تھا۔ کوئٹہ اور ایبٹ آباد میں قادیانی مرکز کی تعمیر کے خلاف آپ کے کارکنوں کے جذبات اور آپ

کے حکم کی تعمیل کا منظر حکومت دیکھ چکی تھی۔ آپ نے تحریک ختم نبوت 1974ء کو اس آب وتاب سے پورے ملک میں آراستہ کیا کہ بالآخر تحریک کامیاب ہوئی اور دشمن اپنے انجام کو پہنچا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نئے مرکزی دفتر حضوری باغ ملتان کی تکمیل کے بعد آپ بیماری کے باوجود تشریف لے گئے۔ دفتر میں موجود رفقاء کو تحریک کی کامیابی پر مبارک باد دی اور مزید کچھ نصیحتوں سے سرفراز فرمایا۔

غرضیکہ جس طرح درس وتدریس وعظ وتبلیغ' سیاست وامامت ہر محاذ پر آپ نے امت کی قیادت فرمائی۔ اسی طرح ہر بے دین فتنہ کی بیخ کنی کی طرح فتنہ قادیانیت کے سدباب کے لیے بھی مثالی قائدانہ کردار ادا کیا۔

آپ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے قائد وجرنیل تھے اور اس نظریہ پر کام کرنے والوں کے مربی ومحسن تھے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت آپ کی یادگار آپ کی روایات کی امین اور آپ کا صدقہ جاریہ ہے۔

(تذکرہ حافظ الحدیث حضرت درخواستیؒ
از مولانا صاحبزادہ خلیل الرحمٰن درخواستی)

قائد جمعیت مولانا مفتی محمودؒ

تحریر: نعیم آسی

قائد جمعیت مولانا مفتی محمود محتاج تعارف نہیں آپ کئی بار ایم این اے رہ چکے ہیں۔ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ بھی رہے ہیں۔ تحریک ختم نبوت 1974ء میں آپ کا تاریخی کردار ہمیشہ یاد رہے گا۔ نعیم آسی مرحوم آپ کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

قدرت جب کسی کو سزا دینا چاہتی ہے تو انتظام بھی عجیب وغریب کرتی ہے۔ قادیانیوں کی اسلام اور پاکستان دشمن سرگرمیوں کے باعث مسلمانان پاکستان پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ اُدھر مئی 74ء کے آخری دنوں میں منہ زور قادیانیوں نے ربوہ (موجودہ چناب نگر) ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج (ملتان) کے مسلمان طلبہ کو پیٹ دیا۔ یہ بُھس میں چنگاری ڈالنے والی بات تھی۔ ملک بھر میں اس کا شدید ردعمل ہوا۔ چند ہی دنوں میں قادیانیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں ناموس مصطفےٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے میدان عمل میں کود پڑیں۔

1953ء کے بعد یہ اس مسئلے پر دوسری زوردار تحریک تھی۔ جب حکومت نے دیکھا کہ یہ سیل بے پناہ کسی طرح نہیں تھمتا تو وہ اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں لے گئی۔

مولانا مفتی محمود نے اس موقعہ پر اسمبلی کے اندر اور باہر جس محنت اور تدبّر کے ساتھ یہ معرکہ لڑا' واقعہ یہ ہے وہ انہی کا حق تھا اور بلاشبہ اس پر وہ پوری ملّت اسلامیہ کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حزب اختلاف کی قرارداد

30 جون 74ء کو حزب اختلاف کے 37 ارکان نے جن میں سرِ فہرست حضرت مفتی صاحب کا نام تھا' یہ قرارداد ایوان میں پیش کی۔

جناب سپیکر'

قومی اسمبلی پاکستان

محترمی!

ہم حسب ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

یہ ایک مکمل مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیز نبی ہونے کا اس کا جھوٹا اعلان بہت سی قرآنی آیات کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکام کے خلاف غداری تھیں وہ سامراج کی پیداوار تھا اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔

پوری ملت اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکور کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں یا اسے اپنا مصلح یا مذہبی راہنما کسی بھی صورت میں گردانتے ہوں' دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

ان کے پیروکار' چاہے انہیں کوئی بھی نام دیا جائے' مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام

کاایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس میں جو مکۃ المکرّمہ کے مقدس شہر میں رابطہ عالم اسلامی کے زیرانتظام 6اور 10 اپریل 1974ء کے درمیان منعقد ہوئی اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے 140 مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی۔ متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے جوایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروئی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار انہیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے مسلمان نہیں اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے تا کہ اس اعلان کو مؤثر بنانے کے لیے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔

اسمبلی کے اندر:

یکم جولائی کو اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے اور کوئی حل تجویز کرنے کی غرض سے قومی اسمبلی کے تمام ارکان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا۔ ایک ''رہبر کمیٹی'' قائم ہوئی۔ ''حزب اختلاف'' نے ''رہبر کمیٹی'' کی معرفت تجویز کیا کہ چونکہ اس معاملہ کا ایک فریق قادیانی ہیں انہیں بھی اسمبلی میں بلانا چاہیے اور ان کے دلائل سننا چاہئیں تا کہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے دلائل سُنے بغیر فیصلہ کیا گیا۔

حزب اختلاف کی اس تجویز پر مرزا ناصر احمد اور لاہوری پارٹی کے سربراہ کو اسمبلی میں طلب کیا گیا۔ مرزا ناصر احمد شلوار کرتے میں ملبوس سفید طرے دار پگڑی باندھ کر آئے متشرع سفید داڑھی ۔ جب حضرت نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی زبان پر لاتے تو پورے ادب کے ساتھ درُود شریف پڑھتے قرآن مجید کی آیت بھی پڑھ لیتے۔ سادہ لوح ارکان اسمبلی اس پر بہت ضغطے میں پڑے۔ اُن کو سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ داڑھی والے سفید پگڑی والے جو درود بھی بھیجتے ہیں آئتیں بھی پڑھتے ہیں یہ کیسے کافر ہو سکتے ہیں؟ ایسے ماحول میں جبکہ ارکان اسمبلی کے رُخ بالکل مخالف

تھے' ان کے ذہنوں کو تبدیل کرنا نہایت کٹھن کام تھا۔ خود مفتی صاحب بیان کرتے تھے کہ:

''یہ مسئلہ بہت بڑا مشکل کام تھا۔''

خدا تعالیٰ نے پورے ایوان پر مشتمل اس خصوصی کمیٹی کے روبرو حزب اختلاف کی ترجمانی کا شرف مفتی صاحب کو عطا کیا جنہوں نے رات رات بھر جاگ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں مطالعہ کیں' حوالے نوٹ کیے اور پھر جرحی سوالات کو ترتیب دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب مرزا ناصر احمد کے طویل بیان کے بعد جرح کا آغاز ہوا تو بقول مفتی صاحب ہمارا کام پہلے ہی دن بن گیا۔

فائدہ: مرزا ناصر احمد اور لاہوری گروپ پر کی گئی یہ جرح اب کتابی شکل میں چھپ چکی ہے اور عام دستیاب ہے (مؤلف)

سب کمیٹی:

22 اگست کو حزب اختلاف کے چھ راہنماؤں مولانا مفتی محمود' پروفیسر غفور' مولانا شاہ احمد نورانی' چوہدری ظہور الٰہی' مسٹر غلام فاروقی اور سردار مولا بخش سومرو اور حزبِ اقتدار کے مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ پر مشتمل ایک ''سب کمیٹی'' کی تشکیل ہوئی۔ سب کمیٹی کے ذمہ یہ کام لگا کہ وہ مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعہ قادیانی مسئلے کا متفقہ حل تلاش کریں۔

22 اگست۔ 5 ستمبر کی شام تک اس کے بہت سے اجلاس ہوئے' مگر متفقہ حل کی صورت گری ممکن نہ ہو سکی' سب سے زیادہ جھگڑا دفعہ 106 میں ترمیم کے مسئلہ پر ہوا۔ اس دفعہ کے تحت صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔ بلوچستان میں ایک' سرحد میں ایک' سندھ میں دو اور پنجاب میں تین سیٹیں اور چھ اقلیتوں کے نام یہ ہیں:

عیسائی' ہندو' سکھ' پارسی' بدھ اور شیڈول کاسٹ یعنی اچھوت۔

حزب اختلاف کے نمائندگان چاہتے تھے ان چھ کی قطار میں قادیانیوں کو بھی شامل کیا جائے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے اس کے لیے حکومت تیار نہ تھی اور ویسے بھی قادیانیوں کا نام اچھوتوں کے ساتھ پیوست پڑتا تھا۔

پیرزادہ نے کہا ''اس کو رہنے دیں۔''
مفتی صاحب نے کہا جب اور اقلیتی فرقوں کے نام فہرست میں شامل ہیں تو ان کے نام بھی لکھ دیں۔
پیرزادہ نے جواب دیا: اور اقلیتی فرقوں کا ڈیمانڈ تھا اور مرزائیوں کا ڈیمانڈ نہیں ہے۔
مفتی صاحب نے کہا کہ یہ تو تمہاری تنگ نظری ہے اور ہماری فراخدلی کا ثبوت ہے کہ ہم ان کے ڈیمانڈ کے بغیر انہیں ان کا حق دے رہے ہیں۔
7 ستمبر کو اسمبلی نے فیصلہ سنانا تھا۔ ادھر ''سب کمیٹی'' 5 ستمبر کی شام تک کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکی۔ چنانچہ 6 ستمبر کی صبح کو مسٹر بھٹو نے مولانا مفتی محمود سمیت سب کمیٹی کے چھ ارکان کو پرائم منسٹر ہاؤس بلایا جہاں دو گھنٹے کی مسلسل گفتگو کے باوجود بنیادی نقطۂ نظر پر اتفاق رائے کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ حکومت کی انتہائی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ اپوزیشن دفعہ 106 میں ترمیم کا مسئلہ رہنے دے۔ اپوزیشن سمجھتی تھی کہ اس کے بغیر حل ادھورا رہے گا۔ بڑی بحث و تمحیص کے بعد مسٹر بھٹو نے یہ جواب دیا:
''میں سوچوں گا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں دوبارہ بلاؤں گا۔''
عصر کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ پیرزادہ نے مفتی صاحب سمیت دیگر ارکان کو اسپیکر کے کمرے میں بلا لیا۔ تار دراصل پیچھے سے ہلایا جا رہا تھا۔
اپوزیشن نے اپنا مؤقف پھر واضح کیا کہ دفعہ 106 میں چھ اقلیتی فرقوں کے ساتھ مرزائیوں کی تصریح کی جائے اور بریکٹ میں ''قادیانی گروپ'' اور ''لاہوری گروپ'' لکھا جائے۔
مسٹر پیرزادہ نے کہا' وہ اپنے آپ کو مرزائی نہیں کہتے' احمدی کہتے ہیں۔
مفتی صاحب نے کہا ''ہم ان کو احمدی تسلیم نہیں کرتے۔ احمدی تو ہم ہیں۔'' ہم نے کہا'' چلو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار لکھ دو۔''
پیرزادہ نے نکتہ اٹھایا'' دستور میں کسی شخص کا نام نہیں ہوتا۔ حالانکہ دستور میں حضرت محمد ﷺ اور قائداعظم کے نام موجود ہیں۔ اور پھر سوچ کر بولے' مفتی صاحب! مرزا کے نام سے دستور کو کیوں پلید کرتے ہو۔''

مسٹر پیرزادہ کا خیال تھا شاید اس حیلے سے مفتی صاحب ٹل جائیں۔ مفتی صاحب نے فوراً جواب دیا:

شیطان، ابلیس اور خنزیر کے نام بھی تو قرآن میں موجود ہیں۔ اس سے قرآن کی صداقت وتقدس پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔

پیرزادہ لاجواب ہو کر کہنے لگے ''جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں۔

مفتی صاحب نے کہا ''بریکٹ بند ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صرف وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ یوں لکھ دو ''قادیانی گروپ' لاہوری گروپ' جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں۔''

اس پر فیصلہ ہو گیا۔

تاریخی فیصلہ:

7 ستمبر 1974ء ہماری تاریخ کا وہ یادگار دن ہے جب 53ء اور 74ء کے شہیدانِ ختم نبوت کا خون رنگ لایا اور ہماری قومی اسمبلی نے اپنی تاریخ میں پہلی بار ملّی امنگوں کی ترجمانی کی اور عقیدہ ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔ اس روز دستور کی دفعہ 260 میں اس تاریخی شق کا اضافہ ہوا:

> ''جو شخص خاتم النّبین محمد ﷺ کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو اور محمد ﷺ کے بعد کسی بھی معنی و مطلب یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے۔''

دستور 106 کی شکل یوں بنی:

> ''بلوچستان' پنجاب' سرحد اور سندھ کے صوبوں سے صوبائی اسمبلیوں میں ایسے افراد کے لیے مخصوص فاضل نشستیں ہوں گی جو عیسائی' ہندو' سکھ' بدھ اور پارسی فرقوں اور قادیانی گروہ یا لاہوری افراد (جو اپنے آپ کو ''احمدی'' کہتے ہیں) یا شیڈول کاسٹس سے تعلق رکھتے ہیں بلوچستان۔ ایک' سرحد' پنجاب۔ 3' سندھ۔ 2۔''

ان دستوری ترامیم کے علاوہ یہ تین سفارشات آئیں:

1- تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

''کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ 260 شق نمبر 3 کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیّین ہونے کے خلاف اقرار' عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔''

2- متعلقہ قوانین مثلاً نیشنل رجسٹریشن ایکٹ 1973ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد 1974ء میں قانون سازی اور ضابطے کے ذریعہ ترامیم کی جائیں۔''

تیسری سفارش عمومی نوعیت کی تھی جس میں دستور میں پہلے سے دی گئی ضمانت کو دہراتے ہوئے کہا گیا تھا کہ:

''پاکستان کے تمام شہریوں' خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں' کے جان و مال' آزادی' عزّت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔''

لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے والی ان آئینی ترامیم کے حق میں ایک سو تیس (130) ووٹ آئے' جبکہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہ ڈالا گیا۔

مبارکباد:

اس تاریخی فیصلے کے اعلان کے بعد اسمبلی کے ایوان میں تمام اہم راہنماؤں نے اپنے تاثرات بیان کیے۔

مفتی صاحب نے کہا:

''اس فیصلے پر پوری قوم مبارکباد کی مستحق ہے۔ اس پر نا صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام میں اطمینان کا اظہار کیا جائے گا۔ میرا خیال ہے مرزائیوں کو بھی اس فیصلے کو خوش دلی سے قبول کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اب انہیں غیر مسلم اقلیّت کے جائز حقوق ملیں گے۔

جہاں تک کریڈٹ کا سوال ہے' یہ مسئلہ قومی بنیادوں پر تمام تر سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر طے کیا۔ اس مسئلے کے حل میں ارکان قومی اسمبلی اور سینٹ نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا......اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ مجلس عمل نے پروقار جدوجہد جاری رکھی حالانکہ فائرنگ ہوئی' لوگ

شہید ہوئے' لاٹھی چارج' گرفتاریوں اور تشدد کے تمام واقعات کے باوجود خود ردِّعمل کا شکار ہو کر تشدد کا راستہ اختیار نہ کیا۔

سیاسی طور پر تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ اُلجھے ہوئے مسائل کا حل بندوق کی گولی میں نہیں' مذاکرات کی میز پر ہے۔

قائدین اہل سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

حضرت مولانا قاضی عبداللطیف بانی جامعہ حنفیہ جہلم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمدؒ مدنی کے خلیفہ ارشد تھے۔ آپ پہلے جمعیت علماء اسلام میں شامل تھے اور مرکزی رہنما شمار کیے جاتے تھے۔ بعد میں آپ نے جمعیت سے استعفیٰ دے کر تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی۔ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب جہلمی خلیفۂ مجاز حضرت لاہوریؒ نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا اور تحریک خدام اہل سنت کو بام عروج پر پہنچایا۔ ہر دو بزرگ مسلکی معاملات میں کسی رواداری اور لچک کے قائل نہ تھے۔ لچک دکھانے پر اپنوں کو بھی ڈانٹ دیا کرتے تھے۔ حق گوئی اور دلیری دونوں بزرگوں کا وصف خاص تھا۔

1953 کی تحریک ہر دو حضرات نے حضرت مولانا حکیم سید علی شاہ صاحب آف ڈومیلی ضلع جہلم کے ہمراہ گرفتاری پیش کی اور تقریباً دس ماہ قید رہے۔

اسی طرح 1974ء کی تحریک میں بھی ضلع جہلم اور چکوال میں تحریک ختم نبوت کو منظم کرنے میں دونوں بزرگوں کا نمایاں کردار رہا۔ پوری دنیا میں دونوں حضرات کے لاکھوں ارادت مند پائے جاتے ہیں۔ جو کہ ان کا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

آغا شورش کاشمیریؒ

آغا شورش کاشمیری ایک نامور ادیب، صحافی، شاعر اور سیاستدان تھے۔ انہوں نے مجلس احرار کی آغوش میں پرورش پائی۔ حضرت امیر شریعت، مولانا ظفر علی خان اور مولانا ابوالکلام آزاد سے انہیں کمال عقیدت تھی۔ ان تینوں بزرگوں کی بہت سی علمی و ادبی وصحافتی خصوصیات کو اپنے اندر جذب کیا۔ اور ان کی تحریر وتقریر میں ان تینوں حضرات کا فیضان واضح طور پر چھلکتا محسوس ہوتا تھا۔ لفاظی کے بادشاہ تھے۔ الفاظ ان کے سامنے صف بستہ محسوس ہوتے تھے۔ انہیں مترادفات پر خاصا عبور تھا۔ شعر گوئی میں مولانا ظفر علی خان کا پرتاوٴ تھے۔ ان کی صحافت میں بھی روزنامہ زمیندار کا واضح عکس دکھائی دیتا ہے۔ قادیانیت سے نفرت اور تحفظ ختم نبوت کا جنون ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور دین پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ شورش نے خطابت اور نظم ونثر کے ذریعے قادیانیت کا وہ تعاقب کیا کہ قادیانیوں کے بہشتی مقبرہ کے مردوں کی ہڈیاں بھی چیخ اٹھیں قادیانیت کو سیاسی محاذ پر بے نقاب کرنے میں ان کا جو کردار ہے اسے دیکھتے ہوئے انہیں بلا مبالغہ صف دوم کے مجاہدین ختم نبوت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

قادیانیت کا سیاسی تعاقب

آغا شورش کاشمیری نے 1953ء کے بعد قادیانیوں کی سیاسی سرگرمیوں اور ان کے سیاسی عزائم کو مسلسل نگاہ میں رکھا اور تجزیاتی مشاہدہ کیا۔ نواب آف کالا باغ نے ان کو بتایا کہ مرزائی جرنیلوں نے 1965ء کی جنگ میں پاکستان کو داوٴ پر لگا دیا تھا۔ اپنے ان حالات کا بغور مطالعہ کر کے ہفت روزہ چٹان میں مضامین بھی لکھے پھر تیس اپریل 1967ء کو چنیوٹ میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کیا جس میں تمام مخفی رازوں کی نقاب کشائی کی۔ آپ نے کہا کہ مرزائیت کی تاریخ سیاسی دینیات کی تاریخ ہے۔ میں ہر چیز پوری ذمہ داری سے عرض کروں گا۔ اگر کوئی بات غلط ہو تو اس کی تصحیح کے لیے ہر لحظہ حاضر ہوں۔ مرزائی پاکستان میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اپنے لیے عجمی اسرائیل بنانے کے لیے مغرب کی استعماری طاقتوں کے آلہ کار ہیں۔ مرزائی نہ صرف یہ کہ پیغمبر استعمار کی سیاسی امت ہیں بلکہ بقول اقبال احمدیت یہودیت کے

قریب تر ہے۔ آپ نے انہی دنوں ایک اداریہ لکھا کہ سر ظفر اللہ خان انگریز کی شخصی یادگار ہیں۔
آغا شورش کی یہ چنیوٹ میں کی گئی تقریر اور بعض اداریوں کا مجموعہ عرصہ ہوا مرزائیل کے نام سے چھپا تھا۔ یہ کتابچہ اور بعض دوسرے کتابچے مجلس طلباء اسلام نے شائع کیے تھے۔ اس طلباء تنظیم کا قیام ملک رب نواز ایڈووکیٹ، ملک مختار احمد ایڈووکیٹ محمد عباس نجمی اور ان کے دوسرے سرگرم عمل دوستوں کی بدولت عمل میں آیا اور ایک دور میں اس تنظیم نے تحریر و تقریر کے ذریعے خوب کام کیا۔ قصہ مختصر یہ کہ الفضل کے ایڈیٹر روشن دین تنویر نے شورش پر زرخرید ہونے کا الزام لگایا۔ آغا صاحب نے مرزا محمود سے سوال کیا کہ اگر آپ یا روشن دین تنویر کے پاس میرے زرخرید ہونے کا کوئی ثبوت ہے تو منظر عام پر لائیے۔ مرزا محمود نے اس کے جواب میں الفضل میں اپنے قلم سے معذرت نامہ لکھ کر شائع کیا۔

آغا صاحب نے ربوہ کا راسپوٹین کے نام سے ایک اداریہ لکھا جس میں مرزا محمود کی تصویر کشی کی اس پر مرزا محمود تو خاموش ہو گیا لیکن اپنے ایک لے پالک ہفت روزہ لاہور کو گالیاں دینے پر مقرر کر دیا۔ جواب الجواب میں آغا صاحب نے حقائق آشکارا کرتے ہوئے بیسیوں اداریے اور مضامین لکھے، ان کے عنوانات اس قسم کے تھے۔

☆ کبابیر (اسرائیل) میں قادیانی مکانوں پر عربوں کی شکست پر چراغاں۔
☆ انگلستان کے مرزائی مشن کا جاسوسی چہرہ۔
☆ مرزا ناصر احمد کے سفر یورپ کی حقیقی غائت۔

ماہنامہ خالد چناب نگر (ربوہ) کے جولائی 1944ء کے شمارہ میں مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا رفیع احمد کی تقریر شائع ہوئی جس کا عنوان تھا

''ہمارا مقصد یہ ہے کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے محمدؐ پیدا کریں۔''

آغا صاحب نے اس قادیانی ہزیان کا نوٹس لیا لیکن ارباب حکومت ٹس سے مس نہ ہوئے۔
صدر محمد ایوب خان بلاشبہ قادیانی نہ تھے لیکن قادیانیوں نے ان کے گرد وہ گھیرا ڈالا کہ وہ قادیانی نواز ہوتے چلے گئے۔ اس دور میں بیورو کریسی نے قادیانی مفادات کی تکمیل اور آغا صاحب کی حوصلہ شکنی کے لیے درج ذیل اقدامات کیے۔

1- سرکاری، تجارتی و صنعتی اداروں کے اشتہارات بند کر دیئے گئے۔

2- چٹان پرنٹنگ پریس پر ایک مستقل نگران بٹھا دیا گیا جو کہ چٹان پریس میں کوئی کتاب و رسالہ چھپنے نہ دیتا تھا۔

3- اس نگران نے چٹان کے مستقل گاہکوں کی فہرست حکومت کو میسر کی کئی دفعہ آغا صاحب کو سخت وارننگ دی گئی لیکن انہوں نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ حکومت ایک کافر امت کے لیے کسی وارننگ کی زحمت نہ کرے۔ ایڈیٹر چٹان کا فرض ہے کہ اس امت کے اعمال و افکار پر نگاہ رکھے۔ ان کی خفیہ حرکات سے حکومت کو مطلع کرے اور مسلمانوں کو بتاتا رہے کہ مرزائی کیا ہیں اور کیا نہیں؟

ڈی سی لاہور نے ان کو تنبیہہ کرنے کے لیے بلایا تو انہوں نے اسے اس تلخ لہجہ میں جواب دیا کہ وہ حیران رہ گیا۔ آپ نے ڈی سی کو کہا کہ میں ان تنبیہوں کو کوئی وقعت نہیں دیتا، حکومت بزدل نہ بنے مقدمہ چلائے تاکہ افسانہ وحقیقت کھل جائے۔

کیم اپریل 1966ء کو ہوم سیکرٹری پنجاب نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت تمام ایڈیٹروں، پرنٹروں اور پبلشروں کے نام یہ حکم نامہ جاری کیا کہ آئندہ کوئی ایسی تحریر نہ چھاپی جائے جو کسی فرقہ کے عقائد و افکار اور الہام و اعمال کے متعلق ہو، واضح طور پر یہ قدم قادیانیوں کو تحفظ دینے کے لیے تھا۔ اس دور میں متعدد علماء نے مرزا قادیانی اور مرزائیوں کو کافر کہنے پر مختصر وطویل مدت کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

21 اپریل 1968ء کے شمارہ میں آغا صاحب نے الحمدللہ کے عنوان کے تحت ایک اداریہ لکھا۔ اس اداریہ میں آپ نے لکھا تھا کہ قادیانی عرب ممالک میں ہمارے خلاف بدگمانیاں پیدا کر رہے ہیں حکومت نوٹس لے۔ حکومت نے آغا شورش کے خلاف نوٹس لیا اور درج ذیل اقدامات کیے۔

1- متعلقہ پرچہ کی ضبطی۔

2- ہفت روزہ چٹان کے ڈیکلریشن کی منسوخی۔

3 چٹان پرنٹنگ پریس کی ضبطی۔

ان حکم ناموں پر آغا صاحب نے جو انتہائی حقارت آمیز الفاظ لکھے وہ جرأت و بہادری کی اہم یادگار ہیں۔

آغا صاحب نے 6 مئی 1968ء کو جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام منعقدہ کانفرنس میں قادیانیت کے خلاف ایک زبردست تقریر کی جس کے نتیجہ میں انہیں اگلے روز گرفتار کرکے ڈیرہ اسمٰعیل خان جیل بھجوادیا گیا اور ''سی'' کلاس میں رکھا گیا۔ گورنر موسیٰ خان نے اپنے کارندوں کی معرفت آغا صاحب کے قتل کی سازش تیار کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ناکام رہی۔ اس سازش کی تفصیل آغا صاحب نے اپنی کتاب ''موت سے واپسی'' میں تفصیلاً بیان کی ہے۔

ہائی کورٹ کے حکم پر آغا صاحب کو کراچی منتقل کیا گیا۔ کراچی میں آغا صاحب نے اپنے مطالبات منوانے کے لیے ایک طویل بھوک ہڑتال کی کہ حکومت اندرون خانہ ہل گئی۔ جب آپ سول ہسپتال کراچی میں زیر علاج تھے تو گورنر موسیٰ خان نے ڈاکٹر افتخار احمد کو شورش کو قتل کرنے کا حکم دیا جو کہ انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ میرے فرائض منصبی کے خلاف ہے۔ آٹھ دن کی بھوک ہڑتال اور عوامی احتجاج کے سامنے حکومت آخر سپر انداز ہوگئی اور آغا صاحب 25 دسمبر 1968ء کو رہا کر دیئے گئے۔

معروف قادیانی وائس ایئر مارشل ایم اختر نے اخبارات میں یہ اعلان کیا کہ اس نے پاکستان ایئر سروسز کے نام پر ایک نجی ادارہ قائم کیا ہے جو پاکستان کے تمام دوست ممالک کو ہوابازی کے تربیتی ادارے قائم کرنے میں مدد دے گا۔ یہ خبر روزنامہ جنگ کراچی نے 5 مارچ 1970ء کو شائع کی۔ آغا صاحب نے 16 مارچ 1970ء کو چٹان میں اس پر ایک طویل اداریہ لکھا اور حکومت سے اس ادارہ پر پابندی کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا کہ وائس ایئر مارشل اس ادارہ کے ذریعہ قادیانی نوجوانوں کو عرب ممالک میں بھیج کر اسرائیل کے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہیں حکومت نے تو پابندی نہ لگائی لیکن اس اداریہ کی بدولت یہ ادارہ اپنی موت آپ مرگیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے چھ ستمبر 1970ء کو 1965ء کے شہدا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ پیپلز پارٹی برسر اقتدار آ کر جنرل اختر حسین ملک کی یادگار قائم کرے گی۔ آغا صاحب نے مسٹر بھٹو کے اس بیان پر 19 ستمبر 1970ء کے شمارہ میں ایک طویل اداریہ لکھا کہ جنرل اختر حسین ملک ایک مرزائی تھے۔ وہ جنگ میں کام نہیں آئے بلکہ ترکی میں شاہراہ کے حادثہ سے

مرے تھے۔ان کی نعش کوتر کی سے ربوہ (چناب نگر) پہنچایا گیا لیکن مرزا ناصر احمد نے بہشتی مقبرہ میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کے اعزہ منہ تکتے رہ گئے۔ آخر انہیں یہ اعزاز کیوں بخشا جارہا ہے۔ اس اداریہ کا اثر یہ ہوا کہ جنرل اختر حسین ملک کی یادگار قائم نہ ہوسکی۔

بھٹو دور میں پاکستان فضائیہ کے سربراہ ظفر چوہدری نے فضائیہ میں قادیانی نوجوانوں کو چن چن کر بھرتی کیا۔مرزائیوں کے لیے راستہ ہموار کرنے کی تدبیر یہ کی کہ بہت سے مسلمان افسروں کو جعلی مقدموں میں پھنسا کر ان کا کورٹ مارشل کیا اور لمبی سزائیں دیں۔ان مسلمان افسروں نے عدالتوں میں قادیانیت کا پردہ چاک کیا اور ظفر چوہدری کے مذموم ارادوں کی نقاب کشائی کی۔اسی دوران ربوہ (چناب نگر) کے سالانہ جلسہ پر ظفر چوہدری یا اس کے کسی نمائندہ نے ربوہ (موجودہ چناب نگر) کے سالانہ جلسہ پر طیاروں کے ایک گروپ کو مرزا ناصر کو سلامی دینے کے لیے بھیجا۔آغا صاحب نے چٹان میں قلم اٹھایا، انکوائری ہوئی تو خبر صحیح نکلی۔دوسری طرف فضائیہ کے ایک افسر نے ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی اور انہیں قادیانی سازش سے آگاہ کیا۔بھٹو ان حقائق سے آگاہ ہو کر چوکنا ہوگئے۔ اور فضائیہ سے ظفر چوہدری کو رخصت کر دیا۔ظفر چوہدری کی رخصتی سے قادیانیوں پر اوس پڑگئی۔ان کے اوسان خطا ہوگئے۔دوسری طرف ملک بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔حتیٰ کہ فضائیہ کے ہر اسٹیشن پر مٹھائی تقسیم کی گئی۔قادیانیوں نے مسٹر بھٹو کے قتل کی سازش تیار کی جو کہ ناکام رہی۔اس تمام عرصہ میں آغا صاحب نے چٹان کے صفحات قادیانیت کی سرکوبی کے لیے وقف کر دیئے۔آپ نے قادیانیوں کے سیاسی عزائم سے پردہ اٹھاتے ہوئے عجمی اسرائیل کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا جو کہ ڈیڑھ ماہ میں ڈھائی لاکھ کی تعداد میں فروخت ہوا۔حتیٰ کہ فوج کے بعض افسروں نے خرید کر فوجی نوجوانوں میں بھی تقسیم کیے۔ اس پمفلٹ کا پورا متن آغا صاحب نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت میں شامل کیا ہے۔

آغا صاحب نے قادیانیوں کے سیاسی تعاقب کی جو جنگ لڑی اس کی مثال تحفظ ختم نبوت کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔آپ کا انتقال 1975ء میں ہوا۔آپ نے اپنی زندگی کے آخری چار پانچ سال خصوصیت سے قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد میں صرف کیے۔آپ ڈرنے ،جھکنے اور بکنے والے نہیں تھے۔آپ علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ کسی ماں نے وہ بیٹا آج تک نہیں جنا جو میرا قلم خرید سکے۔آپ کا یہ بھی کہنا تھا کہ میرے نزدیک قلم کی عصمت ماں بہن کی عصمت کے برابر ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ آغا شورش کاشمیری کے نام سے قادیانیت کانپتی تھی اور آج بھی آغا صاحب کے لب ولہجہ میں قادیانیت کے تعاقب کی ضرورت ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعتہ۔

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک نامور سکالر اور تقابل ادیان کے ماہر تھے۔ آپ سیالکوٹ شہر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کافی عرصہ لاہور میں گزارا۔ لاہور میں ایک جلسہ سے آپ خطاب کر رہے تھے کہ ایک بم دھماکہ ہوا جس میں آپ نے جام شہادت نوش کیا اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فارغ التحصیل تھے۔ آپ ایک نامور خطیب اور مقرر تھے۔ آپ مختلف رسائل کے مدیر رہے اس دوران آپ قادیانیوں سے تحریری مباحثے اور مکالمے کرتے رہے پھر ان کا مجموعہ اسلام اور مرزائیت کے نام سے شائع کیا۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر نے بہائیت، بابیت اور شیعیت اور قادیانیت کے موضوع پر مشہور عالم کتابیں لکھیں جو کہ عرب ممالک کے متعدد تعلیمی اداروں میں شامل نصاب ہیں۔

القادیانیۃ دراسات وتحلیل کے عنوان سے آپ نے عربی میں کتاب لکھی جو کہ دس مقالات اور 320 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں متعدد پہلوؤں سے قادیانیت کا تعارف وتجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

مولانا سید شمس الدین شہید

مولانا سید شمس الدین شہید جمعیت علماء اسلام بلوچستان کے رہنما اور بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر تھے۔ تحریک ختم نبوت 1974ء میں قادیانیوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا، آپ کی خدمات کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

جب قومی اسمبلی نے قرآن پاک کی طباعت وکتابت کو تحریف واغلاط سے پاک رکھنے کا بل منظور کیا تو مولانا شمس الدین شہیدؒ فورٹ سنڈیمن اپنے گھر میں تھے کسی نے خبر دی کہ قادیانیوں نے قرآن پاک کے وہ نسخے فورٹ سنڈیمن میں تقسیم کرنا شروع کر دیے جو انتہائی دجل وفریب

کے ساتھ قرآن کے معنی ومفہوم میں ملحدانہ تحریف کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے بطور خاص شائع کیے ہیں تو مولانا کی غیرت ایمانی جوش میں آئی، حکام سے رابطہ قائم کر کے انہیں یہ بات سمجھائی کہ قادیانیوں کی یہ حرکت غیور مسلمانوں کو اشتعال دلا سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس لیے فوری طور پر تحریف شدہ قرآن کریم کے نسخے ضبط کیے جائیں اور قادیانیوں کو ضلع سے نکال دیا جائے۔ حکام نے اسے معمولی بات سمجھ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ اس ناپاک حرکت پر فورٹ سنڈیمن کے غیور مسلمان سراپا احتجاج بن گئے عوام نے اپنے عقائد کی کھلم کھلا توہین کے خلاف احتجاج کے لیے 15 جولائی 1973ء ایک مقامی پارک میں جلسۂ عام کا اعلان کر دیا۔ جلسہ میں عوام کے جذبات عروج پر تھے وہ کسی مقرر کی تقریر سننے کے روادار نہ تھے۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا کہ تقریروں کی بجائے عملی قدم اٹھاؤ۔ جلسہ کے بعد ایک منظم اور پرامن جلوس پولیٹیکل ایجنٹ کو اپنے جذبات ومطالبات سے آگاہ کرنے کے لیے اس کے بنگلہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں ایک عاقبت نااندیش قادیانی دکان کھولے بیٹھا تھا لوگوں نے بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کے جذبات سے نہ کھیلو مگر وہ ضد پر اڑا رہا۔ نتیجہ اپنی ہٹ دھرمی کی بھینٹ چڑھ کر جہنم رسید ہو گیا اور مولانا شہیدؒ، مولانا محمد خان شیرانی اور صاحبزادہ نورالحق سمیت 36 سرکردہ حضرات رضاکارانہ طور پر گرفتاری کے لیے پیش ہوئے، ان سب حضرات کو تھانہ لے جایا گیا اور رات انہوں نے تھانہ ہی میں گزاری۔ حکام نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح مولانا شہیدؒ اور صاحبزادہ نورالحق کو قیدیوں سے الگ کر کے واپس بھجوا دیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب کو تو اس بہانہ نکال دیا کہ آپ کے والد صاحب باہر ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں مگر مولانا شہید کسی طور پر ساتھیوں سے علیحدہ ہونے پر آمادہ نہ ہوئے۔ رات کو 2 بجے مولانا شہید کو جگا کر کہا کہ ان کی گاڑی دروازہ میں کھڑی ہے، آپ اپنی گاڑی کسی اور جگہ کھڑی کر دیں لیکن یہ حیلہ بھی اس مرد درویش پر نہ چل سکا وہ یہ کہہ کر پھر لیٹ گئے کہ جہاں گاڑی کھڑی ہے وہاں رہنے دو اور رات بھر ساتھیوں کے ہمراہ رہے۔ صبح ہوئی تو کچھ دیر بعد ڈی آئی جی بھی گئے، یہ صاحب مبینہ طور پر قادیانی تھے انہوں نے ڈرانے کی کوشش کی مگر بات نہ چلی، اسی تھانہ میں قادیانی بھی زیر حراست تھے جنہیں پولیس کسی اور جگہ منتقل کرنا چاہتی تھی۔ مسلمان قیدیوں نے مشورہ دیا کہ انہیں دن کی بجائے رات کو یہاں سے نکالا جائے ورنہ مسلمانوں کے اشتعال کی زد میں آ جائیں گے۔ پولیس

نے حسب ہدایت بات نہ مانی قادیانی اسیروں کو دن کی روشنی میں تھانہ سے باہر نکلا ایک قادیانی جو لٹریچر کی تقسیم میں نمایاں آیا کرتا تھا کسی نامعلوم شخص کی گولی کا نشانہ بن کر زخمی ہو گیا اور پولیس ان قادیانیوں کو پھر تھانہ لے جانے پر مجبور ہو گئی۔

دوسرے روز پولیس مسلمان قیدیوں کو منتقل کرنا چاہتی تھی انہیں گاڑی پر سوار کر کے باہر نکلے تو غیور مسلمانوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ مولانا شہیدؒ کو پتہ چلا تو وہ بھی آ گئے اور حکام سے کہا کہ مجھے آگے جانے کی اجازت دو میں آپ کو راستہ لے کر دیتا ہوں اس پر قادیانی، ڈی آئی جی طیش میں آ گیا اور مولانا شہید کا گریبان پکڑ لیا۔ موقع پر موجود مسلمان اس حرکت کو گوارا نہ کر سکے۔ بات آگے بڑھی مجسٹریٹ نے گولی چلانے کا حکم دیا مگر پولیس نے گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ مجسٹریٹ چیخ چیخ کر گولی کا آرڈر دیتا رہا مگر خود اسے ہی موقع سے بھاگنا پڑا۔ رات ایک بجے مجسٹریٹ نے ملیشیا اور پولیس کے اڑھائی سو نوجوانوں کے ساتھ مولانا شہید کے گھر کو گھیر لیا مولانا پہلے منتظر تھے والدہ صاحبہ کی چارپائی پر گئے، ان سے اجازت طلب کر لی اور ماں کی دعاؤں کے ساتھ گھر سے رخصت ہوئے۔ اس گرفتاری کے بعد ایک ماہ تک عوام کو کوئی پتہ نہیں چلا کہ مولانا کہاں ہیں اس بناء پر فورٹ سنڈیمن میں دو ہفتے ہڑتال رہی۔ غیور نوجوانوں نے مولانا سید شمس الدین شہید کی گمشدگی کے خلاف احتجاج کے طور پر بھوک ہڑتال کر دی۔ جمیعۃ علمائے اسلام کے مرکزی امیر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی اور قائد جمیعۃ مولانا مفتی محمود صاحب بھی بلوچستان تشریف لائے۔ بھوک ہڑتالیوں سے ملاقات کر کے حوصلہ دیا۔ آخر کار بہت تکلیفوں کے بعد حکومت کے لیے مولانا کی رہائی کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو 18 اگست کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد مولانا شمس الدین نے اپنی گرفتاری کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی۔

''وہ مجھے 45 میل دور افغانستان سرحد کی طرف لے گئے کیونکہ باقی تمام راستے ہمارے نوجوانوں نے بند کر رکھے تھے۔ 25 میل دور ایک گاؤں میں پہنچے اور لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے گھیرا ڈال دیا ان کے دو نمائندے آئے اور کہا کہ تم مولوی شمس الدین کو واپس لے جاؤ یا پھر ہم مریں گے یا تم مرو گے بہر حال مجھے وہاں سے پھر فوجی چوکی میں واپس لائے اور وہاں سے مجھے بذریعہ ہیلی کاپٹر میوند لے جایا گیا۔ فوج جس کی تعداد 800 تھی اس کے محاصرہ میں مجھے رکھا گیا مجھ پر پہلے چار دن فوج کے آٹھ افراد متعین رہے میں انہیں تبلیغ کرتا رہا وہ بہت غور سے سنتے تھے

جب حکومت کو معلوم ہوا تو روزانہ نئی گارڈ آتی لیکن میں نے پھر بھی تبلیغ کا سلسلہ بند نہ کیا۔ وہاں پر گورنر اور وزیر اعلیٰ کی طرف سے مختلف پیغامات کے ذریعے وزارت اعلیٰ منہ مانگی دولت اور عہدہ قبول کرنے کی پیشکش کی لیکن میں نے جواب دیا کہ میں آج تو ایک قیدی ہوں ایک قیدی کیسے وزیر اعلیٰ بن سکتا ہے۔ ایک دفعہ وزیر اعلیٰ میرے پاس خود آیا مگر میں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا۔

مولانا شمس الدینؒ 13 مارچ کو کوئٹہ سے فورٹ سنڈیمن کے لیے روانہ ہوئے۔ مبینہ طور پر روانگی کے موقعہ پر فوٹ سنڈیمن ہی کا ایک شخص شاہ وزیر سوار ہوا یہ شخص خود بھی سمگلر تھا اور خاندان کے دوسرے افراد بھی جرائم پیشہ ہیں۔ یہ آدمی پہلے پشتون خواہ میں تھا بعد میں پیپلز پارٹی میں چلا گیا۔ مولانا شہید کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا بہت سے افراد نے، بلکہ خود مولانا کے بھائی سید ضیاء الدین صاحب نے جو ایک ٹینکر پر سوار فورٹ سنڈیمن سے کوئٹہ آ رہے تھے دیکھا۔

ابھی بمشکل 120 میل کا فاصلہ طے کر پائے ہوں گے کہ موضع ''غل گئی'' کے قریب اس شقی القلب نے پیچھے سے مولانا شمس الدینؒ کی کنپٹی پر پستول کی نالی رکھ کر فائر کر دیا اس نے تین گولیاں چلائیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

خون میں خوشبو

مولانا سید امام شاہ اور خان محمد زمان خان نے بتایا کہ مولانا شمس الدین شہیدؒ کے خون مقدس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ اس جیسی خوشبو کسی چیز میں نہیں دیکھی حتیٰ کہ بعض افراد نے جن کے ہاتھوں کو خون لگ گیا تھا سارا دن ان سے خوشبو آتی رہی یہ خوشبو لوگوں نے عام طور پر محسوس کی۔ امیر مرکزیہ حضرت درخواستی دامت برکاتہم اور قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمود صاحب جمعہ کے روز جب کوئٹہ پہنچے تو خان محمد زمان خان اچکزئی نے جماعتی کارکنوں کے ہمراہ انتہائی سوگوار فضا میں قائدین کا خیر مقدم کیا، ہوائی اڈہ سے فورٹ سنڈیمن کے لیے روانگی ہوئی۔ عشاء سے قبل وہاں پہنچے۔ حضرت مولانا سید محمد زاہد صاحب مدظلہ اور دیگر خاندان کے افراد قائدین سے اظہار تعزیت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح دس بجے جمعیۃ علماء اسلام فورٹ سنڈیمن کے زیر اہتمام جلسہ عام مولانا سید میرک شاہ صاحب سرپرست جمعیۃ علماء اسلام فورٹ سنڈیمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔ عوام کا بے پناہ

ہجوم قائدین کے ارشادات سے مستفید ہونے اور محبوب رہنما کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس سے قبل فورٹ سنڈیمن میں اتنا بڑا جلسہ نہیں دیکھا گیا تھا۔

متعدد حضرات نے راقم الحروف کو بتایا کہ جب قائدین جمعیت مولانا شہیدؒ کے مزار پر دعا میں مصروف تھے اس وقت مزار پر سفید رنگ کے پھول برس رہے تھے جو کئی لوگوں نے اٹھائے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید ہوا کے ساتھ قریبی باغ سے بادام کے درختوں کے پھول اڑ کر آ رہے ہیں، لیکن جب ان پھولوں سے موازنہ کیا گیا۔ تو یہ پھول بادام کے پھولوں سے قطعی مختلف تھے لوگوں نے بجا طور پر اسے شہید کی کرامت سمجھا۔ مزار سے فارغ ہو کر قائدین فورٹ سنڈیمن سے کوئٹہ واپس آ گئے۔

اے جان دینے والے محمدؐ کے نام پر
ارفع بہشت سے بھی تیرا مقام ہے

(ہفت روزہ ختم نبوت کراچی۔ جلد 4 شمارہ 46 از قلم سید حبیب اللہ شاہ)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مد ظلہم
مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی قدس سرہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مد ظلہم اور ان کے بھائی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مرحوم کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ دونوں حضرات کا دینی فیض چاردانگ عالم میں پھیلا ہے۔ دونوں بھائیوں نے 1953ء اور 1974ء کی تحریکات میں حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مد ظلہم 1953ء کی تحریک میں چودہ ماہ قید رہے۔ اور اسیری کے دوران آپ نے مسٹر پرویز کی کتاب دو اسلام کا مفصل جواب تحریر فرمایا۔ دوران اسیری آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی دو دفعہ زیارت نصیب ہوئی۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مرحوم نے مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی اور دونوں حضرات نے مسلسل جدوجہد سے اسے بام عروج تک پہنچایا۔ حضرت

مولانا صفدر مدظلھم نے رد قادیانیت کے موضوع پر کئی کتابیں تحریر فرمائیں۔ آپ کے تین صاحبزادوں نے تقریر و تحریر کے میدان میں خاصا کام کیا ہے۔

1- مفکر اسلام حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

2- حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ

3- حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

حضرت صوفی صاحب کے بڑے بیٹے مولانا محمد فیاض خان سواتی بھی عمدہ علمی ذوق کے مالک ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث دام مجدہ نے گوجرانوالہ ڈویژن کی سطح پر تحریک ختم نبوت چلانے میں خاصا کام کیا۔ آپ کی تصانیف مقبول خاص و عام ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مرحوم ایک حق گو خطیب تھے۔ آپ کی حق گوئی کی تاب نہ لا کر حکومت نے مدرسہ نصرۃ العلوم کو اوقاف کی تحویل میں لینا چاہا جسے گوجرانوالہ کے غیور عوام نے ناکام بنادیا۔ ہر دو بزرگوں کا فیض ان کی اولاد، تلامذہ اور تصانیف کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کا یہ فیض جاری ہے اور جاری رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔

حضرت مولانا عبدالحکیم ایم این اے و بانی جامعہ فرقانیہ راولپنڈی کی قومی اسمبلی میں پیش کردہ تحریکات

کسی گروہ کو خلاف اسلام ادارے بنانے کی اجازت نہ ہو

تحریک: میری تحریک ہے کہ دفعہ نمبر 19 کی شق (ب) کے آخر میں درج ذیل اضافہ کیا جائے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے ادارے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت نہیں پھیلائیں گے۔

کسی مسلمان کو مرتد ہونے کی اجازت نہ ہو

تحریک: میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ مسودۂ آئین کی دفعہ نمبر 19 (الف) کے آخر میں ذیل کے الفاظ بڑھائے جائیں۔ ''مگر کسی مسلمان کو مرتد (یعنی مرزائی وغیرہ۔ مرتب) ہونے کی

اجازت نہ ہوگی۔'' تشریح۔ مرتد ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو مسلمان ہونے کے بعد کسی آیت قرآن یا حدیث متواتر یا ان کے اجماعی معنی کو ماننے سے انکار کرے۔

اسلامی تبلیغ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو

تحریک: میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ دفعہ نمبر 19 (الف) کا فقرہ پورا ہونے کے بعد مندرجہ ذیل عبارت کا اضافہ کیا جائے۔ ''بشرطیکہ اسلام کی تبلیغ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا ہو اور یہ کہ مسلمان کو مرتد (یعنی مرزائی وغیرہ۔ مرتب) ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔''

تحریک: میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ کوئی ایسا قانون یا پالیسی وضع نہیں کی جائے گی جس سے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں رکاوٹ پیدا ہونے کا خطرہ ہو اور مملکت میں کلیدی آسامیوں (یعنی اہم عہدوں، مرتب) پر صرف مسلمان ہی فائز کیے جائیں گے (یعنی مرزائی، پرویزی، عیسائی وغیرہ نہ ہوں گے) اور کسی مسلمان کو مرتد (یعنی مرزائی، عیسائی وغیرہ ہونے کی اجازت نہ ہوگی۔

مرتد کو آزادی سے محروم کیا جائے

تحریک: میں تحریک پیش کرتا ہوں کہ دفعہ نمبر 8 کے آخر میں ذیل کا اضافہ کیا جائے۔ لیکن کسی مرتد (مرزائی وغیرہ۔ مرتب) کو قرآن وسنت کے مطابق اس کی زندگی یا آزادی سے محروم کیا جائے گا۔ (جیسا کہ امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کو زندگی اور آزادی سے محروم کر دیا تھا۔ مرتب)۔

قادیانی فرقہ کا داخلہ کن کن مسلمان ممالک میں بند ہو؟

سوال: کیا وزیر امور خارجہ بتا سکتے ہیں کہ کن کن ملکوں نے اپنے ملک کے مخصوص حصے میں قادیانی فرقہ کا داخلہ بند کیا ہوا ہے؟

(ب) کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ حرمین شریفین (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ) کے حدود میں فرقہ قادیانی (مرزائی کا داخلہ بند ہے؟ ص 72 تا 79)

(حالات زندگی مولانا عبدالحکیم رحمہ اللہ از قلم قاری محمد زرین نقشبندی)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی عیسیٰ پور ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے۔آپ ابتدائی تعلیم حاصل کرر ہے تھے کہ پاکستان بن گیا۔پاکستان بننے کے بعد آپ مدرسہ رحمانیہ جہانیہ منڈی' مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی اور جامعہ خیر المدرس ملتان میں پڑھتے رہے۔حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ آپ کے استاذ اور شیخ تھے۔آپ نے مدرسہ عربیہ روشن والا ضلع فیصل آباد سے تدریس کا آغاز کیا۔پھر مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں دس سال تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔اس دوران آپ کے مقالات ومضامین ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ماہنامہ بینات وغیرہ جرائد میں چھپنے شروع ہوگئے تھے۔

۱۹٦٦ء میں حضرت بنوریؒ کے حکم پر آپ نے بینات کی ترتیب واشاعت کا کام سنبھالا۔بیس دن جامعہ رشیدیہ ساہیوال اوردس دن کراچی قیام رہتا تھا۔۱۹۷۴ء میں آپ حضرت بنوری کے حکم پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔۱۹۷۷ء میں آپ حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد مستقل طور پر کراچی منتقل ہوگئے اور ماہنامہ بینات کی مکمل ذمہ داری سنبھال لی۔حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے وصال کے بعد آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرؒ مدنی سے بیعت کی اورانہوں نے خلافت عطا فرمائی۔حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عافی قدس سرہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے بھی خلافت سے نوازا آپ روزنامہ جنگ میں آپ کے مسائل اوران کا حل کے عنوان سے کئی برس کالم لکھتے رہے جس نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔آپ کی بعض کتابیں لوگوں میں بہت مقبول ہوئیں۔

(۱) اختلاف امت اورصراط مستقیم۔
(۲) شیعہ سنی اختلافات اورصراط مستقیم۔
(۳) دنیا کی حقیقت۔
(۴) مشاہدات وتاثرات۔
(۵) تحفہ قادیانیت۔
(٦) اردو ترجمہ خاتم النبیین وغیرہ

مئی ۲۰۰۰ء میں آپ نے ملا محمد عمر کی دعوت پر افغانستان کا سفر کیا۔ آپ کا یہ سفر ۹ تا ۱۶ مئی ۲۰۰۰ء ایک ہفتہ کے لیے تھا۔ ۱۹ مئی کو صبح ساڑھے دس بجے آپ کو ایک مصروف شاہراہ پر کسی ظالم نے گولیاں برسا کر شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت کے وقت آپ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر تھے۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے پڑھائی اور آپ کو جامع مسجد خاتم النبیین کراچی کے ساتھ ملحقہ زمین پر دفن کیا گیا۔

آپ نے چھوٹی بڑی چوبیس عدد کتابیں تحریر فرمائیں جو کہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
(سابق ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت)

تحریر: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مرحوم

15 فروری 1985ء مطابق 24 جمادی الاول 1405ھ شب جمعہ کو اذان عشاء کے وقت ختم نبوت کے حدی خواں مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ صاحب رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے جانثار رفیق، تحریک آزادی کے نڈر سپاہی اور تحریک ختم نبوت کے صف اول کے قائد تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے یوم تاسیس سے اس کے اہم ترین رکن چلے آ رہے تھے اور جب 74ھ میں شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر منتخب ہوئے تو مولانا مرحوم کو جماعت کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا اور جماعت کے نظم ونسق کی تمام تر ذمہ داری مرحوم کے سپرد کر دی گئی۔

ان کے نظامت علیا کے عہدے پر فائز ہونے کے کچھ ہی دن بعد قادیانیوں نے ربوہ اسٹیشن پر ایک حادثہ برپا کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں 74ء کی تحریک ختم نبوت شروع ہوئی۔ اس سلسلہ میں مولانا مرحوم نے بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تحریک ختم نبوت کو کامیابی سے ہمکنار کیا اور قادیانیوں کو خارج از ملت قرار دے دیا گیا۔

حضرت بنوریؒ کے بعد قطب العارفین حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب مجددی نقشبندی مدظلہٗ (سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی) جماعت کے قائد وامیر

منتخب ہوئے۔تو اس بار بھی جماعت کے ناظم اعلیٰ مولانا مرحوم ہی مقرر ہوئے اور اس دورے دور میں پھر قادیانیوں نے ایک حماقت کی کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو سیالکوٹ سے اغوا کر لیا اس کے نتیجہ میں قادیانیوں کے خلاف پھر اشتعال پیدا ہوا۔جس نے تحریک ختم نبوت 1984ء کی شکل اختیار کر لی، یہ موقع بے حد نازک تھا۔ مارشل لاء کے دور میں کسی تحریک کی کامیابی کی گنجائش نہیں تھی۔ قادیانی لابی کی خواہش تھی کہ اس تحریک میں مسلمانوں کا مارشل لاء حکومت سے تصادم ہو جائے جس سے تحریک اور حکومت دونوں بھک سے اڑ جائیں۔''بیک کرشمہ دو کار''......اس تصادم کے خطرات شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے تھے۔اس موقعہ پر مولانا مرحوم کا صبر و تحمل اور فہم و تدبر کام آیا۔انہوں نے جماعت کے جوشیلے ہمدردوں کی خواہش کے علی الرغم صدر مملکت سے ملاقات کی اور نہایت متانت و سنجیدگی سے اس مسئلہ پر توجہ کرنے کی گزارش کی۔ اللہ تعالیٰ صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اس مرد قلندر کی گزارشات کو پذیرائی بخشی اور''امتناع قادیانیت آرڈی نینس 84ء'' جاری کر کے قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے اپنے ایک مخلص بندے کی لاج رکھ لی اور اس نازک موقع پر ملت اسلامیہ کو ایک شدید خطرے سے بچا لیا۔مولانا مرحوم اس اعتبار سے بڑے خوش قسمت تھے کہ ان کی نظامت کے دور میں دونوں موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا۔اور ان کو اور ان کی جماعت کو شدید اور نازک ترین امتحانات سے سرخرو نکالا......فالحمد للہ۔

خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی

خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی مرحوم پاکستان کے ممتاز خطیبوں میں سے تھے جنہوں نے ساری زندگی عوامی جلسوں میں قرآن و سنت اور مدح صحابہؓ سنانے میں صرف کی۔آپ نے مدرسہ قاسم العلوم ملتان سے دورہ حدیث کیا۔ قائد جمعیت مولانا مفتی محمود، مناظر اہل سنت علامہ عبدالستار تونسوی سے آپ نے کسب فیض کیا۔ جمعیت علمائے اسلام، تنظیم اہل سنت اور سپاہ صحابہؓ پاکستان کے پلیٹ فارم سے تبلیغی کام کرتے رہے۔قادیانیت کے تعاقب میں سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمدؒ چنیوٹی اور فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی مدظلہ کے شانہ بشانہ آپ نے متعدد بار

یورپ وامریکہ کے تبلیغی اسفار کیے۔ عالمی سطح پر تبلیغی کانفرسیں منعقد کیں' لوگوں کے ایمانوں کو گرمایا اور فتنہ قادیانیت سے خبردار کیا۔ ویمبلے ہال لندن جو کبھی لوگوں سے بھرتا نہ تھا ان کانفرنسوں کے دوران اپنی وسعت کے باوجود تنگ پڑ گیا۔ آپ نے ۱۹۵۳ء' ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی تحاریک ختم نبوت میں جوش وخروش سے حصہ لیا اور کئی بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۸۴ء کی تحریک میں آپ کی پرجوش خطابت سے متاثر ہو کر حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ نے آپ کے سر کا بوسہ لیا اور دستار بندی کی۔

مولانا قاری شبیر احمد عثمانی نے جامعہ عثمانیہ چناب نگر میں ۷ ستمبر کو سالانہ ختم نبوت کانفرنس کا آغاز کیا تو انہیں مولانا ضیاء القاسمی' مولانا چنیوٹی اور حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مدظلہ کا خصوصی تعاون حاصل رہا ہے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا قاری عبدالحئی عابد جو کہ مشہور خطیب اور جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مرحوم کے خلیفہ مجاز ہیں وہ بھی ان سب تحریکات میں متحرک رہے ہیں اور قید وبند کی صعوبتوں سے گزرتے رہے ہیں۔ مولانا ضیاء القاسمی کے جانشین مولانا زاہد محمود القاسمی بھی اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر تبلیغی مشن جاری رکھے ہوئے ہیں

جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابوذر بخاری

حضرت امیر شریعتؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاری المعروف سید ابومعاویہ ابوذر بخاری مدرسہ خیرالمدارس ملتان کے فاضل اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم کے شاگرد خاص تھے۔ آپ حسن صورت' حسن سیرت اور حسن صوت کے مالک تھے۔ خطابت کا فن آپ کا خاندانی ورثہ تھا۔ اعلیٰ درجہ کے علمی وادبی کمالات رکھتے تھے۔ عظمت صحابہؓ کے تمام پہلوؤں پر خاصی بصیرت کے حامل تھے۔ خطبہ جمعہ میں حضرات خلفاء راشدینؓ کے ناموں کے ساتھ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے نام کے مستقل اضافہ کی تحریک چلائی۔ اپنے بیٹے کا نام محمد معاویہ اور اس مناسبت سے اپنی کنیت ابومعاویہ رکھی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے قلم کار تھے۔ مجلس احرار اسلام کے ترجمان روزنامہ آزاد اور نوائے پاکستان میں آپ کی نگارشات شائع ہوتی رہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں مولانا غلام غوث ہزاروی مرحوم کی طرح آپ نے روپوش رہ کر تحریک کے امیر رہنماؤں سے رابطہ رکھا اور ان کی ہدایات کے مطابق تحریک تحفظ ختم نبوت کا جوش

قائم رکھا۔ ۱۹۶۰ء میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ رائے پوری نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ آپ نے مجلس احرار اسلام کے نام اور کام کو زندہ کیا' حضرت سید ابوذر بخاری ہوں یا ان کے گرامی قدر دیگر بھائی۔ سب کی زندگیاں تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے اس شعر کا مصداق ہیں۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی' کبھی پیچ و تاب رازی

آپ نے تمام تحریکات ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء کو قادیانیوں کے مرکز کفر وارتداد ربوہ میں مسجد احرار کا سنگ بنیاد رکھا اور نماز جمعہ ادا کی گئی۔ ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۵ء تک آپ فالج کے عارضہ سے شدید بیمار رہے اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اپنی جان' جان آفرین کے سپرد کردی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم' دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن' متعدد بین الاقوامی یونیورسٹیوں کے لیکچرار اور رابطہ عالم اسلامی کے بنیادی رکن تھے۔ عربی زبان پر اہل زبان کی طرح عبور رکھتے تھے۔ آپ علم وادب اور روحانیت کا ایسا حسین امتزاج رکھتے تھے کہ دورِ حاضر میں اس کی مثال کم ملے گی۔ آپ نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ رائے پوری سے روحانی استفادہ کیا اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ علوم دینیہ اور عربی ادب میں ایک سند کا درجہ رکھتے تھے۔

اس جامع کمالات ہستی کا تذکرہ چند سطور میں سمیٹنا ناممکن ہے۔ اپنے موضوع کی مناسبت سے عرض ہے کہ آپ نے حضرت رائے پوری کے حکم پر عربی زبان میں القادیانیہ لکھی جس کے لیے مواد کی فراہمی حضرت مولانا محمد علیؒ جالندھری نے کی' حوالہ جات کی تخریج کا کام فاتح قادیان مولانا محمد حیات اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے کیا۔ اس کتاب کو آپ نے اردو میں بھی خود منتقل کیا اور انگریزی سمیت دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ آپ نے درج ذیل مقالات بھی تحریر کیے ہیں۔

(۱) القادیانیۃ صورۃ علی نبوۃ محمدیۃ۔

(۲) قادیانیت اسلام اور نبوت محمدیہ ایک بغاوت۔

آپ نے قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ فرمایا...... مختصر یہ کہ عالم اسلام بالخصوص عرب ممالک کو قادیانیت کے متعلق خبردار کرنے میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

مولانا مودودیؒ

مولانا مودودی اپنے دور کے بڑے علماء کرام میں شمار کیے جاتے ہیں۔ صاحب طرز ادیب اور مفکر تھے۔ آپ حیدرآباد دکن میں مقیم رہے۔ جمعیت علماء ہند کے ترجمان رسالہ الجمعیۃ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ آپ نے قیام پاکستان سے قبل جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی تو امیں بڑے بڑے نامور علماء کرام شامل ہو گئے۔ مثلاً مولانا سید ابوالحسن علی ندوی' مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ لیکن بعد میں مولانا مودودی کے بعض افکار اور جماعتی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے جماعت کو چھوڑ گئے۔ مولانا مودودیؒ ایک بڑے سکالر اور مصنف تھے۔ ان کی کتاب خلافت وملوکیت بہت متنازع ثابت ہوئی اور مولانا مودودی کے متنازع افکار کی وجہ سے جماعت اگرچہ عوامی سطح پر زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کر سکی لیکن اس میں شک نہیں کہ جماعت اسلامی نے معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا مودودی مرکزی قائدین میں شامل تھے۔ آپ نے قادیانی مسئلہ کے نام سے ایک کتابچہ لکھا جس کی بنیاد پر حکومت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور مولانا کو مارشل لاء کے تحت موت کی سزا سنائی بقول شورش لطف کی بات یہ ہے کہ حکومت نے اس رسالے کی اشاعت پر کوئی پابندی نہ لگائی اور رسالہ برابر شائع ہوتا رہا۔ اصل میں مولانا کو حکومت نے اپنے سیاسی عزائم میں رکاوٹ سمجھ کر گرفتار کیا تھا اور اس کے لیے قادیانی مسئلہ کو آڑ بنایا گیا۔ مولانا مودودی ۲۸ مارچ ۱۹۵۳ء کو گرفتار ہوئے۔ آپ پر مارشل لاء کے ضابطہ نمبر ۸ اور تعزیرات کی دفعہ ۱۵۳ الف کے تحت مقدمہ چلایا گیا اور مولانا کو سزائے موت سنائی گئی۔ اس پر شدید عوامی ردعمل ہوا۔ عرب حکومتوں نے بھی احتجاج کیا' اندرونی و بیرونی بے پناہ دباؤ کی تاب نہ لا کر حکومت نے سزائے موت منسوخ کر دی اور اسے عمر قید سے بدل دیا۔ ۱۹۵۵ء میں مولانا کو رہا کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے بعد مولانا مودودی

نے منیر انکوائری رپورٹ کا خوب پوسٹ مارٹم کیا کہ وہ رپورٹ دینی اور علمی حلقوں میں ایک مذاق بن گئی۔ بقول شورش کاشمیری منیر انکوائری رپورٹ کا بنیادی نقص یہ تھا کہ جسٹس منیر نے پاکستان کے بنیادی صوبے پنجاب کا چیف جسٹس ہونے کی حیثیت میں اپنے قلم کے اللوں تللوں سے ایک ایسی داستان مرتب کر دی تھی جس کو خلاف اسلام طاقتوں مثلاً امریکہ و یورپ کے عیسائیوں اور یہودی ریاست اسرائیل کے دانشوروں اور حاکموں اور ہندوستان کے سنگھیٹوں اور مہابھائیوں نے خوب خوب استعمال کیا۔ قادیانی مغربی ممالک کے علاوہ افریقہ ریاستوں میں اس کا چرچہ کرتے رہے۔ اس رپورٹ میں مسلمانوں کی تعریف کے تحت اسلام کا مذاق اڑایا گیا اور علماء کے استخفاف کی آڑ میں قادیانیت کا جواز پیدا کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جسٹس منیر کسی اعتبار سے کبھی راسخ العقیدہ مسلمان نہیں رہے وہ سپریم کورٹ کی چیف ججی تک پہنچ گئے لیکن انہوں نے پاکستان میں جمہوریت اور اسلامیت کو سخت نقصان پہنچایا اور یہ ان کا ناقابل معافی جرم تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تبصرے کے زیر عنوان رپورٹ کا تجزیہ کر کے اس کے مندرجات کا رو کیا اور بیرونی ممالک کے جن حلقوں میں اس کی مضرتیں پھیل گئی تھیں وہاں ان مضرتوں کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیا۔

مولانا مودودی کا دوسرا اہم کارنامہ سعودی حکومت کے مختلف محکموں میں گھسے ہوئے قادیانیوں کو نکلوانا تھا۔ اس کی وجہ سے حرمین شریفین قادیانیوں کے سرائیلی منصوبے سے محفوظ ہو گئے۔

سعودی حکومت کی درخواست پر آپ نے عربی زبان میں ماھی القادیانیۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو کہ عرب ممالک میں بکثرت تقسیم کی گئی۔ آپ نے فروری ۱۹۶۲ء میں ختم نبوت کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو عربی میں ترجمہ ہو کر تمام عرب ممالک میں پھیلایا گیا۔ مولانا مودودیؒ کی مذکورہ تالیفات کا افریقہ زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا اور افریقی مسلمانوں کو قادیانی فتنہ کی سنگینی سے آگاہ کیا گیا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ مولانا مودودی نے تحریری طور پر قادیانی کی حقیقت اور ارتدادی سرگرمیوں سے تمام دنیا کو روشناس کرایا جس سے قادیانیت سکڑ کر رہ گئی۔

(مأخذ: تحریک ختم نبوت از شورش کاشمیریؒ)

حضرت مولانا منظور احمد الحسینیؒ

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین میں ایک بڑا نام مولانا منظور احمد الحسینیؒ کا ہے۔ آپ نے خصوصی طور پر یورپ میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں کافی کام کیا۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری آپ کی شخصیت وخدمات کا تعارف اس طرح کراتے ہیں۔

ردّ قادیانیت وفن مناظرہ:

مولانا منظور احمد الحسینی نے فن مناظرہ فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ سے پڑھا اور کئی سال تک حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ کی معاونت میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں مناظرہ پڑھایا۔

دینی جماعتوں سے وابستگی:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے تاحیات وابستہ رہے۔ 75-1974ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ بنے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت یورپ کے تادمِ واپسیں امیر رہے۔

دینی تحریکات میں شرکت:

1974ء اور 1984ء کی تحریکات ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ اسی طرح 1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں فوجی عدالت نے انہیں سزا سنائی۔

تبلیغی اسفار:

امریکا، افریقہ، جرمنی، فرانس، بیلجیئم، ناروے اور مالی سمیت دنیا کے مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کیے اور وہاں مختلف دینی اجتماعات، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی اور تبلیغ اسلام، تصوف وسلوک اور ردّ قادیانیت کے موضوعات پر خطاب کیا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں بے شمار قادیانیوں ل اور دیگر غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

ختم نبوت کانفرنس:

سالانہ ختم نبوت کانفرنس برمنگھم، برطانیہ کے آپ ہمیشہ روح رواں رہے۔اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے ہر سال آپ کئی ماہ محنت کرتے اور ہزاروں میل کا سفر طے کر کے برطانیہ کے مختلف شہروں میں جاجا کر مختلف مساجد میں خطاب کر کے تحفظ ختم نبوت کا پیغام عام فرماتے اور لوگوں کو اس کانفرنس میں شرکت پر مائل کرتے۔اس کے علاوہ پاکستان، جرمنی اور دیگر ممالک میں منعقد ہونے والی ختم نبوت کانفرنسوں میں بھی بھرپور شرکت فرماتے اور شرکائے کانفرنس سے ولولہ انگیز خطاب فرماتے۔

کامیاب مناظرے:

آپ نے کراچی میں قادیانیوں کے ایک اجتماع کے دوران برسرعام سابق قادیانی سربراہ مرزا طاہر کو للکارا لیکن اس نے دلائل سے آپ کا مقابلہ کرنے کے بجائے راہ فرار اختیار کی۔آپ نے ڈاکٹر جلال شمس قادیانی اور ڈاکٹر بشارت احمد شاہ سمیت قادیانیوں کے مشہور مبلغین و پیشواؤں کو مناظرے میں شکست فاش دی۔ جرمنی کے شہر کولون میں آپ کا ڈاکٹر جلال شمس سے مشہور زمانہ مناظرہ ہوا جس کے نتیجہ میں اس مناظرہ کے منتظم سمیت متعدد قادیانیوں نے موقع پر ہی اسلام قبول کرلیا۔اس مناظرہ کی برکت سے مجموعی اعتبار سے جرمنی کے 23 قادیانیوں نے دامن اسلام میں پناہ لی۔

دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت کی تعمیر:

1980ء جب اکابر نے فیصلہ کیا کہ ریڈیو پاکستان بندر روڈ کا دفتر ختم نبوت فروخت کر کے اسے نمائش کی مسجد باب رحمت میں لایا جائے اور یہاں شایانِ شان دفتر اور مسجد تعمیر کی جائے تو یہی مرد قلندر تھا جس نے اپنے رفقاء سمیت رات دن ایک کر کے اس کی تعمیر و توسیع کا کام انجام دیا۔ہفت روزہ ختم نبوت کے اجزاء کا فیصلہ ہوا تو انہوں نے اس کو کامیاب بنانے، اس کے فنڈ جمع کرنے میں اپنی ساری صلاحیتیں صرف فرمادیں۔

ختم نبوت کے ''دیوانے'':

وہ کسی جلسہ یا تقریب میں جاتے تو لٹریچر، اشتہارات اور ہینڈ بل کا بنڈل ان کی بغل میں ہوتا، وہ اپنے مقام و مرتبہ اور حیثیت سے بے نیاز ہوکر ہر ایک آنے جانے والے سے پرتپاک انداز میں مصافحہ کرتے اور موجود لٹریچر میں سے ایک آدھ رسالہ، اشتہار یا ہینڈ بل اسے ضرور پکڑاتے، حتیٰ کہ اگر وہ کہیں خود مہمان خصوصی ہوتے تب بھی وہ اپنے اس مشن سے غافل نہ ہوتے، ان کی ان ہی اداؤں کی بناء پر ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم مدیر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ان کو ختم نبوت کا دیوانہ کہا کرتے تھے اور فرماتے کہ:

''اس طرح کے دو چار دیوانے اور پیدا ہو جائیں تو قادیانیت صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گی۔''

جرأت و بہادری:

موصوف حد درجہ جری اور بہادر تھے' خصوصاً قادیانی سور ماؤں کو ذرہ برابر خاطر میں نہیں لاتے' جن دنوں مرزا طاہر پاکستان میں تھا' ایک بار مرزا طاہر ڈیفنس سوسائٹی کراچی آیا تو مولانا کو اس کے ارتدادی پروگرام کا پتہ چل گیا' مولانا مرحوم نے اپنی موٹر سائیکل پر محلے کے ایک ساتھی کو بٹھایا اور ان کے جلسہ میں جا دھمکے' مرزا طاہر کی سوال و جواب کی مجلس شروع ہوئی تو مولانا' مرزا طاہر کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور مرزا طاہر پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی' مرزا طاہر اس اچانک اور غیر توقع سوالات کے حملہ سے بدحواس اور لاجواب ہوکر یہ کہتے ہوئے کہ شریر اور فتنہ پرور مولوی یہاں بھی پہنچ گئے' فوراً اٹھ کر اپنے خلوت خانہ میں چلا گیا' قادیانیوں سے اپنے خلیفہ کی اس قدر شکست فاش اور بے بسی برداشت نہ ہوسکی' قریب تھا کہ قادیانی مولانا مرحوم پر پل پڑتے اور ان کا تکہ بوٹی کر لیتے' مگر ان کے ہمراہی نوجوان نے نہایت بیدار مغزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قادیانیوں کو متوجہ کیا کہ خبردار! مولانا کو اکیلا نہ سمجھنا! یہاں اس مجمع میں ان کے بیسیوں جاں نثار موجود ہیں' اگر تم نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو یہاں سے زندہ بچ کر کوئی نہیں جا سکے گا' یوں قادیانیوں سے جان چھوٹی اور مولانا مرحوم نے جلدی سے اپنی اسکوٹر اسٹارٹ کی اور آناً فاناً وہاں سے غائب ہو گئے۔

دوسرے دن جب مولانا حسینی مرحوم نے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کو

اس معرکہ حق و باطل کی داستان سنائی تو جہاں حضرت شہیدؒ نے ان کی جرأت و ہمت کی داد دی' وہاں انہیں مشفقانہ فہمائش بھی کی کہ ایسی جرأت رندانہ اکیلے اور بلا اطلاع نہیں کیا کرتے' مبادا قادیانی تھنڈر اسکواڈ آپ کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔

بیرون ملک خدمات:

مرزائیوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر انگلستان منتقل کیا تو ان کے تعاقب میں مجلس نے بھی برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کے لیے برطانیہ میں اپنا دفتر قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔

برطانیہ میں دفتر قائم کرنے کے لیے فراہمی فنڈ کا مسئلہ درپیش ہوا تو 1985ء میں امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے عرب امارات کا دورہ فرمایا' مولانا حسینیؒ بھی اس وفد میں شریک تھے' اسی سفر میں حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے ایک بیان کو آپ نے مرتب فرما کر ''قادیانیوں اور دوسرے کافروں میں فرق'' کے عنوان سے شائع کیا جو بعد میں تحفہ قادیانیت کا حصہ بنا۔

1983ء میں حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے پہلے دورۂ برطانیہ اور 1984ء کے پہلے دورہ افریقہ میں بھی آپ حضرت شہیدؒ کے رفیق سفر اور خادم کی حیثیت سے ساتھ تھے' اسی طرح افریقہ کے ایک غریب ملک ''مالی'' میں قادیانیوں نے وہاں کے سیدھے سادے مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسے کی کوشش کی تو مولانا حسینی مرحوم نے اپنے شریک سفر حاجی عبدالرحمٰن باوا کی معیت میں ''مالی'' کا سفر کیا' جہاں تیس ہزار افراد نے آپ کے ہاتھ پر دوبارہ تجدید اسلام کی اور قادیانیت کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کیا۔

1987ء میں قادیانیوں نے کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کے خلاف مقدمہ کیا تو مسلمانوں کی امداد اور عدالت میں وکلاء کی تیاری کے لیے اکابرین کا جو وفد کیپ ٹاؤن افریقہ گیا اس میں بھی آپؒ ساتھ تھے' چنانچہ کیپ ٹاؤن کی عدالت کے فیصلہ کی فائل میں جابجا مولانا مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں اور حوالے آج بھی ثبت ہیں۔

مولانا مرحوم نے تحفظ ناموس رسالت کی خاطر ازبکستان' افغانستان' عرب امارت' سعودی

عرب، جنوبی افریقہ، امریکا، جرمنی، بیلجیئم، فرانس، ناروے، ڈنمارک، کینیڈا اور دوسرے کئی ایک ممالک کے سفر کیے اور ہر جگہ اعلائے کلمۃ اللہ کا ڈنکا بجایا۔

مولانا مرحوم جو کام بھی کرتے تھے اپنی طرف اس کی نسبت کرنے کے روادار نہ تھے، اگر کبھی کسی کام کے تذکرہ کی ضرورت پیش آتی تو کہتے: ''بتوفیق اللہ وعونہ یوں ہوگیا'' یا کہتے اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ کام لے لیا وغیرہ۔''

لندن میں تشکیل اور مستقل قیام:

1984ء میں جب مرزائیوں نے اپنا مستقر لندن کو بنالیا تو مولانا مرحوم کی لندن تشکیل ہوگئی، یہاں انہوں نے مستقل ڈیرے ڈال لیے، سٹاک ویل گرین لندن دفتر کی خریداری اور آبادی میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ لندن دفتر کے قیام کے بعد وہاں جو پہلی نماز ادا کی گئی اس کی امامت کی سعادت بھی مولانا مرحوم کے حصے میں آئی۔ آپ کی تردید قادیانیت میں مہارت، خلوص اور مشن سے لگن کے پیش نظر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ارباب بست وکشاد نے آپ کو یورپ کا امیر نامزد کیا۔

یورپ میں آپ کی برکات:

بلاشبہ آپ کا وجود یورپ کے مسلمانوں کے لیے ایک نعمت کبریٰ تھا، یورپ کے کسی بھی ملک سے قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع آتی، آپ بلاتاخیر پہنچ جاتے، اگر کہیں مسلمانوں کو قادیانی ستاتے تو ایک فون کی کال پر آپ وہاں حاضر ہوتے، جرمنی جو کسی زمانہ میں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کی آماج گاہ تھا اور مسلمان مناظرین کا وہاں پہنچنا مشکل تھا، مولانا حسینیؒ نے وہاں پہنچ کر قادیانیوں کو للکارا اور قادیانیت کے تارپود بکھیر کر ان کو ناکوں چنے چبوائے اور متعدد ایسے قادیانی گھرانے قادیانیت کے سحر سے آزاد ہو کر تائب ہوئے جو کسی زمانہ میں مرزا طاہر کے میزبان ہوا کرتے تھے۔ جناب محمد مالک، جناب افتخار احمد بھٹی، جناب شیخ راحیل، جناب شیخ جاوید، جناب مظفر احمد مظفر وغیرہ اہم حضرات نے مع اہل خانہ قادیانیت پر دوحرف بھیجتے ہوئے قادیانیت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ بلاشبہ یہ وہ حضرات تھے جن پر قادیانیت فخر کرتی تھی، مگر جب مولانا مرحوم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی سعادت سے سرفراز فرمایا تو ان کی صلاحیتوں کا رخ قادیانیت کے بجائے اشاعت اسلام کی طرف ہوگیا، یہ سب مولانا مرحوم کی حسنات ہیں۔

بیک وقت تین زبانوں میں بیان:

اپ نے علوم عربیہ اسلامیہ اور درس نظامی کے علاوہ عربی فاضل' میٹرک' ایف اے اور بی اے کی ڈگریاں بھی حاصل کر رکھی تھیں' اس لیے آپ اردو' عربی' فارسی اور سرائیکی کے ماہر تھے' جبکہ انگریزی پر بھی ان کو اچھی دسترس حاصل تھی' آپ ان دنوں کنگسٹن کی جس مسجد میں خطبہ جمعہ دیا کرتے' وہاں اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی دان حضرات کی کثرت تھی' اس لیے وہ پہلے اردو' پھر انگریزی اور آخر میں عربی میں تقریر فرماتے اور جمعہ سے پہلے جو تقریر فرمائی ہوتی اسے عربی میں منتقل فرما کر جمعہ کا خطبہ بنالیا کرتے' قادیانی ان کی اس ہمہ گیر شخصیت سے حد درجہ خائف تھے' وہ اس کوشش میں رہتے کہ کسی طرح مولانا کو بدنام کیا جائے' بارہا انہوں نے در پردہ مسجد کے سیدھے سادے مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کی' مگر ہر بار ان کو منہ کی کھانی پڑی۔

تردیدِ قادیانیت کا فن:

مولانا مرحوم کو قادیانیت کو چاروں شانے چت کرنے کا ایک خاص فن آتا تھا' وہ قادیانیوں سے گفتگو کرتے ہوئے فوراً بھانپ جاتے تھے کہ ان پر کونسا حوالہ کارگر ہوگا۔

وہ تردیدِ قادیانیت بعبارات مرزا قادیانی کے قائل تھے' وہ فرماتے: قادیانی قرآن و حدیث سے نہیں' مرزا قادیانی کی ہفوات سے قائل ہوں گے۔ چنانچہ جب وہ ''تذکرہ'' اور ''روحانی خزائن'' کے حوالے دیتے تو قادیانی چاروں شانے چت ہوجاتے۔ بلاشبہ قادیانی مولانا کے نام سے کانپتے' ان کا نام آتے ہی ایسے بھاگتے جیسے دجال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے بھاگے گا۔

مولانا نے اندرون و بیرون ملک سینکڑوں مناظرے کیے اور ہمیشہ فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے' ان کے ہاتھ پر ہزاروں قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔

(پیکر اخلاص از قلم ص 10 تا 47 ملخصاً
مولانا مفتی سعید احمد جلال پوریؒ)
ناشر مکتبہ لدھیانوی کراچی

مولانا مفتی محمد جمیلؒ خان

حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مرحوم ایک نامور عالم دین اور صحافی تھے۔آپ نے اقرأ ڈائجسٹ کے ذریعہ دینی صحافت میں ایک نئی روایت ڈالی' آپ اقراء سکول سسٹم کے بانی تھے' **تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر آپ کی خدمات کا تعارف ہمیں مفتی خالد محمود کرا رہے ہیں۔**

آپؒ زمانۂ طالب علمی ہی سے اس عقیدہ کے تحفظ میں لگ گئے۔ جب 1974ء میں حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک ختم نبوت چلی' اس وقت مفتی صاحبؒ طالب علم تھے اور جمعیت طلباء اسلام سے وابستہ تھے۔آپ نے اس تحریک میں ایک طالب علم راہنما کی حیثیت سے حصہ لیا' ریلیاں نکالیں' مختلف پمفلٹ شائع اور تقسیم کیے' جگہ جگہ جلسے کیے اور جلوسوں میں شرکت کی جس کی پاداش میں آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور آپ نے لانڈھی جیل میں کئی دن تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔رہائی کے بعد مفتی صاحبؒ کے والدمحترم انہیں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض فہمائش لے کر گئے کہ یہ بزرگ حضرات جمیل صاحب کو سمجھائیں کہ ابھی نوعمر اور طالب علم ہو اس طرح سیاست میں حصہ لینے سے گریز کرو' لیکن ان حضرات نے گلے لگا کر مفتی صاحبؒ کا استقبال کیا' مفتی صاحبؒ کو مبارک باد دی اور بہت دعائیں دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ نے اس گرفتاری اور اس کی مشقت برداشت کر کے جو درجہ حاصل کیا ہے' وہ ہماری کئی سال کی عبادت سے بہتر ہے۔آغا جی الحاج عبدالسمیعؒ نے جب ان بزرگوں کا یہ طرز عمل دیکھا تو اس کے بعد کبھی مفتی صاحبؒ کے ختم نبوت کی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ ابتدا میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے باقاعدہ عہدیدار نہیں تھے لیکن حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے ساتھ ہمیشہ جماعت کے کاموں میں پیش پیش رہتے' یہ حضرات بھی جب ضرورت پڑتی' حضرت مفتی صاحبؒ کے ذمہ جماعت کے کام لگا دیا کرتے اور حضرت مفتی صاحبؒ انہیں بحسن وخوبی اور برضا ورغبت انجام دیا کرتے۔ ان حضرات کے بعد حضرت مفتی نظام الدین شامزیؒ اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کو جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں لے جانا' ان کے سفر کا نظم بنانا بھی حضرت مفتی صاحبؒ

کے ذمہ تھا۔ خود حضرت مفتی صاحبؒ بڑی پابندی سے جماعت کی شوریٰ کے اجلاسوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ جماعت کے امیر مرکزیہ' ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب' حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب' مولانا محمد اکرم طوفانی اور مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی سے مستقل رابطہ میں رہتے' جماعتی امور پر مشورہ کرتے اور ان حضرات کے احکامات کی تعمیل کیا کرتے' یہ تمام حضرات بھی ایک طرح سے مفتی صاحبؒ کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ کوئی بات ہو' حضرت مفتی صاحبؒ سے کہنی ہے' کوئی کام ہو' حضرت مفتی صاحبؒ سے کرانا ہے' کوئی کانفرنس ہو' اجلاس ہو' دفتر کے معاملات ہوں' کسی بزرگ سے وقت لینا ہو' کسی سیاسی راہنما سے ملاقات ہو' اس کو کانفرنس میں بلانا ہوں کسی سرکاری افسر سے رابطہ کرنا ہو' غرض یہ کہ ہر کام خواہ بڑا ہو یا چھوٹا' اس کو انجام دینے کے لیے ان سب حضرات کی نظر حضرت مفتی صاحبؒ ہی پر پڑتی' ان سب کو حضرت مفتی صاحب۔ پر بڑا ناز تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی ہمیشہ ان حضرات کے ناز و اعتماد کی لاج رکھی اور کبھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ اپنی سعادت سمجھتے ہوئے ان حضرات اور جماعت کا ہر کام ایک دینی خادم کی حیثیت سے انجام دیتے رہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی انہی خدمات کو دیکھ کر جماعت نے باقاعدہ مفتی صاحبؒ کو حضرت نائب امیر مرکزیہ کا ترجمان اور جماعت کے بیرونی معاملات کا ذمہ دار بنایا تھا۔

مفتی صاحبؒ سے جماعت کے تمام ذمہ داران کا تعلق تھا' اس لیے مفتی صاحبؒ اپنے اکابر سے بہت سی باتیں منوالیا کرتے۔ مثال کے طور پر حضرت مفتی صاحبؒ نے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا اللہ وسایا صاحب سے ایک اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد منوالیا کہ مبلغین کی تنخواہوں میں پینتیس فیصد اضافہ کیا جائے۔ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کے حکم پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین کو حج پر لے جانا اور ان کے حج کے اخراجات کا انتظام کرنے کی سعادت بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے حصہ میں آئی۔

چناب نگر کانفرنس اور برمنگھم کانفرنس میں حاضری دینا' اکابر علماء و مشائخ کو دعوت دینا اور انہیں اپنے ہمراہ لے جانا' ان کانفرنسوں کی تیاری اور انتظامات میں مدد کرنا' اخبارات میں ان کی رپورٹنگ کرنا اور مناسب جگہ خبریں لگوانا بھی حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے ذمہ تھا۔

مفتی صاحبؒ نے ماہنامہ اقراء ڈائجسٹ نکالا تو اس بات کا التزام کیا کہ ہر شمارے میں ختم

نبوت یا ردّ قادیانیت پر ایک مضمون ضرور ہو' ایسا بہت کم ہوا کہ کوئی شمارہ اس مضمون سے خالی رہ گیا ہو۔

عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ لگاؤ ہی کا ثمرہ تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضور اکرم ﷺ کا قصر نبوت سے متعلق ارشاد کہ: ''میں اس محل کی آخری اینٹ ہوں۔'' اس حدیث کی منظر کشی کرتے ہوئے اپنے آرٹسٹ سے ایک خوبصورت عمارت بنوائی اور اس کی پہلی اینٹ پر آدم علیہ السلام اور آخری اینٹ کو تھوڑا سا ہٹا کر اس پر حضور اکرم ﷺ کا نام تحریر فرمایا اور اسے کئی ماہ تک اقراء ڈائجسٹ کے آخری صفحہ پر شائع کرتے رہے' جبکہ اگر حضرت مفتی صاحبؒ چاہتے تو اس صفحہ پر کوئی دوسرا اشتہار چھاپ کر ہزاروں روپے کما سکتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو دیکھا کہ اپنے مضمون میں جہاں حضور اکرم ﷺ کے اسم گرامی کا تذکرہ کرتے تو ''خاتم الانبیاء'' کا وصف ضرور ذکر کرتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ بڑے اہتمام سے 7 ستمبر کو روزنامہ جنگ میں ''ختم نبوت'' کا صفحہ لگاتے اور اس میں ایک مضمون لازماً خود تحریر فرماتے۔ اسی طرح برمنگھم کانفرنس کے موقع پر پابندی سے کانفرنس کی مناسبت سے صفحہ ترتیب دیتے جو روزنامہ جنگ لندن میں شائع ہوتا۔ اس صفحہ میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا مضمون لازماً ہوتا۔ ختم نبوت کے کام سے جنوبی افریقہ کے حضرات کو متعارف کرانے کے لیے مفتی صاحبؒ نے حضرت امیر مرکزیہ کو جنوبی افریقہ کے سفر پر آمادہ کیا' وہاں کے مختلف شہروں میں حضرت امیر مرکزیہ کے پروگرام رکھے اور لوگوں کو ختم نبوت کے تحفظ کا کام کرنے پر آمادہ کیا۔

امریکہ میں اسی ختم نبوت کے کام کی ترتیب بنانے کے لیے مولانا منظور احمد الحسینیؒ کے ہمراہ امریکہ کا دورہ کیا' مفتی صاحبؒ ہی کی کوششوں سے امریکہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت رجسٹرڈ ہوئی' عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیوں کے تعاقب کے لیے آپؒ نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں کے ہمراہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کا دورہ کیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو حرمین سے خاص تعلق تھا۔ رمضان المبارک کا مہینہ چونکہ ہر سال حرمین میں گزارتے تھے' اس لیے یہ حضرت مفتی صاحبؒ کی عادت بن چکی تھی اور حرمین کے علاوہ ماہ مبارک کا ایک دن بھی کسی اور جگہ گزارنا مفتی صاحبؒ کے لیے بہت مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مفتی صاحبؒ ہر سال رمضان

المبارک شروع ہونے سے ایک یا دو دن قبل حرمین تشریف لے جاتے اور عیدالفطر کی نماز ادا کر کے واپس ہوتے، مگر ایک سال جماعت کے کہنے پر حضرت مفتی صاحبؒ نے رمضان المبارک کا اکثر حصہ انگلینڈ میں گزارا' تا کہ جماعت کے لیے فنڈ جمع کیا جا سکے' اس سفر میں مولانا حماداللہ شاہ اور بھائی محمد وسیم غزالی بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہمراہ تھے۔

جب شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جامعہ علوم اسلامیہ میں اپنے دفتر کی جگہ چھوڑنا پڑی تو بہت سے حضرات نے ان کو اپنے ادارہ میں لے جانا چاہا اور اس کے لیے کوشش بھی کی مگر مفتی صاحبؒ نے حضرت کو آمادہ کیا کہ آپ دفتر ختم نبوت کے علاوہ کہیں نہ جائیں۔ یہ مفتی صاحبؒ کے ختم نبوت سے تعلق کا اظہار تھا۔ اسی تعلق کا مظہر تھا کہ آپ نے اپنی مستقل نشست بھی دفتر ختم نبوت میں بنائی تھی اور جب بھی آپ کراچی میں ہوتے تو ظہر کے بعد سے عشاء تک دفتر ختم نبوت میں ہی موجود رہتے بلکہ جب موقع ملتا یا کوئی کام کرنا ہوتا تو آپ ختم نبوت کے دفتر ہی جایا کرتے' کسی کو ملاقات کا وقت دینا ہوتا تو دفتر ختم نبوت میں بلاتے۔ شہادت والے دن تو زیادہ تر وقت دفتر میں ہی گزارا اور دفتر ہی سے آپ گھر کے لیے روانہ ہوئے تھے یعنی مرتے دم تک دفتر سے تعلق رکھا۔

جب پرویز مشرف کے دور میں عبوری حکومت میں سندھ کابینہ میں ایک قادیانی کنور ادریس کو وزیر بنایا گیا تو مفتی صاحبؒ نے اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی اور اس سلسلہ میں بھرپور محنت کی۔ تمام چھوٹی بڑی مسلم تنظیموں کو اس کام کے لیے اکٹھا کیا اور ایک اتحاد تشکیل دیا جس کے سربراہ مفتی صاحبؒ تھے۔ مزاحاً فرمایا کرتے کہ: میں 72 فرقوں کا امیر ہوں کیونکہ اس اتحاد میں کم وبیش اتنی ہی تنظیمیں جمع تھیں' مفتی صاحبؒ اگرچہ اس وزیر کو وزارت سے سبکدوش نہ کرا سکے' بعد میں وہ خود ہی آنجہانی ہو گیا' مگر مفتی صاحبؒ کی محنت و کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قادیانی وزیر یا اس کی آڑ میں دوسرے قادیانیوں کو کسی سازش' ریشہ دوانی اور قادیانیت کے لیے کام کرنے کا موقع مل سکا اور نہ ہی وہ اس کی ہمت کر سکے۔ یہ بھی مفتی صاحبؒ کا عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک کارنامہ تھا اور انشاءاللہ کل روز قیامت حضور اکرم ﷺ کی شفاعت کا باعث بنے گا۔

(عکس جمیل از مفتی خالد محمود ناشر القاسم اکیڈمی نوشہرہ)

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مرحوم کی حق گوئی

چیف منسٹر کی صدارت اور حضرتِ والا کی حق گوئی و بیباکی:

خیر پور کے ریاستی دور میں وہاں کے چیف منسٹر کی صدارت میں سیرت کا جلسہ ہو رہا تھا۔ حضرت والا اور آپ کے والد صاحب کا اتفاقاً اس طرف سے گزر ہوا' چیف منسٹر کی نظر پڑ گئی' اُس نے آپ حضرات کی خدمت میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو بھیج کر اس کے ذریعہ درخواست پیش کی کہ اسٹیج پر تشریف لائیں۔ دونوں حضرات اسٹیج پر تشریف لے گئے تو چیف منسٹر نے حضرت والا سے بیان کی درخواست کی۔ حضرت نے سیرت کے موضوع پر بہت مبسوط اور ایمان افروز تقریر فرمائی۔ چیف منسٹر' سرکاری حکام اور عوام سب محوِ حیرت تھے اور بہت محظوظ ہو رہے تھے۔

تقریر کے خاتمہ پر آپ نے فرمایا:

''سیرت کا اصل مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا کامل اتباع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم فرض جو ہم پر عائد ہوتا ہے وہ پاکستان میں اسلامی آئین جاری کرنا ہے۔

دوسرا فرض قادیانیوں کو اقلیت قرار دینا ہے۔ مرزا قادیانی ملعون نے حضور اکرم ﷺ کی دستارِ نبوت پر ہاتھ ڈال کر اور اس پر غاصبانہ حملہ کر کے آقائے نامدار' روحانیت کے آخری تاجدار' سید کائنات' فخر موجودات ﷺ کی شان میں بہت سخت گستاخی کی ہے' اس پر خاموش رہنا سخت بے غیرتی اور انتہائی بے دینی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے کرنے' سیرت کے جلسے منعقد کرنے اور سیرت کے موضوع پر دُھواں دھار تقریریں کرنے کے ساتھ صاحب سیرت ﷺ کی علانیہ توہین تماشائیوں کی طرح خاموشی سے دیکھتے رہنا اور ان مردودوں کا احتساب نہ کرنا کھلی منافقت ہے اور حضور اکرم ﷺ اور آپ کی سیرت پاک کا مذاق اڑانا ہے۔

آج اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا موقع عطا فرما دیا کہ سیرت کے نام پر ہماری حکومت اور عوام دونوں جمع ہیں' میں اپنی حکومت اور عوام دونوں کی طرف سے مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ قیام پاکستان کے وقت کیے گئے وعدوں کے مطابق فوراً اسلامی آئین جاری کرے۔

میں مرکزی حکومت سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ اسلامی قوانین کو تا قیامت انسانی فلاح و

بہبود کے لیے ہر لحاظ سے کامل و مکمل سمجھتی ہے یا نہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو ان قوانین کے اجراء میں مسلسل التواء اور لیت ولعل سے کیوں کام لیا جارہا ہے؟ اور حسب وعدہ پاکستان میں حکومت اسلام کیوں نہیں قائم کی جاتی؟

اور اگر خدانخواستہ حکومت اسلام کے ضابطۂ حیات کو تاقیامت کامل اور فلاح و بہبود کا ضامن نہیں سمجھتی تو وہ اس کا اعلان کیوں نہیں کرتی؟ تا کہ ہم ان ارباب حکومت کو بھی مرتدین کی فہرست میں داخل کر کے ان کے ساتھ انہی جیسا معاملہ کریں۔

دوسرا مطالبہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا ہے‘ ان زنادقہ کی اصل شرعی سزا تو یہ ہے کہ سب کو تہِ تیغ کر کے سرزمین پاک کو اُن کے ناپاک وجود سے بالکل پاک کر دیا جائے۔ مگر سخت حیرت اور افسوس ہے کہ اسلام کی نام لیوا حکومت انہیں اقلیت قرار دینے پر بھی تیار نہیں۔

میں مرکزی حکومت سے اس کی بہبود و خیر خواہی اور دنیا و آخرت دونوں میں اس کی سرخ روئی کے جذبہ کے تحت نہایت خلوص کے ساتھ یہ دونوں مطالبے کرتا ہوں‘ اگر خدانخواستہ پھر بھی نشۂ اقتدار سے ہوش نہیں آتا تو یہ حقیقت سمجھ لیجیے‘ کہ قوم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے‘ مزید انتظار کا تحمل نہیں‘ اس کے نتائج کے بارہ میں سوچیے اور خوب سُن لیجیے۔

"اگر اظہار استبداد کے معنی بغاوت ہے
اگر بیزاریِ بیداد کے معنی بغاوت ہے
اگر اک فطرتِ آزاد کے معنی بغاوت ہے
تو پھر میں ایک باغی ہوں مرا مذہب بغاوت ہے
بغاوت کرنے والا کم سے کم آزاد ہوتا ہے
وہ سو پابندیوں میں بھی مگر دلشاد ہوتا ہے
کہ جیلیں ، ہتھکڑی‘ بیڑی‘ قیودِ جسم ہیں ساری
یہ دل آزاد ہوجانا حقیقت میں ہے آزادی"

(پورے اشعار یاد نہیں رہے‘ اس لیے آخری دو بند ناقص ہیں)

آپ یہ اشعار ایسے جوش کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ حمیّتِ دینیہ و ہیجانِ موسوی کا ناقابل بیان نظارہ تھا۔

آپ نے جب مطالبہ شروع کیا تو ایک مجسٹریٹ بولے:
''آپ یہ مطالبے مرکزی حکومت سے براہ راست کریں۔''
مگر چیف منسٹر نے انہیں خاموش کر دیا۔

جب آپ فارغ ہو گئے تو صدر جلسہ چیف منسٹر اختتامی تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت والا کی تقریر کی بہت تعریف کی اور کہا:
''سیرت سے متعلق اتنی مبسوط اور ایسی معلومات افزا تقریر میں نے آج تک کبھی نہیں سُنی۔''

پھر وہی بات کہی جو رسمی طور پر زبان سے تو سب کہتے ہیں مگر دل میں یہ فیصلہ کیے ہوتے ہیں کہ اس کے مطابق عمل ہرگز کبھی نہیں کریں گے وہ رسمی بات یہ ہے:

''سیرت کی حقیقت اور روح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اپنی زندگی اس کے مطابق بنائی جائے زندگی کے ہر قدم اور ہر موڑ پر اس سے ہدایت حاصل کر کے اس کا پورا اتباع کیا جائے۔''

جلسہ برخاست ہوا تو چیف منسٹر نے الگ ہو کر حضرت والا سے کہا:
''آپ کے یہ مطالبے بالکل درست اور ضروری تھے مگر یہ اس کا موقع نہ تھا۔''
حضرت اقدس دامت برکاتہم نے فرمایا:

''اس سے بڑھ کر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں میں نے آپ ہی کے اس آخری جملہ کی تشریح کی ہے جس میں آپ نے سیرت کی حقیقت اور روح بتائی ہے۔''

(انوار الرشید جلد نمبر 2 ص195 تا 199)

مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

آپ 31 اپریل 1892ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبدالحکیم ایک اچھے شاعر اور عالم تھے۔ آپ نے دینی تعلیم کی تکمیل جامعہ قومیہ میرٹھ سے کی۔ بعد ازاں دنیوی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور بی اے کیا۔ آپ نے عالمی سطح پر تبلیغی کام کیا۔ اور قادیانیوں سے بیرون ملک مناظرے بھی کرتے رہے۔ آپ نے ایک کتاب مرزائی حقیقت کا اظہار کے نام سے لکھی جس کا عربی ترجمہ مرأۃ اور انگریزی ترجمہ Mirror کے نام سے شائع ہوا۔

(ملخص از تذکرہ اکابر اہل سنت ص236 تا 142)

استاد العلماء مولانا حکیم محمد عالم صاحب آسی امرتسری

حضرت مولانا محمد عالم آسی حضرت مولانا مفتی غلام قادر بھیروی سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ تبلیغ سنیت اور ردّ مرزائیت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔تردید مرزائیت میں آپ نے دو ضخیم جلدوں میں (1352ھ ربیع الاوّل مطابق 1933ء جولائی) وہ عظیم الشان تاریخی تصنیف ''الکاویہ علی الغاویہ'' (چودھویں صدی کے مدعیان نبوت) عربی اور اردو علیحدہ علیحدہ شائع فرمائی یہ نادر روزگار کتاب ایک ہزار چھیاسٹھ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔پہلی جلد چار سو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد اسی سائز کے چھ سو پچاس صفحات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اس تصنیف میں یہ خوبی ہے کہ بڑی آزادی کے ساتھ مرزائی مذہب کا جتنا لٹریچر ہے (مع پوسٹر اشتہار وغیرہ) سب کا خلاصہ مع تنقیدات اہل اسلام درج کیا گیا ہے۔علمائے اُمت اور اہل قلم حضرات نے اسے کمال نظر تحسین سے دیکھا۔ چنانچہ مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری اس پر تقریظ لکھتے ہوئے اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں۔ کتاب ''الکاویہ علی الغاویہ'' (چودھویں صدی کے مدعیان نبوت) مصنفہ جامع المعقول والمنقول جناب مولانا محمد عالم آسی میں نے دیکھی کتاب اپنے مضمون میں جامع ہے اسلامی دنیا میں بہاءاللہ ایرانی اور مرزا قادیانی نے جو تہلکہ مچا رکھا ہے آج اس کی نظیر نہیں ملتی۔ان کے حالات اور مقالات کی جامع کتاب چاہیے تھی مصنف علّام نے اس ضرورت کو پورا کردیا۔ ''جزاہ اللہ۔ثناءاللہ۔17 ستمبر 1934ء''

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ علیہ الرحمۃ میانی ضلع شاہ پور کی وہ عظیم المرتبت شخصیت ہے جس نے فتنہ قادیانیت کا قلع قمع کرنے میں بے نظیر کارنامے انجام دیئے۔آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل تھا کئی سال مدرسہ نعمانیہ لاہور کے اول مدرس رہے۔14 یا 15 مئی 1908ء کو حکیم نورالدین صاحب بھیروی سے مولانا ابراہیم قادیانی کے مکان واقع کشمیری بازار میں حیات مسیح ابن مریم پر تاریخی مکالمہ ہوا۔حکیم نورالدین بھیروی خلیفہ اول مرزا قادیانی آپ سے سخت مرعوب ہوگیا اور ایسی کوئی دلیل پیش نہ کرسکا جس پر اسے خود تسلی

ہوتی۔آخراپناسا منہ لے کر رہ گیا۔یہ تاریخی مکالمہ الظفر الرحمانی میں آپ نے درج فرمایا۔

19،18 اکتوبر 1924 کو حضرت مولانا مفتی غلام مرتضٰی صاحب کا مولوی جلال الدین شمس قادیانی سے بمقام ہریا تحصیل پھالیہ ضلع گجرات تاریخی مناظرہ ہوا۔مسلمانوں کی طرف سے صدر جلسہ حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی ملتانی علیہ الرحمۃ تھے جب کہ قادیانیوں نے پہلے دن کرم داد صاحب اور دوسرے روز حاکم علی قادیانی کو صدر جلسہ بنایا گیا۔

اس تاریخی مناظرہ کی کارروائی سننے کے لیے ہر مذہب و مسلک کے لوگ دور دور سے آئے۔مناظرہ دو روز تک جاری رہا۔مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی غلام مرتضٰی نے تحریری و تقریری دلائل کے انبار لگا دیئے۔آپ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مد مقابل مولوی شمس صاحب کی کوئی پیش نہ گئی اور گھبراہٹ کے عالم میں قادیانیوں نے جلسہ کو درہم برہم کرنے کی بھی ناکام کوشش کی مگر حسن انتظام اور مفتی اسلام کے پرجوش خطاب سے ان کے سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اللہ تعالٰی نے مفتی غلام مرتضٰی علیہ الرحمۃ کے باعث اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور باطل ناکام و نامراد ہوا قادیانی مناظر بڑی ذلت کی شکست سے دوچار ہوا۔حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی صدر مناظرہ مفتی غلام مرتضٰی صاحب کے جوابی دلائل سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پکار اٹھے:

> ''میرا دل اس وقت یہ گواہی دیتا تھا کہ اگر مفتی صاحب کی تقریر مرزا صاحب خود سنتے تو مسلمان ہو جاتے مگر ہدایت مقدر نہ تھی۔یہ اس تاریخی مناظرہ کے اختتام پر حضرت مولانا مفتی غلام مرتضٰی صاحب نے مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی مرزا قادیانی کو لاہور میں مناظرہ کا چیلنج دیا۔مگر وہ بھی اپنے باپ کی طرح نام نہاد دارالامان قادیان سے باہر نہ نکل سکا۔قادیانیوں پر اس مناظر اسلام کے علم و فضل اور مناظرہ کی دھاک بیٹھ گئی۔''

20 اکتوبر 1924ء کو حضرت مولانا مفتی غلام محمد صاحب گھوٹوی فتح کی خوشخبری سنانے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی خدمت میں گولڑہ شریف حاضر ہوئے۔مناظرہ کی مفصل کارروائی اور فتح کی نوید سن کر حضرت قبلہ عالم پیر صاحب قدس سرہ نے حضرت مولانا مفتی غلام مرتضٰی علیہ الرحمۃ کی طرف مبارک بادی کا مکتوب گرامی ارسال فرمایا جو من وعن یہاں درج کیا جاتا ہے۔

''مخلص فی اللہ مفتی غلام مرتضٰی حفظکم اللہ تعالٰی۔

بعد سلام و دعا کے الحمدللہ ای لمنہ کہ اوسبحان و تعالیٰ نے آپ کو توفیق اظہار حق بوجہ اتم عنایت فرمائی۔ مخلص مولوی غلام محمد صاحب سے مفصل کیفیت معلوم ہوئی بل کے بل نے سب بل مبطلین کے نکال دیئے اللھم وفقنا لما تحب وترضی وصل وسلم و بارک علی سیّدنا محمد و آلہ وصحبہ والحمد لک اولاً و آخر سب احباب سے مبارک بادی۔''

اس مناظہر کی مفصل کارروائی حضرت مولانا مفتی غلام مرتضےٰ صاحب علیہ الرحمہ نے ''الظفر رحمانی'' نامی کتاب میں جمع فرمائی۔ یہ کتاب 222 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد صاحب قادری علیہ الرحمۃ

آپ علماء میں واحد ہستی تھے جن کو تحریک ختم نبوت 1953ء میں تمام مکاتیب فکر کے علماء نے قائد تسلیم کیا۔ آپ نے اس تحریک میں پرجوش حصہ لیا اور تمام مسلمانوں کو دعوت عمل دی اور حکومت کے سامنے مذہبی مطالبات پیش کیے۔ آپ نے بحیثیت صدر مجلس عمل ان مطالبات کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ سید مظفر علی شمسی بیان کرتے ہیں کہ ''میں اس وقت مجلس عمل کا سیکرٹری تھا۔ ہر جلسہ میں مجھے موصوف کے قریب رہنے کا موقع ملا۔ میں ان سے بہت متاثر تھا۔ انہیں ہر سٹیج پر باعمل پایا خواجہ ناظم الدین مرحوم وزیر اعظم سے ہر ملاقات میں مولانا کے ہمراہ رہا جس شان سے موصوف نے قوم کے مطالبات پیش کیے انہیں کا حصہ تھا۔ ہر ملاقات کے بعد خواجہ صاحب اکثر حضرت مولانا کے پیچھے نماز ادا کرتے ان کی شخصیت اور علم و فضل کا اقرار کرتے تھے۔ مولانا ہر ملاقات میں ان سے ایک ہی خواہش کا اظہار کرتے کہ شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کے مطالبات تسلیم کریں اس سلسلہ میں مولانا نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ختم نبوت کے سلسلے میں لاکھوں مسلمانوں سے خطاب کیا۔ میں حیران تھا کہ ایک گوشہ نشین عالم کس طرح اس مسئلہ کے لیے بے قرار ہے۔ میں نے اکثر موصوف کو مسلمانوں کے لیے رو رو کر دعائیں مانگتے دیکھا۔''

حکومت نے جب کوئی بات تسلیم نہ کی تو کراچی میں مجلس عمل نے ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کیا جس کا ایک طریق یہ تھا کہ کارکن خاموشی سے کتبے ہاتھ میں لیے گورنروں اور وزیر اعظم پاکستان کے بنگلوں پر خاموش احتجاج کریں۔ حکومت نے اسی رات حضرت مولانا کی قیادت میں ان کے رفقاء کو گرفتار کر لیا اور کراچی سنٹرل جیل میں بھیج دیا۔ اس گرفتاری کے بعد پورے ملک میں

تحریک نے زور پکڑا۔ پنجاب سے روح فرسا خبریں پہنچنی شروع ہوئیں۔ آپ کو اچانک ایک دن اطلاع ملی کہ حضرت مولانا خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان کو مارشل لاء حکمت نے پھانسی کی سزا دے دی ہے۔ مولانا اپنے اکلوتے فرزند کے متعلق یہ المناک خبر سن کر سجدے میں گر گئے۔ اور عرض کیا، الٰہی ''میرے بچے کی قربانی کو منظور فرما۔ ڈیڑھ ماہ تک کراچی میں قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رہنے کے بعد سکھر سنٹرل جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ آٹھ مربع فٹ کوٹھڑی میں علامہ ابوالحسنات، مولانا عبدالحامد بدایونی مولانا صاحبزادہ سید مظفر علی صاحب شمسی بند تھے۔ حیدر آباد جیل میں بھی قید رہے۔ چھ ماہ سی کلاس گزارنے کے بعد اے کلاس ملی۔ بعدازاں لاہور منتقل کر دیئے جہاں تحقیقاتی عدالت میں پیش ہوئے۔ جناب مظفر علی صاحب شمسی بیان کرتے ہیں کہ ''جس ہمت اور الوالعزمی سے علامہ ابوالحسنات نے قید میں دن گزارے اس کی مثال ملنی بہت مشکل ہے۔ ناز و نعم میں پلا ہوا انسان لاکھوں انسانوں کے دلوں کا بادشاہ علم و عمل کا شہنشاہ مگر محبت رسول نے امتحان چاہا تو بے دریغ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور اس شان سے قید کاٹی کہ مثال بن گیا۔ کیا مجال جو کسی سے شکایت کی یا کسی کا شکوہ کیا ہو یا اپنے مشن سے دستبرداری کا ارادہ کیا ہو۔ جیل میں آپ کا بہترین شغل قرآن کریم کی تفسیر لکھنا تھا کئی برس قید میں کاٹے اور بہت شدت کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، جن کے باعث آپ کی زندگی پر بڑا بُرا اثر پڑا۔

ردّ مرزائیت کے سلسلہ میں آپ نے رسائل و جرائد اور اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ بھی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ قادیانیت کے رد میں ذیل کی دو کتابیں آپ کی مستقل یادگار ہیں۔

1- مرزائیت پر تبصرہ
2- قادیانی مذہب کا فوٹو

مولانا عبدالحامد بدایونیؒ

حضرت مولانا بدایونی علیہ الرحمۃ کی زندگی کا سب سے بڑا مشن عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت تھا۔ چنانچہ اس تحریک میں اُنہوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کی حمایت اور مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ایک سال تک سکھر اور کراچی کی جیلوں میں

علامہ ابوالحسنات قادری کے ساتھ نظر بند رہے۔ قید و بند کی سخت صعوبتوں کو بڑی جوانمردی سے برداشت کیا۔ ان کی مدبرانہ فراست نے پورے ملک میں اس تحریک کو مقبول بنایا۔

مولانا محمد عمر صاحب اچھرویؒ

ردّ مرزائیت میں آپ کی معرکہ آراء تصنیف ''مقیاس النبوت'' تین ضخیم حصوں میں بڑے سائز کے تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ پہلی جلد 424 صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد 280 صفحات پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد، 753 صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا مفتی مسعود علی صاحب قادری فرماتے ہیں کہ:

''اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ پوری کتاب کی کتابت و طباعت معقول ہے۔ میرے خیال میں جس کے پاس یہ کتاب ہو اسے قادیانیت کے خلاف کسی دوسرے کتاب خریدنے کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑے گی۔ مولانا مرحوم نے اہل سنت کی طرف سے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔''

ابوالنصر منظور احمد صاحب ہاشمی

آپ جامعہ فریدیہ ساہیوال کے بانی و مہتمم ہیں۔ تردید قادیانیت میں آپ نے مثالی کارنامے انجام دیئے۔ 1953ء کی تحریک میں ساہیوال (منٹگمری) میں مجلس عمل کے صدر تھے اور تحریک کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار کر لیے گئے۔ ساڑھے سات ماہ تک ساہیوال جیل میں قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

1974ء کی تحریک کے دوران ساہیوال میں بھی آپ نے بڑا مجاہدانہ کارنامہ سرانجام دیا۔ سوشل بائیکاٹ کے جواز پر آپ نے سب سے پہلے رسالہ تصنیف فرمایا اور تحریک کے دوران پنتالیس ہزار کاپیاں چھپوا کر پورے ملک میں تقسیم کرائیں۔

(ماہنامہ ضیائے حرم لاہور تحریک ختم نبوت نمبر، دسمبر 1974ء)

حضرت مولانا غلام محمدؒ گھوٹوی

مولانا غلام محمد گھوٹوی 1886ء میں موضع گمرالی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔آپ نے مولانا حافظ محمد جمال گھوٹوی اور علامہ سید غلام حسین اور علامہ محمد زمان سے کسب فیض کیا۔آپ مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا فضل حق رام پوری کے شاگرد رشید میں آپ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی مرحوم کے دست مبارک پر بیعت ہوئے۔آپ قصبہ گھوٹہ ضلع ملتان میں بیس سال مدرس رہنے کی وجہ سے گھوٹوی مشہور ہوئے۔آپ نواب بہاولپور کی دعوت پر جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تشریف لائے اور شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔

آپ نے مقدمہ بہاولپور میں جاندار کردار ادا کیا۔اس حوالہ سے آپ کا نام تادیر زندہ رہیگا۔آپ کا 9 مارچ 1948ء کو وصال ہوا۔اور قبرستان ملوک شاہ عقب نور محل بہاولپور میں دفن ہوئے۔

(تلخیص از تذکرہ اکابر اہل سنت۔335۔338)

مولانا غلام محمد ترنم امرتسری

آپ 1900 / 1318ھ میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔آپ نے حکیم فیروز دین فیروز طغرائی مولانا محمد عالم آسیؒ امرتسری مولانا محمد حسین عرشی امرتسری سے کسب فیض کیا۔آپ قادر الکلام خطیب تھے۔تحریک ختم نبوت 1953ء میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ سے زائد عرصہ جیل میں گزارا۔اس قید و بند کا کچھ حصہ آپ نے سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم کی رفاقت میں بسر کیا۔

آپ کا 1959ء میں انتقال ہوا اور میانی صاحب لاہور میں دفن ہوئے۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت ملخصاً ص339)

مولانا خلیل احمد قادری

مولانا خلیل احمد قادری، مولانا سید ابوالحسنات قادری کے صاحبزادے ہیں۔1953ء کی تحریک میں آپ کا نمایاں کردار رہا۔آپ نے اپنے ایک انٹرویو میں درج ذیل گفتگو فرمائی۔

مرزائیوں کے اخبار الفضل میں ان کے اس وقت کے امیر محمود بشیر نے غیر مرزائیوں کو چیلنج کیا تھا کہ غیر مرزائیوں کو 1953ء گزرنے سے پہلے اتنا مجبور کر دیا جائے گا کہ وہ قادیانیت کے قدموں پر آ کر گر جائیں اور جو قادیانی نہیں ہیں وہ کیونکہ راہ راست پر نہیں ہیں۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ قادیانیت قبول کر لیں یا اس روئے زمین پر نہ رہیں۔ اس سے ایک ہیجان برپا ہوا اور مختلف جماعتوں نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر مرزائیت اسی طرح فروغ پاتی رہی تو یہ سخت نقصان دہ ہوگی اور ملک میں ایک بڑا فتنہ کھڑا کر دے گی۔ اسی زمانے میں کچھ اس قسم کی اطلاعات بھی ملیں کہ ربوہ میں فوجی تیاریاں بھی کی جا رہی ہیں۔ اور اسلحہ بھی جمع کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کی خبریں اخبارات میں آئیں اور مطالبات کیے گئے۔ اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ربوہ میں جا کر حالات کا جائزہ لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ چنانچہ اسی زمانے میں برکت علی محمڈن حال میں کنونشن ہوا جس میں پیر صاحب گولڑہ شریف جو کسی اسٹیج پر نہیں آتے تھے خود اسٹیج پر تشریف لائے اور پورے پنجاب اور سندھ کے قائدین شریک ہوئے اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ اس فتنہ کا جو ملک وقوم کے لیے مضر ہے، ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے اس میں اس میں ہر جماعت کے دو دو نمائندے شریک ہوئے پھر یہ مطالبات طے پائے کہ مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا جائے انہیں کلیدی اسامیوں سے ہٹایا جائے وغیرہ۔ یہ مطالبات لے کر یہاں لاہور سے ایک وفد کراچی گیا اور وہاں خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملاقات کی اور ان سے کہا گیا کہ آپ ان کے مطالبات کو تسلیم کر لیں وہ کچھ اس قدر مجبور نظر آتے تھے کہ وہ نہ کوئی انکار کرتے تھے اور نہ ہی اقرار آخر کار 27 فروری کو یہ حضرات ایک ہی رات میں گرفتار کر لیے گئے۔ گرفتاری کی اس اطلاع کے بعد پنجاب میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور مسجد وزیر خان میں اس کا مرکز بنا اور پھر 28 فروری سے یہ تحریک 19 مارچ تک چلی۔ اس میں جلسے اور جلوس ہوتے رہے اور پر امن رہے۔ مختصر یہ کہ پھر تشدد پیدا کیا گیا اور مارشل لاء لگا دیا گیا۔ 9 مارچ کو میں نے ایک تقریر میں دولتانہ اور خواجہ ناظم الدین سے کہا تھا کہ تشدد کے ان اقدامات کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ اسی دوران پنجاب کے اندر ایک ہڑتال ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کاروباری مراکز بند ہو گئے اور اس طرح پولیس کا تشدد بڑھ گیا۔ لوگ شہید ہو رہے تھے لیکن مارشل لاء کے باوجود جلوس نکلتے رہے۔ کراچی میں پہلے ہی گرفتاریاں ہو چکی تھیں اور 19 مارچ کو مجھے بھی مسجد وزیر خان سے گرفتار کر لیا گیا۔ نیازی صاحب، میں اور

چند علماء وہاں موجود تھے۔ اکثر علماء پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے۔ میں اور مولنا عبدالستار نیازی صاحب مسجد وزیر خان میں تھے۔ مسجد سے ہمیں قلعہ لے جایا گیا اور وہاں پر ہم پر کافی تشدد کیا گیا۔ انہوں نے ہم پر جھوٹے الزامات لگائے اور ہماری تقریروں کی بنیاد پر مجھے عبدالستار نیازی اور مولانا مودودی کو سزائے موت کا حکم دیا گیا۔ پھر اسے چودہ سال سے بدلا اور پھر یہ مدت سات سال کر دی گئی اور پھر ڈیڑھ سال بعد مجھے انہوں نے خود ہی رہا کر دیا۔ قلعہ میں ہمیں رات کو سونے نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک رات صبح سے عشاء تک کھڑا رکھا اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ میں معافی مانگ لوں مگر میں نے معافی نہ مانگی چونکہ یہ خاص حضور اکرم ﷺ کی عظمت اور حاکمیت کا مسئلہ تھا اس لیے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر اس میں جان بھی دینا پڑے تو گریز نہیں کروں گا جس دن ہمیں پھانسی کا حکم دیا جانے والا تھا اس دن ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب آئے اور بتایا کہ اس قسم کا حکم دیا جانے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ حبیب پاک ﷺ کی عظمت کی خاطر اگر میری جان جاتی ہے تو ایک جان کیا ایسی ہزار جانیں قربان۔ یقین جانیے اس وقت میرے سامنے جنت کا نقشہ آ گیا اور میں سوچتا تھا کہ یہ دیر بھی کیوں ہو رہی ہے ایک وقت تو وہ تھا کہ فوج نے مسجد وزیر خان کو گھیر لیا تھا اور ہماری گرفتاری ہونے والی تھی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ اب زندہ نہیں رہنا اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت پر قربان ہونا ہے۔ چنانچہ میں نے اعلان کیا کہ جن لوگوں کو یہاں رہنا ہے وہ اپنی موت کا فیصلہ کر لیں اور جو ذرا بھی خوف محسوس کریں وہ یہاں سے جا سکتے ہیں۔ تقریباً 400 ساتھیوں میں سے صرف ڈیڑھ سو باقی رہ گئے ان میں قطعی کوئی کمزوری نہیں تھی اس وقت بھی میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا اور دل بالکل مطمئن تھا یہی حال جیل میں موت کا حکم سن کر ہوا۔ نیازی صاحب بھی موت کا حکم سن کر اشعار پڑھتے ہوئے آئے۔ ہماری سزا تین قسطوں میں کم ہوئی۔ آخر میں میری سزا سات سال اور مولانا مودودی اور عبدالستار نیازی صاحب کی سزا چودہ چودہ سال رہی اور حکام نے خواہش ظاہر کی کہ یہ اپیل کریں تو اسے بھی کم کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا واقعات تو بہت طویل ہیں لیکن جس وقت لاہور ہائی کورٹ میں یہ کیس چل رہا تھا تو منیر صاحب نے مختلف علماء کے بیانات لیے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ علماء کو ذلیل کیا جائے اور انہیں جاہل ثابت کیا جائے اس مقصد میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے مسلمان کی تعریف پر میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھائی گھنٹہ کا بیان دیا۔ جس پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری

وغیرہ بہت متاثر ہوئے اور وہ اس قدر مفصل جواب تھا کہ جسٹس منیر خود کہنے لگا کہ مولانا میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں اور پھر مزید سوالات کرنا شروع کر دیئے اسی میں انہوں نے والد صاحب سے ایک سوال کیا کہ مولانا اس اخبار میں یہ لکھا ہے کہ آپ نے ایک تقریر میں کہا کہ اگر مسلمان فوج کو ختم نبوت تحریک کے سلسلے میں مسلمانوں پر گولی چلانا پڑی تو یہ ان کے لیے حرام ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ یہ پرانی باتیں ہیں اور بہت سی چیزیں قید میں رہنے کی وجہ سے ذہن سے نکل گئی ہیں۔ بہر حال اگر اخبار میں لکھا ہے تو کہا ہوگا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے شرعی مسئلہ پوچھتا ہوں کہ ایسے موقع پر کیا فوج کے لیے گولی چلانا جائز ہوگا۔ تو والد صاحب نے کہا کہ یہ حرام ہے۔ تو جسٹس منیر نے کہا کہ مولانا آپ سوچ کر جواب دیجیے یہ ہائی کورٹ ہے۔ یہاں سوچ کر جواب دیں۔ اس وقت والد صاحب نے کہا کہ اگر یہ فوجی عدالت بھی ہوتی تو بھی میرا جواب یہی ہوتا اور میں اپنے موقف سے نہیں ہٹتا۔ اخبارات نے سرخیوں کے ساتھ اس چیز کو شائع کیا۔

سوال: کیا آپ کے والد صاحب مجلس عمل کے رکن تھے۔

جواب: جی ہاں۔ انہیں علمائے مجلس عمل کا صدر منتخب کیا تھا اور تحریک ختم نبوت میں انہوں نے قیادت بھی کی اور مولانا غلام اللہ بھی جب اس سلسلے میں والد صاحب کے پاس آئے تو انہوں نے ان پر پورے اعتماد کا اظہار کیا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تو اپنی تقریروں میں بھی ان کی اس بہادری اور دلیری کا تذکرہ کیا جس کا مشاہدہ انہوں نے جیل میں کیا تھا۔ وزیر آباد میں ایک جلسہ میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا تھا کہ ہم تو جیل کے عادی ہی تھے لیکن جب یہ سید زادہ جیل گیا تو ہم نے وہاں اسے صبر اور حلم کا پہاڑ پایا۔ یہ ان کے تاثرات تھے والد صاحب کے بارے میں۔ سکھر جیل میں 125 ڈگری گرمی تھی۔ ٹین کی چادریں تھیں اور تاریک کمرے تھے۔ کراچی جیل میں والد صاحب کو بھی میری یاد آتی تو رو دیا کرتے اور ایک بار تو انہیں اطلاع ملی کہ مجھے گولی ماردی گئی تو وہ جیل میں دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ اگر ایسا ہوا ہے تو ناموس محمد ﷺ کی خاطر قربانی دینے والے خلیل کی قربانی قبول فرما۔ اور ایک خلیل نہیں ہزار خلیل ناموس مصطفےٰ ﷺ پر قربان ہیں اور اگر وہ زندہ ہے تو اسے اپنی حفاظت میں رکھ۔ ان ہی حالات میں انہوں نے تفسیر الحسنات مرتب فرمائی۔ یہ تفسیر چھ جلدوں میں مرتب

ہوئی پہلے دس پارے سکھر جیل میں مرتب کیے اور فرماتے تھے کہ جب مجھے تمہاری یاد آتی تھی تو قرآن شریف کھول لیتا تھا اور تفسیر لکھنا شروع کر دیتا تھا اور اس کے بعد مجھے بہت سکون ملتا تھا۔ تقریباً ایک مہینے 25 دن میں شاہی قلعہ میں رہا۔ چھ مہینے تک ہمیں ایک دوسرے کی بالکل خبر نہ تھی۔ جب میں سینٹرل جیل میں آیا تو مجھے خط دیا گیا کہ میں والد صاحب کو لکھوں۔ چنانچہ میں نے انہیں لکھا یہ خط شمسی صاحب کو ملا اور اس میں میری سزائے موت کی اطلاع تھی وہ لے کر والد صاحب کے پاس گئے لیکن انہوں نے اس بات کو کچھ دیر چھپانا چاہا والد صاحب تفسیر لکھ رہے تھے انہوں نے خود ہی پوچھا کہ خلیل کی کوئی اطلاع آئی ہے۔ اس پر انہیں خط دکھانا پڑا۔ والد صاحب نے نہایت ہی اطمینان کا اظہار کیا اور کہا اس میں چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ واقعہ لاہور جیل کا ہے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری نے اخبارات میں بھی یہ بیان دیا تھا میں بھی اس دن وہاں موجود تھا۔

سوال: آپ کے والد محترم کتنے عرصہ جیل میں رہے؟

جواب: تقریباً ایک سال دو ماہ۔

سوال: اس کے بعد کتنے عرصہ حیات رہے؟

جواب: ان کا انتقال 1961ء میں ہوا۔ جیل سے 1955ء میں آئے تھے۔

سوال: والد صاحب کی کوئی یادگار تقریر؟

جواب: میرے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ ایک تقریر میں انہوں نے علماء سے فرمایا کہ جس شخصیت کا آپ زندگی بھر کھاتے رہے اس کے نام پر اب قربان ہونے کا وقت آ گیا ہے اب گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اسی قسم کی جوشیلی تقاریر دیگر علماء بھی کرتے تھے۔

سوال: کیا قادیانی تحریک ابتداء ہی سے سیاسی بنیادوں پر چلی تھی۔

جواب: قادیانی تحریک سیاسی نوعیت پر شروع نہیں کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف مذہبی بنیادوں پر شروع کی گئی تھی۔ لیکن بعض لوگوں نے اس سے سیاسی مقاصد حاصل کرنا چاہے اور ان لوگوں میں دولتانہ اور خواجہ ناظم الدین شامل ہیں۔ علماء اہلسنت اس تحریک میں صرف مذہبی طور پر ہی شریک ہوئے اور علماء اہلسنت ہی سب سے زیادہ گرفتار ہوئے۔

مولانا شاہ احمد نورانیؒ

مولانا شاہ احمد نورانیؒ معروف مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی کے صاحبزادے تھے۔ آپ 1974ء کی تحریک ختم نبوت میں صف اول کے قائدین میں شمار کیے جاتے تھے۔آپ کے والد گرامی مولانا عبدالعلیم صدیقی اور مولانا لال حسین اختر بیرون ملک تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ کے کچھ اسفار میں اکٹھے رہے۔اس بناء پر مولانا نورانی مولانا لال حسین اختر کا بہت احترام کرتے تھے۔1953ء کی تحریک میں کراچی کی سطح پر مولانا نورانی کا نمایاں کردار رہا۔1974ء میں حزب اختلاف کی طرف سے اسمبلی میں قرارداد پیش کرنے کی سعادت مولانا نورانی نے اور مرزا ناصر کے محضرنامہ کے جواب میں ''ملت اسلامیہ کا مؤقف'' پڑھنے کی سعادت مولانا مفتی محمود نے حاصل کی۔1984ء کی تحریک میں آپ نے اپنی نیابت کے لیے مولانا عبدالستار خان نیازی اور مولانا مفتی مختار احمد نعیمی کے نام تجویز کیے اور ہر دو حضرات نے اس تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ذیل میں آپ کے انٹرویو سے چند سوال و جواب نقل کیے جاتے ہیں جس سے آپ کی خدمات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

سوال: بیرونی ممالک میں کبھی قادیانیوں سے آپ کا واسطہ پڑا ہے؟

جواب: بیرونی ممالک میں متعدد بار قادیانیوں سے واسطہ پڑا ہے۔نیروبی' دارالسلام' ماریشس اور لاطینی امریکہ میں سرینام۔ برٹش گیانا اور ٹرینی ڈاڈ کے مقامات پر بھی سابقہ پڑا اور مناظرے بھی ہوئے۔

الحمدللہ ان مناظروں میں جو پانچ پانچ اور چھ چھ گھنٹے جاری رہتے تھے مجمع عام میں قادیانیوں کو مکمل شکست دی۔قادیانیوں کا لندن سے رسالہ نکلتا ہے۔اسلامک ریویو اس کے ایڈیٹر سے 1968ء میں ٹرینی ڈاڈ میں مناظرہ ہوا۔جو ساڑھے پانچ گھنٹے چلتا رہا اور بالآخر وہ کتابیں وغیرہ لے کر بھاگ گئے۔دوسرا مناظرہ جنوبی امریکہ میں سرینام کے مقام پر ہوا۔قادیانیوں کے مشہور مناظر موجود تھے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔نیروبی میں مرزائی مناظر مبارک احمد کے نام سے تھا۔مناظرے کی تاریخ مقرر ہوئی۔لیکن وہ فرار ہو گیا ارو اسی طرح بے شمار مناظرے ہوتے رہے اور یہ لوگ

میدان چھوڑ کر بھاگتے رہے۔ اسی طرح میں نے عقیدہ ختم نبوت کو ثابت کیا اور ان کے کفر کو باطل کیا۔

سوال: اس کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے توبہ کی یا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

جواب: الحمد للہ اس کے نتیجے میں اب تک تقریباً 600 قادیانیوں نے توبہ کی ہے اور یہ ان مناظروں اور ان کے راہ فرار اختیار رکنے کے بعد ہوا اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ جھوٹے اور فریبی ہیں۔

سوال: تحریری طور پر آپ نے اس سلسلے میں کیا کچھ کام کیا ہے؟

جواب: افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبۂ دینی میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس کا عملی مظاہرہ کچھ دیر سے ہوتا ہے۔ تحریری طور پر ختم نبوت پر انگریزی زبان میں میرے پاس کتاب ہے جس میں میں نے ایک سو سے زائد آیات اور تین سو سے زائد احادیث نبوی سے صراحتاً حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کو ثابت کیا ہے لیکن وہ کتاب طبع نہیں ہو سکی اور نہ ابھی اس کے طبع ہونے کی امید ہے اس لیے کہ وہ ضخیم بھی ہے اور اس کی طباعت کے اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔ پہلے اس کی طباعت پر تقریباً 25000 روپے کے خرچے کا اندازہ تھا۔ اب کاغذ کی گرانی کے سبب اس کے اخراجات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لیے فی الحال اس کی طباعت ممکن نہیں۔ اور دوسری کتاب میں نے اس سلسلے میں لکھی تھی جس کو مرزائی اپنے عقیدے کی بنیاد بتاتے ہیں...... ''حیاتِ مسیح علیہ السلام'' اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کو ثابت کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ مرزا غلام احمد کا دعویٰ کہ میں مسیح ہوں جھوٹ پر مبنی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ابھی نہیں ہوا ہے۔ باہر کی دنیا کیونکہ مرزائیوں کے حالات سے بہت ہی کم باخبر ہے۔ اور ان کو دھوکہ دینے کا موقع بآسانی مل جاتا ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی وغیرہ میں لٹریچر زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے اور تقسیم کیا جائے۔ اگر صاحب خیر مسلمان اس طرف توجہ فرمائیں اور ان کتابوں کی طباعت کا انتظام کروا دیں اور انہیں مفت تقسیم کرا دیں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ان کا کوئی معاوضہ لوں کوئی بھی انہیں شائع کرا کے کسی بھی

قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔ میرا مقصد مسلمانوں کو قادیانیت اور مرزائیت کے خطرناک عزائم سے آگاہ کرنا ہے۔

فرانسیسی اور انگریزی تذکرے پر مجھے ایک بات یاد آئی جو میں بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مرزا غلام احمد خود انگریزوں کا پروردہ ہے اور یہ بات مرزا غلام احمد نے اپنی تحریروں میں بھی تسلیم کی ہے۔ کیونکہ انگریز چاہتے تھے کہ مرزا غلام احمد کو مسلمانوں کا مرکز عقیدت بنا دیا جائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا مرکز عقیدت مدینہ منورہ ہے اس کی طرف سے یہ لوگ ہٹ جائیں اور ہندوستان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ بہرحال کیونکہ یہ انگریز کے پروردہ ہیں اس لیے جہاں جہاں انگریز بستے ہیں دنیا کا کوئی کونہ ہو وہاں بڑی آسانی سے انگریزوں نے ان کے دفاتر قائم کرائے اور ان کو امداد دی۔ یہ بھی حیرتناک بات ہے کہ اسی افریقہ کی سرزمین پر فرانسیسی نوآبادیاں تھیں۔ جہاں جہاں فرانسیسی نوآبادیاں تھیں وہاں فرانس نے مرزائیوں کو داخل نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ آج بھی وہاں مرزائیوں کا وجود نہیں ہے۔ حالانکہ اب وہ نوآبادیاں آزاد ہو چکی ہیں، انگریزوں کی آبادیوں میں ان کے مراکز موجود ہیں اور فرانسیسی سمجھتے ہیں کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اس لیے وہ انہیں کبھی بھی اپنی نوآبادیوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔

سوال: 1953ء میں پاکستان میں جو تحریک چلی تھی ان دنوں آپ پاکستان میں تھے یا نہیں؟

جواب: اس زمانے میں میں پاکستان میں تھا اور کراچی میں اس تحریک میں مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم اور دیگر علماء کے ساتھ شریک تھا۔ آرام باغ میں جمعہ کے دن اس مہم کا آغاز کیا گیا اور اس میں پیش پیش تھا۔ رضا کاروں کو گرفتاری کے لیے تیار کیا گیا اور دیگر اہم انتظامات کیے گئے۔

سوال: آپ کے والد ماجدؒ اس زمانے میں کیا تبلیغی دورے پر تھے؟

جواب: والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں افریقہ کے تبلیغی دورے پر تھے۔

سوال: کیا آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کی بیخ کنی کے لیے مناظرے کیے اور تحریری طور پر کوئی کام کیا ہے؟

جواب: میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء سے آخر تک افریقہ' ملیشیا' سیلون' یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر ہمیشہ لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی زبان میں تصنیف THE MIRROR کے نام سے موجود ہے جو ملی پبلیکیشنز نے شائع کی ہے اور اردو زبان میں۔ ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' تصنیف موجود ہے۔ عربی زبان میں مصر کی چھپی ہوئی ''المرآۃ'' ہے۔ انڈونیشی زبان میں بھی ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' کتاب کا ترجمہ ہوا۔ اور اس کی اشاعت کے بعد ملیشیاء میں بہت زبردست تحریک اٹھی۔ یہاں تک کہ ملیشیاء میں مرزائیوں کا داخلہ تک ممنوع ہو گیا تھا۔

مولانا عبدالستارؒ خان نیازی

مولانا عبدالستار خان نیازی جمعیت علماء پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ آپ کئی بار قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ایک بار وفاقی وزیر مذہبی امور بھی بنے۔ آپ نے 1953ء کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور سزائے موت کا حکم آپ کو سنایا گیا۔ ''کلام شاعر بزبان شاعر'' کے مصداق اس عہد جنوں کی داستان **مولانا نیازی کی زبانی حسب ذیل ہے جو کہ آپ کے ایک انٹرویو سے نقل کی گئی ہے۔**

سوال: آپ نے اس تحریک میں بہت سرگرمی سے حصہ لیا تھا' کیا آپ اس کی کچھ تفصیل بتائیں گے؟

جواب: اس تحریک میں علماء نے جب حصہ لیا تو برکت علی سال میں ایک کنونشن ہوا۔ یہ قصہ 1951ء کا ہے۔ اس میں ہم سب لوگ شریک ہوئے۔ وہاں یہ طے پایا تھا کہ کراچی میں ایک آل پاکستان کنونشن ہو۔ اس کے لیے تیرہ آدمیوں کو منتخب کیا گیا تھا۔ میں بھی ان میں پنجاب کی طرف سے بطور نمائندہ منتخب ہوا تھا۔ احرار کے ساتھ ہم نے ایک مجلس عمل تحفظ ختم نبوت بنائی تھی اور اس میں علماء اہلسنت کو بھی شامل کیا گیا۔ مولانا ابوالحسنات صاحب کو مجلس عمل کا قائد بنایا گیا۔ علماء اہلسنت نے بہت سرگرمی سے کام کیا۔ لیکن میں نے اس مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام ضوابط کے تحت کام نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے مجھے اس میں شامل نہیں کیا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی بساط کے مطابق ملک بھر کا دورہ کیا اور یہ تین مطالبات کہ مسلمان کی تعریف کی جائے۔ یہ طے

کیا جائے کہ قادیانی مسلمان ہیں؟ ظفر اللہ کو ہٹایا جائے اور کلیدی اسامیوں پر غیر مسلموں کا تقرر نہ کیا جائے۔ یہ مطالبات تفصیل سے پہلے آ چکے ہیں۔ مجھے ایک خصوصیت یہ حاصل تھی کہ میں اسمبلی کا ممبر تھا۔ اور ممبران اسمبلی سے میرا تعلق رہتا تھا۔ علاوہ ازیں میں نے تحریک پاکستان میں جو کام کیا تھا اس کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکنان وغیرہ سے میرے تعلقات تھے اور کالجوں وغیرہ میں بھی طلباء سے تعلقات تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت نے کراچی میں کنونشن کیا۔ اس کے تیرہ نمائندں میں میرا بھی نام تھا' لیکن مجھے اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ گرم اور تیز آدمی ہے اور اس کی وجہ سے وقت سے پہلے تصادم نہ ہو جائے۔ جب یہ تحریک تیز ہوگئی اور کراچی میں ملاقات کے لیے یہ حضرات گئے تو پتہ چلا کہ یہ گرفتار ہو گئے۔ یہ 25 فروری 1953ء کی بات ہے۔ میرا ان سے یہ اختلاف تھا کہ لاہور کے آپ کے قافلے کراچی یعنی 750 میل دور جا کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کریں۔ یہ کوئی پراثر چیز نہیں ہوگی دولتانہ غلط کہتا ہے کہ میں تمہاری تحریک سے متفق ہوں۔ اگر تحریک سے متفق ہے تو صوبائی اسمبلی میں جا کر قرارداد پاس کرے اور دوسری بات یہ کہ دولتانہ بھی خواجہ ناظم الدین ہی کا بنایا ہوا ہے' میری رائے یہ تھی کہ کراچی والے کراچی میں' پنجاب والے پنجاب میں اور سرحد والے سرحد میں کام کریں اور یہ تحریک ملک گیر صورت اختیار کر لے اور صوبے مجبور ہو کر مرکز پر دباؤ ڈالیں اور ہمارے مطالبات مرکز تسلیم کرے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ کراچی جانے سے مجھے اختلاف ہے۔ علماء کی گرفتاری کی اطلاع مجھے جمعہ کے دن داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تقریر کے دوران ملی تھی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ قافلہ جانے والا ہے۔ تو میں نے کہا کہ اس کی بجائے پنجاب اسمبلی کا گھیراؤ کیا جائے اور انہیں مجبور کر دیا جائے کہ وہ مرکز سے ہمارا مطالبہ تسلیم کرائیں۔ تحریک چلتی رہی یہاں تک کہ سب قائدین گرفتار ہو گئے۔ ان کی گرفتاری کے بعد تحریک ختم ہونے لگی۔ لیکن میں نے کہا کہ یہ تحریک ختم نہیں ہونا چاہیے چنانچہ 27 اور 28 مارچ کو میں نے علماء سے ملاقات کی مولانا غلام غوث صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور پھر ہم لوگ مل کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور

انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ یہ تحریک آگے بڑھانی ہے۔ مولانا نے کہا کہ آپ کچھ دیر بعد آئیں تاکہ کچھ اور لوگ آجائیں اور پھر فیصلہ کیا جائے۔ وہاں مولانا مودودی نے کہا کہ میں ابھی تحریک میں شامل نہیں ہوتا۔ جب تحریک فیل ہونے لگے گی تو میں اس کو سنبھال لوں گا۔ میں نے کہا مولانا آپ اس کو نہیں سنبھال سکتے۔ میں نے علماء اور کارکنان کو جمع کیا اور ایک پرامن جلوس کا پروگرام بنایا۔ اس وقت بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا رابطہ جیل میں مجلس عمل کے حضرات سے تھا۔ ان کی معرفت ہم نے ان کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے کہا کہ اب کراچی میں گروپ بھیجنے کی بجائے لاہور میں ہی کام کیا جائے کیونکہ لاہور اور پنجاب سے جو گروپ بھیجے جاتے تھے انہیں راستے ہی میں اتار لیا جاتا تھا۔ غرضیکہ میں نے تحریک کو از سر نو منظم کرنے کا فیصلہ کیا اور 28 فروری کو اعلان کیا کہ آج تک یہ مذہبی تحریک تھی اب یہ سیاسی تحریک بھی ہے۔ چنانچہ میں نے اس تقریر میں صفحہ 28 اور 29 پر لکھا ہے۔

تحریک صرف مذہبی نہیں تھی:

یہ ایک مشہور مسئلہ ہے کہ مسلمان کا دین اس کی دنیا سے جدا نہیں۔ مسلمان کی سیاست اس کی عبادت سے منقطع نہیں باوجود اس تحریک کو ان معنوں میں بار بار مذہبی تحریک کہا گیا ہے گویا یہ ایک سیاسی، اقتصادی اور عالمگیر تحریک نہ تھی جب ''مذہبی'' کا لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کی وہی گت بن جاتی ہے جس طرح ''مذہبی سکھوں'' کی ترکیب لفظی میں مذہب کا اسلامی مفہوم مسخ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ تحریک تحفظ ختم نبوت ان معنوں میں ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں ''تحریک قیام پاکستان'' ایک مذہبی تحریک تھی جن معنوں میں ''تحریک حصول کشمیر'' ایک مذہبی تحریک ہے اور جن معنوں میں سود کی ممانعت سے پاکستان کی اقتصادیات کو مغربی بنک کاری کے انسانیت کش اثرات سے نجات دلانے کی تحریک ایک مذہبی تحریک ہوگی۔ اس غلط فہمی اور غلط بیان کی ابتداء اس ماحول میں ہوئی جبکہ ''راست اقدام'' کو بغاوت کے مترادف قرار دینے کی ناجائز کوشش جاری تھی۔

تحفظ ختم نبوت کے مسئلہ کے دینی پہلو کو یکسر علیٰحدہ رکھتے ہوئے تین سراسر دنیاوی مسائل ایسے تھے جو پاکستان کو درپیش تھے اور درپیش ہیں۔ اور جن کا حل سوائے ختم نبوت کے اصول کو

پاکستان کی سیاست' پاکستان کی اقتصادیات اور پاکستان کی خارجہ پالیسی کا محور اور مرکز بنائے بغیر ممکن نہ تھا۔

پھر میں مسجد وزیر خاں میں چلا گیا اور وہاں سے تحریک کو آگے بڑھایا اور تحریک پرامن چلتی رہی۔ میں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ مثبت نعرے لگائیں اور تصادم سے بچیں جبکہ حکومت یہ چاہتی تھی کہ تصادم ہو اور میں نے تصادم کے سب راستے بند کر دیئے۔ حکومت نے بہت کوشش کی کہ گڑبڑ پیدا کی جائے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس تحریک میں جو آدمی بھی شریک ہوتا تھا وہ یہ طے کر کے آتا تھا کہ ناموس مصطفےٰ ﷺ کے لیے جان دے گا۔ ہم نے طے کیا کہ اگر لاٹھی چارج ہوا تو لاٹھیاں کھاتے رہیں گے چنانچہ یہی ہوا لیکن مولانا خلیل صاحب نے مشورہ دیا کہ ایسے موقع پر سب زمین پر لیٹ جائیں پولیس نے لوگوں کو اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھے۔ ایک ڈی ایس پی نے ایک نوجوان کو ٹھوکر لگائی۔ اس کی بغل میں حمائل تھی اور وہ دور جا پڑی اور پھٹ گئی۔ کچھ نوجوان اس ڈی ایس پی کو دیکھ رہے تھے۔ اس دن تین جلوس روانہ کیے گئے تھے' گورنمنٹ ہاؤس' سول سیکرٹریٹ اور ڈسٹرکٹ کورٹ کی طرف' یہ لوگ پرامن طور پر واپس آ گئے۔ کچھ گرفتاریاں بھی ہوئیں۔ ڈی ایس پی کے ٹھوکر لگانے پر لوگ بپھر گئے۔ وہاں ایک آدمی تھا جس کا نام میں لینا نہیں چاہتا۔ اس نے دہلی دروازے کے باہر تقریر میں اس واقعہ پر لوگوں کو بھڑکا دیا۔ میرا ہیڈ کوارٹر مسجد وزیر خاں تھا۔ ان کی اسکیم یہ تھی کہ اس شخص کو پکڑ کر لے جانے سے تحریک ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دیکھا کہ کس وقت میں اکیلا ہوتا ہوں۔ عصر کی نماز میں عام طور پر میں کام کی زیادتی کی وجہ سے آخری صف میں کھڑا ہوتا تھا۔ انہوں نے اسکیم بنائی کہ آدمی بھیج کر اسے اٹھوا لیا جائے۔ میں مسجد کے حجرے میں بیٹھا نوجوانوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ایک شخص آیا اور دیکھ کر واپس چلا گیا۔ میں نے نوجوانوں کو بتایا کہ یہ آدمی مشکوک نظر آتا ہے اس کا تعاقب کرو نوجوان اس کے پیچھے گئے لیکن اسے پکڑ نہ سکے۔ اس کے کچھ دیر بعد ڈی ایس پی پولیس کا ایک جتھا لے کر وہاں آیا اور مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ ہم نے مسجد کے باہر باقاعدہ پہرہ لگایا ہوا تھا۔ اور کوڈ ورڈز سے اطلاعات دیتے تھے۔ رضاکاروں نے دروازے پر انہیں روک لیا۔ اور ڈی ایس پی کو موقع پر ہی لڑکوں نے قتل کر دیا۔ کچھ پولیس والے بھی زخمی ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ کل پھر تشدد کیا جائے اور میں سمجھ گیا تھا کہ حکومت اپنی چال میں کامیاب ہو گئی ہے۔ ہمارا طریقہ یہ تھا کہ دن بھر تقریریں

ہوتی تھیں اور رات کو بھی تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ رات کو ایک ڈیڑھ بجے ہم لوگ مسجد سے ایک اور پوشیدہ محفوظ مقام پر منتقل ہو جاتے تھے۔ میں چوکنا ہو گیا تھا۔ میں نے 4 تاریخ کو جلسے میں ایک قرارداد پاس کرائی کہ جن لوگوں نے ڈی ایس پی کو قتل کیا ہے انہوں نے برا کیا ہے اور وہ ہمارے آدمی نہیں۔ وہ حکومت کے آدمی ہیں اور اس طرح تحریک کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور ہماری پرامن تحریک کو انتشار کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں اس لیے نوجوان پرامن رہیں اور اس تحریک کے دوران ڈیوٹی پر جو مسلمان ہلاک ہوں گے وہ شہید ہوں گے اور یہ قرارداد پاس ہو گئی۔ صبح کو ہم نے پروگرام شروع کیا۔ لیکن صبح تشدد کیا گیا اور بے تحاشہ فائرنگ کی گئی۔ قادیانی بھی فوج اور پولیس کی وردیوں میں آ کر بے تحاشہ فائرنگ کرنے لگے۔ ہمارے نوجوان علماء نے اس موقع پر جو قربانیاں دیں انہیں سن کر یقیناً آپ دنگ رہ جائیں گے۔ جب مسجد وزیر خان سے ہمارے دستے نکلتے تھے تو دہلی دروازے کے باہر چار نوجوانوں کی ڈیوٹی تھی انہوں نے ایک ایک کر کے چاروں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ہمارا ایک جلوس مال روڈ سے آ رہا تھا اور اس کے نعرہ صرف لا الٰہ الا اللہ، نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت تھے۔ وہاں پر زبردست فائرنگ ہوئی وہاں نوجوان سینہ کھول کھول کر سامنے آئے اور جام شہادت نوش کرتے رہے۔ یہ پانچ تاریخ کا واقعہ ہے۔ 6 تاریخ کو جمعہ تھا انہوں نے یہ شرارت کی کہ ایک پوسٹر نکالا جس میں اعلان کیا گیا کہ آج نیازی جمو شاہی مسجد میں پڑھائیں گے تاکہ ہماری قوت بٹ جائے۔ میں نے ایک جیپ کے ذریعے اعلان کیا اور اس پوسٹر کی تردید کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 6 تاریخ کو شاہی مسجد میں ہمارا کوئی آدمی نہیں گیا۔ اسی دن مارشل لاء لگا دیا گیا۔ ہماری تحریک کامیاب ہو چکی تھی۔ صوبائی حکومت نے میرے پاس اسمبلی کے اسپیکر کو بھیجا اور کہلوایا کہ پنجاب کی حکومت آپ کے مطالبات حکومت کو پہنچائے گی اور آپ سے بات چیت کرے گی۔ اس سے پہلے گورنر نے ان معاملات کو روکنے کے لیے بہت کوششیں کیں ہم نے ان سے وعدہ کیا کہ تحریک پرامن رہے گی اور آپ کو ہماری تحریک کو ختم کرنیکی کوششیں ختم کرنا ہوں گی۔ تاریخ کی رات کو ہمارے آدمی خوف وہراس کی وجہ سے اور بجلی کے نظام کے ختم ہو جانے کی وجہ سے نہیں آئے۔ میں نے حاضرین کو بتایا کہ آپ کی تحریک کا محافظ اللہ ہے اور مردانہ وار بڑھتے رہو۔ چنانچہ 7 تاریخ کو پورے اہتمام سے پروگرام جاری رکھے گئے اور بڑا زبردست اجتماع ہوا۔ مسجد وزیر خان کو میں نے ایک قلعہ قرار دیا جسے کوئی فتح نہیں کرسکتا۔ مارشل لاء کے باوجود

7 اور 8 کو جلسے ہوتے رہے ان حالات میں ہم نے کسی اور جگہ مرکز بنانے کے متعلق سوچا۔ 9 تاریخ سے اسمبلی کا سیشن شروع ہو رہا تھا۔ اس لیے میں اس پوشیدہ جگہ سے منتقل ہو گیا۔ 9 تاریخ کو ہمارے دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ میرے خلاف ایک مقدمہ قتل درج کر لیا گیا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ میں سیدھا اسمبلی میں داخل ہو جاؤں۔ میں نے سوچا کہ لاہور سے باہر چلا جاؤں اور کوئی روپ دھار کر گاڑی میں آؤں اور سیدھا اسمبلی ہال میں داخل ہو جاؤں۔ میں نے 16 تاریخ کو اسمبلی میں شریک ہونے کا پروگرام بنایا۔ بہر حال اسمبلی سیشن 22 تاریخ تک کے لیے ملتوی ہو گیا۔ میں ریڑھی میں بیٹھ کر مسلح نوجوانوں کی حفاظت میں لاہور سے نکل گیا۔ ہم بے شمار تکالیف کے بعد اوکاڑہ پہنچے۔ وہاں سے پاک پتن شریف گئے۔ ملٹری مجھے تلاش کرنے میں پوری طرح مصروف تھی۔ پاک پتن سے میں قصور گیا۔ قصور میں جن لوگوں کے ہاں میں رہا انہوں نے غداری کی اور ملٹری کو اطلاع کر دی۔ اگر مجھے آدھ گھنٹہ اور مل جاتا تو میں اسمبلی گیٹ کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ فوج کے قبضے میں جانے سے پہلے اسمبلی میں تقریر کروں اور اپنی تحریک کے بارے میں پوری تفصیلات بتا دوں وہاں سے روانگی سے پہلے وہ آ گئے اور مجھے گرفتار کر کے قصور اسٹیشن لے گئے۔ میرے ساتھ بشیر مجاہد بھی تھا۔ اسے بھی گرفتار کر لیا ہمیں قلعہ میں لایا گیا۔ 23 مارچ سے 9 اپریل تک ہم قلعہ میں رہے۔ مجھے 10 ستمبر کو کوٹھری میں بند کر دیا گیا اور سب کچھ معلومات حاصل کیں۔ میرے بیان کے بعد ایس پی نے کہا کہ آپ کا مقصد تو ٹھیک تھا وہاں سے مجھے جیل منتقل کیا گیا اور مجھے چارج شیٹ دی گئی۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا۔ جو 17 اپریل کو شروع ہوا اور مئی تک چلتا رہا۔ مودودی صاحب کا کیس میرے بعد چلا۔ 7 مئی کو 9 بجے مجھے بلایا گیا اور اسپیشل ملٹری کورٹ کا ایک آفیسر اور ایک کیپٹن میرے پاس آئے۔ مجھے ایک کمرے میں لے گئے جہاں قتل کے کیس کے اور ملزم بھی تھے۔ قتل کا کیس ثابت نہ ہو سکا۔ دوسرا کیس بغاوت کا تھا۔ اس میں ثبوت کے لیے میری دو تقریریں تھیں لیکن ان میں بغاوت کا کوئی جملہ بھی نہیں تھا۔ کیس ختم ہو گیا اور مجھے قتل کے کیس سے بری کر دیا گیا اور دوسرے کیس کے متعلق انہوں نے مجھے ایک آرڈر پڑھ کر سنایا۔ ''تمہیں گردن سے پھانسی پر چڑھایا جائے گا یہاں تک کہ تم مر جاؤ۔'' میں نے یہ آرڈر لے لیا اور اس افسر نے مجھ سے کہا کہ اس پر دستخط کرؤ میں نے کہا جب میں رسی کو چھوؤں گا تو اس پر دستخط کروں گا۔ اس نے کہا تمہیں اس پر ابھی دستخط کرنا ہوں

گے' میں نے کہا کہ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں جس وقت پھانسی پر پہنچوں گا تو اس پر دستخط کروں گا۔ میں جیل میں ہوں' میں آپ کے پنجوں میں ہوں مجھے لے جاؤ اور پھانسی دے دو اور میں دستخط کر دوں گا۔ انہوں نے پھر کہا کہ دستخط کرو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس پر وہ بولا کہ آفیسر ہم سے پوچھیں گے کہ تم نے نوٹس دے دیا یا نہیں۔ میں نے کہا بہت تعجب ہے کہ میں جیل میں ہوں اور آپ میرے دستخط مانگ رہے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ اگر آپ کو اپنے افسران ہی کا خوف ہے تو میں آپ کی خاطر اس پر دستخط کیے دیتا ہوں۔ میں نے بڑے اطمینان سے دستخط کیے اور تاریخ ڈال کر انہیں دے دیا۔ اور میں نے کہا کہ یہ تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے میں تو اس سے بھی زیادہ کے لیے تیار تھا۔ انہوں نے میری ہمت کے بارے میں پوچھا۔ تو میں نے کہا کہ تم میری (MORAL) ہمت کے بارے میں پوچھتے ہو وہ تو آسمانوں سے بھی بلند ہے اور تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

؎ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

وہ چلے گئے اور میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اب میں آپ کو دل کی بات بتاتا ہوں کہ جب میں نے موت کا یہ پیغام سنا تو میری کیا حالت تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی اور مجھے قرآن شریف کی یہ آیت یاد آ گئی۔ سورہ ملک **خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملاً**۔ اور میں نے اس آیت سے یہ تاثر لیا کہ موت و حیات کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہے اور یہ لوگ میری زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں کر سکتے اور اگر اس مقصد کے لیے جان جائے تو اس سے بڑی زندگی کیا ہو سکتی ہے۔ بہر حال ان کے جانے کے بعد مجھ پر پھر خوف کا حملہ ہوا لیکن فوراً یہ شعر میری زبان پر آ گیا۔

؎ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر لحظہ از غیب جانِ دیگر است

اس کے بعد جب میں باہر آیا تو جیل والوں نے یہ خیال کیا کہ نیازی کو بھی انہوں نے بری کر دیا ہوگا۔ مجھ سے سپرنٹنڈنٹ نے کہا' نیازی صاحب مبارک ہو۔ بری ہو گئے۔ میں نے کہا اس

سے بھی آگے نکل گیا ہوں۔اس نے کہا کیا مطلب' میں نے کہا کہ اب انشاء اللہ حضور ﷺ کے غلاموں اور عاشقوں کی فہرست کے کسی کونے میں میرا نام بھی درج ہوگا۔ پھر بھی وہ نہ سمجھا۔ میں نے کہا میں کامیاب ہوگیا۔ پھر مجھے ایک الگ کمرے میں لے جایا گیا اور مجھ سے کپڑے اتار کر پھانسی کا لباس پہننے کا حکم دیا گیا۔ مجھے ایک کرتا' پاجامہ' تولیہ اور چادر وغیرہ دیا گیا اور جیل کا لباس پہنا دیا گیا۔ میری سزائے موت کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور جیل کے قیدی تک مجھے دیکھ کر روتے تھے۔ مجھے پھانسی کی کوٹھڑی میں لے جایا گیا۔ میں نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور کہا کہ کتنے عاشقانِ رسولؐ جام شہادت نوش کر رہے ہیں۔ اگر میں ایک اس نیک مقصد کے لیے جان دے دوں گا تو میری بہت خوش قسمتی ہوگی۔ 12 تاریخ کی شام کو مغرب کے بعد میں وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ایام میں نے جیل کی اس کوٹھڑی میں گزارے ان دنوں میری صحت اتنی اچھی ہوگئی کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔ ایک آدمی کو میرے سامنے لایا گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ایک اور مولوی کو سزائے موت ہوئی ہے اور اسے لایا گیا ہے۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ اسے مودودی کہتے ہیں۔ وہ پانی مانگ رہا ہے۔ میں نے شربت بنا کر بھیجا۔ پھر روزانہ پچھلے پہر جب بارکیں تبدیل ہوتیں تو مجھے ایک دن مودودی صاحب سے ملنے کا موقع مل گیا۔ 13 تاریخ کو ان کے صاحبزادے ملنے آئے اور وہ مجھ سے بھی ملے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ بیٹا یہ تمہارے باپ کو پھانسی نہیں دے سکتے۔ ہم لوگ سینٹرل جیل میں تھے۔ ایک دن ملٹری آفیسر بھاگتا ہوا آیا اور مبارک باد دی کہ تمہارا پھانسی کا حکم 14 سال کی سزائے قید میں تبدیل ہوگیا۔ مودودی صاحب نے مجھے مبارکباد دی لیکن میں نے کہا آپ یقین رکھیں آپ کے لیے بھی آرڈر آجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ شام کو ان کے لیے بھی آرڈر آ گیا۔ مولانا خلیل صاحب کو بھی 7 سال کی سزا ہوئی ہے اور دیگر لوگ تھے ہم پانچ آدمی تھے۔ ہمیں اے کلاس دی گئی۔ اس سال ہم نے عید جیل میں کی۔ قیدیوں نے جیل میں مجھے عید کا خطبہ دینے پر مجبور کیا۔ عید سے پہلے مودودی صاحب کو ملتان منتقل کر دیا گیا۔ اس دوران کچھ لوگ معافیاں مانگ کر جانے لگے لیکن میں نے معافی مانگنے سے قطعی انکار کر دیا۔ 23 مارچ 1953ء کو ہمیں گرفتار کیا گیا اور 29 اپریل 1955ء کو ضمانت پر رہا ہوئے۔ یہ ہوگئے دو سال ایک ماہ اور چھ دن۔

حضرت پیر محمد کرم شاہؒ الازہری

(تحریر: حافظ احمد بخش)

مرزا قادیانی کا دست راست اور پہلا جانشین حکیم نورالدین بھیرہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھااوراس کی وساطت سے بھیرہ کا ایک پورا محلہ گمراہی کا شکار ہو گیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس زہر کے تریاق کے لیے بھیرہ کے علماء کرام کو کھڑا کر دیا جن میں مولانا ظہور احمد بگوی' مولانا غلام قادر بھیروی اور حضرت پیر محمد شاہ صاحب (والد گرامی پیر محمد کرم شاہؒ صاحب الازہری) سرفہرست ہیں۔حضرت پیر محمد شاہ صاحب نے مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھوں گمراہ ہونے سے بچانے کے لیے ایک تنظیم قائم کی جس کا نام جنداللہ رکھا گیا۔آپ نے علاقہ بھر کے تبلیغی دورے کیے اوراپنے اسفار میں پیر محمد کرم شاہ صاحب کو ساتھ رکھا اوران کی تربیت کی۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں جا بجا قادیانیت کا رد کیا ہے اور قادیانی جن آیات سے استدلال کرتے ہیں آپ نے ان آیات کی مفصل تشریح بیان کی ہے اور قادیانی شبہات کا قلع قمع کیا ہے۔

1974ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور ماہنامہ ضیائے حرم کا ایک خاص شمارہ بعنوان ختم نبوت نمبر شائع کیا جو کہ خاصا معلوماتی ہے۔

1974ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تو انہوں نے ایمنسٹی انٹرنیشنل جنیوا میں درخواست دائر کی کہ پاکستان میں ہم پر ظلم ہو رہا ہے اور ہمارے حقوق سلب کیے جا رہے ہیں۔ ان کے اس پروپیگنڈہ کے توڑ کے لیے 1988ء میں صدر ضیاء الحق مرحوم نے حضرت پیر صاحب کو روانہ کیا۔صدر صاحب نے کہا کہ یو این او کے ذیلی ادارہ ہیومن رائٹس کے سب کمیشن کا اجلاس 8 اگست سے جنیوا میں ہو رہا ہے۔آپ وہاں جا کر حکومت پاکستان کی نمائندگی کریں اور قادیانی الزامات کا جواب دیں۔آپ 11 اگست کو بھیرہ سے روانہ ہوئے۔اسلام آباد میں وزارت خارجہ کے متعلقہ حکام سے ملاقات کی اور رات ڈیڑھ بجے کی فلائٹ سے براستہ فرینکفرٹ جنیوا پہنچے اور پاکستانی سفیر جناب سفیر دہلوی کے ہمراہ بحیثیت مبصر شریک ہوئے۔ پاکستان ان دنوں کمیشن کا ممبر نہ تھا اس لیے سفیر پاکستان کمیشن کے ممبران میں سے دو تین کو روزانہ کھانے پر

بلاتے رہے اور حضرت پیر صاحب ان کو حقائق سے آگاہ کرتے رہے۔ آپ کی ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ سال ممبران نے کھل کر قادیانیوں کی تائید اور حکومت پاکستان پر تنقید کی تھی اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک ممبر نے بھی قادیانیوں کی تائید نہ کی۔ واپسی پر آپ نے فرینکفرٹ (جرمنی) میں چند دن قیام فرمایا اور مختلف پروگراموں میں قادیانیت کے بخئے ادھیڑے۔

1974ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت پیر صاحب نے ملک بھر میں اہم مشاورتی اجلاسوں میں شرکت کی جبکہ ان کے صاحبزادے دیگر مکاتب فکر کے علماء کرام کے ہمراہ بھیرہ میں سرگرم عمل رہے۔ اس تحریک کے دوران آپ نے الفتح نامی تنظیم قائم کی جس کے سربراہ پیر امین الحسنات شاہ صاحب تھے اور ممبران میں تمام مکاتب فکر کے نوخیز نوجوان تھے۔ اس تنظیم نے بھیرہ اور اس کے گردونواح میں پوری قوت سے تحریک چلائی۔ اس تحریک میں حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کے صاحبزادگان حضرت پیر حفیظ البرکات شاہ صاحب' میجر محمد ابراہیم شاہ صاحب کا کردار بھی مثالی رہا۔

ملخص از مضمون پروفیسر حافظ احمد بخش)

پیر ظہور شاہ سجادہ نشین جلالپور جٹاں

پیر ظہور شاہ رحمۃ اللہ علیہ جلالپور جٹاں ضلع گجرات کے سجادہ نشین تھے۔ آپ شیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف بھی تھے۔ فتنہ مرزائیت کی تردید میں آپ نے ایک کتاب ''قہریزدانی برسر دجال قادیانی'' لکھی تھی۔

مولانا خواجہ محمد ابراہیم مجددی

آپ موضع سیتھل ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور خواجہ غلام نبی للہ شریف ضلع جہلم سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ نے قادیانیت کے رد میں ایک کتاب ''ردمرزا قادیانی'' لکھی تھی مگر افسوس کہ وہ زیور طبع سے آراستہ وپیراستہ ہوکر منصۂ شہود پر جلوہ افروز نہ ہوسکی۔

حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نے قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لیے عصر حاضر میں جو شاندار خدمات سرانجام دی ہیں وہ دوسرے صوفیہ کے لیے روشن مثال ہیں۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے علمائے اہل سنت کے شانہ بشانہ بلکہ بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ ملک گیر دورے فرما کر قادیانی مسئلہ کی اہمیت کو واضح کیا۔ 1974ء کی تحریک میں پیرانہ سالی کے باوجود جگہ جگہ دورے کیے۔ مسلمانوں کو قادیانیوں سے سماجی بائیکاٹ کرنے کی تلقین کی اور حکومت سے پرزور مطالبے کیے کہ مرزائیوں کو جلد از جلد اقلیت قرار دیا جائے۔ یکم ستمبر کو بادشاہی مسجد لاہور میں کل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے جلسہ عام میں آپ نے جو شاندار تقریر کی' وہ آپ کی ایمانی قوت اور عشق رسول ﷺ کے جذبہ کی شاہکار ہے۔

(ماہنامہ ''ضیائے حرم'' ختم نبوت نمبر 1974ء از قلم: محمد صادق قصوری)

مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے مجاہدین

ننکانہ صاحب

لاہوراورننکانہ صاحب کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں سے حضور علیہ السلام سے محبت کی نئی تاریخ رقم کی ہے اور جدید انداز میں نوجوان نسل کو فتنہ قادیانیت کی تاریخ سے آگاہ کیا ہے۔ان حضرات نے تحریر وتقریر کے ذریعہ اخلاص بھری جدوجہد بلکہ دیوانگی کی نئی مثالیں پیش کی ہیں۔ننکانہ صاحب کے غیور مسلمانوں نے ایک قادیانی کوشادی کارڈ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے پراس کے خلاف مقدمہ درج کرایااور عدالت کے ذریعہ اسے سزادلوا کر کیفر کردار پر پہنچا کردم لیا۔ان نوجوانوں میں محمد متین خالد' محمد طاہر عبدالرزاق' عبدالحمید رحمانی اوران کے رفقاء قابل صد تحسین ہیں۔

لاہور کے مجاہدین

مرکز سراجیہ لاہور کے رانا محمد وقار' محمد عمر شاہ' قاری عامر خورشید' مولانا محبوب الحسن طاہراوران کے رفقاء مجلس احرار لاہور کے رہنما میاں اولیس' ڈاکٹر محمد شاہد کشمیری اوران کے رفقاء مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین اوران کے رفقاء انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مولانا قاری محمد رفیق' قاری محمد الطاف گوندل اوران کے رفقاء قابلِ صد تحسین ہیں مخدوم العلماء حضرت سید نفیس شاہؒ صاحب الحسینی مرحوم ان سب حضرات کے سرپرست اور معاون خاص تھے حضرت کی دعائیں ان پر سایہ افگن رہتی تھیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں آمین۔

فیصل آباد

فیصل آباد میں مولوی فقیر محمد' صاحبزادہ طارق محمود (مرحوم) پرانے جانثار ختم نبوت ہیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن (مدینہ ٹاؤن) نوجوان علماء میں ایک مثالی جذبہ رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا مجاہد الحسینی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ حضرت امیر شریعتؒ کے پرانے رفیق ہیں۔ روزنامہ آزاد کے ایڈیٹر رہے ہیں تحفظ ختم نبوت کی خاطر کئی بار قید و بند برداشت کر چکے ہیں

آپ ملک کے ممتاز صحافی ہیں۔ کئی قیمتی کتابوں کے مصنف ہیں بہت کچھ لکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں تحفظ ختم نبوت کی تاریخ کے نشیب و فراز سے جتنا آپ واقف ہیں اتنا واقف شاید ہی کوئی اور ہو کاش کہ آپ تاریخ کی امانت تاریخ کے سپرد کر دیں یعنی سب کچھ احاطہ تحریر میں لے آئیں

علمائے چناب نگر

(۱) مولانا قاری شبیر احمد عثمانی:

مولانا قاری شبیر احمد عثمانی حافظ والا تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے باشندہ ہیں۔ آپ نے جامعہ خیر المدارس اور قاسم العلوم ملتان سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۴ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت سے بطور مبلغ وابستہ ہوئے۔ قادیانیوں کی طرف سے لاحق خطرات کے باوجود آپ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ڈٹے رہے۔ محمدیہ مسجد (اسٹیشن والی) آپ کے زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ اس میں نماز تراویح اور نماز عیدین کا اہتمام کیا گیا۔ خطبہ جمعہ دیتے رہے۔ محمدیہ مسجد میں سالانہ سیرت النبی ﷺ کانفرنس آپ کے زیر نگرانی منعقد ہوتی تھی۔ ۱۹۸۷ء میں آپ جماعت سے علیحدہ ہوئے اور جامعہ عثمانیہ ختم نبوت کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا جس کا سنگ بنیاد حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی' حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ ۱۹۸۷ء سے ہی آپ نے سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد شروع کیا جو کہ (ابتدائی چند سالوں کے علاوہ) انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے زیر اہتمام بڑی شان و شوکت سے ۷ ستمبر کو منعقد ہوتی ہے۔ اس کانفرنس سے ہر مکتبہ فکر کے مرکزی رہنما اور جید علماء خطاب کرتے ہیں۔ آپ

مسجد نورالاسلام کچہری چناب نگر میں ۱۹۸۷ء سے امامت وخطابت کے فرائض سنبھالے ہوئے ہیں۔ قادیانی دفاتر کے پڑوس میں واقع اس مسجد کے سٹیج سے آپ کلمہ حق بلند کرتے رہتے ہیں۔ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں آپ تین بار گرفتار ہو چکے ہیں۔ ۱۰۰ سے زائد قادیانی آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکے ہیں آپ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ میں ابتداء ہی سے شامل ہوئے اور مرکزی سیکرٹری اطلاعات' صوبہ پنجاب کے کنوینر اور مرکزی چیف آرگنائزر کے عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

(۲) مولانا اللہ یار ارشد:

مولانا اللہ یار ارشد کی ساری زندگی قادیانیوں سے معرکہ آرائی میں گزری ہے۔ آپ کچھ عرصہ احرار مسجد چناب نگر میں خطیب ومنتظم رہے۔ بعدازاں الگ ہو کر بخاری مسجد کا انتظام سنبھال لیا۔ آپ قادیانیوں کے اندرونی نظام کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور محرم راز ہیں۔ اس کی پاداش میں قادیانیوں نے آپ پر کئی دفعہ قاتلانہ حملے کیے۔ جن میں آپ شدید زخمی ہوئے۔ آپ متعدد بار گرفتار بھی رہے ہیں۔

(۳) مولانا غلام مصطفیٰ:

مولانا غلام مصطفیٰ منچن آباد ضلع بہاولنگر کے رہنے والے ہیں ایک طویل عرصہ سے بطور مبلغ ختم نبوت چناب نگر میں تعینات ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر واقع چناب نگر کے آپ ناظم اعلیٰ ہیں' خوش اخلاق اور خوش گفتار ہیں۔ جماعتی نظم کے تحت آپ پنجاب میں تبلیغی دوروں پر رواں دواں رہتے ہیں۔

(۴) مولانا محمد مغیرہ:

آپ مدرسہ باب العلوم کہروڑپکا سے فارغ التحصیل ہیں۔ حضرت امیر شریعتؒ کے صاحبزادوں سے دلی انس وعقیدت کی وجہ سے ۱۹۹۴ء میں مجلس احرار اسلام سے وابستہ ہوئے تقریباً ۱۳ سال سے احرار مسجد چناب نگر کے خطیب ہیں اور مدرسہ کا نظم ونسق سنبھالے ہوئے ہیں۔ آپ عمدہ مناظرانہ ذوق رکھتے ہیں اور کئی قادیانی مربیوں کو گفتگو میں لاجواب کر چکے ہیں۔

شعراءِ ختم نبوت

(۱) مولانا ظفر علیؒ خان:

آپ کا تفصیلی تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ آپ مدح و ہجو دونوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے مرزا قادیانی اور مرزا محمود کے کردار اور قادیانی سیاست کو اپنی نظموں میں جس طرح بے نقاب کیا ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔

(۲) علامہ محمد اقبالؒ:

علامہ محمد اقبال کو اس فہرست میں شامل کرنے پر شاید بعض حضرات کو حیرانی ہوگی لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ صاحب نے حضور ﷺ کی منقبت اور مرزائیت کے تعاقب میں جو اشعار لکھے ہیں' اپنے خطوط و مضامین میں جس طرح قادیانیت کو بے نقاب کیا ہے۔ وہ بلا مبالغہ بیسیوں بلکہ سینکڑوں افراد کے کام پر بھاری ہے۔ حضور ﷺ سے آپ کی محبت اور قادیانیت سے نفرت کسی سے مخفی نہیں ہے۔

(۳) جانبازؒ مرزا:

جانباز مرزا ایک صاحب جنوں شخص تھے۔ ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء میں مجلس احرار میں شامل ہوئے۔ قادیانیت اور برطانوی اقتدار کے خلاف باغیانہ نظمیں پڑھنے پر دس سال قید بامشقت کاٹی۔ دینی جلسوں بالخصوص تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں میں اپنی ولولہ انگیز نظموں سے لوگوں کا ایمان تازہ کرتے تھے آپ کاروان احرار سمیت متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کا ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوا۔

(۴) شورش کاشمیریؒ:

انگریز سے نفرت' قادیانیت سے عداوت' شعر و ادب میں کمال' مدح و ہجو میں مہارت' حکمرانوں سے ٹکراؤ' جرات و خطابت۔ ان عناصر سے جو پیکر خاکی تیار ہوا اس کا نام شورش کاشمیری تھا۔ آپ نے یہ اوصاف مولانا ظفر علی خان' امیر شریعت اور مولانا ابوالکلام آزاد کی صحبت میں رہ

کر حاصل کیے۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف بیسیوں نظمیں لکھیں اور مولانا ظفر علی خاں کی روایت برقرار رکھی۔ آپ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

(۵) سائیں محمد حیات پسروریؒ (۶) علامہ میر ناسکؒ امرتسریؒ (۷) محمد ابراہیم خادمؒ

(۸) عبدالرحیم عاجزؒ

سردست ان سب حضرات کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ معلوم کر کے طبع ثانی میں شامل کیے جائیں گے۔ مختصر یہی ہے کہ یہ سب حضرات تازیست مجلس احرار میں شامل رہے اور حمد و نعت کے ترانے پڑھنے میں زندگی گزاری۔

(۹) سید محمد امین گیلانیؒ:

سید محمد امین گیلانی کو بجاطور پر شاعر حریت اور شاعر ختم نبوت کے القاب سے یاد کیا جاتا تھا' آپ حضرت امیر شریعتؒ کے رفقاء میں سے تھے' پاکستان بننے سے قبل مجلس احرار اسلام میں شامل ہوئے اور برطانوی سامراج اور قادیانیت کے خلاف نظمیں پڑھ کے لوگوں کو گرماتے تھے' آواز میں بلا کا حسن تھا۔ لحن داؤدی رکھتے تھے' ولولہ انگیز نظمیں اور پرسوز آواز' ماحول دوآتشہ ہو جاتا تھا' برطانوی دور سے صدر ضیاء الحق کے دور تک بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں' تحفظ ختم نبوت کانفرنسیں اور سید امین گیلانی لازم و ملزوم تھے۔ آپ کو اکابر علمائے دیوبند سے بہت محبت و عقیدت تھی۔ علماء و مشائخ کرام کی صحبتوں سے بہت فیض پایا۔ آپ مولانا محمد اشرف ہمدانی کے زیراہتمام منعقدہ محفل حمد و نعت میں شرکت کے لیے فیصل آباد آئے ہوئے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور آناً فاناً اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کا انتقال ۳ اگست ۲۰۰۵ء کو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۱۰) سید سلیمان گیلانی:

آپ مجاہد ختم نبوت سید امین گیلانی کے صاحبزادے ہیں۔ تحفظ ختم نبوت سے محبت' قادیانیت سے نفرت شعر و ادب کا ذوق' علماء و مشائخ سے تعلق اور حسن آواز سب کچھ آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سید امین گیلانیؒ کی صفات حسنہ آپ میں جمع کر دی ہیں۔ اہم اسلامی کانفرنسیں آپ کی شرکت کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاتیں۔

(۱۱) چشتی برادران:

جناب الحاج محمد بخش چشتی اور صوفی احمد بخش چشتی ضلع جھنگ کے رہنے والے تھے۔ دونوں بھائی لحن داؤدی کے مالک تھے۔ مسلک دیوبند کے نامور خطباء کرام کے رفیق سفر رہنے کا اعزاز حاصل رہا۔ تنظیم اہل سنت اور مجلس تحفظ نبوت سے خصوصی تعلق تھا اور ان دونوں تنظیموں کے پروگراموں اور دیگر دینی جلسوں میں ان کی شرکت لازمی سمجھی جاتی تھی۔ جناب محمد بخش چشتی ۲۷ دسمبر ۱۹۸۰ء کو اور جناب صوفی احمد بخش چشتی ۱۲ اپریل ۱۹۹۷ء کو انتقال کر گئے۔

نوٹ:

مذکورہ شعراء کرام کے علاوہ اور بھی کئی حضرات اس فہرست میں شامل کیے جانے کے لائق ہیں مثلاً استاذ الشعراء خان محمد کمتر مرحوم وغیرہ لیکن عدم فرصت کے سبب فہرست مکمل نہیں کر سکا۔ اس فہرست کی تکمیل کے لیے قارئین کرام سے تعاون کی درخواست ہے۔

مناظرین ختم نبوت

مولانا محمد بشیر سہسوانی

مولانا محمد بشیر فاروقی سہسوان صوبہ بہار میں ۱۲۶۴ء میں پیدا ہوئے۔آپ نے سید امیر حسن سہسوانی سے استفادہ کیا اور ان کے فیض صحبت سے ترک تقلید کی راہ اختیار کی اور آگرہ میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

بعدازاں آپ دہلی آ گئے اور دہلی میں تقریباً پانچ سال پڑھاتے رہے۔آپ مصروف اہلحدیث عالم سید نذیر حسین کے شاگرد خاص تھے اور مناظرانہ ذوق رکھتے تھے۔آپ نے ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی سے جامع مسجد دہلی میں تحریری مناظرہ کیا۔اس مناظرہ کی روئداد آپ نے الحق الصریح کے نام سے شائع کی ۷۲ سال کی عمر میں ۲۹ جون ۱۹۰۸ء کو آپکا انتقال ہوا اور اپنے استاد مولانا نذیر حسین کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی

مولانا ابراہیم سیالکوٹی کے آباواجداد کشمیر کے رہنے والے تھے ۱۸۹۵ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔بعدازاں آپ پر دینی تعلیم کا شوق غالب آ گیا اور وزیرآباد میں مولانا حافظ عبدالمنان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔اس کے بعد آپ نے تقریباً چالیس سال درس وتدریس اور مناظرہ ومباحثہ اور دعوت وتبلیغ کے کام میں صرف کیے آپ نے الھدی اور الہادی کے نام سے دو رسالے جاری کیے۔جو کہ کچھ عرصہ جاری رہے آپ نے ایک

ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں قرآن مجید کی تیس آیات لکھ کر ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی۔ مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اس کے جواب میں دو حصوں میں شہادۃ القرآن لکھی۔ جس کے حصہ اول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول پر قرآن وحدیث کی روشنی بڑی عالمانہ بحث لکھی اور دوسرے حصہ میں مرزا قادیانی کی تحریر کردہ تیس آیات کے مدلل جوابات لکھے۔ یہ کتاب مرزا قادیانی کی زندگی میں شائع ہوئی لیکن مرزا قادیانی اور اس کے مریدوں کو اس کتاب کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ آپ کی وفات ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ کو ہوئی۔ معروف اہلحدیث سکالر پروفیسر ساجد میر آپکے قریبی عزیز ہیں۔

مولانا ثناءاللہ امرتسری

آپکا تفصیلی تذکرہ پہلے باب میں گزر چکا ہے۔

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری

آپ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا ممتاز شاگرد تھے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۰۴ء میں فراغت پائی۔ آپ نہایت ذکی طباع اور مناظر ذوق رکھتے تھے۔ اہل بدعت اور قادیانیوں کا تحریر وتقریر کا ذریعہ تعاقب کیا اور تعاقب کا حق ادا کیا۔ آخر عمر میں آپ دارالعلوم دیوبند شعبہ تعلیم اور شعبہ تبلیغ کا ناظم رہے۔ اہل بدعت کے رد میں لکھی گئی تصانیف مجموعہ رسائل چاند پوری کے نام سے شائع ہوچکی ہیں جبکہ قادیانیوں کے رد میں آپ کی تصانیف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے احتساب قادیانیت جلد نمبر 10 میں جمع کر دی ہیں۔ ان کی کل تعداد سترہ ہے۔

آپ کو حضرت شاہ رفیع الدین سے شرف بیعت حاصل تھا آخر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور مجاز بیعت ہوئے۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۰ء کو آپ دارالعلوم سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن چاند پور ضلع بجنور واپس لوٹے اور وہیں ربیع الثانی ۱۳۷۱ء بمطابق دسمبر ۱۹۵۱ء رحلت فرمائی۔

(ملخص از ۵۰ مثالی شخصیات از قلم مولانا قاری محمد طیبؒ)

مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری

مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوری سے ہندوستان کا خطہ خطہ واقف ہے، انہوں نے آدھی صدی تک سیرتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر دل کش، پاکیزہ لب ولہجہ اور اپنی شیریں زبان میں عالمانہ تقریریں کیں، مسلمانوں کا کوئی بڑا جلسہ ان کی شرکت کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا تھا، آپ کا اپنا ایک خوبصورت اور مخصوص انداز بیان تھا۔ ہندوستان کے بہت سے واعظین اور مقررین نے ان کی نقل کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے، کیونکہ ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ مولانا موصوف اپنے وقت کے بے مثال خطیب اور زبردست مناظر تھے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مخصوص تلامذہ میں آپ کا شمار تھا۔ ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور وہیں استاد بھی بنا دیئے گئے لیکن قدرت نے ان کی فطرت کو صحرانوردی بخشی تھی اس لیے وہ تقریر وخطابت کے اسٹیج کے بادشاہ بن کر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر لگاتے رہے، قادیانیوں اور رضاخانیوں سے بہت سے مناظرے کیے۔ مقدمہ بھاول پور میں آپ نے قادیانیوں کے بیانات پر جو جرحیں کی ہیں وہ آپ کے علم وفضل کا شاہکار ہیں۔ قادیانیوں کے اہل علم پر جب عدالت میں آپ جرح کرتے تھے تو وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور آپ ان سے ایسی باتیں اُگلوا لیتے تھے جو خود انھیں کے خلاف جاتی تھیں۔ اس مقدمہ میں آپ کا کردار بڑا اہم رہا۔ شعروشاعری سے بھی دل چسپی تھی، عارف آپ کا تخلص تھا، صرف نعت پاک لکھتے تھے اور سیرت النبی کے جلسوں میں جب پڑھی جاتی تھیں تو ایک سماں بندھ جاتا تھا، آخر عمر میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور خانہ نشین ہو گئے اور بڑی عسرت اور تنگ دستی کی حالت میں اس سرائے فانی سے کوچ کیا۔ اپنے وطن شاہجہانپور میں ۱۴۰۰ھ (۱۹۷۹ء) میں چمنستانِ رسول کا چہکتا ہوا بلبلِ خوش نوا خاموش ہو گیا اور اپنی شیریں اور مترنم نواسنجیوں سے ہم کو ہمیشہ کے لیے محروم کر گیا۔

مقدمہ بہاولپور میں اہم کردار

انجمن موید الاسلام نے سب سے اہم ذمہ داری مشہور مناظر سحبان الہند حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہان پوری کو دی اور آپ کو مستقل طور پر دعوت دے کر اپنے یہاں مقدمہ کی

پیروی کے لیے بلا لیا اور تقریباً ڈیڑھ سال تک بھاول پور میں رہ کر آپ نے مقدمات کی فائل کو مرتب کیا اور مقدمہ کی کامیابی کے لئے ہر امکانی جدو جہد کی اور اس کی تدابیر اختیار کیں، اور سب سے اہم رول انہوں نے اس وقت ادا کیا جب قادیانیوں کے بیانات ہوئے تو تمام علماء نے متفقہ طور پر ان سے جرح کرنے اور اپنے کام کی بات اگلوانے کے لئے مولانا موصوف کو یہ ذمہ داری سپرد کی اور انہوں نے جس ذہانت وفراست اور بصیرت و قابلیت کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا کہ وکلاء اور قانون کے ماہرین حیرت زدہ رہ گئے کہ ایک مدرسہ کا ملا اتنی گہرائیوں سے باتوں کی گرفت کرتا ہے اور فریق مخالف کو زچ کر کے رکھ دیتا ہے (دارالعلوم دیوبند احیاء اسلام کی عظیم تحریک ۲۴۵،۲۴۶)

مولانا عبدالشکورؒ لکھنوی

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی تئیس ذوالحجہ ۱۲۹۳ء کو لکھنو کے نواحی قصبہ کاکوری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے درس نظامی کی مکمل کتابیں حضرت مولانا سید عین القضاۃ نقشبندی مجددی رحمہ اللہ سے پڑھیں۔ آپ کچھ عرصہ ندوۃ العلماء لکھنو میں مدرس رہے۔ وہاں دل نہ لگا۔ تو دہلی چلے گئے اور وہاں پر مرزا حیرت کے مطبع میں مترجم و مصنف کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ مگر مرزا حیرت کے غلط عقائد کی وجہ سے ان سے بھی نہ نبھ سکی۔ انہی دنوں لکھنو اور اس کے مضافات میں مولوی مقبول حسین شیعہ نے اعلانیہ تبرا بازی اور سنیوں کو مناظرے کا چیلنج کرنا شروع کر دیا۔ جس پر حضرت مولانا عین القضاہ نے بغرض دفاع آپکو لکھنو بلا لیا۔ پھر آپ نے دشمنان صحابہ کے خلاف اپنے آپکو وقف کر دیا۔ آپ نے تالیف وتصنیف بحث ومناظرہ اور تحریر وتقریر میں مشغول ہونے کے علاوہ ہفت روزہ النجم شائع کیا اور اس خاص موضوع پر اس کثرت سے لکھا کہ پوری دنیائے اسلام میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ آپ کی تحریریں پچاس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ حضرت مولانا لکھنوی کی شہرت اگر چہ رد رفض کے میدان میں ہے لیکن آپ نے قادیانیوں سے بھی مناظرے کیے۔ خواجہ کمال الدین رنگون میں گمراہی پھیلا رہا تھا اس کے تعاقب میں حضرت لکھنوی وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں مناظرہ میں قادیانیوں کو شکست فاش دی اور قادیانی رنگون چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ کی اور بھی کئی

تصانیف ہیں۔آپ ۱۷ ذی یقعدہ ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو اس فانی دنیا کو خیر آباد کہہ گئے۔حضرت لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھنو میں دارالمبلغین قائم کیا۔اور ہزاروں علماء کو فن مناظرہ کی تربیت دی۔مناظر اہل سنت حضرت علامہ عبدالستار تونسوی آپ کے فیض یافتہ اور شاگرد خاص ہیں آپ کی ایک تصنیف کا تعارف حسب ذیل ہے۔

کادیان یا قادیان

ضلع گرداسپور پنجاب میں ایک قصبہ ''کادیان'' ہے مرزا غلام احمد وہیں کے رہنے والے تھے،اس قصبہ کا صحیح اور اصلی نام کادیان ہے،اہل پنجاب اب بھی اِس کو اسی نام سے پکارتے ہیں پنجابی زبان میں وکادی، کیوڑہ کو کہتے ہیں چونکہ اس بستی میں زیادہ تر کیوڑہ فروش رہا کرتے تھے اس لئے پوری بستی کو کادیان کہا جانے لگا۔مرزا صاحب کو جہاں دینی و مذہبی مأخذ میں توڑ مروڑ، تحریف اور تاویل کرنے کا چسکہ لگا ہوا تھا وہاں وہ دنیاوی معاملات میں بھی ردو بدل اور حقائق کی پردہ پوشی کیا کرتے تھے،لہذا اپنی اسی ذہنیت کی بنا پر انہوں نے کافی روپیہ خرچ کر کے سرکاری کاغذات میں اس کو قادیان لکھوایا اور مشہور یہ کیا کہ یہ لفظ درحقیقت قاضیان تھا جو اب بگڑ کر قادیان ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (لکھنو)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی موحوم مسلک دیوبند کے ایک مشہور مناظر تھے آپ نے زندگی کا معتدبہ حصہ مناظرانہ ذوق کے ساتھ گزارا۔ بدعات اور قادیانیت وغیرہ کے رد میں خوب کام کیا، ہزاروں لوگوں کے عقائد کی درستگی کا سبب بنے۔ بعدازاں آپ نے اس طرز زندگی کو بدل دیا اور معارف الحدیث جیسی بلند پایہ کتاب لکھی۔آپ کے متعلق ماہنامہ الفرقان میں لکھا ہے۔

''قادیانیت کو حضرت مولانا اسلام کی بیخ کنی اور تخریب کاری کا وسیلہ سمجھتے تھے،اس فتنہ کے رد کو وقت کا اہم فریضہ سمجھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کے کفریات،اور افترپردازی،اور دروغ گوئی جو خود مرزا نے اپنی کتابوں میں لکھا،ان سب کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اس کی نبوت اور دیگر جھوٹے دعاوی کا ایسا بھانڈا پھوڑا کہ مولاناؒ کی کتابوں کو پڑھنے والا قادیانیت اور اسکے بانی کو بھی نفرت اور

حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا، اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھے گا کہ یہ شخص شرافت و انسانیت کا حامل سمجھا جائے چہ جائیکہ نبوت و رسالت کا۔

مولانا کی تینوں کتابیں۔ ۱۔ قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ۲۔ قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ ۳۔ کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت، یہ کتابیں اپنے موضوع پر بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنو، مولانا محمد منظور نعمانی نمبر اپریل تا اگست ۱۹۹۸ء)

فاتح قادیان مولانا محمد حیات

(تحریر: مولانا محمد یوسف لدھیانوی)

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۰ء ۱۱ اگست ۱۹۸۰ کو مناظر اسلام حضرت الاستاذ مولانا محمد حیات (فاتح قادیان) واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے اس قافلہ حریت کے رکن رکین تھے جس نے انگریزی طاغوت سے ٹکر لی۔ اور اپنی تمام طاقتیں و صلاحتیں انگریز اور اس کے گماشتوں سے اسلام کی مدافعت میں صرف کر ڈالیں۔ ''مجلس احرار اسلام'' کے ماتحت جب سارقین نبوت کے تعاقب و سرکوبی کے لئے شعبہ تبلیغ کا اجرا ہوا تو مولانا مرحوم کو اس کا نگران تجویز کیا گیا۔ اور قادیان کا مشن ان کے سپرد ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی تاسیس ہوئی تو مولانا مرحوم کی خدمات اس کے لئے وقف ہوگئیں اور تادم آخر وقف رہیں۔ اس طرح ان کی پوری زندگی جہاد فی سبیل اللہ اعلاء کلمۃ اللہ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور ختم نبوت کی پاسبانی میں گذری۔

مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ شانہ نے فرق باطلہ کی تردید اور ان سے بحث و مناظرہ کا خاص ذوق اور بہت ہی اچھا سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ وہ بہت صبر و تحمل، حلم و وقار اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ فریق مخالف کے شبہات کا ایسا تسلی بخش اور مسکت جواب دیتے کہ منصف کو تسلیم و اقرار کے بغیر چارہ نہ ہوتا اور مکابر و معاند خجلت و ندامت کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ ان کی پوری زندگی میں بحمد للہ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں مناظرے میں شکست ہوئی ہو بلکہ وہ ہر میدان میں بفضل خداوندی مظفر و منصور رہے۔ مناظروں میں عموماً شیخی و تعلّی اور حریف

کی دل آزاری کے الفاظ نکل جاتے ہیں اور حریف کی کج روی پر غصہ اور برافروختگی تو ایک معمولی بات ہے لیکن مولانا کی گفتگو شیخی و تعلیٰ' خودنمائی خودنگری' سب وشتم' دل آزاری ودریدہ دہنی اور غصہ و برافروختگی کے عیوب سے قطعاً پاک ہوتی تھی۔ اسی طرح مولانا کے مناظروں میں طنز و تشنیع اور فقرہ بازی کا بھی گزر نہیں تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے خوب ناپ تول کر پوری متانت و سنجیدگی سے کہتے تھے۔

یوں تو انہوں نے مختلف فرقوں سے مناظرے کئے لیکن قادیانیت ان کا خاص موضوع تھا اور وہ اس میں متخصص تھے۔ حق تعالیٰ شانہ، نے ان کے ہاتھ پر ان میں سے بہت لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ اور بہت سے پھسلتے ہوؤں کو اسلام پر قرار و ثبات نصیب ہوا۔ مرحوم قادیانی لٹریچر کے گویا حافظ تھے اور صفحوں کے صفحے انہیں ازبر تھے۔ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ قادیانیوں نے صرف ایک مسئلہ سیکھا ہے اور وہ ہے وفات مسیح۔ اور مجھے بھی بس یہی ایک مسئلہ آتا ہے اس موضوع پر ان کی گفتگو اس فرقہ باطلہ کے بڑوں بڑوں سے ہوئی اور بحمد اللہ مولانا مرحوم ہر موقعہ پر غالب رہے۔

دو باتیں مولانا مرحوم کا مزاج بن گئی تھیں۔ ایک کثرت مطالعہ انہیں جب دیکھو کتاب ہاتھ میں ہوگی۔ اور وہ (اگر تنہا ہوں تو) اس کے مطالعہ میں مصروف ہوں گے۔ بعض اوقات رات کے دو بجے مولانا مرحوم کو مطالعہ میں منہمک دیکھا گیا۔ ضعف بصر کا عارضہ بھی انکے اس شوق کے راستے میں حائل نہ ہوسکا۔ اور جب تک ان کی صحت کتاب اٹھانے کی متحمل رہی ان کا مطالعہ نہیں چھوٹا۔ ان کے پاس اپنی ذاتی کتابیں تھیں جوان ہی کی طرح سال خوردہ تھیں۔ وہ ہی مولانا کی کل کائنات تھی اور وہ انہیں جان سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔

دوسری بات جس کا ان پر حال کے درجہ میں غلبہ تھا' وہ افادہ کی شان تھی جو شخص بھی ان کے پاس آکر بیٹھے قادیانیت کے موضوع پر اس کے سامنے گفتگو شروع کر دیتے تھے' گویا وہ ہر شخص کو اس دجل و تلبیس سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور یہ ان کا حال بن چکا تھا۔

مولانا ایک عرصہ سے اس بات کے متمنی تھے اور ہر وارد و صادر سے اس کے لئے دعائیں کراتے تھے کہ کسی طرح قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں جا کر بیٹھنے اور وہاں کے لوگوں کو براہ راست اسلام کی دعوت دینے کی سعادت انہیں نصیب ہو جائے۔ چنانچہ جب مسلم کالونی ربوہ میں ''ختم

نبوت'' کے دفتر اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو مولانا مرحوم نے وہاں اقامت اختیار کرلی۔ ہرچند ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ابھی تک یہاں رہائش وخوراک کی سہولتیں میسر نہیں ہیں اور اس پیرانہ سالی میں یہاں آپ کی رہائش آپ کے لئے تکلیف دہ ہوگی لیکن انہوں نے قبول نہیں فرمایا اور تمام مشکلات کو خوش آمدید کہتے ہوئے وہاں اقامت گزیں رہے اور جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی وہاں جمے رہے مقصد سے عشق اور لگن کی یہ مثال اس زمانہ میں نادرالوجود ہے۔

مولانا مرحوم بہت کم بیمار پڑتے تھے اور کبھی بیمار ہوتے بھی تو دوادارو کا تکلف کم ہی فرماتے تھے۔ ان کی صحت ومرض کی گاڑی بھی بس توکل ہی کے سہارے چلتی تھی' عام صحت اچھی تھی مگر سن مبارک سو کے قریب پہنچ چکا تھا اس لئے چند سال سے بدن پر ضعف وانحطاط کے آثار بڑھ رہے تھے۔ پیرانہ سالی کا یہی ضعف گویا ان کا مرض الوفات تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے ربوہ سے لاہور منتقل ہوگئے اور پھر وہاں سے اپنے آبائی گاؤں کوٹلی بیرے خان تحصیل شکرگڑھ (ضلع سیالکوٹ) تشریف لے گئے۔ وہیں وصال ہوا نماز جنازہ مدرسہ رحیمیہ تعلیم القرآن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب نے پڑھائی۔ اسطرح یہ سو سال کا تھکا ماندہ مسافر آسودہ خاک ہوا۔
اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ' واعف عنہ' واکرم نزلہ' ووسع مدخلہ' وابدلہ دارًا خیرا من دارہ' واھلا خیرا من اھلہ' اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ.

(بینات شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۰ء)

مبلغ اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر موحوم

مبلغ اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر مرحوم پہلے لاہوری مرزائی گروپ کے مبلغ تھے۔ آپ کالج میں پڑھتے تھے ناواقفی کے سبب ان کے جال میں پھنس گئے اور ۱۹۲۳ء میں مرزائیت قبول کرلی۔ مولوی محمد علی لاہوری نے آپ کو اپنی جماعت کے قائم کردہ تبلیغی کالج میں داخل کیا اور تین سال ایک مربی کے طور پر تعلیم دیتے رہے۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد انہیں مستقل مبلغ بنادیا گیا علاوہ ازیں آپ جماعت میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔

۱۹۳۱ء کے وسط میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی۔ آپ نے متعدد بار مرزا قادیانی

کونہایت گھناؤنی حالت میں دیکھا۔ ان خوابوں کی وجہ سے ان کے دل میں قادیانیت کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ آپ نے غیر جانبداری سے مرزا قادیانی کی تحریر کردہ کتب اور علمائے اسلام کی رد قادیانیت کے موضوع پر تحریر کردہ کتب کا مطالعہ کیا اور گہرا مطالعہ کے بعد قادیانیت پر لعنت بھیج کر مشرف باسلام ہو گئے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ بمقام موچی دروازہ لاہور میں اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور قادیانیت کے نشیب و فراز پر تین گھنٹے تقریر کی، آخر میں سامعین کو سوالات کی دعوت دی گئی کئی قادیانی مربی موجود تھے لیکن کسی کو سوالات کی جرأت نہ ہو سکی۔

لاہوری گروپ کی ترغیب وترتیب

اس عظیم الشان جلسہ کی روئداد اخبارات میں شائع ہوئی تو آپ کو عوامی جلسوں سے دعوت خطاب کا تانتا بندھ گیا اور آپ قادیانیت کی تردید میں مسلسل تقریریں کرنے لگے۔

آپ کی یلغار سے گھبرا کر لاہور میں قادیانیوں کا ایک وفد آپ سے ملا اور تحریری معاہدہ کی پیش کش کی جس کی شرائط درج ذیل تھیں۔

۱۔ آپ قادیانیت کے خلاف تقریریں فی الفور بند کر دیں جماعت آپ کو کاروبار کے لئے پندرہ ہزار روپیہ دے گی۔

۲۔ آپ پندرہ سال تک ہمارے خلاف کوئی تقریر نہیں کریں گے۔

۳۔ اگر آپ نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو آپ جماعت کو تیس ہزار روپے ہرجانہ ادا کریں گے۔

مولانا لال حسین اختر نے جواباً کہا کہ آپ صاحبان کو یہ ہمت کیسے ہوئی کہ مجھے یہ لالچ دیں۔ میں ان علماء کرام کے طریق کار کا ذمہ دار نہیں جو تردید مرزائیت سے اجتناب کرتے ہیں میرے لئے تو استیصال مرزائیت کی جدو جہد فرض عین ہے کیونکہ میں نے مدت تک اسکی نشر و اشاعت کی ہے مجھے تو اس کا کفارہ ادا کرنا ہے دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا لالچ مجھے تردید مرزائیت سے منحرف نہیں کر سکتا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد وہ مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے خطرناک نتائج کی دھمکی دے گئے۔

چنانچہ قادیانیوں نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنایا۔ اور آپ پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے لیکن مارنے والے سے بچانے والا طاقتور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ البتہ ڈیرہ بابا نانک کے مقام پر ہونے والے حملہ میں کچھ زخم آیا ملزم پکڑا گیا۔ مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں کو ان واقعات کا علم ہوا تو قائد احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم نے باغ بیرون دہلی دروازہ میں ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کرایا اور چالیس ہزار سے زائد کے مجمع میں مولانا لدھیانوی نے مولانا لال حسین اختر کو کھڑا کیا اور ان کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد کہا۔

''ہمارے اس نوجوان نومسلم عالم نے مناظروں میں مرزائیوں کو ذلیل ترین شکستیں دی ہیں مرزائی ان کے دلائل کا جواب نہیں دے سکے تو ڈیرہ بابا نانک اور ڈلہوزی میں ان پر قاتلانہ حملے کئے گئے۔ میں مرزائیوں سے نہیں ان کے خلیفہ مرزا محمود سے کہتا ہوں کہ اگر تم یہ کھیل کھیلنا چاہتے ہو تو میں تمہیں چیلنج دیتا ہوں کہ مرد میدان بنو اب لال حسین اختر پر حملہ کراؤ پھر احرار کے فداکاروں کی یورش اور قربانیوں کا اندازہ لگانا ایک کی جگہ ایک ہزار سے انتقام لیا جائے گا۔''

اس پر قادیانیوں کے ہوش ٹھکانے آگئے اور مولانا اختر پر قاتلانہ حملوں کا سلسلہ رک گیا۔

قادیانیوں کی بوکھلاہٹ

مولانا لال حسین اختر ایک نامور مناظر اور قادیانی کتابوں کے حافظ تھے۔ قادیانی ان سے مناظرہ کرنے سے گھبراتے تھے چنانچہ قادیانی جماعت کے شعبہ دعوت وتبلیغ کے انچارج زین العابدین ولی اللہ شاہ نے الفضل اخبار میں درج ذیل اعلان شائع کیا۔

مبلغین سلسلہ و دیگر احباب مطلع رہیں

مولوی لال حسین اختر اور اس قماش کے دوسرے مبلغین جگہ جگہ ہمارے خلاف اکھاڑے قائم کئے ہوئے ہیں۔ جماعت احمدیہ اور اس کے مقدس امام کو بازاری قسم کی گندی گالیاں دیتے اور ہمارے عقائد اور اقوال کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اپنی طرف سے من گھڑت باتیں ہماری طرف منسوب کر کے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں اور مبلغین سلسلہ کو چیلنج دیتے ہیں کہ ان کے ساتھ مناظرہ کریں یا احمدی چنانچہ ساہیوال کے جلسہ میں لال حسین اختر نے مبلغین سلسلہ کو خطاب کرتے ہوئے بار بار

مناظرہ کرو تم مذہبی جماعت نہیں بلکہ سیاسی جماعت ہو عنوان ہو کہ قادیانی کافر تھا انگریز کا جاسوس تھا دجال تھا کذاب تھا۔ گونگا شیطان تھا۔ اگر نہ آؤ تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ فرشتوں کی لعنت۔ آسمان کی لعنت زمین کے بسنے والوں کی لعنت میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مرزائی مقابلہ پر آئے تو دن کے تارے نہ دکھائے تو لال حسین اختر میرا نام نہیں۔ کوئی مرزائی میرے سامنے بول نہیں سکتا کوئی میرے سامنے آیا تو ناطقہ بند ہو جائے گا۔ اس لیے میں مبلغین سلسلہ کو کھلے الفاظ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مناظروں کیلئے ان چیلنجوں پر قطعاً توجہ نہ کی جائے بلکہ انکے کسی ایسے جلسوں میں کسی احمدی کو شریک نہ ہونا چاہیے۔ (روزنامہ الفضل یکم جولائی ۱۹۵۰)

دوسرا اعلان

قادیانی ناظر دعوت و تبلیغ نے پہلے اعلان کے چند دن بعد ایک دوسرا اعلان شائع کیا۔ اس کے الفاظ یہ تھے ''ناظر دعوت و تبلیغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ نے ایک مضمون مؤرخہ یکم ۱۹۵۰ء الفضل میں شائع فرما کر مبلغین سلسلہ احمدیہ اور احباب جماعت کو ہدایت فرمائی ہے کہ بد سے بدزبان مولوی لال حسین اختر سے کلام کرنے میں احتراز کریں۔ (الفضل ۵ جولائی ۱۹۵۰ء)

ان اعلانات سے واضح ہے کہ مولانا لال حسین اختر نے کس طرح قادیانیوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا اور وہ مولانا کا مقابلہ کرنے سے کس قدر عاجز تھے۔ وہ اپنے اکثر مناظروں میں فرمایا کرتے تھے ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو لال حسین اختر سے آ کر مناظرہ کرے۔ قادیانی زہر کا پیالہ پی سکتے ہیں لال حسین کے سامنے مرزا غلام احمد کو شریف انسان ثابت نہیں کر سکتے۔''

مولانا لال حسین اختر نے مجلس احرار کے اسلام کے ایک مبلغ کی حیثیت سے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپکی قیام پاکستان سے پہلے کی مجاہدانہ زندگی کے تفصیلی حالات اگرچہ پردہ اخفاء میں ہیں لیکن اس دور کے اجمالی حالات معلوم کرنے کیلئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ آپ مجلس احرار اسلام کے مرکزی مبلغ تھے۔ یہ ایک ایسا عنوان ہے جو اپنے مضمون کو خود ہی شامل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپ اسکے ابتدائی اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔ یوں آپکو مجلس کے بانی ارکان میں شمار کیا جاتا ہے اور ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء سے ۱۱ جون ۱۹۷۳ء تک مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بھی رہے۔ مجلس کے دفتر میں ہی آپکا انتقال ہوا

اور وہیں سے جنازہ اٹھایا گیا۔ آپکی تدفین دین پور شریف کے تاریخی قبرستان میں کی گئی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں مولانا لال حسین اختر نے اہم کردار ادا کیا۔ ورکنگ مسجد لندن سے قادیانیوں کا ۹۰ سالہ قبضہ کرانے کیلئے آپ نے تحریک چلائی جو کہ کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور اس وقت وہ مسجد تحفظ ختم نبوت کا ایک مضبوط مرکز ہے۔ مولانا لال حسین اختر نے رد قادیانیت کے سلسلے میں فجی، آئی لینڈ، سعودی عرب، ایران، عراق اور برطانیہ کے تبلیغی دورے کئے۔ یورپ وافریقہ میں کئی سال مقیم رہے۔ آپ نے بیرونی ممالک میں قادیانیوں سے بیسیوں مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دے کر دین اسلام کا جھنڈا بلند کیا۔ ۱۹۷۲ء میں ایبٹ آباد میں قادیانیوں نے اپنا گرمائی ہیڈ کوارٹر بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اور مرزا ناصر نے اس کا سنگ بنیاد رکھا تو مولانا لال حسین اختر نے قادیانیوں کے اس منصوبے کو ناکام بنانے کیلئے دیوانہ وار جدوجہد کی حکام سے ملے جس کے نتیجے میں حکومت نے مرزائیوں کی الاٹ منٹ منسوخ کردی۔ اور یہاں کالج بنادیا گیا مولانا لال حسین اختر نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائم کردہ دارالمبلغین میں تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں مولانا لال حسین اختر کا نام تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں تادیر زندہ رہے گا۔

(ماخذ: مولانا لال حسین اختر، سوانح وافکار۔ ازقلم مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی)

مولانا ظہور احمد بگوی بانی مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ

مولانا ظہور احمد بگوی بھیرہ کے رہنے والے تھے۔ آپ علامہ انور شاہ کشمیری کے ہم عصر تھے۔ آپ نے مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کے پلیٹ فارم سے رد قادیانیت میں مؤثر کردار ادا کیا تھا۔

حضرت مفتی سیاح الدین کاکاخیل صاحب لکھتے ہیں:

''یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ مولاناؒ نے باطل قوتوں کے مقابلہ میں حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہو کر جس بے جگر، جرأت وہمت سے کام لے کر جہاد شروع کیا تھا اس کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی ملنی مشکل ہے، تمام ہندوستان میں آپ نے دورہ کرکے مرزائیت اور شیعیت کے خلاف وہ کامیاب تقریریں کیں جن سے ان باطل گروہوں کی تمام مساعی اور پھیلائے ہوئے جال بے کار ہو گئے ہیں.

یوں تو پنجاب کے تمام مسلمانوں کو آپ نے پیغام حق پہنچا پہنچا کر ان کے مردہ قلوب میں

زندگی کی ایک لہر دوڑادی تھی لیکن خصوصا شمالی پنجاب کے مسلمانون کو مرزائیت اور شیعیت اور دوسرے گمراہ فرقوں سے بچانے کے لیے شب و روز مسلسل سفروں کی صعوبتوں برداشت کر کے ہر معرکہ میں پہنچ کر بچایا اور اپنی جادو بیانی، فصیح اللسانی کے آب حیات سے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار رکھنے کا جو کارنامہ آپ نے کر دکھایا یہ ایک ایسا جہاد اکبر ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ان علاقوں کی حالت اور مولانا کی جدو جہد دیکھ کر کہنا پڑتا ہے:

شورش عندلیب نے ، روح چمن میں ڈال دی
ورنہ کلی کلی یہاں، مست تھی خواب ناز میں "

اقدامات

قادیانی حملوں کے تدارک اور استیصال کے لیے حضرت بانی امیرؒ نے درج ذیل اقدامات کیے:

- شمس الاسلام میں زبردست اور مسلسل علمی وتحریری محاذ.
- اور قادیان نمبر عرف تحفہ مرزائیہ وتبلیغ نمبر کی اشاعت.
- قادیانی مذہب کی حقیقت واضح کرنے کے لیے چار ابواب پر مشتمل ''برق آسانی بر خرمن قادیانی'' کے نام سے کتاب کی تالیف وطباعت.
- قادیانیت کے موضوع پر کتابوں اور رسالوں کی نشرواشاعت.
- سالانہ جلسے پر ماہرین قادیانیت کے خطابت.
- عام اور سالانہ جلسے پر ماہرین قادیانیت کے خطابات.
- خصوصی دعوت پر منعقدہ اجلاسوں میں ماہرین علماء کی تقاریر ومحاکمہ.
- پورے ملک میں قادیانیت کے خلاف مذاکرے، مباحثے اور مناظرے.
- قادیانی تبلیغی وفود کا علاقے سے فرار تک مسلسل تعاقب.
- قادیانت کے خلاف جہاد کرنے والے افراد اور تنظیموں کیساتھ خصوصی ربط تعاون.
- قادیان میں انصار الاسلام کے نام سے تنظیم، مدارس اور مبلغ کا انتظام۔مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی جانب سے.

تجزیہ:

شمس الاسلام کی پہلی جلد کے دوسرے شمارے سے آپ نے ''مرزائی مشن کا نصب العین'' کے عنوان سے ایک طویل تجزیہ تحریر کیا ہے جو کئی قسطوں پر محیط ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''علمائے کرام اور عوام الناس مرزائیوں کو ایک مذہبی فرقہ سمجھتے رہے مگر اب حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے۔ یہ جماعت ایک سیاسی گروہ ہے جو اتحاد اسلام کی تحریک کو تباہ کرنے اور دینائے عیسائیت کو جہاد کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کی سرگرمیوں میں اغیار و اجانب کا سرمایہ کام کر رہا ہے۔ اور مرزا صاحب نے بھی جو کچھ نقل کیا، یورپ کے سیاسی شاطروں کے اشارے پر کیا ہے۔ دراصل یہ تحریک جہاد فی سبیل اللہ سے نفرت مگر جہاد فی سبیل الفرنگ کی ترغیب ہے۔'' (شمس الاسلام۔فروری 1930ء تا جنوری 1931ء)

مزید مقالات

یوں تو ''شمس الاسلام'' کے ہر شمارے میں قادیانیت کی تردید اور عقائد صحیحہ کی تائید میں مضمون ملتے ہیں۔ مولانا خود بھی گاہے بگاہے کبھی سنجیدہ کبھی فلسفیانہ رنگ میں، کبھی آسان مناظرانہ انداز میں اور کبھی ناصحانہ اور کبھی طنزیہ لکھتے رہتے تھے۔ اس کی کچھ مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ نومبر ۱۹۳۷ء سے جنوری ۱۹۳۸ء تک ''معیار صداقت'' کے عنوان سے مولانا نے کئی قسطوں میں ایک دلچسپ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ عام فہم اور سلیس مگر مدلل اور دل نشین پیرائے میں ایک مکالمہ ہے جو قادیانی اور محمدی مسلمان کے درمیان ہوا ہے۔ اعتراضات، شکوک و شبہات، خدشات اور مفروضات کا ابطال بھی ہے اور سچائیوں کا اعتراف بھی۔ حقیقتوں کا ادارک بھی ہے اور غلطیوں کا احساس بھی۔ پیش گوئیوں کا مرزا صاحب کی تک بندیوں کے ساتھ دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے۔

''ہر دو قسم مرزائیت پر ایک تنقیدی نظر'' کے عنوان سے مئی جون ۱۹۳۰ء کے شمس الاسلام میں مولانا کا مضمون بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے۔

اجتناب الحنفیہ

مولانا کے زمانہ ادارت کے دوران اہل قلم معاونین کے ناموں اور مطبوعہ مضامین و مقالات کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اس اہم تحریری محاذ پر قادیانیت کے خلاف کتنی دیدہ ریزی، محنت او ذہانت سے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ اس تمام تر موثر اور منظم کوشش کے باوجود مولانا نے محسوس کیا کہ دیہات اور قصبات کے سادہ لوح عوام کم علمی اور ناواقفیت کی بناء پر نہ صرف روافض اور قادیانی طبقوں سے تعلقات رکھے ہوئے ہیں بلکہ جگہ جگہ رشتے بھی ہو رہے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے بڑی عرق ریزی سے ''شمس الاسلام'' کا ''فتوی نمبر'' شائع کیا جو بعد میں ''فتاویٰ اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الارفضیہ والمرزائیہ'' کے نام سے کتابی شکل میں بھی طبع ہوا۔ سو صفحات پر مشتمل اس فتویٰ کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''فرقہ شیعہ و مرزائیہ کو سواد اعظم اسلام سے خارج ثابت کر کے ان کے ساتھ سلسلہ مناکحت و ازدواج، موانست، محبت و موَدت کا ازروئے شرع اسلام حرام ثابت کیا گیا ہے۔ سنی عورت کا ان سے نکاح کسی طرح جائز نہیں''۔ (شمس الاسلام، مارچ اپریل ۱۹۳۱ء ص ۳)

اس سلسلے میں مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے بیسیوں علماء (بریلی، دیوبندی، غورغشتی، رام پوری اور بہت سے علمائے مکہ و مدینہ وغیرہ) کے تفصیلی اور مکمل فتویٰ، سلف صالحین کے ارشادات، قرآن حکیم کی آیات اور احادیث سے استدلال، ارباب فقہ کے دلائل اور ۱۹۱۹ء کا ایک عدالتی فیصلہ درج ہے۔ یہ فیصلہ اس اعتبار سے بہت دلچسپ اور منفرد ہے کہ یہ غالباً کسی سول کورٹ کا پہلا وقیع مشاہدہ ہے اور یہ کہ اسے بابو آر کے داس نامی کسی ہندو سب ڈویژنل مجسٹریٹ نے لکھا ہے جس کے تحت قرار دیا گیا ہے کہ:

> ''یہ فرقہ دین اسلام سے خارج ہے۔ مرزائیوں کو کوئی حق مسلمانوں کی مساجد میں نماز پڑھنے کا نہیں ہے اور نہ ان کو مسلمانوں کی قبرستان میں کسی قسم کا حق ہے''۔

واقعہ یہ ہے ''شمس الاسلام'' کی ان تحریری سرگرمیوں اور ''حزب الانصار'' کی عملی کارگزاریوں سے مسلمانان علاقہ خصوصاً دیہات میں مرزائیت کے بارے میں ایک عام بیداری

پیدا ہوگئی ہے جس سے فتنہ ارتداد کو ہر جگہ سخت رکاوٹ اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بلکہ وہ لوگ جو کسی طور اس نئے مذہب سے متاثر ہو رہے تھے یا جو اپنے دین کے بارے میں ناواقف تھے صحیح حالات اور عقائد سے واقف ہوئے اور اکثر تائب ہو گئے۔

سالانہ کانفرنس

مولانا کا خیال تھا کہ جماعتی تنظیم میں جہاں تحریری تعلق ضروری ہوتا ہے وہاں ذیلی جماعتوں، شاخوں، کارکنوں اور متاثرین سے براہ راست اور وسیع تر ذاتی ربط وتعلق کے لیے لازم ہے کہ سالانہ تبلیغی اور اصلاحی نشستیں ہوں۔ اس سلسلے میں کئی چھوٹے چھوٹے مگر مرکزی مقامات پر مولانا نے سلانہ اجتماعات کی داغ بیل ڈالی تا کہ قرب وجوار کے مسلمان احباب اور رفقاء وہیں مل بیٹھیں۔ مستقبل کے پروگرام بنائیں اور اپنی کارگزاریوں پر داخلی تنقید واحتساب کریں۔ اسی طرح انہوں نے مرکزی مجلس حزب الانصار بھیرہ کے زیر اہتمام پہلے دو روزہ، پھر تین روزہ سالانہ اجتماعات عام اور خاص کی بناء رکھی۔ ان اجتماعات کو دیگر مقاصد کے علاوہ ایک نوع کا ریفریشر کورس بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ان میں اکثر مختلف فنون اور موضوعات کے ماہر علماء، واعظین، مناظر اور بزرگ مدعو کیے جاتے ہیں جو ایک طرف باطل فرقوں کی سرکوبی کرتے ہیں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کو ان کے عقائد صحیحہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ اتحاد اور اصلاح المسلمین مولانا کا خاص موضوع تھا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں حزب الانصار کا سٹیج کبھی کسی جماعت یا دینی مکتب فکر کے لیے خاص نہیں رہا۔ بعض علماء جو اپنے مخصوص جماعتی یا گروہی نظریات کی بنا پر اکثر دور دور رہتے ہیں صرف بھیرہ میں حزب الانصار کے اجتماع پر مل بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ مولانا نے نہ صرف ''مسلک اعتدال'' کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ہمیشہ علماء کی صلاحیتوں کو داخلی اور خارجی فتنوں کے خلاف استعمال کیا۔ ترید قادیانیت کے سلسلے میں حزب الانصار کے سالانہ اجتماعات پر اہم مقررین کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا حبیب اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد بہاؤالحق قاسمیؒ کے علاوہ کئی دوسرے ممتاز علماء مناظر اور واعظین باقاعدگی سے خطاب کرتے رہے اور یوں یہ اجتماع علاقہ بھر میں قادیانیت اور

دیگر مذاہب باطلہ کی تردید کے لیے اولین، نمائندہ اور نہایت اہم ثابت ہوا.

تبلیغی اور دعوتی دورے

مولانا شذرات کے تحت مرزائیوں کی جانب سے ایک نئے حملے سے باخبر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مرزائی مبلغ نئے نئے میدان تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آج کل صوبہ جات سرحد وسندھ خاص طور پر ان کی آماج گاہ بنے ہوئے ہیں۔ علمائے کرام کا فرض ہے کہ ہر جگہ ان کا تعاقب کر کے سادہ لوح اور بے خبر مسلمانوں کو ان کے دام تزویر سے بچائیں۔ مرزا محمود قادیانی نے اپنی جماعت کو حکم دیا ہے کہ مرزائی سال بھر میں کم از کم ایک مسلمان کو مرزائی ضرور بنائے۔ مرزائی مبلغین کو دیہات میں تبلیغ پر مامور کیا جارہا ہے (چونکہ شہروں اور) قصبات میں لوگ ان کی چالوں سے آگاہ ہو چکے ہیں (اس لیے) اب دیہات کی جاہل آبادی کو مرتد کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں''. (شمس الاسلام، مئی ۱۹۳۲ء)

رد قادیانیت میں مولانا نے غیر منقسم ہندوستان کے طول وعرض میں بڑے طویل دورے کیے۔ پشاور سے برما اور بنگال تک، کشمیر سے کراچی اور مدارس تک ہر قابل ذکر شہر اور قصبے میں ان کی تقریر یکساں دل چسپی، انہماک اور جذب وشوق سے سنی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ''شمس الاسلام'' کے صفحات پر زیادہ تفصیلات تو نہیں ملتیں تاہم اجمالی طور پر **کیفیت کرکردگی، بزم انصار یا شذرات** کے عنوان کے تحت ان جگہوں کے نام ضرور ملتے ہیں جہاں مولانا بنفس نفیس یا شعبہ تبلیغ کے رفقاء کے ساتھ دورے پر گئے.

مدینہ منورہ میں مرزائیوں کا حشر

۱۹۳۶ء میں مولانا مرحوم بغرض حج حجاز مقدس میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے دیکھا کہ قادیانی بھی حج کرنے آئے ہوئے ہیں اور قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ آپ نے زور شور سے ان کی تردید میں تقریریں کیں اور قادیانی وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے.

کشمیر تبلیغی وفد کی تیاری:

مولاناؒ ہندوستان کے نمایاں اسلامی اداروں اور انجمنوں کا نام لے کر ان کی توجہ مبذول کرواتے ہیں اور مجلس مرکزیہ حزب الانصار کے تبلیغی وفد کی کشمیر روانگی کے لیے تیاری کا اعلان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی کشمیری مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ انہیں ایسے کشمیری نوجوان درکار ہیں جو کسی قدر دینی تعلیم حاصل کر چکے ہوں اور اب ماہانہ وظیفے پر چند ماہ دارالعلوم عزیزیہ بھرہ میں رہ کر تبلیغ واشاعت کا کام سیکھیں.

دراصل فطرت نے مولانا کو دل گداختہ، ذہن مضطر اور ہمہ دم عمل کے لیے تیار توانائیاں عطا کی تھیں۔ دوراندیشانہ تجزیہ کرنے، واضح لائحہ عمل اور سائنسی طریق کار مرتب کرنے کے بعد وہ ایک دم پوری طرح عمل پیرا ہو جاتے تھے، چنانچہ مولانا کی آواز پر تمام دینی حلقے چوکنے بہ عمل ہو گئے.

مرزائی حکمت عملی میں تبدیلی

مرزا محمود نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو کافر کافر قرار دینے دے نہ صرف اس کا گروہ نمایاں طور پر سواد اعظم سے کٹ گیا ہے بلکہ مرزائیت ان تمام فوائد بشمول ارتداد سے محروم ہو گئی ہے جو اس کو مسلمانوں کے ساتھ بطور فریق یا فرقہ رہنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ پھر کشمیر کمیٹی اور دوسرے ملکی امور اور مذہبی مسائل میں مرزائیوں کی تمام کوششیں علمائے حق کی جدوجہد سے نامراد اور ناکام ہوئیں۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کی۔ مولانا لکھتے ہیں.

> ''مرزا محمود نے ۱۹۳۲ء کے آخر میں تمام پنجاب اور یوپی وغیرہ میں مبلغین وفود بھیجے۔ ان مبلغین نے جہاں میدان خالی دیکھا مناظرہ کی دعوت دی اور جہاں خادمان اسلام کو مقابلے کے لیے آمادہ پایا، وہاں سے فرار ہو گئے۔ ضلع شاہ پور میں حزب الانصار کی سرگرمیوں سے مرزائیت کا قلع قمع ہو رہا تھا اس لیے اپنے چوٹی کے مناظر اور مبلغ اس علاقے میں دورہ کرنے کے لیے بھیجے''.

مناظروں کی تعداد:

مولانا نے ایک تخمینے کے مطابق ۲۰ کے لگ بھگ مناظرے خود کیے اور کم و بیش ۵۶

مناظرے اپنی نگرانی میں اور صدارت میں منعقد کروائے۔ان مناظرانہ مساعی کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔اس میدان میں مولانا کی تگ ودود کا دائرہ بہت وسیع رہا ہے(ملخص از تذکار بگویہ)

بگوی خاندان کی خدمات

بگوی خاندان بھیرہ کے علماء ومشائخ کا بھی ردقادیانیت کے باب میں نمایاں حصہ ہے۔ حضرت پیرمہر علی شاہ صاحب گولڑی جب مرزا قادیانی کا چیلنج قبول کر کے لاہور پہنچے اور مرزا مقابلہ میں نہ آیا تو شاہی مسجد لاہور میں ایک بڑا جلسہ ہوا اور آخر میں اہم فیصلے کیے گئے۔اس موقعہ پر تمام مسلکوں کے اہم علماء ومشائخ موجود تھے جنہوں نے تائیدی دستخط کئے ان میں بگوی خاندان کے بھی دو بزرگ گئے.

۱۔ مولانا محمد ذاکر بگوی اوّل مدارس مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت اسلام لاہور.

۲۔ مولانا غلام محمد بگوی نقشبندی امام شاہی مسجد لاہور.

(تذکرہ بگویہ ص252 تا153)

شمس الھدایت پر حضرت مولانا بگویؒ کے اعتراضات:

حضرت گولڑویؒ نے جب قادیانیت کے اعتقادات کے خلاف شمس الھدایت شائع کی تو حضرت مولانا بگویؒ نے آپ کے بعض خیالات اور مندرجات پر علمی اعتراضات کیے۔یہ امر البتہ تفصیل طلب ہے کہ آپنے کن نکات پر گرفت کی۔آپ کے دلائل کیا تھے۔علمی حلقوں میں البتہ ان اعتراضات کا چرچا رہا۔مہر منیر میں ''اعتراض اور رجوع'' کے عنوان کے تحت مولف مولانا فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

''جب حضرتؒ نے قادیانیت کے خلاف شمس الھدایت شائع فرمائی تو معلوم ہوا کہ مولانا محمد ذاکر بگوی نے اس پر کچھ اعتراضات کیے ہیں، چنانچہ جب آپ عرس کے موقعہ پر سیال شریف حاضر ہوئے تو حضرت ثانوی سیالویؒ نے مولانا محمد ذاکر سے فرمایا کہ پیر صاحب کے سامنے اپنے اعتراضات بیان کرو۔اور جب حضرت نے مولانا صاحب کے تمام اعتراضات کا شافی جواب دے دیا تو نہ صرف مولانا نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا بلکہ جب اگست ۱۹۰۰ء میں حضرتؒ مرزا قادیانی کے

ساتھ مناظرہ کی غرض سے لاہور تشریف لے گئے تو مولانا بگوی آپ کے علمائے ہمرکاب میں شامل تھے"۔(ص ۲۰۴)

یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی نوعیت کے علمی اعتراضات کتاب شمس الہدایت پر مولانا عبداللہ مرحوم سجادہ نشین گڑھی افغاناں ضلع اٹک نے بھی کیے جو شائع ہوئے۔ حضرت گولڑوی نے ان اعتراضات کا تحریری جواب دیا جو بعد میں شائع بھی ہوا۔ تفصیل مہر چشتیہ میں موجود ہے۔

(تذکرہ بگویہ ص ۲۹۷)

از قلم صاحبزادہ ابرار احمد

حضرت مولانا حبیب اللہ (کلرک) امرتسری

تحریر: صاحبزادہ ابرار احمد بگوی

مولانا حبیب اللہ امرتسری ۱۸۹۸ء کے اواخر میں سری نگر کے محلہ زینہ کدول میں پیدا ہوئے ۔آپ کا تعلق کشمیری قبیلہ کدول سے تھا۔ آپ کے والد سید مختار شاہ کشمیری شالوں اور اخروٹ کی لکڑی کا کاروبار کرتے تھے۔ ان کا کاروبار بنگال، سی پی، یوپی اور حیدر آباد دکن تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ موسم سرما میں اپنے کارندوں سمیت سری نگر منتقل ہو جاتے تا کہ کاروبار میں رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائے۔ سید مختار شاہ کی شادی کابل کے ایک دیندار گھرانے میں ہوئی تھی۔ ان کے خسر سلطان خان بھی ایک تاجر تھے۔ مولانا حبیب اللہ اپنے والدین کی تیسری اولاد تھے۔ سید صاحب کو دو بڑی اولادوں کے عین جوانی میں انتقال سے جو صدمہ پہنچا وہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا ۔ان کے انتقال کے وقت مولانا حبیب اللہ کی عمر صرف دس سال تھی۔ آپ کی والدہ نے ان کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ چنانچہ انہوں نے میٹرک کا امتحان گونمنٹ ہائی سکول امرتسر سے مرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ کسب معاش کے لیے وہ آبائی کاروبار ہی کو کرنا چاہتے تھے لیکن والدہ محترمہ نے منع کیا اور ملازمت اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ مولانا حبیب اللہ محکمہ انہار میں کلرک ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے شادی کی۔

یہ وہ دور تھا جب قادیانی نبوت کے خلاف علمائے کرام اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس نبوت کے مرکز قادیان میں ختم نبوت کانفرنس منعقد کرنا شروع کیا۔ مولانا حبیب للہ مرحوم نے اس کانفرنس کے بانی مجلس احرار اسلام کی سرگرمیوں میں عملہ حصہ لینا شروع کر دیا۔ اپنے وسیع

مطالعہ اور غیر معمولی حافظہ کی بدولت بہت جلد انہیں تحریک ختم نبوت میں نمایاں مقام حاصل ہوگیا۔ مشہور مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری اس میدان میں بہت آگے تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ مولانا حبیب اللہ کے سسر کی حقیقی چچازاد بہن تھیں اس لیے اس خاندانی تعلق اور علمی ہم آہنگی نے ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۵ء تک مولانا ثناء اللہ امرتسری کی سربراہی میں مولانا حبیب اللہ اور مولوی عبداللہ پر مشتمل ایک ٹیم نے ہندوستان کا دورہ کر کے قادیانیوں اور پادریوں کے ساتھ مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دی۔ مولانا حبیب اللہ نے قادیانیت کو بے نقاب کرنے اور قادیانی نبی کے جھوٹ اور تضادات کا بھانڈا پھوڑنے کے لیے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھنے شروع کیے جو ملک میں بے حد مقبول ہوئے۔ قادیانی بیورکریٹ ظفر اللہ خان نے گورنر پنجاب سے درخواست کر کے ختم نبوت کانفرنس میں مولانا کی شرکت پر پابندی لگوائی تو انہوں نے سرکاری ملازمت کو ٹھوکر مار کر اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دینے کا عہد کیا۔ اس کے بعد آپ کشمیر گئے وہاں کافی عرصہ قیام کر کے اپنی تحقیق ”حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں نہیں“ کے عنوان سے ایک مقالہ میں پیش کی۔ جب یہ مقالہ شائع ہوا تو علمائے اسلام میں اس کی خوب پذیرائی ہوئی۔ پورے ہندوستان، نیز افریقہ اور انڈونیشیا سے بھی اس کتابچہ کی مانگ آئی۔

۱۹۳۷ء میں بھیرہ ضلع شاہ پور کے مشہور عالم اور بے مثل خطیب مولانا ظہور احمد بگوی کی دعوت پر ان کی قائم کردہ تنظیم حزب الانصار کے تحت شمالی پنجاب میں قادیانیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے قریہ قریہ سفر کیا اور قادیانیوں سے مناظرے کیے۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ایم۔اے۔او سکول امرتسر میں اکاؤنٹنٹ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پاکستان بنا تو لٹ لٹا کر بھیرہ پہنچے لیکن جلد ہی سرگودھا میں قیام کا انتظام ہوگیا۔ آپ نے محکمہ انہار جہلم میں ملازمت اختیار کی لیکن امراض جگر نے آگھیرا اور ۱۹۴۸ء میں سرگودھا میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ ان سے چند روز پہلے ہی مولانا ثناء اللہ کا بھی انتقال ہوا تھا۔ چنانچہ دونوں رفیق ایک ہی قبرستان میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دفن ہوئے۔

مولانا حبیب اللہ مرحوم کی پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے تھے۔ دو بیٹیوں کی شادی مولانا ظہور احمد بگویؒ کے دو بھتیجوں مولانا افتخار احمد بگوی اور مولانا حکیم برکات احمد بگوی سے ہوئی۔ ایک بیٹا شیر خوارگی کے دوران فوت ہوگیا جب کہ دوسرا عالم جوانی میں۔ مولانا حبیب اللہ کی نشانی ان کے

بڑے بیٹے حکیم محمد ذوالقرنین حیات ہیں۔ان کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی سب سے سب ماشاء اللہ شادی شدہ ہیں۔حکیم صاحب تحریک ختم نبوت میں عملی حصہ لیتے رہے۔انہوں نے حکمت کی تعلیم استاذ الحکما حکیم حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم سے حاصل کی جو مولانا حبیب اللہ مرحوم کے داماد تھے.

مولانا امرتسری مرحوم کو مطالعہ کتب سے خاص دلچسپی تھی۔اپنی آمدنی کا اکثر حصہ کتب کی خرید اوران کی خوبصورت چرمی جلدیں بنوانے پر صرف کرتے۔نماز کا بڑا اہتمام کرتے۔نماز باجماعت کے لیے اپنے محلہ کے نوجوانوں کو ساتھ لے جاتے۔راہ چلتے بچوں سے کلمہ طیبہ،نماز اور دعائیں سنتے۔جو بچہ صحیح سناتا اور اسے انعام کے طور پر پھل یا مٹھائی۔لے کر دیتے۔اہل خاندان کو شرع کی پابندی کی تلقین کرتے۔ایک جگہ اپنی منگنی صرف اس بنا پر توڑ دی کہ لڑکی والے غیر شرعی رسوم ادا کرنے پر بضد تھے ہمسایوں اور بیواؤں کے حقوق کا خاص خیال رہتا تھا۔کمزوروں کا سامان اٹھا کر خود ان کے گھروں تک پہنچاتے تھے۔ہر وقت باوضو رہتے اور تسبیح میں مشغول رہتے تھے۔دین کی بات بڑے دل نشین اور دھیمے طریقہ سے سمجھاتے۔پاکستان بننے پر جب ان کے محلہ پر سکھوں نے دھاوا بول دیا تو تن کے کپڑے لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے،بھیرہ پہنچے تو ان کے لیے ایک نیا جوڑا تیار کروایا۔وہ دھلنے کے لیے دھوبی کے ہاں بھیجا گیا تو چوری ہو گیا۔مولانا کو معلوم ہو تو فرمایا''الحمدللہ سرخرو ہو گیا''جو کمایا وہ امرتسر میں رہ گیا جو نیا لباس بنایا وہ چوری ہو گیا،میں حساب کتاب سے پاک ہوا.

قادیانیت کی حقیقت کا پردہ چاک کرنے کے لیے مولانا حبیب اللہ نے رسائل لکھنے کا سلسلہ ۱۹۲۴ء میں شروع کر دیا تھا جب ان کی پہلی تصنیف''عمر مرزا''انجمن اہل سنت والجماعت گوجرانوالہ نے شائع کی۔اس کے بعد مراق مرزا،مرزائیت کی تردید بطرز جدید،حضرت مسیح کی قبر کشمیر میں نہیں،بشارت احمد واقعات نادرہ اور نزول مسیح وغیرہ تمام کتب جن کی تعداد ۱۶ ہے ۱۹۳۴ء تک شائع ہو چکی تھیں مولانا کا تصنیف کا اپنا خاص انداز ہے۔وہ حریف کی تضاد بیانی کو نمایاں کرتے اور ایسے شواہد جمع کرتے ہیں جس اس کا جھوٹ واضح ہو جائے اور سچی بات سامنے آجائے.

(ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ
مولانا حبیب اللہ امرتسری نمبر
رجب ۱۴۲۰ھ بمطابق نومبر ۱۹۹۹ء)

تصانیف مولانا حبیب اللہؒ امرتسری

مولانا حبیب اللہ امرتسری کی تصانیف عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے احتساب قادیانیت کی تیسری جلس میں شائع کردی ہیں۔

حضرت مولانا سید بدر عالمؒ میرٹھی

حضرت مولانا سید بدر عالمؒ میرٹھی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے نامور تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے تذکرہ ضمن میں آپ کا کچھ ذکر خیر ہو چکا ہے.

آپ اعلیٰ پائے کے مناظر اور محدث تھے، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی راوی ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا قادیانیوں پر اس قدر رعب ہے کہ تم کسی قادیانی مناظر سے کہہ دو کہ میں بدر عالم کا شاگرد ہوں وہ بھاگ جائے گا۔ مولانا چنیوٹی اپنے متعلق کہا کرتے تھے کہ الحمدللہ میرا بھی یہی حال ہے آپ کسی قادیانی سے کہہ دیں کہ میں منظور چنیوٹی کا شاگرد ہوں وہ آپ کا سامنا نہیں کر سکے گا راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا عبدالعزیز آدم طوری افریقہ سے پڑھنے کے لے ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ آئے اور کئی سال زیر تعلیم رہے، جب یہاں سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن پہنچے تو انہیں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کر دیا انہوں نے ایک اشتہار چھاپا جس میں مولانا چنیوٹی کی تصویر چھاپی اور نیچے لکھا کہ مولانا چنیوٹی کا شاگرد عبدالعزیز آدم طوری قادیانیوں سے مناظرہ کرے گا۔ قادیانیوں نے جب مولانا چنیوٹی کی تصویر دیکھی اور مولانا عبدالعزیز کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ مولانا چنیوٹی کے شاگرد ہیں تو میدان میں آنے سے انکار کر دیا.

یہ تفصیل تو جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی۔ بات مولانا بدرالدین عالمؒ کی ہو رہی تھی آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب ترجمان السنۃ میں ختم نبوت اور رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے موضوعات پر جو کچھ لکھ دیا ہے وہ حرف آخر کی صلاحیت رکھتا ہے، ترجمان السنۃ سے آپ کی تحریر ''نزول عیسیٰ علیہ السلام'' کے عنوان سے الگ کتابی صورت میں بھی شائع ہوئی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی بعض حضرات نے شائع کیا.

مولانا سید محمد علیؒ مونگیری

مولانا محمد علی کا ایک اہم کارنامہ جس کے ذکر کے بغیر ان کی تاریخ نامکمل رہے گی، قادیانیت کا مقابلہ اور سرکوبی ہے. انہوں نے اس کے لے اپنی پوری وقت صَرف کردی، اور جب تک اس مہم میں کامیاب نہ ہوئے اطمینان کی سانس نہ لی. انہوں نے قادیانیت کی تردید میں سو سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف کیے ہیں جس میں سے صرف ۴۰ کتابیں ان کے نام سے طبع ہوئیں اور بقیہ دوسرے نام سے.

انہوں نے اس کو وقت کا افضل ترین جہاد قرار دیا۔ اور اس کے لیے لوگوں کو ہر قسم کی کوشش اور قربانی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ۔ اور بڑی دلسوزی کے ساتھ اس کی اہمیت سمجھائی ۔ ان کوششوں سے بہار (جس پر قادیانیوں نے اس زمانہ میں بھرپور حملہ کیا تھا، اور بڑی تعداد میں مسلمان اس کا شکار ہوئے تھے) اس خطرہ سے محفوظ ہو گیا، اور ہندوستان کے اور دوسرے علاقوں میں بھی جہاں کہیں مولانا کی تصنیفات پہنچیں، یا مولانا کے مبلغین پہنچے قادیانیت کے قدم اُکھڑ گئے ۔ مسلمانوں پر اس نئے دین کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی، ہزاروں لاکھوں مسلمان اس فتنہ سے محفوظ ہو گئے.

ایک تاریخی مناظرہ

اس جدوجہد کا آغاز ایک تاریخی مناظرہ سے ہوا جس میں قادیانیوں کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ انہوں نے دوباہ اس میدان میں آنے کی جرأت نہ کی ۔ یہ قادیانیت پر پہلی ضرب کاری تھی جس سے نہ صرف بہار کے قادیانیوں کو بلکہ پورے ہندوستان کی قادیانی تحریک کو سخت نقصان پہنچا اور اس کے بہت خوشگوار نتائج برآمد ہوئے ۔ اس مناظرہ میں (جو ۱۹۱۱ء میں ہوا) تقریباً چالیس علماء شریک تھے ۔ دوسری طرف سے حکیم نورالدین وغیرہ آئے تھے ۔ مناظرہ کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ادھر مناظرہ شروع ہوا اُدھر مولانا سجدہ میں گر پڑے، اور جب تک فتح کی خبر نہ آئی سر نہ اٹھایا.

قادیانیت کے خلاف زبردست مہم

اس مناظرہ کے بعد مولانا نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقہ پر زبردست مہم شروع کی، اس کے لیے دَورے کیے، خطوط لکھے اور رسائل اور کتابیں تصنیف کیں، دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کروا کے مونگیر لانے اور اشاعت کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا اور حالات کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں ذرا بھی سستی اور تاخیر نہ ہو، اس لیے مولانا نے خانقاہ میں ایک مستقل پریس قائم کیا۔ اس پریس سے (اور کتابوں کے علاوہ) سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوئیں جو سب مولانا کے قلم سے ہیں، اس قدر ضعیف اور سلسلہ علالت کے ساتھ جو بدستور جاری تھا اتنا وقیع اور عظیم تصنیفی کام بجائے خود ایک کرامت سے کم نہیں اور تائید الٰہی و توفیق خداوندی کے سوا کسی اور چیز سے اس کی توجیہ نہیں ہوسکتی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے، ہر چیز میں خدا کا فضل اُن کے شامل حال تھا.

شہرت و ناموری سے اجتناب:

یہ عہدہ و منصب اور ناموری اُن کے لیے اب "پَیر کی بیڑی" سے زیادہ حثیت نہیں رکھتی تھی، اس موقع پر یہی رنگ غالب رہا۔ چنانچہ اتنے زبردست تصنیفی ذخیرے میں صرف ۴۰ کتابیں مولانا کے نام سے طبع ہوئی ہیں، ان میں بعض کتابوں پر مولانا کا نام ہے اور بعض پر اُن کی کنیت ابو احمد ہے، یہاں تک ان کی مشہور کتاب "فیصلہ آسمانی" بھی ابو احمد رحمانی ہی کے نام سے شائع ہوئی ہے.

ان کتابوں کو مولانا اکثر بڑی تعداد میں مفت تقسیم کرتے، اور مناسب جگہوں پر پہنچاتے۔ مولانا کے ہزاروں روپیہ اس مد پر خرچ ہوئے لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اس وقت ان کے سامنے صرف ایک مقصد تھا، وہ یہ تھا کہ وہ قیمت پر اس تحریک کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ اپنے مریدین کو بھی جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی مولانا نے اس کام پر لگانا چاہا، اور جدید اسلوب میں اس مقصد کے لیے ان کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ صرف انفرادی حثیت سے نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت سے اور متحد اور منظم طریقے سے قادیانیت پر بھرپور حملہ کیا جائے.

حاجی لیاقت حسین کو (جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے) مولانا نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے، ایک خط ان کو لکھتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ مخالفین اسلام کی بے انتہا سعی اور کوشش کا جواب دیا جائے۔ بالخصوص مرزائی جماعت کا فتنہ فرو کرنے میں جو کچھ ہو سکے اس سے دریغ نہ کیا جائے اور نہایت انتظام کے ساتھ یہ سلسلہ میرے بعد بھی جاری رہے، اس لیے رائے یہ ہے کہ ایک انجمن قائم، کی جائے جس کا نظم تم لوگ اپنے ہاتھ میں لو، اور اس کے لیے ہر وہ شخص جو مجھ سے ربط تعلق رکھتا ہے، وہ اس میں حسب حیثت التزام کے ساتھ ماہانا شرکت کرے، ورنہ جو شخص میرے اس دینی اور ضروری کہنے کی طرف بھی متوجہ نہ ہوگا، میں اُس سے ناخوش ہوں اور وہ یہ سمجھ لے کہ اس کا مجھ سے کیا تعلق باقی رہا''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کے مریدین، مسترشدین اور خلفاء کے ذریعہ بہت بڑا کام ہوا۔ اور انہوں نے مولانا کی رفاقت، محبت اور اطاعت کا حق ادا کر دیا.

مولانا کو سنگین خطرہ کا جو مسلمانوں کے سَروں پر منڈلا رہا تھا پورا احساس تھا، اور اس کے مقابلہ کو اُن کو اس قدر زائد اہتمام تھا کہ یہ کہا کرتے تھے کہ:

''اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صُبح سو کر اُٹھے تو اپنے سرہانے ردقادیانی کی کتاب پائے.''

اس بات سے مولانا کے اس اہتمام وتوجہ اور خلش و بے چینی کے ساتھ اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت اس تحریک نے کتنی خطرناک اور تشویش انگیز صورت اختیار کر لی تھی اور اس بات کی ضرورت صاف محسوس ہو رہی تھی اس کے سد باب کے لیے اسی دلسوزی اور اس کی کوشش کرتے کہ قادیانیت سے ان کی واقفیت بہت گہری ہو، تا کہ وہ خود اعتمادی اور کامیابی کے ساتھ یہ اہم فریضہ انجام دے سکیں اور عین وقت پر لاجواب اور شرمندہ نہ ہوں جس کا عام مسلمانوں پر بہت بُرا اثر پڑ سکتا ہے.

مریدین واہل تعلق میں جو اہل علم حضرات تھے ان کو بھی اس بات پر آمادہ کرتے رہتے کہ وہ قادیانیت کے رد میں رسائل اور کتابیں لکھیں۔ غرض اس سلسلہ کی جو بھی کوشش ان کے لیے ممکن تھی اس میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہ چھوڑی، ان ساری صلاحیتوں وقوتوں اور ذرائع و وسائل کو پوری طرح استعمال کیا جو ان کے دسترس میں تھے۔

مولانا محمد علی مونگیریؒ کی تصانیف

آپ کی تصانیف احتساب قادیانیت جلد پنجم وہفتم میں شائع ہوچکی ہیں

مولانا مونگیری کی بعض تصانیف کا ایک جائزہ

اس کے علاوہ جو تصنیفات رد قادیانیت میں ہیں ان میں چشمہ ہدایت چیلنج محمدیہ، معیار صداقت، معیار المسیح، تنزیہ ربانی، آئینہ کمالات مرزا، نامۂ حقانی زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ کل کتابوں کی تعداد ۵۰ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے رسائل بھی ہیں جو پہلے چھپے تھے اس کے بعد ختم ہو گئے۔ اور پھر چھپنے کی نوبت نہ آسکی، اور اب ان کا سراغ لگانا بھی آسان نہیں. دراصل مولانا نے تنہا وہ کام کیا جو ایک اکیڈمی بھی اتنے بہتر اور کامیاب طریقہ پر نہیں کرسکتی تھی۔ قادیانت کے خلاف یہ سارا لٹریچر مولانا ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے، اور انہوں نے اس کے خلاف مکمل مواد فراہم کر دیا ہے، اور اس کے ہر ہر پہلو کا پورا تجزیہ کیا ہے.

رسالہ ''چیلنج محمدیہ'' عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا، اور اس کی خوب اشاعت ہوئی۔ ایڈیٹر الفضل اور خلیفہ قادیان کو کئی مرتبہ بھیجا گیا لیکن مسلسل سکوت کے سوا اور کوئی جواب نہ ملا، اس میں مرزا صاحب کو خود اُن کی زبان سے جھوٹا ثابت کیا گیا ہے.

''چشمہ ہدایت'' کے آخر میں اعلان کیا گیا کہ جو اس کا جواب دے گا اس کو دس ہزار روپیہ پیش کیا جائے گا۔ اس رسالہ میں مرزا صاحب کے ۱۸، اقوال نقل کیے ہیں اور اس سے ان کی مفتری اور کاذب ثابت کیا ہے۔ بار بار چیلنج کے بعد بھی کسی نے اس کا جواب دینے کی کوشش نہیں کی.

ایک عام فہم اور واضح دلیل جس کا مولانا نے تقریباً اپنی ہر کتاب اور ہر رسالہ میں ذکر کیا ہے، ارقادیانیوں کو سوچنے کی دعوت دی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام کے نزول کی علامت یہ ہے کہ تمام کافر اسلام لے آئیں گے اور دنیا سے فسق و فجور اٹھ جائے گا۔ وہ انسان کے انصاف پسند اور سنجیدہ ذہن سے اپیل کرتے ہوئے بار بار کہتے ہیں کہ غور کرو مرزا صاحب کے آنے سے کیا یہ بات حاصل ہوئی جو انہوں نے بیان کی ہے.

''معیار صداقت'' میں لکھتے ہیں:

''ایک فتویٰ مرزا صاحب اور ان کے خلیفہ اور صاحبزادہ کا یہ ہے کہ جو کوئی مرزا صاحب پر ایمان نہیں لایا وہ کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو تقریباً ۲۴ کروڑ مسلمان تھے وہ مرزا صاحب کے وجود سے سب کافر ہو گئے بجز قلیل گروہ کے، اور کوئی کافر مسلمان نہیں ہوا۔''

قادیانیوں نے آخر میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرنے کی کوشش کی، اور توڑ موڑ کر اس کے معنی بیان کرنے شروع کیے۔ مولانا نے اس کے رد میں ''معیار المسیح'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور ایک ایک دلیل کو لے کر اس کی غلطی ظاہر کی۔

مولانا کے ان رسائل کے جواب میں سب قادیانیوں نے مل کر ایک رسالہ ''اسرار نہانی'' لکھا اور اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے مولانا کو خاص طور پر ہدف بنایا اور کوشش کی کہ عام مسلمان مولانا سے بدظن ہو جائیں، اس کے بعد اُن کو مرزا صاحب کی طرف متوجہ کرنا آسان ہوگا۔ اس کے لیے انہوں نے دو تنخواہ دار مبلغین رکھے اور ان کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ گاؤں گاؤں پھر کر سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں میں مولانا سے نفرت پیدا کریں، اور ان کی زندگی کو ان کے سامنے گھناؤنا بنا کر پیش کریں تاکہ ان کی وقعت اور محبت لوگوں کے دلوں سے نکل جائے جو قادیانیت کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہی ہے۔

مولانا نے مولانا عبدالرحیم کے نام ایک طویل مکتوب میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ نیز ''صحیفہ رحمانیہ'' میں بھی اس کا ذکر کیا ان الفاظ میں ملتا ہے:

''چونکہ اس جماعت کو خدا سے واسطہ نہیں ہے اس لیے جواب سے عاجز ہو کر فحش کلامی اور بیہودگی کر کے حضرت مخدوم بہاری اور حضرت مجدد الف ثانی علیہما الرحمۃ وغیرہ بزرگوں کو در پردہ اور حضرت مولف فیصلہ آسمانی کو علانیہ گالیاں دینا اور عوام کو بہکانا شروع کیا ہے۔''

''مرزائی نبوت کا خاتمہ'' نامی ایک رسالہ مولانا نے اور لکھا اور ختم نبوت کو ثابت کیا یہ رسالہ ۱۹۱۴ء میں دہلی میں شائع ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا لیکن کوئی قادیانی اس کا جواب نہ دے سکا۔

قادیانیوں کی طرف سے ایک دلیل یہ دی جانے لگی تھی کہ:

''مدعی کاذب اور مفتری نہ باقی رہ سکتا ہے اور نہ پھل پھول سکتا ہے، لیکن مرزا صاحب کو برابر کامیابی ہو رہی ہے، اور لوگ اُن کے دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں، اور یہ اس کا ثبوت ہے مرزا صاحب حق پر ہیں۔''

اس کے رَد میں مولانا نے ایک رسالہ ''عبرت خیز'' لکھا۔ اور اس غلط خیال کی تردید کی، اور قرآن مجید اور تاریخ وواقعات کے حوالہ سے اس دعوی کی کمزوری واضح کی۔

مکتوب بنام استاد فرمانروائے دکن

خواجہ کمال الدین نے حیدر آباد میں زور شور سے قادیانیت کی تبلیغ شروع کی تھی، اور اس کے لیے ایسا اسلوب اختیار کیا تھا کہ لوگوں کے جذبات بھی زیادہ مجروح نہ ہوں اور وہ تدریجی طور پر قادیانیت کو قبول کرنے کے لیے تیار بھی ہوسکیں۔

انہوں نے ''صحیفہ آصفیہ'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا اور اس میں بڑی چابکدستی کے ساتھ مولانا ہی کے الفاظ میں ''زہر کی تخم پاشی'' کی۔ بدقسمتی سے اُن کو دربار میں بھی تقرب حاصل ہوگیا، اور دوسری طرف انہوں نے یہ اعلان شروع کیا کہ ہمارا مقصد صرف اشاعت اسلام ہے۔ اس کا جو اثر مسلمانوں پر پڑا وہ ظاہر ہے بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان اس اعلان سے بہت متاثر ہوئے جو ایک انگریزی تعلیم یافتہ کی طرف سے برابر کیا جارہا تھا۔

مولانا اس صورت حال سے بہت بے چین اور مشوش تھے۔ اس کے لیے اُنہوں نے نظام حیدر آباد کے اُستاد فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خان صاحب کو ایک مفصل مکتوب میں اس کی طرف توجہ دلائی اور اپنے دردِ دل کا اظہار کیا۔

مولانا کی تصنیفات کا اثر

مولانا کی ان تصنیفات ورسائل اور خطوط ومکاتیب نے اتنا کام کیا کہ بعض اوقات قادیانی مبلغ یہ علم ہوتے ہی کہ مولانا کے رسائل کی فلاں جگہ لوگوں میں عام اشاعت ہو رہی ہے وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے اور جب وہاں بھی اُن رسائل نے ان کا تعاقب کیا تو ان کو کسی تیسری جگہ پناہ لینی پڑی۔ یہاں تک نوبت آئی کہ مولانا کا نام ہی قادیانیوں کی شکست کا رمز بن گیا۔

ان تصنیفات بالخصوص ''فیصلہ آسمانی'' اور شہادت آسمانی کے مطالعہ سے غیر جانبدار شخص اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ قادیانیت کے رَد میں جو لٹریچر اب تک تیار کیا گیا ہے اس میں یہ کتابیں بہت ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے تردید قادیانیت میں جو اہم پارٹ ادا کیا ہے اور مسلمانوں کو جتنا فائدہ پہنچایا ہے اس کوئی مورخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

مولانا کے اس ''قلمی جہاد'' سے ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس جال میں پھنس چکی تھی، اور اندیشہ تھا کہ ایک کثیر تعداد اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے گی۔ مولانا کی کوششوں سے یہ سب اس تحریک کا شکار ہونے سے بچ گئے ان کتابوں اور رسائل کا اثر صرف بہار تک محدود نہ تھا۔ پنجاب، بنگال، مدارس، بمبئی، گجرات، حیدآباد، سلہٹ، ڈھاکہ، نوکھالہ، میمن سنگھ جس جگہ قادیانیوں کے قدم پہنچے وہاں مولانا کی تصنیفات بھی ان کے تعاقب میں پہنچیں، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو قادیانی بھاگنے پر مجبور ہوئے، یا خاموشی اختیار کر لی۔

برما اور افریقہ میں بھی مولانا کی تصنیفات اور رسائل بڑی تعداد میں پہونچے، اور اس کی وجہ سے قادیانیت کے جمتے ہوئے قدم متزلزل ہو گئے اور بہت سے مسلمان جو اس سے متاثر ہوئے تھے اس سے واقف ہو کر بیزار ہو گئے. صوبہ سرحد میں بھی ان رسائل کی اچھی اشاعت ہوئی، متعدد رسائل کا انگریزی، گجرات ء اور بنگلہ زبان میں ترجمہ بھی ہوا. کٹک اور اس کے اطراف میں قادیانیت نے خاصا زور پکڑ لیا تھا اور اُن کی ایک مضبوط جماعت بن گئی تھی، جس کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا لیکن وہاں کے مدرسہ سُلطانیہ کے صدر مدرس مولانا سید محمد قاسم بہری نے جلد ہی اس کے تریاق کی فکر کی اور مولانا کے رسائل منگوا کر اس کی اشاعت کی کوشش کی اور اس کے نتیجہ میں ان اطراف میں یہ فتنہ بالکل ختم ہو گیا______ کٹک سے مولانا کے ایک عقیدت مند مولانا کو ان حالات سے مطلع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضور کے رسالوں اور کتابوں کا اس ملک میں اچھا اثر پڑا، مسلمانوں کے عقائد بہت درست ہو گئے، ایک جم غفیر اور بڑی جماعت جو قادیانی ہونے والی تھی انہیں کتابوں کی بدولت قادیانی ہونے سے بچ گئی اور اب یہ حالت ہے کہ کسی قادیانی کو اپنے مذہب سے دلچسپی نہیں رہی۔''

بہار میں بہت سی مساجد پر قادیانیوں نے قبضہ کر رکھا تھا اور مسلمانوں نے صبر کر لیا تھا۔لیکن مولانا کی ہمت افزائی اور پشت پناہی سے تین چار اہم مساجد کے سلسلہ میں مسلمانوں نے ہائی کورٹ تک مقدمہ لڑنے کا فیصلہ کیا اور کامیاب ہو گئے تھے۔ بہار کی اس کامیابی کا اثر کچھ ایسا پڑا کہ اس کے بعد پنجاب میں مسلمانوں کو متعدد مقدموں میں کامیابی ہوئی اور قادیانی ان کی مسجدوں سے بے دخل کیے گئے۔

اگر کبھی برسوں کے بعد مرزا یا ان کے حامیوں کی طرف سے مولانا کی کسی کتاب کا جواب دیا گیا تو مولانا نے فوراً اس کی تردید میں رسالہ لکھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ پھر دوبارہ ان کو ہمت نہ ہوئی اور اس میدان میں ان کو اپنی کامیابی بہت دشوار نظر آنے لگی۔

چونکہ مولانا پیچیدہ مسائل اور علمی مباحث کو بھی سلجھا کر اور سادہ و دلنشین انداز میں پیش کرنے کے عادی تھے اس لیے عام مسلمانوں کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا بہت آسان تھا، اور یہی مولانا کا مقصد بھی تھا__________ مولانا اکثر فرماتے تھے کہ:

''اتنا لکھو اور اس قدر طبع کراؤ اور اس طرح تقسیم کرو کہ ہر مسلمان جب صبح اٹھے تو اپنے سرہانے رد قادیانیت کی کتاب پائے۔''

اور حق یہ ہے کہ مولانا نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا، اور ان کا یہ سوز و اضطراب سیماب وشی و بے قراری اور جہادِ مسلسل اس بات کی تصدیق کے لیے بالکل کافی ہے۔

(**ماخذ:** سیرت مولانا سید محمدؒ مونگیری (ملخصاً) از مولانا سید محمد حسنیؒ مطبوعہ کراچی)

مولانا محمد عبداللہ معمار

از قلم مولانا عنایت اللہ چشتیؒ

مولوی عبداللہ معمار عجیب شخصیت کے بزرگ تھے۔ آخر تک ''معماری'' کا ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ ''اہل حدیث مسلک'' سے تعلق رکھتے تھے۔ کہیں کسی دینی مکتب میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ والد معمار تھا اور معماری کا کام کرتا تھا اور یہی اس کا ذریعہ معاش تھا۔

مولوی عبداللہ نے ہوش سنبھالا تو والد مرحوم نے معماری کے کام پر لگا دیا لیکن ان کے سینہ میں ایک تڑپ تھی جو باوجود مزدوری کے فرصت کے وقت انہیں اپنی جانب متوجہ رکھتی، وہ تھا

''مرزائیت کے خلاف جذبۂ تردید'' بچپن میں والد مرحوم نے معمولی حرف شناخت کرایا تھا اور اپنے پیشہ معماری میں انہیں لگا دیا تھا۔ مسلک اہل حدیث تھا اس لیے نامور عالم دین جناب ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے ہاں آنا جانا تھا۔ اُردو تو کسی حد تک جانتے تھے اس لیے مرزا قادیانی کی تصانیف کو پڑھنا شروع کیا۔ تعلیم کم تھی اس لیے مرزا قادیانی کی تصانیف کے بعض مقامات سمجھنے اوران کی تردید میں مولانا موصوف سے امداد لیتے تھے۔ مولانا نے فرمایا: ''تمہارا یہ اشتیاق یوں پورا نہ ہوگا جب تک کچھ قواعد عربیہ سے واقف نہ ہو جاؤ۔'' دن بھر اپنی مزدوری کرو' اور فلاں وقت فرصت نکال کر میرے پاس آ جاؤ۔ میں تم کو باتوں باتوں میں قواعد عربیہ سے بھی واقف کرادوں گا اور مرزائیت کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے مرزائیت کے خلاف تم مبلغ بن جاؤ گے۔''
چنانچہ دن بھر والد مرحوم کے ساتھ مزدوری کرتے اور فرصت پا کر مولانا ثناء اللہ صاحب کے ہاں حاضر ہو کر عربی قواعد بھی سیکھتے۔

اس زمانہ میں مرزائی مبلغ مرزائیت کی اشاعت میں شد و مد سے سرگرم تھے۔ انگریزی کی شہ تھی اور انہیں جماعت سے باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔ عوام میں مرزائیت کے خلاف کوئی جذبہ نہ تھا' اس لیے مرزائی مبلغ لوگوں کے گھروں میں گھس جاتے اور ''مرزا کی خانہ ساز نبوت'' کو منوانے کے لیے انہیں پریشان کرتے۔ رات کو کسی مکان کی چھت پر چڑھ جاتے اور گھر بیٹھے لوگوں کو مرزا کی نبوت تسلیم کرنے پر مجبور کرتے۔ عوام اَن پڑھ تھے اور لکھے پڑھے مولوی مرزائی ہتھکنڈوں سے ناواقف تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ مرزائی انہیں دلائل میں لاجواب کر دیتے تھے اور اس کا عوام پر بڑا اثر پڑتا تھا۔ مرزائی ہتھکنڈوں سے واقف گنتی کے چند علماء ملک میں تھے جنہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتب کا مطالعہ کیا ہوتا' ورنہ عام مولوی مرزائیوں کے رٹے رٹائے دلائل ''وفات مسیح'' یا ''اجرائے نبوت'' سے ناواقف تھے۔ ان حالات میں مولوی عبداللہ جو مولانا ثناء اللہ صاحب سے عربی میں دسترس حاصل کر چکے اور مرزائیوں کے دلائل اور ان کے جوابات کے ماہر ہو چکے تھے وہ اپنے معماری کے کام میں کمی کر کے مرزائی مبلغین کے سامنے آئے اور انہیں ہر مقام پر شکست دی۔ مرزائی دلائل اگرچہ اتنے مضبوط نہ تھے کہ ان کے جوابات سے علماء عاجز تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ ہمارے علماء مرزائی لٹریچر سے ناواقف تھے اور جب تک مرزائی لٹریچر نہ پڑھا جائے۔ مرزائیوں سے مناظرہ میں عہدہ برآ ہونا ایک کٹھن کام تھا۔ مولوی عبداللہ نے جو دو ایک

مقام پر مرزائی مبلغین کو پچھاڑا اور انہیں خوب پٹخنی دی تو ان کی شہرت ہوگئی اور لوگ انہیں بہ وقت ضرورت بلانے لگے۔ انہوں نے معماری کا کام ایک حد تک کم کر دیا اور مرزائیوں کے تعاقب میں لگ گئے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مولوی عبداللہ کوئی بڑے عالم نہ تھے' اور نہ ہی ''بڑے تیز طرار مقرر'' تھے۔ بات یہ تھی کہ مرزائی لٹریچر کے ماہر ہو گئے۔ مرزا کی اصل تصانیف عموماً ساتھ رکھتے تھے۔ خدا نے انہیں نعمتِ حافظہ سے اتنا نوازا تھا کہ وہ اس لحاظ سے ''وحید العصر'' متصور ہوتے تھے اور بلا کے حاضر جواب تھے۔ ایک سامع ان کا فوری جواب سن کر دنگ رہ جاتا تھا۔

ہماری جماعت میں مولانا لعل حسین اختر کا مرزائیوں سے مناظرہ کا بڑا شہرہ ہو رہا تھا اور وہ اتنے تیز اور لسان تھے کہ منٹوں میں بیسیوں باتیں کہہ جاتے تھے مگر متعین و مقرر سوال کا فوری جواب مولوی عبداللہ معمار کا حصہ تھا۔ ہم نواحِ قادیان میں مناظرہ کے لیے عموماً مولوی عبداللہ کو بلاتے تھے۔ ایک تو وہ اتنے سادہ تھے کہ دیکھنے والے انہیں ''معمار'' ہی خیال کرتا تھا۔ ''عالم'' اور ''مناظر'' کا ان کا حلیہ سے ہرگز گمان نہیں ہوتا تھا۔ تہمبند اور کھلے بٹن کا سادہ کرتہ پہنتے تھے اور سر پر معمولی سی پگڑی بغیر کلاہ کے۔ دیکھنے والا یہی خیال کرتا کہ ابھی دیوار بناتے اٹھ کر آئے ہیں اور گفتگو بھی سادہ امرتسری زبان میں کرتے تھے۔ آپ کو ان کے ایک مناظرہ کی مختصر روئداد سناتا ہوں جو قادیان کے نواح میں میری زیرِ صدارت ہوا تھا۔ مرزائی مبلغین کا زیادہ زور نواحِ قادیان میں ہوتا تھا تا کہ وہاں کی آبادی ہم خیال ہو جائے۔ ان کے بڑے بڑے مبلغین کے علاوہ جماعت کے اہم عہدہ دار بھی وقت نکال کر قادیان کے نواح میں ''تبلیغی فرائض انجام دیتے تھے۔ چودھری ظفر اللہ خان جو نہ صرف جماعت کا اعلیٰ عہدہ دار تھا بلکہ برطانوی حکومت میں اعلیٰ ترین عہدہ پر فائز تھا وہ بھی وقت نکال کر قادیان کے نواح میں ''پیدل'' تبلیغی فرائض انجام دیتا تھا۔ میں نے اسے اس وقت یہ فرائض ادا کرتے دیکھا جبکہ وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر تھا۔ وہ نہ صرف پرچار کرتا تھا بلکہ اپنے سرکاری عہدہ سے بھی ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا اور عوام کو دنیوی مفاد کا جھانسا دینے سے بھی نہ چوکتا تھا اور لوگوں کو مرزائیت کی جانب راغب کیا کرتا تھا۔

قادیان کے نواح میں پانچ چھ میل کے فاصلہ پر دریائے بیاس کے کنارہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' جس کا نام ''بیری'' تھا۔ وہاں ان کا جھرلو خاصا کارگر ہو گیا تھا اور گاؤں کے اکثر لوگ

مرزائیت قبول کر چکے تھے۔ وہاں کا صرف ایک کنبہ اڑا ہوا تھا' جس کا سربراہ گاؤں کا نمبردار بھی تھا اور صاحب جائیداد بھی۔ مرزائی اس پر بڑی یورش کر رہے تھے اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ نمبردار مرزائی ہو جاتا تو سارا گاؤں بالکلیہ مرزائی بن جاتا' جس کی اکثریت پہلے ہی مرزائی ہو چکی تھی تو نواح کے دوسرے مواضع پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا۔ خیر' ایک دفعہ وہ نمبردار قادیان میں ہمارے دفتر میں آیا اور کہا کہ ''میں مرزائیوں سے مناظرہ کرانا چاہتا ہوں' اور میرا ارادہ ہے کہ اگر مناظرہ میں مرزائی غالب آ گئے تو میں بھی مرزائی ہو جاؤں گا اور دوسرے چند آدمی جو میری وجہ سے متامل ہیں وہ سب مرزائی ہو جائیں گے۔ اب میرا مرزائی ہونا یا نہ ہونا تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' ہم نے کہا: ''مطمئن رہو' ہم تمہیں مرزائی نہیں ہونے دیں گے۔ اگر مرزائی خفیہ خفیہ ہماری بے خبری میں کسی کو پھسلا لیں تو وہ ہمارے بس کا روگ نہیں' ورنہ یوں باخبری میں ہم کسی کو ہرگز مرزائی نہیں ہونے دیں گے۔ آپ کے سامنے میدانِ مناظرہ میں ہم انہیں ایسا پچھاڑیں گے کہ پھر وہ مناظرہ کا نام تک نہیں لیں گے۔'' وہ بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا: ''اچھا یہ بات ہے تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں!'' وہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔

ہم نے مولوی عبداللہ کو امرتسر سے بلایا اور تاریخ مقرر کر کے موضع بیری پہنچ گئے۔ چونکہ وہ گاؤں مرزائیوں کا خیال کیا جاتا تھا اور خطرہ تھا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے اس لیے پولیس بھی بھاری تعداد میں وہاں موجود تھی۔ دریائے بیاس کا کنارہ تھا اس لیے یہ علاقہ بیٹ کے نام سے مشہور تھا۔ مناظرہ کا شہرہ سن کر سارا بیٹ اکٹھا ہو رہا تھا۔ قادیان سے مشہور مرزائی مناظر ابوالعطاء اللہ دتہ جالندھری ایک بھاری جماعتِ مرزائیت کے ساتھ قادیان سے موضوع بیری یعنی مقامِ مناظرہ میں پہنچ گیا۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے مناظر عبداللہ معمر تھے اور صدر میں تھا اور مرزائیوں کی جانب سے مناظر اللہ دتہ جالندھری تھا اور صدر کوئی دوسرا مرزائی تھا۔

مناظرہ شروع ہوا۔ پہلی تقریر اللہ دتہ جالندھری نے کی۔ اس نے ''صداقت مرزا غلام احمد'' پر بڑی زوردار تقریر کی کہ ''مرزا غلام احمد قادیانی اپنے ''دعاوی'' میں سچا ہے۔'' جب مرزائی مبلغ کی تقریر ختم ہوئی تو مولوی عبداللہ کی تقریر شروع ہوئی۔ موضوع تھا ''صدق و کذبِ مرزا' مولوی عبداللہ نے مرزا کی ''درثمین'' سے ایک شعر پڑھا اور کہا کہ ''آپ کو تسلیم ہوگا کہ یہ شعر آپ کے مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے؟'' وہ شعر یہ تھا:

"کرم خاکی" ہوں مرے پیارے نہ "آدم زاد" ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

"خلاصہ یہ کہ میں "آدم زادنہیں" بلکہ آدمی کے جسم کا وہ حصہ ہوں جس سے نفرت کی جاتی ہے اور مزید کہا کہ "آدمی کے جسم میں دو ہی مقام ایسے ہیں جن سے دیکھنے والا نفرت کرتا ہے' وہ قابل نفرت حصہ یا "اگلی جانب" ہے یا "پچھلی جانب۔" اب آپ بتائیں کہ مرزا قادیانی انسانی نفرت گاہ کا اگلا حصہ تھے یا پچھلا......؟"

اس گاؤں میں تو مرزائیوں کی اکثریت تھی مگر مجمع میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت جمع ہوگئی تھی۔ مولوی عبداللہ کی مختصر تقریر کے بعد مجمع میں سے ایک شور اٹھا کہ مزید بحث کی ضرورت نہیں ہم سمجھ گئے مرزا قادیانی کیا تھے اور مجمع کامیابی کے نعرے لگاتا ہوا منتشر ہوگیا۔ پولیس کی بھاری تعداد موجود تھی' کوئی دنگا فساد نہ ہوا اور مرزائی مبلغ اللہ دتہ اپنے ساتھیوں سمیت اپنا سامنہ لے کر قادیان واپس آ گیا اور مناظرہ بخیر وعافیت "مرزائی شکست" پر منتج ہوا۔

مولوی عبداللہ معمر لکھنے کے بھی دھنی تھے۔ انہوں نے "محمدیہ پاکٹ بک" لکھ کر ملتِ اسلامیہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اس میں انہوں نے تمام متنازعہ فیہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اُس کا پہلا ایڈیشن اس وقت چھپا تھا جبکہ میں قادیان میں تھا۔ اس کے بعد آج تک اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ مولوی صاحب "اہل حدیث" تھے۔ اس لیے محمدیہ پاکٹ بک کے حقوق بھی انہوں نے "جماعت اہل حدیث" کو دے دیے تھے۔ اب سنا ہے وہ فوت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں عمدہ مقام عنایت فرمائے۔ آمین۔

(مشاہدات قادیان ص ۱۷۴۔۱۷۷)

نوٹ: مولانا عبداللہ معمار کا انتقال ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ (ٹائیٹل محمدیہ پاکٹ بک)

حضرت مولانا محمد اسماعیل کٹکی (انڈیا)

انڈیا میں تحفظ ختم نبوت کے مجاہدین اور مناظرین میں حضرت مولانا محمد اسماعیل کٹکی کا نام نامی معروف ہے۔ آپ سید خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا کٹکی کی ننھیال ایک ہے۔ آپ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں

پڑھتے رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت مدنی کے شاگرد ہیں۔ آپ نے فن مناظرہ کی تعلیم مولانا چاند پوری سے حاصل کی۔ آپ نے آریہ سماج اور عیسائیت اور قادیانیت کا تعاقب کیا اور ان سے بیسیوں مناظرے کیے۔ آپ نے ۱۹۳۴ء کی قادیان میں احرار کانفرنس میں شرکت کی۔ اس اثناء میں آپ نے مرزا قادیانی کی کتابوں کا پورا سیٹ خریدا۔ کچھ کتابیں مولانا ثناء اللہ امرتسری سے حاصل کیں۔ آپ نے سکول کی ملازمت اختیار کی تھی جو کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی ایماء پر چھوڑ دی۔ آپ کے ہاتھ پر ہزاروں قادیانیوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ قادیانیوں سے ستر سے زائد مناظرے کر چکے ہیں۔ آپ کے مولانا لال حسین اختر اور فاتح قادیان مولانا محمد حیات سے دوستانہ مراسم تھے۔ آپ آٹھ دس سال پہلے حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی ملاقات سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمتہ اللہ سے ہوئی۔ آپ مولانا چنیوٹی کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے بہت خوش ہوئے اور مدرسہ صولتیہ میں پروقار تقریب میں ان کی دستار بندی فرمائی۔

مولانا نور محمد ٹانڈوی

(از قلم مولانا شاہ عالم گورکھپوری)

نام: علامہ نور محمد ابن جناب دین محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔

پیدائش: سلطان پور (یوپی) کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ عین العلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ایک صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا محمد اسماعیل کی زیر نگرانی پائی۔ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی ترغیب پر اعلیٰ تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارن پور میں ۱۳۴۰ھ میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ میں فراغت حاصل کی۔ دوران تعلیم ہی مناظرہ سے فطری دلچسپی کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی تقریر سنی تو خوش ہو کر چار روپیہ ماہانہ اپنی جیب خاص سے جاری فرمایا اور ''علامہ'' کے خطاب سے نوازا۔ چنانچہ علامہ

ٹانڈوی ہی کے لقب سے آپ جانے پہچانے جاتے ہیں۔ شادی کے بعد سلطان پور چھوڑ کر قصبہ ٹانڈہ ہی کو آپنے اپنا مستقل وطن بنالیا تھا۔

تبلیغ وتدریس:

فراغت کے بعد تقریباً دو سال تک قادیانی فتنہ کے سد باب کے لیے راجپورہ (پنجاب) میں امامت وتعلیم سے جڑے رہے۔ محرم ۱۳۴۶ھ سے رجب ۱۳۵۶ھ تک مظاہر علوم میں مبلغ اور مدرس رہے' حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ جیسے بزرگ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ملک میں آپ نامور خطیب تھے۔ مختلف غیر ملکی اسفار بھی تبلیغ کی نسبت سے کئے۔ دیو بندی مکتب فکر کے مشہور مناظر تھے۔ آریوں' عیسائیوں' قادیانیوں اور دیگر تمام ہی باطل فرقوں سے آپ کے مناظر ہوئے ہیں۔ شعبان ۱۳۵۶ھ میں مظاہر سے سبکدوش ہو کر کولوٹولہ کلکتہ کی جامع مسجد میں بحیثیت مفسر قرآن خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ میں مبلغ کی حیثیت تشریف لائے۔ مختصری علالت کے بعد ۱۱ شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۴/ ۵/ جون ۱۹۸۶ء شنبہ یکشنبہ کی درمیانی شب لکھنو میں ساڑھے بارہ بجے آپ کا وصال ہوا اور تدفین ٹانڈہ میں ہوئی۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة

تصنیفات: ردقادیانیت پر آپ کی تالیف وتصنیفات میں سے' کفریات مرزا' کذبات مرزا' اختلافات مرزا' مغلظات مرزا' امراض مرزا' کرشن قادیانی آریہ تھے یا عیسائی' دفع الالحادعن حکم الارتداد' کل سات کتابیں ہیں' اس کے علاوہ دیگر فرق باطلہ کے رد میں بھی آپ کی ایک درجن سے زئد کامیاب تصنیفات ہیں۔

قومی وسیاسی خدمات: سچے محب وطن جنگ آزادی کے بیباک مجاہد اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے شیدائی تھے۔ جمیعتہ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے زندگی بھر وابستہ رہے' آزادی کی تحریک میں تین مرتبہ جیل گئے۔ مولا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ سے بھی آپ کے علمی مراسم گہرے تھے۔ اسی لیے آپ کی تقریر وتحریر میں مولانا فاروقی کا رنگ نمایاں ہے۔ (خلاصہ مضمون مولانا منیر احمد صاحب قاسمی ٹانڈہ)

استاذ المناظرین حضرت علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی لندن

منکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ علماء دیو بند میں ایک منفرد علمی شکوہ رکھتے ہیں۔ آپ کو دینی و دنیاوی علوم کمال مہارت حاصل ہے۔ آپ دارالعلوم دیو بند کے فاضل بھی ہیں۔ آپ کو تمام علوم وفنون بالخصوص علم مناظرہ میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ آپ تمام مذاہب باطلہ سے مناظرہ کرنے میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ آپ نے قادیانیوں کے رئیس المناظرین جلال الدین شمس اور قاضی محمد نذیر سے بھی مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دی۔ آپ نے پاکستان اور یورپ وامریکہ میں اپنی تقریروں اور مناظروں کے ذریعے اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کفر کو ذلیل کیا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے حاضر جواب، مثالی علمی استحضار اور کمال درجہ قوتِ حافظہ کے مالک ہیں۔ آپ نے سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی کے ساتھ مل کر یورپ وامریکہ وافریقہ کے متعدد دورے کیے۔ قادیانیوں سے مناظرے کیے، انہیں عبرت ناک شکستوں سے دوچار کیا اور واضح فتوحات حاصل کیں۔ آپ پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ نے کتاب عقیدہ الامت فی معنی ختم النبوۃ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حکم پر لکھی۔ آپ کی کتاب عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم ایک لاجواب کتاب ہے۔ آپ کی تصانیف رد قادیانیت کی کتابوں میں اہم مقام رکھتی ہے۔ آپ کافی عرصہ برطانیہ میں مقیم رہے ہیں۔ اور وہاں اسلامک اکیڈمی کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کر کے تحریر و تقریر کے ذریعے دینی کام کر رہے ہیں۔ آپ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ مرزا ناصر نے 1978ء میں برطانیہ میں وفات مسیح کانفرنس منعقد کی تھی۔ آپ نے مولانا چنیوٹی کو برطانیہ بلا کر اس کے جواب میں حیات مسیح کانفرنس منعقد کی اور قادیانیوں کے پھیلائے ہوئے مغالطوں اور گمراہیوں کو دور کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین۔

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی دور حاضر کے ان علماء میں سے ہیں جن پر امت مسلمہ کو صدیوں ناز رہے گا آپ چنیوٹ کے راجپوت گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم آپ نے مولانا دوست محمد ساقی مولانا حبیب اللہ سیالکوٹی اور مولانا اسلم حیات فضلائے دیوبند سے حاصل کی۔ دورۂ حدیث آپ نے جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار صوبہ سندھ سے کیا۔ آپ کو حضرت بنوریؒ مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور مولانا بدر عالم میرٹھی سے خصوص تعلق تھا اور یہ حضرات بھی آپ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپ نے فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات قدس سرہ سے فتنۂ قادیانیت کا خصوصی تعارف حاصل کیا اور پھر تحفظ ختم نبوت کے مقدس مشن کو اپنی زندگی مرکز محور بنالیا۔ آپ نے قاضی نذیر اور دوسرے قادیانی مناظرین سے بیسیوں مناظرے کیے اور ہر مناظرے میں فتح آپ کا مقدر بنی آپ کی ساری زندگی جہد مسلسل سے بھرپور ہے۔ آپ نے قادیانیت کے خلاف تقریریں کرنے کے صلہ میں متعدد بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ نے مجموعی طور پر پانچ سال سے زائد عرصہ قید میں گزارا۔ آپ نہایت حق گو اور باطل سے نہ ڈرنے والے انسان تھے۔ آپ نے سعودی عرب اور دیگر عرب ملکوں سے سینکروں قادیانیوں کو نکلوا کر پاکستان واپس بھجوایا ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی نے تمام دنیا کے جید علماء کو مکہ مکرمہ میں بلایا اور فتنہ قادیانیت پر غور کرنے کے لیے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی۔ مولانا چنیوٹی بھی اس کمیٹی کے ممبر تھے۔

آپ نے دن رات محنت کر کے اس کمیٹی ارکان کو فتنہ قادیانیت کی سنگینی اور ان کے کفریہ عقائد سے مطلع کیا اور اس کمیٹی نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ قادیانیت کے خلاف آپ کی خدمات کا اعتراف مرزا طاہر نے بھی کیا اور آپ کو اشد اعداء جماعتنا کا لقب دیا۔ آپ کی زندگی کا ایک امتیازی گوشہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد چنیوٹ میں عوام و خواص کے لیے ایک پندرہ روزہ تربیتی کورس کا اجراء کیا۔ جو کہ چالیس سال سے ہر سال شعبان کے مہینہ میں منعقد ہوتا ہے۔ ہزاروں علماء نے آپ سے ان کورسوں کے ذریعے استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے ملک کے مختلف شہروں میں بھی آپ نے کورس منعقد کرائے۔ جو کہ مسلمانوں

کی بیداری کا ذریعہ بنے ۱۹۷۸ء میں برطانیہ میں جو حیات مسیح کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں آپ کا اہم کردار رہا۔ آپ نے عالمی سطح پر رد قادیانیت کا جتنا کام کیا آپ کے ہم عصر علماء میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کئی اسفار میں مناظر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب بھی آپ کے رفیق سفر رہے ہیں۔ آپ نے براعظم یورپ' امریکہ وافریقہ میں ختم نبوت کا جھنڈا بلند کیا اور قادیانیوں کو ان کے مراکز میں جا کر مناظروں میں شکست دی۔ ہزاروں قادیانی آپ کے ذریعے مشرف باسلام ہوئے آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور مسجد الحرام میں سعودی حکومت کی خصوصی اجازت سے قادیانیت کے موضوع پہ لیکچر دیے۔ آپ نے بنگلہ دیش کے مدارس میں بھی متعدد مرتبہ علماء کو تیاری کرائی۔ از ہر ہند دارالعلوم دیو بند میں مولانا اسعد مدنی مرحوم کی دعوت پر آپ تشریف لے گئے اور وہاں ہزاروں علماء کی دس دن لیکچر دے کر تربیت کی۔ آپ کے اس دورۂ انڈیا کے بعد تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں عوام وخواص میں بیداری پیدا ہوئی۔ دارالعلوم دیو بند میں شعبہ تخصص فی ردالقادیانیہ کا اجراء کیا گیا اور اس شعبہ میں آپ کے ممتاز شاگرد مولانا شاہ عالم گورکھپوری فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ سن 1960 کے عشرہ میں قادیانی یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ مرزا قادیانی نے بہت سے علماء کو دعوت مباہلہ دی لیکن کسی نے قبول نہ کی۔ ان کے اس پروپیگنڈا کے اثرات زائل کرنے کے لیے آپ نے ۱۹۵۶ء میں مرزا بشیرالدین محمود کو دعوت مباہلہ دی۔ چھ سال کا عرصہ گفت وشنید میں گزر گیا۔ آپ نے ان کی مطلوبہ شرائط پوری کر دیں۔ مقام اور جگہ مقرر ہوگئی۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت مقام مباہلہ پر پہنچ گئے لیکن مرزا محمود یا اس کا کوئی نمائندہ میدان میں نہ آیا۔ آپ ہر سال اس دعوت مباہلہ کی تجدید کرتے رہے۔ مرزا محمود سے لے کر مرزا مسرور تک چاروں قادیانی سربراہوں کو آپ دعوت مباہلہ دیتے رہے لیکن کبھی کسی سربراہ کو یہ دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے ہائیڈ پارک لندن میں بھی مرزا طاہر کو مباہلہ کے لیے بلایا۔ سینکڑوں علماء سمیت آپ پہنچ گئے۔ لیکن اس میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

وہ بھاگتے ہیں اس طرح مباہلہ کے نام سے
فرار ہو کفر جس طرح بیت الحرام سے

چنیوٹ کے پڑوس میں قادیانیوں نے ربوہ شہر آباد کیا اور بیرونی دنیا کو وہ یہ تاثر دینے لگے کہ قرآن مجید کی سورۂ مومنون میں جس ربوہ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد یہ ربوہ شہر ہے۔ مولانا چنیوٹی

نے قادیانیوں کی اس تحریف اور دجل وفریب کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک طویل جدو جہد کی اور اپنے دیرینہ دوست سابق صدر جناب محمد رفیق تارڑ صاحب کے تعاون سے پنجاب اسمبلی سے ربوہ کا نام بدلوا کر چناب نگر رکھا۔ مولانا چنیوٹی کی ھفت پہلو خدمات سے متاثر ہو کر آغا شورش کشمیری مرحوم نے آپ کو سفیر ختم نبوت اور مولانا محمد عبدالوارث صاحب نے فاتح ربوہ کا لقب دیا۔ یہ دنوں القاب آپ کے نام کا جز بن گئے ہیں کہ جب مطلق یہ الفاظ بولے جائیں تو ذہن آپ کی طرف ہی جاتا ہے۔ شیخ محمد بن عبداللہ سبیل حفظہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا اور قادیانیت لازم ملزوم ہیں۔ ایک کے تصور سے دوسرے کا تصور خود بخود آ جاتا ہے۔

مولانا عبدالرحیم اشعر

مولانا عبدالرحیم اشعر مرحوم بستی عنایت پور نزد جلال پور پیروالا تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔ آپ ۲۵ مئی ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے ملتان میں دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ جانشین امیر شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری قدس سرہ کے ہم سبق تھے۔ آپ کو مولانا جالندھری مرحوم تبلیغ کے میدان میں کھینچ لائے۔ آپ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت دارالمبلغین میں فاتح قادیان مولانا محمد حیات اور مولانا لال حسین اختر قدس سرہ سے تربیت حاصل کی اور ساری زندگی تحفظ ختم نبوت کے لیے صرف کر دی۔ آپ متعدد مدارس میں تربیتی کورسز پڑھاتے رہے۔ آپ ایک عمدہ مناظر اور قادیانی لٹریچر کے حافظ تھے۔ آپ نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں سرگرمی سے حصہ لیا اور کئی ماہ قید و بند میں گزارے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی آپ نے بھرپور حصہ لیا اور ملک بھر میں جلسوں سے خطاب کر کے رائے عامہ بیدار کرتے رہے۔ آپ نے بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور جنوبی افریقہ کے دورے کر کے قادیانیت کا تعاقب کیا۔ آپ نے درجہ ذیل رسائل قلم بند کیے۔

۱۔ بیرونی ممالک میں قادیانی تبلیغ کی حقیقت۔
۲۔ قادیانیت علامہ اقبال کی نظر میں۔
۳۔ مرزا غلام اور قادیانی کی آسان پہچان۔

آپ کا انتقال ۲۲ مئی ۲۰۰۳ء کو ہوا اور اپنے علاقہ میں دفن کیے گئے۔ (ماخذ۔ فراق یاراں)

حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

مولانا اللہ وسایا احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کے نواحی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات قدس سرہ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم کے شاگرد خاص ہیں۔ آپ کو کافی عرصہ مولانا تاج محمود مرحوم کے زیر سایہ مبلغ ختم نبوت کے طور پر کام کرنے کا موقعہ ملا۔ آپ ہفت روزہ لولاک کے مدیر معاون بھی رہے۔ مسلم کالونی چناب نگر میں بھی کچھ عرصہ قادیانیوں سے دوبدو رہے۔ آپ ایک مناظرنہ ذوق رکھتے ہیں آپ کے مناظروں کا ایک مجموعہ ادارہ علم وعرفان لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ قادیانیت کے تعاقب میں دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کر چکے ہیں۔ آپ نے مختلف فیہ مسائل میں قادیانی تاویلیں اوران کے جوابات دو کتابوں کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ۱۹۷۴ء پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی اور دیگر حضرات کی مشاورت و معاونت سے آپ نے پرانے بزرگوں کی نایاب کتابیں احتساب قادیانیت کے نام سے شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس وقت تک 23 جلدیں چھپ چکی ہیں۔ آپ زبان کی مٹھاس اور دوسروں کو متاثر کرنے والے لب ولہجہ کے مالک ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ چالیس سال سے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں سرگرم عمل ہیں اور تازیست اسی مشن سے وابستہ رہنے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد ابراہیم (واسومنڈی بہاؤالدین)

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بھابڑہ ضلع سرگودھا کے رہنے والے ہیں۔ بعدازاں آپ نے منڈی بہاؤالدین کے نواحی گاؤں واسو میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ ایک سرکاری سکول میں ٹیچر تھے کہ آپ کا ایک چچازاد بھائی قادیانی ہو گیا۔ آپ کے دل میں اس کو مسلمان کرنے کی تپ پیدا ہوئی اور قادیانیوں کی کتابیں خرید کر ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ آپ خود بھی اور علماء کرام کے ذریعے بھی اپنے چچازاد بھائی کو سمجھاتے رہے اس سے مباحثے کرتے رہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے آپ کی کوشش قبول فرمائی اور وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ آپ نے حضر

علامہ دوست محمد قریشی مرحوم کے ایماء پر داڑھی رکھی بعدازاں دینی علوم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اور اس جذب نے شدت اختیار کر لی تو آپ نے سرکاری ملازمت چھوڑ دی اور باضابطہ دینی علوم حاصل کیے۔ آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مرحوم کے شاگردوں میں سے اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے فاضل ہیں۔ آپ ردقادیانیت کے محاذ پر فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات مرحوم کے شاگرد ہیں اور اپنے استاذ مرحوم کی طرح عمدہ مناظرانہ ذوق رکھتے ہیں۔ آپ نے کئی بار قاضی محمد نذیر قادیانی سے مناظرے کیے اور اسے لاجواب کیا۔ آپ نے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم سے بھی ردّ قادیانیت کے سلسلہ استفادہ کیا آپ تقریباً ۱۷ سال ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد خدمات سر انجام دیتے رہے۔ چنیوٹ اور دوسرے شہروں میں منعقد ہونے والے تربیتی کورسوں میں آپ روقادیانیت کی تربیت دیتے رہے ہیں۔ راقم الحروف سمیت ہزاروں علماء کرام آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ردّ قادیانیت میں کئی اہم کتابیں اور رسالے تحریر فرمائے۔ بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ الحق الصریح فی حیات المسیح۔
۲۔ ابن مریم زندہ ہیں حق کی قسم۔
۳۔ شرح اربعین ابراہیمیہ۔
۴۔ عقیدۂ ختم نبوت اور قرآن مجید۔

آپ اس وقت اپنے گھر بمقام واسو میں مقیم ہیں اور علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

حضرت مولانا غلام محمد صاحب مدظلہ

حضرت مولانا غلام محمد صاحب عنایت پور بھٹیاں تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا علاقہ قادیانیوں کا گڑھ ہے۔ مولانا غلام محمد صاحب نے مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ میں مولانا چنیوٹی سے استفادہ کیا اور آپ کے قدیم ترین شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ دینی علوم اور قادیانی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ قادیانی مربیوں کو قادیانی لٹریچر سے الزامی

جوابات دے کر خاموش کرانے میں زبردست مہارت رکھتے ہیں۔آپ نے اپنے علاقہ میں قادیانیت کا خوب تعاقب کیا اور قادیانیوں سے متعدد مناظرے کیے ہیں۔آپ نے ۱۹۹۵ میں قادیانیوں سے مرزا کے صدق کذب پر ایک مناظرہ کیا اور مرزا قادیانی کے برے کردار پر آپ چار گھنٹے مسلسل گفتگو کرتے رہے اور قادیانیوں کو ذلت آمیز اور عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا یہ مناظرہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا قبول ہوا کہ اس کے نتیجہ میں پچاس سے زائد قادیانی مرد عورتیں مسلمان ہوئے۔ایک بوڑھا شخص جو کہ چالیس سال سے قادیانی تھا وہ بھی مسلمان ہوا اور تیسرے دن فوت ہوگیا۔سب لوگ اس کے حسن خاتمہ پر عش عش کرا ٹھے عنایت پور کے قریب موضع کلری میں آپ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا ہوا ہے جس میں بچے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں آپ کا قادیانیوں پر اس قدر رعب طاری ہے کہ وہ آپ سے گفتگو کرنے بھی کتراتے ہیں۔آپ کا اخلاص اور للٰہیت صلہ کی تمنا نہ ستائش کی پروا کی آئینہ دار ہے۔

مولانا شاہ عالم گورکھپوری

مولانا شاہ عالم گورکھپوری دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور سفیر ختم نبوت مولانا منظورؒ چنیوٹی کے شاگرد خاص ہیں مولانا چنیوٹی نے جب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر دارالعلوم دیوبند میں تربیتی کورس پڑھایا تھا تو آپ نے مولانا چنیوٹی سے خصوصی طور پر استفادہ کیا تھا۔مولانا چنیوٹی سے تربیت پا کر آپ نے دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تخصص فی ردالقادیانیۃ کی نظامت سنبھال لی آپ ایک کامیاب مناظر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔انٹرنیٹ پر بھی آپ کے پروگرام چلتے رہتے ہیں۔آپ اپنی محنت، لگن اور قابلیت کی بنا پر اپنے موضوع پر ایک سند کا درجہ رکھتے ہیں۔عمر کے اعتبار سے آپ نوجوان ہیں لیکن علم و تجربہ بوڑھوں کا سا ہے' حضرت بنوریؒ کی اصطلاح کے مطابق آپ الشاب الشیخ ہیں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے آپ مرکزی نائب ناظم ہیں۔آپ انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی تبلیغی کام کر رہے ہیں آپ کا ویب سائٹ اور ای میل ایڈریس درج ذیل ہے۔

E-Mail: Shahalam @ rediffmail-Com

website WWW.Mtkn-deoband-org

مشہور مناظرے و مباہلے

مباحثہ لدھیانہ۔ مئی ۱۹۹۱ء

اس مناظرہ کی تفصیلات پروفیسر خالد شبیر احمد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حکیم نورالدین بھروی نے بھی لاہور سے لدھیانہ آ کر مرزا صاحب کو یہی مشورہ دیا تھا کہ آپ علمائے لدھیانہ سے مناظرہ کرنے کی بجائے کسی ایسے عالم کے ساتھ مناظرہ کریں جس نے ابھی تک آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ نہ دیا ہو۔ چنانچہ اس کام کے لیے مولانا بٹالوی کا انتخاب خود مرزا صاحب کی طرف سے ہوا۔ اس کا ذکر اس اشتہار میں بھی موجود تھا جس میں مرزا صاحب نے علمائے لدھیانہ کو حیات و ممات مسیح کے مسئلے پر مناظرہ کا چیلنج دیا تھا کہ اگر تم مناظرہ کے لیے تیار نہ ہوسکو تو اپنی طرف سے مولانا محمد حسین بٹالوی کو مقرر کرلو۔ جب لاہور میں مونالا بٹالوی کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد نے خود میرے ساتھ مناظرے کے لیے میرا نام تجویز کیا ہے۔ تو وہ بغیر کسی تاخیر کے لاہور سے لدھیانہ پہنچے۔ انہوں نے مولانا محمد حسین کے ذریعے مرزا صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مناظرے کا موضوع کیا طے ہوا۔ مولانا بٹالوی نے موضوع یہ تجویز کیا کہ ''وہ مسیح جس کے قدوم کی احادیث مبارکہ میں خبر دی گئی ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے؟ لیکن اس موضوع پر مرزا صاحب نے مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ انکار آج تک باقاعدہ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو جواب دیا کہ میں اپنی مسیحت پر گفتگو کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ البتہ آپ کے ساتھ حیات و وفات مسیح کے موضوع پر بات ہوسکتی ہے۔ کیونکہ میرے دعویٰ مسیحت کی بنیاد یہی ہے۔ اگر آپ میری اس بنیاد کو رد کریں گے تو اس کے ساتھ ہی میرے دعویٰ کا رد بھی ہو جائے گا۔ مرزا صاحب کی اس بات کے جواب

میں جواستدلال مولانا بٹالوی نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ آپ کے چیلنج کے اشتہار میں یہ دونوں دعوے موجود ہیں۔ یعنی (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا دعوی (۲) اپنے مسیح ہونے کا دعویٰ اور یہ دونوں دعوے ایک دوسرے کے ساتھ یوں نتھی نہیں کہ ایک کے ثابت ہو جانے سے دوسرا دعویٰ بھی لازماً ثابت ہو جائے۔ لہٰذا پہلے آپ کے دعوی مسیحت پر بات ہوگی۔ جس کے بعد حضرت عیسیٰ کی حیات ووفات کے مسئلہ آئے گا۔ مولانا بٹالویؒ کے اس استدلال سے مرزا صاحب بوکھلا اٹھے اور کوئی ایسی بات لکھ بھیجی جس سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ مرزا صاحب مناظرے کے موڈ میں نہیں ہیں اور شاید یہ مناظرہ نہ ہوتا۔ اگر مرزا صاحب کے مریدین پٹیالہ سے آ کر مرزا صاحب کو مجبور نہ کرتے۔ چنانچہ پٹیالہ کے قادیانیوں کے مجبور کرنے پر مرزا صاحب نے مناظرے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مناظرے کے بارے میں مولانا دلاوری یوں لکھتے ہیں:

''آج مباحثہ ہوا۔'' مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے یہ سوال پیش کیا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام حدیثیں تمہارے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں؟ مرزا صاحب نے ٹال مٹول سے کام لیا اور حیلے بہانے شروع کیے اور بارہ دن تک غیر متعلق باتوں سے جواب کو ٹالتا رہا کیونکہ اس نے تہیہ کر رکھا تھا کہ اصل سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آخر جب ہر جگہ مشہور ہوا کہ قادیانی اتنے دنوں سے صرف ایک بات کو جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے تو مرزا اور مرزائیوں کا ہر جگہ مذاق اڑایا جانے لگا اور بدنامی اور رسوائی ان پر ہر جگہ مسلط ہوئی۔ جب امرتسر اور لاہور کے مرزائیوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مسیح بارہ دن سے صرف ایک سوال کا جواب دینے میں لیت ولعل کر رہا ہے۔ تو مرزا صاب کے ایک حواری حافظ محمد یوسف ضلعدار نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہین؟ ان سوالات و جوابات میں تو آپ ذلیل ہو رہے ہیں اور فریق ثانی آپ کی آبرو مٹی میں ملا رہا ہے۔ ان سوالات و جوابات سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا یہی مقصد ہے کہ آپ کی تذلیل کرے اس لیے مناسب ہے کہ اس بحث کو یہیں ختم کر دیجیے۔ ورنہ اور زیادہ ذلت ہوگی۔ غرض حافظ محمد یوسف کے انتباہ کا یہ اثر ہوا کہ مرزا نے بارھویں دن کی تحریر کے ساتو موقوفی بحث کی درخواست پیش کر کے اپنی جان چھڑا۔'' مولانا بٹالوی لکھتے ہیں کہ ''مرزا صاحب نے اس شرط کی بھی خلاف ورزی کی اور نہ صرف مقابلہ فرار اختیار کیا بلکہ اپنی آخری تحریر کی نقل دینے سے بھی انکار کیا اور مباحثہ بلا تصفیہ منقطع کر دیا۔ نقل نہ دینے اور مناظرہ بند کر دینے سے بہت سے مرزائی بد دل ہوئے۔''

(تاریخ محاسبہ قادیانیت ص ۱۲۷ تا ۱۲۹)

مرزا قادیانی کی مولانا نذیر حسین کو دعوت مناظرہ اور مباحثہ دہلی

مرزا قادیانی نے مباحثہ لدھیانہ میں شکست کھانے کے بعد اپنی ذلت اور بدنامی کے داغ دھونے کے لیے مولوی محمد حسین بٹالوی کو دوبارہ دعوت مناظرہ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ مرزا قادیانی ایک بے علم شخص اور سستی شہرت کا بھوکا ہے۔ اس لیے انہوں نے اعراض کیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر مرزا نے دہلی کا رخ کیا اور مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کو دعوت مناظرہ دی۔ مرزا نے دہلی پہنچ کر ایک اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو شائع کیا جو کہ مجموعہ اشتہارات کی پہلی جلد ص ۲۳۰ تا ص ۲۳۷ پر موجود ہے۔ اس میں اپنے متعلق لکھا کہ میں ختم نبوت اور دیگر اسلامی عقائد کو ماننے والا ہوں۔ کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کافر سمجھتا ہوں میرا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور آنے والے مسیح کے بارے میں جو پیش گوئی ہے اس کا مصداق میں ہوں۔ میرا صرف مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔ چونکہ مولانا نذیر حسین دہلوی اور مولانا عبدالحق حقانی مجھے کافر قرار دیتے ہیں۔ اس لیے میں ان دونوں کو حضرت عیسیٰ السلام کی حیات وفات کے موضوع پر دعوت مناظرہ دیتا ہوں۔ اس مناظرہ کے لیے تین شرطیں ہیں۔

۱۔ امن قائم کرنے کا سرکاری انتظام ہو۔

۲۔ تحریری بحث ہو۔

۳۔ بحث وفات حیات مسیح میں ہو۔

میں اس اشتہار کے شائع ہونے کے بعد ایک ہفتے تک جواب کا انتظار کروں گا۔ مرزا کے یہ چیلنج جب مولانا نذیر حسین کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرزا کو دعوت دی کہ آئیں اور اپنے شبہات دور کر لیں۔ مرزا نے کہا کہ میں کسی انگریز افسر کی موجودگی کے بغیر نہیں آ سکتا۔ دہلی کے علماء نے بکثرت مرزا کی دعوت مناظرہ کو قبول کیا اور چودہ اشتہار شائع کیے حتیٰ کہ مولوی عبدالحمید صاحب نے یہاں تک کہا کہ آپ اپنی قیام گاہ کی چھت پر بیٹھ جائیں میں اس کے بالمقابل دوسرے کوٹھے پر بیٹھ کر گفتگو کروں گا۔ درمیان میں بازار بلی ماراں حائل رہے گا اور اس طرح آپ کو کوئی ڈر اور

خطرہ نہیں ہوگا۔لیکن مرزا صاحب نے ان دعوتوں کو منظور نہ کیا اسی اثناء میں مولانا محمد حسین بٹالوی بھی دہلی پہنچ گئے۔مرزا صاحب کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ بہت گھبرائے اور مولانا حقانی کا نام دعوت مناظرہ واپس لے لیا اور کہا آپ تو متقی ہیں اور میرا مقابلہ صرف غیر مقلدوں سے ہے۔مولانا حقانی نے کہا آپ نے مجھے جو پیغام بھیجا ہے جو بصورت اشتہار شائع کر دیں تو میں دست بردار ہو جاؤں گا ورنہ نہیں۔مرزا صاحب نے چھ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اور اشتہار شائع کیا۔جس میں لکھا کہ مجھے مولوی عبدالحق صاحب کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ صوفی مزاج اور گوشہ نشین آدمی ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر لکھنے میں مشغول ہیں اس لیے میری شرطیں پوری نہیں کر سکتے چنانچہ میں ان کی جگہ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی نذیر حسین کو مناظرے کا چیلنج دیتا ہوں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۲۴۷'۲۴۸)

مرزا صاحب کا یہ حیلہ بھی کامیاب نہ ہوا اس لیے کہ مولانا عبدالحق صاب نے ایک اشتہار چھپوا کر تقسیم کیا کہ مرزا صاحب نے میرے ساتھ مناظرہ نہ کرنے کا جو عذر پیش کیا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے۔میں اگرچہ حکام سے تعلق نہیں رکھتا لیکن ان کی شرائط کو پورا کر سکتا ہوں۔اس لیے مرزا صاحب گیارہ اکتوبر کو ٹاؤن ہال میں آجائیں اور مجھ سے مناظرہ کریں ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے۔ دوسری طرف مولانا محمد حسین بٹالوی نے ۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں مرزا قادیانی کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ نے مجھے اور حضرت میاں نذیر حسین کو دعوت مناظرہ دی ہے جو کہ ہمیں قبول ہے۔آپ پہلے مجھ سے اور بعد میں حضرت میاں صاحب سے گفتگو کریں۔ہمیں آپ کی تمام شرطیں منظور ہیں آپ گیارہ اکتوبر ۱۸۹۱ء بوقت ۹ بجے دن چاندنی محل میں تشریف لے آئیں اور گفتگو کر لیں۔اس اثنا میں مولانا بٹالوی اور مولانا عبدالحق حقانی نے چاندنی محل میں مناظرہ کے متعلق یاددہانی کا ایک دوبارہ خط بھیجا۔وقت مقررہ پر جلسہ منعقد ہوا مرزا صاحب کا سخت انتظار کیا گیا۔لیکن وہ نہ آئے اور جلسہ بے نیل و مرام برخاست ہو گیا۔مرزا صاحب نے مولوی محمد حسین کے ساتھ مناظرہ سے انکار کرتے ہوئے لکھا کہ میں صرف مولوی سید نذیر حسین سے گفتگو کروں گا۔میاں صاحب نے مرزا کو پیغام بھیجا کہ آپ گیارہ اکتوبر کو چاندنی محل میں آجائیں۔مرزا صاحب نے جواب دیا کہ چونکہ عوام میں جوش و خروش بہت زیادہ ہے اس لیے میں اس تاریخ کو نہیں آسکتا۔آپ ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دیں اور اس کے بعد ایک اور تاریخ جلسہ

مقرر کی جائے۔ میں پھر آؤں گا یہ جواب سن کر اہل دہلی کو یقین ہو گیا کہ مرزا صاحب مناظرہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔ مرزا صاحب نے اپنے ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں جو کہ مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۲۴۱ تا ص ۲۴۹ میں درج ہے۔ مولانا نذیر حسین کی شان میں گستاخانہ کلمات لکھے اور کہا کہ اگر آپ نے اپنے غلط رویہ کی اصلاح نہ کی تو ایک سال کے اندر ان پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کے لیے بطور نشان ہو گا۔

مباحثہ دہلی

آخر کار جانبین نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جامع مسجد دہلی میں مناظرہ کرنے پر اتفاق کر لیا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد بشیر سہسوانی مناظر مقرر ہوئے جو کہ مولانا سید نذیر حسین کے شاگرد تھے۔ اس مناظرہ کی روئداد مولانا سہسوانی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''اما بعد یہ کیفیت ہے اُس مناظرہ کی جو میرے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مسیحیت کے درمیان میں بمقام دہلی واقع ہوا۔ مرزا صاحب نے دہلی میں آکر دو اشتہار ایک مطبوعہ دوم اکتوبر ۱۸۹۱ دوسرا مطبوعہ ششم اکتوبر سنہ صدر بمقابلہ جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مد اللہ ظلہم العالی کے شائع کیے اور طالب مناظرہ ہوئے وہ دونوں اشتہار خاکسار کے بھی دیکھنے میں آئے۔ خاکسار نے محض بنظر نصرت دین وسُنت و ازالہ الحاد و بدعت' قصد مناظرہ مصمم کر کے جواب اشتہار مرزا صاحب کے پاس بوساطت جناب حاجی محمد احمد صاحب دہلوی کے بھیجا اور اس جواب میں مرزا صاحب کے سب شروط کو تسلیم کر کے صرف شرط ثالث میں قدرے ترمیم چاہی۔ مرزا صاحب نے بھی اس ترمیم کو قبول کیا۔ بعد ترمیم کے یہ تین شرطیں طے پائیں۔

اوّل: یہ کہ امن قائم رہنے کے لیے سرکاری انتظام ہو۔

دوم: یہ فریقین کی بحث تحریری ہو۔ ہر ایک فریق مجلس بحث میں سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے اور ایسے ہی فریق ثانی جواب لکھ کر دے۔

سوم: اول بحث حیات مسیح علیہ السلام پر ہو۔ اگر حیات ثابت ہو جائے تو مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ خود چھوڑ دیں گے اور اگر وفات ثبات ہو تو مرزا صاحب کا اصل دعویٰ یعنی عدم نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے میں بحث کی جائے گی اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز سمجھا جائے گا۔

جب تصفیہ شروط کا ہو گیا تو جناب حاجی محمد احمد صاحب نے حسب ایماء مرزا صاحب کے خاکسار کو طلب کیا۔ چنانچہ شب شانز دھم ربیع الاوّل ۱۳۰۹ از ھ کو میں بھوپال سے روانہ ہو کر روز شنبہ تاریک شانز دہم ماہ مذکور قریب نواخت چہار ساعت دہلی میں داخل ہوا اور مرزا صاحب نے مختلف رقعوں کے ذریعے شروط میں تبدیل ذیل فرمائی۔

۱۔ حیات مسیح علیہ السلام کا ثبوت آپ کو دینا ہوگا۔

۲۔ بحث اس عاجز (مرزا غلام احمد) مکان پر ہو۔

۳۔ جلسہ عام نہیں ہوگا۔

۴۔ صرف دس آدمی تک جو معزز خاص ہوں آپ ساتھ لا سکتے ہیں۔ مگر شیخ بٹالوی (مولانا محمد حسین بٹالوی) اور مولوی عبدالحمید ساتھ نہ ہوں۔

۵۔ پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو اور پہلا پرچہ آپ کا ہو۔

انتہیٰ۔ ان شروط کا قبول کرنا نہ تو خاکسار پر لازم تھا اور نہ میرے احباب کی رائے ان کو تسلیم کرنے کی تھی مگر محض اس خیال سے کہ مرزا صاحب کو کوئی حیلہ مناظرے سے گریز کا نہ ملے یہ سب باتیں منظور کی گئیں بعد اس کے تاریخ نوز دہم ربیع الاول روز جمعہ بعد نماز جمعہ مناظرہ شروع ہوا۔ خاکسار نے ان کے مکان پر جا کر مجلس بحث میں پانچ ادلہ حیات مسیح کے لکھ کر حاضرین کو سُنا دیے اور دستخط اپنے کر کے مرزا صاحب کو دے دیے۔ مرزا صاحب نے مجلس بحث میں جواب لکھنے سے عذر کیا ہر چند جناب حاجی محمود احمد صاحب وغیرہ ان کو الزام نقض عہد و مخالفت و شروط کا دیا مگر مرزا صاحب نے نہ مانا اور یہ کہا کہ میں جواب لکھ رکھوں گا آپ لوگ کل دس بجے آیئے۔ ہم لوگ دوسرے روز دس بجے گئے۔ مرزا صاحب مکان کے اندر تھے۔ اطلاع دی گئی تو مرزا صاحب باہر

نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب تیار نہیں ہوا جس وقت تیار ہوگا آپ کو بلایا جائے گا۔ پھر غالباً دو بجے دو پہر کے بعد ہم لوگوں کو بلا کر جواب سنایا اور یہ کہا کہ اب مجلس بحث میں جواب لکھنے کی ضرورت نہیں آپ مکان پر لے جائیں۔ چنانچہ میں اس تحریر کو مکان پر لے آیا۔ اسی طرح ۶ روز تک سلسلہ مباحثہ جاری رہا۔ چھٹے روز کہ تین پرچے میرے ہو چکے تھے اور تین مرزا صاحب کے۔ مرزا صاحب نے پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مباحثہ قطع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں ہے اور زبانی فرمایا کہ میرے خسر بیمار ہیں۔ اس وقت ایک مضمون جو پہلے سے بنظر احتیاط لکھ رہا تھا اور وہ متضمن تھا اس امر پر کہ مرزا صاحب کی جانب سے نقض عہد و مخالفت ہوئی مرزا صاحب کی موجودگی میں سب حاضرین جلسہ کو سنا دیا گیا۔ حاضرین جلسہ مرزا صاحب کو الزام دیتے تھے مگر مرزا صاحب نے ایک نہ سنی۔ اسی روز تہیہ سفر کر کے شب کو دہلی سے تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب کے یہ افعال اول دلیل ہیں اس پر کہ ان کے پاس اصل مسئلہ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کی دلیل نہیں ہے اصل بحث کے لیے دو سدیں انہوں نے بنا رکھی ہیں۔ ایک بحث حیات و وفات مسیح علیہ السلام دوسرے نزول مسیح علیہ السلام۔ جب دیکھا کہ ایک سد جو اِن کے زعم میں بڑی راسخ تھی ٹوٹنے کے قریب ہے اس کے بعد دوسری سد کی جو ضعیف ہے نوبت پہنچے گی۔ پھر اصل قلعہ پر حملہ ہوگا وہاں کچھ ہے ہی نہیں تو قلعی کھل جائے گی۔ اس لیے فرار مناسب سمجھا بعد انقطاع مباحثہ اور چلے جانے مرزا صاحب کے احقر دو روز دہلی میں متوقف رہ کر روز شنبہ کو ڈاک گاڑی میں بھوپال روانہ ہوا۔ (رسالہ الحق الصریح ص ۱۲)

مرزا قادیانی کی زندگی میں جب مولانا نذیر حسین دہلوی کا انتقال ہوگیا تو اس نے درج ذیل الفاظ میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

۱۔ نذیر حسین دہلوی جو ان کا سرغنہ تھا جو دعوت مباہلہ میں اول المدعوین ہے اپنے لائق بیٹے کی موت دیکھ کر ابتر ہونے کی حالت میں دنیا سے گزر گیا۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۲۲ روحانی خزائن ۴۵۴)

۲۔ مات ضالاً ھائماً۔ ایک گمراہ شخص سرگردانی کی حالت میں مارا گیا۔

(تذکرہ طبع دوم ص ۴۴۸)

موضع مد ضلع امرتسر میں مناظرہ

(اکتوبر۱۹۰۲ء)

از قلم مولانا صفی الرحمٰن

الہامات مرزا، کی اشاعت سے مرزا صاحب اوران کے ہواخواہوں کو جوزخم لگا تھا وہ ابھی ہرا ہی تھا کہ ان پر ایک اور بلائے ناگہانی آپڑی جوخودان کی اپنی لائی ہوئی تھی۔مولانا امرتسریؒ کے الفاظ میں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موضع مد ضلع امرتسر میں مرزائیوں نے شوروشغب کیا توان لوگوں نے (یعنی باشندگان موضع مدنے) لاہورایک آدمی بھیجا کہ وہاں سے کسی عالم کولا کران سے مباحثہ کریں۔اہالی لاہور کے مشورے سے۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔

ایک تار آیا اور صبح ہوتے ہی جھٹ سے ایک آدمی آپہنچا کہ چلیے ورنہ گاؤں گاؤں بلکہ اطراف کے لوگ بھی سب گمراہ ہوجاہیں گے۔خاکسار چاروناچار موضع مدمذکورپہنچا،مباحثہ ہوا۔

یہ مناظرہ ۲۹/۳۰/ اکتوبر۱۹۰۲ء کو ہوا تھا اور بڑے پیمانے پر اور بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا۔ مرزائیوں کے مناظر مولوی سرور شاہ تھے۔موضوع بحث یہ تھا کہ مرزا صاحب اپنے الہامی دعوؤں میں سچے ہیں یا جھوٹے۔؟ مولانا امرتسریؒ نے مرزا صاحب کے مقرر کیے ہوئے معیار اور اصول کے مطابق انھیں قطعی طور پر جھوٹا اور فریب کار ثابت کیا۔بیچارے سرور شاہ صاحب نے مولانا امرتسریؒ کے دلائل توڑنے اوران کی گرفتوں سے جان چھڑانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے،مگرع

کیا بنے بات' جہاں بات بنائے نہ بنے

آخر شکست فاش کھا کر بڑی رسوائی اور روسیاہی کے ساتھ اپنے رفقاء سمیت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔مرزاجی کے ان فرستادوں نے جب قادیان پہنچ کر اس المناک انجام کی داستان اور اپنی ذلت ورسوائی کے احوال ان کے گوش گذار کیے تو انہوں نے فرط حسرت سے بڑے دردانگیز اور کرب خیز اشعار کہے اور جوش غضب میں مولانا امرتسری کو دل کھول کر گالیاں دیں۔بطور نمونہ ان کی چند گالیاں آپ بھی سن لیجیے۔جو یہ ہیں۔

''تباہ کن، گمراہ اور گمراہ کن، جھوٹا، مفسد، بھیڑیئے کی طرح بھونکنے والا، کتے کی طرح بھونکنے والا، بھیڑیا، متکبر، جہنم کا رہنما، احمق، اجڈ، ہذیان گو فتنہ خیز، فساد انگیز، آتش فساد بھڑکانے والا، جاہل، بھوت، ابن الہویٰ، صاحب مکائد، بچھوؤں کی طرح ڈنک مارنے والا، بے روح جسم، ہانڈی کی طرح جوش مارنے والا، نافہم، غدار الزماں، خاسر، راغم الانف، فحش گو، وغیرہ وغیرہ۔

اس مناظر کے اثرات ونتائج مسلمانوں کے حق میں بہت ہی خوشگوار رہے۔ قادیانی مکرو فریب کا پردہ اس طرح چاک ہوگیا تھا کہ سادہ لوح مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ موضع مد اور اس کے اطراف کے لوگوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ جاتا رہا۔ قادیانی بے یارو مددگار اور یکہ وتنہا رہ گئے اور جن لوگوں نے قادیانیوں کو جوش حمایت میں چندے دیے تھے۔ اب وہ بھی قادیانیوں کی مخالف تھے۔ مرزا صاحب نے اپنے قصیدہ میں ان سارے ''مصائب'' کا بڑے درد انگیز، حسرتناک اور غضب آلود انداز میں رونا رویا ہے۔ سرزمین مد کو عذاب کی دھمکی دی ہے اور اپنی بیکسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

فافردت افراد الحسین بکربلا　و فی الحی صر نا مثل من کان یقبر

ترجمہ　پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسین کربلا میں اور اس قوم میں، ہم ایسے ہوگئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے۔ (یہ مرزا صاحب کا اپنا کیا ہوا ترجمہ ہے۔)

اس قصیدہ کے دعائیہ کلمات بھی مرزا جی کی دلفگاری کے آئینہ دار ہیں۔ لکھتے ہیں۔

سئمنا تکالیف التطاول من عدا　تمادت لیالی الجوریا ربی انصر

طرد نالو جھک من مجالس قومنا　فانت لنا حب فرید و موثر

ترجمہ　ہم نے ظلم کی تکلیفیں دشمنوں سے اٹھائیں اور ظلم کی راتیں لمبی ہوگئیں، اے خدا مدد کر۔ اے میرے خدا! تیرے منہ کے لیے ہم اپنی مجلسوں سے رد کر دیے گئے۔ پس تو ہمارا یگانہ دوست ہے جو سب پر اختیار کیا گیا۔

یہ معلوم ہے کہ اب تک مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا صاحب کے سب سے بڑے حریف پنجہ فگن تھے لیکن اب اس مناظرے کے بعد مرزا صاحب کے دل و دماغ پر مولانا امرتسری کی ہیبت کابوس بن کر سوار ہوگئی اور وہ مولانا امرتسریؒ کو سب سے سخت گیر مناظر دینے لگے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

الا رب خصم قد رایت جداله و ما ان رأینا مثلہ من یزور

ترجمہ خبر ہو! میں نے بہت سے بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس (مولانا ثناءاللہ) جیسا فریبی میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

فاو میک یارد ف الحسین ابا الوفا انب، واتق اللّٰہ المحاسب، واحذر

ترجمہ پس میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اے محمد حسین (بٹالوی) کے پیچھے پیچھے چلنے والے ابوالوفا! خدا کی طرف جھک اور حساب لینے والے اللہ سے خوف کھا اور ڈر۔

مولانا عبدالحق غزنوی کا مرزا قادیانی سے مباہلہ

مولانا عبدالحق غزنوی امرتسر کے رہنے والے اور مسلکاً اہل حدیث تھے مرزا غلام قادیانی نے جب ۲۵ اپریل ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں مولانا بٹالوی، میاں نذیر حسین دہلوی مولانا عبدالجبار غزنوی سمیت متعدد علماء کرام کو دعوت مباہلہ دی اور لکھا۔

......(مذکورہ علماء کرام کے علاوہ) ہر ایک نامی مولوی یا سجادہ نشین کو جو اس عاجز کو کافر سمجھتا ہو مخاطب کر کے عام طور پر شائع کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے تئیں صادق قرار دیتے ہیں تو اس عاجز سے مباہلہ کریں اور یقین رکھیں کہ خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا لیکن یہ بات واجبات سے ہوگی کہ فریقین اپنی اپنی تحریریں بہ ثبت دستخط گواہان شائع کریں کہ اگر کسی فریق پر لعنت کا اثر ظاہر ہوگیا تو وہ شخص اپنے عقیدہ سے رجوع کرے گا اور اپنے فریق مخالف کو سچا مان لے گا

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۳۹۹)

مولانا عبدالحق غزنوی نے اس دعوت مباہلہ کے جواب میں درج ذیل اشتہار چھپوایا۔

اطلاع عام برائے اہل اسلام

(از صوفی عبدالحق غزنوی مباہلہ مرزا)

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں مرزا کے مباہلہ کا مدت سے پیاسا ہوں اور تین برس سے اُس سے یہی درخواست ہے کہ اپنے کفریات پر جو تو نے اپنی کتابوں میں شائع کیے ہیں مجھ سے مباہلہ کر مگر چونکہ خاص کر وہ ان دنوں پادریوں کے مقابلے میں اسلام کی طرف

سے لڑتا ہے تو اس موقع پر میں نے اور ہمارے اور مسلمان بھائیوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ مرزا سے اس موقع پر مباہلہ یا مباحثہ یا اور کسی قسم کی چھیڑ جھاڑ کی جائے تا کہ وہ پادریوں کے مقابلے میں کمزور نہ ہو جائے لہٰذا میں نے یہ خط مسطور الذیل بتاریخ ۷ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ ارسال کیا کہ ہم کو آپ سے مباہلہ بدل و جان منظور ہے مگر تاریخ تبدیل کر دو۔ وہ خط یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ چونکہ آپ آج کل اسلام کی طرف سے مخالفین اسلام کے ساتھ مقابلہ کرتے ہو اور اہل اسلام کی مدد میں ہو۔ لہٰذا اس موقع پر کسی مسلمان کو آپ پر حملہ کرنا یا آپ کے ساتھ مقابلہ یا مباہلہ میں پیش آنا نہایت نامناسب اور بہت سی خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے اس امر کی عقل اور عرف اجازت نہیں دیتی کیونکہ اس میں اسلام اور اہل اسلام کی ذلت اور بدنامی ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ مقررہ آپ کی بے موقع ہے اس تاریخ کا بدلنا ضروری ہے۔ ہم کو مباہلہ کرنا آپ سے بدل و جان منظور ہے۔ رسالہ موسوم بہ ''سچائی کا اظہار'' میں آپ لکھتے ہیں کہ عنقریب ایک جلسہ مباحثہ علمائے لاہور سے ۱۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہونے والا ہے اس لیے ضروری ہے کہ مباہلہ اس کے بعد ہو جبکہ آپ اسلام کے مقابلہ پر ہوں۔ نیز آپ کا لیکچر اس موقعہ پر ہمیں بالکل منظور نہیں کیونکہ جب آپ اپنی صفائی ظاہر کریں گے تو ہم بھی آپ کی تردید کریں گے۔ پھر تو مباحثہ ہوا نہ مباہلہ۔ یہ بحثوں کے جھگڑے تو ختم ہونے والے نہیں۔ مقام مباہلہ مین فقط فریقین یہی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ پر لعنت کرے۔ فقط۔ اس کا جواب بدست حاملان رقعہ ہذا بھیج دیں۔

راقم عبدالحق غزنوی بقلم خود ۷ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ

اس خط کا جواب جو مرزا صاحب نے بھیجا وہ بھی بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلی، از طرف عبداللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ دایدہٗ۔ میاں عبدالحق غزنوی کو واضح ہو کہ اب حسب درخواست آپ کے جس میں آپ نے قطعی طور پر مجھ کو کافر اور دجال لکھا ہے۔ مباہلہ کی تاریخ مقرر ہو چکی ہے اور میرے امرتسر میں آنے کے لیے دو ہی غرضیں تھیں۔ ایک عیسائیوں سے مباحثہ اور دوسرے آپ سے مباہلہ میں بعد استخارہ مسنونہ انہیں دو غرضوں کے لیے مع اپنے قبائل کے آیا ہوں اور جماعت کثیر دوستوں کی جو میرے ساتھ کافر ٹھہرائی گئی ہے ساتھ لایا ہوں اور اشتہار شائع کر چکا ہوں اور متخلف پر لعنت بھیج چکا ہوں۔ اب

جس کا جی چاہے لعنت سے حصہ لے۔ میں تو حسب وعدہ میدان مباہلہ یعنی عیدگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ''خدا تعالیٰ کافر اور کذب کو ہلاک کرے'' **ولا تقف ما لیس لک به علم ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنه مسئولا**۔ یہ بھی واضح رہے کہ میں ۱۵ جون ۱۸۹۳ء کے مباحثے میں نہیں جاؤں گا بلکہ میری طرف سے اخویم حضرت حکیم نورالدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد حسن صاحب بحث کے لیے جائیں گے۔ ہاں یہ مجھے منظور ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں۔ صرف یہ دعا ہوگی کہ میں مسلمان اور اللہ کے رسول کا متبع ہوں۔ اگر میں اس قول میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ میرے پر لعنت کرے اور آپ کی طرف سے یہ دعا ہوگی کہ یہ شخص درحقیقت کافر اور کذاب اور دجال اور مفتری ہے اور اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ میرے پر لعنت کرے اور اگر یہ الفاظ میری دعا کے آپ کی نظر میں ناکافی ہوں تو جو آپ تقویٰ کی راہ سے لکھیں کہ دعا کے وقت یہ کہا جائے وہی لکھ دوں گا۔ مگر اب ہرگز ہرگز تاریخ مباہلہ تبدیل نہیں ہوگی۔ **لعنت الله علی من تخلف منا و ماحضر فی ذلک التاریخ والیوم والوقت والسلام علی عباده الذین اصطفی**.

(خاکسار غلام احمد از امرتسر ہفتم ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ)

عرض یہ ہے کہ اب میں بری الذمہ ہو گیا ہوں اور مجھ پر کسی قسم کی ملامت نہیں کیونکہ میں نے تاریخ کا بدلنا تو اس سبب سے چاہا تھا کہ اگرچہ میں اور دیگر مسلمان مرزا کو کیسا ہی گمراہ سمجھیں مگر جب وہ اسلام کی طرف سے لڑتا ہے تو ہم سب کو بجائے بددعا کے دُعا اور مدد دینی چاہیے۔ مگر مرزا نے وہ تاریخ یعنی دہم ذی القعد نہیں بدلی۔ اب میں بھی اس وقت معینہ کہ دہم ذی القعد ۱۳۱۰ھ بوقت دو بجے دن کے اپنا حاضر ہونا مباہلہ کے واسطے مقام مباہلہ میں فرض سمجھتا ہوں اور وہاں جا کر لیکچر یا وعظ یا اظہار صفائی طرفین سے مطلق نہ ہوگا جیسا کہ اس نے اپنے خط میں وعدہ کر لیا ہے کہ مقام مباہلہ میں کوئی وعظ نہ کروں گا۔ مقام عیدگاہ مباہلہ اس طریق پر بدیں الفاظ ہوگا۔

یعنی میں عبدالحق 3 بار بآواز بلند کہوں گا کہ

''یا اللہ میں مرزا کو ضال، مضل، ملحد، دجال۔ کذاب۔ مفتری۔ محرف کلام اللہ تعالیٰ و احادیث رسول اللہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر تو نے آج تک نہ کی ہو۔''

مرزا تین دفعہ بآواز بلند کہے۔

''یااللہ اگر میں ضال و مضل و ملحد دجال وکذاب ومفتری ومحرف کتاب اللہ احادیث رسول اللہ صلعم ہوں تو مجھ پر وہ لعنت کر جو کسی کافر پر تو نے آج تک نہ کی ہو۔''

بعد میں روبقبلہ ہوکر دیر تک ابتہال دعا عاجزی کریں گے کہ یااللہ جھوٹے کو اور رُسوا کر اور سب حاضرین مجلس آمین کہیں گے۔

المشتہر عبدالحق از امرت سر پنجاب مورخہ ۸ ذی القعدہ ۱۳۱۰ھ بمطابق جون ۱۸۹۱ء

(بحوالہ تاریخ مرزا از قلم مولانا ثناء امرتسری ۴۴ تا ۴۷)

اس سے پہلے مولانا عبدالحق غزنوی ۲۴ شوال ۱۳۱۰ھ بھی ایک اشتہار مباہلہ شائع کر چکے تھے جسے مرزا قادیانی نے قبول کر لیا تھا۔ جانبین کے اشتہار مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۴۲۰۔۴۲۵ میں مطبوعہ ہیں۔ بعد میں جو اشتہار یہ دو جانب سے شائع ہوئے ان کا تفصیلی تذکرہ مولانا غزنوی کے اشتہار میں آچکا ہے۔

چنانچہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ بمطابق ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء کو مرزا قادیانی نے مولانا غزنوی کے ساتھ مباہلہ کیا۔

۱۔ (سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۹۲)

۲۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول ۴۲۶، ۴۲۷)

مرزا قادیانی کی تضاد بیانی

مباہلہ کے ایک سال بعد جب مولانا عبدالحق غزنوی بخیر وعافیت رہے اور ان کا کچھ نہ بگڑا تو قادیانی سٹپٹائے اور یہی سوال مرزا قادیانی سے کیا۔ تو مرزا نے اپنی کتاب انجام آتھم (مطبوعہ ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء) میں یہ عذر پیش کیا کہ مباہلہ دراصل میری درخواست سے نہیں تھا نہ میرا اس میں یہ مدعا تھا کہ عبدالحق پر بددعا کروں اور نہ میں نے بعد مباہلہ کبھی اس بات کی طرف توجہ کی۔ اس بات کو اللہ خوب جانتا ہے کہ میں نے کبھی عبدالحق پر بددعا نہیں کی اور اپنے دل کے جوش کو ہرگز اس طرف توجہ نہیں دیا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۱ روحانی خزائن ص جلد نمبر ۱۱)

لیکن اس تحریر کے ساڑھے پانچ سال بعد مرزا صاحب نے اپنی کتاب نزول المسیح (مطبوعہ ۲۰ اگست ۱۹۰۲ء) میں لکھا کہ صدہا مخالف مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلایا گیا جن میں سے عبدالحق غزنوی میدان میں نکلا۔

مباہلہ کے نتائج

مباہلہ کے نتائج کے متعلق مولانا رفیق دلاوری مرحوم لکھتے ہیں ''بہرحال اس مباہلہ کے بعد دوسرے بے شمار مصائب کے علاوہ قادیانی صاحب کا ایک نو سالہ لڑکا مبارک مرگیا اس کے بعد الہامی صاحب خود بھی مولوی عبدالحق کی زندگی میں طعمہ اجل ہو کر ان کے برسرِ حق ہونے کی عملی تصدیق کر گئے کیونکہ الہامی صاحب نے خود لکھا تھا کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ (اخبار الحکم قادیان ۱۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء ص ۹)

یاد رہے کہ قادیانی صاحب ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بمقام لاہور مرض ہیضہ میں گرفتار ہو کر مولوی عبدالحق مرحوم کی زندگی میں گیارہ گھنٹہ کے اندر چل بسے تھے اور مولوی صاحب اپنے حریف کے نذر اجل ہونے کے بعد نو سال تک نہایت خوشگوار اور پرعافیت زندگی بسر کر کے ۱۴ مئی ۱۹۱۷ء کو رہ گزار عالم ہوئے والحمدللہ علیٰ ذالک۔ (رئیس قادیان جلد دوم ص ۲۳۰)

مولانا امرتسری کے مناظرے اور مباحثے

۱۔ مناظرہ رام پور۔ یہ ایک تاریخی مناظرہ ہے جو کہ رفع و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر ہوا۔ اس مناظرہ کا تمام خرچ نواب رام پور نے برداشت کیا۔ مولانا ثناء اللہ کے بالمقابل مولوی محمد احسن امروہی تھے۔ 16,15 اور 19 جون 1909ء تین دن مناظرہ جاری رہا۔ نواب رام پور نے 20 جون کو مرزا کے صدق و کذب پر مناظرہ کرانا چاہا لیکن قادیانیوں نے میدان میں آنے سے انکار کر دیا۔

۲۔ مناظرہ مسوری۔ یہ مناظرہ 18 نومبر 1909ء کو مسوری میں ہوا۔

۳۔ مباحثہ لدھیانہ۔ یہ مباحثہ مولانا امرتسری اور میر قاسم علی قادیانی کے درمیان ۱۷ اپریل 1912ء کو ہوا۔ اس مباحثہ کے ثالث سردار بچن سنگھ تھے۔ فریقین نے تین تین سو روپے

ثالث کے پاس جمع کرائے کہ جیتنے والے مناظر کو دیے جائیں۔ مناظرہ کا موضوع یہ تھا کہ مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ جو آخری فیصلہ چاہا تھا آیا وہ خدائی تحریک پر چاہا تھا یا یونہی شائع کر دیا تھا۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ مرزا صاحب نے بزعم خود یہ دعا خدائی تحریک پر کی تھی جبکہ قادیانی مناظر اس سے انکاری تھا ثالث نے مولانا ثناء اللہ کو حق بجانب قرار دے کر چھ سو روپے ان کے حوالے کر دیے۔ اس رقم سے مولانا نے اس مباحثہ کی روئداد فاتح قادیان کے نام سے شائع کی۔

(ملخص از فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری از مولانا صفی الرحمٰن اعظمی ناشر المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل)

مناظرہ امرتسر

یہ مناظرہ اپریل ۱۹۱۶ء کو امرتسر میں ہوا۔ اس مناظر میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے بالمقابل مولوی غلام رسول (آف راجے کی) ہار گئے۔ اس مناظرہ کی روئداد فتح ربانی در مباحثہ قادیانی کے نام سے شائع ہوئی۔

مباحثہ سرگودھا

یہ مباحثہ ۴، ۵ دسمبر ۱۹۱۶ء کو سرگودھا شہر میں ہوا۔

مختلف مباحثے

فروری اپریل ۱۹۱۶ء کو میں ہوشیار پور لدھیانہ اور جالندھر میں آپ نے قادیانیوں سے مباحثے کیے اور فتح پائی۔ آپ کے متعدد مباحثے اور مناظرے ایسے ہیں جن کی مفصل رُوئداد معلوم نہیں ہے۔

قادیان میں علماء دیوبند اور اہل حدیث حضرت کے مشترکہ جلسے

مرزا محمود نے مسلمانوں پر جو ارتدادی یورش کی تھی اس کے جواب میں مسلمان بیدار ہوئے اور انہوں نے اسلامی انجمن قائم کی۔ اس انجمن کے تحت علمائے دیوبند اور اہل حدیث علماء کرام نے قادیان میں دو جلسے کیے۔

۱۔ پہلا جلسہ ۲۴، ۲۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو اور دوسرا جلسہ مارچ ۱۹۲۱ء کو ہوا۔

مالیرکوٹلہ میں دومناظرے

مارچ، اپریل ۱۹۲۱ء کو مالیرکوٹلہ (مشرقی پنجاب) میں مولانا امرتسری نے قادیانیوں سے دو مناظرے کیے اور انہیں شکست دی مناظرہ کپورتھلہ ___ ستمبر ۱۹۲۱ء۔

مناظرہ موضع دہلی ضلع لاہور ___ ۹ نومبر ۱۹۲۳ء۔

مناظرہ گوجرانوالہ ___ فروری ۱۹۲۶ء۔

مناظرہ پٹھان کوٹ ___ نومبر ۱۹۲۸ء۔

مناظرہ بٹالہ ___ نومبر ۱۹۳۰ء۔

مناظرہ وزیرآباد ___ اپریل ۱۹۳۲ء۔

مناظرہ لاہور ___ جنوری ۱۹۳۴ء۔

اس مناظرہ میں آپ کے ساتھ مولانا محمد عبداللہ معمار بھی شریک تھے۔

بٹالہ وامرتسر میں چار مناظرے ___ مارچ مئی ستمبر ۱۹۳۴ء۔

میرٹھ میں دومناظرے ___ مارچ ۱۹۳۵ء جنوری ۱۹۳۹ء۔

مناظرہ لائل پور ___ نومبر ۱۹۴۱ء۔

مناظرہ ہریا ضلع گجرات ___ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔

مولانا محمد علیؒ مونگیری کا ایک تاریخی مناظرہ 1911ء

اس مناظرہ کی مختصر روئیداد آپ کے صاحبزادے جناب مولانا منت اللہ رحمانی نے قلمبند کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''مرزا صاحب کے نمائندے حکیم نورالدین صاحب' سرور شاہ صاحب اور روشن علی صاحب مرزا صاحب کی تحریر لے کر آئے کہ ان کی شکست میری شکست ہے اور ان کی فتح میری فتح۔ اس طرف سے مولانا مرتضٰی حسن چاندپوریؒ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ مولانا بشیر احمد عثمانیؒ' مولانا عبدالوہاب بہاری' مولانا ابراہیم سیالکوٹی تقریباً 40 علماء بلائے گئے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ عجیب منظر تھا۔ صوبہ بہار کے اضلاع کے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ خانقاہ

میں علماء کی ایک بڑی بارات ٹھہری ہوئی ہے۔ کتابیں الٹی ہیں' حوالے تلاش کیے جا رہے ہیں اور بحثیں چل رہی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ مولانا محمد علی کی طرف سے مناظرے کا نمائندہ کون ہو۔ قرعہ فال مولانا مرتضیٰ حسن صحب کے نام پڑا۔ آپ نے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو تحریراً اپنا نمائندہ بنایا۔ علماء کی یہ جماعت میدان مناظرہ میں گئی۔ وقت مقرر تھا۔ اس طرف مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اسٹیج پر تقریر کے لے آئے اور اس طرف آپ سجدے میں گئے اور اس وقت تک سر نہ اٹھایا جب تک فتح کی خبر نہ آ گئی۔ بوڑھوں کا کہنا ہے کہ میدان مناظرہ عجب تھا۔ مولانا مرتضیٰ حسن کی ایک ہی تقریر کے بعد جب قادیانیوں سے جواب کا مطالبہ کیا گیا تو مرزا صاحب کے نمائندے جواب دینے کی بجائے انتہائی بدحواسی اور گھبراہٹ میں کرسیاں اپنے سروں پر لیے ہوئے یہ کہتے بھاگے کہ ''ہم جواب نہیں دے سکتے۔''

اس مناظرہ کے بعد مولانا نے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ اور منظم طریقہ پر زبردست مہم شروع کی اس کے لیے دورے کیے' خطوط لکھے' رسائل اور کتابیں تصنیف کیں۔ دہلی اور کانپور سے کتابیں طبع کروا کے مونگیر لانے اور اشاعت کرنے میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا۔ اس کے لیے مولانا نے خانقاہ میں ایک مستقل پریس قائم کیا اور اس طرح لاتعداد کتابیں رد قادیانیت پر شائع کیں۔

علماء دارالعلوم دیوبند کو دعوت مباہلہ :

مولانا ثناء اللہ امرتسری کو دعوت مباہلہ دے کر قادیانیوں کا پیغمبر اپنی بددعا کے مطابق ہیضہ میں مبتلا ہو کر ایک ہی سال بعد مر کر اپنے کذب و افتراء پر مہر تصدیق ثبت کر گیا تھا' یہ مباہلہ ہی تمام قادیانی امت کے لیے برہان حق ہو جانا چاہیے تھا لیکن خدا نے جن کے قلوب پر مہر لگا دی ہے تو وہ کان رکھ کر سنتے نہیں' آنکھ رکھ کر سنتے نہیں اور سینہ میں دل رکھتے ہوئے بھی عبرت حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں' یہی حال قادیانیوں کا بھی تھا۔

مرزا غلام احمد کے انتقال کے دس سال بعد ان کے خلیفہ مرزا محمود پر بھی وہی باپ کا پاگل پن سوار ہو گیا اور انہوں نے علماء دارالعلوم دیوبند کو پھر دعوت مباہلہ دے دی' ایک اشتہار مطبوعہ 13 ربیع الثانی 1337ھ مطابق 16 جنوری 1919ء کو ایڈیٹر الفضل (قادیان) کی طرف سے دارالعلوم دیوبند پہنچا جس کا عنوان تھا:

''امام جماعت احمدیہ علماء دیو بند سے مباہلہ کے لیے تیار ہیں۔''

اس سے پہلے مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلوی کی طرف سے خود مرزا محمود کو دعوت مباہلہ دی جا چکی تھی اور مرزا محمود نے خاموشی میں عافیت سمجھ کر اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ٹھیک اس کے ایک سال بعد اس نے یہ شگوفہ چھوڑا تا کہ لوگوں کی نظر اور توجہ قادیانیت کی طرف ہو جائے۔

فراست مومن:

علماء دیو بند قادیانیوں کی عیاریوں سے واقف تھے۔ اسی لیے وہ ایسی دعوت مباہلہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا مظاہرہ ہزاروں عوام کی موجودگی میں نہ ہو' جب مرزا غلام احمد اشتہاری مباہلہ کے بعد اس دنیا سے رسوا ہو کر رخصت ہو گئے تو عوام پر ان کا دور رس اثر نہیں ہوا کیونکہ وہ اپنے خلوت خانہ میں تھے' مجمع عام میں نہیں تھے' اس لیے علماء دیو بند نے یہ شرط لگائی کہ مباہلہ اس طرح ہو گا کہ پہلے مجمع عام میں قادیانیوں سے مناظرہ ہو گا' مناظرہ میں حق نمایاں طور پر واضح نہ ہونے کی صورت میں مجمع عام میں دونوں فریق کی موجودگی میں مباہلہ ہو گا' علماء دیو بند کی طرف سے اعلان ہوا کہ:

> ''ہم صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ جن شواہد و دلائل کی بناء پر آپ نے ان کی نبوت (معاذ اللہ) تسلیم کی ہے وہ میدان مناظرہ میں پیش کیجیے اور جو کچھ اعتراضات ہم کو ہیں ان کا معقول جواب عنایت فرمائیے' تا کہ جس نبی پر آپ ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور جس کو مفتری کہنے والوں کو آپ کافر اور خارج از دائرہ اسلام سمجھتے ہیں اور ان سے مباہلہ کرنا چاہتے ہیں اس کی تصدیق مجمع عام میں علی رؤس الاشہاد ہو جائے اور اگر بعد مناظرہ بھی نمایاں طور پر حق واضح نہ ہو تو پھر آخری صورت مباہلہ ہے جو اسی وقت اسی میدان عمل میں آئے گا...... میں یقین کرتا ہوں کہ میرے اس اعلان کے بعد آپ کو کسی قسم کا پس و پیش نہ ہو گا۔''

محمد عبدالسمیع الانصاری مدرس دارالعلوم دیو بند 18 ربیع الثانی 1337ھ مطابق 21 جنوری 1919ء

یاددہانی پر یاددہانی:

مرزا محمود کی توقع کے برخلاف جب یہ اعلان شائع ہوا تو اس کے ردعمل کا مظاہرہ نہیں ہوا اس لیے پھر علماء دیوبند نے اس کو للکارا اور شرم و غیرت دلاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''آخر میں پھر اس کا مکرر اعلان کیا جاتا ہے کہ علماء دیوبند حقائق حق کے جملہ طرق کے استعمال کے لیے آمادہ ہیں' مرزائی جماعت کو اگر دعویٰ صداقت ہے تو بے تو ریہ سامنے آئے اور مرزا محمود کو آگے بڑھنا چاہیے۔''

اس اعلان کے مکرر شائع کرنے کے بعد قادیانی ٹال مٹول کرتے رہے اور باتوں میں سمجھاتے رہے' مناظرہ پہلے مباہلہ بعد میں اور اسی میدان مناظرہ میں اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی جان نکل جاتی تھی' اس لیے وہ باتوں کے الٹ پھیر میں لگے رہے اور ہر مہینہ ایک نیا اشتہار مباہلہ کی دعوت کا نکالتے رہے' قادیانیوں کا چوتھا اشتہار اس مطالبہ کے لیے شائع کیا گیا کہ علماء دیوبند متفقہ طور پر کسی کو اپنا وکیل اور نمائندہ مقرر کریں تب ہم اس سے مناظرہ اور مباہلہ کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے ورنہ نہیں۔

علماء دیوبند کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ مرزا محمود فرار کی راہیں تلاش کر رہا ہے۔ اس لیے اس کو فرار کی کوئی راہ نہ دی جائے اور ایک ایسا اعلان شائع کر دیا جائے جو اس کی زبان بند کر دے اور وہ مناظرہ و مباہلہ کی شرائط کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور اس کو سامنے آنا ہی پڑے۔

مولانا عبدالسمیع صاحب استاد دارالعلوم نے تین ماہ قبل قادیانیوں کی دعوت مباہلہ کو منظور کرتے ہوئے جو اعلان کیا تھا اور اس میں اپنی یہ شرط لگائی تھی کہ مناظرہ پہلے ہوگا اور مباہلہ اسی میدان مناظرہ میں اسی دن وہیں ہوگا تو قادیانیوں کے چوتھے اشتہار کے بعد یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرزا محمود کا مطالبہ پورا کر کے دوبارہ پھر چیلنج کر دیا جائے اس لیے تیسرے مہینے جب مولانا عبدالسمیع صاحب نے اپنا چیلنج پھر شائع کیا تو اس اعلان کے ساتھ ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کی تائید و توفیق کو بھی شائع کر دیا جائے تاکہ پھر اس کو بہانہ بنانے کا موقعہ نہ مل سکے۔ مولانا عبدالسمیع کے اعلان پر ان کے دستخط کے بعد یہ عبارت شائع کر دی گئی کہ:

''ہم تصدیق کرتے ہیں کہ مولوی عبدالسمیع صاحب انصاری مدرس دارالعلوم دیوبند نے جو کچھ اب تک جماعت قادیان کے مقابلہ میں لکھا جو آئندہ اسباب میں لکھیں گے وہ سب ہم حرف بہ حرف منظور ہے۔''

محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ محمد انور شاہ قائم مقام صدر مدرس دارالعلوم دیوبند۔

قادیان شہر خموشاں بن گیا:

چارہ ماہ مسلسل سوال و جواب' شرائط کی تنقیح' ہر بار شرطوں کا اضافہ ہوتا رہا لیکن علماء دیوبند تہیہ کر چکے تھے کہ اب کی بار خلیفہ قادیان کے لیے فرار کا کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس لیے چوتھے ماہ کے اعلان پر جو مولانا عبدالسمیع صاحب استاد دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع کیا گیا۔ مرزا محمود کی آخری شرط کی تکمیل کے لیے حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور علامہ انور شاہ کشمیری صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اپنی حمایت اور تصدیق و توثیق کر کے اور مولانا عبدالسمیع صاحب کو اپنا وکیل بنا کر مرزا محمود اور ایڈیٹر الفضل کا رستہ اس طرح بند کر دیا کہ پھر دونوں کو سانپ سونگھ گیا' بار بار کے اعلان کے باوجود خاموشی چھائی رہی۔

بات یہ تھی کہ اب کی بار صاف مباہلہ کا ڈرامہ کرنے کا قادیانیوں کو موقعہ نہیں دیا جا رہا تھا۔ مباہلہ کی شرط اول یہ تھی کہ مجمع عام میں قادیانیوں سے مرزا کی نبوت پر مناظرہ ہوگا اور اس میں مرزا کی نبوت پر دلائل فراہم کرنا قرآن و احادیث کی کڑی کسوٹی پر ان کے ذمہ ضروری تھا اور یہی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ قادیانیوں کے لیے میدان مناظرہ میں کھڑے ہو کر مرزا کی نبوت کا ثبوت دینا قیامت میں خدا کے سامنے حساب و کتاب دینے کے لیے کھڑے ہونے کے برابر ہولناک تھا اور جب وہ مناظرہ کے پل صراط پر آئیں گے تو ان کو یقین تھا کہ وہ اپنے کذب و افتراء کے گناہوں کی وجہ سے کٹ کر ذلت و رسوائی کی جہنم میں گر چکے ہوں گے' پھر مباہلہ کا کہاں سوال رہ جائے گا اور اگر بالفرض وہ اس پل صراط کو کسی طرح پار کر گئے تو سنت رسول کے مطابق علماء دیوبند کی جماعت کے ساتھ مرزا محمود کی ذریت کو بھی لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہونا ہوگا' پھر مجمع عام میں کھڑے ہو کر جھوٹے پر لعنت اور بددعا کرنی ہوگی۔ اس تصور ہی سے وہ گھبرا گئے' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانیوں نے چارہ ماہ کے شوروغوغا کے بعد بہانے بنا کر کنارہ کشی اختیار کر لی

اور پھر اس کے بعد انہوں نے علماء دیوبند کے مقابلہ میں مباہلہ کا نام نہیں لیا۔

فائدہ: یہ تمام تفصیل رسالہ ''القاسم'' دیوبند شمارہ ربیع الثانی' جمادی الاول' جمادی الثانی' رجب اور شعبان ۱۳۴۷ھ میں موجود ہے۔

ایک دلچسپ مقدمہ اور فیصلہ:

علماء دیوبند سے پانچ ماہ کے بعد قادیانیوں کو گفتگو کی پھر ہمت نہیں ہوئی۔ اسی سال تمام دینی اداروں کے فتاویٰ کا مجموعہ قادیانیوں کے کافر مرتد ہونے سے متعلق شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اہم ترین اداروں نے ان کے کفر وارتداد کا متفقہ فیصلہ کیا۔ اسی سال انگریزی عدالت کے ایک غیر مسلم مجسٹریٹ نے بھی کچھ ایسا ہی فیصلہ کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک ایسی عدالت جس کا مجسٹریٹ بھی غیر مسلم' مسلمانوں کا وکیل بھی غیر مسلم اور فیصلہ وہ ہوتا ہے جو اسلامی ادارے اپنے دارالافتاء میں تجویز کرتے ہیں۔ اس کی مختصر روداد ایک انگریزی اخبار ''دی اڑیا کٹک'' کے ایڈیٹر کی زبانی سنیے:

''واقعہ یہ تھا کہ اڑیسہ میں قادیانی مشنریوں کی کوششوں سے کچھ مسلمان مرتد ہو کر قادیانی ہو گئے تھے۔ ایک قادیانی عورت مر گئی' قادیانیوں نے لاش کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا چاہا' قبر کھودی جا چکی تھی' لاش قبر پر لا کر رکھ دی گئی تھی کہ مسلمانوں کو اس کا علم ہوا' وہ آئے' اور لاش کو اٹھا کر قبرستان سے باہر لا کر ایک قادیانی کے گھر میں رکھ دیا' قادیانیوں نے تھانے میں ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی' مسلمان گرفتار ہوئے' مقدمہ چلا' عدالت ماتحت نے سزا تجویز کی' مسلمانوں نے جج کے یہاں اپیل کی اور مسٹر داس ایک غیر مسلم کو اپنا وکیل بنایا۔ انہوں نے کہا کہ میں رضا کارانہ اس مقدمہ کی پیروی کروں گا اور کوئی فیس نہیں لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا' وکیل نے عدالت میں یہ ثابت کیا کہ قبرستان مسلمانوں کا ہے اور قادیانی مسلمان نہیں ہیں' دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دونوں دو فرقے ہیں اور دو پیغمبروں کو مانتے ہیں' اس لیے اگر مسلمان اپنے قبرستان کو دوسرے فرقوں کے استعمال سے روکتے ہیں تو یہ ان کا مذہبی حق ہے' حکومت کو اس میں دخل دینے کا اختیار نہیں ہے' یہ بات اتنے مدلل طریقے سے کہی گئی

کہ جج کو یقین ہو گیا کہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں۔ اس لیے ان کو مسلمانوں کا قبرستان استعمال کرنے کا بھی حق نہیں ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے قادیانیوں کی لائی ہوئی لاش کو قبرستان سے باہر کر دیا تو انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنا حق استعمال کیا اور اپنے قبرستان کو دوسروں کو استعمال کرنے سے منع کر کے قانونی طور پر کوئی جرم نہیں کیا۔ اس لیے عدالت ماتحت نے جو فیصلہ کیا ہے اس لیے اس کو کالعدم کیا جاتا ہے اور میں تمام ماخوذ مسلمانوں کو باعزت بری کرتا ہوں۔''

(انگریزی اخبار دی اڑیا کٹک ۲۶ مارچ ۱۹۱۹ء)

تھانہ بھون کا ایک اور فتویٰ:

۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۲ء میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی خدمت میں مندرجہ ذیل استفتاء آیا کہ:

''کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو کافر ہیں یا نہیں؟ کیا کسی مسلمان کو حق ہے کہ ان کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکے؟ بینوا توجروا۔''

مولانا تھانوی نے اس استفتاء کے جواب میں تفصیلی فتویٰ دیا اور غیر مبہم الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

''خود مرزا کے بقاء اسلام کے قائل ہونے کی تو اس کے اقوال دیکھنے کے بعد کچھ گنجائش نہیں چنانچہ خود مرزا کے رسائل اور اس کے رد کے رسائل میں وہ اقوال بہ کثرت موجود ہیں، جن میں تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بت پرستی کو اس تاویل سے کفر نہ کہا جائے کہ توحید وجودی کی بنا پر یہ شخص غیر خدا کا عابد نہیں، اب رہ گئے اس کے پیرو تو قادیانی پارٹی تو ان اقوال کو بلا تامل مانتی ہے، ان پر بھی حکم بالاسلام کی کچھ گنجائش نہیں، باقی لاہوری پارٹی کے متعلق شاید کسی کو تردد ہو، کیونکہ وہ مرزا کے دعویٰ نبوت میں کچھ تاویل کرتے ہیں، سو اس تاویل کا صادق ہونا مرزا کے کاذب ہونے کو مستلزم ہے جیسا کہ اوپر اس تاویل کا متحمل نہ ہونا مذکور ہوا ہے اور مرزا کا صادق ماننا اس تاویل کے

باطل ہونے کو مستلزم ہے، پس اس جماعت پر حکم بالا سلام کی صرف ایک صورت ہے کہ یہ مرزا کو کاذب کہیں اور اگر اس کو صادق کہیں گے تو پھر ان پر بھی اسلام کا حکم نہیں کیا جا سکتا اور جب ان سے نفی اسلام کی ثابت ہو چکی تو ان کے ساتھ کوئی معاملہ اہل اسلام کا کرنا جائز نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ جلد ششم صفحہ ۵۹)

مباہلہ کی کثرت اور فتوؤں کا اثر:

۱۹۰۸ء میں مرزا کے مرنے کے بعد ان کے مریدوں نے بڑی سرگرمی سے اپنے مذہب کی اشاعت شروع کر دی تھی اور ان کا دائرہ کار بڑھتا جا رہا تھا' اس لیے ہندوستان کے ہر خطہ میں مسلمان اس نئے فرقہ کو حیرت و تعجب کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور اکا دکا مسلمان مرتد بھی ہو رہے تھے۔ اسلام کو قادیانیوں سے نقصان پہنچنے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے اور ابتداء عام مسلمانوں نے قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ تصور کیا اور وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قادیانیوں کے جال میں پھنس کر اپنے ایمان سے بھی وہ ہاتھ دھو بیٹھیں گے لیکن جو لوگ اس فتنہ ارتداد کی حقیقت سے واقف تھے وہ قادیانیت سے متاثر ہونے والے افراد کو اس کے باطل اور گمراہ ہونے کو سمجھاتے تو اگر ان کے دل میں اسلام و ایمان کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تھا تو اب ان کو صحیح صورتحال سمجھنے کی ضرورت پیش آ جاتی تھی۔ علماء کرام کے ان فتوؤں نے عوام کی اسی تشنگی کو بجھانے کا کام کیا' ان فتوؤں نے قادیانیوں کے عقائد کا پردہ چاک کر کے قادیانیت کو شاہراہ عام پر عریاں کھڑا کر دیا اور عوام بھی اسے اسلام سے بغاوت تصور کرنے لگے اور جہاں کہیں بھی وہ دام ہمرنگ زمین بچھاتے تھے۔ مسلمان اس جال کو توڑ دینے کی کوشش کرتے' ....

مناظرہ رنگون (۱۹۲۰ء)

یہ رسالہ اس مناظرے کی روداد ہے جو مولانا لکھنوئیؒ اور قادیانیوں کی لاہوری پارٹی کے سربراہ خواجہ کمال الدین بی۔ اے' ایل۔ ایل۔ بی کے درمیان ۱۹۲۰ء میں بمقام رنگون ہوا تھا۔ اس مناظرے کا اہتمام جمعیتہ علمائے رنگون نے کیا تھا جس کے سربراہ مولانا احمد بزرگ سملکیؒ تھے جو اس وقت جامع سورتی رنگون کے مہتمم اور مفتی بھی تھے۔ آپ ہی کی خصوصی دعوت پر مولانا لکھنوئیؒ

رنگون تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالمومن صاحب فاروقیؒ (م ۱۹۶۷ء) اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر الفرقان دامت برکاتہم بھی شریک سفر تھے۔

اس رسالہ کو ایک مقدمہ' دو ابواب اور ایک خاتمہ میں منقسم کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں مرزا اور مرزائیت کی مختصر تاریخ دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے' پہلے باب میں خواجہ کمال الدین اور مولانا لکھنویؒ کے رنگون پہنچنے کے بعد خواجہ صاحب کے مقابلہ میں اتمام حق کی جتنی بھی کارروائیاں ہوئیں تھیں ان کا مفصل بیان ہے دوسرے باب میں مرزا اور مرزائیت کے باطل اور خارج از اسلام ہونے کے دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جن امور کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) مرزا کی کذب گوئی خود انہی کی کتابوں سے (۲) مرزا کے اقوال توہین انبیاء علیہم السلام (۳) مرزا کا دعویٰ نبوت (۴) مرزا کا منکر ضروریات دین ہونا (۵) ختم نبوت کی بحث (۶) حیات مسیح علیہ السلام کی بحث (۷) مرزائیوں کے شائع کردہ انگریزی ترجمہ' قرآن مجید کے کچھ مفاسد اور خاتمہ میں مرزا اور مرزائیوں کے کفر پر علماء اسلام کے فتویٰ اس کے بعد حکومت وقت کا ایک فیصلہ درج کیا گیا ہے جس میں مرزائیوں کا خارج از اسلام ہونا اور مسلمانوں کے قبرستانوں سے ان کا بیدخل ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ اس رسالہ کے متعلق مولانا احمد بزرگ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> ''الحمدللہ کہ یہ کتاب ایسی جامع ومکمل تیار ہوگئی ہے کہ جو شخص اس کو اول سے آخر تک دیکھ لے وہ مرزائیت کی پوری حقیقت سے واقف ہونے کے علاوہ بڑے سے بڑے مرزائی کو بحث میں مغلوب ومبہوت کرسکتا ہے۔''

احرار کو دعوت مباہلہ:

مرزا جانباز اس کی روئداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

احرار کو مخالفین کے نرغے میں دیکھ کر مرزا بشیر الدین محمود کو گمان ہوا کہ زخمی شیر پر اگر مزید حملہ کر دیا جائے تو ہمارا راستہ صاف ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کے اخبار ''الفضل'' میں مجلس

احرار کو قادیان میں مباہلہ کی دعوت دے دی گئی جسے احرر نے فوراً قبول کر لیا اور ۱۳ ستمبر کو قادیان پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ قادیانیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور لگے اپنے آباؤاجداد کو پکارنے کہ دیکھو جی! احرار والے پھر قادیان میں فساد کرنے آ رہے ہیں۔ حالانکہ خود ہی نے کی دعوت دی اور خود ہی داویلا کرنے لگے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جس شیر کو مردہ یا گھائل سمجھ رہے تھے وہ ان کے لیے زندہ ہے۔

مجلس احرار نے مولانا مظہر علی اظہر کو قادیان پہنچ کر بشیرالدین محمود سے مباہلہ کے لیے نامزد کیا اور روزنامہ مجاہد کی ہر اشاعت میں اس تاریخ کو قادیان جانے کا اعلان ہونے لگا۔ پنجاب کے دیگر شہروں سے احرار رضاکار قادیان جانے کی تیاری کرنے لگے۔ ۱۹۳۴ء کی طرح حکومت تماشائی بن کر خاموش رہی کیونکہ اب تو مرزائی لیڈر نے خود ہی احرار کو قادیان آنے کی دعوت دی تھی۔

تاریخ مقررہ پر مولانا مظہر علی اظہر بمعہ اپنے رفقاء جن میں صاحبزادہ فیض الحسن سجادہ نشین آلومہار' مولانا محمد حیات' حاجی عبدالرحمٰن' میونسپل کمشنر بٹالہ' ماسٹر تاج الدین انصاری' خواجہ عبدالرحیم عاجز اور راقم شامل تھے۔ قادیان پہنچے۔ ریلوے اسٹیشن پر مولانا عنایت عاللہ نے سینکڑوں مسلمانوں کے ساتھ مسلمانوں کو خوش آمدید کہا۔ نماز جمعہ صاحبزادہ صاحب نے پڑھائی۔ اس سے پیشتر محترم عاجز صاحب اور راقم کے کفر شکن کلام نے قصر قادیان میں دراڑ ڈال دی۔ دوسرا اجلاس عصر کے بعد ہوا جس میں مولانا مظہر علی اظہر نے حسب ذیل تقریر کی۔

''حضرات! آج میں آپ کے سامنے اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ قادیان کی سرزمین میں جہاں مرزا محمود کے ابا نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جس جگہ قرآن مجید کے مقابلہ میں بقول مرزا محمود نیا قرآن نازل ہوا اس کے ابا پر وہ پرانا ہو چکا ہے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ وہی قرآن قادیان میں دوبارہ نازل ہوا۔ میں مرزا محمود کے اس چیلنج کا جواب دوں' جو اس نے اپنے ابا کی نبوۃ کو سچا کرنے کے لیے مجلس احرار کو کیا ہے۔

میرے ہاتھ میں اس وقت ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء کا ''الفضل'' موجود ہے جس میں مرزا محمود کا چیلنج مباہلہ شائع ہوا ہے۔ اسے شروع سے آخر تک پڑھ جایئے۔ اس میں کہیں بھی مرزا محمود نے یہ نہیں کہا کہ میں خود مباہلہ میں نکلوں گا بلکہ کہا ہے کہ ہم میں سے پانچ سو

یا ہزار مقابلے کے لیے آئیں گے۔ حالانکہ قران مجید میں کسی جگہ نہیں آیا کہ مباہلہ کے لیے پانچ سو یا ہزاروں کی تعداد ہونا ضروری ہے۔ اگر مرزا محمود کو احکام قرآنی کے منشاء سے آگاہ ہوتی تو یہ ہرگز نہ کہا کہ پانچ سو یا ہزار مباہلہ کے لیے نکلیں گے۔ رسول کریم ﷺ نے جب نجران کے عیسائی وفد کو مباہلہ کے لیے بلایا تھا۔ اس وقت کسی مقررہ بڑی تعداد کی شرط نہیں لگائی تھی۔

یہ بات احرار کے حصے میں آئی ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے پرانے عیسائیوں کو آیہ مباہلہ کے ذریعے مباہلہ کا چیلنج دیا تھا۔ اسی طرح ہم بھی آج ان نئے مسیحوں یعنی قادیانیوں کو یاد دلاتے ہیں کہ مباہلہ کے بارے میں حکم قرآنی یہ ہے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں' تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں' تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنتیں بھیجیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ہم میں سے جس کو زیادہ سے زیادہ بدعقیدہ یا بدعمل خائن یا غدار سمجھے اس کو مباہلہ کے لیے بلا لے۔ وہ شیعہ ہو یا سنی۔ بریلوی ہو یا دیوبندی' حنفی ہو یا اہلحدیث وہ اسی طرح اپنے خاندان کو میدان مباہلہ میں لے کر نکلے گا۔ جس طرح حضرت نبی کریم (ﷺ) حضرت امام حسینؓ کو گود میں لیے ہوئے اور حضرت حسنؓ کو انگلی سے لگائے ہوئے اور جناب فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت علیؓ شیر خدا کے پیچھے پیچھے ہمراہ لیے ہوئے وفد بنونجار کے مقابلے میں مباہلہ کے لیے نکلے۔

ہم یہ جانتے ہیں اور ہم کو معلوم ہے کہ عام قادیانی تمہارے فریب میں آئے ہوئے ہیں لیکن اگر دانستہ جھوٹے دعویٰ کرنے کا الزام ہے تو تمہارے ابا مرزا احمد پر ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ پر افترا کیا۔ یا تم پر ہے جو الہام و وحی کو پیش گوئیوں کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہو۔ اس لیے اگر تم میں حوصلہ ہے کہ میدان مباہلہ میں اپنے اور اپنے ابا کے دعووں کی تائید کر سکو تو خود میدان مباہلہ میں آؤ اور اپنے خاندان کو ساتھ لاؤ۔ یہ مناسب نہیں کہ اپنے فریب خوردہ پیروؤں کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاؤ اور خود گوشہ عافیت میں بیٹھ کر دوسروں کا تماشہ دیکھو۔ ہم میں سے سید

عطاء اللہ شاہ بخاری کو' مولانا سید داؤد غزنوی کو' مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو' مجھ کو یا چودھری افضل حق جس کسی کو تم چاہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک بلا تامل آیات قرآنی کی تعمیل کرتا ہوا' تمہارے مقابلہ میں میدان مباہلہ میں نکل ئے گا۔

لیکن اس امیر کو واضح کرنے کے لیے ہم کسی صورت میں بھی مباہلہ سے گریز نہیں چاہتے اور مرزا محمود کو ہی گریز کا موقعہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ میں صاف اور صریح' غیر مبہم الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر مرزا محمود پانچ سو اور ہزار تو کیا اگر وہ پانچ ہزار یا دس ہزار آدمیوں کو لانے کی شرط پر بھی احرار کو مجبور کرے تو ہم اس تعداد کو بھی پورا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ آدمی میدان مباہلہ میں پیش کر دیں گے اور نہ ہم مرزا محمود احمد کو کوئی موقعہ دینا نہیں چاہتے کہ وہ مباہلہ سے پہلو تہی کر سکے۔

مرزا محمود نے اپنی تقریر میں بہت سی باتیں کہی ہیں لیکن میں فقط اس مضمون کے متعلق اظہار خیال کروں گا جو مباہلہ کے متعلق ہیں یا جس کا تعلق مجلس احرار سے ہے۔ دوسرے امور کے متعلق میرے پاس نہ فرصت ہے نہ میں تبصرہ کروں گا مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ میں باقی تمام خیالات میں مرزا محمود کا ہم خیال ہوں۔''

(روزنامہ ''مجاہد'' لاہور۔۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء)

احرار کی اس جرات پر مرزائی پریشان ہوئے۔ انہیں یقین تھا کہ احرار تحرک شہید گنج میں الجھے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے چیلنج کو قبول نہیں کریں گے لیکن احرار نے بھی برے کو اس کے گھر تک پہنچا کے چھوڑا۔

(کاروان احرار جلد دوم ص ۲۶۸'۲۷۰)

مولانا چینوٹی کی طرف سے دعوت مباہلہ

۵۰۔۱۹۶۰ء کے عشرہ میں قادیانی یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ مرزا قادیانی نے علماء و مشائخ کو دعوت مباہلہ دی جو کہ کسی نے قبول نہ کی۔ ان کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے مسلمان گمراہی کا شکار ہو رہے تھے۔

مولانا چنیوٹی نے ان کی اس ارتدادی مہم کا توڑ کرنے کے لیے مرزا بشیر الدین محمود کو دعوت مباہلہ دی اس سلسلہ مس مرزا محمود کے نمائندوں اور مولانا چنیوٹی کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہی۔ انہوں نے بعض شرائط پیش کیں جو کہ آپ نے پوری کر دیں۔ آخر کار ۲۶ فروری ۱۹۶۳ء عیدالفطر کا دن مباہلہ کے لیے مقرر کیا گیا۔ مولانا چنیوٹی وقت مقررہ پر اپنے رفقاء سمیت مقام مباہلہ (دریائے چناب کے دو پلوں کی درمیانی جگہ) پر پہنچ گئے۔ مرزا محمود یا اس کا کوئی نمائندہ نہ پہنچ سکا۔ اس طرح مولانا چنیوٹی نے مرزائی پروپیگنڈہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ مرزا محمود کے مرنے کے بعد آپ مرزا ناصر' مرزا طاہر اور مرزا مسرور کو دعوت مباہلہ دیتے رہے۔

لیکن **جاء الحق و ذهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً** کا خدائی اعلان پورا ہو کر رہا۔ کبھی کسی مرزائی سربراہ کو میدان میں آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ ان دعوت ہائے مباہلہ کی تفصیلات آپ کو احقر کی مرتب کردہ ''سوانح مولانا چنیوٹی'' میں ملیں گی۔

مولانا لال حسین اختر کے مناظرے

مناظرہ شیخوپورہ:

مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۲ء کی صبح کو مرزائیوں کے ساتھ زیر صدارت خان بہادر احمد خان صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس' حیات و ممات مسیح علیہ السلام و ختم نبوت پر (قادنیوں سے) مناظرہ انجمن اہل السنت والجماعت کی طرف سے مولانا مولوی محمد سلیم صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب مناظر تھے جن کے دلائل قاطع نے مرزائیوں کو اس حد تک ساکت کر دیا کہ انہیں اپنی شکست تسلیم کے بغیر چارہ نہ رہا۔

مناظرہ کے بعد مرزائیوں کی کتب سے بابو حبیب اللہ امرتسری اور مولانا لال حسین اختر نے مرزائیت کے زہر آلودہ پروپیگنڈہ کا اپنی تقاریر میں اس حد تک سدباب کیا کہ عوام کو مرزائیت کے بطلان کا اعلان کرتے دیکھا گیا۔'' (تائید الاسلام' جون ۱۹۳۲ء' ص ۲۲)

مناظرہ چیچہ وطنی:

قادیانی چیچہ وطنی ضلع ساہیوال میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی مہم چلائے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے ان کی ارتدادی مہم بند کرنے کے لیے تین مناظروں کا اہتمام کیا۔

۳ جون ۱۹۳۲ء کو مولانا لال حسین اختر اور مولوی علی محمد امیری کے درمیان رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔

دوسرا مناظرہ مرزا قادیانی کے صدق و کذب کے موضوع پر ہوا۔ مولانا لال حسین اختر نے قادیانی مناظر کو چیلنج کیا کہ اگر تم چاند گرہن اور سورج گرہن والی روایت کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچا دو تو تمہیں پچاس روپے انعام دوں گا۔ مرزائی مناظر مولانا لال حسین اختر کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ تیسرے دن مسلمانوں کی طرف سے مولانا نور حسین گرجاکھی کا مولوی علی محمد سے ختم نبوت کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ ان سب مناظروں میں قادیانی عبرتناک شکست سے دوچار ہوئے۔

مناظرہ خانیوال:

جون ۱۹۳۲ء میں خانیوال میں مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا لال حسین اختر نے قادیانی مناظروں سے مناظرے کیے اور مرزا قادیانی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا۔ ان مناظروں کے بہت مفید اثرات مرتب ہوئے۔ کئی قادیانی توبہ تائب ہوگئے اور قادیانیت کا دروازہ بند ہوگیا۔

مناظرہ سلانوالی ومناظرہ بھیرہ:

مولانا ظہور احمد بگوی نے ۱۹۳۲ء میں سلانوالی اور بھیرہ اور بعض دیہاتوں میں قادیانیوں سے مناظرے کیے اور ان مناظروں کی مکمل روئداد ''برق آسمانی بر رمن قادیانی'' کے نام سے شائع کی..... یہ کتاب ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مناظرہ مال روڈ لاہور.....۱۹۶۲ء:

مابین علامہ خالد محمود.....جلال الدین شمس وقاضی نذیر

یہ مناظرہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء کو ہوا جس میں علامہ صاحب کو فتح نصیب ہوئی۔ بعدازاں علامہ صاحب نے اس مناظرہ کی روئداد نصرۃ الاسلام کے نام سے شائع کی۔

مناظرہ انارکلی لاہور ۲۵ جنوری ۱۹۸۳ء:

انارکلی لاہور میں یہ مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا محمد الیاس اوران کے معاونین‘ قادیانیوں کی طرف سے حامد خان اوران کے معونین نے حصہ لیا۔ قادیانی تاریخی شکست سے دوچار ہوئے۔

مولانا چنیوٹی کے مناظرے

مناظرہ ڈاور ۱۰ اپریل ۱۹۶۵ء: مولانا لال حسین اختر اور قاضی نذیر قادیانی کے درمیان حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر مناظرہ ہوا جس میں قاضی نذیر کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ مولانا چنیوٹی نے مرزا کے کردار پر مناظرہ کے لیے قاضی نذیر کو للکارا اور اسے مرزا کے کردار پر بحث کے لیے مجبور کردیا۔ اس نے مناظرہ پر آمادگی ظاہر کی لیکن اس کے لیے ۲۰ اپریل ۱۹۶۵ء کی تاریخ مقرر کی۔ مولانا چنیوٹی ۲۰ اپریل کو وہاں پہنچے لیکن قاضی نذیر میدان میں آنے کی جرات نہ کرسکا۔

مناظرہ ابادان نائجیریا: یہ مناظرہ ۶ اگست ۱۹۷۶ء کو ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے علامہ ڈاکٹر خالد محمود اور مولانا منظور احمد چنیوٹی اور قادیانیوں کی طرف سے الحاج اے بلو‘ الحاج اے اے بلو مناظر تھے۔ مناظرہ کا موضوع مرزا قادیانی کا دعوہائے مسیحیت‘ مہدیت ونبوت تھے۔

مناظرہ اجی بوڈی نائجیریا: یہ مناظرہ مولانا چنیوٹی اور علامہ خالد محمود نے ڈاکٹر بھتہ اور امام عبدالرحیم دادا سے کیا۔ یہ مناظرہ ۱۳ اگست ۱۹۷۶ء کو ہوا۔ موضوع مناظرہ مرزا قادیانی کا کردار تھا۔ مذکورہ دونوں مناظرے ’’دورہ افریقہ‘‘ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔ ان مناظروں میں اہل حق کو زبردست فتح نصیب ہوئی اور سینکڑوں قادیانیوں نے قادیانیت سے توبہ کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

مناظرہ ناروے: ۲۴‘ ۲۵ اگست ۱۹۹۵ء کو مولانا چنیوٹی اور ناروے کے قادیانیوں کے درمیان تحریری طور مناظرہ ہوا جو کہ بعدازاں مولانا چنیوٹی نے ’’مناظرہ ناروے‘‘ کے نام سے شائع کیا۔

مناظرہ عنایت پور بھٹیاں

عنایت پور بھٹیاں لالیاں جھنگ روڈ پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جہاں پر قادیانی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ مرزا قادیانی کے اخلاق و کردار کے موضوع پر مناظرہ مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۹۵ء عنایت پور بھٹیاں کے خطیب مولانا غلام محمد (مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کے ابتدائی شاگرد) اور قادیانی مبلغ جاوید اقبال کے درمیان طے ہوا۔ مولانا محمد الیاس چنیوٹی' ایم پی اے مولانا محمد ابراہیم اور مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کی معاونت میں مقررہ تاریخ پر مناظرہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے صدر مناظرہ رائے لیاقت حیات بھٹی اور قادیانیوں کی طرف سے صدر مناظرہ رائے اللہ بخش بھٹی مقرر ہوئے۔ ایک شیعہ ذاکر غلام عابد بلوچ کو ثالث مقرر کیا گیا۔ یہ مناظرہ ساڑھے چار گھنٹے جاری رہا۔ قادیانی مبلغ لاجواب ہوتا رہا آخرکار مولانا غلام محمد صاحب نے مرزا غلام قادیانی کے دو جھوٹے دعویٰ پیش کیے اور مطالبہ کیا کہ ان کو احادیث صحیحہ سے ثابت کرو:

۱۔ احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۵ ص ۸۱)

۲۔ انبیاء گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگادی ہے کہ مسیح موعود چودہویں صدی کے سر پر آئے گا نیز یہ کہ پنجاب میں ہوگا۔ (اربعین ۲ ص ۳۲)

مرزائی مناظر ان جھوٹوں کا موقع پر کوئی جواب نہ دے سکا اور ایک ماہ کی مہلت مانگی مسلمانون نے بخوشی یہ مہلت دے دی۔ فریقین کے دستخطوں سے ایک تحریر لکھی گئی کہ ۲۲ جون ۱۹۵۵ء کو فریقین دوبارہ جمع ہوں گے جو فریق شکست کھا گیا۔ وہ دوسرے فریق کا مذہب قبول کرے گا۔ ۲۲ جون ۱۹۹۵ء کو مسلمان مقام مناظرہ پر پہنچ گئے لیکن مرزائی مناظر جاوید اقبال نہ آیا اس پر قادیانیوں نے منت سماجت کر کے ایک ہفتہ کی مزید مہلت مانگی جو کہ دے دی گئی۔ چنانچہ ۲۸ جون ۱۹۹۵ء کا دن مقرر کیا گیا لیکن مقررہ تاریخ پر قادیانی مناظر اور دیگر قادیانی زمیندار سب غائب ہو گئے۔ اس پر شیعہ ثالث غلام عابد بلوچ نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ لکھ دیا۔ مسلمانوں کی اس عظیم فتح اور قادیانوں کی عبرتناک شکست کے نتیجہ میں پچاس سے زائد قادیانی موقع پر مسلمان ہو گئے۔

مبلغین مجلس تحفظ ختم نبوت کے مناظرے

(۱) فاتح قادیان مولانا محمدؒ حیات۔

(۲) مولانا عبدالرحیم اشعرؒ۔

(۳) مولانا اللہ وسایا۔

یہ حضرات بہت سے مناظرے کرتے رہے ہیں، خصوصاً فاتح قادیان کی تو ساری زندگی اسی میدان میں گزری ہے لیکن راقم بصد افسوس عرض کرتا ہے کہ ان مناظروں کی تفصیلات مطبوعہ صورت میں دستیاب نہیں ہیں۔

تحفظ ختم نبوت کا کام کرنے والی جماعتیں اورادارے
مجلس احرار اسلام اور محاسبہ قادیانیت

(۱۹۳۱ء۔۔۔۔۔۔۱۹۵۳) تحریر: ڈاکٹر محمد عمر فاروق تلہ گنگ

مجلس احرار اسلام کی قادیانیت شکن تاریخی جدوجہد کے تذکرے کے بغیر محاسبہ قادیانیت کی تاریخ کی حیثیت محض الفاظ کی ہیرا پھیری اور بے مصرف کاغذات کے پلندے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اکابر احرار کا یہ منفرد کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے تدبر اور بصیرت کے ساتھ قادیانیت کے مذہبی لبادے کو اُتار پھینکا اور اُس کی مکروہ سیاسی اصلیت کو یوں آشکار کیا کہ قادیانیت کی مذہبی فریب کاری کا ملمع اُتر گیا اور برعظیم کے مسلمان عوام پر یہ واضح ہو گیا کہ قادیانی مقامر مذہب کی آڑ میں دراصل برطانوی سامراج کے سکہ بند ایجنٹ ہیں جو مسلمانوں میں مہدی، مجدد اور ختم نبوت کے مناصب کو متنازعہ بنا کر افتراق وانتشار کے بیج بونا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ انجام کار مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ''ختم نبوت'' کے مقدس منصب پر نقب لگا کر انگریزوں کے خلاف جہاد کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اور فرنگی سامراجیت کا عرصہ اقتدار طویل تر کر دیا جائے۔ مجلس احرار اسلام نے اِس گھناؤنی اینگلو اِنڈین سازش کو طشت ازبام کر کے عالمِ اسلام کو اپنا احسان مند کیا۔

مجلس احرار اسلام کے زعمائے کرام میں سے دو رہنماؤں کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے مجلس احرار اسلام کے قیام سے پیشتر ہی قادیانیت کی سرکوبی کے لیے اپنی زندگیوں کو وقف کر رکھا تھا۔ احرار کے بانی رہنما رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خانوادے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب ۱۸۸۴ء میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی قادیانیت کی تبلیغ کے لیے لدھیانہ آیا

اور اُس نے وہاں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے دادا حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ نے مرزا قادیانی کے مستقبل کے ارتدادی عزائم کو بھانپ کر اس کے خلاف سب سے پہلے فتویٰ تکفیر جاری کیا۔ اس وقت تک مرزا قادیانی کے متعلق کسی بھی دینی حلقے سے کوئی فتویٰ سامنے نہ آیا تھا۔ علمائے لدھیانہ نے مرزا قادیانی کو نہ صرف اُس کی زندگی میں ہی اسے دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے لاجواب کر کے بے بسی سے دوچار کیے رکھا۔ بلکہ مرزا قادیانی کی عبرت ناک موت کے بعد بھی وہ اُس کے جانشینوں کے دجل وفریب کو قوت ایمانی سے واشگاف کرتے رہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے قادیانی نبوت کا ذبہ کے خلاف اپنے خاندان کی جاری کی ہوئی بے مثال جدوجہد کو مزید توانائی عطا کی اور محاسبہ قادیانیت اُن کی حیات مبارکہ کا ماحصل ٹھہرا۔

مجلس احرار اسلام کے دوسرے بانی رہنما حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی اپنی عملی قومی ودینی زندگی کے آغاز سے ہی قادیانیت کے خلاف شمشیر بکف تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۱۶ء میں امرتسر میں مرزا بشیر الدین محمود کے ایک جلسے میں کھڑے ہو کر اُسے للکارا اور حدیث مبارکہ میں تحریف کرنے پر سرعام ٹوکا۔ جس کی تاب نہ لا کر مرزا بشیر الدین کو فرار ہوتے ہی بنی۔ حضرت شاہ صاحب نے قادیانیت کے ارتدادی ارادوں کی راہ میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کیں، جس سے قادیانی امت اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہوگئی۔

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ قادیانی ارتداد کے پھیلاؤ اور اس فرقہ ضالہ کے خطرناک تخریبی عزائم پر کڑی نظر کر رکھے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے قادیانیت شکن جہاد میں اُن کے خلوص، للّٰہیت بے غرضی اور بے مثال ومنفرد خداداد صلاحیتوں کے اظہار واستعمال کا بغور مشاہدہ فرمایا تو انھوں نے ۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی قادیانیت کے فتنہ کی روک تھام کے لیے ''امیر شریعت'' مقرر فرما دیا اور اس موقع پر پانچ سو سے زائد علمائے کرام نے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنے اس منصب کی لاج رکھتے ہوئے برعظیم کے اکناف واطراف میں عقیدہ کے تحفظ اور قادیانیت کے استیصال کے لیے دن رات ایک کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو فتنہ قادیانیت سے بخوبی آگاہی ہوئی اور بلامبالغہ

ہزاروں مسلمانوں کے ایمان اُن کی زبردست تبلیغی مساعی کی بدولت قادیانیت کے مذموم اثرات سے متاثر ہونے سے محفوظ ہو گئے جب زعمائے احرار نے ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کی الگ دینی وسیاسی جماعت مجلس احرار اسلام کی نیو اٹھائی تو اُن کے اس اقدام کے پس منظر میں جہاں امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ کا اصولی مشورہ کارفرما تھا۔ وہیں علامہ انور شاہ کشمیری کی یہ بنیادی تجویز بھی کارفرما تھی کہ:

''پنجاب میں ایک منظم عوامی تنظیم کا قیام عمل میں آئے جو قادیانیت کے محاذ پر سرخروشانہ کام کرے اور استخلاص وطن کے لیے بھی جدوجہد کرے۔''

بزرگان احرار نے انھی عظیم مرتبت اکابر کے حکم پر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کا ابتدائی خاکہ ترتیب دیا۔ مجلس احرار کے بانیوں میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، مظہر علی اظہر اور مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ وغیرہ شامل تھے۔ ۱۹۳۱ء میں جب مہاراجہ کشمیر نے کشمیری مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو وادی کشمیر میں بغاوت کی چنگاری سلگ اٹھی۔ اسی اثناء میں مسلمانان کشمیر کی دادرسی کے لیے ۲۵، جولائی ۱۹۳۱ء کو ہندوستان کے مسلمان رہنما شملہ میں اکٹھے ہوئے اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی، مگر بدقسمتی سے کشمیر کمیٹی کا صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی اور جنرل سیکرٹری عبدالرحیم درد قادیانی کو منتخب کیا گیا، کمیٹی کے دیگر اراکین نواب ذوالفقار علی خان، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، نواب ابراہیم علی خان، خواجہ حسن نظامی، خان بہادر رحیم بخش، سید محسن علی شاہ، مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی، مولانا سید حبیب ایڈیٹر ''سیاست'' اور خان بہادر مولوی نور الحق ایڈیٹر ''مسلم آؤٹ لک'' لاہور پر مشتمل تھے۔

کشمیر کمیٹی کے بنتے ہی قادیانیوں نے اپنی طے شدہ حکمت عملی کو بروئے کار لائے۔ جیسے کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی لکھتے ہیں کہ:

''مسٹر عبدالرحیم درد (قادیانی، جنرل سیکرٹری کشمیر کمیٹی) نے ہندوستان کے تمام مشہور علماء فضلا اور ڈاکٹروں کو خطوط لکھے کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا ہے۔ ہندوستان کے تمام لوگ حقیقت حال سے ناواقف تھے۔ کسی نے کشمیر کمیٹی کی طرف توجہ نہ کی، سوائے مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں کے، کسی نے بھی عبدالرحیم درد پرائیویٹ سیکرٹری مرزا محمود احمد کو انکار کا خط نہ لکھا۔''

''کشمیر کمیٹی کے قیام کے ساتھ ہی'' مرزا بشیر الدین نے یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ ان کی

صدارت میں اس کمیٹی کو قائم کر کے ہندوستان بھر کے سرکردہ مسلمان اکابرین نے ان کے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس شرانگیز پروپیگنڈے کے جلو میں قادیانیوں نے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے مبلغین کو جموں و کشمیر کے طول و عرض میں پھیلانا شروع کر دیا۔ تاکہ وہ ریاست کے سادہ لوح عوام کو ورغلا کر انھیں اپنے خود ساختہ نبی کا حلقہ بگوش بنانا شروع کر دیں۔

مجلس احرار کے رہنما کشمیر کمیٹی پر قادیانیوں کے تسلط کو بتیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کے حق میں سراسر نقصان دہ جانتے تھے، کیونکہ انھیں یقین کامل تھا کہ قادیانی کشمیری مسلمانوں کی امداد کے نام پر اُن کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے خواہاں ہیں۔ لہٰذا امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق اور مولانا داؤد غزنوی پر مشتمل احرار رہنماؤں کے ایک وفد نے ۸ اگست ۱۹۳۱ کو علامہ محمد اقبال سے ملاقات کی۔ اراکین وفد نے علامہ اقبال سے کہا کہ:

''کیا آپ نے بھی قادیانی قیادت کو تسلیم کر لیا ہے۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی کشمیر کے بتیس لاکھ مسلمان قادیانی ہو گئے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ مجرم ہوں گے۔ نیز قادیانی دوسرے مسلمانوں پر بھی گمراہ کن اثر کریں گے۔ لہٰذا آپ اُن سے علیحدگی کا اعلان کریں۔

اس ملاقات کے اگلے روز ۹ اگست کو کشمیری مسلمانوں سے اظہار یکجہتی کے لیے علامہ اقبال کی صدارت میں منعقدہ ایک نمائندہ اجتماع میں مجلس احرار اسلام کے رہنما اجتماعی فیصلہ اپنے حق میں کرانے میں کامیاب ہو گئے اور ۱۷۔۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو ہونے والے جلوسوں اور جلسوں کا تمام انتظام مجلس احرار پنجاب کے سپرد کرنے کا فیصلہ ہوا۔

مجلس احرار اسلام نے کشمیری مسلمانوں کے لیے ہندوستان گیر تحریک چلائی۔ اس عظیم تحریک کے دوران مجلس احرار کے پچاس ہزار کارکن گرفتار اور انیس مجاہدین احرار شہید ہوئے۔ اس تحریک نے جہاں کشمیری مسلمانوں میں آزادی کا شعور پیدا کیا۔ اور قادیانی گماشتوں کی تبلیغی سازشوں کا پردہ چاک کر کے اُن کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا، وہیں ہندوستانی مسلمانوں کو کشمیریوں کے جان لیوا مسائل سے بھی روشناس کرایا۔ احرار رہنماؤں کی مسلسل محنت کے نتیجہ میں ۷ مئی ۱۹۳۳ء کو مرزا بشیر الدین قادیانی کو کشمیر کمیٹی سے مستعفی ہونا پڑا اور اُس کی جگہ علامہ محمد اقبال کشمیر کمیٹی کے صدر بنائے گئے، لیکن انھوں نے بھی قادیانیوں کی اصلیت ظاہر ہونے پر بالآخر جون

۱۹۳۲ء میں کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اور انھوں نے اپنے استعفیٰ دینے کے پس منظر میں قادیانی سربراہ اور اُس کے خواجہ تاشوں کی سازشوں کا پردہ چاک کیا۔ مجلس احرار اسلام نے اپنے ایک اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے علامہ اقبال کو کمیٹی کی صدارت سے الگ ہونے پر خصوصی مبارک باد پیش کی۔

قادیان میں داخلہ

احرار کشمیر کے محاذ سے فارغ ہوئے ہی تھے اور اُن کے جیلوں سے رہائی عمل میں آ رہی تھی کہ انھی دنوں قادیان کے غریب ہندوؤں اور مسلمانوں کی بے کسی کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ قادیان میں آنجہانی مرزا بشیر الدین قادیانی نے اپنے انگریز آقا کی سرپرستی میں اپنی سٹیٹ قائم کر رکھی تھی۔ قادیانیوں کا اپنا عدالتی نظام قائم تھا۔ پولیس اُن کی کنیز تھی۔ مسلمانوں کی عزت و آبرو اور مال و دولت حکومت کی محفوظ نہ تھی۔ تجارت اور خرید و فروخت پر قادیانیوں کے ظالمانہ ٹیکس رائج تھے۔ الغرض برطانوی حکومت کی اشیرباد پر قادیان میں ظلم و تشدد کی اندھیر نگری قائم تھی اور مرزا بشیر الدین اندر سبھا کا راجہ بنا ہوا تھا۔

ایک طرف قادیان کے مسلمان قادیانیوں کے ظلم و سفاکی کے عذاب سہہ رہے تھے اور دوسری طرف علماء کا ایک گروہ مناظروں کے نام پر اپنی دوکانداری چمکانے میں مصروف تھا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عام مسلمان بھی قادیانیوں کے کفریہ عقائد کو فروعی اختلافات جان کر نظر انداز کر دیتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ سینہ تان کر قادیانیوں کے کفر کا برملا اعلان کر کے اُن کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکے۔

۱۹۳۲ء کے ایام کا ذکر ہے کہ مولانا عبدالکریم مباہلہ، مفکر احرار چودھری افضل حقؒ سے دفتر احرار میں آ کر ملے۔ (مولانا مباہلہ سابق قادیانی تھے۔ مرزا بشیر الدین نے اُن کے ناموس پر ہاتھ ڈال کر اپنی فطری خباثت کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں مولانا مباہلہ نے مرزا بشیر کو دعوت مبارزت دی، جس کا سامنا نہ کر سکنے پر مرزا نے مولانا کے خاندان کا مقاطعہ کر دیا اور انھیں مجبوراً قادیان سے نکلنا پڑا تھا) مجلس احرار کے رہنماؤں نے مولانا مباہلہ سے قادیان کے واقعات سن کر یہ فیصلہ کیا کہ قادیان میں مسلمانوں کو درپیش حالات سے آگاہی کے لیے ابتدائی طور پر دو احرار

کارکنوں کو قادیان بھیجا جائے۔ چنانچہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو حبیب الرحمٰن اور سید غریب شاہ کو قادیان روانہ کیا گیا۔ ان نو وارد کارکنوں کو قادیان میں گھومتا دیکھ کر قادیانیوں کو شبہ ہوا اور ان پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا گیا۔

جس سے غریب شاہ کی حالت غیر ہو گئی۔ دونوں کارکن بڑی مشکل سے لاہور پہنچے اور قادیان کے ناگفتہ بہ حالات کی رپورٹ احرار رہنماؤں کے سامنے پیش کی۔ جس پر مہینوں کے غور و عوض کے بعد قادیان میں مجلس احرار اسلام کا دفتر کھول دیا گیا اور مئی ۱۹۳۴ء کے آغاز میں مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی کو قادیان میں مبلغ احرار کی حیثیت سے تعینات کر دیا گیا۔ جنہوں نے دس سال تک مجلس احرار اسلام کی ہندوستان گیر تنظیم کے سہارے قادیان میں تحفظ ختم نبوت کا مقدس کام بڑی جرأت و دلیری اور استقامت کے ساتھ کیا۔

۲۳ مارچ ۱۹۳۴ء کو رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر آل انڈیا مجلس احرار اسلام، قادیان تشریف لے گئے۔ صدر احرار کی قادیان میں آمد قادیانیوں کے لیے کسی بڑے صدمے سے کم نہ تھی کہ وہ زمین کہ جہاں کسی مسلمان کو دم مارنے کی اجازت نہ تھی، وہاں قادیانیوں کی سب سے بڑی مخالف جماعت کے سربراہ بلاخوف و خطر تشریف لا چکے تھے اور اُن کی آمد سے حوصلہ پا کر قادیان کے قرب و جوار کے نواح گورداسپور، پٹھان کوٹ اور بٹالہ وغیرہ کے ہزاروں مسلمان ان کے استقبال کے لیے قادیانیوں کے رعب و دہشت کو خاطر میں لائے بغیر قادیان میں پہنچ گئے اور وہاں پوری جرأت و حوصلہ کے ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن نے خطاب فرمایا۔ آپ کی ولولہ انگیز تقریر نے قادیان اور نواح کے مسلمانوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ مولانا کی تقریر کے بعد ایک قادیانی نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔

مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی ارتدادی سرگرمیوں اور انگریزی کی مکمل سرپرستی میں ان کی تخریبی سیاسی عزائم کی مستقلاً روک تھام کے لیے ۲۱، ۲۲ جولائی ۱۹۳۴ء میں مجلس عاملہ کے ایک اجلاس میں شعبہ تبلیغ کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا۔ جس کا حسب ذیل منشور طے پایا۔

۱۔ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام خالص مذہبی شعبہ ہے۔ سیاسیات ملکی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲۔ ارتداد و دہریت کی روک تھام کے پیش نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

۳۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اس کے لیے مبلغوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

۴۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔

۵۔ خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

اسی دوران میں خبر آئی کہ سر ظفر اللہ خان قادیانی کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں مسلمان نمائندہ کے طور پر لیا جا رہا ہے تو مجلس احرار نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، میر احمد حسین شملہ اور محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ پر مشتمل احرار وفد نے وائسرائے سے مل کر چودھری ظفر اللہ کی مسلمانوں کی سیٹ پر نامزدگی کے خلاف احتجاج ریکارڈ کرایا، لیکن حکومت برطانیہ کو اپنے مفادات عزیز تھے۔ اس لیے ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو ظفر اللہ خان کو مجلس احرار کے احتجاج کے برعکس وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن نامزد کر دیا گیا۔

مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما ماسٹر تاج الدین انصاری بھی قادیانیت کی گوشمالی کے لیے قادیان پہنچ گئے۔ انھوں نے وہاں قیام پذیر ہو کر قادیانی پوپ پال مرزا بشیر الدین کے خاندان کے افراد کے جعلی وقار کو مٹی میں اس طور ملا دیا کہ ان کا رہا سہا رعب و دبدبہ بھی زمین بوس ہو گیا۔ قادیان میں بعد ازاں مولانا محمد حیات، مولانا عتیق الرحمٰن، خواجہ عبدالمجید بٹ بھی مولانا عنایت اللہ چشتی کے ہمراہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر دادِ شجاعت دیتے رہے۔

قادیانیوں کی سازشوں کو ہندوستان گیر سطح پر منکشف کرنے اور قادیانی سامری کا طلسم توڑنے کے لیے مجلس احرار اسلام نے ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں ''احرار کانفرنس'' منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں کا دینی جوش و جذبہ اپنی انتہاؤں کو چھونے لگا۔ اگرچہ مجلس احرار سے پہلے بھی علمائے کرام قادیان آ کر عقیدہ ختم نبوت بیان کیا کرتے تھے، لیکن ان پر انفرادی کوششیں کوئی برگ و بار لانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں۔ مجلس احرار اسلام ہندوستانی مسلمانوں کے متوسط طبقے کو مقبول ترین عوامی جماعت تھی۔ جس کی جڑیں پورے ملک میں مضبوطی سے قائم تھیں، چونکہ مجلس احرار اب قادیانیوں کی سرکوبی کا مکمل تہیہ کر چکی تھی۔ اس لیے اس کے وسیع جماعتی نظام کی بدولت پورے ملک سے اس کے ہزاروں کارکن احرار کانفرنس میں شرکت کے لیے قادیان پہنچ گئے۔ یہ نظارہ بھی قادیان کی زمین پر چشم فلک نے پہلے بار ہی دیکھا

کہ وہ خطہ زمین جہاں کسی بھی غیر قادیانی کے اونچی آواز میں بات کرنے پر بھی پابندی تھی۔ وہاں برعظیم کے بے مثال و آتش نفس خطیب عقیدہ ختم نبوت کو جرأت و بے باکی سے بیان کرنے کے لیے تشریف لا چکے تھے۔ان کی جرأت گفتار اور شعلہ کردار پر قادیان کا ہر مسلمان نازاں دکھائی دیتا تھا۔

مجلس احرار اسلام کے صف اول کے رہنماؤں کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی مفتی ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالوفا شاہ جہان پوری، مفتی عبدالرحیم پوپلزئی، مولانا ظفر علی خان اور مولانا ظہور احمد بگوی بھی قادیان میں پہنچ گئے۔ احرار کانفرنس ڈی اے وی ہائی سکول کے احاطہ میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں دیگر مقررین کے علاوہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے تاریخی خطاب فرمایا۔آپ کی تقریر نے قادیانیت کے وجود میں سراسیمگی کی لہر دوڑا دی۔مجلس احرار اسلام کے قادیان میں فاتحانہ داخلے اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قادیان میں شعلہ بار تقریر سے قادیانیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور مسلمانوں کو ایک نیا ولولہ ملا۔شاہ جی کی تقریر سے بوکھلا کر مقدمہ کے تحت انہیں یکم دسمبر ۱۹۳۴ء میں گرفتار کر لیا گیا، لیکن ۸ دسمبر کو انھیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداس پور دیوان سکھانند نے ضمانت پر رہا کر دیا۔

۲۱، جنوری ۱۹۳۵ء کو پولیس نے دفتر احرار لاہور پر چھاپہ مار کر شاعر احرار احمد یار خان رزمی کی پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ (جس میں مرزا قادیانی کے خلاف ایک نظم شامل تھی) برآمد کر کے ضبط کر لیا۔

سید عطا اللہ شاہ بخاری پر قادیان والی تقریر پر مقدمہ چلتا رہا۔۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء کو مجسٹریٹ گورداسپور نے شاہ جی کو چھ ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی۔جس کے خلاف سیشن کورٹ میں اپیل کی گئی اور سیشن کورٹ نے ابتدائی سماعت میں ہی شاہ جی کو ضمانت پر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت نے ۶ جون ۱۹۳۵ کو اس مقدمے کا تاریخی فیصلہ دیا۔جس نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجلس احرار کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔سیشن جج جی۔ ڈی کھوسلہ نے امیر شریعت کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دیتے ہوئے تا برخواست عدالت قید محض کی سزا سنائی۔اس تاریخی فیصلہ نے قادیانیت کے تارو پود بکھر کر رکھ دیئے۔

قادیانی مجلس احرار کے تابڑ توڑ حملوں سے گھبرائے ہوئے تھے، چنانچہ ۳، ستمبر ۱۹۳۵ء کو قادیانیوں نے اپنے اخبار ''الفضل'' میں مجلس احرار کے رہماؤں کو قادیان میں مباہلہ کی دعوت دے دی۔ اُن کی توقع کے برعکس احرار رہنماؤں نے بلا تاخیر اس دعوت کو قبول کرنے کے ساتھ ہی مباہلہ کے لیے مولانا مظہر علی اظہر کے ۱۳۔ ستمبر ۱۹۳۵ء کو قادیان پہنچنے کے فیصلے کو مشتہر کر دیا۔ جب مقررہ تاریخ کو احرار رہنما مولانا مظہر علی اظہر، صاحبزادہ سید فیض الحسن، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد حیات، حاجی عبدالرحمٰن بٹالہ، خواجہ عبدالرحیم عاجز اور جانباز مرزا کی معیت میں قادیان پہنچے تو وہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ قادیانی احرار کی اس جرأت مندانہ سے اس حد تک خوفزدہ ہو گئے۔ کہ وہ مباہلہ کے لیے میدان میں آنے کی جرأت نہ کر سکے۔ قادیان میں احرار کانفرنس کی کامیابی کے بعد قادیانیوں کو دوسری مرتبہ اپنے ہی گھر میں پھر ہزیمت اٹھانا پڑی۔

اِس خفت کو مٹانے کے لئے قادیانیوں نے نومبر ۱۹۳۵ء میں احرار کو دوبارہ دعوت مباہلہ دی اور پھر خود ہی اُس سے انکاری ہو گئے، مگر احرار نے ان کی دعوت قبول کر کے ۱۸، نومبر کو مباہلہ کی تاریخ مقرر کر دی۔ جس پر قادیانی گماشتوں کی مدد کے لیے حکومت نے قادیان اور اُس کے نو میل کے فاصلے تک احرار رہنماؤں کے اجتماع اور داخلہ پر پابندی عائد کر دی۔ بعد ازاں ایک دوسرے نوٹس کے ذریعے بعض احرار رہنماؤں کے قادیان اور اُس کے چار میل کے فاصلہ تک داخلے اور اجتماعات پر غیر معینہ مدت کے لیے ۵ دسمبر ۱۹۳۵ء کو دفعہ ۱۴۴ کے تحت نماز جمعہ کی ادائیگی پر پابندی لگا دی۔ اس حکم کے اگلے ہی روز)۶ دسمبر کو) سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اس غیر شرعی پابندی کو توڑنے اور قادیان میں (۶، دسمبر کو) جمعہ پڑھانے کا اعلان فرما دیا۔ سید عطفاء اللہ شاہ بخاری قادیان پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور انھیں تین ماہ قید سخت اور پچاس روپے جرمانہ کی سزا دی گئی۔ جس پر مجلس احرار اسلام نے سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ اگلے جمعہ (۱۳، دسمبر) کو مولانا ابوالوفا بٹالہ سٹیشن پر ہی گرفتار کر کے گورداسپور جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں حضرت امیر شریعت پہلے سے ہی قید تھے۔ ۲۰، دسمبر کو مجلس احرار اسلام لاہور کے کارکن محمد حسین سیفی جماعتی حکم کے تحت قادیان میں جمعہ پڑھانے کے لیے روانہ ہوئے تو انھیں بھی قادیان کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۷، دسمبر کو نو مسلم مولوی بشیر احمد (سابق قادیانی) احرار کے کے حکم کی پاسداری میں بٹالہ سٹیشن پر گرفتار ہوئے۔ ۳، جنوری ۱۹۳۶ء کو احرار رہنما قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو قادیان پہنچنے پر حراست

میں لے کر ڈیوٹی مجسٹریٹ نے انھیں چھ ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ قاضی صاحب کی گرفتاری کے فوراً بعد ۵، جنوری ۱۹۳۶ء کو حکومت پنجاب نے قادیان میں نماز جمعہ پر پابندی اٹھالی۔ جس پر احرار رہنما اور سابق قادیانی مبلغ مولانا لال حسین اختر جنوری میں ہی قادیان تشریف لے گئے اور اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر ماسٹر تاج الدین انصاری اور حاجی عبدالرحمٰن بٹالہ نے بھی تقاریر کیں اور حضرت امیر شریعت کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

۳۱، جنوری ۱۹۳۶ء کو مجلس احرار اسلام نے ہندوستان کی مسلمان جماعتوں اور انجمنوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی تنظیموں سے قادیانیوں کا اخراج کریں۔ اس مطالبہ کا سب سے زیادہ اثر انجمن حمایت اسلام پر پڑا، کیونکہ اس میں قادیانی گھسے ہوئے تھے۔ احرار انجمن کے سالانہ اجلاس کے موقع پر یہ قرارداد پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ قادیانیوں کو بوجہ کفر انجمن حمایت اسلام سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ غیر مسلم انجمن کا ممبر نہیں بن سکتا۔

۱۹، مارچ ۱۹۳۷ء کو مجلس احرار کے پنجابی شاعر حافظ محمد ابراہیم خادم کی پنجابی نظم ''مرزے دی بول گئی ککڑوں کوں'' یونینسٹ گورنمنٹ نے ضبط کر کے قادیانیوں کو دلاسہ دینے کی کوشش کی۔ مجلس احرار کی تحریک ختم نبوت سے قادیانیوں کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی، لہٰذا وہ بار بار وہ اپنے انگریز سرپرستوں سے اپیلیں کر کے احرار رہنماؤں پر پابندیوں اور مقدمات کے احکام جاری کرا رہے تھے۔ اسی سلسلے میں ۳ جنوری ۱۹۳۷ء کو حکومت پنجاب نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے قادیان میں داخلے پر ایک سال کے لیے پابندی لگا دی۔ قادیانیوں نے اِسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ۲۷، ۲۸ فروری ۱۹۳۸ء کی درمیانی رات کو قادیان کے مسلمانوں کے اہم ترین معاون حاجی عبدالغنی رئیس بٹالہ وصدر مجلس احرار اسلام گورداسپور کو شہید کر دیا۔ اُن کی شہادت پر ہندوستان بھر میں شدید احتجاج کیا گیا۔

جولائی ۱۹۴۴ء میں قادیان کی باسی کڑاہی میں پھر اُبال آیا اور مرزا بشیر الدین نے مجلس احرار کے رہنماؤں کو قادیان میں آنے کا چیلنج دے دیا۔ جس پر مجلس احرار ۲۷ تا ۲۹، اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان میں احرار کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ مرزا بشیر الدین کو یقین تھا کہ احرار چونکہ انگریز سے آزادی کی فیصلہ کن لڑائی لڑنے میں مصروف ہیں اور اس کے بیشتر رہنما اور کارکن قید و بند کی صعوبتوں سے گزر رہے ہیں۔ لہٰذا احرار اُن کا چیلنج قبول نہیں کریں گے، لیکن یہ مرزا بشیر

الدین کی بھول تھی)۔ احرار مصائب و اسلام سے گزرنے کے باوجود تحفظ ختم نبوت کے محاذ سے غافل نہیں تھے۔ جب احرار نے حالات کی سختی کے باوجود چیلنج قبول کرتے ہوئے احرار کانفرنس قادیان کا اعلان کیا تو مرزا بشیر الدین کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ معبودان فرنگ کی چوکھٹ پر سر بسجود ہو کر احرار کانفرنس رکوانے کے لیے آہ وزاریاں کرنے لگے۔ جس پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے ۱۴، اکتوبر ۱۹۴۴ء کو قادیان اور اُس کے نواح کے دس میل کے علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے احرار کے اجتماعات پر پابندی عائد کر دی۔ جس پر مجلس احرار نے کانفرنس کی متعینہ تواریخ ۲۶ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو ہندوستان میں اس حکومتی اقدام پر احتجاج کیا اور حکومت کی قادیانیت نوازی کی شدید مخالفت کی۔

مجلس احرار کی اِس تحریک کی بدولت قادیان کے مسلمانوں میں قادیانی غنڈوں کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ پیدا ہوا۔ قادیانی رعب و دبدبہ کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ قادیان میں مسجد احرار اور جامعہ محمدیہ کے قیام سے مسلمانوں کی اولادیں دینی تعلیم اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت سے روشناس ہوئیں۔ قادیانی ارتدادی تبلیغ کا منہ زور ہلہ رک گیا۔ احرار نے قادیان میں کھڈیاں قائم کیں۔ جس سے غریب مسلمان قادیانی معاشی تسلط سے کافی حد تک آزاد ہو گئے۔ مجلس احرار اسلام نے قادیانیوں کی سیاسی اصلیت کو الم نشرح کیا اور ہندوستان کے گلی، کوچوں میں قادیانیوں کی شاطرانہ چالوں اور سامراجی وفاداری کے قصے عام ہوتے گئے۔ مجلس احرار کی ایسی ہی سرفروشانہ جدوجہد کے صلے میں ناموس رسالت کا تحفظ ہوا اور قادیانی ایک گالی ہو کر رہ گئے۔

تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳):

قیام پاکستان کی تحریک آخری مراحل میں تھی، لیکن قادیانی اُس کی راہ میں مسلسل روڑے اٹکا رہے تھے۔ اکھنڈ بھارت کے قادیانی منصوبے باؤنڈری کمیشن میں عیاں ہو گئے۔ سر ظفر اللہ خان نے باؤنڈری کمیشن کی کارروائی کے دوران ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا کہ علاقوں کی غیر منصفانہ تقسیم سے کشمیر دولخت ہو گیا، جس کی بدولت ہندوستان آج بھی ہمارے دریاؤں کے پانی روک لینے کی قوت رکھتا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے رتن باغ لاہور میں عارضی رہائش اختیار کی۔ بعد میں پنجاب کے انگریز گورنر سر فرانسس موڈی کی خصوصی مہربانی سے انھیں ۱۹۴۸ء

کے آخر میں چنیوٹ کے قریب ۱۰۳۴ ایکڑ اراضی کوڑیوں کے مول الاٹ ہوگئی۔ جسے ظلی قادیان کی حیثیت سے ''ربوہ'' (اب چناب نگر) کا نام دیا گیا۔ پاکستان میں کمین گاہ میسر آتے ہی مرزا بشیرالدین نے اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھتے ہوئے پاک و ہند کی تقسیم کے عارضی ہونے اور دونوں ملکوں کے ایک ہو جانے کے الہامات جاری کیے۔ جبکہ سرظفر اللہ خان کی بطور وزیر خارجہ پاکستان کے تقرر نے قادیانیت کو نہ صرف پاکستان بلکہ وزارت خارجہ کے ذریعے بیرونی ممالک میں بھی قدم جمانے کے مواقع میسر کیے۔ مرزا بشیرالدین نے کشمیر اور بلوچستان میں تخریبی سرگرمیوں کو اِس قدر تیز کر دیا کہ ملکی صورت حال انتہائی حساس دکھائی دینے لگی۔ حتیٰ کہ مرزا نے ۱۹۴۸ء میں کشمیر کو قادیانی صوبہ بنانے کے منصوبہ کا اعلان کر دیا۔

مجلس احرار اسلام نے جنوری ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کے ذریعے جلسہ عام میں انتخابی سیاست سے دستبرداری اور آئندہ ایک دینی جماعت کی حیثیت سے کام کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ مجلس احرار نے سیاسی امور میں مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا۔ نیز ۱۹۵۰ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان اس شرط پر کیا گیا تھا کہ مسلم لیگ کسی قادیانی کو انتخابات میں ٹکٹ نہیں دے گی۔ لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ نے متعدد سیٹوں پر قادیانیوں کو ٹکٹ دے دیئے۔ قادیانی امیدواروں کے خلاف مجلس احرار نے بھرپور مہم چلائی، جس کی بدولت کوئی قادیانی انتخابات میں کامیاب نہ ہوسکا۔ لہٰذا احرار نے اپنی اس کامیابی پر مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء پورے ملک میں ''یوم تشکر'' کے عنوان سے کانفرنسوں کا انعقاد کیا۔ اب مجلس احرار کی تمام تر توجہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور اسلام کی تبلیغ پر صرف تھی۔ جسٹس منیر کے مطابق: ''فروری ۱۹۵۲ء تک احراری احمدیوں کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔''

(''رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء'' حکومت پنجاب، ۱۹۵۴ء ص ۱۷۴)

نوزائیدہ مملکت پاکستان قادیانی سازشوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ مرزا بشیرالدین کے مختلف شہروں کے پے در پے دورے، حکومتی وسیاسی رہنماؤں سے مذاکرات اور کھلے بندوں قادیانیت کی تبلیغ نے عوام کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیے تھے۔ قادیانیوں کی دیدہ دلیری اس حد تک جا پہنچی تھی۔ کہ ۱۷، ۱۸، مئی ۱۹۵۲ء کو سرظفر اللہ خان وزیر خارجہ نے ہم مسلک قادیانیوں کے ایک اجتماع

سے خطاب کرتے ہوئے اسلام کو ایک سوکھے ہوئے درخت اور قادیانیت کو خدا کے لگائے ہوئے پودے سے تشبیہ دے کر اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا۔ ظفر اللہ خان کی اس دل آزار تقریر نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور عوامی جذبات کا لاوا اُبلنے لگا۔

ان حالات میں مجلس احرار اسلام واحد دینی جماعت تھی۔ جس نے حالات کی سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام کا اجلاس ۳ جون ۱۹۵۲ء کو کراچی میں طلب کر لیا۔ اِس اجلاس کے داعی مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما مولانا لال حسین اختر تھے۔ اجلاس میں حسب ذیل تین مطالبات مرتب کیے گئے جو آگے چل کر تحریک تحفظ ختم نبوت کا منشور ٹھہرے۔

۱۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
۲۔ چودھری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے سبکدوش کیا جائے۔
۳۔ تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹایا جائے۔

مذکورہ مطالبات کی منظوری کے لیے ایک آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ اجلاس مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اجلاس میں کنونشن کے انعقاد و انتظام کے لیے گیارہ رہنماؤں مولانا سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مولانا مفتی صاحب داد، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا سلطان احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا لال حسین اختر، الحاج ہاشم گزدر، اور مفتی جعفر حسین پر مشتمل ایک بورڈ بنایا گیا۔ ۱۳، جولائی ۱۹۵۲ء کو بورڈ کا اجلاس الحاج ہاشم گزدر کے مکان پر ہوا۔ جس میں مختلف اہم جماعتوں کو پارٹیز کونشن میں شمولیت کے لیے دعوت نامے جاری کیے گئے۔

اِسی سلسلے میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۳، جولائی ۱۹۵۲ء کو پنجاب میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس برکت علی محمڈن ہال لاہور میں منعقد کی۔ جس میں صوبہ پنجاب کے جید علما اور ممتاز مشائخ نے شرکت کی۔ اِس کنونشن کا دعوت نامہ احرار رہنما مولانا غلام غوث ہزاروی نے جاری کیا جس کے نیچے حسب ذیل اشخاص کے دستخط تھے۔

۱۔ مولانا غلام محمد ترنم صدر جمعیت علمائے پاکستان پنجاب لاہور

۲۔ مولانا مفتی محمد حسن صدر جمعیت علماء اسلام پنجاب، لاہور

۳۔ مولانا احمد علی (لاہوری) امیر انجمن خدام الدین، لاہور

۴۔ مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس احرار پنجاب، ملتان

۵۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی صدر جمعیت اہل حدیث پنجاب، لاہور

۶۔ مولانا سید نور الحسن بخاری ناظم اعلیٰ تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان لاہور

۷۔ سید مظفر علی شمسی ایڈیٹر اخبار ''شہید'' وسابق جنرل سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان، لاہور۔

کنونشن میں کراچی سے مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ کنونشن میں درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک مجلس عمل تشکیل دی گئی۔ تاکہ وہ آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے۔

۱۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد (جمعیت علمائے پاکستان، صدر)

۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی (جماعت اسلامی، نائب صدر)

۳۔ ماسٹر تاج الدین انصاری (مجلس احرار)

۴۔ شیخ حسام الدین (مجلس احرار)

۵۔ مولانا عبدالعلیم قاسمی (جمعیت علمائے اسلام)

۶۔ مولانا محمد طفیل (جمعیت علماء اسلام)

۷۔ مولانا محمد بخش مسلم (جمعیت علماء پاکستان)

۸۔ مولانا غلام محمد (حزب الاحناف ترنم)

۹۔ مولانا داؤد غزنوی (جمعیت اہل حدیث)

۱۰۔ مولانا عطاء اللہ حنیف (جمعیت اہل حدیث)

۱۱۔ مولانا غلام دین (حزب الاحناف)

۱۲۔ مولانا نصر اللہ خاں عزیز (جماعت اسلامی)

۱۳۔ حافظ کفایت حسین (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ)

۱۴۔ مولوی نور الحسن بخاری (تنظیم اہل سنت والجماعت)

۱۵۔ صاحبزادہ فیض الحسن (انجمن سجادہ نشینان پنجاب)

۱۶۔ مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ)

۱۷۔ مولانا عبدالغفار ہزاروی (انجمن سجادہ نشینان پنجاب)

۱۸۔ علامہ علاء الدین صدیقی (نامزد)

۱۹۔ مولانا اختر علی خان (نامزد)

۲۰۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش (نامزد)

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1958ء۔ص 81)

کنونشن میں مسئلہ قادیانیت پر آخری مشاورت کے لیے 18,17,16، جنوری 1953ء کو کراچی میں تمام مکاتب فکر کے کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

18، جولائی 1952ء کو مجلس عمل نے اپنے مذکورہ سہ نکاتی مطالبات کی منظوری کے لیے ''یوم نجات'' منایا۔ مجلس عمل میں شامل جماعتوں کے زیر اہتمام پورے ملک میں جلسے منعقد ہو رہے تھے، اور حکومت دھڑا دھڑ گرفتاریوں اور مقدمات کے ذریعے جتنا اس مسئلہ کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی، اُتنا ہی شیدائیان ختم نبوت کے جوش اور جذبات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء کو ملتان میں تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں ہونے والے ایک جلسہ پر سب انسپکٹر تھانہ کُپ ملتان نے پولیس کی نفری کے ہمراہ دھاوا بول دیا اور تشدد کے تمام حربے اس بری طرح آزمائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ جس پر ملتان کے غیور عوام نے ایک تاریخی احتجاجی جلوس نکالا اور انسپکٹر مذکور کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ جس کے جواب میں پولیس نے جلوس پر بے رحمانہ فائرنگ کر کے چھ افراد کو شہید اور درجنوں کو شدید زخمی کر دیا۔ اس بہیمانہ ظلم نے نہ صرف ملتان بلکہ پورے ملک کو آتش جوالہ بنا ڈالا۔ ملتان میں ہڑتال ہوگئی۔ اور ایک لاکھ سے زائد افراد شہدا کے جنازہ میں شامل ہوئے پنجاب مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے بھی اس درندگی کے خلاف قرارداد پاس کی۔ ملتان میں بارہ روز تک ہڑتال رہی، بالآخر مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں کا وفد لاہور سے ملتان آیا۔ جس نے کشیدگی کو کم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۶ اگست ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کے رہنما مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری، شیخ حسام الدین،

ماسٹر تاج الدین انصاری، مظفر علی شمسی اور مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے کراچی میں ملاقات کی اور قادیانیوں کے متعلق اپنے مطالبات دوہرائے، لیکن وزیر اعظم نے اُن کے مطالبات کو درخور اعتنا نہ سمجھا، چنانچہ مجلس عمل نے اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے 19 اگست 1952ء کو ملتان اور 23 اگست کو لاہور میں جلسہ ہائے عام منعقد کیے مجلس عمل نے صوبہ سرحد، سندھ اور مشرقی بنگال میں بھی عوامی بیداری کی مہم چلانے کے لیے ایک اہم فیصلے کیے۔ ان فیصلوں کی روشنی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور قادیانیوں کے خلاف تقریروں کے ذریعے اہل طوفان برپا کر دیا۔ منیر انکوائری کمیشن رپورٹ کے مطابق ''اس گرما گری کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمدی بدحواس ہونے لگے اور انھیں اپنا موقف بہت دشوار محسوس ہونے لگا۔''

مجلس احرار کی تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں جولائی اور اگست ۱۹۵۲ء کے دوران ایک سو پندرہ قادیانیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

آل پارٹیز مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق حکومتی قادیانیت نوازی کے خلاف ۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء بروز جمعہ کو پنجاب میں ''یوم احتجاج'' منایا گیا۔

۱۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو مجلس عمل کے مرکزی کنوینر مولانا احتشام الحق تھانوی نے پاکستان کے تمام اہم دینی رہنماؤں اور مذہبی جماعتوں کو ۱۶، ۱۷، ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء کے کنونشن کے لیے دعوت نامے جاری کیے۔ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ۱۶ جنوری ۱۹۵۳ء کو عشاء کے بعد حاجی مولا بخش سومرو کی کوٹھی پر کراچی میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مشرقی و مغربی پاکستان کے مختلف مکاتب فکر کے ڈیڑھ سو سے زائد علما اور مشائخ نے شرکت فرمائی ۱۷ جنوری کو مجلس عمل کی سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ کو کنونشن کا اہم اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں درج ذیل علمائے کرام شریک ہوئے۔

۱۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صدر جماعت اسلامی لاہور

۲۔ حاجی محمد امین امیر جماعت ناجیہ

۳۔ خلیفہ حاجی ترنگزئی پشاور

۴۔ حضرت پیر (ابوصالح محمد جعفر) سرسینہ شریف، امیر حزب اللہ ڈھاکہ، بنگال
۵۔ مولانا راغب حسن ایم اے ڈھاکہ
۶۔ مولانا عزیز الرحمٰن ناظم حزب اللہ ڈھاکہ
۷۔ مولانا اطہر علی ڈھاکہ
۸۔ مولانا سخاوت الانبیاء ڈھاکہ
۹۔ مولانا محمد یوسف بنوری صدر مدرس دارالعلوم ٹنڈ والٰہ یار
۱۰۔ مولانا شمس الحق وزیر معارف قلات
۱۱۔ مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی
۱۲۔ مولانا احمد علی صدر جمعیت علمائے اسلام شیرانوالہ گیٹ لاہور
۱۳۔ مولانا (مفتی) محمد حسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
۱۴۔ مولانا محمد ادریس صدر مدرس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
۱۵۔ مولانا ظفر احمد عثمانی سیکرٹری تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی
۱۶۔ مولانا سید سلیمان ندوی صدر تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی
۱۷۔ مولانا محمد شفیع مفتی دیوبند، ممبر تعلیمات اسلامی بورڈ کراچی
۱۸۔ مولانا سلطان احمد امیر جماعت اسلامی کراچی وسندھ
۱۹۔ مولانا مفتی صاحب داد خان مدرس عربی، سندھ مدرسہ کراچی
۲۰۔ مولانا عبدالحامد بدایونی صدر جمعیت علماء کراچی
۲۱۔ مولانا محمد یوسف کلکتوی صدر جمعیت اہل حدیث کراچی
۲۲۔ مولانا محمد اسمٰعیل ناظم جمعیت اہل حدیث
۲۳۔ مولانا سید داؤد غزنوی ایم ایل اے صدر جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان
۲۴۔ مولوی محمد علی جالندھری جنرل سیکرٹری مجلس احرار پنجاب، ملتان
۲۵۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت
۲۶۔ مولانا متین ناظم جمعیت علماء اسلام کراچی
۲۷۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کنویز آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کراچی
۲۸۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمعیت علماء پاکستان وصدر مجلس عمل۔

اجلاس کے اختتام پر درج ذیل تاریخی قراردادوں کی متفقہ منظوری دی گئی۔

۱۔ چونکہ خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان کے رویئے کے پیش نظر اس امر کی کوئی امید نہیں کہ مرزائیوں کے متعلق مطالبات تسلیم کر لیے جائیں گے۔ اس لیے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ان حالات میں مطالبات کو تسلیم کرانے کی غرض سے راست اقدام ناگزیر ہوگیا ہے۔

۲۔ چونکہ حکومت مرزائیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ اس لیے ایسی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہوگیا ہے کہ فرقہ مرزائیہ کو ملت اسلامیہ سے خارج کردیا جائے۔ ان تدابیر میں سے ایک یہ ہے کہ اس فرقے سے مکمل مقاطعہ کیا جائے۔

۳۔ چونکہ مرزائی وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خاں کی برطرفی کا مطالبہ اب تک منظور نہیں کیا گیا، اس لیے کنونشن خواجہ ناظم الدین سے استعفے کا مطالبہ کرتی ہے۔ تاکہ مسلمانان پاکستان اپنے دینی عقائد پر عمل کرنے اور اسلامی روایات کی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

۴۔ مذکورہ بالا مطالبات کو عملی صورت دینے کی غرض سے کنونشن تجویز کرتی ہے کہ وہ معزز د مقتدر مسلمانوں اور مختلف مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کو جنرل کونسل کا ممبر بنائے۔

۵۔ جنرل کونسل اپنے پندرہ ممبروں کو منتخب کرے جو مجلس عمل کے ممبر قرار پائیں۔

اجلاس کے آخر میں مجلس عمل کے رہنماؤں نے اپنا ایک چار رکنی وفد خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لیے نامزد کیا۔ وفد کے اراکین یہ تھے۔

۱۔ رئیس وفد مولانا عبدالحامد بدایونی، ممبران: پیرابوصالح محمد جعفر سرسینہ شریف۔ سید مظفر علی شمسی ادارہ تحفظ حقوق شیعہ لاہور، ماسٹر تاج الدین انصاری صدر مجلس احرار اس وفد نے خواجہ ناظم الدین سے ۲۲ جنوری ۱۹۵۳ء کو ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ظفر اللہ خان کے سوا تمام ممبران کابینہ بھی شریک تھے۔ مذاکرات کے دوران مجلس عمل کے وفد نے آل پارٹیز مسلم کنونشن کی قراردادیں اور مطالبات کی منظوری کے لیے ایک ماہ کا نوٹس دیا۔ جس پر خواجہ ناظم الدین نے مطالبات کی منظوری سے قاصر ہونے کا عذر کیا اور کہا کہ اگر میں قادیانیوں کے خلاف آپ کا مطالبہ مان لوں تو امریکہ ہمیں ایک دانہ گندم کا نہیں دے گا۔

مجلس عمل کے وفد کے کراچی سے واپسی کے بعد ملک کے تمام بڑے شہروں سمیت گاؤں اور قصبوں میں بھی تحفظ ختم نبوت کے لیے اجتماعات کا تانتا بندھ گیا۔منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق ۶ مارچ ۱۹۵۳ء سے پہلے صوبے بھر (پنجاب) میں ۳۹۰ جلسے منعقد ہوئے۔ جن میں سے ۱۶۷ ایسے تھے، جن کا اہتمام خالصتاً احراریوں نے کیا تھا۔سید مظفر علی شمسی، شیخ حسام الدین، صاحبزادہ فیض الحسن، ماسٹر تاج الدین انصاری اور محمد علی جالندھری نے جو مجلس احرار کے ممتاز ممبر تھے اپنے آپ کو اس تحریک کا دائمی مبلغ بنادیا۔

مجلس عمل کی جانب سے حکومت کو دیے جانے والے تیس روزہ الٹی میٹم کے ایام تیزی سے ختم ہو رہے تھے۔تحریک تحفظ ختم نبوت اپنے جوبن پر پہنچ چکی تھی۔عوام ختم نبوت کے تحفظ کے لیے دیوانہ وار احرار کی آواز پر لبیک کہہ رہے تھے۔ ۱۶ فروری ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کے سرگودھا اور اُسی شام لاہور آنے کی خبر آئی تو مجلس عمل نے اُن کی آمد پر سرگودھا میں ہڑتال کرنے کا فیصلہ کیا۔تاکہ وزیراعظم پر واضح ہو سکے کہ تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ محض احراریوں اور علمائے کرام کا ہی پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ یہ تمام عامتہ المسلمین کا متفقہ مسئلہ اور ایمان کا تقاضا ہے، چنانچہ مجلس عمل کی اپیل پر سرگودھا اور لاہور میں وزیراعظم کی آمد پر مکمل ہڑتال کی گئی اور اسی روز دہلی دروازہ لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا۔جس میں آخری تقریر حضرت امیر شریعت نے فرمائی۔ اِس اجتماع میں بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان پیرانہ سالی اور نقاہت و بیماری کے باوجود تشریف لائے۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو دوران تقریر کسی نے خواجہ ناظم الدین کے لاہور پہنچ جانے کی اطلاع دی تو شاہ جی نے فرمایا۔

''جاؤ میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔میری یہ ٹوپی کسی کے سامنے نہیں جھکی۔اسے خواجہ صاحب کے قدموں پر ڈال دو۔اس سے کہو ہم تمہارے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں ہم الیکشن نہیں لڑیں گے۔تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ہاں، ہاں، جاؤ، اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوروں کا ریوڑ بھی چرانے کے لیے تیار ہے،مگر شرط صرف یہ ہے کہ تو حضور فداہ ابی وامی ﷺ کی ختم رسالت کی حفاظت کا قانون بنادے کہ کوئی آقا کی توہین نہ کرے۔ آپ کی دستار ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔''

جلسہ کے اختتام پر شاہ جی ہی کی تجویز پر مجلس عمل کے ایک وفد نے خواجہ ناظم الدین سے یہ دریافت کرنے کے لیے ملاقات کی کہ وہ مجلس عمل کے مطالبات کے متعلق کیا رویہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن وزیراعظم نے حسب سابق واضح کیا کہ اُن کے مطالبات تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ اس ملاقات نے یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اب حکومت اور مجلس عمل کے مابین مصالحت کا کوئی امکان نہیں ہے۔

الٹی میٹم کی مدت ختم ہوتے ہی مجلس عمل کے رہنماؤں کی کراچی تشریف آوری شروع ہو گئی۔ 20 فروری کو مجلس عمل کا ایک وفد وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملا، جبکہ 21 فروری 1953ء کو الٹی میٹم کی ایک ماہ کی مدت گزرنے پر اتمام حجت کے لیے آخری مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا اختر علی خان اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی۔ ملاقات میں مجلس عمل کے مطالبات دوہرائے گئے، لیکن خواجہ ناظم الدین نے ان پر کان نہ دھرا۔ 26,25,24، فروری 1953ء کو مجلس عمل نے آرام باغ کراچی میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ 4 فروری کے اجلاس کی صدارت مولانا ابوالحسنات قادری نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صاحبزادہ فیض الحسن، سید مظفر علی شمسی، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے تقریریں فرمائیں۔ اس اجلاس میں رہنماؤں نے عوام کی حکومتی رویے سمیت تمام حالات سے آگاہ کیا نیز تمام مقررین نے مجلس عمل کے مطالبات کی منظوری کی اپیل کی۔ 25 فروری کو سید مظفر علی شمسی اور صاحبزادہ فیض الحسن نے خطاب کیا۔ 26 فروری 1953ء کو مجلس عمل کا فیصلہ کن اجلاس کراچی میں مولانا ابوالحسنات قادری کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل زعمائے کرام نے شرکت کی۔

''ماسٹر تاج الدین انصاری، صاحبزادہ فیض الحسن، سید نور الحسن بخاری، مولانا سلطان احمد امیر جماعت اسلامی سندھ و کراچی، مولانا سید ابوالحسنات احمد قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا احتشام الحق تھانوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد یوسف کلکتوی، سید مظفر علی شمسی۔''

اس اجلاس میں اس مفہوم کی ایک قرارداد منظور کی گئی کہ ''18'' جنوری کی کنونشن میں مرکزی حکومت کو جونوٹس دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ چونکہ مجلس عمل کے ایک وفد نے اس حکومت کے حوالے کر دیا تھا۔ اور 22، فروری کو اس نوٹس کی معیاد ختم ہوگئی ہے، بلکہ مزید چار دن بھی گزر چکے ہیں۔ اس لیے اب پُر امن راست اقدام کی شکل کا فیصلہ کیا جانا ضروری ہے۔ راست اقدام کی شکل کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ پانچ رضا کار جو ایسے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن پر مطالبات ثبت ہوں گے۔ شارع عام پر سے نہیں، بلکہ چھوٹی سڑکوں پر سے گزرتے ہوئے وزیر اعظم کی کوٹھی پر جائیں گے۔ اگر وہاں سنتری ان رضا کاروں کو روکے گا تو وہ اس سے کہیں گے کہ وہ وزیر اعظم کی خدمت میں مطالبات پیش کرنے اور اُن کو تسلیم کرنے کی درخواست کرنے آئے ہیں اور وہ اسی صورت میں واپس جائیں گے کہ وزیر اعظم ان مطالبات کو تسلیم کرنے کا علان کر دیں۔ اگر یہ رضا کار گرفتار کر لیے جائیں گے تو مجلس عمل پانچ رضا کاروں کا ایک اور دستہ بھیج دے گی اور یہ سلسلہ پرامن طریقے سے اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک مطالبات تسلیم نہ کیے جائیں گے۔ گورنر جنرل کی کوٹھی پر بھی اسی قسم کا پہرہ لگایا جائے گا۔ تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ اس تحریک کا رُخ خواجہ ناظم الدین کی طرف محض اس لیے ہے کہ وہ بنگالی ہیں۔ مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد اس متبرک تحریک کے ڈکٹیٹر مقرر کیے گئے اور انھیں گرفتاری کی صورت میں اپنے جانشین کی نامزدگی کا اختیار دیا گیا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ اسی دن شام کو آرام باغ میں جو جلسہ عام ہو رہا ہے اس میں عوام کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ حسب معمول اپنے کاروبار میں مصروف رہیں اور رضا کاروں کے ساتھ نہ جائیں۔

۲۶ فروری ۱۹۵۳ء کے اجلاس کا آغاز مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمی کو ولولہ انگیز نظم سے ہوا۔ مولانا ابوالحسنات بھی نقابت کے باوجود شریک ہوئے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولانا محمد علی جالندھری اور سید مظفر علی شمسی نے تقاریر فرمائیں اور حکومت پر واضح کیا کہ وہ حکومت سے الجھنے کے لیے کراچی نہیں آئے، بلکہ وہ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے پوری قوم کے متفقہ مطالبات کی منظوری چاہتے ہیں۔

راست اقدام:

مجلس عمل حکومتی سرد مہری اور اُس کی مکمل جانبدارانہ پالیسی سے مایوس ہو کر راست اقدام (ڈائریکٹ ایکشن) کا فیصلہ کر چکی تھی۔ سول نافرمانی کی تیاری مکمل تھی۔ جب حکومت پنجاب کے نمائندے 27 ،فروری 1953ء کو لاہور واپس پہنچے تو وزیر اعلیٰ پنجاب کی نگرانی میں انٹیلی جنس اور انتظامی اداروں کے حکام کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ''احراریوں کے تمام سرگرم کارکن اور دوسرے افراد جو ڈائریکٹ ایکشن کی حمایت کے ذمہ دار ہیں، آج رات صوبہ بھر میں گرفتار کر لیے جائیں۔ گویا حکومت نے پُر امن احتجاج کو بزور قوت کچل دینے کے فیصلے پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا۔ 27,26 ،فروری 1953ء کی درمیانی شب کو دفتر احرار کراچی پر چھاپہ مار کر مجلس عمل کے رہنماؤں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالحسنات قادری، صاحبزادہ فیض الحسن مولانا عبدالرحیم جوہر جہلمی ، نیاز لدھیانوی، مولانا لال حسین اختر ،اسد نواز ایڈیٹر ''حکومت'' تاج الدین انصاری اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو گرفتار کر لیا گیا۔ حکومت کے اس جارحانہ اقدار سے کراچی کے مسلمانوں نے عام ہڑتال کر دی ۔ جس پر بڑی تعداد میں گرفتاریاں عمل میں لائی جانے لگیں۔

اگرچہ پنجاب میں بھی حکومت پنجاب کے فیصلے کے مطابق گرفتاریاں جاری تھیں، مگر جونہی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مجلس عمل کے دیگر رہنماؤں کی کراچی میں گرفتاری کی خبر لاہور پہنچی تو لوگوں کے جذبات مشتعل ہو گئے ۔ احتجاجی جلسوں، جلوسوں اور ہڑتالوں کے ملک گر سلسلہ کا آغاز ہو گیا۔

لاہور میں 22 فروری سے ہی رضا کاروں کی بھرتی کے لیے مجلس احرار اسلام کے سالار چودھری معراج الدین نے کیمپ کھول رکھا تھا۔ جہاں لوگ آتے اور کیمپ میں اپنے ناموں کا اندراج کراتے ۔ 27 فروری 1953ء کو تحریک ختم نبوت میں شمولیت و گرفتاری کے لیے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اپنے نام لکھوائے ۔ یہ کام ابھی جاری تھا کہ مجلس عمل کے رہنماؤں کی کراچی میں گرفتاری کی خبر موصول ہو گئی ۔ جس پر عوام کے جذبات کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا۔ منٹوں میں یہ خبر لاہور سے ہوتی ہوئی ملحقہ اضلاع گوجرانوالہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ اور فیصل آباد وغیرہ میں پھیل

گئی۔ مگر تحریک کے رہنماؤں نے حالات اور جذبات کو قابو میں رکھا، مگر حکومت کے ناروا سلوک نے عوام کو مشتعل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ 28 فروری 1953ء کو دفتر احرار لاہور کے باہر قائم رضا کاروں کے کیمپ پر پولیس نے چھاپہ مار کر تمام سامان ضبط کر لیا۔ ان حالات کے پیش نظر مرکزی رہنماؤں مولانا احمد علی لاہوری، مولانا عبدالستار نیازی، مولانا بہاء الحق قاسمی، مولانا محمد طفیل اور مولانا خلیل احمد قادری پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی گئی اور اسے کسی بھی مناسب اقدام کے کرنے کا اختیار سونپ دیا گیا۔ کمیٹی کے کنوینر مولانا خلیل احمد قادری بنائے گئے۔ کمیٹی نے احرار پارک، دہلی دروازہ میں جلسہ عام کا فیصلہ کیا اور یہ بھی طے پایا کہ لاہور مجلس عمل کی جانب سے گرفتاری پیش کرنے کے لیے پچیس رضا کاروں کا دستہ گورنمنٹ ہاؤس کی طرف مولانا غلام دین کی قیادت میں روانہ کیا جائے۔ چنانچہ رضا کاروں کا ایک دستہ ایک لاکھ افراد کے جلوس کے ہمراہ دہلی دروازہ سے چیرنگ کراس تک پہنچا۔ جہاں جلوس کو پولیس نے روک دیا۔ جہاں مولانا غلام دین نے رضا کاروں کے ہمراہ گرفتاری دے دی۔ رضا کاروں کی بھرتی فراہم کرنے والے احرار رہنما سالار معراج الدین کو بھی اسی دوران حراست میں لے گیا۔ اُن کی گرفتاری کے بعد احرار سالار محمد حسین بٹ اور سالار سعید اقبال وغیرہ نے بھرتی کے کام کو سنبھال لیا۔

یکم مارچ 1953ء کو مولانا احمد علی لاہوری نے دفتر احرار کے سامنے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اور رضا کاروں کے جھتے کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس جانے کا فیصلہ کیا۔ اُن ے جلوس کو ابتدا میں ہی روک کر مولانا احمد علی لاہوری کو بتیس رضا کاروں سمیت گرفتار کر لیا گیا ایک دوسرے جلوس کو ہائیکورٹ کے قریب روک کر اُنتیس افراد کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ اُسی روز تیسرا جلوس ہال روڈ پر برآمد ہوا، جہاں پر تئیس افراد نے گرفتاری دی۔ چوتھا بڑا جلوس دفتر احرار سے گورنمنٹ ہاؤس کی طرف روانہ ہوا، لیکن اُسے چیئرنگ کراس پر روک دیا گیا، جہاں بڑی تعداد میں رضا کاروں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ جنہیں ٹرکوں میں سوار کر کے لاہور سے میلوں دور چھوڑ دیا گیا۔

مجلس عمل کے رہنماؤں نے اپنی حکمت عملی کے تحت تحریک کا ہیڈ کوارٹر احرار پارک بیرون دہلی دروازہ سے مسجد وزیر خان منتقل کر لیا۔ 2 مارچ 1953ء کو مولانا اختر علی خان مسجد وزیر خان سے دس ہزار افراد کا جلوس لے کر نکلے تو چیرنگ کراس پر پولیس نے جلوس کو روک کر اُس پر شدید

لاٹھی چارج کیا۔ جس سے عوام کی بڑی تعداد زخمی ہوئی اور ایک سو کے لگ بھگ رضا کاروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس تشدد کے دوران جلوس کے شرکا بھر گئے اور ردعمل میں پولیس کے گیارہ افسر بھی زخمی ہو گئے۔

ملک کے دیگر حصوں میں بھی اگرچہ تحریک ختم نبوت اپنے عروج پر تھی، لیکن لاہور تحریک کا مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتا تھا اور وہاں تحریک تشدد کے باوجود شدت اختیار کرتی جا رہی تھی، جس کی تاب نہ لا کر حکومت پنجاب اور پولیس افسران نے فوج کو طلب کرنے کی بابت فیصلے کیے۔ 3 مارچ 1953ء کو فوج جناح گارڈن میں پہنچ گئی اور عملاً شہر کرفیو کی زد میں آ گیا۔ شہر میں دفعہ 144 کے نفاذ کے باوجود جلوس نکلتے رہے اور سینکڑوں رضا کاروں کو گرفتار کیا گیا۔

4 مارچ 1953ء کو دیگر شہروں سے بھی رضا کاروں کے ان گنت جتھے لاہور پہنچنے لگے، جنہیں ریلوے سٹیشن اور مختلف راستوں سے گرفتار کیا جانے لگا۔ اسی روز رضا کاروں کا ایک پُر امن جلوس چوک دالگراں کے راستے ریلوے سٹیشن جانے کے لیے روانہ ہوا، لیکن چوک دالگراں میں ہی پولیس نے جلوس کا راستہ روک اندھا دھند لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ پولیس گردی کی انتہا کر دی گئی، مگر ختم نبوت کے پروانے جان کی بازی لگا کر آئے تھے۔ اُن کے منتشر ہونے سے انکار پر پولیس نے ایک ایک رضا کار کو بے تحاشا پیٹا اور انھیں گھسیٹ گھسیٹ کر ٹرکوں میں پھینکتے رہے ایک بوڑھے رضا کار کے گلے میں قرآن مجید لٹک رہا تھا۔ ڈی ایس پی فردوس شاہ نے اس معمر شخص کو زدوکوب کیا تو قرآن مجید زمین پر گر گیا۔ جس پر فردوس شاہ نے نعوذ باللہ قرآن مجید کو پاؤں سے ٹھوکریں ماریں۔ قرآن مجید کی توہین کے اس واقعہ نے پورے شہر میں غم وغصہ کی لہر دوڑا دی۔ مختصر یہ کہ جب ڈی ایس پی فردوس شاہ طاقت کے نشے میں مسجد وزیر خان پہنچا تو عوام فردوس شاہ کو دیکھتے ہی مشتعل ہو گئے اور قرآن پاک کی توہین کے بدلے میں اُس کے جسم کے پرخچے اُڑا دیئے۔

لاہور میں کرفیو کے باوجود پولیس ختم نبوت زندہ باد کہنے کے جرم میں عاشقان رسول پر گولیاں اور ڈنڈے برسا رہی تھی۔ سارا دن گولیوں کی برسات رہی اور ساقی کوثر کے پروانے سینوں پر گولیاں کھا کر ناموس رسالت کے لیے جانیں وارتے رہے۔

5، مارچ 1953ء کو گوالمنڈی لاہور میں پولیس کے دو افسروں نے مسلسل فائرنگ کر کے بے حساب افراد کو شہید کر دیا۔ جس سے عوام کے جذبات مزید بھڑکے اور سول نافرمانی بغاوت میں بدلتے صاف دکھائی دینے لگی۔ پورے شہر میں شہدائے ختم نبوت کے پاک جسموں کے ڈھیر لگ چکے تھے۔ جنہیں ٹرکوں میں لاد کر چھانگا مانگا کے جنگل میں اجتماعی قبریں کھود کر ڈال دیا جاتا اور اُن کے اوپر تیل چھڑک کر آگ لگا دی جاتی تھی، تاکہ شہدان عشق رسالت کا نام ونشان مٹ جائے، لیکن ان ہلاکوؤں اور چنگیزوں کو کیا معلوم تھا کہ جاں نثاران رسول ﷺ تو مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ انھیں کیا خبر تھی کہ ان بے گناہوں کا خون مقدس کتنی جلدی رنگ لائے گا اور قاتل ہی بے نام ونشاں ہو کر خاک میں مل جائیں گے۔

لاہور کی تاریخ کا یہ نازک ترین دور تھا۔ جب پابندیاں، تعزیریں، ظلم وتشدد اور گولیاں بھی احرار رضا کاروں اور تحفظ ختم نبوت کے مجاہدوں کے متلاطم جذبات کے آگے بند باندھنے میں کلی طور پر ناکام ہو رہی تھیں۔ سیکرٹیریٹ کے ملازمین نے احتجاجاً کام چھوڑ دیا۔ بجلی کے محکمے نے ہڑتال کی دھمکی دے دی۔ ٹیلی گراف آفس اور ایکسچینج کے ملازموں نے ہڑتال کر دی، تعلیمی اداروں کے طلبا بھی تحریک کا ہراول دستہ بن گئے۔ الغرض پوری قوم سراپائے احتجاج تھی اور قومی یکجہتی نے اس حقیقت کو آشکار کر دیا تھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ احراری، قادیانی تنازع نہیں، بلکہ جناب نبی کرم علیہ السلام کے ناموس کے تحفظ کا مسئلہ ہے جو ہر مسلمان کی رگ جان ہے۔

لاہور عملاً انتظامیہ کی گرفت سے نکل چکا تھا۔ لوگ مشتعل تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں بجائے اس کے کہ اُمت مسلمہ کے مسلمہ عقائد کا احترام کرتے ہوئے اُن کے متفقہ مطالبات کو تسلیم کر کے لوگوں کی رائے عامہ کا احترام کیا جاتا تو حالات کو بآسانی قابو میں کیا جا سکتا تھا، لیکن فرعونی قوت اور اقتدار کے نشے میں بدمست غدار قوم ووطن میر صادق کا حقیقی پڑپوتا سکندر مرزا (ڈیفنس سیکرٹری) کا کہنا تھا کہ ''مجھے یہ نہ بتاؤ کہ فلاں جگہ ہنگامہ فرو ہو گیا۔ فلاں جگہ مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔ مجھے یہ بتاؤ، وہاں کتنی لاشیں بچھائی گئی ہیں، کوئی گولی بیکار تو نہیں گئی۔'' غرض ایسے ہی بدبختوں کے اشارے پر لاشوں کے انبار لگ رہے تھے اور ہزاروں کارکنوں کو رہنماؤں سمیت جیلوں میں وحشیانہ تشدد سے دوچار کیا جا رہا تھا۔ پُرامن تحریک کو پُرتشدد تحریک کی راہ دکھائی جا رہی تھی۔

6 مارچ کو جنرل اعظم خان نے لاہور میں مارشل نافذ کر دیا۔ مسجد وزیر خان تحریک کا مرکز

تھی۔ جہاں مارشل کے ہوتے ہوئے بھی تحریک زندہ تھی۔ مارشل کے دو دن بعد فوج نے مسجد کا محاصرہ کرلیا، مگر مقررین خفیہ راستوں سے مسجد میں آ کر خطاب کرتے اور فوج کی آنکھوں میں دھول جھونک کر واپس چلے جاتے تھے۔ جس سے تحریک میں مزید تیزی آ رہی تھی۔ یہ صورت حال پولیس اور فوج کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ مسجد میں موجود مجلس عمل کے رہنماؤں اور رضا کاروں نے جب یہ محسوس کیا کہ پولیس اور فوج ان کی جانیں لیئے بغیر نہیں ٹلیں گے تو انھوں نے خون خرابہ سے بچنے کے لیے انھوں نے فیصلہ کیا پانچ، پانچ رضا کار مسجد سے باہر جا کر گرفتاری دے دیں۔ اس طرح تمام رضا کاروں نے پُر امن انداز میں گرفتاری دے دی۔ بعد ازاں مولانا خلیل احمد قادری، مولانا بہاء الحق قاسمی اور مولانا عبدالستار نیازی بھی گرفتار کر لیے گئے۔

فوج اور پولیس کے ظلم وتشدد کا اندازہ کیجیے کہ اُن کے ہاتھوں تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران دس ہزار سے زائد فرزندان اسلام نبی علیہ السلام کی ختم نبوت کی حفاظت کے جرم میں خاک وخون میں نہلا دیئے گئے۔ اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو جیلوں میں ٹھونس کر پولیس کے درندوں کے آگے ڈال دیا گیا۔

تحریک کے خاتمے پر حکومت نے تحقیقات کے لیے ایک عدالتی انکوائری کمیشن قائم کیا۔ جس کے صدر جسٹس محمد منیر اور رکن جسٹس محمد رستم کیانی تھے۔ اس تحقیقات میں درج ذیل ادارے شامل کیے گئے۔

۱۔ حکومت پنجاب ۲۔ صوبہ مسلم لیگ ۳۔ مجلس احرار ۴۔ مجلس عمل
۵۔ جماعت اسلامی ۶۔ صدر انجمن احمدیہ ربوہ
۷۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

مجلس احرار اسلام کی طرف سے مولانا مظہر علی اظہر بحیثیت انکوائری کمیشن کے سامنے پیش ہوئے اور مولانا محمد علی جالندھری نے (بحیثیت جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام پنجاب) کمیشن کو مجلس احرار اسلام کا تحریری مئوقف جمع کرایا۔ یہ الگ بات ہے کہ جسٹس منیر نے اپنی رپورٹ میں مجلس احرار اسلام کا گوشت چوراہے میں لٹکا دیا اور اس رپورٹ میں اسلام دشمن خرافات کا ملغوبہ جمع کر کے دشمن اسلام کو خوشی کا سامان میسر کیا۔

اگر چہ تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت کو ریاستی جبر وقوت کے بل بوتے پر کچل دیا گیا اور

قادیانیوں کو مکمل تحفظ کے ساتھ کلیدی آسامیوں پر برقرار رکھ کر قوم و ملک کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا گیا، لیکن آنے والے عہد نے شہدائے ختم نبوت کی صداقت، بے غرضی، اخلاص اور جرأت بے پناہ کو سلام پیش کیا۔ اُن کا خون بے گناہی رنگ لایا اور جن تین مطالبات کی منظوری کے لیے انھوں نے اپنی ناتواں جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ ایک ایک کر کے وہ تینوں مطالبات کافی حد تک پورے ہو گئے۔ سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ سے ہاتھ دھونا پڑے اور پھر ساری زندگی وہ اقتدار کو ترستا رہا۔ قادیانی غیر مسلم اقلیت ہو گئے۔ اگرچہ کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کی مکمل برطرفی عمل میں نہیں آئی، لیکن یہ شہدائے ختم نبوت کے مقدس خون کا ہی صدقہ ہے کہ اب قادیانیوں کی سرکاری محکموں میں وہ حیثیت باقی نہیں رہی ہے جو انھیں قیام پاکستان سے ۱۹۵۳ء تک کے دورانیے میں حاصل ہو گئی تھی۔ مجلس احرار اسلام کو مٹانے کیلیے حکومت اور قادیانی یکجان ہو گئے تھے، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے مجلس احرار اسلام اب بھی پوری تندہی سے سرگرم عمل ہے اور قادیانیت کی سرکوبی کے لیے پاک و ہند میں مصروف کار ہے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے سرخیل رہنمایان احرار تھے۔ جن منیر انکوائری کمیشن کے سامنے بعض جماعتوں کے کوتاہ دل لیڈروں نے حکومت کے رعب اور قادیانیوں کی دہشت کے خوف سے یہ سفید جھوٹ بولا کہ وہ اس تحریک میں شامل ہی نہیں تھے اور نہ ہی وہ تحریک کے ذمہ دار ہیں۔ اُن کی اس دیدہ دلیری اور کذب بیانی نے شہدائے ختم نبوت کے ورثاء کے دل و دماغ کو ہلا ڈالا۔ جس پر اُمیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اُن گندم نما جوفروش رہنماؤں کی اس نامناسب روش کے پیش نظر فرمایا تھا کہ:

''جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے، اُن کے خون کا جواب دہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالت میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اُن میں جذبہ شہادت میں نے پھونکا تھا۔ جو لوگ اُن کے خون سے دامن بچانا چاہتے ہیں اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہو گئے، لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بھی سات ہزار حافظ قرآن سے اس مسئلے کی خاطر شہید کرا دیئے تھے۔'' (۱)

آغا شورش کاشمیری نے تحریک ختم نبوت کے ضمن میں مجلس احرار کی خدمات کے متعلق تحریر کیا

تھا کہ ''بہر حال ختم نبوت کی تحریک احرار کی انتھک جدوجہد کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے اسلام کے بنیادی مسئلے پر تمام مکاتیب فکر کے علما کو یکجا کیا اور ایک ایسی تحریک کی نیو اٹھائی جو اُس وقت کے لادین وزرا اور عیاش افسروں کے ستم کا شکار ہوگئی، لیکن مسلمانوں کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے قادیانیت سے تنفر راسخ ہوگیا۔ فی الجملہ احرار کے اس امتیاز کو سلب کرنا ناممکن ہے کہ وہ اس تحریک کے سرخیل تھے۔''

(شورش کاشمیری: ''تحریک ختم نبوت''، مطبوعات چٹان لاہور، جنوری 1976، ص 95)

مجلس احرار اسلام ۱۹۵۲ء تا حال

تحریر: نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری

1952ء میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے ۳۳ علماء کرام نے متفقہ طور پر ۲۲ نکاتی اسلامی دستوری خاکہ مرتب کیا تو مجلس احرار اسلام نے تیسواں نکتہ اقلیتوں کے متعلق پیش کیا اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیتوں میں قانونی طور پر شامل کرنے کی تجویز پیش کی جسے تمام علماء کرام نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔

1953ء میں مجلس احرار اسلام نے دیگر جماعتوں کے تعاون سے تحریک ختم نبوت چلائی جو اگرچہ بظاہر ناکام رہی لیکن حضرت امیر شریعت اور ان کے رفقاء نے قادیانیت کے خلاف نفرت اور تحفظ ختم نبوت سے محبت کے جو بیج مسلمانوں کے دلوں میں بوئے تھے ان کے برگ و بار ۱۹۷۴ء میں ظاہر ہو کر رہے۔

اسی سال حکومت پاکستان نے مجلس احرار اسلام پر پابندی عائد کر دی۔

1958ء میں مجلس احرار اسلام سے پابندی اُٹھنے کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ اور ماسٹر تاج الدین انصاری رحمہ اللہ نے مل کر اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کی تنظیم نو کی اور جماعت کے شعبہ تبلیغ تحریک ختم نبوت کو مزید مضبوط اور منظم کیا۔ پاکستان کے تمام شہروں میں مجلس احرار کے رہنماؤں نے دفاتر کا افتتاح کیا، پرچم کشائی کی گئی، جلوس نکالے لندن اور بحرین میں بھی جماعت کے ساتھیوں نے جشن منایا۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۸ء بروز جمعہ ملتان میں حضرت امیر شریعت اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے چوک گھنٹہ گھر

میں مجلس احرار کے دفتر کا افتتاح کیا، امیر شریعت نے احرار کا جھنڈا لہرایا، ہزاروں باوردی احرار رضا کاروں نے اپنے جرنیل کو سلامی دی۔ جلوس نکالا۔

حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ نے مجلس احرار اسلام کے اس عظیم الشان جلوس میں شامل احرار رضا کاروں اور عوام الناس سے زندگی میں آخری مرتبہ خطاب فرمایا۔

''مسلمانو! پرچم ختم نبوت گرنے نہ پائے۔۔۔۔۔۔۔احرار رضا کاروں! اس تحریک کی رُوح کو زندہ رکھنا عقیدہ ختم نبوت پر آنچ نہ آئے۔ اِسکی حفاظت ہم سب مسلمانوں کے ایمان کی اساس ہے۔ میری دُعائیں مجلس احرار اسلام کے ساتھ ہیں میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن میرا عزم جواں ہے۔ میری رگوں میں اب بھی جوانی کا لہو دوڑ رہا ہے۔

احرار کے سُرخ پوش جوانو!

تمہیں دیکھ کر میں بہت طاقتور ہو گیا ہوں۔ میں مطمئن ہوں کہ جب تک احرار زندہ ہیں مرزائی کامیاب نہیں ہو سکتے اور جب تک احرار باقی ہیں نئی نبوت نہیں چلنے دیں گے جب بھی کوئی نبی سر اُٹھائے گا صدیق اکبر کی سُنت جاری کی جائے گی۔

مسلمانو!

متحد ہو کر احرار کی اِس دینی جنگ میں شریک ہو جاؤ۔ اور اپنی اس اجتماعی قوت سے انگریزی نبوت کا ٹاٹ لپیٹ دو۔''

مقصود کی منزل نہ ملی ہے نہ ملے گی
سینوں میں اگر جذبہ احرار نہیں ہے

1961ء میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری انتقال فرما گئے آپ کے سانحہ ارتحال سے جماعت کو بہت دھچکا لگا۔ لیکن وفادار و خوددار ایثار پیشہ قائدین و کارکنان احرار نے حضرت امیر شریعت کی وصیت کے مطابق احرار کو قائم اور زندہ رکھنے کا عزم کیا۔ آپ کی وفات کے فوراً بعد تمام زعماء احرار، علماء عصر، مخلص رفقاء اور کارکنان احرار نے حضرت مولانا سید ابوذر بخاری مدظلہ کے سر پر تاج جانشینی سجایا اور عبائے امارات آپ کے زیب تن کی۔

1962ء میں حضرت جانشین امیر شریعت نے سردھڑ کی بازی لگا کر پورے پاکستان کا تنظیمی دورہ کیا اور مجلس احرار اسلام کو پھر سے منظم و مضبوط کیا۔ اپنوں اور بیگانوں کی مخالفت، مصائب، قید

و بند سب کو لبیک کہا اور جماعت کو بچا لیا۔ اور احرار کے جیالے ساتھی عزم نو کے ساتھ اس دینی جنگ میں شریک ہوئے۔

1969ء میں مرزائیوں نے پھر سر اٹھایا اور کمیونسٹوں سے اتحاد کر کے ملک کی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو مجلس احرار نے ملک بھر میں پچاس سے زیادہ ''شہداء ختم نبوت احرار کانفرنسیں منعقد کیں۔ اور مرزائی کمیونسٹ اتحاد کے خلاف زبردست صدائے احتجاج بلند کی۔ استعماری گماشتوں اور قادیانیوں کا بھرپور تعاقب کیا۔

1970ء میں بھی ''کاروان احرار'' رواں دواں رہا اور مسلسل شہدائے ختم نبوت اور احرار کانفرنسوں کا اہتمام وانعقاد کیا گیا جلوس نکالے گئے اور مرزائیوں کے خلاف تحریک تحفظ ختم نبوت سرگرم رہی، اسے مزید مضبوط، فعال اور منظم کیا گیا۔

1970ء میں یحییٰ خاں آنجہانی کے عہد میں مجاہد ختم نبوت محمد اسلم قریشی نے یحییٰ خاں کے قتصادی مشیر ایم ایم احمد مرزائی کو اُسوقت خنجر مارا، جب وہ قائم مقام صدر کی حیثیت سے ایوان صدر میں داخل ہونے والا تھا۔ اسلم قریشی صاحب گرفتار ہوئے۔ مجلس احرار اسلام نے ملک بھر میں انہیں باعزت بَری کرنیکا مطالبہ کیا، جلسے کیئے، اشتہارات اور پمفلٹ شائع کر کے تقسیم کیئے۔ چنانچہ مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ نے حکومتی سطح پر کوشش کی اور اسلم قریشی صاحب کو تقریباً تین سال قید کاٹنا پڑی۔

1971ء میں (ضلع ساہیوال) کے باجوہ فیملی کے ایک مرزائی خبیث نے غلام رسول (حلوائی) مسلمان نوجوان کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا پورے چیچہ وطنی میں ہیجان و ہراس پھیل گیا ابن امیر شریعت حضرت پیر جی قاری سید عطاء المھیمن بخاری مدظلہ نے تمام مکاتب فکر کے علماء اور نوجوانوں کو جمع کیا مجلس احرار اسلام کی رہنمائی اور اہل چیچا وطنی کے بھرپور تعاون سے زبردست احتجاج کیا۔ تحریک شدت اختیار کر گئی، تحریک طلباء اسلام اور دوسری طلبہ تنظیموں کو ساتھ ملایا گیا اور متحدہ قوت کے ساتھ بھرپور وار کیا گیا۔ تحریک نوجوانوں نے سنبھال لی۔ ساہیوال اور اوکاڑہ کے کالجوں کے طلباء متحدف ہو کر سڑکوں پر نکل آئے۔ مرزائیوں کے سوشل بائیکاٹ کا منظم پروگرام طے ہوا، نوجوانوں نے احرار کی قیادت میں مرزائیوں کی دوکانوں پر پکٹنگ کی اور مسلمانوں کو سودا خریدنے سے منع کر دیا۔

پھر یہ احتجاج پاکستان کی آواز بن گیا۔ رشید مرتضٰی مرزائی نواز پولیس انسپکٹر نے عوام پر تشدد کیا تین مسلمان شہید ہو گئے حضرت پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری اور مجلس احرار اسلام کے بہادر کارکن پہلوان عبدالرحمٰن (مرحوم) اور شیخ محمد صدیق کو گرفتار کر کے ساہیوال جیل بھیج دیا۔ آنجہانی یحیٰی خان کی مارشل لاء ٹیم نے سید عطاء المھیمن بخاری اور دونوں احرار جانبازوں کو آٹھ آٹھ کوڑے پانچ پانچ ہزار روپے جرمانہ اور نو ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی جو عوام کے شدید احتجاج سے آٹھ ماہ قید بامشقت میں تبدیل ہو گئی۔ سید عطاء المھیمن بخاری اور دونوں جانبازوں نے بڑی پامردی و استقلال سے سزا کاٹی، جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم مجاہد ختم نبوت مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی بھی جیل میں اسیران احرار کے ہمراہ تھے۔

1972ء مرزا قادیانی کی بدکرداری بے نقاب کرنے کی پاداش میں سید عطاء المحسن شاہ بخاری مرحوم کو گرفتار کر لیا گیا پنجاب اسمبلی کے ارکان جناب خورشید انور، علامہ رحمت اللہ ارشد، جناب تابش الوری جناب حاجی سیف اللہ کے احتجاج پر انہیں رہا کر دیا گیا۔

1973ء تحفظ ختم نبوت کے جرم کی پادرست میں حضرت امیر شریعت کے چاروں صاحبزادوں اور ان کے رفقاء پر درجنوں مقدمات قائم کئے گئے لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔

29 اپریل 1973ء کو آزاد کشمیر اسمبلی نے سب سے پہلے مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو مجلس احرار اسلام نے پورے ملک سے حکومت آزاد کشمیر کو مبارکباد کے لاکھوں تار بھجوائے، مجلس احرار اسلام کا ایک وفد سید عطاء المحسن بخاری کی قیادت میں فوراً کشمیر پہنچا، وہاں مرزائی نواسیاست دانوں نے شور بپا کیا ہوا تھا۔ مجلس احرار اسلام آزاد کشمیر کے زیر اہتمام مظفر آباد اور دیگر شہروں میں جلسے کئے، ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ تقسیم کئے۔

۱۔ انگریز، کشمیر اور مرزائی ۲۔ کشمیر اور مرزائیت

یہ دونوں پمفلٹ وہاں بہت مقبول ہوئے، سڑکوں پر بینر آویزاں کئے، اشتہارات چسپاں کئے اور حکومت آزاد کشمیر کو اس کارنامی پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔

6 مئی 1973ء کو مجلس احرار اسلام نے قلعہ کہنہ قاسم باغ ملتان میں آزاد کشمیر اسمبلی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا۔ پنجاب پولیس نے بھٹو حکومت کی

ہدایت پرفوراً دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی، ہزاروں کی تعداد میں لوگ جلسہ گاہ پہنچ چکے تھے، پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ وحشت ناک تشدد اور بربریت کا مظاہرہ کیا احرار کارکن شدید مجروح ہوئے بعض کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ لاہور میں جلسہ کا اہتمام کیا گیا لیکن وہاں بھی پابندی عائد کر دی، مجلس احرار اسلام نے اپنے بھرپور وسائل کا استعمال کر کے جہاں ممکن ہوا جلسہ کیا اور بھٹو حکومت کو مجبور کیا کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کے فیصلے کی تقلید کرے جلسے جلوس، اشتہارات، پمفلٹ بینر، تمام وسائل استعمال کر کے تحریک ختم نبوت کی تجدید کی اور تحریک کے لئے فضا کو سازگار بنایا۔ اس دوران بھی احرار رہنماؤں پر درجنوں مقدمات قائم کئے گئے۔

29 مئی 1974ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر مرزائی غنڈوں نے نشتر کالج کے طلباء پر ختم نبوت کا نعرہ بلند کرنے کی پاداش میں حملہ کر دیا۔ خدام الاحمدیہ کے مسلح غنڈوں نے مسلمان طلباء کو شدید زخمی کیا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کا آغاز ہوا اور تحریک اپنے تیسرے مرحلہ میں داخل ہوئی حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ ان کی جانشین اولاد اور اُن کی جماعت مجلس احرار اسلام کی مسلسل محنت و کاوش، ایثار و قربانی اور طویل جدوجہد نے رنگ باندھا۔ مجلس احرار اسلام نے مجلس عمل کے شانہ بشانہ قائد احرار، جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ، اور محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی قیادت حق پرست میں تحریک ختم نبوت میں بھرپور اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ مولانا سید ابوذر بخاری مدظلہ، سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المؤمن بخاری، سید عطاء المہیمن بخاری، مولانا محمد اسحاق سلیمی، مولانا ارشاد احمد خاں اور تحریک طلباء اسلام کے سابق صدر محمد عباس نجمی۔ شاہد محمود شاہد کاشمیری، عبداللطیف خالد چیمہ سید محمد ارشد بخاری، حافظ محمد یوسف سیال، ملک خلیل اور دیگر احباء احرار اور کارکنان تحریک طلباء اسلام نے قربانیاں دیں، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ علاوہ ازیں احرار کی طرف سے مختلف پمفلٹ، اشتہارات اور بینر لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کئے گئے تحریک ختم نبوت کو زبردست فعال اور مضبوط بنایا۔

۱۔ فتنۂ مرزائیت ۲۔ مرزائی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

۳۔ اسلام اور مرزائیت ۴۔ علامہ اقبال، قادیانی اور مسلمان

مجلس احرار کے شعبہ تبلیغ تحریک تحفظ ختم نبوت کی طرف سے شائع ہونے والے ان پمفلٹوں

اور کتابوں نے عوام میں تحریک کی تڑپ اور جذبہ پیدا کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔احرار رہنماؤں نے مجلس عمل کے پلیٹ فارم پر سب جماعتوں کے ساتھ مل کر بھر پور کردار ادا کیا تمام کانفرنسوں اور میٹنگز میں شریک ہو کر بہتر سے بہتر تجاویز دیں۔اس تحریک میں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں پر پچاس مقدمات قائم کئے گئے۔سید عطاء المحسن بخاری گرفتار کر لئے گئے۔سید عطاء المھیمن بخاری بھی گرفتار کر لئے گئے۔سید عطاء المحسن بخاری نے گجرات جیل میں تین ماہ قید کاٹی۔ حافظ محمد اکبر پر تئیس مقدمات قائم کئے گئے مجلس احرار اسلام کو بے پناہ اقتصادی نقصان پہنچایا گیا۔چنیوٹ میں ہماری جماعت تحریک طلباء اسلام کے کارکن عبدالرشید ایک مرزائی کی گولی کا نشانہ بنے اور شہید ہو گئے۔ باالآخر یہ قربانیاں رنگ لائیں اور اُمت مسلمہ نے مطالبات منوانے کا فیصلہ کر لیا۔

7 ستمبر 1974ء کا دن دینی وملی غیرت کا دن ثابت ہوا۔عوامی مطالبہ کی طاقت وشدت اور ولولہ وعزم کے سامنے بھٹو حکومت اور بھٹو عہد کی قومی اسمبلی دونوں جھک گئے۔قومی اسمبلی نے آئینی ترمیم کر کے متفقہ طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔مرزائیوں کی سیاسی طاقت زوال آشنا ہوگئی مجلس احرار اسلام نے پورے پاکستان میں جشن مسرت منایا۔

اسی دوران محمد اسلم قریشی صاحب ملتان جیل میں رہا ہوئے تو مجلس احرار اسلام کے دفتر (ملتان) تشریف لائے، آپ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مجلس احرار کی قربانیوں سے بہت متاثر تھے۔اور اب اُن کے دل میں تبلیغی کام کرنے کا جذبہ شدت سے بیدار ہو گیا تھا۔قائد احرار مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ کے علاوہ دوسرے احرار زعما سے ملاقات کی۔آپ نے کئی ماہ تک ملتان میں قیام کیا۔ دفتر احرار میں بھی رہے۔مجلس احرار کے کارکنوں نے اُن سے مکمل تعاون کیا۔ملتان جیل میں جتنا عرصہ رہے جماعت کے کارکن اُن سے مسلسل ملتے رہے۔تحریک طلباء اسلام کے رہنما ملک ربنواز اُن دنوں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں سنٹرل جیل ملتان میں اُن کے ساتھ ہی اسیر تھے۔ چند ماہ بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور پھر تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔

2 جون 1975ء کو جوانان احرار کا قافلہ سخت جان تاریخ میں پہلی مرتبہ ربوہ میں داخل ہوا محلّہ چھنی میں ایک روزہ ختم نبوت کانفرنس منعقد کی۔ حضرت سید عطاء المحسن بخاری، مولانا ارشاد

احمد خان، سید عطاء المہیمن بخاری اور مولانا محمد اسحاق سلیمی نے خطاب کیا۔ رات دو بجے جلسہ ختم ہوا عقیدہ ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ چند مرزائی نوجوانوں نے سوالات کئے لیکن جواب پا کر خاموش ہو گئے۔

28 جولائی 1975ء کو ڈگری کالج ربوہ کی جنوبی دیوار کے متصل حدود ربوہ میں حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے دس ہزار روپے کے عوض دو کنال زمین خریدی۔ یہ احرار کی زبردست فتح تھی۔

24 فروری 1976ء کی ایک سرد ترین رات میں بونداباندی کے باوجود مسجد احرار کی مغربی دیوار کی بنیاد اٹھائی تین فٹ اونچی اور ایک سو فٹ لمبی دیوار راتوں سے تعمیر کی۔ یہ مجاہدانہ کردار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ، مشتاق احمد راجہ۔ مولانا ارشاد احمد خان اور مولانا محمد اسحاق سلیمی کے علاوہ دیگر متعدد ساتھیوں نے سرانجام دیا۔

27 فروری 1976ء کا مبارک جمعہ ''مسجد احرار'' کے سنگ بنیاد کے لئے مقرر کیا گیا۔ حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ کے جانشین قائد احرار مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ علی الصبح ساڑھے چار بجے ایک خفیہ راستہ سے ربوہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ اور ربوہ کی تاریخ میں مسلمانوں کی سب سے پہلی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ چونکہ پنجاب پولیس انگریز کی تکنیک میں تربیت حاصل کرتی ہے اس لئے احرار کو بھی انقلابی انداز اختیار کرنا پڑا۔ سات ضلعوں کی پولیس حرکت میں تھی۔ پولیس نے سرگودھا، پنڈی بھٹیاں، لالیاں اور چنیوٹ ہر طرف سے ناکہ بندی کر لی تھی۔ ربوہ اور چنیوٹ کے درمیان پل چناب پر بھی پولیس کی ایک سو نفری تعینات تھی۔ یہ ربوہ کی تاریخ کا پہلا دن تھا جب ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہر طرف سے ربوہ پر یلغار کئے ہوئے تھے احرار قافلے پہنچ رہے تھے۔ لیکن پولیس انہیں روک رہی تھی۔ بسیں، کاریں۔ ٹرک سب روک دیئے گئے تھے۔ جو لوگ صبح سات بجے تک پیدل چل کر نکل گئے وہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پچاس ہزار کے قریب مسلمان ربوہ کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ مسجد احرار تک پہنچنے والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ حضرت جانشین امیر شریعت مدظلہ نے اجتماع جمعہ سے خطاب کیا اور نماز جمعہ سے قبل ہی گرفتار کر لئے گئے۔ اُن کی گرفتاری کے دوران حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمتہ اللہ علیہ (ایم این اے) تشریف لے آئے اور ان کے خطاب کے دوران حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ دو احرار مجاہدوں کے ہمراہ پولیس کی ناکہ بندیاں توڑ کر اور خفیہ راستے سے پہنچ گئے سید عطاء

المہیمن بخاری پہلے ہی موجود تھے۔ حضرت قائد احرار، سید عطاء المحسن اور دیگر تمام ساتھی چار میل پیدل چل کر مختلف راستوں سے مسجد احرار تک پہنچے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی کی تقریر کے بعد سید عطاء المحسن بخاری نے خطاب کیا اور ربوہ کی تاریخ میں یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اور یہ پہلا جمعہ پڑھانے کی اولیں سعادت بھی ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری کے حصہ میں آئی جمعہ کے بعد آپ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

راہنماؤں کے لئے حکم زباں بندی تھا
جرم بے جرم کی پاداش میں تعزیریں تھیں

پولیس نے نماز جمعہ کے لئے آنے والے احرار کارکنوں پر زبردست تشدد کیا۔ انہیں اپنی تربیت کے مطابق ننگی گالیاں دیں۔ ہمارے نوجوان کارکنوں محمد عباس نجمی اور سید محمد ارشد بخاری ایڈووکیٹ کو تھپڑ مارے اور اس طرح دیگر کارکنوں کے ساتھ روایتی ظلم اور بدسلوکی کا مظاہرہ کیا گیا۔ حضرت سید عطاء المومن بخاری، جناب نذیر احمد چوہان اور دیگر کارکنان جماعت کو ربوہ جانے دے روکا گیا۔ لیکن راقم و دیگر کارکن مسجد احرار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس نے پریس فوٹو گرافر سے کیمرہ چھین کر فلم ضائع کر دی۔ ایک کارکن سے ٹیپ ریکارڈ چھین لیا۔ مسجد احرار کا سارا سامان، شامیانے اور کراکری وغیرہ اٹھا کر لے گئے۔ بعد میں کچھ سامان واپس کیا کچھ حسب فطرت اور حسب حکم ہضم کر گئی۔ شامیانوں کے رَسے واپس نہیں کئے۔ محافظوں نے چوروں کا کردار ادا کیا اور پھر چورای کہندے چور چور کے مصداق اپنی صفائیاں بھی دیتے رہے۔ پاکستان کے تمام قومی اخبارات نے اس اہم تاریخی واقعہ کو جلی سرخیوں سے شائع کیا جو لوگ مسجد تک نہ پہنچ سکے انہوں نے دریائے چناب کے ٹاپوؤں میں بیس سے زائد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی۔ اس موقع پر ہمارے ساتھ پولیس کا رویہ انتہائی گھناؤنا تھا۔

ملک کی تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے اس اہم واقعہ کی صدائے رستاخیز پنجاب اسمبلی میں بھی پہنچی۔ جناب تابش الوری، جناب حاجی محمد سیف اللہ اور علامہ رحمت اللہ ارشد مرحوم نے انتظامیہ کے غلیظ رویہ پر احتجاج کیا۔ مسٹر حنیف رامے جو اُن دنوں پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے آئیں بائیں شائیں ہو کر رہ گئے، ایک صوبائی وزیر سردار صغیر احمد نے مرزائیوں کو خوش کرنے کے لئے احرار کی مخالفت کی۔ حنیف رامے نے نہایت ڈھٹائی سے یہ اعتراف کیا کہ حکومت کے جبر و جور د

جفا کے باوجود شمع رسالت کے پروانے اپنی مثالی تدبیر وایثار سے ربوہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

8 ستمبر 1976ء کو ڈیرہ غازی خان میں اپنی نوعیت کا منفرد تاریخی مقدمہ دائر کیا گیا کہ مرزائی چونکہ پاکستان کے آئین کی رُو سے بھی کافر دیئے جا چکے ہیں اس لئے یہ شعائر اسلامیہ نہیں اپنا سکتے۔ فاضل سول جج سید سلطان احمد شاہ صاحب نے ۱۹ صفحات پر مشتمل ٹھوس فیصلہ لکھا اور حکم امتناعی جاری کر دیا۔ مرزائیوں نے ڈسٹرکٹ جج ڈی جی خان کے پاس اپیل کی جو خارج کر دی گئی۔

اس کیس میں حضرت سید عطاء الحسن بخاری مدظلہ، جناب سید امیر علی شاہصاحب اور ڈیرہ غازی خاں کی جماعت کے عہدیداروں اور کارکنوں نے زبردست جدوجہد کی۔

1976ء تا 1977ء ابن امیر شریعت سید عطاء المھیمن بخاری مدظلہ، نے ربوہ میں یکہ وتنہا قیام کیا نمازیں اور جمعہ پڑھایا۔ ربوہ میں احرار کی ابتدائی تعمیر خود اپنے ہاتھوں سے کی۔ اینٹیں خود اُٹھائیں، گارا اٹھایا۔ ربوہ کی مضافاتی بستیاں چھنی، کچھی، لالیاں اور ڈاور میں پیدل سفر کیا۔ دو برس مسلسل نہایت صبر آزما حالات میں ان تھک محنت کی ایک ایک مسلمان کے دروازے پر دستک دی اُنہیں دین کی دعوت دی اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرنے پر آمادہ کیا۔ اُن میں دینی غیرت وشعور بیدار کیا۔

1977ء تا 1978ء ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء الحسن بخاری نے دو سال مسلسل ربوہ میں جدوجہد کی اور چنیوٹ کے غیور وجسور احرار ساتھی آٹھ میل سے وہاں جمعہ پڑھنے آتے رہے۔ آہستہ آہستہ علاقے کے مسلمانوں کو بھی ہمت ہوئی اور وہ جامع مسجد احرار میں جوق در جوق آنا شروع ہو گئے اس سے پہلے مرزائی زمیندار اور وڈیرے ربوہ کے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور انہیں عقیدہ ختم نبوت کا اظہار بھی نہیں کرنے دیتے تھے۔ الحمد للہ احرار کی محنت ثمر آور ہوئی اور مسجد احرار آباد ہو گئی۔

1979ء مسجد احرار میں ایک خطیب اور مبلغ متعین کیا گیا جن کی کوششوں سے کئی مرزائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

1979ء میں ماہ ربیع الاول کے سلسلہ میں ایک وسیع پروگرام پر عمل کیا گیا لوگ میلاد النبی کے اس موقع پر میلے ٹھیلے کا رنگ جماتے ہیں۔ ہم نے اِس جلوس پر ختم نبوت کی غیرت کی چھاپ لگا

دی۔ جلوس نکالا جو جامع مسجد احرار سے مسجد بخاری تک لانگ مارچ کرتا ہوا اختتام پذیر ہوا۔ جنوب سے شمال تک ربوہ میں منکرین ختم نبوت کی نخوت وغرور اور اجارہ داری کو روند دیا گیا۔ اب یہ جلوس ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو باقاعدگی سے نکلتا ہے اور شمع ختم نبوت کے پروانے پوری جرأت و جذبہ کے ساتھ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ مسجد احرار، اقصیٰ چوک اور ایوان محمود کے سامنے تقریریں ہوتی ہیں۔ اور احرار رہنما ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام کے علاوہ دیگر موضوعات پر خطاب فرماتے ہیں۔

1980ء میں اللہ پاک کی توفیق سے مجلس احرار اسلام نے ربوہ کے شمال کی طرف سرگودھا روڈ نزد بس سٹاپ ربوہ پہاڑیوں کے دامن میں ایک اور مسجد سنبھالی جس کا نام ''مسجد بخاری'' رکھا گیا۔ یہاں پہاڑوں پر کام کرنے والے مسلمان مزدوروں کی ایک کثیر تعداد عام نمازوں اور جمعہ کی نماز میں شریک ہوتی ہے۔

1982ء میں مرزا طاہر نے چیچہ وطنی کے نواح میں آ کر کفر وارتداد پھیلانے کی کوشش کی تو مجلس احرار اسلام کے نوجوانوں اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں کی قیادت میں اہل چیچا وطنی نے مرزا طاہر کو ضلع ساہیوال میں داخل نہ ہونے دیا۔ اس عظیم مہم میں احرار کے نوجوان رہنما جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے قائدانہ کردار ادا کیا۔

17 فروری 1983ء کو تحریک تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو مرزائیوں نے اغوا کیا مجلس احرار اسلام اور اس کے شعبہ تبلیغ تحریک تحفظ ختم نبوت نے مولانا کی بازیابی کے لئے ملک بھر میں احتجاجی جلسے کئے اور مجلس عمل کے شانہ بشانہ بھرپور جدوجہد کی مجلس عمل کے مطالبات کو عوام کی آواز بنا دیا۔

26 اپریل 1984ء کو مجلس عمل تحریک تحفظ ختم نبوت کے مطالبات تسلیم ہوئے اور حکومت نے ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' نافذ کیا آرڈیننس کی دفعہ 298 - c کے تحت قادیانی اسلامی اصطلاحات کسی بھی صورت میں استعمال نہیں کر سکتے اس آرڈیننس کے نفاذ کے سلسلہ میں سابق وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات راجہ محمد ظفر الحق نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس موقع پر مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت نے پورے ملک میں یوم تشکر منایا۔ ربوہ میں مسلمانوں کے سب سے پہلے مرکز مسجد احرار، جامعہ ختم نبوت میں جلسہ تشکر منعقد کیا گیا۔ مجلس عمل کے رہنماؤں نے اس جلسہ سے خطاب کیا۔ مرزائیوں کو اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا بھائی بننے کی دعوت دی۔

1984ء میں مجلس احرار اسلام نے سیشن جج مسٹر احسان بھلی کی عدالت میں قادیانیوں کی تفسیر اور دیگر لٹریچر کی ضبطی کے لئے رٹ دائر کی۔ سیشن جج نے اپنے فیصلہ میں اس لٹریچر کے ضبط کرنے کے لئے قانون بنانے کی سفارش کی۔

16 اگست **1984**ء کو وفاقی شرعی عدالت نے ایک تاریخی فیصلہ دیا ''مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹا دھوکے باز کے ایمان اور کافر تھا اس مقدمہ کی سماعت میں مجلس احرار اسلام کے کارکن باقاعدہ عدالت جاتے رہے اور مجلس عمل سے بھرپور تعاون کیا۔

26 اکتوبر **1974**ء کو مجلس احرار اسلام ضلع ساہیوال کے صدر اور جامعہ رشیدیہ کے مدرس حضرت قاری بشیر احمد حبیب اور مجلس احرار اسلام کے معاون پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ ساہیوال کے طالب علم جناب اظہر رفیق کو مرزائی غنڈوں نے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔

مسلسل احتجاج کے بعد گیارہ میں سے نو ملزموں پر سمری ملٹری کورٹ میں مقدمہ چلا۔ دو ملزم فرار ہو گئے۔ ملتان میں کیس کی سماعت کے دوران مجلس احرار اسلام نے اپنی سابقہ روایات کے مطابق جامعہ رشیدیہ اور مجلس عمل تحفظ ختم نبوت سے بھرپور مالی تعاون کیا۔ تمام انتظامات اپنے ذمہ لئے اور کیس پر جماعت نے تقریباً ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا۔ جماعت کے مرکزی رہنما، ابنائے امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری، سید عطاء المومن بخاری، حضرت پیر جی سید عطاء المھیمن بخاری، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، سید راقم محمد کفیل بخاری، مولانا محمد اسحاق سلیمی وغیرہ کیس کی سماعت کے دوران عدالت میں ہمہ وقت موجود رہے مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے ارکان بھاری تعداد میں ہر پیشی پر پہنچتے رہے۔

''واضح رہے کہ مجلس احرار اسلام ضلع ساہیوال کے روح رواں جناب عبداللطیف خالد چیمہ اس کیس کے مدعی ہیں۔''

1984ء میں مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ کو مؤثر بنانے کے سلسلہ میں مسلمانوں کے مطالبات پر مشتمل ایک اشتہار کثیر تعداد میں شائع کیا اور اُسے عوام و حکام تک پہنچایا جس کا عنوان تھا۔

''حکومت امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نفاذ میں تضاد کو ختم کرے''

حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ۔

۱۔ قادیانیوں کے تمام اخبارات ورسائل ضبط کئے جائیں۔
۲۔ ضیاءالاسلام پریس ربوہ سیل کیا جائے۔
۳۔ قادیانیوں کے سالانہ جاسوسی کے اجتماع سمیت تمام اجتماعات پر پابندی عائد کی جائے۔
۴۔ مولانا محمد اسلم قریشی کو جلد بازیاب کیا جائے۔ اور حضرت قاری بشیر احمد حبیب شہید اور اظہر رفیق شہید کیس کے مرزائی غنڈوں پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔

1984ء میں ساہیوال کے نواح میں مرزائیوں نے ہمارے ایک مسلمان بھائی چودھری نعمت علی کو شہید کر دیا۔ مجلس احرار اسلام نے بھرپور احتجاج کیا اور کیس کے سلسلہ میں چودھری نعمت علی شہید کے فرزند چودھری اصغر علی سے بھرپور تعاون کیا۔ لیکن مظلوم اصغر علی آج بھی انصاف کا مطالب ہے۔ مجرم دندنا رہے ہیں۔ وہ کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کرے۔

1984ء میں مجلس احرار اور تحریک ختم نبوت نے زبردست کام کیا، مولانا اسلم قریشی کیس میں مرزا طاہر کو شامل تفتیش کرنے کا بھرپور مطالبہ کیا مرزا طاہر کی نیندیں حرام ہوگئیں۔ بالآخر قادیانی سربراہ مرزا طاہر احمد ملک چھوڑ کر لندن بھاگ گیا۔

1984ء میں چنیوٹ بار ایسوسی ایشن میں ہمارے نوجوان ملک رہنواز ایڈوکیٹ کی مساعی سے اور احمد پور شرقیہ بار ایسوسی ایشن میں سید محمد ارشد بخاری ایڈوکیٹ اور حافظ محمد یوسف سیال ایڈوکیٹ کی کوششوں سے مرزائی وکلاء کی رکنیت منسوخ ہوئی۔

1985ء میں ربوہ میں مجلس احرار اسلام نے مرزائیوں کے مختلف جرائد ورسائل کے خلاف مقدمات درج کرائے۔ ماہنامہ انصار اللہ کی انتظامیہ کے خلاف آرڈیننس کی خلاف ورزی کے الزام میں مقدمہ درج ہوا۔ الفضل، خالد، مصباح اور تحریک جدید کے مختلف پرچے ضبط کرائے۔

عالمی مجلس احرار اسلام کے رہنما ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری اور جناب عبداللطیف خالد چیمہ، مرزائیت کے محاسبہ وطلب کے سلسلہ میں عالمی مجلس احرار اسلام برطانیہ کے رہنماؤں شیخ عبدالغنی صاحب اور شیخ الواحد صاحب کی دعوت پر برطانیہ روانہ ہوئے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے توقع سے کہیں زیادہ کامیابی عطا فرمائی۔ ان رہنماؤں نے ایک ماہ وہاں قیام کیا مختلف شہروں کی مساجد اور کمیونٹی سنٹرز میں مجموعی طور پر ۱۹ اجتماع منعقد کئے۔ عقیدہ ختم نبوت، حیات مسیح علیہ السلام اور مرزائیت کے موضوعات پر خطاب کیا۔ برطانیہ میں عالمی مجلس احرار اسلام اور شعبہ

تبلیغ تحریک تحفظ ختم نبوت کا باقاعدہ قیام عمل میں لایا گیا مختلف شہروں میں لوگوں کو جماعت میں شمولیت کی دعوت دی گئی، بہت سے پڑھے لکھے احباب جماعت میں شامل ہوئے دونوں رہنما برطانیہ سے سعودی عرب روانہ ہوئے جہاں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد واپس وطن لوٹے۔ برطانیہ کے احباب جماعت خوب کام کر رہے ہیں جناب شیخ عبدالغنی صاحب، جناب شیخ عبدالواحد صاحب اور دیگر احباب جماعت نے فیصلہ کیا کہ ہر سال برطانیہ میں سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد کی جائے گی، اور مختلف شہروں میں دینی اجتماع منعقد ہوں گے جس میں زعماء احرار شریک ہوں گے۔

27 جنوری 1986ء کو لاہور میں مولانا خان محمد مدظلہ، کی صدارت میں آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں طے پایا کہ 17 فروری کو قومی اسمبلی کے سامنے ایک ہزار علماء مظاہرہ کریں گے اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ ۱۰ فروری کو سیالکوٹ اور ۱۴ فروری کو ساہیوال میں احتجاجی جلسے ہوں گے ۱۶ فروری کو اسلام آباد میں مجلس عمل کا اجلاس ہوگا۔

13 فروری 1986ء کو خصوصی فوجی عدالت نے ساہیوال کیس کا فیصلہ سنا دیا دو ملزموں کو سزائے موت دس دس ہزار روپے جرمانہ اور دیگر چار ملزموں کو پچیس پچیس سال قید اور پانچ پانچ ہزار جرمانہ کی سزا سنائی۔ تین ملزم بری کر دیئے گئے۔ دو ملزم فیصلہ سے پہلے ہی بیرون ملک فرار ہو گئے تھے۔

فروری 1986ء میں ڈیرہ غازی خان کے علاقے شیر گڑھ میں ایک مرزائی امیر خان قیصرانی کو مسجد سے ملحقہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا تو اس پر ملک بھر میں احتجاج کیا گیا اس احتجاج میں مجلس احرار اسلام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

15 فروری 1986ء کو مجلس عمل کے ارکان نے وزیر اعظم جونیجو سے ملاقات کی۔ حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ کے حکم پر حضرت سید عطا المومن شاہ بخاری نے مجلس عمل کے مطالبات وزیر اعظم کے سامنے شرح و بسط کے ساتھ پیش کئے۔ آپ بعد ازاں حکومت کی قائم کردہ ایک کمیٹی کے ممبر بھی نامزد کئے گئے۔

22 فروری 1986ء کو مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے قادیانیوں کو یوم مصلح موعود منانے کی اجازت دینے پر دوسری جماعتوں کے شانہ بشانہ احتجاج میں حصہ لیا اور ان اجتماعات پر پابندی عائد کرائی۔

یکم مارچ 1986ء کو عالمی مجلس احرار اسلام برطانیہ کے صدر شیخ عبدالغنی صاحب نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ برطانیہ میں احرار کارکنوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور عنقریب برطانیہ کے مختلف شہروں میں جماعت کے سب آفس قائم کئے جائیں گے۔ ایک سنٹرل انٹرنیشنل آفس لندن میں قائم کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا تحریک ختم نبوت برطانیہ میں ایک فعال دینی تحریک ہے جو مرزائیوں کے ملک اور دشمن عزائم خاک میں ملا دے گی۔ اُنہوں نے کہا کہ پاکستان سے جماعت کا ایک ہر سال برطانیہ کا دورہ کریگا ختم نبوت اور سیرت کانفرنسیں منعقد ہوں گی جس سے مرزائیوں کے خلاف دینی جدو جہد مزید مضبوط اور فعال ہوگی۔

یکم مارچ ۱۹۸۶ء کو ملتان میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے راہنما مولانا سید عطاء المحسن بخاری نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ شیر گڑھ میں مسلمانوں کے قبرستان سے مرزائی لاش نکالنے کی تحریک میں مولانا عبدالستار تونسوی پر پولیس تشدد کی مذمت کی انہوں نے کہا کہ اس قسم کے روایتی پولیس تشدد سے نہ تو ہمیں منزل سے دور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہماری تحریک اور جدو جہد کو ختم کیا جاسکتا ہے ایک عالم دین پر لاٹھیاں برسا کر پولیس نے اپنی عزت میں اضافہ نہیں کیا۔

اِس پریس کانفرنس میں وفاقی اور صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ڈیرہ غازی خان کے علاقے کوٹ قیصرانی (شیر گڑھ) کی مسجد کے احاطہ میں مرزائی کی دفن شدہ لاش کو ایک ہفتہ کے اندر کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔

۳ مارچ ۱۹۸۶ء کو چوک گھنٹہ گھر ملتان میں مجلس عمل کے زیر اہتمام ڈیرہ غازی خان میں علماء اور مسلمان عوام پر روایتی پولیس تشدد کے خلاف ایک احتجاجی جلسہ عام مولانا فیض احمد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں تحریک ختم نبوت کے راہنماؤں ابن امیر شریعت مولانا سید عطا المحسن بخاری، ابن امیر شریعت سید عطاء المومن بخاری، علامہ خالد محمود، مولانا عبدالستار تونسوی، مولانا محمد عبداللہ (اسلام آباد) اور مولانا حق نواز جھنگوی نے خطاب کیا اس جلسہ میں حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری نے اعلان کیا کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر شیر گڑھ مسجد سے مرزائی کی لاش نکال دی جائے ورنہ ہم خود نکال دیں گے۔ ڈیرہ غازیخاں میں علماء پر تشدد کے ذمہ دار پولیس افسروں کو معطل کیا جائے اور ہائی کورٹ کے جج سے تحقیقات کرائی جائے۔ امتناع قادیانیت آرڈیننس پر مؤثر عمل کرایا جائے۔

15 ستمبر 1987ء کو عالمی مجلس احرار اسلام برطانیہ کے صدر جناب شیخ عبدالغنی صاحب کی دعوت پر جماعت کے مرکزی رہنما ابن امیر شریعت عطاء المحسن بخاری مدظلہ، مرکزی سیکرٹری اطلاعات جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور شعبہ تصنیف و تالیف کے رُکن جناب سید محمد معاویہ بخاری برطانیہ روانہ ہوگئے۔ جہاں اُنہوں نے احرار اسلامک مشن یو کے اور تحریک تحفظ ختم نبوت یو کے، کے زیر اہتمام مختلف شہروں میں بڑے اِجتماعات سے خطاب کیا۔ اور عام اسلام کے خلاف مرزائی سازشوں کو۔ بےنقاب کیا۔ آپ نے ۱۶ ستمبر کو ا ملا مک سنٹر لندن ۱۸ ستمبر کو شیفیلڈ میں اجتماع جمعہ اور ۲۰ ستمبر کو ویمبلے ھال لندن میں انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس کے علاوہ پورے برطانیہ میں جماعت کے کام کو پھیلایا اور ساتھیوں کو منظم کیا۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو عالمی مجلس احرار اسلام کے رہنما جناب سید محمد ارشد بخاری ایڈووکیٹ کی کوششوں سے احمد پور شرقیہ کے مرزائی وکیل مشتاق ارشد کو مرزائیت کی تبلیغ کے جرم میں اسٹنٹ کمشنر محمود الحسن ضیاء نے تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ یاد رہے کہ اپریل ۱۹۸۳ء میں جناب سید محمد ارشد بخاری نے مذکورہ مرزائی پر یہ مقدمہ درج کرایا تھا اور پھر بار کی رکنیت بھی منسوخ کرادی تھی۔

تنبیہ:

مجلس احرار اسلام کے اس تاریخ وار جائزہ میں زمانی فاصلہ دکھائی دیتا ہے اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ ان درمیانی ادوار میں مجلس احرار اسلام محاسبہ قادیانیت سے کوتاہ دست رہی ہے۔ مجلس احرار اور محاسبہ قادیانیت میں کوتاہی ع این خیال است ومحال است وجنوں۔

ان درمیانی ادوار کی تاریخ نہ لکھنے کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ مورخ نے ان تفصیلات کا احاطہ کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ ورنہ مجلس احرار اسلام کے قائدین اور کارکن کبھی نرم کبھی گرم انداز میں ہمیشہ احتساب قادیانیت کرتے رہے ہیں۔ محاسبہ قادیانیت ان حضرات کے خمیر میں گوندھا ہوا ہے۔

موجودہ صورتحال:

مجلس احرار اسلام اس وقت خوب پھل پھول رہی ہے، تیس سے زائد مراکز ملک بھر میں قائم ہیں جو کہ ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المھیمن شاہ صاحب بخاری مدظلہ اور نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری مدظلہ کی زیرنگرانی کام کر رہے ہیں۔ محترم عبداللطیف خالد چیمہ پروفیسر خالد بشیر احمد ڈاکٹر عمر فاروق، میاں محمد اویس، ڈاکٹر محمد شاہد کشمیری وغیرہ حضرات جماعت کے ذمہ دار اور مرکزی رہنما ہیں۔

اس وقت مجلس احرار کے دو ترجمان رسالے نکل رہے ہیں۔

۱۔ ماہنامہ الاحرار۔ اس کے بانی ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری موحوم ہیں اب ان کے بیٹے محترم سید محمد معاویہ شاہ صاحب بخاری بڑی آب وتاب سے شائع کر رہے ہیں۔

۲۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان۔ اس کے بانی محسن احرار حضرت مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری مرحوم ہیں۔ اس وقت ادارت سید محمد کفیل شاہ بخاری مدظلہ کے سپرد ہے۔ رسالہ دینی وادبی وتاریخی ذوق کی مکمل آبیاری کرتا ہے۔ ردقادیانیت کے موضوع پر اہم مضامین تسلسل سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مجلس احرار نے ویب سائٹس بھی قائم کی ہیں۔ جن پر ماہنامہ رسالے اور دیگر لٹریچر پڑھا جاسکتا ہے ایڈریس درج ذیل ہیں۔

1. Majlisahrar @ Hotmail. com
2. Majlisahrar @ Yahoo. com

مجلس احرار کا محاسبہ قادیانیت

ایک امتیازی پہلو

ازقلم مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

''احرار'' کے نزدیک قادیانی، ناموس رسالت کے قزاق اور انگریز کے وفادار پالتو تھے، قادیانی نبوت، سراسر مکاری وعیاری اور دجل وتلبیس کا دام فریب تھا۔ قادیانیوں کی حکومت کے لیے جاسوسی اور خوشامد، اسلام اور مسلمانوں سے غداری کے مترادف تھی، اس لئے احرار کے کسی

گوشہ دل میں مرزائیت اور مرزائیوں کی عزت واحترام کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی، وہ قادیانیت کو کسی سنجیدہ بحث وتجزیہ کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، ان کے خیال میں مرزائیت، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے ایک مذاق کی حیثیت رکھتی تھی اور مرزائی جماعت ایک مسخروں کا ٹولہ تھا۔ اس لئے احرار نے علمی بحثوں سے کٹ کر مسلمانوں کو قادیانیوں سے نفرت دلانے پر توجہ کی اور اسے اپنے مذہبی فرائض میں شامل کرلیا۔

احرار کی تکفیری مہم کے کئی پہلو تھے، ان میں سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کے حواریوں کے اخلاق وکردار کو ان کی کتابوں سے پیش کیا جاتا اور مسلمانوں کو توجہ دلائی جاتی کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو، کیا وہ نبی، مسیح موعود یا مذہبی پیشوا ہو سکتے ہیں؟ احرار جگہ جگہ جلسے کرتے اور مرزائی لٹریچر سے وہ مواد پیش کرتے تھے جس سے مرزائیت ایک اضحوکہ بن کر رہ جائے، مرزائیوں کو شکایت ہوتی کہ ''احرار'' ان کے ''مسیح موعود'' کو گالیاں نکالتے ہیں، ان کے خلیفہ صاحب کی بے ادبی کرتے ہیں، لیکن یہ شکایت بے جا تھی، احرار کا جرم اگر تھا تو یہ تھا کہ وہ مرزائی لٹریچر کے آئینے میں مرزائیت کا بھیانک چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے تھے، مثلاً سیرۃ المہدی میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد قادیانی نے بہت سے واقعات درج ہیں کہ مرزا غلام احمد نامحرم عورتوں سے ربط رکھتے تھے، نامحرم جوان لڑکیاں شب تنہائی میں ان کی ''خدمت'' کیا کرتی تھیں، ان کے کمرہ خاص میں ان کے سامنے غیر عورتیں بلا تکلف برہنہ غسل فرمایا کرتی تھیں اور اس قسم کے بے شمار واقعات احرار بیان کرتے تو لوگ سن کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے اور مرزائیوں کی طرف سے واویلا کیا جاتا کہ احرار ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔

حاصل یہ کہ احرار نے مرزائیوں کے خلاف اس قدر نفرت پھیلائی کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ الیلے قصے گلی گلی پہنچ گئے، اور مرزائی کا لفظ خود مرزائیوں کے نزدیک بھی واقعۃً گالی بن کر رہ گیا قادیانیوں سے یہ عمومی نفرت نہ سنجیدہ مقالات سے پیدا ہوسکتی تھی، نہ عالمانہ بحثوں سے، نہ دارالافتاء کے فتوؤں سے۔

احرار کے تکفیری کارنامہ کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ مرزائیوں کی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی کو اس انداز سے بیان کرتے کہ انگریز اور قادیانی بیک وقت دونوں تلملا اٹھتے، مرزائیوں کی تاریخ کا سب سے بدترین باب یہ ہے کہ اس نے ایک طرف تمام عالم اسلام کو کافر گردانا، اور دوسری طرف

ہر ایسے موقع پر جہاں اسلام اور انگریز کے مفاد کے درمیان ٹکراؤ ہوا، وہاں اسلام کے بجائے کافرافرنگ سے وفاداری کا مظاہر کیا۔

ترکی خلافت کو تاخت وتاراج کیا جارہا تھا، پورا عالم اسلام خون کے آنسو رو رہا تھا، لیکن مرزائی ٹولہ بڑی ڈھٹائی سے انگریز کی مدح وستائش اور مسلمانوں کی مذمت میں مشغول تھا۔ جسٹس منیر نے اپنی مرزائیت نوازی کے باوجود یہ تسلیم کیا ہے۔

''غیر احمدیوں کو تحریک احمدیہ کے بانی اور اس کے لیڈروں کے خلاف جو بڑی بڑی شکایات تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ انگریزوں کے ''ذلیل خوشامدی'' ہیں۔''

''جب انہوں نے (مرزاغلام احمد) عقیدہ جہاد کی تاویل میں ''مہربان انگریزی گورنمنٹ'' اور اس کی مذہبی رواداری کی تعریف نہایت خوشامدانہ لہجے میں کرنی شروع کی تو اس تاویل پر چند در چند شبہات پیدا ہونے لگے، پھر جب مرزا صاحب نے ممالک اسلامی کی عدم رواداری اور انگریزوں کی فراخ دلانہ مذہبی پالیسی کا موازنہ ومقابلہ توہین آمیز انداز میں کیا تو مسلمانوں کا غیض وغضب اور بھی زیادہ مشتعل ہوگیا۔ احمدی جانتے تھے کہ ان کے عقائد، دوسرے مسلم ممالک میں اشاعت ارتداد پر محمول کئے جائیں گے اور ان کا یہ خیال اس وقت اور بھی پختہ ہوگیا جب افغانستان میں عبداللطیف (احمدی) کو سنگسار کیا گیا، جب پہلی جنگ عظیم میں (جس میں ترکوں کو شکست ہوگئی تھی) بغداد پر ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور قادیان میں اس ''فتح'' پر جشن مسرت منایا گیا تو مسلمانوں میں برہمی پیدا ہوئی اور احمدی انگریزوں کے پٹھو سمجھے جانے لگے۔''

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۲۰۸)

احرار جنگ آزادی کے مجاہد تھے وہ اپنے دین ومذہب اور قوم ووطن کی آزادی کے لئے انگریزی حکومت کی آہنی دیوار سے ٹکرا رہے تھے۔ اس لئے مرزائیت سے نفرت کرنا اور نفرت دلانا احرار کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھا، احرار کا کوئی جلسہ اور ان کی کوئی تقریر اس سے خالی نہیں رہ سکتی تھی۔ احرار نے انگریز کی خوشامد پر اس شدت سے نفرت وبیزاری کا اظہار کیا کہ خود قادیانیوں کو اپنی روش سے نفرت ہونے لگی۔ کسی زمانہ میں وہ بڑے فخر سے انگریز پرستی کو اپنا زریں کارنامہ قرار دیتے تھے۔ مرزاغلام احمد قادیانی انگریز کی خوشامد اور وفاداری کو اپنا خاندانی پیشہ ظاہر کیا کرتا تھا، لیکن احرار کی یلغار کے بعد انہیں انگریز پرست کا لفظ گالی نظر آنے لگا۔ مرزائیوں کے

بس میں ہوتا تو مرزا غلام احمد کی وہ تمام کتابیں دفن کر دیتے جن میں انگریز کی گھٹیا خوشامد درج ہے اور جن میں ملکہ برطانیہ کو ''خدا کا نور'' قرار دیا گیا ہے۔

اقلیت قرار دینے کا مطالبہ:

قادیانی اپنے عقائد ونظریات کے لحاظ سے کسی بھی مسلمانوں کی صف میں شمار نہیں کئے گئے۔ لیکن انگریزی سیاست انہیں مسلمانوں میں شامل رکھنے پر بضد تھی۔ مسلمانوں کی جانب سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے علامہ اقبال مرحوم نے اٹھایا۔ اس کے بعد احرار نے اس کو مستقل مشن بنالیا۔ مرزا غلام احمد اور مرزائی جماعت کی کفریات کو پیش کر کے انہیں مسلمانوں سے جداگانہ اقلیت قرار دینے کا مطالبہ تقریباً ہر بڑے جلسے میں کیا جاتا۔ اگر چہ تقسیم سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد بھی (۱۹۷۴ء تک) ارباب اقتدار نے احرار کے اس مطالبہ کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن اس مطالبہ کو بار بار دہرانے کا یہ فائدہ ہوا کہ مسلمانوں کے ذہن میں یہ مطالبہ راسخ ہوتا چلا گیا اور عملی طور پر عام مسلمانوں نے قادیانیوں کو کبھی اپنی صف میں جگہ نہیں دی۔

مرزائیوں کے خلاف احرار کی مہم کا ایک پہلو یہ تھا کہ الیکشن میں کسی مرزائی کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ مرزائی مسلمانوں کی سیٹ پر مسلمانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے کھڑے ہوتے اور ارباب اقتدار کے ساتھ اپنے غیر معمولی اثر ورسوخ اور زر ودولت کے بل بوتے پر کامیاب ہونے کی کوشش کرتے۔ لیکن احرار کو جہاں پتہ چل جاتا کہ فلاں سیٹ پر مرزائی امیدوار مسلمانوں کے ووٹ سے آگے جانے کی تیاری کر رہا ہے، یہ فوراً وہاں پہنچ جاتے اور پوری قوت سے مرزائیوں کی مزاحمت کرتے۔ اکثر وبیشتر مرزائیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس محاذ پر صرف ''احرار'' نے کام کیا میں اس عنوان کو مسٹر جسٹس منیر کے ایک اقتباس پر ختم کرتا ہوں، موصوف لکھتے ہیں:

''احرار کی بڑی بڑی سرگرمیوں میں ایک یہ تھی کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں احمدیوں کی مخالفت کرتے رہتے تھے۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ احرار کی پیدائش ہی احمدیوں کی نفرت سے ہوئی ہے۔ ابھی مجلس احرار کی تاسیس پر دو ہی سال گزرے تھے کہ انہوں نے ایک قرارداد منظور کی جس کا منشا

تھا کہ کوئی قادیانی کسی مجلس عاملہ کا ممبر منتخب نہ کیا جائے۔ قادیان تقسیم سے پہلے تقریباً خالص احمدی قصبہ تھا۔ ۱۹۳۴ء میں احرار نے قادیان میں ایک کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا، لیکن جب اس جلسے کو ممنوع قرار دیا گیا تو انہوں نے اسی سال ۲۱ اکتوبر کو قادیان سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں رجادہ کے دیانند اینگلوویدک ہائی اسکول کے گراؤنڈ میں کانفرنس منعقد کر لی جس میں حاضرین کی تعداد ہزاروں تک تھی۔ اس کانفرنس میں احرار کے مقبول عام خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے احمدیوں کے خلاف پانچ گھنٹے کی ایک نفرت آمیز تقریر کی جس میں انہوں نے ایسی باتیں کہیں جن سے صرف یہ مقصود تھا کہ سننے والوں کے دلوں میں احمدیوں کیخلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں امن وامان کے دعاوی کے ساتھ نہایت پست قسم کی دشنام طرازی اور مسخرگی سے کام لیا۔ (جسٹس صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، قادیانی کتابوں کے حوالوں کو وہ ''پست قسم کی دشنام طرازی اور مسخرگی'' سے تعبیر فرما رہے ہیں جو شخص ناموس رسالت کے ساتھ مسخرہ پن کا مظاہرہ کرے وہ مسلمانوں کے نزدیک تو اسی کا مستحق ہے۔ ناقل) اس تقریر کی بنا پر بخاریؒ کے خلاف مقدمہ چلایا گیا جس کی سماعت کے دوران اتنی سنسنی پیدا ہوئی اور احمدیوں کے خلاف جذبات برانگیختہ ہوئے کہ خود تقریر سے بھی نہ ہوئے ہوں گے۔ (گویا شاعر کی زبان میں:

نہ تم صدمے ہمیں دیتے، نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

اس میں غریب بخاریؒ کا یا احرار کا کیا قصور تھا؟ ناقل) اس مقدمے میں بخاریؒ کو سزا دی گئی، وہ دن اور یہ رات، ہر قابل ذکر احراری مقرر، احمدیوں، ان کے راہ نماؤں اور ان کے عقیدوں کے خلاف ہر قسم کی باتیں کہتا رہا ہے۔''

(تحقیقاتی رپورٹ ص:۱۱)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
مختلف تعارفی کتابچوں سے انتخاب

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت خالصتاً ایک مذہبی و تبلیغی تنظیم ہے جس کا مقصد مشن اور نصب العین رحمت للعٰلمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف خاص ''ختم نبوت'' کا تحفظ اور منکرین نبوت خصوصاً فتنہ قادیانیت کا پوری دنیا میں تعاقب کرنا ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی بنیاد امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۳ دسمبر ۱۹۵۴ء کو رکھی اور متفقہ طور پر آپ اس کے تادم زیست امیر رہے ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو آپ کا سانحہ وفات پیش آیا۔ اس لحاظ سے آپ کے انتقال اور نئے امیر کے انتخاب تک پونے دو سال تک مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ قائم مقام امیر رہے بعد ازاں خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ امیر منتخب ہوئے آپ ۹ مارچ ۱۹۶۳ء تک ۳ سال ۸ ماہ ۲۷ دن اس منصب پر فائز رہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمتہ اللہ علیہ جماعت کے سربراہ قرار پائے۔ آپ ۲۳ نومبر ۱۹۶۶ء تک ۴ سال ماہ ۲۹ دن جماعت کے سربراہ رہے۔

آپ کے بعد ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر رحمتہ اللہ علیہ نے امارت کا منصب سنبھالا اور ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء تک جماعت کی قیادت و سیادت کا فریضہ انجام دیا۔ جولائی ۱۹۷۳ء سے اپریل ۱۹۷۴ء تک فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحب جماعت کے قائم مقام امیر رہے بعد ازاں اپریل ۱۹۷۳ء سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء تک شیخ الاسلام حضرت

علامہ مولانا محمد یوسف نبوری رحمتہ اللہ علیہ جماعت کے امیر و قائد رہے۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد اب خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم کی قیادت و سیادت میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا کارواں تحفظ عقیدۂ ختم نبوت کے لیے رواں دواں ہے اور اس محاذ پر بھرپور خدمات انجام دے رہا ہے۔

یہ اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ جماعت کے یوم تاسیس سے لے کر اب تک اس کی قیادت اپنے دور کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں میں رہی،

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

ہندوستان تقسیم ہوا۔ خداداد مملکت پاکستان معرض وجود میں آئی۔ بدنصیبی سے اسلامی مملکت پاکستان کا وزیر خارجہ چودھری سر ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا گیا۔ اس نے مرزائیت کے جنازہ کو اپنی وزارت کے کندھوں پر لاد کر اندرون و بیرون ملک اسے متعارف کرانے کی کوشش تیز سے تیز تر کر دی ان حالات میں حضرت امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ میر کاروانِ احرار کی رگ حمیت اور حسینی خون نے جوش مارا۔ پوری اُمت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ، مجاہد اسلام مولانا غلام غوث ہزارویؒ آپ کا پیغام لے کر ملک عزیز کی نامور دینی شخصیت اور ممتاز عالم دین مولانا اُبوالحسنات محمد احمد قادریؒ کے دروازے پر گئے اور اس تحریک کی قیادت کا فریضہ انہوں نے ادا کیا۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا خواجہ قمر الدین سیالویؒ، مولانا پیر غلام محی الدین گولڑویؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، علامہ احمد سعید کاظمی، مولانا پیر سرسینہ شریفؒ، ماسٹر تاج دین انصاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، مولانا صاحبزادہ سیّد فیض الحسنؒ مولانا صاحبزادہ افتخار الحسن، مولانا اختر علی خان غرضیکہ کراچی سے لے کر ڈھاکہ تک کے تمام مسلمانوں نے اپنی مشترکہ آئینی جدوجہد کا آغاز کیا۔ بلاشبہ برصغیر کی یہ عظیم ترین تحریک تھی۔ جس میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ایک لاکھ مسلمانوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دس لاکھ مسلمان اس تحریک سے متاثر ہوئے ہر چند کہ اس تحریک کو مرزائی اور مرزائی نواز اوباشوں نے سنگینوں کی سختی سے دبانے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے اپنے ایمانی جذبہ سے ختم نبوۃ کے اس معرکہ کو اس طرح سر کیا کہ مرزائیت کا کفر کھل کر پوری دُنیا کے سامنے

آ گیا۔تحریک کے ضمن مین انکوائری کمیشن نے رپورٹ مرتب کرنا شروع کی۔عدالتی کارروائی میں حصہ لینے کی غرض سے علماؤ وکلاء کی تیاری مرزائیت کی کتب کے اصل حوالہ جات کومرتب کرنا اتنا بڑا کٹھن مرحلہ تھا اور اُدھر حکومت نے اتنا خوف و ہراس پھیال رکھا تھا کہ تحریک کے رہنماؤں کو لاہور میں کوئی آدی رہائش تک دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ جناب حکیم عبدالحمید احمد سیفی نقشبندی مجددیؒ۔خلیفہ مجاز خانقاہ سراجیہ نے اپنی عمارت ۷ بیڈن روڈ لاہور کوتحریک کے رہنماؤں کے لیے وقف کردیا۔تمام تر مصلحتوں سے بالائے طاق ہوکر ختم نبوۃ کے عظیم مقصد کے لیےان کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمد حیاتؒ،مولانا عبدالرحیم اشعراور رہائی کے بعد مولانا محمد علی جالندھریؒ،مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور دوسرے راہنماؤں نے آپ کے مکان پر انکوائری کے دوران قیام کیااور مکمل تیاری کی۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوۃ کے بعد مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اوران کے گرامی قدر رفقاء مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی محمد شریف جالندھریؒ،وَ مولانا محمد علی جالندھریؒ،مولانا محمد حیات فاتح قادیانؒ،مولانا تاج محمودؒ،مولانا محمد شریف جالندھریؒ،مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ،مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ،سائیں محمد حیاتؒ اور مرزا غلام نبی جانباز کا یہ ایک عظیم کارنامہ تھا کہ انہوں نے الیکشنی سیاست سے کنارہ کش ہوکر خالصۃً دینی و مذہبی بنیاد پر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی بنیاد رکھی اس سے قبل مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ،چودھری افضل حقؒ اور خود حضرت امیر شریعت اوران کے گرامی قدر رفقاء نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کو جو چرکے لگائے وہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔قادیان میں کانفرنس کرکے چور کا اس کے گھر تک تعاقب کیا۔ نیز مولانا ظفر علی خانؒ اور علامہ محمد اقبالؒ نے تحریر وتقریر کے ذریعہ ردّ مرزائیت میں غیرفانی کردار ادا کیا۔مجلس احرار اسلام کی کامیاب گرفت سے مرزائیت بوکھلا اٹھی مجلس احرار اسلام پر مسجد شہید گنج کا ملبہ گرا کر اسے دفن کرنے کی کوشش کی گئی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ،صدر مجلس احرار نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں پورے ملک سے دوا کابر اولیاء اللہ ایک حضرت اقدس مولانا ابوالسعد احمد خانؒ اور دوسرے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ہماری راہنمائی کی اور تحریک سے کنارہ کش رہنے کا حکم فرمایا حضرت اقدس ابوالسعد احمد خانؒ بانی خانقاہ سراجیہ نے یہ پیغام بھجوایا تھا کہ مجلس احرار تحریک مسجد شہید گنج سے علیٰحدہ رہے اور مرزائیت کی تردید کا کام رکنے نہ پائے۔اسے جاری رکھا جائے اس

لیے کہ اگر اسلام باقی رہے گا تو مسجدیں باقی رہیں گی اگر اسلام باقی نہ رہا تو مسجدوں کو کون باقی رہنے دے گا۔

مسجد شہید گنج کے ملبہ کے نیچے مجلس احرار کو دفن کرنے والے انگریز اور قادیانی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اس لیے کہ انگریز کو ملک چھوڑنا پڑا۔ جب کہ مرزائیت کی تردید کے لیے مستقل ایک جماعت مجلس تحفظ ختم نبوۃ پاکستان کے نام سے تشکیل پا کر قادیانیت کو ناکوں چنے چبوا رہی ہے۔ ان حضرات نے سیاست سے علیٰحدگی کا محض اس لیے اعلان کیا کہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ مرزائیت کی تردید اور ختم نبوت کی ترویج کے سلسلہ میں ان کے کوئی سیاسی اغراض ہیں۔ چنانچہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے مرزائیت کے خلاف ایسا احتسابی شکنجہ تیار کیا کہ مرزائیت مناظرہ، مباہلہ، تحریر وتقریر اور عوامی جلسوں میں شکست کھا گئی۔ جگہ جگہ ختم نبوت کے دفاتر قائم ہونے لگے مولانا لال حسین اختر نے برطانیہ سے آسٹریلیا تک قادیانیت کا تعاقب کیا۔ مرزائیت نے عوامی محاذ ترک کر کے حکومتی عہدوں اور سرکاری دفاتر میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش و کاوش کی اور وہ انقلاب کے ذریعہ اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔

حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ کی قیادت میں ہی مجلس احرار اسلام نے اپنا تبلیغی مشن جاری کیا۔ جس کا دفتر قادیاں میں بھی قائم کیا۔ مجلس احرار سرفروش ومجاہد قائدین اسلام کی جماعت نے قادیان میں مرزائیوں کا ناطقہ بند کیا۔ قادیان میں دفتر کے ساتھ ہائی سکول۔ جامع مسجد۔ عربی مدرسہ کے لیے اراضی حاصل کرلی۔ تا آنکہ آزادی کی جدوجہد کے نتیجہ میں احرار جس کے ہراول دستہ تھے۔ انگریز ہندوستان چھوڑنے پر اور مرزائی جو اس کے جانے پر ہندوستان کی حکومت سنبھالنے کی تیاری کررہے تھے۔ قادیان چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ انگریز جاتے جاتے اپنے ان وفاداروں کو ضلع جھنگ میں چناب کے کنارے پہاڑوں میں محصور ایک وسیع قطعہ اراضی کوڑیوں کو بھاؤ دے گیا۔ جس پر مرزائیوں نے ربوہ کے نام پر اپنی علیحدہ شرکت غیرے کالونی قائم کرلی۔ پشتینی مرزائی انگریز کا پروردہ چودھری ظفر اللہ خان پاکستان کا وزیر خارجہ اس کا بھائی چودھری عبد اللہ متروکہ غیر مسلم جائیداد کا کسٹوڈین۔ مرزا غلام احمد کا پوتا ایم ایم احمد سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر اس کے علاوہ سینکڑوں مرزائی جو نصاریٰ کی نوازشات کے باعث ملازمتوں پر تھے۔ تقسیم کے بعد اعلیٰ کلیدی اسامیوں تک ترقی کر گئے۔ پاکستان کی انتظامیہ۔ عدلیہ اور فوج میں ایک منظم گروہ کی اس پوزیشن نے فرقہ ضالہ کے عوام وخواص کو بے پناہ ترقی دی۔ دیکھتی آنکھوں قادیان کا بہشتی مقبرہ

جس کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی نے الوصیت میں لکھا تھا کہ فرشتہ نے سرکنڈا لے کر اراضی ماپ کر نشاندہی کر دی اور مجھ سے کہا کہ حکم خداوندی ہے کہ جو شخص اس جگہ کے اندر دفن ہوگا وہ قطعی جنتی ہوگا۔ اس کے لیے غلام احمد نے ٹیکس مقرر کیا۔ پھر کیا تھا۔ اس کے پیرو کار ٹیکس ادا کرتے ان کا نام درج ہو جاتا اور وہ بعد مرگ اس ٹیکس کے صدقے سیدھے جنت کی ٹکٹ لیتے۔ تقسیم کے بعد یہ بہشتی مقبرہ انہی شرائط اور انہی برکات کے ساتھ ربوہ میں قائم ہوگیا۔ متروکہ غیر مسلم جائیدادیں مرزائی تنظیم کے باعث عوام وخواص کے حصہ میں آئیں وزیر خارجہ کے طفیل عام پاکستانی سفارت خانوں اور اعلیٰ مناصب پر مرزائی متعین ہو گئے۔ مرزائیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ غلام احمد ایسے نبی اور مسیح موعود تھے۔ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پہلی رات کے چاند ایسی تھی اور غلام احمد کی چودہویں رات کے چاند ایسی اور یہ کہ غلام احمد۔ کے خلفاء کو خدا مقرر کرتا ہے۔ جس کو معزول کرنے کے اختیارات دنیا میں کسی کے پاس نہیں اور یہ کہ مرزائی دنیا کے جس کونے میں ہوں۔ خلیفہ وقت کے مطیع ہیں اور اسی کے احکام کے پابند۔ اب جبکہ وزارت خارجہ۔ فوج کے بعض جرنیل۔ عدلیہ کے بعض جج۔ حکومت کے تمام شعبوں میں کلیدی اسامیاں مرزائیوں کے قبضہ میں ہیں۔ وزیر خارجہ کی نوازشات سے بیرون ملک سفارتوں اور اعلیٰ تجارت خانوں پر مرزائی قابض ہو گئے۔ تو قادیان دارالامان سے برقعہ پہن کر فرار ہونے والا شاطر خلیفہ ملک پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ قرآن وسنت کے حامل علماء کو قتل وخونریزی کی دھمکیاں اس کا معمول بن گیا۔ جاہل مرزائی مبلغ سیاسی قوت کے بل بوتے پر مسلمان بستیوں میں غلام احمد کی نبوت ومسیحیت پر اہل اسلام کو مناظرہ بازی کا چیلنج دینے لگے۔ ان حالات میں فدائے ختم نبوت۔ امیر شریعت بطل حریت مولانا سید عطاء اللہ بخاری اور ان کے سرفروش مجاہد ساتھیوں نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک غیر سیاسی۔ مذہبی۔ تبلیغی جماعت کی نیو اٹھائی۔ فاتح قادیان مولانا محمد حیات صاحب اس کے پہلے مبلغ منتخب ہوئے۔ مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان کا حجرہ اس جماعت کا مرکزی دفتر قرار پایا۔ تب مجلس کے مصارف ایک روپیہ یومیہ تھے۔ مولانا محمد حیات صاحب عرصہ دراز تک قادیان میں شعبہ تبلیغ میں مجلس احرار اسلام ہند کے انچارج رہے۔ تقسیم ملک سے قبل انہوں نے ہندوستان کے چپے چپے میں مرزاق علام احمد کی نبوت ومسیحیت کو چیلنج کیا تھا اور ہر جگہ مرزائی مبلغین کو شکست فاش دی تھی۔ تب اسلامیان ہند نے بجا طور پر مولانا محمد حیات صاحب کو فاتح قادیاں کا خطاب دیا

تھا۔حضرت امیر شریعت قدس سرہٗ کی امارت، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد کی خطابت مفکر اسلام مولانا محمد علی صاحب کی ذہانت اور مناظر اسلام مولانا لال حسین صاحب کی رفاقت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی عزت وشہرت کو چار چاند لگا دیئے اور جلد ہی مرزائی مبلغ اپنے بانی غلام احمد کی نبوت پر کذب وافتراء کی مہر لگا کر ربوہ میں جا بیٹھے۔اپنی سیاسی قوت کے بل بوتے پر شاطر خلیفہ ربوہ نے اعلان کیا۔کہ ۵۲ء کے اختتام سے قبل اس کی جماعت کا قبضہ بلوچستان پر ہو جائے گا۔مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم نے شب و روز کی انتھک محنت سے تمام مسلمان فرقوں اور مذہبی وسیاسی جماعتوں کے اشتراک سے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم کردی۔جس کے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسنات مرحوم منتخب ہوئے اور جنرل سیکرٹری مشہور شیعہ رہنما سید مظفر علی شمسی۔مجلس عمل کی جدوجہد کو تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔جھوٹی نبوت اور مرزائیوں کے مکروہ کردار ملک وملت سے غداری اور پاکستان کو ختم کر کے دوبارہ اکھنڈ بھارت بنانے کے عزم کے خلاف اسلامیان پاکستان بڑے جوش و خروش سے اٹھے۔لیکن اس وقت کی حکومت پاکستان نے ملت اسلامیہ کے متفقہ اور جائز مبنی برحق مطالبات ماننے کی بجائے ظفر اللہ اور امریکی برطانوی سامراج کے زیر اثر مرزائیوں کی امداد اور اہل اسلام کی مخالفت کی راہ اختیار کی۔اس تحریک میں دس ہزار فدایان ختم نبوت نے جام شہادت نوش کیا۔لاکھوں فرزندان اسلام نے جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔اگر چہ بظاہر گورنمنٹ (جس پر ظفر اللہ اور امپریلزم پوری طرح حاوی تھے) کے بے پناہ ظلم کے باعث مطالبات منظور نہ ہوئے۔لیکن نتائج کے لحاظ سے تحریک شاندار طور پر کامیاب ہوئی۔مرزائیوں کا ملک پر قبضہ کرنے کا پروگرام ہمیشہ کے لیے قعر مذلت میں جاگرا۔منیر انکوائری رپورٹ میں بشیر الدین محمود نے اپنے باپ مرزا غلام احمد کے دعاوی سے انحراف کیا۔تحریک کے بہت جلد بعد ظفر اللہ خاں صاحب وزارت خارجہ علیحدہ ہو کر ملک بدر ہوئے۔وہ اراکین حکومت جنہوں نے کسی معنی میں بھی تحریک کی مخالفت کی تھی۔ان میں جو اس جہاں سے جا چکے ہیں۔وہ نہایت بے کسی کی موت مرے اور جو زندہ ہیں۔وہ اقتدار سے ایسے علیحدہ ہوئے۔کہ آج تک اقتدار حاصل کرنے کے لیے اپنے زخم چاٹ رہے ہیں اور خسر الدنیا والآخرہ کی زندہ مثال ہیں مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام زعماء۔مبلغین۔کارکن جیل میں رہے۔کئی ایک نے جام شہادت نوش کیا۔تحریک کے بعد جب

جماعت نے دوبارہ اپنا کام شروع کیا تو حکومت کی طرف سے مقدمات کی بھرمار شروع ہوئی۔ یہ ۵۵۔۵۴ء کی بات ہے۔ مجلس عمل میں فرق اسلامیہ کے عظیم اتحاد کے بعد جیل سے آ کر حکومت اور مرزائی گٹھ جوڑ سے ملک کی فضا مسلمان فرقوں کے اختلافات کے باعث مکدر ہوگئی۔ مجلس کے زعماء۔ مبلغین پر حضرت امیر شریعت مرحوم سے لے کر چھوٹے مبلغین تک اکیس اکیس مقدمے بیک وقت مختلف عدالتوں میں چل رہے تھے۔ علاقائی آمدورفت کی پابندیاں اس پر مستزاد تھیں لیکن آفرین ہے۔ مجلس کے جفاکش ایثار پیشہ مبلغین پر کہ ایسے کٹھن حالات میں بھی ختم نبوت کے علم کو بلند رکھا۔ فرق اسلامیہ کے اتحاد کے لیے اپنی مساعی جمیلہ کو تیز سے تیز جاری رکھا۔ انہی ایام میں شاطر خلیفہ نے گرمائی ہیڈ کوارٹر کے طور پر پنجاب کے سرد مقام وادی سون میں۔ النخلہ کے نام پر پہاڑیوں کے درمیان ایک مرکز بنایا۔ پہاڑوں کو حکومت کی بڑی مشینوں سے کاٹ کر ٹیوب ویل نصب کیا۔ بجلی پیدا کرنے کے لیے اعلیٰ درجہ کا جرنیٹر لگایا۔ خلیفہ اور اس کے گماشتوں کے لیے کوٹھیاں اور مکانات تعمیر کیے گئے۔ وہاں کے ختم نبوت کے کارکنوں نے اس صورت حال سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کو آگاہ کیا۔ امیر مرکزیہ کے حکم پر مبلغین نے اس علاقہ کو خصوصیت سے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز قرار دیا اور عین النخلہ کے قریب جابہ کے مقام پر تحفظ ختم نبوت کی عظیم الشان کانفرنس کا اہتمام ہوا۔ مجلس کی ان کوششوں کے بعد دوسرے سال خلیفہ مرتد کو وہاں جانے کی ہمت نہ ہوسکی۔ علاقہ میں اس فرقہ ضالہ کے خلاف اس قدر نفرت پھیلی۔ کہ آج النخلہ کی آبادی بے آباد ہوچکی ہے اور ٹیوب ویل اور گری ہوئی کوٹھیاں گر کر کانہم اعجاز نخل خادیہ کا نقشہ پیش کر رہی ہیں۔ جرنیٹر ربوہ پہنچ چکے ہیں۔ محض ایک چوکیدار وہاں گری ہوئی عمارات کی حفاظت کے طور پر موجود ہے۔ جب کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا دفتر مدرسہ اور علاقائی مبلغ کی جاء رہائش دن دگنی رات چوگنی ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔ مجلس کے تبلیغ نظام نے اس قدر ترقی کی کہ ملک کے ہر بڑے شہر میں جماعت کا دفتر اور مبلغ موجود ہے ملک میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں تبلیغ کا نظام قائم ہے۔ کسی دور دراز حصہ ملک سے محض دس پیسے کا خط دفتر تحفظ ختم نبوت ملتان کے پتہ پر لکھ دینا کافی ہے۔ کہ مرزائیوں کے ساتھ مناظرہ ہے۔ مرزائیوں کے خلاف تبلیغ کی ضرورت ہے۔ نہ آنے کی ضرورت نہ وقت کے متعین کرنے کی ضرورت کے محض خط پر مبلغ یا مناظر ملک کے ایسے ایسے حصوں میں تشریف لے جاتے ہیں

شعبہ تبلیغ:

مجلس تحفظ ختم نبوت نے ملک میں ایسا مخصوص تبلیغی نظام رائج کیا جو اپنی نوعیت کا منفرد ''تبلیغی نظام'' ہے، مجلس نے تدریجاً ایسے مبلغین کی ایک مضبوط جماعت تیار کی جو ہر علاقے میں بلا معاوضہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیں اور ''مجلس ''تحفظ ختم نبوت'' ان کے مصارف کا کفیل ہو۔

ملک کے کسی حصہ میں دعوت وتبلیغ اور رد قادیانیت کی ضرورت ہو مجلس کے مرکزی دفتر کو ایک کارڈ لکھ کر وقت طے کر لیجیے، مجلس کا مبلغ ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ جائے گا داعی اگر کچھ خدمت کرے تو وہ مجلس کے بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا۔

اس نظام تبلیغ کا یہ فائدہ ہوا کہ لاہور سے کوئٹہ اور کراچی سے پشاور تک ہر طرف سے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کو جلسوں کی دعوتیں آنے لگیں، مبلغین ختم نبوت کو مسئلہ ختم نبوت اور رد قادیانیت پر اظہار خیال کرنے کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آیا اور انہوں نے ملک کے چپے چپے اور قریہ قریہ میں ختم نبوت کی تبلیغ کی۔

ختم نبوت چنیوٹ کانفرنس اور جابہ کانفرنس:

''مجلس تحفظ ختم نبوت'' نے اپنے تبلیغی نظام کو مزید وسعت دینے کے لیے ایک خاص انتظام یہ کیا کہ جن علاقوں میں قادیانیوں کا زور تھا وہاں خود اپنے مصارف سے جلسے اور کانفرنسیں منعقد کرنے کا اہتمام کیا اور قادیانیوں کو خود ان کے علاقوں میں للکارا، اس قسم کے بے شمار کانفرنسیں منعقد کی گئیں، ان میں ''چنیوٹ ختم نبوت کانفرنس'' اور ''جابہ ختم نبوت کانفرنس'' کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ مسیحیت کا مدعی اور جدید عیسائیت کا بانی تھا۔ اس لیے عیسائیوں کے تہوار کے دنوں میں ۲۵۔۲۶۔۲۷۔ دسمبر کو ان کی جماعت کا ظلی حج ''سالانہ جلسہ'' کے نام سے تقسیم سے قبل مرکز کفر قادیاں میں ہوتا تھا اور تقسیم کے بعد نئے مرکز ارتداد ربوہ میں ہونے لگا، اس لیے قادیانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جانب سے ختم نبوت کانفرنس ان ہی تاریخوں میں پہلے قادیان میں ہوتی تھی اور اب ربوہ کے متصل چنیوٹ میں ہوتی ہے۔ اس عظیم الشان کانفرنس کا انتظام ''مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے کیا جاتا ہے جس میں تمام اسلامی مکتب فکر کے نمائندے شریک ہو کر قادیانی کفر وارتداد کی تردید کرتے ہیں۔ اسی طرح ''النخلہ'' کے

قریب موضع ''جابہ'' میں بھی ہر سال باقاعدگی سے ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوتی ہے اور وہاں جماعت کا دفتر اور مدرسہ بھی کام کر رہا ہے۔

مرکز دارالمبلغین:

''جماعت تحفظ ختم نبوت'' کے پیش نظر ایک اہم ترین فریضہ یہ تھا کہ دینی علوم کے ماہر نوجوانوں کو قادیانیت کی تعلیم دی جائے تاکہ انہیں قادیانیوں سے گفتگو کا موقعہ ملے تو وہ پوری طرح بصیرت اور شرح صدر کے ساتھ قادیانیوں سے بحث و گفتگو کر سکیں۔اس مقصد کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی دفتر میں ایک دارالمبلغین قائم کیا گیا اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے دو صورتیں تجویز کی گئیں اول یہ کہ جو نوجوان اس کے لیے کافی وقت نہیں دے سکتے انہیں تعطیلات کے زمانہ میں دارالمبلغین میں رکھا جائے اور ان کی رہائش و دیگر ضروریات کا انتظام جماعت کے جانب سے کیا جائے۔دوم یہ کہ جو حضرات اس کے لیے معتد بہ وقت دے سکیں انہیں مجلس تحفظ ختم نبوت کے رفیق کی حیثیت سے سے باقاعدہ وظیفہ دیا جائے اور قادیانیت کے مقابلہ میں انہیں علمی اسلحہ سے پورے طور پر مسلح کیا جائے۔

اس کے علاوہ ایک خصوصی انتظام یہ کیا گیا کہ ملک بڑے بڑے دینی مدارس میں دارالمبلغین'' کے نمائندے کچھ مدت قیام کریں اور فارغ التحصیل یا منتہی طلبہ کو رد قادیانیت کی تربیت دیں۔بحمد اللہ ''دارالمبلغین'' کے اس تربیتی نظام کے تحت ہر سال مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار ہو جاتی ہے جو اپنی اپنی جگہ تبلیغ ختم نبوت اور رد قادیانیت کے فرائض انجام دیتی ہے۔ اب تک ہزاروں کی تعداد میں ایسے مبلغین تیار ہو چکے ہیں جن میں سے بعض حضرات بیرونی ممالک میں بھی کام کر رہے ہیں۔حال ہی میں مرکزی جماعت کے رہنما مولانا عبدالرحیم اشعر اور ان کے رفیق مولنا اللہ وسایا ''**المجلس الاعلی للشئون الاسلامیة**'' کے صدر الشیخ حسین الحبشی کی دعوت پر انڈونیشیا تشریف لے گئے اور ''**المعهد الاسلامی**'' اور دیگر اداروں کے طلباء کو قادیانیت پر تیاری مکمل کرائی۔

مناظرے اور مباحثے:

قادیانی مرتدین مناظروں اور مباحثوں کے مریض ہیں۔ ایک زمانہ میں وہ ہندو پاک میں ہر جگہ بھولے بھولے مسلمانوں پکڑ کر ان سے ''حیات و وفات مسیح'' اور ''اجرائے نبوت'' کے موضوع پر بحث چھیڑ لیا کرتے تھے۔ ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کو قادیانی مرتدین کی اس جارحیت کا نوٹس لینا ضروری تھا، چنانچہ ختم نبوت کے مبلغین کو سینکڑوں مرتبہ قادیانیوں سے گفتگو اور مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئی، خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر جگہ مرتدین کو ذلت آمیز شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اور قادیانی ٹولہ، مجلس کے مبلغین سے اس قدر زچ ہوا کہ قادیانی خلیفہ کو باقاعدہ اعلان کرنا پڑا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے کسی مبلغ سے مناظرہ نہ کیا جائے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ مجلس کے مرکزی دفتر کو اطلاع ہوئی کہ فلاں جگہ قادیانی مرتدین، مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں، جماعت کا فاضل مبلغ کتابوں کا صندوق لے کر اور سینکروں میل کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچا تو قادیانی مرتدین نے وہاں راہ فرار اختیار کرنے کو سب سے بڑی فتح سمجھا۔ پورے ملک کے لیے ''مجلس ختم نبوت'' کا اعلان تھا (اور اب یہ اعلان پوری دنیا کے لیے ہے) کہ کسی جگہ بھی قادیانی مرتدین مسلمانوں کو پریشان کر رہے ہوں تو مجلس کے مرکزی دفتر کو (''مجلس ختم نبوت، تغلق روڈ ملتان'' کے پتہ پر) ایک اطلاع نامہ لکھ دیجیے، ختم نبوت کے مجاہدین انشاء اللہ فوراً اس محاذ پر بھیج دیے جائیں گے اور قادیانی مرتدین سے نمٹ لیں گے۔ انشاء اللہ۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ یہ لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ کسی سفر میں وہ اسٹیشن پر ایسے وقت پہنچے کہ ریل کے آنے میں کچھ وقت تھا، غور کیا کہ اس مختصر سے فارغ وقت کو کیسے کام میں لایا جائے، چائے کے اسٹال پر گئے، چائے نوش کی، پیسے ادا کیے اور چائے والے سے کہا کہ میرا نام محمد علی جالندہری ہے میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا نمائندہ ہوں، میرا پتہ یہ ہے، اگر خدانہ کرے کسی وقت کوئی مرزائی تمہارے علاقے میں شرارت کرے تو مجھے خط لکھ دینا۔ مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ سات برس بعد اس شخص کا خط آیا کہ ہمارے قصبے میں مرزائی مبلغین قادیانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں اور انہوں نے ایک خاندان کو مرتد کر لیا ہے، یہ خط ملتے ہی ہم وہاں پہنچے قادیانیوں کو چیلنج کیا تو قادیانی بھاگ گئے اور نومرتد گھرانے کو قادیانیت کی حقیقت سمجھائی تو وہ

دوبارہ مشرف باسلام ہوا۔اس کے بعد قادیانیوں کو اس قصبے کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ سینکڑوں واقعات میں سے ایک معمولی سا واقعہ ہے جو مجاہدین ختم نبوت کے ذوق وشغف، محنت و خلوص اور فہم وتدبر کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کرتا ہے۔

مسلم قادیانی مقدمات:

''مجلس ختم نبوت'' کو قادیانیت کے مخالف ہمہ گیر مسائل سے واسطہ تھا اور اس کے رہنماؤں کو قادیانی مسئلہ'' کے ہر پہلو پر مسلمانوں کی اعانت و رہنمائی کی ضرورت لاحق رہتی تھی۔ چنانچہ مجلس نے ایک اہم خدمت اپنے ذمہ یہ لے رکھی تھی (اور ابھی تک اس کے ذمہ ہے) کہ اسلام اور قادیانیت کے تقابل کے سلسلہ میں جس قدر مقدمات عدالتوں میں جائیں۔ ان میں نہ صرف مسلمانوں کی اخلاقی وقانونی مدد کی جائے بلکہ جب ضرورت مقدمہ کے مصارف کا تکفل بھی کیا جائے۔ **اس قسم کے مقدمات کو ہم تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔**

پہلی قسم ان مقدمات کی ہے جو انتظامیہ کی جانب سے مجاہدین ختم نبوت اور دیگر علماء اُمت پر محض اس ''جرم'' میں دائر کیے گئے کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت کے خلاف لب کشائی کی گستاخی کیوں کی؟ اس قسم کے مقدمات روزمرہ کا معمول تھے اور ان کے مصارف کا بہت سا بارگراں مجلس تحفظ ختم نبوت کو برداشت کرنا ہوتا تھا۔تحریک ختم نبوت ۵۳ء سے ۷۴ء تک کے دوران بہت سے ایسے حضرات بھی تھے جن کے نان ونفقہ کی جانب بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کو توجہ کرنا پڑی۔

دوسری قسم ان فوجداری مقدمات کی تھی جو مسلم، قادیانی نزاع کی صورت میں رونما ہوتے رے۔قادیانیوں کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے جس جگہ انہیں اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے مواقع میسر آئیں اور حکام بالا سے اثر ورسوخ ہو وہاں وہ مسلمانوں کی اذیت اور دنگا فساد کی کوئی نہ کوئی شکل پیدا کرلیتے ہیں اور بعض اوقات کمزور مسلمانوں کو مار پیٹ کر تھانے میں اپنی مظلومیت کی داستان سرائی بھی کیا کرتے ہیں کہ آج فلاں جگہ نہتے مسلمانوں نے ہم پر ''مسلح حملہ'' کرڈالا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کو جہاں کہیں ایسے فساد کی اطلاع ہوئی فوراً وہاں پہنچے اور اگر معلوم ہوا کہ قادیانیوں کی زیادتی ہے تو مسلمانوں کی طرف سے مقدمہ کی سرپرستی کی اور مسلمانوں کو ہر طرح قانونی، اخلاقی، اور مالی مدد بہم پہنچائی۔

تیسری قسم ان دیوانی مقدمات کی تھی جو مسلم، قادیانی قضیہ کے سلسلہ میں عدالت میں دائر ہوئے تھے اور جن میں بنیادی طور پر تصفیہ طلب یہ نکتہ ہوتا تھا کہ آیا قادیانی مسلمان ہیں۔ یا کافر اور خارج از اسلام؟ مثلاً کسی قادیانی نے دھوکہ دے کر کسی مسلمان خاتون سے شادی کر لی۔ یا شادی کے بعد معاذ اللہ اسلام سے مرتد ہو کر قادیانی بن گیا۔ اس صورت میں کبھی قادیانیوں کی جانب سے خانہ آبادی کا دعویٰ ہو جاتا اور کبھی مسلمانوں کی جانب سے اس نکاح کو کالعدم قرار دینے کا ___ اس نوعیت کے مقدمات کا سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہتا تھا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کو ملک کے کسی حصہ میں اس قسم کے مقدمہ کی اطلاع ہوئی تو مجلس نے نہایت فراخ دلی سے ان مقدمات کی سرپرستی کی اور مجلس کے مبلغین نے قادیانیوں کی کتابوں سے ان کفر و ارتداد ثابت کر کے عدالت کو صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں مدد دی۔ چنانچہ اس نوعیت کے تمام مقدمات میں مختلف عدالتوں نے قادیانیوں کے کفر وارتداد کا فیصلہ کرتے ہوئے مسلم، قادیانی نکاح کو کالعدم قرار دیا۔ اسی طرح کبھی کسی مسجد کی تولیت کے معاملہ میں قادیانیوں کے کفر اور اسلام کا نکتہ عدالتوں میں زیر بحث آیا اور کبھی کسی وراثت کے مقدمہ میں ___ ایسے مقدمات میں بھی مجلس تحفظ ختم نبوت نے مسلمانوں کی وکالت کے فرائض انجام دیے اور عدالتوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی انہیں ملک گیر و بیرون ملک تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کہ جب ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر مسلمان طلباء پر ظلم و ستم کیا گیا۔ تو تمام ملک مرزائیوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام فرق اسلامیہ نے مشترکہ اقدام کیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوری کی قیادت میں تمام مسلمان فرقوں کا ایک پلیٹ فارم مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے نام پر قائم ہوا۔ جس کے سیکرٹری علامہ سید محمود جائنٹ سیکرٹری محمد شریف جالندھری مقرر ہوئے۔ مجلس عمل کی اپیل پر ۱۶ جون ۷۴ء کو ملک گیر ہڑتال ہوئی۔ عوام و خواص۔ تجار۔ وکلاء۔ طلباء غرضیکہ ملک کے ہر حصہ کے اہل اسلام نے مجلس عمل کی تحریک میں جانی۔ مالی حصہ لیا۔ یہ نتیجہ تھا۔ مبلغین ختم نبوت کی شبانہ روز انتھک محنت کا۔ مرکزی اسمبلی میں موجود علماء کرام اور ان کے ساتھیوں نے مرکزی اسمبلی میں اس مسئلہ کی بھرپور ترجمانی کی۔ مفکر ملت حضرت مولانا مفتی محمود اور مولانا شاہ احمد نورانی نے ترجمانی اہل اسلام کا حق ادا کر دیا۔ مجلس عمل کے مرکزی اخراجات مجلس تحفظ ختم نبوت نے ادا کیے۔ مرکزی اسمبلی کے معزز اراکین کو مسئلہ سے روشناس کرانے کے لیے ملت اسلامیہ کا موقف کے نام سے کتاب شائع کر کے پیش کی گئی۔ ۲۴ نوجوان مسلمانوں نے سرکار

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ مجاہد ختم جناب آغا شورش کاشمیری جو عرصہ دراز سے مرزائیوں پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے ہیں گرفتار ہوئے۔ ان حالات میں مرکزی اسمبلی کی سفارش پر حکومت پاکستان نے اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دیا اور ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا فیصلہ منظر عام پر آیا۔

اسمائے گرامی مبلغین حضرات

۱۔ فاتح قادیاں مولانا محمد حیات صاحب
۲۔ مولانا محمد شریف جالندھری
۳۔ مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر
۷۔ مولانا غلام حیدر صاحب
۸۔ مولانا غلام محمد صاحب
۹۔ مولانا زرین احمد خاں
۱۰۔ مولانا بشیر احمد صاحب سکھر
۱۱۔ مولانا محمد صاحب علی پور
۱۲۔ مولانا محمد خاں گوجرانوالہ
۱۳۔ مولانا خدا بخش بہاول نگر
۱۴۔ مولانا نذیر احمد حیدر آباد
۱۵۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن میانوی
۱۶۔ مولانا اللہ وسایا لائل پور
۱۷۔ مولانا سید ممتاز الحسن لائل پور
۱۸۔ مولانا محمد علی صاحب سمندری
۱۹۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب خورشید سرگودھا
۲۰۔ مولانا حافظ عبدالوہاب حافظ آباد
۲۱۔ مولانا محمد انور صاحب کوئٹہ

۴۔ مولانا محمد شریف صاحب بہاولپوری
۵۔ مولانا قاضی اللہ یار خان صاحب
۶۔ مولانا سید منظور احمد شاہ صاحب
۲۲۔ مولانا صوفی اللہ وسایا صاحب ڈیرہ غازیخاں
۲۳۔ مولانا مقبول احمد مبلغ انگلینڈ
۲۴۔ مولانا اسد اللہ طارق فجی آئی لینڈ
۲۵۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی ملتان
۲۶۔ مولانا عبدالرؤف لاہور
۲۷۔ مولانا کریم بخش لاہور
۲۸۔ مولانا عبداللطیف کراچی
۲۹۔ صوفی فتح محمد کراچی
۳۰۔ مولانا عبدالرشید مدرس پرمٹ
۳۱۔ حافظ اللہ وسایا مدرس پرمٹ
۳۲۔ قاری شبیر احمد مدرس ملتان
۳۳۔ حافظ محمد حیات مدرس جابہ
۳۴۔ غلام محمد مدرسہ جابہ
۳۵۔ مولانا ضیاء الدین گوجرانوالہ
۳۶۔ محمد اسحاق کشمیری اسلام آباد

پاکستان مجلس تحفظ ختم نبوت کے مراکز

۱۔ دفتر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت تغلق روڈ ملتان

۲۔ دفتر مجلس تحفظ کتم نبوت بالمقابل ریڈیو پاکستان بندر روڈ کراچی نمبر ۳ (سندھ)

۳۔ // // // // گاڑھی کھاتہ حیدر آباد

۴۔ // // // // کزی ضلع تھر پارکر

۵۔ // // // // معصوم شاہ نیارہ روڈ سکھر

۶۔ // // // // شکار پور

۷۔ // // // // جیکب آباد

۸۔ دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت شارع لیاقت کوئٹہ (بلوچستان)

۹۔ // // // // فورٹ سنڈیمن

۱۰۔ // // // // اوستہ محمد //

۱۱۔ // // // // رحیم یار خاں (پنجاب)

۱۲۔ // // // // نزد مسجد الصادق بہاولپور

۱۳۔ // // // // بہاول نگر

۱۴۔ // // // // چشتیاں ضلع بہاول نگر

۱۵۔ // // // // فقیر والی

۱۶۔ // // // // علی پور ضلع مظفر گڑھ

۱۷۔ // // // // صدر بازار ڈیرہ غازی خاں

۱۸۔ // // // // امین پور بازار لائل پور

۱۹۔ // // // // مسلم بازار چنیوٹ ضلع جھنگ

۲۰۔ // // // // کچہری بازار سرگودھا

۲۱۔ // // // // بالمقابل شاہ محمد غوث بیرون دھلی دروازہ لاہور

۲۲۔ // // // // مین بازار گنج مغل پورہ لاہور

۲۳۔ // // // // اندرون سیالکوٹی دروازہ گوجرانوالہ

۲۴۔ // // // // ونیکے روڈ حافظ آباد

۲۵۔ // // // // جلال پور جٹاں روڈ گجرات

۲۶۔ // // // // گندم منڈی سیالکوٹ

۲۷۔ // // // // ۱۱۵۹ جی ۱ / ۳ ۲ اسلام آباد

۲۸۔ // // // // سجاد شہیدؒ چوک کیمبل پور

۲۹۔ // // // // ایبٹ آباد ضلع ہزارہ (سرحد)

۳۰۔ // // // // کریم پورہ بازار پشاور

مجلس تحفظ ختم نبوت اور مدارس عربیہ

مجلس تحفظ ختم نبوت کا اصل موضوع تو قادیانی ارتداد کا استیصال تھا۔ لیکن اس تنظیم کے اکابر نے دینی تعلیم کی اہمیت کو واضح کرنے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ کیونکہ دینی مدارس ہی دین کے قلعے اور علم دین کے سرچشمے ہیں اور یہیں سے اسلام کے سپاہی تیار ہو کر کفر وارتداد کو للکارتے ہیں۔ چنانچہ اکثر و بیشتر دینی مدارس کے جلسوں میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے خطیب اور مبلغ قوم سے خطاب کرتے اور مسلمانوں کو دینی مدارس کے قیام واستحکام کی ترغیب دیتے بالخصوص امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری اور خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادی تو دینی مدارس کے نقیب تھے۔ شاہ جی فرمایا کرتے تھے۔ کہ ”اپنے گاؤں میں دینی مدرسہ قائم کرلو اور پھر مجھے ایک کارڈ لکھ دو۔ میں اس کے جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے چلا آؤں گا۔“ چنانچہ ان حضرات کی دعوت وترغیب سے سینکڑوں مکاتب وجود میں آئے اور بعض جگہ خود مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام بھی دینی مدارس جاری کیے گئے۔ خصوصاً ایسے علاقے جہاں قادیانیوں کا اثر تھا۔ وہاں مجلس نے خود دینی مدارس جاری کیے۔ چنانچہ۔ ملتان، بہاول پور، سکھر، جابہ، سیالکوٹ، پرمٹ (ضلع مظفر گڑھ) کنری (ضلع تھرپارکر) میں مجلس کے زیر انتظام عربی مدارس چل رہے ہیں۔ جن کے جملہ مصارف مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت ادا کرتی ہے۔ قادیانیوں کے گڑھ ربوہ میں انشاء اللہ عنقریب دینی مدرسہ جاری کیا جارہا ہے۔

شعبہ نشر واشاعت:

مجلس نے تبلیغ اسلام اور رد قادیانیت کے لیے نشر واشاعت کے شعبہ پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور مجلس کے شعبہ نشر واشاعت نے عربی، اُردو، انگریزی، سندھی، پشتو اور بنگلہ میں بھی بہت سی کتابیں پمفلٹ اور اشتہارات لاکھوں کی تعداد میں شائع کیے۔ مجلس کے اشاعتی کارنامہ سے تعارف کے لیے مندرجہ ذیل مختصری فہرست پر ایک نظر ڈالی لینا کافی ہوگا۔

☆ حیات مسیح۔ فیصلہ کمشنر بہاولپور
☆ غداروں کی نشان دہی
☆ نزول مسیح
☆ اربعین ختم نبوت
☆ التصریح فی ماتواتر فی نزول المسیح
☆ شرائط نبوت۔ ربوہ ثانی جو نہ بن سکا
☆ القادیانی والقادیانیہ
☆ خواجہ غلام فرید اور مرزا قادیانی
☆ قادیانیت۔ مرزائیوں کے عقیدے وارادے
☆ ملت اسلامیہ کا موقف
☆ فیصلہ مقدمہ بہاولپور
☆ موقف الامتہ من القادیانیہ (عربی)
☆ فیصلہ مقدمہ راولپنڈی
☆ مرزائیت کا اصلی چہرہ
☆ فیصلہ مقدمہ جیمس آباد۔ فیصلہ مقدمہ کھوسلہ
☆ حکومت کے پانچ سوالوں کا جواب
☆ فیصہ مقدمہ رحیم یار خاں
☆ مرزا کی عبرتناک موت
☆ ترک مرزائیت۔ لندنی نبی
☆ حضرت مسیحؑ مرزا قادیانی کی نظر میں
☆ ابوظہبی میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی عظیم کامیابی
☆ قادیانی کی پچاس الماریوں میں سے دو خط
☆ قادیانی مذہب وسیاست
☆ قادیانیت علامہ اقبال کی نظر میں
☆ عالم اسلام کے مسلمان، مرزا کی نظر میں
☆ فتنہ قادیانیت اور پیام اقبال
☆ محمد قادیانی۔ دعاوی مرزا
☆ ربوہ سے تل ابیب تک
☆ موجودہ بحران کا ذمہ دار کون
☆ بیٹا جس نے باپ کا جنازہ نہ پڑھا
☆ قادیانیوں سے ستر سوالات
☆ قادیانی دین، کفر خالص
☆ محضر نامہ بخدمت خواجہ ناظم الدین
☆ المتنبی القادیانی
☆ // // ایوب خان
☆ اعدا المسلمین فی العالم

☆ // // یحییٰ خان

☆ // // مسٹر ذوالفقار علی بھٹو

☆ // // ارکان اسمبلی

☆ // // ارکان صوبائی اسمبلی

☆ مرزائیوں برائے وزیر قانون پاکستان

☆ قادیانی ملک اور ملت کے غدار ہیں

☆ نوادرات امیر شریعتؒ

☆ فتویٰ تکفیر قادیاں

☆ انگلستان میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی کامیابی

☆ دعاوی مرزا قادیانی

☆ قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا دیا

☆ شہادت القرآن۔ انگریزی نبی

☆ ترک مرزائیت۔ سوچنے کی بات

☆ حیات عیسیٰ علیہ السلام

☆ مرزائی یہودی فوج میں

☆ القادیانیۃ ماہی

☆ الہامی گرگٹ۔ ایک مذہبی غدار

☆ آئینہ مرزائی۔ حجت شرعیہ

☆ قادیانیوں کی سیاسی چالیں

☆ مرزا جی کی ایک پیش گوئی

☆ تقاریر مجاہد ملت

☆: فتنہ قادیانیت۔ قادیانی ازم

☆ تحریک کشمیر اور قادیانی

☆ مسئلہ ختم نبوت اور ہمارے اکابر

☆ مرزا جی کی آسان پہچان

☆ قادیانیت ایک خطرناک تحریک

☆ مرزائیوں کے خطرناک عزائم

☆ خدارا پاکستان

اور ان کے علاوہ سینکڑوں مختلف اشتہارات جو مختلف لغات میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کیے گئے۔

مختصر یہ کہ مجلس تحفظ ختم نبوت دنیا کی مختلف زبانوں میں مسلمانوں کو فتنہ قادیانیت سے آگاہ کرنے کے لیے لاکھوں روپے کا لٹریچر چھاپ کر مفت تقسیم کیا اور ان کے علاوہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد قادیانیت کے مدوجزر سے قوم کو آگاہ رکھتا ہے۔ اس کے مصارف کا بیشتر حصہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر دفتر ادا کرتا ہے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء:

۱۷ فروری ۱۹۸۳ء کو مولانا محمد اسلم قریشی مبلغ مجلس تحفظِ ختم نبوہ سیالکوٹ کو مرزائی سربراہ مرزا طاہر کے حکم پر مرزائیوں نے اغواء کیا۔ جس کے ردعمل میں پھر تحریک منظم ہوئی۔ شیخ الاسلامِ مولانا

سید محمد یوسف بنوریؒ کی رحلت کے بعد سے اس وقت تک مجلسِ تحفظ ختم نبوت کی امارت کا بوجھ حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ کے کندھوں پر ہے اس لیے آل پارٹیز مرکزی مجلس عملِ تحفظِ ختم نبوت پاکستان کی امارت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ فضل ہے جس نے جنابِ محمد مصطفٰی احمد مجتبٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلہ میں اُمت محمدیہؐ کے تمام طبقات کو اتفاق و اتحاد نصیب کر کے ایک لڑی میں پرو دیا اور یوں ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس صدر مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کے ہاتھوں جاری ہوا۔ قادیانیت کے خلاف آئینی طور پر جتنا ہونا چاہیئے تھا۔ اتنا تو نہیں ہوا لیکن جتنا ہوا اتنا آج تک کبھی نہیں ہوا تھا۔ آج اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ مجلسِ تحفظ ختم نبوت پاکستان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بن چکی ہے اور چار دانگ عالم میں رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے پھریرے کو بلند کر نیکی سعادتوں سے بہرہ ور ہو رہی ہے۔ دُنیا کے تمام برّ اعظموں کا کام وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔

ایک بدیہی حقیقت:

لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اِن تمام تر کامیابیوں و کامرانیوں میں ''مقدمہ بہاولپور'' کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ختم نبوۃ کے محاظ پر مضبوط بنیاد اور قانونی و اخلاقی بالا دستی قادیانیت کے خلاف اسی مقدمہ نے مہیا کی ہے فیصلہ مقدمہ کئی بار شائع ہوا۔ علماء کرام کے عدالتی بیانات بھی متعدد بار شائع ہوئے، لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ اس مقدمہ کی تمام تر کاروائی، حضرات علماء کرام کی شہادتیں بیانات دلائل اور حقائق مرزائی وکیلوں کے جواب میں بطور جواب الجواب بیانات جو عدالت کے ریکارڈ پر تھے اور جرح و بحث کی تمام تر تفصیلات سامنے آئیں تا کہ علم و حقائق کے بے بہا سمندر سے دُنیائے اسلام فیضیاب ہوتی۔ یہ سب کچھ عدالت کے ریکارڈ میں مخفی خزانہ کی طرح پوشیدہ تھا حالانکہ فیصلہ مقدمہ بہاولپور کی ابتدائی اشاعت کے وقت ہی مولانا محمد صادق مرحومؒ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تمام تر کارروائی کو شائع کیا جائے گا۔ لیکن کُلّ امر مرھون باوقاتھا، یہ کام آج تک پورے طور پر نہ ہوسکا۔ اللہ رب العزت نے غیب سے اہتمام فرمایا اسلامی درد اور جذبہ رکھنے والے حضرات کو اللہ رب العزت نے اس کام کی طرف متوجہ کیا۔ میں یہ

سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ کام خود شروع نہیں کیا۔ بلکہ قدرتِ الٰہی نے اُن سے یہ شروع کرایا ہے۔ انہوں نے اسلامک فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ ساٹھ برس کی طویل مدت گذرنے کے بعد روداد مقدمہ حاصل کرنا اور اہلِ علم حضرات کے لیے مرتب کر کے پیش کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ قدرتِ الٰہی نے دستگیری فرمائی اِن حضرات نے محنت کی کاروان اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہا۔ منزل قریب ہوتی رہی مقدمہ کی تمام کاروائی حاصل ہوگئی، اس کی ترتیب کا کام شروع ہوگیا۔ اسلامک فونڈیشن کے نمائندوں نے اس بارے میں طویل ترین تکلیف دہ سفر برداشت کر کے ملتان عالمی مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کے دفتر مرکزیہ میں اصل مرزائی کُتب سے حوالہ جات کو بار بار پڑھا فوٹوسٹیٹ حاصل کیے، شب و روز محنت و عرق ریزی کے بعد اسے کتابت کے لیے دیدیا گیا تآنکہ اس وقت دو ہزار صفحات سے زائد پر مشتمل یہ مجموعہ تیار ہوکر منصہء شہود پر آ گیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز اسلامک فاؤنڈیشن کے حضرات کی روشن دماغی اور اپنے مشن سے اخلاص کی بدولت ملک عزیز کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد کاندھلویؒ نے ان حضرات کی سر پرستی فرمائی۔ ان جیسے متبحر عالم حق کی سرپرستی ہی اس تاریخی دستاویز کی صحت و توثیق کے لیے سند کا درجہ رکھتی ہے۔

اس تاریخی دفینہ اور علم و معرفت کے عظیم خزینہ کو مرتب کر کے پیش کرنا بلاشبہ اسلامک فاؤنڈیشن کا ایک تاریخی گرانقدر کارنامہ ہے جس پر پوری اُمت کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ انہوں نے پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

(۳) جنوری ۱۹۷۵ء میں ربوہ کو کُھلا شہر قرار دیا گیا جو کہ پاکستان بننے سے لے کر اُس وقت تک قادیانیوں کی ریاست تھی اور کوئی مُسلمان وہاں نہیں جا سکتا تھا۔ الحمد اللہ، کہ جنوری ۷۵ء کا پہلا جمعہ مجلسِ تحفظِ ختم نبوت کے مبلغ نے دفتر ٹاؤن کمیٹی کے باہر لان میں پڑھایا۔

(۴) حکومت نے مسلم کالونی ربوہ کے لیے کافی رقبہ مختص کیا، جس میں مساجد ڈاکخانہ سکولز کے لیے پلاٹ تھے۔ مجلس کو نو ۹ کنال اراضی برائے تعمیر جامع مسجد و مدرسہ عربیہ الاٹ کر کے قبضہ دے دیا۔ ریلوے اسٹیشن پر مجلس نے عظیم الشان مسجد تعمیر کی اور نو کنال اراضی پر بھی مدرسہ اور مسجد تعمیر کی جو کہ الحمد للہ اب مکمل ہو چکی ہے۔

اسی سال جُداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج ہوا۔ مجلس کی مساعی سے قادیانیوں کے ہر دو فریق

لاہوری اور قادیانی کے لیے علیحدہ اقلیت کے ووٹ فارم طبع ہوئے اور مسلمانوں کے ووٹ فارم پر ترمیم ۱۹۷۴ء کے الفاظ کا حلف نامہ دیا گیا۔

(۶) ربوہ میں پہلی ختم نبوۃ کانفرنس ۶۔۷ ستمبر ۱۹۸۲ء کو مسلم کالونی ربوہ میں آل پاکستان تحفظِ ختم نبوۃ کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہلحدیث تمام دینی جماعتوں کے سربراہ و نمائندگان سندھ، سرحد، بلوچستان، پنجاب کے نامور خطیب و سجادہ نشین و مشائخ کرام، اکابرین ملت، جج، وکلاء و دانشور صحافی سعودی عرب کے مشائخ و نمائندگان وفاقی کونسل کے اراکین حکومتِ پاکستان کے نمائندگان شریک ہوئے۔ ربوہ کی تاریخ میں پہلی مثالی کانفرنس ہوئی، اتحاد امت مسلمہ کا بھرپور مظاہرہ ہوا۔ الحمداللہ ۸۲ء سے لے کر آج تک ہر سال نہایت شان وشوکت کے ساتھ بدستور کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہوتی رہیگی۔

ابتداء پاکستان ۱۹۴۷ء سے لیکر ۸۳ء تک ہر سال ربوہ میں مرزائیوں کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا اس پر پابندی لگ گئی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

مجلس تحفظِ ختم نبوت کی مطبوعات انٹرنیٹ پر ملاحظہ فرمائیں:۔

WWW.Khatm-e-nubuwwat.com

E- Mail : mahana malolaak@ yahoo.com

مجلس تحفظِ ختم نبوت کی بین الاقوامی خدمات

(تحریر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری)

چنانچہ ۱۹۸۳ء کی تحریک ختم نبوت سے لے کر ۱۹۶۶ء پاکستان کے اندرونی حالات و واقعات کے پیشِ نظر جماعت کی سرگرمیاں زیادہ تر اندرون ملک تک ہی محدود رہیں اور بیرون ملک کوئی وفد روانہ نہ کیا جا سکا تاہم لٹریچر کی ترسیل اور رابطہ برابر جاری رہا۔ ۱۹۶۶ء میں جماعت کے بزرگ رہنما مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر رحمۃ اللہ علیہ نے عراق، ایران، شام، سعودی عرب، مراکش کے راستے برطانیہ کا سفر کیا۔ آپ نے برطانیہ میں مسلسل تین

سال تک قیام فرمایا۔اس دوران قادیانی جماعت کا آنجہانی پیشوا مرزا ناصر وہاں گیا تو آپ نے اسے مناظرہ ومباہلہ کا چیلنج دیا اور فرمایا کہ مرزا ناصر زہر کا پیالہ پی لینا منظور کر لے گا لیکن میرے مقابلے میں نہیں آئے گا چنانچہ اس نے مناظرہ ومباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کی بجائے وہاں سے دم دبا کر بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی آپ نے ہڈرسفیلڈ میں مجلس کا ملکیتی دفتر قائم کیا اور مسلسل تین سال تک برطانیہ کے طول وعرض میں فتنہ قادیانیت کا پرزور تعاقب اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے تقریری وتحریری خدمات انجام دیتے رہے۔

ووکنگ کی شاہ جہان مسجد جس پر پچیس سال سے قادیانیوں نے اپنا ناجائز تسلط جمایا ہوا تھا آپ نے اس پر سے قادیانیوں کا تسلط ختم کرا کے اسے مسلمانوں کے سپرد کیا جو الحمد اللہ آج تک مسلمانوں ہی کے پاس ہے ساتھ ہی مسجد قادیانی امام حافظ بشیر احمد نے آپ کے دست حق پرست پر قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا۔

قیام برطانیہ کے دوران ہی آپ نے فجی آئی لینڈ کا دورہ کیا جہاں رد قادیانیت کے علاوہ تبلیغ اسلام کا مقدس فریضہ انجام دیتے رہے۔وہاں قادیانیوں سے متعدد مناظرے بھی ہوئے جن میں قادیانیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔وہاں کے اخبارات ورسائل نے آپ کے گرانقدر مقالات اور دورہ کی خبریں نمایاں طور پر شائع کیں نیز ریڈیو پر متواتر کئی اتوار آپ کی تقریریں نشر ہوئیں۔آپ نے اسی سلسلہ میں مغربی جرمنی کا دورہ بھی فرمایا یوں آپ نے دنیا کے آخری کنارے تک تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کی خدمات اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کا فریضہ انجام دیا۔واپسی پر سعودی عرب میں قیام کے دوران مدینہ یونیورسٹی میں آپ کا بیان ہوا جس میں دنیا بھر سے آئے ہوئے طلباء کرام کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہء قادیانیت کی اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔

۱۹۷۴ء کی مقدس تحریک ختم نبوت میں کامیابی وکامرانی کے بعد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے گرامی قدر رفقاء جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر کے ہمراہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو لبنان، مصر، عمان، کویت، کینیا، اردن، فلسطین، سوریا، عراق، ایران، مراکش، تنزانیہ، زمبیا اور یوگنڈا کے سفر پر تشریف لے گئے، حرمین شریفین کے قیام کے دوران آپ نے ایک ہفتہ

میں جاپان، انڈونیشیا، ملایا، فلپائن، شام، انڈیا، نائیجیریا، سرالیون، اپر ولٹا اپر وی کوسٹ، سینی گال، جنوبی افریقہ اور ترکی کے مشائخ و عمائدین سے ملاقاتیں کیں، انہیں فتنہ قادیانیت کی سنگینی سے باخبر کای اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا لٹریچر ان کو دیا۔

دسمبر ۱۹۷۵ء میں عالمی مجلس کے ممتاز راہنما مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر اور حضرت مولانا اللہ وسایا نے انڈونیشیا، سنگاپور، ملائشیا، اور تھائی لینڈ کا دورہ کیا۔ جہاں علماء کرم و مشائخ عظام سے ملاقاتوں کے علاوہ متعدد کانفرنسوں سے خطاب کیا علاوہ ازیں ایک بیس روزہ تربیتی کلاس کا اہتمام بھی کیا گیا جس میں علماء کرام، مشائخ عظام، طلباء اور عوام بھاری تعداد میں شریک ہوتے رہے جنہیں رد قادیانیت کی تربیت دی گئی اور حقانیت ختم نبوت کو واضح کیا گیا۔ تربیتی کورس اور تقاریری کے علاوہ انڈونیشی زبان میں متعدد پمفلٹ و رسائل فوری طور پر شائع کر کے تقسیم کیے گئے۔ اس دورے کا یہ اثر ہوا کہ قادیانی چیخ اٹھے، ان کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں جبکہ وہاں کے مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت واضح ہونے کے بعد قادیانیوں کے خلاف کام کرنے کا نیا جذبہ اور ولولہ نصیب ہوا۔

ستمبر ۸۲ء میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنما حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر ایک وفد کے ہمراہ جس میں جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا مفتی زین العابدین، مولانا ظفر احمد انصاری، جناب ریٹائرڈ جسٹس محمد افضل چیمہ، سابق اٹارنی جنرل جناب محمد غیاث شیخ جناب سید ریاض الحسن گیلانی ایڈوکیٹ شامل تھے جنوبی افریقہ کیس کے سلسلہ میں کیپ ٹاؤن تشریف لے گئے ابتدائی سماعت کے بعد ہی قادیانیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ذلت آمیز شکست ہوئی۔ اس کامیابی کے بعد وفد نے سعودی عرب میں جا کر فریضہ حج ادا کیا اور پھر کامیاب و کامران واپس پاکستان تشریف لے آئے۔

مارچ ۸۳ء میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی نے برطانیہ کا دورہ کیا اور وہاں کے طول و عرض میں ان حضرات نے ختم نبوت کا پیغام پہنچایا، ان دنوں قادیانیوں نے اسپین میں اپنی ایک عبادت گاہ تعمیر کی تو پوری دنیا میں اس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ گویا پورا اسپین فتح کر لیا ہے ان کا کہنا تھا کہ سقوط اسپین کے صدیوں

بعد یہ پہلی عبادت گاہ ہے چنانچہ عالمی مجلس کے وفد نے اس سفر میں اسپین کا دورہ کیا وفد کو وہاں جا کر یہ معلوم ہوا کہ یہاں اہل اسلام کی متعدد مساجد موجود ہیں۔ انہی دنوں سعودی عرب کے فرماں روا شاہ خالد مرحوم نے بھی وہاں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی تھی۔ الغرض عالمی مجلس کے مذکورہ راہنماؤں کے وہاں کی متعدد مساجد میں ختم نبوت، اسلام کی حقانیت اور رد قادیانیت پر زبردست بیانات ہوئے اور یوں تحفظ ختم نبوت کے مقدس فریضہ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے سرانجام دیا۔
اسی طرح ۸۴ء کے اوائل میں قادیانیوں نے ایک کیس دائر کیا جس کی پیروی کے لیے عالمی مجلس کے ناظم تبلیغ حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر تشریف لے گئے۔

جنوری ۱۹۸۵ء میں جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا منظور احمد الحسینی نے ماریشس، کینیاری یونین کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور ماریشس کے گورنر جنرل سے ملاقات کر کے ختم نبوت کا پیغام پہنچایا وہاں کے تمام پروگراموں میں ہر دو حضرات کی رپورٹین باقاعدہ ریڈیو پر نشر ہوتی رہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مذکورہ ممالک میں عالمی مجلس کے راہنماؤں کی خاص پذیرائی ہوئی قادیانی اس صورت حال سے بوکھلا اٹھے بعد میں انہوں نے خفت مٹانے کے لیے اہلِ اسلام کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ اہل اسلام نے شرط لگائی کہ ہم مناظرہ کے لیے تیار ہیں لیکن گفتگو مرزا طاہر سے ہوگی لیکن وعدے کے باوجود قادیانی مرزا طاہر کو نہ لا سکے اور نہ ہی مرزا طاہر کو یہ جرات ہوئی کہ وہ میدان میں آ کر مناظرہ کرتا۔ اس سے جہاں قادیانیوں کو ذلت کا سامنا کرنا پڑا وہاں مسلمانوں میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا اور انہوں نے قادیانیوں کا پرزور تعاقب شروع کر دیا۔

۱۷ فروری ۱۹۸۳ء کو قادیانوں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا محمد اسلم قریشی کو اغواء کیا نیتجتاً تحریک چلی جس کے باعث **۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء** کو قادیانیت کے خلاف امتناع قادیانیت آرڈی ننس جاری ہوا۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اندرون و بیرون ملک اس آرڈی ننس کی تشہیر و اشاعت سے پوری دنیا میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کے بھرپور تعاقب کی راہیں کھل گئیں۔

انڈونیشیا میں قادیانیت کا احتساب

جب پاکستان میں یہ خبر پہنچی کہ پاکستان کے بعد حکومتی سطح پر انڈونیشیا میں بھی قایانیوں کا احتساب کیا جارہا ہے تو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے بزرگ راہنما حضرت مولانا یوسف لدھیانوی اور جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے انڈونیشیاء کا سفر کر کے انڈونیشی حکومت کے عمائدین سے ملاقاتیں کیں، قادیانیت کے خلاف منظم آئینی جدوجہد پر انہیں مبارک باد پیش کی۔ اور اس سلسلہ میں مکمل معلومات و راہنمائی حاصل کی۔ اسی سفر میں واپسی پر بنگلہ دیش جاکر بھی دونوں راہنماؤں نے حضرات علماء کرام اور مدارس عربیہ کے سربراہان سے ملاقاتیں کیں جو دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوئیں جس کی تفصیل آپ اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

اکتوبر ۸۴ء میں مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور ان کی معاونت کے لیے جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا، مولانا منظور احمد الحسینی نے ساؤتھ افریقہ کیس کے سلسلہ میں سفر کیا۔ کیس سے فراغت کے بعد مؤخرالذکر ہر دو حضرات کینیا، ماریشش، ری یونین کے تفصیلی دورہ پر روانہ ہوگئے یہ دورہ انتہائی کامیاب رہا جس کے باعث وہاں کے عوام وخواص میں رد قادیانیت کا موثر ترین عمل شروع ہوگیا۔ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے آج وہاں قادیانیوں کے لیے منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ہے۔

جولائی ۸۵ء میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کی سربراہی میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا، مولانا منظور احمد الحسینی، نے متحدہ عرب امارات کی ریاستوں ابوظہبی العین، شارجہ، دبئی میں جاکر عظیم الشان کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ جمعیت اہلِ سنت عرب امارات کے مخلصانہ تعاون سے عرب شیوخ علماء وعوام سبھی حضرات نے فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لیے اپنے آپ کے وقف کردینے کا اعلان کیا۔

لندن میں عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں کا آغاز

لندن میں مستقل بنیادوں پر ایک سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد تجویز کیا گیا۔مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیرِ اہتمام ایک منظم پروگرام کے تحت پہلی عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس ۴ اگست ۱۹۸۵ءکو ویمبلے ہال لندن میں کانفرنس ہوئی۔......................

فروری ۱۹۸۶ء میں جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا نے انڈیا کا سفر کیا جامعہ حسینیہ راندھیر، فلاح دارین ترکیسر، دارالعلوم بھڑوچ کنتھاریہ، جامعہ اسلامیہ ڈھابیل، مظاہر العلوم سہانپور، دارالعلوم دیوبند میں انہوں نے علماء کرام مشائخ عظام اور طلباء کے عظیم اجتماعات سے خطاب کر کے عالمی مجلس کا پیغام پہنچایا اور انہیں فتنہ قادیانیت کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔

سویڈن اور ناروے

احباب کے اصرار اور ان کے انتظامات پر جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا اللہ وسایا نے سویڈن اور ناروے کا سفر کیا۔سویڈن میں مالمو، گوئن برگ اور ناروے میں اوسلو کے مقامات پر عظیم الشان اجتماعات منعقد ہوئے اور یوں نیوے اسکنڈین ممالک میں کانفرنس کے خوب چرچے ہوگئے۔ مالمو میں معلوم ہوا کہ ایک قادیانی ملازم کریم کو نامعلوم افراد نے پستول کا وار کر کے اندھا کر دیا اور یوں سویڈن میں بھی قادیانیت پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب ہر طرف سے قادیانیت کی رسوائی و پسپائی کی داستانیں سننے میں آئیں تو وفد ہی نہیں وہاں کے تمام مسلمانوں کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے۔

الغرض ۷ ستمبر کو کوپن ہیگن میں تاریخی ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔اتنی کامیاب ترین کانفرنس کہ نہ صرف ڈنمارک بلکہ سویڈن و ناروے کے وفود نے بھی اس میں شرکت کی۔ کانفرنس کی کامیابی پر اللہ رب العزت کے فرشتے بھی جھوم اٹھے ہوں گے ان ممالک میں بھی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ہوئی آج بھی اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے ان حضرات سے مسلسل رابطہ ترسیل لٹریچر اور مشاورت و ہدایات کا سلسلہ جاری ہے۔

۲۹ ستمبر ۸۶ء کو جناب مولانا محمد عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا اللہ دسایا دوبارہ لندن واپس ہوئے اور یہاں آکر دفتر کی خریداری کا کام شروع کر دیا۔ مولنا بلال پٹیل مولانا نور حسین سورتی۔ مسجد بالہم کی انتظامیہ و نمازیان نے شب و روز ایک کر دیے۔ گرین سٹاک ویل میں ایک چرچ جو آٹھ ہزار چھ سو مربع فٹ پر مشتمل ہے اس کے لیے کوشش و کاوش شروع ہوئی۔ پاکستان کے حساب سے پینتالیس لاکھ روپے میں اس کا سودا طے ہوا۔ جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا صاحب نے جنوری ۸۷ء تک وہاں قیام کیا۔ اور دفتر کی خریداری کا کام مکمل کر کے حجاز مقدس میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں کامیاب و کامران تشریف لے آئے۔

مختلف ممالک کے تبلیغی دورے

۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو لندن میں دوسری سالانہ عالمی ختم نبوت کانفرنس ہونا قرار پائی۔ اس سلسلہ میں پاکستان سے عالمی مجلس کا ایک وفد ترتیب دیا گیا جس کا مقصد کانفرنس سے قبل مختلف ممالک کا تبلیغی دورہ کرنا تھا تاکہ ان ملکوں کے مسلمان عوام کو قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں اور سازشوں سے آگاہ کیا جائے اس وفد کے سربراہ فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی تھے خطیب پاکستان مولانا ضیاء القاسمی، جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا اللہ وسایا آپ کے رفیق سفر تھے۔

کینیڈا کا سفر

طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت مولانا مکی کی سربراہی میں سب سے پہلے کینیڈا کا سفر کرنا تھا لیکن حج کے مقدس فریضہ کے بعد آپ کو ہوائی جہاز سے سیٹ نہ مل سکی۔ چنانچہ خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی کی قیادت میں جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا اور مولانا اللہ وسایا نے چار ہفتہ تک کینیڈا کے طول و عرض کا طویل ترین سفر کیا۔ ٹورنٹو، کیگری، یڈمنٹن میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنسیں اور خصوصی اجتماعات منعقد ہوئے علاوہ ازیں مختلف مقامات پر بیانات درس، مجالس، و محافل، اجتماعات جمعہ، پریس کانفرنسوں اور ملاقاتوں کے ذریعے ختم نبوت کا پیغام پہنچایا گیا۔ کیگری اور دوسرے مقامات پر عرب حضرات کو فتنہ قادیانیت کی سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے لیے فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا خلیل احمد ہزاروی متحدہ عرب

امارات سے تشریف لائے انہوں نے وفد کے باقی حضرات کے سفر کے بعد وہاں کے دوستوں کی خواہش پر مزید قیام فرمایا عالمی مجلس کے راہنماؤں کے اس دورے اور خطابات سے قادیانیت بوکھلا اُٹھی۔

۸ جولائی ۱۹۸۷ء کو تیسری سالانہ کانفرنس کے انتظامات و تیاری کے لیے پاکستان سے حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ، امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مولانا ضیاء القاسمی، مولانا نزیر احمد بلوچ، مولانا منظور احمد الحسینی، جناب مولانا عبدالرحمٰن یعقوب باوا تشریف لے گئے۔ سعودی عرب سے فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی تشریف لائے۔ ۲۰ ستمبر ۸۷ء کو ویمبلے میں عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی۔

انٹرنیشنل ختم نبوت مشن (قائم شدہ ۱۹۸۵ء)
نئی تنظیم کی ضرورت واغراض مقاصد

از قلم فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی مدظلہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ انگریز حکومت نے اپنے سیاسی استحکام کے لیے ہندوستان میں قادیانیت کا پودا لگایا اور اس نے تاویل والحاد کی راہ سے عقائد اسلام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے قطعیات اسلام میں تشکیک کے کانٹے اس بے رحمی سے بوئے کہ ختم نبوت جیسی ضردیات دین کو بھی اپنے معنی ومفہوم میں متزلزل کر ڈالا۔ انگریزوں کے خود کاشتہ پودا ہونے کا مرزا غلام احمد نے خود اعتراف کیا ہے۔

(دیکھیے تبلیغ رسالت جلد ۷ ص ۱۹)

مرزا غلام احمد نے نہ صرف ختم نبوت کے اسلامی معنی بدلے بلکہ اس نے حضور پیغمبر اسلام کی شخصیت کریمہ کو بھی تاویل میں اتارا۔ حضور ﷺ کے نام محمد اور احمد اپنے لیے استعمال کیے لفظ احمد کے اسی دعویٰ سے اپنے پیروؤں کا نام احمدی رکھا اور کلمہ اسلام **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** میں اپنے آپ کو **محمد رسول اللہ** ٹھہرایا۔ اس طرح وہ اور اس کے پیرو اسلام سے اس دور تک نکل گئے کہ تعلیمات اسلام سے کفر واقع ہوا اور پھر کلمہ علمائے اسلام نے بلا امتیاز مسلک و فرقہ مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کو اسلام سے خارج بتلایا۔ عدالتوں میں کئی نکاح اس بناء پر فسخ ہوئے مسلمانوں اور قادیانیوں کے جنازے علیحدہ علیحدہ اٹھے اور ان کی ایک دوسرے سے ہر دائرہ میں کلی علیحدگی واقع ہوئی۔

اسلام ہر پیغمبر کے احترام کا داعی ہے اور کوئی پیغمبر ہو اس کی توہین کو کفر قرار دیتا ہے۔ مرزا غلام احمد نے عیسائیوں کی مخالفت کے بہانے حضرت عیسیٰ مسیحؑ اور ان کی والدہ حضرت مریم صدیقہ کے بارے میں وہ گندی زبان استعمال کی کہ شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔ مرزا غلام احمد ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ پر لکھتا ہے۔

آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں۔ جن کے خوف سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا......اور پھر اس پر قرآن کریم سے استدلال کرتا ہے۔ خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حضور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔ (دافع البلاد ص ۵)

علمائے اسلام ضروریات دین کے اس قتل عام پر کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ سب نے مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کی دونوں جماعتوں کو اسلام سے خارج قرار دیا اور انگریزی دور حکومت میں قادیانیوں پر مرتد کی سزا جاری نہ کی جا سکتی تھی۔ اس لیے ڈاکٹر علامہ اقبال نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تحریک اٹھائی۔ علمائے اسلام کے اس فتویٰ اور ڈاکٹر اقبال کی اس تحریک کے باعث برصغیر پاک و ہند میں قادیانیت بے نقاب ہوئی۔ ۱۹۵۳ء میں یہ خطرہ شدت سے محسوس کیا گیا کہ قادیانی سر ظفر اللہ خان کے توسط سے کہیں حکومت پاکستان پر قبضہ نہ کر لیں پھر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کے چہروں سے نقاب بالکل الٹ گئی۔

علمائے اسلامی کی نرمی دیکھیے کہ جو مطالبہ ایک غیر مسلم ملک میں کیا گیا تھا پاکستان کی اسلامی سلطنت میں بھی اسے ہی باقی رکھا کہ شاید ان لوگوں کو پھر سے مسلمان ہونے کا موقع مل جائے لیکن قادیانی سربراہ مرزا ناصر نے اپنی ضد قائم رکھی اور اس رعایت کو جو مسلمان انہیں دے رہے تھے اسے قبول نہ کیا نہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک دوسری ملت تسلیم کیا اور نہ اسمبلی میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنی نشست پر کی جب انہوں نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے یہ راہ اختیار نہیں کی تو اسمبلی کے باہر ان کا اپنے حقوق کا واویلا کرنا ایک سیاسی چال کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے اسلامی نشان اور شعار کا پورا تحفظ ہو جس طرح کوئی فرم اجازت نہیں دیتی کہ ان کا ٹریڈ مارک کوئی اور استعمال کرے مسلمان پسند نہیں کرتے کہ قادیانی ان کا شعار کلمہ واذان وغیرہ کے استعمال سے مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں۔

افسوس کہ قادیانی امن وسلامتی کی پالیسی کے برابر مخالف رہے۔ ربوہ علمائے اسلام کے قتل و اغواء کی سازشوں کا مرکز بن گیا۔ ان کی ظلم اور ضد کی اس پالیسی پر مسلمان اس پر مجبور ہوئے کہ اسلامی شعار کے تحفظ کے لیے قادیانی عبادت گاہوں سے کلمہ اسلام کے حروف اٹھا لیے جائیں وہ مسلمانوں اذان ومساجد کے اشتباہ سے اپنی طرف نہ کھینچ سکیں چنانچہ صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے بجا قدم اٹھایا اور ۱۹۸۴ء میں ایک آرڈی ننس نافذ کیا اس کے تحت مسلمانوں کے کلمہ واذان کو قانونی تحفظ مہیا کیا گیا اور قادیانیوں کو مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوششوں سے (جسے یہ لوگ اپنی تبلیغ کہتے ہیں) قانوناً روک دیا گیا۔

اب پاکستان میں بیٹھے یہ لوگ مسلمانوں کو مزید دھوکا نہ دے سکتے تھے چنانچہ ان کا سربراہ مرزا طاہر خفیہ طور پر پاکستان سے بھاگا اور پاکستانیوں کا منہ چڑانے کے لیے ایک بستی حاصل کی اور نام اس کا اسلام آباد رکھا۔ اب قادیانیوں کے اس نئے مرکز میں دن رات پاکستان کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں۔ مرزا طاہر کی ان تقریروں کے کیسٹ پھر پاکستان آتے ہیں۔ قادیانیوں کے گھر گھر ان کے ریکارڈ لگتے ہیں اور مرزا طاہر کی پوری کوشش ہے کہ انگلستان کی مسلم نو آبادیات میں مسلمانوں کے کسی فرقہ کو ہاتھ میں رکھیں تاکہ وقت آنے پر آئندہ کبھی مسلمان متحد نہ وہ سکیں نہ ملت پر کبھی وحدت کی بہار آئے۔

اب مسلمانوں پر عالمی سطح میں یہ کچھ ذمہ داریاں آتی ہیں۔ ضرورت تھی کہ لندن میں ختم نبوت کا ایک عالمی مشن قائم کیا جائے جو لندن کے اس قادیانی مرکز کا ترکی بہ ترکی جواب دے سکے پھر لازم ہے کہ اس کی شاخیں یورپ، افریقہ اور امریکہ کے مختلف ممالک میں وہاں وہاں قائم ہوں جہاں کچھ بھی مسلمان بستے ہیں پاکستان میں تو ختم نبوت کی خدمت بیشک ہو رہی ہے تاہم ضروری ہے کہ عالمی سطح پر بھی ایک انٹرنیشنل ختم نبوت مشن قائم ہو۔

الحمدللہ کہ مکہ مکرمہ میں موجود بعض اہل دل حضرات نے اس طرف پیش قدمی کی اور شب بدھ ۱۷ رجب ۱۴۰۵ھ کو ایک عالمی تنظیم انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے نام سے قائم کی اس کے طریق کار میں طے پایا کہ ختم نبوت کا کام جہاں جہاں پہلے سے ہو رہا ہے وہاں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے اور جہاں جہاں دوسرے ممالک میں اس کام کی ضرورت پیدا ہوئی ہے وہاں اس عالمی تنظیم کے تحت کانفرنسوں نشر واشاعت لٹریچر اور ماہنامہ وغیرہ کے اجراء سے ایک مضبوط مرکز بروئے کار

لایا جائے۔لندن ویمبلے ہال ۴ اگست ۱۹۸۵ء کی انٹرنیشنل ختم نبوت کانفرنس اسی پرگرام کی طرف پہلا قدم ہے۔یہ کانفرنس قادیانیوں کی اس کانفرنس کے جواب میں ہے جو وہ پہلے ربوہ (پاکستان) میں کرتے تھے اور ۱۹۸۵ میں انہوں نے اسے لندن میں منعقد کیا ہے۔صدر پاکستان کے ۱۹۸۴ء کے آرڈی نینس کے تحت وہ پاکستان میں مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت نہ دے سکتے تھے۔اس کے لیے اب انہوں نے لندن کا انتخاب کیا ہے۔ جواب آں غزل بھی لندن میں درکار تھے۔ نئے حالات کے اس موڑ پر ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ قادیانی سربراہ مرزا طاہر کی خلاف اسلام ریشہ دوانیوں کا سدباب کرنے کے لیے عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے لیے اور مسلمانوں کو ان کا شکار بننے کی سازشوں سے بچانے کے لیے ان کوششوں میں ہمارے ساتھ ہوں۔

ہم نے نیک جذبات کے ساتھ من انصاری الی اللہ کی یہ آواز لگائی ہے خوش قسمت ہیں وہ مسلمان جو اس صدا پر لبیک کہیں۔اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہوں۔

انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے زیر اہتمام ختم نبوت کانفرنسوں کا انعقاد

انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے قائدین نے برطانیہ و یورپ میں تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں کا ایک غیر متناہی سلسلہ قائم کر دیا جس کی پیروی دیگر تنظیموں نے بھی کی اور یورپ ختم نبوت زندہ باد مرزائیت مردہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔مثل مشہور ہے چور کو اس کے گھر تک پہنچانا چاہیے۔ختم نبوت مشن کے قائدین نے مرزا طاہر اور اس کے پیروکاروں پر برطانیہ بھی عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ **ختم نبوت مشن کی اعلیٰ کارکردگی کا ایک نمونہ برطانیہ سے شائع ہوئے اردو اخبارات کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں۔**

روزنامہ جنگ کی رپورٹ

1- لندن (نمائندہ جنگ) جمعیت علماء ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا ہے کہ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور قادیانی فتنہ کی بیخ کنی کے لیے جدوجہد کرنا ساری دنیا کے مسلمانوں کی مشترک ذمہ داری ہے وہ گزشتہ روز ویمبلے کانفرنس سنٹر لندن میں انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے زیر اہتما

الاقوامی ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے جتنی پیش گوئیاں کیں وہ غلط ثابت ہوئیں مثلاً محمدی بیگم سے آخر وقت تک ان کا نہ نکاح ہو سکا اور نہ محمدی بیگم ان پر ایمان لائی' اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسری کی وفات مرزا کی وفات کے کم و بیش نصف صدی بعد ہوئی۔ اسی لیے قادیانی امت کے افراد کو تعصب کی عینک اتار کر ایک بار پھر سوچ لینا چاہیے اور گمراہی کے راستے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔

بنگلہ دیش کے ممتاز دینی وسیاسی راہنما اور تحریک خلاف کے سربراہ حافظ جی حضور نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان میں قادیانیت کے خلاف علماء اور عوام کی جدوجہد اور حکومت کے اقدامات کو سراہا اور کہا کہ دیگر مسلم حکومتوں کو بھی ان اقدامات کی پیروی کرنی چاہیے۔ آل جموں وکشمیر جمعیۃ علماء اسلام کے سربراہ مولانا محمد یوسف خان نے کہا کہ قادیانی گروہ صرف مذہبی فتنہ نہیں بلکہ ایک سیاسی گروہ ہے جو مذہب کا لبادہ اوڑھ رہا ہے انہوں نے تحصیل بٹالہ بھارت کے حوالے کر دی جس سے بھارت کو کشمیر کا راستہ ملا اور یہ سارے جھگڑے کھڑے ہوئے۔ آج بھی یہ گروہ باقی ماندہ پاکستان کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہا ہے۔

انٹرنیشنل ختم نبوت کے سربراہ الشیخ عبدالحفیظ المکی نے کہا کہ منکرین ختم نبوت کا اس وقت تک دنیا کے ہر کونے میں تعاقب کیا جائے گا جب تک وہ توبہ نہیں کر لیتے یا اپنے لیے مسلمانوں سے الگ ایک امت کی حیثیت کو قبول نہیں کر لیتے۔ مشن کے سیکرٹری جنرل مولانا محمد ضیاء القاسمی نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت کی خاطر صحابہؓ نے خون کا نذرانہ پیش کیا اور بارہ سو صحابہ کرامؓ نے اپنے خون کے ساتھ ہمیشہ کے لیے یہ فیصلہ لکھ دیا کہ مسلمان معاشرہ میں قیامت تک نبوت کے کسی دعویدار کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ انہوں نے برطانیہ میں ختم نبوت کے رضا کاروں کی تنظیم کے قیام کا علان کرتے ہوئے کہا کہ ''جیش صدیق اکبرؓ'' کے نام اسے اس تنظیم میں تین سو تیرہ رضا کار بھرتی کیے جائیں گے۔ نائب صدر علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی اور نزول کے عقیدہ پر روشنی ڈالی اور کہا کہ قرآن کریم نے ہمیں یہی عقیدہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہا السلام کو یہودی نہ سولی دے سکے نہ قتل کر سکے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا اور انہیں قیامت

کی نشانی قرار دیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس عقیدہ کی وضاحت فرمائی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اٹھالیا ہے' وہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اور ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات' رفع اور نزول کا عقیدہ قرآن و حدیث کی نصوص صریح سے ثابت ہے اور ملت اسلامیہ کا اجماعی عقیدہ ہے اور اس کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا ختم نبوت کا انکار کفر ہے لیکن قادیانی گروہ قرآن و حدیث کے الفاظ کی غلط تعبیرات کر کے گمراہی پھیلا رہا ہے۔ نائب صدر مولانا منظور احمد چنیوٹی نے اپنے خطاب میں مرزا طاہر احمد کو مناظرے اور مباہلے کے چیلنج اور مرزا طاہر کے گریز کی تفصیلات بیان کیں اور اپنے چیلنج کے مطابق کانفرنس میں ایک بار پھر حلف اٹھاتے ہوئے مرزا طاہر احمد کو دعوت دی کہ اگر وہ سچا اور پاک دامن ہے تو اسی طرح ان کے سامنے آ کر حلف اٹھائے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی گروہ کے سب سے بڑے مناظر قاضی نذیر احمد اور ابوالعطاء جالندھری ان سے مناظرہ میں کئی بار شکست کھا چکے ہیں اور اب بھی ان کا چیلنج ہے کہ مرزا طاہر احمد کو اپنے مذہب کی سچائی کا ذرہ سا بھی یقین ہے تو وہ مناظرہ یا مباہلہ کے لیے ان کے سامنے آئے۔ جمعیت علماء اسلام پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات مولانا زاہد الرشدی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی نبوت برطانوی استعمار کی پیداوار ہے جسے برطانوی حکمرانوں نے نوآبادیاتی مقاصد کے لیے جنم دیا تھا۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے آباء و اجداد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں سے غداری کرتے ہوئے انگریز حکمرانوں کی عملی مدد کی تھی اور ان کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے تھے اس لیے انگریز حکمرانوں نے اپنی وفادار جماعت کے سربراہ کے طور پر مرزا غلام احمد کو چنا اور اسے نبوت کا دعویدار بنایا تاکہ وہ نبوت کے نام پر جہاد کو حرام قرار دینے اور انگریز کی وفاداری کا سبق پڑھانے کا کام کر سکے اور مرزا قادیانی نے ساری عمر یہی کام کیا۔ جس کا خود اس نے اپنی کتابوں میں برملا اعتراف کیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود نے اپنے ایک الہام کے ذریعہ پاکستان کو عارضی قرار دے کر اکھنڈ بھارت کی جو پیش گوئی کی اس کو پورا کرنے کے لیے قادیانی جماعت اب تک مسلسل

پاکستان کے خلاف سازشیں کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے اکابر میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا اطہر علی نے قیام پاکستان کی حمایت کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ میں کانفرنس کی طرف سے مرزا طاہر احمد کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ جھوٹی نبوت سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں وہ ہمارے بھائی ہوں گے اور ہم انہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو وہ مسلمانوں سے الگ امت کی حیثیت کو قبول کر لیں لیکن انہیں اسلام کے نام پر قادیانیت کی تبلیغ کرنے اور مسلمانوں کے مخصوص مذہبی شعائر و علامات کو اختیار کر کے دھوکہ دینے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کے اس دجل اور فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے دنیا کے آخری کونے تک ان کا تعاقب کیا جائے گا۔

لندن میں سعودی عرب کے سفارتخانہ کے وزیر مقوض الشیخ ناجی الصادق مفتی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اپنے عقائد کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جو علماء محنت کر رہے ہیں وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سعودی حکومت اور اس کے فرمانبردار خادم حرمین شریفین شاہ فہد قادیانیت کو اسلام کے خلاف ایک فتنہ اور سازشیں کہتے ہیں اور اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے محنت کرنے والوں کی جدوجہد کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی کی لندن شاخ کے ڈائریکٹر الشیخ حسن الاھدل نے کانفرنس میں ختم نبوت کی اہمیت پر انگریزی میں مقالہ پیش کیا اور اس میں عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کے ساتھ قادیانی فتنہ کی فریب کاریوں پر بھی روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی گروہ اسلام کے نام پر مسلمانوں کو اور دنیا کی دوسری قوموں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اسی فریب کا پردہ چاک کرنا اور اس سے مسلمانوں کو باخبر کرنا تمام علماء کی ذمہ داری ہے۔

ممتاز مصری عالم دین اور اسلامک کلچرل سنٹر ریجنٹ پارک کے خطیب الشیخ زہران نے اپنے پرجوش خطاب میں کہا کہ مصر میں ایک بھی قادیانی نہیں ہے اور نہ ہی مصر کے عوام اور حکومت ختم نبوت کے کسی منکر کو اپنے ملک میں برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے

ممکن ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کے کسی دعویدار کو ایک مسلمان معاشرہ میں برداشت کیا جائے کیونکہ یہ سراسر کفر اور ارتداد ہے جس کے خلاف جہاد تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

ابوظہبی کے ممتاز عالم دین اور جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ الدعوۃ والا رشاد متحدہ عرب امارات کے سیکرٹری جنرل مولانا خلیل احمد نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کو مکمل تعاون کا یقین دلایا اس اس بات پر زور دیا کہ تحفظ ختم نبوت کے مشن کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے۔ مولانا عبدالرشید ربانی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء برطانیہ نے اس کانفرنس کو اللہ کا فضل اور کارکنوں کی محنت اور اکابرین کی مکمل سرپرستی کا نتیجہ قرار دیا ابوظہبی کے الشیخ اشتیاق حسین عثمانی نے بھی کانفرنس سے خاب کیا۔ کینیڈا سے کانفرنس میں شریک ہونے والے ممتاز عالم دین مولانا مظہر عالم نے مغربی ممالک میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر تشویش کا اظہار کیا اور ختم نبوت مشن کے رہنماؤں پر زور دیا کہ وہ ان سرگرمیوں کے تعاقب کے لیے منظم پروگرام وضع کریں۔ قاری تصورالحق سیکرٹری رابطہ نے مسلمانوں میں باہمی اتحاد پر زور دیا اور اس اتحاد کو کامیابی کا ذریعہ قرار دیا بین الاقوامی ختم نبوت کانفرنس کی دو نشستیں ہوئی اور کانفرنس مجموعی طور پر آٹھ گھنٹے جاری رہی۔ پہلی نشست کی صدارت مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کے سربراہ مولانا خان محمد سجادہ نشین کندیاں شریف اور دوسری نشست کی صدارت جمعیت علماء ہند کے سربراہ مولانا اسعد مدنی نے کی اور ان دونوں نشستوں سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی' مولانا اللہ وسایا' مولانا مفتی احمد الرحمان' مولانا میاں محمد اجمل قادری' قاری تصورالحق' مولانا منظور الحسینی' مولانا عبدالرؤف ربانی' مولانا محمد موسیٰ قاسمی' مولانا امداد الحسن نعمانی' مولانا محمد فاروق' مولانا سید مسعود شاہ' مولانا بلال احمد مظاہری' مولانا محمد بلال پٹیل' مولانا حسین علی' مولانا محمد زکریا' ممبر سندھ اسمبلی مولانا مفتی محی الدین' مولانا قبال احمد' مولانا مفتی محمد اسلم' قاری بشیر احمد' مولانا محمد حنیف جالندھری' مولانا قاری عبدالحئی عابد' مولانا افضل الٰہی تاج پوری' مولانا عبدالرحمٰن قاسمی' مولانا سید عبدالقادر آزاد' مولانا محمد اسلم زاہد' مولان المفتی مقبول احمد' مولانا محمد یوسف رحمانی' مولانا قاری محمد طیب عباسی' مولانا محمد آدم' مولانا ضیاء الحق' مولانا ایوب سورتی' مولانا ابراہم' مولانا اسمٰعیل بھٹی اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔

(روزنامہ جنگ لندن ۱۶ اگست ۱۹۸۵ء)

نبی اکرمؐ کی ختم نبوت سے انحراف کرنیوالے نرمی کے مستحق نہیں

بولٹن میں جلسہ ختم نبوت سے علماء کرام کا خطاب

بولٹن (وطن نیوز) جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا ہے کہ منکرین ختم نبوت کے بارے میں اسلام کا اصل فیصلہ وہی ہے جو خلیفہ اول صدیق اکبرؓ نے اپنے دور خلافت میں کیا تھا کیونکہ جناب محمد ﷺ رسول اللہ کی ختم نبوت سے انحراف کرنے والے اسلام کی رو سے کسی نرمی کے مستحق نہیں ہیں۔ گزشتہ روز مسلم کلچرل سنٹر بولٹن میں جمعیۃ علماء برطانیہ کے زیر اہتمام ایک روزہ سیرت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ علماء کو عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے منظم کرنا چاہیے۔ سیرت کانفرنس کی صدارت جمعیۃ العلماء برطانیہ کے سرپرست علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے کی اور انہوں نے اپنے خطاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ختم نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کا مرکز عقیدت ایک ہی ہے اور نبی اکرم ﷺ کے عنوان سے نئے مرکز عقیدت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے سے اسلام کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی نے کہا کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے صورت وسیرت کے جس حسن اور کمال سے آراستہ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مولانا زاہد الرشدی نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ سو برس پہلے انسانی معاشرہ کو امن وخوشحالی، حقوق اور عزتِ وسرافت کی جن اقدار سے بہرہ ور کیا تھا۔ آج کے جدید نظام ترقی و تہذیب کے تمام تر دعوؤں کے باوجود ان اقدار کی مثال پیش نہیں کر سکے۔ کانفرنس سے مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا اللہ وسایا، مولانا عبدالرحمٰن باوا، مولانا عبدالرشید ربانی، مولانا قاری تصور الحق، مولانا محمد طیب عباسی اور دیگر رہنماؤں نے بھی خطاب کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ بھارت کے روزافزوں مسلم کش فسادات پر تشویش اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے حکومت برطانیہ اور مسلم حکومتوں سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ بھارتی مسلمانوں کی جان و مالی اور آبرو کے تحفظ کے لیے اپنا اثرورسوخ استعمال کریں۔

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کا قیام

انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کے قائدین کو وسیع سطح پر کام کرنے کی ضرورت کے پیش نظر موجودہ پلیٹ فارم ناکافی محسوس ہوا تو انہوں نے انٹرنیشنل ختم نبوت مشن کی جگہ انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ قائم کرلی۔ اس کے اغراض ومقاصد اور ابتدائی تنظیمی ڈھانچہ کا تعارف حسب ذیل ہے۔

اغراض ومقاصد

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ

۱۔ عقیدہ ختم نبوت اور اسلامی عقائد کا تحفظ واشاعت اور منکرین ختم نبوت کے تمام گروہوں اور تمام باطل فرقوں کی نشاندہی وتعاقب۔

۲۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اسلام کے عملی نفاذ کی جدوجہد دینی مدارس ومراکز کا حسب ضرورت قیام اور قائم شدہ کے ساتھ تعاون۔

۳۔ مختلف زبانوں میں عقیدہ ختم نبوت اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت۔

۴۔ عقیدہ ختم نبوت اور اسلام کے خلاف پھیلائے جانے والے اعتراضات اور شکوک و شبہات اور ایسے مواقع کا جواب۔

۵۔ مذکور مقاصد کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کے ساتھ تعاون اور ان میں رابطہ و مفاہمت کے فروغ کی کوشش۔

۶۔ عالم اسلام اور بالخصوص دینی تحریکات کے درمیان اتحاد کے لیے محنت۔

۷۔ نادار اور بے سہارا لوگوں کی خدمت اور اعانت۔

۸۔ دنیا کے مختلف خطوں میں آزادی اور دینی تشخص کی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں سے تعاون۔

۹۔ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور اسلامی عقائد واحکام کے تحفظ کے لیے علماء طلباء اور دانشوروں کی تیاری وتربیت اور دنیا بھر میں ضرورت کے مطابق وفود کی شکل میں تبلیغ کے لیے روانگی۔

۱۰۔ ابلاغ کے جدید ترین ذرائع کو اسلامی مقاصد کے لیے شریعت مطہرہ کی حدود میں رہتے ہوئے استعمال کی جدوجہد۔

سپریم کونسل

ابتدائی تنظیمی ڈھانچہ جو 1995 میں تشکیل دیا گیا

۱۔	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	(انڈیا)
۲۔	شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر	(پاکستان)
۳۔	معالی الدکتور عبداللہ عمر نصیف	(سعودی عرب)
۴۔	حضرت علامہ مولانا محی الدین خان	(بنگلہ دیش)
۵۔	معالی الدکتور محمد عبدہ یمانی	(سعودی عرب)
۶۔	حضرت مولانا سید اسعد مدنی	(انڈیا)
۷۔	حضرت مولانا خواجہ خان محمد	(پاکستان)

مرکزی ذمہ داران

مرکزی صدر	فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ المکی	(سعودی عرب)
نائب صدر	حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی	(پاکستان)
نائب صدر	حضرت مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج الدین	(کویت)
نائب صدر	حضرت مولانا محمد ہارون اسلام آبادی	(بنگلہ دیش)
نائب صدر	حضرت مولانا محمد اسحاق کشمیری	(دوبئی)
جنرل سیکرٹری	فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی	(پاکستان)
سیکرٹری	صاحبزدہ مولانا امدادالحسن نعمانی	(برطانیہ)
سیکرٹری	حضرت مولانا حکیم محمد رفیق	(امریکہ)
سیکرٹری	حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی	(ہانگ کانگ)
سیکرٹری	حضرت مولانا جنید ہاشم	(جنوبی افریقہ)
رابطہ سیکرٹری	حضرت مولانا قاری محمد طیب عباسی	(برطانیہ)

سیکرٹری اطلاعات	حضرت مولانا اکرام الحق خیری	(پاکستان)
سیکرٹری مالیات	الحاج محمد اشفاق	(برطانیہ)
چیئر مین شعبہ تحقیق وتالیف	حضرت مولانا علامہ خالد محمود	(برطانیہ)
وائس چیئر مین	جناب حافظ اطہر عزیز	(پاکستان)

مرکزی مجلس شوریٰ

۱۔	حضرت مولانا موسیٰ کرماڈی	(برطانیہ)
۲۔	حضرت مولانا موسیٰ پانڈور	(برطانیہ)
۳۔	جناب الحاج اقبال سکرانی	(برطانیہ)
۴۔	الحاج محمد سلیم بھٹی	(جرمنی)
۵۔	حضرت مولانا محمد فاروق سلطان	(ڈنمارک)
۶۔	حضرت مولانا محمد مظہر عالم	(کینیڈا)
۷۔	حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن مدنی	(امریکہ)
۸۔	حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی	(جنوبی افریقہ)
۹۔	حضرت مولانا الحاج عبدالرحیم متالا	(زامبیا)
۱۰۔	الحاج میاں فضل حق	(مکہ مکرمہ)
۱۱۔	جناب جسٹس (ر) سینیٹر رفیق تارڑ	(سابق صدر پاکستان)
۱۲۔	علامہ ڈاکٹر محمود غازی	(پاکستان)
۱۳۔	حضرت مولانا زاہد الراشدی	(پاکستان)
۱۴۔	جناب سینیٹر راجہ محمد ظفر الحق	(پاکستان)
۱۵۔	جناب حمید اصغر نجید	(پاکستان)
۱۶۔	حضرت مولانا سید محمد بنوری	(پاکستان)
۱۷۔	حضرت مولانا محمد شاہد سہارنپوری	(بھارت)
۱۸۔	حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری	(بھارت)

۱۹۔	الحاج نصر اللہ خان پٹھان	(برطانیہ)
۲۰۔	سینئر ایڈووکیٹ محمد اسمٰعیل قریشی	(پاکستان)
۲۱۔	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ	(پاکستان)
۲۲۔	حضرت مولانا مفتی اظہار الاسلام	(بنگلہ دیش)
۲۳۔	حضرت مولانا اکٹر تقی الدین ندوی	(ابوظہبی)
۲۴۔	الحاج میاں محمد طارق شفیع	(پاکستان)
۲۵۔	الاستاذ حسن محمود عودہ	(فلسطین)
۲۶۔	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان	(پاکستان)
۲۷۔	جناب سید ریاض الحسن گیلانی	(پاکستان)
۲۸۔	جناب محمد ریاض وڑائچ	(امریکہ)
۲۹۔	الحاج میاں محمد ادریس	(پاکستان)

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کا مرکزی دفتر لندن میں ہے۔اس کے لیے بحمد اللہ ۱۴ کمروں پر مشتمل ایک وسیع عمارت فورسٹ گیٹ لندن میں سوا لاکھ (۱٬۲۵٬۰۰۰) پاؤنڈ اسٹرلنگ میں خرید لی گئی ہے۔ جہاں سے اردو میں ماہنامہ ''انوار ختم نبوت'' لندن شائع ہو رہا ہے۔عربی میں مجلّہ ''ختم النبوۃ'' لندن اور انگریزی میں ''ختم نبوت میگزین'' لندن عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔

دنیا کے دیگر کئی ممالک میں ''انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ'' لندن کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ جرمنی، ڈنمارک، ہانگ کانگ، واشنگٹن، کینیڈا، ناروے، پرتگال اور آزاد کشمیر میں موومنٹ کی شاخیں باقاعدہ کام کا آغاز کر چکی ہیں۔انٹرنیٹ پر باقاعدہ کام شروع ہو چکا ہے۔ختم نبوت کے موضوع پر فوری طور پر اردو، عربی، انگریزی، فرانسیسی، فارسی، ازبکی، جرمنی، ملائی اور روسی زبانوں میں لٹریچر کی تیاری کا کام شروع ہو چکا ہے۔ ''ختم نبوت چینل'' سے متعلق تحقیق جاری ہے۔ملت اسلامیہ کے تمام طبقات، حلقوں، اداروں، جماعتوں، دینی کارکنوں اور تمام مسلمانان عالم سے اپیل ہے کہ وہ اس مبارک مشن میں شریک ہو کر اپنا دینی و ملی فریضہ انجام دینے کی کوشش کریں ہمارے پروگراموں میں شرکت فرمائیں، مفید مشوروں اور قیمتی آراء سے رہنمائی فرمائیں نیز مذکورہ بالا مقاصد مبارکہ میں کامیابی کے لیے اور ان میں حصہ دار بن کر ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے صمیم قلب سے اللہ

جل شانہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں اور دل کھول کر عشق نبویؐ سے سرشار ہو کر سخاوت قلب کے ساتھ زیدہ سے زیادہ مالی مدد فرمائیں جس کے لیے لندن (برطانیہ) اور لاہور (پاکستان) کے اکاؤنٹ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

لاہور: اکاؤنٹ ۴۱۷۵ مسلم کمرشل بینک انارکلی لاہور پاکستان۔

لندن A/cNO.31069744Habibi Bank Wal Thamston London U.K.

جنوبی افریقہ میں قادیانیوں کے خلاف مقدمہ کی پیروی ۱۹۸۷ء

مرحوم صدر محمد ضیاء الحق شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ابتدائی دور میں جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن میں ایک لاہوری قادیانی مر گیا تو اس کے ورثاء نے کوشش کی کہ اس کی لاش کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنا دیا جائے مگر وہاں بعض غیور مسلمانوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ دوسری طرف سے اصرار بڑھا تو ان مسلمانوں نے مرحوم صدر ضیاء الحق سے رابطہ کیا ہم اس قضیہ کو عدالت میں لے کر جانا چاہتے ہیں مگر ہمارے پاس اس سلسلہ کے جید اسپیشلسٹ علماء و سکالر نہیں ہیں لہٰذا ہمیں ایسے علماء مہیا کیے جائیں کہ پاکستان میں ہی ایسے علماء ہو سکتے ہیں چونکہ یہ قادیانی فتنہ وہیں سے آیا۔ ہے اس کا رد بھی وہیں کے علماء صحیح طور پر کر پائیں گے۔ لہٰذا صد ضیاء الحق صاحب نے حضرت مولانا چنیوٹی سے رابطہ کیا اور ان کے مشورہ سے ایک وفد مرتب کیا گیا جس میں حضرت علامہ خالد محمود، حضرت مولانا محمد تقی عثانی حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر، ڈاکٹر غازی محمود اور خود حضرت چنیوٹی اس سلسلہ میں جنوبی افریقہ پہنچے اور وہاں جو وکیل مسلمانوں نے متعین کیا تھا اس کو تیاری کروائی بقیہ اکثر حضرات تو ایک دو مہینہ رہ کر واپس آ گئے مگر حضرت چنیوٹی نے پورے چھ ماہ وہاں قیام کیا۔ اس دوران وہاں اس سلسلہ میں اجتماعات میں بیانات و لیکچرز بھی دیئے۔ علماء و وکلاء کو تیاری کرائی۔ مگر اس وقت کی عدالت سے فیصلہ محفوظ رکھا اور بعض وجوہ کی بناء پر مسلمانوں نے عدالت کا بائیکاٹ کر دیا اور یہ قضیہ جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ میں چلا گیا جہاں طویل بحثیں ہوئیں اور پھر بحمد للہ شوال ۱۴۱۶ھ بمطابق فروری ۱۹۹۶ء میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے یہ تاریخی فیصلہ صادر کیا کہ قادیانیوں کے بارے جو علماء فیصلہ کریں وہی معتبر ہے۔

سپریم کورٹ کے فل بنچ نے جو پانچ غیر مسلم ججوں پر مشتمل تھا۔ واضح کہا کسی کمیونٹی کے مذہبی عقائد کے ابرے میں فیصلہ خود کمیونٹی کے علماء اور ماہرین عقائد ہی کر سکتے ہیں جو اس عقیدے کے محافظ اور امین ہوتے ہیں۔ اس حق کو کوئی عدالت یا فرقہ سلب نہیں کر سکتا۔ سیکولر یا دنیاوی عدالت کے لیے یہ غیر موزوں ہے کہ وہ فیصلہ صادر کرے کہ کون مسلمان اور کون مرتد ہے' کسی فرد کو مذہب سے خارج کرنا کا حق بھی مسلمان ہی کو ہے اور دور رس اثرات کے حامل اس تاریخ ساز اور عدل و انصاف پر مبنی اور دوررس اثرات کے حامل فیصلہ پر جتنی خوشی حضرت چنیوٹی کو ہونی چاہیے تھی وہ ظاہر ہے لہٰذا حضرت کے اس موقع پر جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن کی مسلم جوڈیشنل کونسل کے صدر شیخ نظیم اور دیگر اراکین کونسل' مسلم وکلاء اور جنوبی افریقہ کی جمعیت علماء اور دیگر علماء کرام داعیان مسلمین کو مبارکبادی کے لیے رابطے کیے اور تہنیت پیش کی خود بڑے بڑے اشتہارات چھاپ کر اور مختلف تہنیتی اجلاس بلوا کر اخباروں میں بیان دلا کر اس خبر کی خوب تشہیر کی۔ اس کے بالمقابل قادیانیوں نے چپ سادھ رکھی اور پوری دنیا میں مسلمانوں نے خوشی منائی۔

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے اکابرین کی خدمات

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی وصوبائی رہنماؤں کی ایک طویل فہرست ہے جو حضرات بحیات ہیں اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں برکتیں عطا فرمائیں۔ (آمین) ان کے تفصیلی تذکرہ کی ضرورت ہے لیکن سردست بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر ایسا کرنا ممکن نہیں رہا صرف دو تین حضرات کا تذکرہ لکھ سکا ہوں۔ انشاء اللہ طبع ثانی میں تلافی ہو سکے گی۔

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی دامت برکاتھم

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ شیخ الحدیث محدث جلیل حضرت مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی کے شاگرد خاص اور خلیفہ ارشد ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بعد ان کے دنیا بھر میں قائم کردہ خانقاہی سلسلہ کو آپ نے مکمل طور پر سنبھال رکھا ہے۔ آپ مسلک دیوبند سے وابستہ اکثر تنظیموں کے لیے سرپرست کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم اور آپ نے براعظیم یورپ' امریکہ وافریقہ کے متعدد دورے اکٹھے کیے اور فتنہ قادیانیت کو

بے نقاب کیا۔ افریقہ ملک گیمبیا نے جو قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا تھا یہ تاریخی فیصلہ ہر دو بزرگوں کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہے۔ قادیانیوں نے انڈونیشیا کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تو مولانا مکی مدظلہ مولانا علامہ خالد محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم اور مولانا محمد الیاس چنیوٹی پر مشتمل ایک وفد نے اپریل ۲۰۰۱ء میں انڈونیشیا کا ایک تفصیلی دورہ کیا اور مرزا طاہر احمد کے دورہ انڈونیشیا کے مضر اثرات کو زائل کیا۔

ایک طویل عرصہ سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں۔ آپ اس وقت انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی امیر کی حیثیت سے تحفظ ختم نبوت کے میدان میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

تفسیر صغیر کی ضبطگی

مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے تفسیر صغیر کے نام سے ایک تفسیر لکھی جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اس تفسیر میں واضح الفاظ میں لکھا ہوا تھا کہ

۱۔ حضور ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے۔

۲۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

۳۔ انبیاء کرام کے معجزات کا جو ظاہری مطلب سمجھا جاتا ہے وہ مراد نہیں ہے۔

چنانچہ ہر ہر معجزہ میں دوراز کار تاویلیں کی گئیں اور معجزات انبیاء کرام کا انکار کیا گیا مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر مردے زندہ ہو جاتے تھے۔ مرزا محمود نے تاویل کی کہ اس سے حقیقۃً مردہ کا زندہ ہونا مراد نہیں بلکہ مردہ دلوں کا زندہ ہونا مراد ہے۔

قادیانی اس نام نہاد تفسیر کو بکثرت تقسیم کرتے تھے چنانچہ مولانا چنیوٹی مرحوم کے توجہ دلانے پر حکومت پنجاب نے وہ تفسیر ضبط کر لی۔ **اخباری تراشہ ملاحظہ فرمائیں۔**

چنیوٹ ۲۹ اپریل (نامہ نگار) قادیانی اپنے عقائد اور باطل نظریات کو اندرون اور بیرون ملک قرآن مجید کے تراجم تفاسیر کی آڑ میں پھیلا رہے ہیں حالانکہ کسی بھی غیر مسلم کے لیے قرآن چھاپنا یا تفسیر لکھنا تو درکنار کسی کافر کے لیے قرآن پاک کو ہاتھ لگانا تک بھی حرام ہے یہ بات پنجاب اسمبلی کے رکن مولانا منظور احمد چنیوٹی نے ایک پریس کانفرنس میں کہی جب وہ ۲۴ اپریل ۸۶ء کو بشیر الدین محمود کی تفسیر صغیر کی باضابطہ ضبطی پر تبصرہ کر رہے تھے۔ مولانا نے کہا کہ ۱۲۹ کتوبر ۸۵ء کو

پنجاب اسمبلی کے گزشتہ سیشن میں میرے اٹھائے گئے سوال کے جواب میں وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ اس ضمن میں اب ضروری اقدامات کیے گئے ہیں چنانچہ صوبائی حکومت نے اب مذکورہ گمراہ کن تفسیر ضبط کر لی ہے جو قابل صد تحسین ہے۔ انہوں نے دوسرے صوبوں کے غیور ارباب اختیار سے بھی مطالبہ کیا کہ قادیانی تراجم وتفسیر کی طباعت واشاعت پر پابندی لگا کر مسلمانان پاکستان کو اس الحاد اور تحریف سے نجات دلائی جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مولوی محمد علی لاہوری کی تفسیر بیان القران (اردو انگلش) سر ظفر اللہ کا انگلش ترجمہ اور بدنام زمانہ پیر صلاح الدین کے تراجم وتفسیر جو انتہائی گمراہ کن ہیں ان کو بھی فی الفور ضبط کیا جائے۔

(روزنامہ مشرق لاہور یکم مئی ۱۹۸۶ء)

قادیانیوں کے صد سالہ جشن پر پابندی

مرزا قادیانی نے فتنہ قادیانیت کی بنیاد ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ میں رکھی تھی اس فتنہ کے سو سال پورے ہونے پر ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو چناب نگر (ربوہ) میں مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کے سو سال پورے ہونے کا جشن منانے کا قادیانیوں نے فیصلہ کیا اور انہوں نے وسیع پیمانے پر اس کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ان کے اس فیصلہ سے مسلمانوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مجلس احرار اسلام، مجلس تحفظ ختم نبوت اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ اور دیگر دینی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے حکومت سے قادیانی جشن پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔ مولانا چنیوٹی ان دنوں پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ آپ نے اعلیٰ احکام سے علماء کے وفود لے کر ملاقاتیں کیں، پنجاب اسمبلی میں بھی آواز اٹھائی تو حکومت پنجاب نے ۲۱ مارچ کو اس جشن پر پابندی عائد کر دی۔ قادیانیوں نے اس پابندی کے خلاف ہائیکورٹ میں رٹ دائر کر دی۔ ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء کو اس کیس کی سماعت مکمل ہوئی۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ء کو جناب جسٹس خلیل الرحمٰن نے اس پابندی کو جائز قرار دے کر قادیانیوں کی رٹ کو خارج کر دیا۔

سپریم کورٹ پاکستان کا تاریخی فیصلہ:

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری کیا۔ قادیانیوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور آئین شکنی پر اتر آئے۔ سول عدالتوں سے معاملہ

ہائیکورٹ تک پہنچا۔ ہائیکورٹ نے بھی اس آرڈیننس کو جائز قرار دیا۔ قادیانیوں نے ہائیکورٹ کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ پاکستان سے رجوع کرتے رہے۔ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء تک کل اپیلوں کی تعداد آٹھ ہوگئی۔ قادیانیوں کی جانب سے سابق جج سپریم کورٹ جناب جی فخر الدین ابراہیم کے ساتھ مسٹر عزیز احمد باجوہ اور دیگر قادیانی وکیل پیش ہوئے۔ ۱۹۹۱ء میں باقاعدہ سماعت شروع ہوئی ۱۹۹۲ء میں چیف جسٹس نے جسٹس شفیع الرحمان کی سربراہی میں پانچ سینئر جج صاحبان جسٹس عبدالقدیر چوہدری، جسٹس محمد افضل لون، جسٹس سلیم اختر اور جسٹس ولی محمد خان پر مشتمل ایک وسیع تر بنچ تشکیل دیا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے اٹارنی جنرل مسٹر عزیز اے منشی اور اس کے علاوہ چاروں صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرل وزارت مذہبی امور کی طرف سے جناب سید ریاض الحسن گیلانی، مولانا منظور احمد چنیوٹی کی طرف سے جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے جناب راجہ حق نواز صاحب پیش ہوئے۔ ۳۰ جنوری ۱۹۹۳ء سے ۳ مارچ تک مسلسل سماعت ہوئی۔ ۳ مارچ کو اس مقدمہ کی سماعت مکمل ہو کر فیصلہ محفوظ ہوا۔ ۳۰ جولائی ۱۹۹۳ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے متفقہ طور پر قادیانیوں کے کفر پر مہر لگا کر ان کی تمام اپیلیں خارج کر دیں۔

جناب محمد اسماعیل قریشی کے اہم آئینی و قانونی نکات سے اتفاق کرتے ہوئے اس فیصلہ میں قرآن وسنت کو پاکستان کا بالاتر قانون قرار دیا جو سارے پاکستان میں لاگو کر دیا گیا۔

یورپ کی سرزمین میں مولانا چنیوٹی کا مباہلہ کے لیے چیلنج:

۳ اگست ۱۹۹۵ء روزنامہ جنگ لندن میں مرزا طاہر کا ایک گمراہ کن بیان شائع ہوا کہ ''منظور چنیوٹی مختلف حیلے بہانے بن کر مباہلہ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔'' یہ بیان قادیانی ٹی وی سنٹر نے بھی نشر کیا۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی نے بمورخہ ۵ اگست ۱۹۹۵ء مرزا طاہر کو ہائیڈ پارک لندن میں مباہلہ کے لیے آنے کی دعوت دے دی ۵ اگست کو ۱۲:۰۰ بجے سے ۲:۰۰ بجے تک مولانا چنیوٹی دیگر علماء کے ساتھ اس کا ہائیڈ پارک میں انتظار کرتے رہے لیکن اسے نہ آنا تھا نہ آیا چنانچہ مولانا چنیوٹی کی اس عظیم فتح اور مرزا طاہر کی ذلت کی خبر ''جنگ'' لندن میں ۶ اگست کو جلی سرخی ''مولانا منظور احمد چنیوٹی ہائیڈ پارک لندن میں مرزا طاہر کا انتظار کرتے رہے'' فوٹو کے ساتھ

شائع کر دی۔ بی بی سی لندن نے اپنی ٹی وی نشریات میں یہ خبر نشر کی۔ اس فتح عظیم پر علماء اسلام خصوصاً امام حرم مکہ شیخ عبداللہ ابن سبیل نے مولانا چنیوٹی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مبارکباد دی۔ اگست ۱۹۹۶ء تک ایک سال گزرنے کے باوجود مرزا طاہر کی طرف سے اس کا کوئی بھی جواب موصول نہ ہونے پر ۹ اگست ۱۹۹۶ء کو مولانا چنیوٹی نے روزنامہ جنگ لندن سے مباہلہ کا چیلنج دیتے ہوئے اشتہار چھپوایا مگر مرزا طاہر اپنی موت ۱۸ اپریل ۲۰۰۳ء تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

''ربوہ'' نام کی تبدیلی:

قادیانیوں نے ایک گہری سازش کے تحت چک ڈھگیاں کا نام ربوہ رکھا جو کہ قرآن کریم میں موجود لفظ ''ربوہ'' میں تحریف تھی۔ اس نام کی تبدیلی کی کوششیں عرصہ دراز سے جاری تھیں۔ ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں مولانا چنیوٹی جب پہلی مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو انہوں نے اس وقت صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید سے اس نام کی تبدیلی کے سلسلہ میں ملاقاتیں کیں اور اسمبلی میں قرارداد پیش کر دی لیکن پھر کچھ عرصہ بعد اسمبلی تحلیل ہوگئی تو ۱۹۸۸ء اور پھر ۱۹۹۷ء کے دونوں مرتبہ اسمبلی پہنچنے پر یہ کوشش جاری رہی۔ چنانچہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو دوبارہ قرارداد اسمبلی میں جمع کرا دی گئی اور مولانا چنیوٹیؒ خود دوبئی کے تبلیغی دورہ پر روانہ ہوگئے اچانک ۱۶ نومبر کو اجلاس شروع ہوگیا۔ ۱۷ نومبر ۱۹۹۸ء کو قائد حزب اختلاف سعید احمد خان منیس نے قرارداد پیش کر دی جو متفقہ طور پر پاس کر دی گئی۔

۴ فروری ۱۹۹۹ء کو چناب نگر کے نام کا نوٹیفکیشن جاری ہوگیا۔ ۲۶ فروری بروز جمعۃ المبارک چناب نگر کی تختی لگی۔ قائد حزب اختلاف سعید احمد خاں منہیس، فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی اور مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے بعد نماز جمعہ ۲۶ فروری ۱۹۹۹ء کو اس تختی کی نقاب کشائی فرمائی۔ ۲۶ فروری کو چنیوٹ میں فتح مباہلہ کانفرنس کے موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے مولانا چنیوٹیؒ نے کہا کہ قادیانیوں نے اسمبلی کے اس فیصلہ کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور چناب نگر کے نام پر سیاہی مل رہے ہیں۔ اب اگر انہوں نے اس نصب کردہ تختی جس پر قرآنی آیات درج ہیں۔ سیاہی ملی تو میں پرچہ قائم مقام امیر مرزا مسرور اور صدر مجلس عمومی کرنل ایاز محمود قادیانی کے خلاف درج کراؤں گا کیونکہ یہی مجرم اور ذمہ دار ہوں گے۔

چنانچہ حسب توقع قادیانیوں نے چناب نگر والی تختی کو ۳ اور ۴ مارچ ۱۹۹۹ء کی درمیانی شب توڑنے کی کوشش کی ناکامی پر اس پر انہوں نے سیاہی مل دی کیونکہ اس تختی پر **بسم اللہ** اور **ما کان محمد ابا احد** والی آیات درج تھیں۔ چنانچہ آیات قرآنیہ کی توہین کے جرم میں ان قادیانیوں کے خلاف وکیل ختم نبوت ملک رب نواز ایڈووکیٹ کی وساطت سے ۲۹۸۔سی تحت پر مقدمہ درج کرادیا گیا۔ بیرونی حکومتوں اور قادیانیوں کے شدید دباؤ کی وجہ سے حکومت ملزمان کو گرفتار کرنے سے گریز کر رہی تھی۔ مولانا چنیوٹیؒ نے ایک ہفتہ کا الٹی میٹم دے دیا کہ آئندہ جمعہ تک اگر پرچہ درج نہ کیا گیا تو جو قادیانی ملے گا اسے پکڑ کر اس کا منہ کالا کر دیں گے کیونکہ انہوں نے قرآنی آیات پر سیاہی پھیر دی تھی۔ جب پرچہ درج کرایا گیا تو انہوں نے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی۔ اس کیس کے مدعی مولانا محمد الیاس چنیوٹی تھے کیونکہ تختی کے نیچے انہی کا نام لکھا ہوا تھا۔ آخر تقریباً دو ماہ کی سخت کوشش کے بعد ۳۰ اپریل ۱۹۹۹ء کو سیشن جج چنیوٹی جناب محمد اسلم خاں صاحب نے مجرموں کی ضمانتیں منسوخ کر دیں اور مرزا مسرور موجودہ قادیانی سربراہ اور صدر عمومی کرنل ایاز محمود کو اور ان کے دیگر ساتھیوں کو عدالت میں ہی ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ ۱۰ مئی کی رات معلوم ہوا کہ ہمارے مجرم رہا ہو گئے ہیں۔ عدالت عالیہ لاہور سے معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ ابھی تو عدالت نے ریکارڈ ہی طلب نہیں کیا تو ضمانت کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی اور چکر ہے بعد میں پتہ چلا کہ حکومت پنجاب نے امریکہ بہادر کے دباؤ میں آکر دفعہ سی۔۲۹۵ حذف کر کے ۱۶ ایم۔ پی۔او میں تبدیل کر دیا ہے جس کی بنیاد پر ریذیڈنٹ مجسٹریٹ چناب نگر نے ضمانت لے لی ہے اور وہ رہا ہوئے ہیں۔ وکیل صاحب سے رابطہ پر انہوں نے کہا کہ یہ سب خلاف قانون ہوا ہے جس دفعہ کو سیشن جج نے برقرار رکھا ہے پولیس اسے کیسے ختم کر سکتی ہے۔ پولیس عدالت پر حاوی نہیں ہے۔

چنانچہ ہمارے وکیل ملک رب نواز ایڈووکیٹ صاحب نے نگرانی کی اپیل عدالت میں دائر کر دی۔ قادیانیوں نے جج تبدیل کرایا نیا جج آیا اس نے بھی ہمارے وکیل سے اتفاق کرتے ہوئے ان کی رہائی کو غیر قانونی قرار دے دیا اور دوبارہ گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن مرزا مسرور دوبارہ گرفتاری سے پہلے لندن بھاگ گیا۔

ایوان مہر علی شاہ کے زیر اہتمام
خاتم النبیین کانفرنس لاہور سے خصوصی خطاب

ردقادیانیت کے محاذ پر جن علماء ومشائخ نے کام کیا۔ان میں حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑی کا ایک نمایاں نام ہے۔حضرت گولڑوی نے مرزا قادیانی کے رد میں دو کتابیں تحریر فرمائیں۔(۱) سیف چشتیائی (۲) شمس بازغہ، قادیانی ان کتابوں کا آج تک جواب نہیں لکھ سکے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے مرزا قادیانی کو تفسیر نویسی کے لیے بادشاہی مسجد لاہور آنے کی دعوت دی۔چنانچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۰ء کو آپ ہزاروں علماء کرام و مریدین سمیت لاہور پہنچ گئے لیکن مرزا قادیانی نے میدان میں آنے سے انکار کر دیا۔

حضرت پیر صاحب کی اولاد نے پیر صاحب کی فتح اور مرزا قادیانی کی شکست کے سو سال پورے ہونے پر ۲۷ اگست ۲۰۰۰ء کو ایوان اقبال لاہور میں ایک عظیم الشان خاتم النبیین ﷺ کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی کو مدعو کیا گیا اور آپ نے اس کانفرنس سے کلیدی خطاب کیا۔

ووٹر فارم سے ختم نبوت کا حلف نامہ حذف کرنے کے بعد بحال:

قادیانی غیر مسلم اقلیت ہونے کے باوجود نہ تو اسمبلی کے کسی قانون کو مانتے ہیں اور نہ ہی شرعی واخلاقی حدود کی پاسداری کرتے ہیں کافر ہونے کے باوجود اپنا نام مسلمانوں میں شمار کرنے اور مراعات حاصل کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔گزشتہ صوبائی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر جب نئی ووٹر لسٹوں پر کام شروع ہوا تو قادیانیوں کی ایک گہری سازش سے ووٹر فارم سے مذہب کا خانہ اور ختم نبوت کا حلف نامہ ختم کر دیا گیا۔ماہ جنوری کے وسط میں یہ کام شروع ہوا جونہی اس ناپاک سازش کا علم مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کو ہوا تو ان کا چین وسکون جاتا رہا۔ مختلف مذہبی جماعتوں کے لیڈروں اور راہنماؤں کو اس طرف متوجہ کر کے مسئلہ کی نزاکت سے آگاہ کیا تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔پریس کانفرنسوں، آل پارٹیز ختم نبوت کانفرنسوں کے ذریعے مطالبات اور احتجاجی قراردادوں کا سلسلہ چنیوٹ سے شروع ہو کر پورے ملک میں پھیل

گیا۔ مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے الیکشن کمشنر صاحب سے ملاقات کی اور انہیں صورتحال سے آگاہ کیا۔ جمعیت علماء اسلام کی میزبانی میں قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی صدارت میں آل پارٹیز کانفرنس ہوئی۔ اس کے بعد فلیٹیز ہوٹل لاہور میں ایک پریس کانفرنس ہوئی اور بھرپور طریقے سے احتجاج کیا گیا۔ بالآخر حکومت کی طرف سے یکم فروری ۲۰۰۴ء کو انتخابی فہرستوں میں ختم نبوت کا حلف نامہ اور مذہب کا خانہ بحال کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اس دوران تقریباً ۲۶ ہزار قادیانیوں نے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے ووٹ بنوائے۔ چنانچہ ان کے ووٹوں کو پورے ملک میں مجاز عدالتوں میں چیلنج کر دیا گیا۔ عدالتوں نے ان ووٹرز کو آرڈر جاری کیے کہ وہ یا تو ختم نبوت کا حلف نامہ پر کریں یا مقررہ دنوں میں ان کے نام مسلم فہرستوں سے خارج کر دیئے جائیں گے چنانچہ ۲۶ ہزار قادیانیوں کے ووٹ چناب نگر اور چنیوٹ کی مسلم ووٹرز لسٹوں سے خارج کر دیئے گئے۔ اسی طرح ملک کے دیگر شہروں سیالکوٹ' ڈسکہ' شکر گڑھ' نارووال' گوجرانوالہ' حافظ آباد وغیرہ کے اضلاع سے بھی سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں قادیانیوں کے نام مسلم ووٹر لسٹوں سے خارج کر دیئے گئے۔ یوں قادیانیوں کی یہ ایک سازش بھی ناکام ہوگئی۔ الحمدللہ

چناب نگر پولیس چوکی کی واپسی:

دنیاوی لالچ و حرص کے مارے قادیانیوں نے سرکاری زمین پولیس چوکی اور مسلم مسجد چناب نگر پر قبضہ کر کے گرانے کے بعد اپنے کالج کی زمین میں شامل کرنا چاہا۔ ڈی آئی جی فیصل آباد کی ملی بھگت سے ۷ جولائی ۲۰۰۴ء کو مسجد اور پولیس چوکی چناب نگر باقاعدہ طور پر قادیانیوں کے حوالے کر دی گئی۔ جونہی مسلمانوں کو اس گھناؤنی سازش کا علم ہوا تو آقا ﷺ کے دیوانوں نے مسلم مسجد اور پولیس چوکی چناب نگر ان کے قبضہ سے واپس لینے کی تحریک شروع کر دی۔ جانشین سفیر ختم نبوت مولانا محمد الیاس چنیوٹی جو اس تحریک کے محرک اور بانی تھے۔ دن رات مختلف اجلاسوں' جلسوں' دھرنوں' جلوسوں کی قیادت کرنے میں لگے رہے مختلف مکاتب فکر کے علماء و دانشوروں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا وفود ترتیب دیئے گئے لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ بالآخر مولانا محمد الیاس چنیوٹی نے اس کیس کے پوری فائل تیار کر کے ۲۰۰۳۔۸۔۲۳ کو وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کو بھیج دی تقریباً دو ماہ یہ احتجاج اور مطالبہ چلتا رہا۔ اواخر اگست میں مولانا

محمد الیاس چنیوٹی نے تلہ گنگ میں تبلیغی جلسہ میں اپنے خطاب کے دوران اس مسئلہ کو بیان کیا دوران تقریر مولانا کو عمار نامی ایک صاحب کی چٹ ملی کہ بعد از تقریر مجھ سے ملاقات کریں میں اس مسئلہ کے حل میں آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں گا۔ بعد از تقریر مولانا محمد الیاس چنیوٹی عمار صاحب سے ملے۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی کا ایک بیٹا میرا انتہائی قابل احترام وقابل اعتماد دوست ہے۔ میں اس سے کہہ کر یہ مسئلہ حل کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ ضروری کاغذات کی ایک فائل تیار کر کے مجھے ارسال کر دیں انشاء اللہ یہ کام ہو جائے گا۔ چنانچہ مولانا محمد الیاس چنیوٹی نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ثناء اللہ کے ذمہ لگایا کہ آپ یہ فائل دو دن کے اندر تیار کر کے عمار صاحب کو ارسال کریں چنانچہ دو دن کے اندر تمام ضروری کاغذات حاصل کیے اور فائل تیار کر کے عمار صاحب کو ارسال کر دی۔ حسب وعدہ عمار صاحب نے انتہائی ذمہ داری سے ایک ہفتہ کے اندر اندر مسجد کی بحالی کا نوٹیفکیشن حاصل کر لیا۔ ۴ ستمبر ۲۰۰۴ء کو نماز فجر کے بعد عمار صاحب کی طرف سے مبارکباد کا فون موصول ہوا اور دوپہر ایک بجے نوٹیفکیشن کی کاپی بذریعہ فیکس موصول ہوگئی۔ اگلے دن ۵ ستمبر ۲۰۰۴ء کو اے ایس پی چنیوٹ نے مولانا الیاس چنیوٹی صاحب کو حکومت کے اس فیصلہ سے آگاہ کیا چنانچہ مورخہ ۶ ستمبر ۲۰۰۴ء کو پولیس چوکی انچارج نے دوبارہ اپنی جگہ پر چوکی بحال کر کے سرکاری کام شروع کر دیا اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے مولانا محمد الیاس چنیوٹی کی امامت میں مسلم مسجد چناب نگر میں نماز ادا کی اور شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ **فالحمد لله علی ذالک.**

سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم کی بیرون ملک خدمات کا ایک خاکہ (۱۹۸۹ء تا ۲۰۰۴ء)

برطانیہ میں تحفظ ختم ناموس رسالت کانفرنسوں سے خطاب:

حضور اقدس ﷺ کے متعلق سلمان رشدی کی ہرزہ سرائی کے جواب میں مسلمانوں نے عالمی سطح پر احتجاج کیا...... تحفظ ناموس رسالت کے موضوع پر سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کیں۔ اس سلسلہ میں برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کی دعوت پر مولانا چنیوٹی لندن اور ایڈنبرا میں منعقدہ

کانفرنسوں (بتاریخ ۱۳، ۲۰ گست ۱۹۹۸ء) میں شریک ہوئے اور تحفظ ناموس رسالت اور قادیانیت کے موضوع پر کلیدی خطاب کیے۔

دورہ مصر اور شیخ الاھر سے ملاقات:

مولانا چنیوٹی نے ۵ تا ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء مصر کا دورہ کیا۔ قاہرہ میں شیخ الازھر سے ملاقات کی اور ان سے قادیانیت کے متعلق تفصیلی گفتگو کی۔

مرزا طاہر کی غلط پیشین گوئی ذلت ورسوائی:

مرزا طاہر نے لندن میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے تھا کہ مولانا چنیوٹی ۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء سے پہلے پہلے فوت ہو جائیں گے۔ اس کی یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی آپ لندن تشریف لے گئے اور یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء کو ویمبلے ہال لندن میں منعقدہ پانچویں عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت اور خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزا طاہر کی پیشینگوئی غلط ثابت ہوئی۔ میں آج بھی زندہ موجود ہوں اگر مرزا طاہر سچا ہوتا تو اس کی پیشین گوئی غلط ثابت نہ ہوتی۔

حسن محمود عودہ کا قبول اسلام:

مرزا طاہر احمد کا سیکرٹری حسن محمود عودہ اگرچہ قادیانیت سے متنفر ہو چکا تھا لیکن وہ قادیانیت سے اظہار برات اور قبول اسلام کے لیے ۱۵ ستمبر ۱۹۸۹ء کا انتظار کر رہا تھا کہ مرزا طاہر کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ یکم اکتوبر کو منعقدہ ختم نبوت کانفرنس میں وہ شریک ہوا اور پہلی صف میں بیٹھا رپورٹنگ کر رہا تھا۔ اس نے جب مولانا چنیوٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو اس نے قادیانیت سے اظہار برات کر دیا اس کے قبول اسلام پر مسلمانوں کا جذبہ ایمانی اور کانفرنس کا منظر دیدنی تھا۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس شکاگو میں شرکت وخطاب:

مجلس تحفظ ختم نبوت کینیڈا کے زیر اہتمام ۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو تحفظ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا چنیوٹی نے سب سے پہلے اس کانفرنس کے اہتمام پر حیدر آباد دکن کے باشندوں کو مبارکباد پیش کی۔ پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم کی خدمات کا ذکر کیا اور انہیں خراج

تحسین پیش کیا۔ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت واضح کر کے مقامی مسلمانوں کو اس کام کی طرف توجہ دلائی۔ رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر دو تین اصولی باتیں ذکر کیں۔ مرزا طاہر کی دعوت مباہلہ کا ذکر کیا اور لوگوں کو حسن محمود عودہ کے مسلمان ہونے کی خوشخبری سنائی۔

سامعین نے آپ کی تقریر بہت پسند کی اور وقت کی کمی پر اظہار افسوس کیا۔

دار العلوم دیوبند میں تربیتی کورس:

دار العلوم دیوبند جو کہ ایک عالمی سطح کی ایک دینی یونیورسٹی ہے۔ وہ صرف ایک درسگاہ ہی نہیں بلکہ تحریک آزادی کا ایک مرکز بھی ہے۔ جسے بجا طور پر ازھر الہند وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

۸۹۔۱۹۸۸ء میں قادیانیوں نے بھارت میں اپنی ارتدادی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے دار العلوم دیوبند نے ایک بار پھر اپنا تاریخی کردار ادا کیا۔ دسمبر ۱۹۸۹ء میں دار العلوم میں ایک تربیتی کیمپ لگایا گیا جس میں تمام ہندوستان سے ساٹھ منتخب علماء کرام' دار العلوم کے درجات تکمیل کے ساٹھ علماء کرام اور دیگر درجات کے طلباء کی کثیر تعداد شریک درس تھی۔ مسجد تقریباً بھر جاتی تھی۔ مولانا قاری محمد عثمان صاحب اس پروگرام کے روح رواں تھے۔ دار العلوم کے صدر مدرس مولانا معراج الحق صاحب اور حضرت کشمیریؒ کے شاگرد خاص مولانا ریاست علی بجنوری سمیت متعدد اساتذہ کرام بھی شریک ہوئے۔ ۱۷ سے ۲۱ دسمبر تک پانچ دن آپ تین اوقات میں شرکاء سے خطاب فرماتے رہے صبح ۹ سے ۱۲ بجے تک' ظہر سے عصر تک' عشاء کے بعد رات بارہ بجے تک۔ تمام دروس باقاعدہ' ریکارڈ ہوتے رہے۔ سامعین کا ذوق وشوق دیدنی تھا تو اس کے اختتام پر ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں آپ کو دار العلوم دیوبند کی اعزازی سند دی گئی اور حضرت مہتمم صاحب نے دار العلوم کی مطبوعات کا ایک سیٹ اور چند چارٹ عنایت فرمائے۔ اختتامی تقریب کے شرکاء نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ان پانچ ایام میں ہمیں ایسا مسلح کیا گیا ہے کہ کوئی قادیانی ہمارے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ مولانا چنیوٹی نے ہمارے اندر ایک جذبہ اور کرنٹ پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے دلوں سے قادیانیوں کا خوف اور رعب بالکل نکال دیا ہے۔ اگر ہم اس کیمپ میں مولانا چنیوٹی کے اسباق میں شرکت نہ کرتے

ہماری بڑی محرومی ہوتی۔"

تربیتی کیمپ سے فراغت پا کر مولانا چنیوٹی نے گنگوہ' سہارن پور اور رائے پور اور دہلی کا سفر کیا۔ یہاں اگر مولانا شاہ عالم گورکھپوری کا ذکر نہ کیا جائے تو ناانصافی ہوگی۔ مولانا موصوف نے اس تربیتی کیمپ میں مولانا چنیوٹی سے خوب استفادہ کیا اور اب وہ دارالعلوم دیوبند میں شعبہ تخصص فی ردالقادیانیۃ کے انچارج کی حیثیت سے خوب کام کر رہے ہیں کئی کتابوں کے مصنف اور قادیانیوں کے خلاف ایک نامور مناظر کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

برطانیہ میں تبلیغی اجتماعات سے خطاب:

مولانا چنیوٹی نے ۴ اگست سے ۱۳ اگست ۱۹۹۰ء تک برطانیہ کا دورہ کیا اور کونٹری' برمنگھم' گلاس کو '' ایڈنبرا' اسٹرلنگ' بریڈفورڈ اور لندن میں متعدد عوامی اجتماعات سے خطاب کیا اور ردقادیانیت پر حسب معمول سیر حاصل گفتگو کی۔

دورہ امریکہ:

مولانا رفیق صاحب' حافظ سعید صاحب' ریاض وڑائچ صاحب کے اصرار پر آپ نے ۱۳ اگست سے ۴ ستمبر ۱۹۹۰ء تک امریکہ وکینیڈا کا دورہ کیا جس میں متعدد عوامی اجتماعات سے آپ نے اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے خطاب کیا اور تحفظ ختم نبوت کی اہمیت اور فتنہ قادیانیت کی سنگینی سے عوام الناس کو آگاہ کیا۔

رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام کینیڈا میں کانفرنس سے خطاب:

۲۴ اگست ۱۹۹۰ء کو ٹورنٹو (کینیڈا) میں رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر ٹورنٹو میں ''شمالی امریکہ میں مسلمانوں کو درپیش مسائل'' کے موضوع پر کانفرنس میں آپ اور علامہ صاحب شریک ہوئے۔ کانفرنس کے لیے سات موضوعات تھے پہلا موضوع ختم نبوت تھا۔ آپ نے اپنے مقالہ کو مختصر کر کے پڑھا اور علامہ خالد محمود صاحب نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اس نشست کے آخر میں سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس برمنگھم سے خطاب:

۱۶ جولائی ۱۹۹۵ء کو آپ نے جامع مسجد برمنگھم میں منعقدہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ مرزا طاہر نے اپنے دادا مرزا قادیانی کی پانچ باتوں کا ذکر کیا ہے۔(۱) خود کاشتہ پودا ہونا (۲) پچاس الماریوں والا حوالہ (۳) حرمت جہاد (۴) تکفیر مسلمین (۵) ہیضہ سے موت۔ آپ نے ان پانچ باتوں کو قادیانی لٹریچر سے ثابت کیا اور مرزا طاہر کو مزید بحث کے لیے میدان میں آنے کی دعوت دی۔ آپ نے ۲۳ جولائی ۱۹۹۵ء کو راچڈیل میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کیا۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس اوسلو سے خطاب:

۲۰ اگست ۱۹۹۵ء کو مولانا چنیوٹی نے اوسلو (ناروے) میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کیا اور قادیانیت کے متعلق چشم کشا حقائق بیان کیے۔ آپ نے ایک اشتہار چھپوا کر تقسیم کیا کہ میری تقریر میں ذکر کردہ حوالہ جات پر اگر کوئی قادیانی اپنی تسلی کرنا چاہے تو وہ ۵ اگست تک مولانا قاری بشیر احمد سے رابطہ کرے۔ آپ اس خطاب کے نمایاں اثرات ظاہر ہوئے۔ قادیانی نوجوان مولانا چنیوٹی کے بیان کردہ نکات کا اپنے مربیوں سے جواب مانگتے تھے اور ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

علماء کرام کی تربیتی نشست سے خطاب:

دورہ ناروے میں علامہ خالد محمود صاحب اور مولانا چنیوٹی نے ناروے کے چار علماء کرام کو ۲۲ سے ۲ اگست ۹۵ء تک تین دن قادیانیت کے متعلق تیاری کرائی اور انہیں بنیادی نکات سے آگاہ کیا۔

برطانیہ کا تبلیغی دورہ ۱۹۹۵ء:

مولانا چنیوٹی نے ۱۱ فروری تا ۲۳ اپریل ۱۹۹۵ء برطانیہ کا تبلیغی دورہ کیا اور اس دوران برطانیہ کے طول و عرض میں عموی و خصوصی اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کو قادیانیت سے متعلق آگاہ کیا۔ مرزا طاہر کے روایتی دجل و فریب کے تار و پود بکھیرے قادیانیت کا بطلان روز روشن کی طرح واضح کیا۔

دارالعلوم نوٹنگھم میں تربیتی کورس:

مولانا چنیوٹی نے مذکورہ دورہ برطانیہ کے دوران ۲۲ تا ۲۵ مارچ ۱۹۹۵ء دارالعلوم نوٹنگھم میں اساتذہ وطلباء کو قادیانیت کے متعلق اپنے خصوصی لیکچرز دیئے اور برطانیہ میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لیے انہیں علمی طور پر مسلح کیا۔

ختم نبوت کانفرنس ہانگ کانگ میں شرکت:

مولانا قاری محمد طیب عباسی (خطیب ہانگ کانگ) کی دعوت پر مولانا چنیوٹی نے ۲۸ دسمبر ۹۵ء تا ۲ جنوری ۱۹۹۶ء ہانگ کانگ کا دورہ کیا۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اور شیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ بھی مدعو تھے۔ آپ ۳۰ دسمبر ۹۵ء کو بعد ظہر مسجد عمارہ میں منعقدہ کانفرنس سے خطاب کیا۔ ۳۱ دسمبر ۹۵ء اور یکم جنوری ۱۹۹۶ء کے پروگرام جامع مسجد کولون میں تھے۔ آپ نے ان پروگراموں میں خطاب کیا اور سامعین کے دلوں میں ایمانی حرارت کو گرمایا۔ ۲ جنوری کو آپ پاکستان واپس تشریف لائے۔

دورہ برطانیہ جولائی /اگست ۱۹۹۶ء:

مولانا چنیوٹی نے ۲۴ جولائی تا ۱۸ اگست ۱۹۹۶ء برطانیہ کا تبلیغی سفر کیا۔ اس دوران آپ نے بیسویں عوامی اجتماعات سے خطاب کیا اور تحفظ ختم نبوت کی اہمیت' قادیانی فتنہ کی سنگینی' مرزا قادیانی کا کردار۔ قادیانی سربراہوں کو دعوتِ مباہلہ جیسے اہم عنوانات پر مفصل بیانات کیے۔ آپ نے روزنامہ جنگ سمیت کئی نشریاتی اداروں کو انٹرویو بھی دیئے۔

جامعہ اسلامیہ بولٹن میں تربیتی نشست سے خطاب:

۳۰ جولائی ۱۹۹۶ء کو آپ نے جامعہ اسلامیہ بولٹن میں طلباء سے ایک گھنٹہ خطاب کیا اور انہیں ردقادیانیت کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا۔

ختم نبوت سیمینار سے خطاب:

۲۷ جولائی ۱۹۹۷ء کو کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ ہال لندن میں ختم نبوت سیمینار منعقد ہوا جس سے مولانا زاہد الراشدی' حضرت مولانا اسعد مدنی' مولانا ضیاء القاسمی' مولانا چنیوٹی' ڈاکٹر عبداللہ عمر النصیف' علامہ ڈاکٹر خالد محمود' مولانا محمد مکی حجازی نے خطاب کیا۔

مولانا چنیوٹی نے قادیانیت کے دعویٰ مظلومیت کی قلعی کھولی اور دلائل سے واضح کیا کہ وہ ظالم اور مسلمان مظلوم ہیں۔

تحفظ ختم نبوت کانفرس شفیلڈ سے خطاب:

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے زیر اہتمام ۳ اگست ۱۹۹۷ء کو ٹاؤن ہال ہڈر شفیلڈ میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس سے مولانا قاری عبدالحیٔ عابد' حافظ محمد اقبال رنگونی' علامہ ڈاکٹر خالد محمود' حضرت مولانا اسعد مدنی اور مولانا منظور احمد چنیوٹی نے خطاب کیا۔ مولانا چنیوٹی نے سامعین کو قادیانی فتنہ کی سنگینی پر علامہ انور شاہ کشمیری کے ملفوظات سنائے اور ان کو تحفظ ختم نبوت کی ذمہ داری کا احساس دلایا۔ آپ نے چند اہم نکات بتائے اور سامعین سے کہا کہ وہ ان کو یاد کر لیں اور قادیانیوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کیا کریں۔

ختم نبوت کانفرنس کوپن ہیگن (ناروے) سے خطاب:

مولانا چنیوٹی نے مولانا سلطان فاروق صاحب کی دعوت پر ختم نبوت کانفرنس کوپن ہیگن میں شرکت کی۔ ناروے میں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے زیر اہتمام یہ پہلی کانفرنس تھی جس میں مولانا امداد الحسن نعمانی' علامہ ڈاکٹر خالد محمود' مولانا ضیاء القاسمی' حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی نے بیانات کیے۔

مولانا چنیوٹی نے مرزا قادیانی کے کردار' مسلمانوں پر مرزا قادیانی کے فتویٰ کفر اور اپنی چالیس سالہ دعوت مباہلہ کو خاصی تفصیل سے بیان کیا۔ آپ نے قادیانیوں کو دعوت دی کہ وہ اپنے شبہات اپنے مکمل نام و پتہ کے ساتھ لکھ کر سٹیج پر بھیجیں تاکہ ان کا جواب دیا جا سکے آپ کل قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ماجاء نا من نذیر۔ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا لیکن کسی قادیانی کو سوال کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔

مرکز اسلامی ثقافی میں خطاب:

۱۰ اگست ۱۹۹۷ء کو آپ نے مرکز اسلامی ثقافی کوپن ہیگن میں عرب بھائیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ عرب سامعین کو تذکرہ' قادیان اور ربوہ کا تعارف کرایا۔ مرزا قادیانی کے کفریہ عقائد اور تدریجاً دعاوی پر روشنی ڈالی۔ عرب حضرات کے لیے یہ معلومات نئی تھیں وہ بہت محظوظ

ہوئے۔ اکثر عربوں نے اپنی روایات کے مطابق آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور دعائیں دیں۔

فرنکفرٹ میں خطبہ جمعہ:

۱۵ اگست ۱۹۹۷ء کو مولانا چنیوٹی نے فرنکفرٹ (جرمنی) میں خطبہ جمعہ دیا اور لوگوں کو قادیانیت سے روشناس کرایا۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس (منعقدہ بلجیم) سے خطاب:

بلجیم کے دارالحکومت میں ۱۶ اگست ۱۹۹۷ء کو تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس سے حکیم محمود احمد ظفر، شیخ طہ برکاتی، مولانا محمد مکی حجازی، مولانا سعید عنایت اللہ اور مولانا چنیوٹی نے خطاب کیا۔ مولانا چنیوٹی نے مرزا قادیانی کے کردار کی نقاب کشائی کی، قادیانیوں نے مولانا کے خلاف بلجیم میں جو اشتہارات تقسیم کیے تھے ان کا جواب دیا۔ آپ نے بلجیم کی قادیانی جماعت کے سیکرٹری کو مباحثہ و مناظرہ کے لیے میدان میں آنے کی دعوت دی۔ آپ نے کہا کہ بلجیم کے سیکرٹری قادیانی جماعت کو میں نے گزشتہ سال بھی دعوت دی تھی۔ میں ایک سال ایک ماہ سے منتظر ہوں لیکن اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے مرزا قادیانی کے جھوٹے دعویٰ مہدویت کی مدلل طور پر تردید کی۔ آپ نے ۱۷ اگست ۱۹۹۷ء کو فرینکفرٹ میں منعقدہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب کیا۔

لزبن (پرتگال) میں خطبہ جمعہ:

پرتگال سے ایک پاکستانی نوجوان رانا امتیاز احمد پسروری نے مولانا چنیوٹی کو ایک دردمندانہ خط لکھا کہ یہاں پر مسلمان دھڑ دھڑ قادیانی ہو رہے ہیں۔ اگر آپ یہاں نہ آئے تو قیامت کے دن ذمہ دار ہوں گے۔ یہ خط آپ کو اس وقت ملا جب آپ سفر یورپ کے لیے پابہ رکاب تھے۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں یورپ آ رہا ہوں اور انشاء اللہ آپ کے ہاں بھی آؤں گا۔ چنانچہ تحفظ ختم نبوت کے مشن کی دیوانگی آپ کو وہاں لے گئی۔ آپ نے پرتگال جانے کے لیے دو ہزار چھ سو کلومیٹر کا طویل ترین سفر بذریعہ سڑک طے کیا اور پرتگال کے دارالحکومت لزبن پہنچے۔ یہ ۲۲ اگست ۱۹۹۷ء کی بات ہے۔

مولانا چنیوٹی سمیت علماء کرام کا یہ پہلا وفد تھا جو تحفظ ختم نبوت کے لیے پرتگال پہنچا۔

جامع مسجد لارمجیرو (پرتگال) میں خطاب:

۲۳ اگست ۱۹۹۷ء کو نماز مغرب کے بعد مولانا چنیوٹی نے جامع مسجد لارمجیرو میں سامعین سے خطاب کیا۔ آپ کا موضوع تھا علامات قیامت آپ نے قیامت کی بڑی علامات خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور ظہور امام مہدی کو تفصیلاً بیان کیا۔ آپ نے مرزا قادیانی کا یہ نظریہ بیان کیا کہ چودھویں صدی آخری صدی ہے۔ آپ نے کہا کہ پندرہویں صدی کا ایک ایک لمحہ مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کی تردید کر رہا ہے۔ آپ نے امام مہدی کی علامات بیان کیں اور کہا کہ مرزا قادیانی میں ان علامات میں سے ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی۔

مسجد عائشہؓ صدیقہ میں خطاب:

۲۴ اگست بروز اتوار آپ نے ظہر کے بعد مسجد عائشہ صدیقہؓ میں سامعین سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ مفصل خطاب کیا۔ آپ کا موضوع عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت تھا۔ درمیان میں مرزا قادیانی کے کردار کی چند جھلکیاں بھی دکھائیں۔ آپ نے قادیانیوں کو کہا کہ کسی نے کوئی سوال کرنا ہو تو کرے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور یہ نہ کہنا ماجاء نا من نذیر۔ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقدہ ہانگ کانگ سے خطاب:

دسمبر ۱۹۹۷ء کو مولانا قاری محمد طیب عباسی صاحب کے زیر اہتمام تحفظ ختم نبوت کانفرنس ہانگ کانگ میں منعقد ہوئی۔ ۲۷ دسمبر کو مسجد عمار ''وانچائی'' میں اور ۲۸ دسمبر کو جامع مسجد کالون میں تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ اپنے بیانات میں آپ نے درج ذیل نکات کو شرح وبسط سے بیان کیا۔

۱۔ حکومت گیمبیا کا قادنیوں کو غیر مسلم قرار دینا۔
۲۔ قادیانی ظالم ہیں یا مظلوم۔
۳۔ مرزا قادیانی اور مرزا طاہر کے مبالغوں میں مماثلت۔
۴۔ مرزا قادیانی کا چودھویں صدی والا جھوٹ۔
۵۔ مسیح موعود کے پنجاب میں آنے والا جھوٹ۔

۶۔ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت۔

۷۔ مرزا قادیانی کا کردار۔

۸۔ مرزا قادیانی مہدی و مسیح نہیں ہے۔

ختم نبوت کانفرنس (جرمنی) سے خطاب:

مولانا مشتاق الرحمٰن صاحب (آف جرمنی) کی دعوت پر مولانا چنیوٹی نے ۱۲ تا ۱۶ جولائی ۱۹۹۸ء جرمنی کا دورہ کیا اور تحفظ ختم نبوت کانفرنس (منعقدہ جولائی) سے خطاب کرتے ہوئے مرزا قادیانی کے کردار پر خاصی بحث کی اور مرزا طاہر اور قادیانی جماعت جرمنی کے امیر کو دعوت مباہلہ دی۔ آپ کا بیان پونے تین گھنٹے پر محیط تھا۔

ختم نبوت سیمینار منعقدہ لندن سے خطاب:

۲۶ جولائی ۱۹۹۸ء کو لندن میں منعقدہ ختم نبوت سیمینار میں مولانا چنیوٹی نے شرکت کی۔

اسلامک سنٹر کوپن ہیگن میں خطاب:

یکم اگست ۱۹۹۸ء کو اسلامک سنٹر کوپن ہیگن (ڈنمارک) میں عورتوں کے ایک خصوصی اجتماع سے مولانا چنیوٹی نے سوا دو گھنٹے خطاب کیا۔ نماز مغرب کے بعد سوال و جواب کی مجلس شروع ہوئی جو کہ پونے گیارہ بجے تک جاری رہی۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس کوپن ہیگن سے خطاب:

۲ اگست ۱۹۹۸ء کو کوپن ہیگن میں تحفظ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس سے مولانا چنیوٹی نے تقریباً دو گھنٹے خطاب کیا۔ آپ نے گیمبیا میں قادیانیوں کو کافر قرار دیئے جانے کا پس منظر تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ آپ نے مرزا طاہر احمد کے نام اپنے مطلوبہ تین چیلنج پڑھ کر سنائے اور انہیں سامعین میں تقسیم کیا۔

تحفظ ختم نبوت کانفرنس برمنگھم سے خطاب:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام برمنگھم میں منعقدہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس سے مولانا چنیوٹی نے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس ۱۹ اگست ۱۹۹۸ء کو منعقد ہوئی تھی۔

دورہ برطانیہ:

مولانا چنیوٹی نے ۶ جنوری تا ۱۴ جنوری ۱۹۹۹ء برطانیہ کا دورہ کیا اور لندن، ساؤتھ آل، مانچسٹر، سلو میں مختلف اجتماعات سے خطاب کیا۔

کوپن ہیگن میں اجتماع جمعہ سے خطاب:

۱۵ جنوری ۱۹۹۹ء کو آپ نے کوپن ہیگن کے نواحی علاقہ میں خطبہ جمعہ دیا۔ جمعہ کے بعد نماز عصر تک بیان کیا۔ عصر کے بعد سوال، جواب کی نشست ہوئی جس کا موضوع قادیانیوں سے تعلقات کی شرعی حیثیت تھا۔

نماز تراویح کے بعد خطاب:

۱۶ جنوری ۹۹ء بمطابق ۲۹ رمضان ۱۴۱۹ھ مولانا فاروق سلطان کی خواہش پر مولانا چنیوٹی نے آیت استخلاف کی تشریح کی اور افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام اور تازہ حالات پر مفصل بیان کیا۔ ایک شریک محفل کے اصرار پر آپ نے محمدی بیگم سے اپنی ملاقات کا واقعہ سنایا۔

مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی کی طرف سے مولانا چنیوٹی کی دستار بندی:

۶ اپریل ۱۹۹۹ء کو مولانا چنیوٹی نے مولانا محمد طلحہ صاحب سہارنپوری کے مطالبہ پر مدرسہ صولتیہ میں ایک دعوت کا اہتمام کیا جس کے مہمان خصوصی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل کٹکی آف اڑیسہ (انڈیا) تھے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب ہندوستان میں اعلیٰ پائے کے ایک مناظر ہیں جو کہ قادیانیوں کے بڑے مناظرین جلال الدین شمس اور غلام رسول (راجے کی) سے مناظرے کر چکے ہیں۔ انہوں نے اس تقریب میں مولانا چنیوٹی کی دستار بندی کی۔ تمام حاضرین نے اس پر آپ کو مبارکباد پیش کی۔

وکیل الوزارت کویت سے ملاقات:

مولانا چنیوٹی نے ۷ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ڈاکٹر احمد علی سراج کی معیت میں وکیل الوزارت کویت ڈاکٹر عادل عبداللہ الفلاح سے ملاقات کی۔ انہیں قادیانیت کا تعارف کرایا۔ تذکرہ کا تعارف

کرایا۔آپ نے انہیں توجہ دلائی کہ کویت میں ۲۰۰ قادیانی موجود ہیں جو کہ اپنا الگ جمعہ بھی پڑھتے ہیں۔اس پر وہ بہت حیران ہوئے

آپ نے انہیں کویت میں شیزان کی مصنوعات پر پابندی کی طرف بھی توجہ دلائی۔

کویت میں اجتماعات سے خطاب:

۸ دسمبر ۱۹۹۹ء کو آپ نے نماز تراویح کے بعد ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مرزا قادیانی کی سوانح کے مضحکہ خیز پہلو بیان کیے۔سامعین اس سے بہت محظوظ ہوئے۔یہ عنوان محترم ڈاکٹر احمد علی سراج سے تجویز کیا تھا۔

۹ دسمبر کو بعد نماز تراویح مسئلہ ختم نبوت پر ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا۔

۱۰ دسمبر کو آپ نے جامع مسجد مصطفیٰ شیبان غانم میں خطبہ نماز دیا اور قادیانی فتنہ کی سنگینی کو واضح کیا اور سامعین سے شیزان کے بائیکاٹ کا عہد لیا۔

رات کو نماز تراویح کے بعد آپ نے رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ بیان کیا۔

۱۱ دسمبر کو آپ نے ایک گھنٹہ فضائل رمضان، حفاظت قرآن مجید اور ختم نبوت کے موضوع پر بیان کیا۔

۱۲ دسمبر کو آپ نے پرویزی فتنہ کی حقیقت واضح فرمائی۔

مدرسہ صولیتہ مکہ مکرمہ میں تربیتی کورس:

آپ نے ۷ تا ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۰ء مدرسہ صولیتہ مکہ مکرمہ میں رد قادیانیت پر تربیتی کورس پڑھایا جس میں مدرسہ کے تمام اساتذہ کرام وطلباء شریک ہوتے تھے۔روزنامہ تین گھنٹے سبق ہوتا تھا۔۱۰ دن یہ کورس جاری رہا۔

شیخ محمد بن ناصر العبودی سے ملاقات:

۱۴ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو آپ نے شیخ ناصر العبودی سے ملاقات کی۔شیخ نے آپ کے مجوزہ دورہ انڈونیشیا کے لیے چار آدمیوں کے اخراجات اپنے ذمہ لیے۔

پاکستان رائٹرز کلب الریاض میں خطاب:

پاکستان رائٹرز کلب الریاض کے صدر جناب گل محمد بھٹہ نے ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو مولانا چنیوٹی کے لیے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں آپ نے فتنہ قادیانیت پر ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا اور عالمی سطح پر قادیانیوں کی ارتدادی مہم کا ذکر کیا۔

وزیر الشؤن الاسلامیہ سے ملاقات:

۲۵ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو مولانا چنیوٹی نے الریاض میں سعودیہ کے وزیر الشؤن الاسلامیہ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ سے ملاقات کی اور انڈونیشیا اور افریقہ میں ردقادیانیت پر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کئی تجاویز ان کے سامنے رکھیں۔

دورہ برطانیہ دسمبر ۲۰۰۰ء:

مولانا چنیوٹی نے ۱۴ دسمبر ۲۰۰۰ تا ۹۸ جنوری ۲۰۰۱ء برطانیہ کا دورہ کیا اور لندن، نوٹنگھم، ساؤتھ آل، سیلو، مانچسٹر اور برمنگھم میں کوئی معموی و خصوصی اجتماعات سے خطاب کیا۔ کئی علماء کرام کو تربیتی لیکچرز دیئے۔

ختم نبوت کانفرنس ہانگ کانگ سے خطاب:

انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی رہنما مولانا قاری محمد طیب عباسی صاحب خطیب جامع مسجد ہانگ کانگ کے زیر اہتمام ۲۵، ۲۶ دسمبر ۲۰۰۱ء کو ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس سے مولانا چنیوٹی کے علاوہ امام حرم شیخ عمر سبیل مرحوم، مولانا فضل الرحمٰن درخواستی، ڈاکٹر عبدالخالق پیرزادہ (برادر مولانا عبدالقادر آزاد مرحوم) نے بھی خطاب کیا۔ یہ کانفرنس ختم نبوت موومنٹ ہانگ کانگ کے دفتر میں بعد نماز ظہر منعقد ہوئی۔

برطانیہ میں تبلیغی مصروفیات:

۲۸ جولائی ۲۰۰۱ء...... برطانوی شہر لسٹر میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب۔

۲۹ جولائی ۲۰۰۱ء...... مرکز اسلامی لندن میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنس سے خطاب، اس کانفرنس سے مولانا سعید عنایت اللہ نے بھی خطاب کیا۔

۷ استمبر ۲۰۰۳ء...... مولانا یعقوب باوا کے ادارہ میں انٹرنیٹ پر خطاب۔

۹ ستمبر ۲۰۰۳ء...... جامع مسجد لندن ایسٹ میں اجتماع جمعہ سے خطاب۔

۲۰ ستمبر...... گجراتیوں کی مسجد واقع لندن میں اجتماع عام سے خطاب۔

ابراہیم کمیونٹی کالج لندن میں تربیتی کورس:

مولانا عیسیٰ منصوری اور ان کے رفقاء کی دعوت پر مولانا چنیوٹی نے ابراہیم کمیونٹی کالج لندن میں ردقادیانیت پر لیکچر دیئے۔ آپ کے یہ لیکچر ۱۷ سے ۲۹ ستمبر ۲۰۰۳ء تک جاری رہے۔

۲۶ ستمبر ۲۰۰۳ء کو آپ نے مدنی مسجد نوٹنگھم میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا۔

مرزا مسرور کی شکست کا اعلان:

۲۴ ستمبر ۲۰۰۳ء کے روزنامہ جنگ لندن میں مولانا چنیوٹی نے اشتہار دیا جس میں لکھا کہ مرزا مسرور یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء تک میری دعوت مباہلہ کو قبول کرے ورنہ اس کی شکست کا اعلان کر دیا جائے گا چنانچہ آپ یکم اکتوبر کو جنگ لندن کے دفتر گئے اور مباہلہ سے مرامسرور کے فرار پر انٹرویو دیا۔ عصر کے بعد ختم نبوت موومنٹ لندن کے مرکزی دفتر میں ایک تقریب ہوئی جس میں مولانا زاہد محمود قاسمی' مولانا امداد الحسن نعمانی اور دیگر حضرات نے بیانات کیے اور اس فتح عظیم پر مولانا چنیوٹی کو مبارک پیش کی۔

دورہ برطانیہ اکتوبر' نومبر ۲۰۰۳:

مولانا چنیوٹی نے ۲۹ اکتوبر تا ۱۶ نومبر ۲۰۰۳ء برطانیہ کا دورہ کیا جس میں آپ نے لندن' ساؤتھ آل' نوٹنگھم' ڈیوز بری کا دورہ کیا اور متعدد عوامی اجتماعات سے خطاب کیا۔

مرزا طاہر احمد کا مولانا چنیوٹی کو خراج تحسین:

اردو کا ایک شعر ہے۔

کیا مزا جو غیر کنڈا کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ بولے

بالفاظ دیگر عربی کی ضرب المثال ہے۔ الفضل ماشہدت بہ الاعداء۔

پنجابی والے کہتے ہیں کہ حسن وہ ہوتا ہے جس کا سوکن بھی اعتراف کرے۔

مولانا چنیوٹی کی ردقادیانیت کے محاذ پر خدمات کا اعتراف مرزا طاہر کو بھی کرنا پڑا۔اس نے قادیانی ٹی وی چینل پر تقریر کرتے ہوئے مولانا چنیوٹی کو اشد اعداء جماعتنا (ہماری جماعت کا سب سے بڑا دشمن) کا خطاب دیا۔

مرزا طاہر کے یہ الفاظ آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں اور وہ سنے جا سکتے ہیں۔

مولانا چنیوٹی کی خدمات کی یہ اجمالی روداد ہے

تفصیلات کے لیے احقر کی مرتب کردہ سوانح مولانا چنیوٹی ملاحظہ فرمائیں۔ جو کہ عن قریب طبع ہو رہی ہے۔انشاءاللہ

مولانا چنیوٹی کے بڑے بیٹے مولانا محمد الیاس چنیوٹی ممبر صوبائی اسمبلی پنجاب ہیں، مولانا محمد ادریس، مولانا محمد ثناء اللہ، مولانا بدر عالم چاروں بھائی اپنے والد مرحوم کے مشن کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے ادارے

جامعہ عربیہ و ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ

قادیانیوں نے ربوہ (پاکستان) کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تو تعلیم کے نام سے نظارت اصلاح و ارشاد کے زیر اہتمام جامعہ احمدیہ قائم کیا جس میں اندرون و بیرون ملک خصوصاً افریقی ممالک کے طلباء کو لا کر انہیں ارتداد کی تربیت دیتے تھے اور اپنا ارتدادی لٹریچر لاکھوں کی تعداد میں اپنے مخصوص پرنٹنگ پریسوں سے چھپوا کر دنیا میں پھیلاتے تھے۔

سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی (سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ) نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کا سیاہ چہرہ بے نقاب کرنے کے لیے ۱۹۵۴ء میں ''جامعہ احمدیہ'' کے مقابلے میں ''جامعہ عربیہ چنیوٹ کی بنیاد رکھی اور ۱۹۷۰ء میں ''نظارت اصلاح وارشاد'' کے رد میں ''ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد'' کی بنیاد رکھی جہاں سے عقیدہ ختم نبوت کے متعلق اور ردقادیانیت میں لٹریچر شائع کیا جاتا ہے۔علماء کو اس موضوع پر خصوصی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

شارٹ کورس کے تحت ہر سال علماء کو ۱۰ شعبان سے ۲۵ شعبان تک پندرہ روزہ کورس کرایا جاتا ہے جبکہ لانگ کورس کے تحت فارغ التحصیل علماء کو ایک سال میں ردّ قادیانیت پر تخصص کرایا جاتا ہے۔

ادارہ دعوت وارشاد واشنگٹن (امریکہ)

واشنگٹن میں قائم یہ ادارہ 'ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ (پاکستان) کی ایک شاخ ہے جس کا قیام ۱۹۹۰ء میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی (سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ) کے دست مبارک سے عمل میں آیا۔ اس ادارہ کے ناظم اعلیٰ مولانا حکیم محمد رفیق (تلمیذ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی ہیں۔ امریکہ میں قائم اس ادارہ کی سرپرستی جناب محترم محمد ریاض وڑائچ کر رہے ہیں اور ادارہ ہذا سے ختم نبوت کے محاذ پر انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔

انٹرنیشنل ختم نبوۃ یونیورسٹی چنیوٹ

قادیانیوں اور دیگر منکرین ختم نبوت کے خلاف علمی اور فکری حصار کے لیے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی کا قیام نہایت ناگزیر تھا۔ سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی (سیکرٹری جنرل انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ) نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ۱۱ نومبر ۱۹۹۱ء کو انٹرنیشنل ختم نبوت یونیورسٹی" کے چنیوٹ میں قیام اعلان فرمایا جس کا سنگ بنیاد رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل جناب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ عالمی سطح پر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے یہ یونیورسٹی تعمیری مراحل طے کر کے عنقریب اپنا کام شروع کر دے گی۔ اس یونیورسٹی میں دینی وعصری علوم کے ساتھ ساتھ تمام منکرین ختم نبوت، خصوصاً قادیانی فرقہ کی رد میں مستقل کام کرایا جائے گا اور ختم نبوت کے موضوع پر اعلیٰ تعلیم (تخصص/پی۔ ایچ۔ ڈی) دی جائے گی۔

ختم نبوۃ اکیڈمی فیصل آباد

جامعہ قاسمیہ غلام محمد آباد (فیصل آباد) میں یہ اکیڈمی قائم ہے جس کے تحت مدت دراز سے ہر سال ۱۵ شعبان سے ۲۵ رمضان تک فارغ التحصیل علماء اور منتہی طلباء کو فرق باطلہ خصوصاً منکرین

ختم نبوت کے خلاف کورس کرایا جاتا ہے۔ اس اکیڈمی کے بانی خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمی (نائب صدر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ) ہیں۔

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

یہ ادارہ یورپین ممالک میں ختم نبوت کے تحفظ کا مرکز ہے۔ اس کے ڈائرکٹر مناظر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود (چیئرمین مرکزی شعبہ تحقیق وتالیف انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ) ہیں اور ناظم اعلیٰ مولانا محمد اقبال رنگونی ہیں۔ تمام منکرین ختم نبوت کے خلاف تحریری وتقریری جہاد میں یہ ادارہ اور اس کے اراکین ومنتظمین پیش پیش ہیں اور ایک ماہانہ رسالہ ''الھلال'' اس اکیڈمی سے شائع ہوتا ہے اور اس ادارہ سے ختم نبوت کے کاز اور منکرین ختم نبوت کی تردید میں سالہا سال سے مختلف زبانوں میں لٹریچر شائع ہورہا ہے نیز کانفرنسوں اور اجتماعات کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔

ختم نبوت کے محاذ پر خصوصی طور پر کام کرنے والے اور بھی بہت سے ادارے ہیں۔ جن میں جامعۃ الاھر (مصر) جامعہ ام القریٰ (مکہ معظمہ) دارالعلوم دیوبند (انڈیا) مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (انڈیا) اور ختم نبوت فاؤنڈیشن (ناروے) پیش پیش ہیں۔

ختم نبوت اکیڈمی لندن

عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کے گمراہ کن وکفریہ عقائد ہے۔ مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لیے ۱۹۹۹ء میں اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اکیڈمی کے بانی مولانا عبدالرحمٰن باوا کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ گزشتہ ۵۰ سال سے ختم نبوت کے تحفظ میں سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۱۸ سال کی عمر سے اس کام کو سنبھالا۔ برما، سابقہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش اور پاکستان میں خدمات انجام دیں اور اب برطانیہ میں مقیم ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کے حوالہ سے ۳۵ ممالک کا دورہ کرچکے ہیں۔

ختم نبوت اکیڈمی، لندن کے مشرقی علاقے، فارمسٹ گیٹ میں تین منزلہ عمارت پر قائم ہے۔ جہاں دفتر کے علاوہ بچوں کی دینی تعلیم کے لیے ایک قرآن کا مدرسہ بھی قائم ہے۔

اکیڈمی کی جانب سے گزشتہ ۸ سالوں میں تقریباً ۳ درجن سے زائد رسائل، کتابچے اور

کتابیں عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیت کے موضوع پر اردو، انگریزی اور عربی میں شائع ہو کر پوری دنیا میں مفت تقسیم ہو رہی ہیں۔ اکیڈمی کی سرگرمیاں نہ صرف برطانیہ میں بلکہ یورپ بھر میں جاری ہیں۔

گزشتہ چند سالوں میں بہت سارے قادیانی جو پیدائشی قادیانی تھے۔ اکیڈی میں مسلمان ہو چکے ہیں۔ اکیڈمی سے انٹرنیٹ کے ذریعہ جدید انداز میں عقیدہ ختم نبوت اور قادیانیت کے ذریعہ معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

اکیڈمی میں عبدالرحمن بوا کے علاوہ ان کے صاحبزادے مولانا سہیل باوا فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مرکز سراجیہ لاہور

لاہور برصغیر کا قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یہ کئی سیاسی، مذہبی تحریکوں کا امین اور کثیر اولیاء کرام کا مسکن و مشرب ہے۔ اس لیے اس کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قطب البلاد کہا ہے۔ پاکستان کے دل یعنی لاہور شہر میں تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں ۱۰ ہزار مجاہدین شہید ہوئے۔ زندہ دلان لاہور کے مجاہدین نے مسجد شہداء ریگل چوک کے قریب جام شہادت نوش کر کے اذان حق بلند اور مکمل کی۔

لاہور کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے قطب الاقطاب حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے ۲۰۰۰ء میں اپنے صاحبزادہ رشید احمد صاحب مدظلہ کو تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں کام میں دلچسپی پر لاہور جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ صاحبزادہ رشید احمد صاحب مدظلہ نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور رد قادیانیت پر ایک جامع پروگرام تشکیل دیا اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی اشاعت اور شعبہ تعلیم و تربیت و تبلیغ اور ختم نبوت کے کام کے لیے مرکز سراجیہ کا قیام عمل میں لائے۔ اس بابرکت ادارے کا باقاعدہ افتتاح شیخ المشائخ، امام وقت حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنے دست مبارک سے ۵ شعبان ۱۴۲۳ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو فرمایا۔

مرکز سراجیہ (ٹرسٹ) کے شعبہ جات

مرکز سراجیہ کے زیر اہتمام مندرجہ ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) شعبہ تعلیم و تربیت:

مرکز سراجیہ میں قائم مدرسہ رحمتہ للعلمین میں زیر تعلیم نونہالان وطن کو قرآن مجید کی حفظ و ناظرہ اور تجوید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کو معاشرے کا بہترین انسان بنانے کے لیے اخلاقی' روحانی' فکری تربیت' ختم نبوت کا کام کرنے کی اہمیت اور بزرگان طریقت کی عظمت کی طرف خصوصی توجہ دلائی جاتی ہے۔

(۲) شعبہ تبلیغ:

مرکز سراجیہ میں قائم اس شعبہ کو یوں تقسیم کیا گیا ہے۔ **ہفتہ وار تربیتی پروگرام:** ہر اتوار بعد نماز مغرب تا عشاء تبلیغی و تربیتی پروگرام منعقد ہوتا ہے جس میں مختلف علماء کرام عقائد اسلامیہ خصوصاً عقیدہ ختم نبوت پر مدلل اور جامع بیانات فرماتے ہیں۔ **ماہانہ پروگرام:** ہر انگریزی مہینے کی پہلی اتوار کو تحفظ ختم نبوت پر بیان اور حضرت اقدس مدظلہ کے خلیفہ مجاز عالم باعمل حضرت مولانا نذر الرحمٰن مدظلہ' اصلاح قلب اور تزکیہ نفس پر خصوصی اصلاحی بیان فرماتے ہیں۔

(۳) شعبہ نشر و اشاعت:

اس شعبہ کے ذمہ عقیدہ ختم نبوت کے متعلق عوام الناس میں شعور پیدا کرنے کے لیے مختلف پروگرام منعقد کرنا اور عقیدہ تحفظ ختم نبوت کی فضیلت و اہمیت اور رد قادیانیت پر مشتمل لٹریچر چھاپنا اور پوری دنیا میں تقسیم کرنا ہے۔ الحمدللہ مرکز سراجیہ کی اس کاوش کے ذریعے قادیانیت کے پرفریب جال میں پھنسے ہوئے افراد کو راہ راست پر لا کر ان کی مکمل رہنمائی کی جاتی ہے اور ان کو ایمان کی دولت سے مالا مال کر کے سچا مسلمان اور عاشق رسولؐ بنایا جاتا ہے۔ اس شعبہ کے تحت مرکز سراجیہ میں عوام الناس کے علمی فائدہ کے لیے جدید لائبریری قائم کی گئی ہے جس میں عقائد اسلام' ضروریات دین' عقیدہ ختم نبوت' تصوف اور دیگر اسلامی موضوعات پر مبنی بیشمار کتب موجود ہیں۔

اس شعبہ کا ایک تاریخی کام تحفظ نبوت وردقادیانیت پر لکھی گئی اہم کتابوں کی سکیننگ (Scanning) اور قادیانیوں کی تمام بنیادی کتابوں کی سکیننگ (Scanning) کرنا ہے جو الحمداللہ مکمل ہو چکی اور ساری دنیا میں اس سے استفادہ کیا جارہا ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی مرکزی لائبریری' ادارہ مرکز یہ دعوت وارشاد' محمد متین خالد صاحب کی لائبریری' جرمنی' انگلینڈ' انڈیا اور دنیا کی مختلف جگہوں سے کتابیں حاصل کر کے محفوظ کردی گئی ہیں اور اب دنیا میں مرکز سراجیہ ہی ایسا ادارہ ہے۔ جو تمام دنیا کے مسلمانوں اور قادیانیوں کو دعوت عام دیتا ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی ار جماعت احمدیہ کی تمام بنیادی کتابوں سے حوالہ جات کے صفحات حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں۔ اسی طرح قادیانیوں کے دھوکہ دہی والے سوالات اور ان کے دجل وفریب کے جوابات مرکز سراجیہ میں رابطہ کرنے والے حضرات گھر بیٹھے حاصل کر سکتے ہیں۔ شیخ حضرت مولانا **خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی نے علمائے کرام سے اپیل کی ہے کہ** ''علماء کرام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مہینے میں کم از کم ایک خطبہ جمعہ میں عقیدہ ختم نبوت کو مضبوط دلائل سے واضح کرتے ہوئے مسلمانوں کی ذہن سازی کریں تاکہ بے خبر مسلمان قادیانیوں کی ارتدادی چالوں سے محفوظ رہ سکیں۔'' مرکز سراجیہ کا شعبہ نشر واشاعت اس سلسلے میں پاکستان کے تمام مسلک کے علماء کرام سے بالخصوص اور تمام دنیا کے علمائے کرام سے رابطہ کا جامع پروگرام تشکیل دے کر عملی کام کر رہا ہے اور علمائے کرام کو قادیانیوں سے بائیکاٹ کروانے کی اپیل کی جاتی ہے۔

(۴) شعبہ کمپیوٹر:

اس شعبہ کے ذمہ انٹرنیشنل ویب سائٹ قائم کرنا' چلانا اور اس سائٹ کے ذریعے اسلامی' دینی' اصلاحی اور ختم نبوت وردقادیانیت پر مکمل معلومات فراہم کرنا ہے۔ انٹرنیٹ پر اسلام کے نام پر لاکھوں ویب سائٹس کھل جاتی ہیں مگر تحفظ ختم نبوت اور ردقادیانیت پر کوئی جامع سائیٹ نہیں تھی۔ اگرچہ چند ساتھیوں نے مختصر کام کیا تھا۔ صاحبزادہ رشید احمد صاحب مدظلہ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اس چیلنج کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ''اگر قادیانی چاند پر بھی چلا جائے تو اس کا تعاقب کریں گے'' انٹرنیٹ پر قادیانیوں کا بھرپور تعاقب کرنے کے لیے کام کا آغاز ۲۰۰۲ء میں فرمایا اور آج ایک معیاری' شاندار اور ردقادیانیت پر مشتمل ویب سائٹ

www.endofprophethood.com سے لاکھوں لوگ استفادہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے بہت سے ایسے گمراہ لوگ جو قادیانیت کی طرف مائل تھے یا قادیانی ہو چکے تھے۔ ان کو دوبارہ اسلام کی دولت نصیب ہوئی۔ اگرچہ اس ویب سائٹ کا مزید بہت سا کام ہو رہا ہے جو انشاء اللہ شامل ہوتا رہے گا۔ اس سائٹ پر حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری صاحب مدظلہ نائب ناظم مجلس تحفظ ختم نبوت ہند نے ۲۵ رمضان ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء کو دارالعلوم دیوبند سے لکھے گئے اپنے خط میں یوں تبصرہ فرمایا ہے۔

"سائٹ انتہائی قیمتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔ بلاشبہ مولانا رشید احمد صاحب نے امت کی جانب سے فرض کفایہ ادا فرمایا ہے۔ فجزاھم اللہ خیراً۔"

اس سائٹ میں عقیدہ ختم نبوت اور رد قادیانیت پر ۵۰۰۰ صفحات پر مشتمل اردو، انگریزی مضامین، مجاہدین ختم نبوت کا تذکرہ، فتنہ قادیانیت پر تمام دنیا کے بڑے لوگوں کے تبصرے، منتخب پمفلٹ درج ہیں۔ ختم نبوت کے موضوع پر لکھی گئی اہم اور بنیادی ۱۲۵ کتابیں اس سائٹ کا شاندار سرمایہ ہیں۔ قادیانیوں کو دعوت اسلام کے شعبہ میں ایسا زبردست کام ہوا اور ہو رہا ہے کہ جس کو پڑھ کر کوئی قادیانی اپنے آپ کو حق پر سمجھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس سائٹ پر ۳۰۰ گھنٹے کے آڈیو بیانات ہیں۔ جن میں درس قرآن، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کے موضوع پر تمام بزرگوں علمائے کرام کے بیانات اور رد قادیانیت کورس موجود ہیں۔

(۵) شعبہ سی ڈیز:

الحمد للہ یہ شعبہ انتہائی موثر اصلاحی اور رد قادیانیت پر مشتمل cds بنا کر مناسب قیمت پر فراہم کر کے عوام الناس کی خدمت کر رہا ہے جو اس ادارے کا انقلابی قدم ہے۔

تحریکات ختم نبوت

تحریک ختم نبوت ۱۹۳۴ء

قادیان پر مجلس احرار اسلام کی تاریخی یلغار

قادیانیت دین اسلام کے دام پر ایک مکروہ دھبہ ہے' قادیانیت نے مذہب کا لبادہ اوڑھ کر برطانیہ کے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے کام کیا مرزا قادیانی نے بجا طور پر خود کو انگریز کا خود کاشتہ پودا قرار دیا تھا۔ انگریزی کا ٹاؤٹ ہونے پر وہ تا زندگی فخر کرتا رہا۔ اس نے لکھا کہ میرے نزدیک دین اسلام کے دو حصے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے برطانوی حکومت کی اطاعت۔ اس نے برطانوی حکومت سے لڑنے کو حرام قرار دیا اور کہا کہ اس حکومت کی اطاعت واجب ہے۔

اگرچہ تفصیل کا موقع نہیں لیکن یہ کہنا ضروری ہے کہ قادیانیوں نے مسلم امہ کو ہر پہلو سے نقصان پہنچایا اور وہ ایسا نقصان تھا کہ اس کی تلافی آج تک نہیں ہوسکی۔

مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود نے ۱۹۱۴ء میں قادیانی جماعت کا سربراہ بننے کے بعد قادیان میں ڈکٹیٹر شپ نافذ کر دی اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ مسلمان معاشی و معاشرتی طور پر کمزور ہونے کے باعث دبے اور سہمے رہتے تھے۔ ان حالات میں مجلس احرار نے قادیانیوں کو لگام ڈالنے اور مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ **چودھری افضل حق لکھتے ہیں۔**

مرزائیت میں اگر فاش خامیاں نہ بھی ہوتیں اور وہ غلط دعوؤں کا عبرت انگیز مرقع نہ بھی ہوتی تو بھی وہ نبوت کا دعویٰ بجائے خود اسلام پر ضرب کاری اور مسلمانوں میں انتشار عظیم پیدا کرنے کا

سبب ہے۔اس دعوت کے ساتھ ہی یہ گروہ مسلمانوں کی کڑی نگرانی کا سزاوار ہو جاتا ہے۔پس ہم نے دیکھا کہ مرزائی لوگ

۱۔ برٹش امپیریلزم کے کھلے ایجنٹ ہیں۔

۲۔ وہ اعلیٰ طبقہ کا ذہن رکھتے ہیں۔اردگرد کی غریب آبادی کا بائیکاٹ کرنا اور دوسرے ذریعوں سے انہیں مرعوب کرنا ان کا دھندا ہے۔

۳۔ وہ مسلمانوں میں ایک نئی گروہ بندی کے طلبگار ہیں جو مسلمانوں کی جمعیت کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹ دے گی۔

۴۔ وہ مسلمانوں میں بطور ففتھ کالم کام کرتے ہیں۔

اکثریت کے ارادے مخفی نہیں ہوتے۔مگر کمزور اقلیتوں کے لیے جو اکثریت کے خلاف محاذ بنانا چاہیں ضروری ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو مخفی رکھیں۔ان احتمالات کے پیش نظر خیال آتا تھا کہ ان مخالفین اسلام کی نگرانی ضروری ہے۔قادیان میں مسلمان پر مظالم کی دل خراش داستان متواتر ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔مرزائی لوگ باہر سے آ کر دھڑا دھڑ وہاں آباد ہو رہے تھے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم پر ایمان رکھنے اور غریب ہونے کے باعث مسلمانوں پر باہر سے آئے ہوئے سرمایہ دار مرزائی عرصہ حیات تنگ کر رہے تھے۔یہ سب کچھ قادیانی خلیفہ کے ایما پر ہو رہا تھا۔تمام ہندوستان کے علماء فتویٰ بازی تو کرتے تھے مگر مقابلے کی جان نہ تھی۔بٹالہ ضلع گورداسپور میں درد دل رکھنے والے مسلمانوں نے شبان المسلمین نام کی ایک جماعت بنائی۔علماء کو اکٹھا کرتے رہے۔سالانہ اجلاس کے اختتام پر قادیان بھی ایک دن گئے۔ان علماء کا قادیان جانا سرکاری نبوت کے حاملوں کو ایک ایک آنکھ نہ بھایا دوسرے سال انہوں نے مار پیٹ کی پوری تیاری کر لی۔چنانچہ مرزائی نوجوان بوڑھے علماء پر ٹوٹ پڑے۔لاٹھیوں کا مینہ برسایا۔ان کا بند بند توڑا۔کس کی رپٹ کہاں کی رپورٹ؟ تھانہ مرزائیوں کا دبیل تھا۔دادرسی کی کیا توقع تھی؟ یہ بیچارے جوں توں کر کے بٹالہ پہنچے۔جو قیامت ان پر گزری تھی اس کی داستان درد لوگوں کو سنائی پھر کئی سال کسی کا حوصلہ نہ ہوا کہ کوئی عالم دین قادیان مارچ کرے۔

(تاریخ احرار صفحہ ۱۸۰،۱۸۱)

قادیان کے مسلمان مجاہدین:

قادیان کے وہ مسلمان جنہوں نے قادیانیوں کے نعرۂ جہاد بلند کیا ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

پیر سید چراغ شاہ، مولوی رحمت اللہ مہاجر، خواجہ عبدالحمید بٹ، مہر دین آتش باز، امان اللہ زرگر، اس کا بیٹا فیض اللہ، مسجد شیخاں کے امام مولانا محمد عبداللہ، شیخ برادری کے غازی عبدالحق، شیخ عبدالعزیز، موضع بھانبڑی (قادیان سے متصل) کے محمد یعقوب اور ان کا بھائی، حاجی عبدالرحمٰن، حاجی عبدالغنی۔

قادیان میں احرار کانفرنس: جانباز مرزا مرحوم لکھتے ہیں

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

احرار کی نظر میں انگریز کی مخالفت ایمان کا جزو تھا۔ اس مقصد میں وہ پہاڑ سے ٹکرا جاتے، پھر جبکہ فرنگی حکمرانوں نے ان کے گردوپیش (پنجاب میں) اپنے استحکام کے لیے قادیانی ایسا خاردار پودا لگا رکھا تھا جو ایمان کے ساتھ وطن عزیز کا دامن بھی تار تار کر رہا تھا۔ اس کے اکھاڑ پھینکنے میں احرار کیونکر متحمل کر سکتے تھے۔ بنابریں دشمن سے پہلے دشمن کے دوست کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا۔

دجال کے مرکز شہر سدوم میں احرار کا پہلا اجلاس کن مشکلات میں ہوا۔ ابلیس قوتیں کن کن راستوں سے احرار کے سامنے آئیں۔ اس کی تفصیل مصنف کی کتب کاروان احرار اور حیات امیر شریعت میں دیکھیں۔

کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں ڈوگرا شاہی سے احرار کی لڑائی نے احرار کی عوامی قوت میں اس قدر اضافہ کر دیا تھا کہ یہاں کی دیگر اقوام ہند متاثر ہوئیں۔ انگریز اور مرزائی کے پاؤں تلے کی زمین بھی سرکنے لگی تھی، ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو احرار کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی ابلیسی ٹولے پر قیامت ٹوٹ پڑی لگے اپنے جنم داتا کے دروازے پر دہائی دینے، پکڑو، دوڑو، احرار قادیان میں داخل ہو گئے، خدا کے واسطے انہیں روکو، ابلیسی ٹولے کے اس واویلے پر انگریز کو اپنی روحانی اولاد کے بچاؤ کا خیال آیا اس نے کانفرنس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ بہانہ یہ کہ قادیان

میں مرزائیوں کی اکثریت ہے' اس پر احرار نے کہا اگر یہ دلیل درست ہے تو پھر مرزائی ہندوستان میں کہیں جلسہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہر جگہ مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس دلیل پر مجبور ہو کر کانفرنس کی اجازت تو دے دی لیکن ساتھ ہی قادیان سے دو میل تک دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ اس سے حکومت کا منشا تھا کہ احرار جذبات اور غصے میں اس دفعہ کی خلاف ورزی کریں گے اور گرفتار ہو جائیں گے۔

زعمائے احرار نے حکومت کے اس ارادے کو اس طرح شکست دی کہ قادیان کا متنازعہ فیہ علاقہ چھوڑ کر الشیر سنگھ نامی سکھ کی زمین پر کانفرنس کرنے کا ارادہ کر لیا جس کی پیشکش اس سکھ نے ازخود احرار کو کی۔ مرزائیوں کو جب پتہ چلا تو انہوں نے پہلے منت سماجت کی پھر دباؤ ڈالا۔ جب دونوں طرح ناکام ہو گئے تو سکھ کی زمین کے اردگرد جہاں مرزائیوں کی زمینیں تھیں۔ انہوں نے راتوں رات اپنی زمینوں کے گرد دیوار کر دی۔ مرزائیوں کا یہ حربہ کامیاب رہا۔ مرزائیوں کی اس حرکت کا جب مقامی ہندوؤں کو پتہ چلا۔ انہوں نے اپنی اراضی کی پیشکش کر دی۔ یہ جگہ قادیان سے مغرب کی جانب دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی جسے احرار نے منظور کر لیا۔

دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' مرزائیوں نے اپنی اکثریت کی بناء پر صرف شیطان سے دوستی کی مگر انسانوں سے دشمنی کو جائز سمجھا اس پر قادیان کا ہر غیر مرزائی خواہ وہ کسی مذہب سے متعلق تھا۔ مرزائیوں کے خلاف تھا۔ احرار کے اقدام کو خدائی امداد سمجھ کر احرار کی حمایت کی۔

اس طرح آذر کے بت خانے پر احرار نے پرچم توحید بلند کیا۔ **قادیان میں احرار کانفرنس کی تفصیلات اس کتاب کے ایک دوسرے باب میں آ چکی ہیں۔ اس لیے یہاں سے حذف کی جاتی ہیں۔ (مؤلف)**

احرار کانفرنس کی ایک اہم قرارداد:

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے صاف الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ جو شخص مجھے تسلیم نہ کرے وہ اسلام سے خارج ہے اور تمام دنیائے اسلام کے علماء مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت اور دیگر دعاوی و عقائد کفریہ کی بناء پر اسلام سے خارج اور مرتد سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ تمام مرزائیوں کو لاہوری ہوں یا قادیانی' مردم شماری میں مسلمانوں سے الگ کر دیا جائے۔''

محرک: مولانا ظفر علی خاں

موئید: مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری' مولانا محمد مسعود ڈیروی' مولانا محمد مسلم فاضل دیوبند

ماسٹر تاج الدین انصاری کا تقرر:

مولانا عنایت اللہ چشتی کی مدد اور قادیانیوں کو معاشرتی طور پر زک پہنچانے اور ان کا رعب ختم کرنے کے لیے مجلس احرار اسلام نے قادیان میں ماسٹر تاج الدین انصاری کا تقرر کیا جنہوں نے اپنے سیاسی داؤ پیچ سے قادیانیوں کو زچ کیے رکھا۔ آپ تقریباً ڈیڑھ سال قادیان میں رہے۔ بعدازاں آپ کو واپس بلا کر مولانا محمد حیات اور عبدالحمید بٹ امرتسری کو مولانا عنایت اللہ کی معاونت کے لیے مقرر کیا گیا۔

نماز جمعہ پر پابندی:

احرار کانفرنس ۳۴ء سے بوکھلا کر قادیانیوں نے مسلمانوں پر پابندی لگوادی کہ وہ نماز جمعہ ادا نہیں کر سکتے۔ حضرت امیر شریعتؒ نے اس پابندی کو توڑتے ہوئے قادیان کا عزم کیا لیکن راستہ میں پولیس نے گرفتار کر لیا۔

دوسرے جمعہ پر مولانا ابوالوفا شاہ جہانپوری اور جانباز مرزا نے قادیان جانے کی کوشش کی جس پر وہ دونوں گرفتار ہو گئے۔ تیسرے جمعہ پر مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی گرفتار ہوئے۔ چھٹے جمعہ پر حکومت نے ہتھیار ڈال دیئے اور پابندی اٹھالی جس پر ہر جمعہ کو کوئی نہ کوئی عالم وہاں پہنچ جاتے تھے۔ ان علماء میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری' مولانا مفتی کفایت اللہ' مولانا عبدالغفار غزنوی' مولانا بہاؤالحق قاسمی شامل تھے۔

بٹالہ کے مجاہدین:

بٹالہ میں مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ تھا یہاں تک کہ مرزائی مردہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوسکتا تھا۔ مجلس احرار اور مرزائیوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوا تو انجمن شباب المسلمین کو مجلس احرار میں مدغم کر دیا گیا۔

بٹالہ کے معروف سرگرم کارکنوں میں مولانا نور محمد' چودھری محمد عالم' چودھری محمد ابراہیم بھٹہ' محمد

شوق، مولوی رحمت اللہ مہاجر، خواجہ عبدالحمید صدر مجلس احرار بٹالہ، چودھری جمال دین، چودھری ثناءاللہ بھٹہ ایثار و قربانی میں ان کارکنوں کے قدموں کے نشان ان کی زندگی کی ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے۔

شعبہ تبلیغ احرار کا قیام:

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز مسلمانان ہند کی ہر سیاسی تنظیم سے خائف تھا۔ بنابریں کانگرس سے زیادہ وہ مجلس احرار کو اپنا دشمن خیال کرتا تھا۔ مرزائیوں سے احرار کی جنگ انگریز کے لیے دوگونا مشکلات کا باعث تھی۔ اول احرار کے نظام کو انگریز طاقتور دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ دوسرے مرزائی تحریک انگریز کو اولی الامر کا درجہ دیتی تھی۔ اس بناء پر احرار کے ہاتھوں مرزائیت کا پٹنا بھی برطانیہ کو پسند نہیں تھا۔ ان وجوہ پر مسلمان سرکاری ملازمین مرزائیت کی مخالفت قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔

جیسے کہ پیشتر ازیں لکھا جا چکا ہے کہ علماء کے ایک مخصوص طبقہ نے مرزائی کی مخالفت کو کسی طور حد فاصل قرار نہیں دیا تھا۔ الٹا ان کے بحث و مناظرے کے باعث مرزائیوں کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھ لیا گیا۔ ان حالات میں مجلس احرار کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر احرار رہنماؤں نے مسلمان کی اس بنیادی کمزور کو بھانپ کر ۲۱، ۲۲ جولائی ۱۹۲۶ء کو مجلس احرار کا ایک شعبہ تبلیغ قائم کر دیا اور حسب ذیل مقاصد قرار پائے۔

۱۔ یہ شعبہ خالص مذہبی ہے، سیاسیات ملک سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۲۔ ارتداد اور دہریت کی روک تھام کے پیش نظر مسئلہ ختم نبوت کی ہر ممکن حفاظت کرنا۔

۳۔ مسلمانوں میں تبلیغ اسلام کا شوق پیدا کرنا اور اس کے لیے مبلغوں کی ایک سرگرم جماعت تیار کرنا۔

۴۔ ہندوستان اور بیرون ہند میں اسلام کی اشاعت کرنا۔

۵۔ خدمت خلق اور اسلامی اخلاق کی عملی کیفیت پیدا کرنا۔

عہدیدار:

شعبہ تبلیغ کے حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

صدر: میاں قمرالدین رئیس اچھرہ (لاہور)

نائب صدر: چودھری افضل حق ایم ایل سی، ممبر پنجاب کونسل

جنرل سیکرٹری: مولانا عبدالکریم ایڈیٹر ہفت روزہ مباہلہ لاہور شعبہ تبلیغ کا صدر دفتر اچھرہ لاہور میں قائم کیا گیا۔

(ملخص از مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک ص ۱۶۵ تا ۲۰۰)

قادیان میں تبلیغی مرکز:

جیسے ہی مرزائیت میں انتشار پھیلا' مجلس احرار کی بن آئی۔ اس نے اپنے مخصوص حربوں سے اس خلیج کو وسیع کرنے کی تدبیریں بنائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیسیوں مرزائی دفتر احرار میں آتے اور اپنی معذوری' بے بسی اور پریشانی حالی کا اظہار کرتے۔

مرزائی' قادیان کو مکہ مدینہ سمجھ کر (نعوذ باللہ) اپنی جائیداد فروخت کر کے قادیان آ جاتے۔ یہاں پہنچتے تو مرزائی انتظامیہ کی طرف سے انہیں مفت زمین دے دی جاتی۔ جس پر وہ مکان تعمیر کر لیتے لیکن یہاں کاروبار کا کوئی باقاعدہ موقع میسر نہیں تھا۔ آخر جو اثاثہ وہ ساتھ لاتے وہ ختم ہو جاتا ان حالات میں اگر وہ قادیان سے جانے کی کوشش کرتے تو چونکہ اراضی ان کی ملکیت نہ تھی اس لیے وہ مکان فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں صرف ملبہ اٹھانے کی اجازت تھی۔ ان حالات میں مجبوراً انہیں اپنے مستقبل کے لیے قادیان پر ہی انحصار کرنا پڑتا۔ چنانچہ ہر مرزائی کی خواہش ہوتی کہ احرار والے انہیں اپنے ہاں ملازم رکھ لیں یا مالی امداد کریں تاکہ وہ اس مصیبت سے نجات پائیں مگر احرار کا اپنا حال یہ ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا' ان دونوں قادیان دفتر احرار کے انچارج' ماسٹر تاج الدین انصاری اور مولانا عنایت اللہ تھے۔ ان کی سیاسی سوجھ بوجھ اور تدبیر سے طے پایا کہ قادیان میں کسی طرح اراضی حاصل کی جائے جس پر اسلامی تبلیغی مرکز اور دنیاوی تعلیم کے لیے سکول اور کالج قائم کیے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک لنگر خانہ بھی ہو۔ جہاں سے طلباء کو مفت کھانا ملے۔

اب زمین کون دے؟ قادیان کی پوری بستی اکثر مرزائیوں کی ملکیت تھی۔ اگر کوئی مسلمان یا غیر مسلم یہ جرات کرتا تو مرزائی غنڈون کا خوف انہیں اپنے ارادے سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔ آخر۔ع

پاسان مل گئے کعبہ کو صنم خانوں سے

قصبہ قادیان کے ایک صاحب ایمان گھرانہ کے معزز فرد پیر حضرت سید شاہ چراغ صاحب نے چودہ کنال زمین اس کار خیر کے لیے وقف کردی اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو باقاعدہ اس کی رجسٹری ہوگئی۔

حسب ذیل حضرات اس وقف ادارہ کے منتظمین یا متولی قرار پائے۔ میر خلیل الرحمٰن خلف الرشید عبدالطیف ساکن محلہ چوڑی والا (دہلی)' میاں قمرالدین رئیس اچھرہ لاہور' سید عطاء اللہ شاہ بخاری خلف الرشید سید حافظ ضیاؤالدین امرتسر' صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ سجادہ نشین آلومہار سیالکوٹ' مولانا سید محمد داؤد خلف الرشید سید عبدالجبار غزنوی خطیب مسجد چنیاں والی لاہور' مولانا مظہر علی اظہر ایم ایل اے ایڈووکیٹ لاہور۔

ان حضرات پر مشتمل ایک بورڈ بنادیا گیا' جو بحیثیت ٹرسٹی کے کاروبار وقف کو انجام دے گا اور یہی بورڈ اس وقف کے قواعد مرتب کرے گا۔

نوٹ: مالیتی اراضی مذکورہ چھ ہزار روپیہ ہے۔ اس دستاویز کے نیچے بطور گواہان حسب ذیل حضرات نے دستخط کیے۔

حاجی محمد شریف ولد میاں بڈھا قوم لوہار سکنہ بٹالہ' سید چراغ شاہ بقلم خود' مولانا مظہر علی (یکے از متولیان) مولوی عنایت اللہ ولد حافظ نور خاں قوام ارائیں سکنہ قادیان۔

مولانا محمد حیات کی گرفتاری:

ان دنوں مجلس احرار کی طرف سے قادیان میں مولانا محمد حیات تعینات تھے۔ حلقہ احرار میں ایسا نرم مزاج' بردبار اور دلیل و برہان سے گفتگو کرنے والا دوسرا کوئی مبلغ نہیں تھا۔ یہ مقام بھی ایسے معتدل آدمی کے لیے تھا۔ چنانچہ شب و روز مرزائی چوری چھپے ان سے ملتے اور حقیقت سے آشنا ہوکر مسلمان ہوجاتے۔ خلافت کاذبہ کے منتظمین کو جب حالات سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے پولیس میں مولانا کی رپورٹ کردی کہ قادیان میں مولانا محمد حیات کے وجود سے فرقہ وارانہ فساد کا خطرہ ہے۔ چنانچہ پولیس نے بغیر تحقیق کے مولانا کو دفعہ ۱۵۳ تعزیرات ہند کے تحت ۴ جولائی کو گرفتار کرلیا مگر مرزائیوں کی یہ چال کامیاب نہ ہوسکی کیونکہ مولانا دوسرے دن ضمانت پر رہا ہوکر پھر قادیان میں آن موجود ہوئے۔

(کاروان احرار جلد سوم)

قادیان سے آٹھ میل دور ختم نبوت کانفرنس

ازقلم ماسٹر تاج الدینؒ انصاری

واقعہ یہ ہے کہ قادیان کانفرنس کے انعقاد نے جب قصر مرزائیت کی دیواروں کو ہلا دیا تو خلیفہ قادیان مرزا محمود (آنجہانی) نے حکومت پنجاب کی بے توجہی اور غیر جانبداری کا شکوہ کیا۔ تاریں ہلیں اور حکومت کے کل پرزے حرکت میں آ گئے۔ سوال یہ اٹھایا گیا کہ قادیان مرزائیوں کا مقدس مقام ہے۔ مرزائی حضرات اسے اپنے کعبہ سمجھتے ہیں۔ یہاں ان کے پیغمبر کا مزار ہے۔ اس لیے قادیان میں کسی غیر مرزائی گروہ کو جلسہ یا کسی قسم کا مذہبی اجتماع کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے۔ اگر اب ایسا ہوا تو فساد ہوگا جس کی ذمہ داری احرار یا گورنمنٹ پر ہوگی۔ مرزا محمود سے اس قسم کا احتجاج کرا کے حکومت نے بظاہر اپنے ہاتھ مضبوط کر لیے چنانچہ حکومت پنجاب نے اعلان کر دیا کہ قادیان اور اس سے ملحقہ آٹھ میل کے رقبہ میں کسی غیر مرزائی خصوصاً احرار کو جلسہ کرنے اور اس نیت سے قادیان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ یعنی حکومت نے قادیان کے گرد قانونی پابندی کی خاردار تاریں لگا دیں تاکہ خلیفہ قادیان کی راجدہانی محفوظ ہو جائے۔ اس احتیاطی تدبیر کے بعد یہ سمجھا گیا کہ اب بخاری کی تبلیغی یلغار کا خطرہ ٹل گیا ہے مگر یہ خوش فہمی تھوڑے ہی عرصہ بعد دور ہو گئی۔ احرار نے قادیان سے آٹھ میل اور کچھ فرلانگ دور یعنی قانونی حدود سے ذرا ہٹ کر ایک روزہ کانفرنس کا اعلان کر دیا۔ اردگرد کے ہزارہا مسلمانوں کے اجتماع میں بخاری نے ختم نبوت کے موضوع پر عام فہم اور دلنشین انداز میں بڑی پیاری تقریر کی اس حادثے پر حکومت کھسیانی ہو کر گئی۔ پنجاب کی حکومت زیادہ بدنام نہ ہونا چاہتی تھی اس لیے خاموش ہو گئی۔ مجلس احرار کے رہنماؤں نے ایچ پیچ کی بات کبھی پسند نہیں کی وہ اپنا تبلیغی حق کسی صورت چھوڑنے [illegible] وہ نہ تھے وہ اس صورتحال پر مطمئن نہ تھے انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ آٹھ میل کی پابندی قبول کریں۔ چنانچہ قانون شکنی کا فیصلہ کر کے احرار رہنماؤں نے یکے بعد دیگرے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ حکومت نے خلیفہ قادیان کے اطمینان کے لیے جو پاپڑ بیلے تھے بیکار ثابت ہوئے۔ تاہم آٹھ میل سے باہر جلسہ کرنے کی پابندی قائم رہی۔ پابندی کی مدت

ہوئی تو تازہ پابندی لگا دی جاتی یہ سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہا۔ میں ان دنوں احرار کے سیاسی مشیر یا
نمائندے کی حیثیت سے قادیان میں مقیم تھا۔ مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ خلیفہ محمود کے کارندوں اور
مشیروں نے اگر میرے خلاف ریشہ دوانی کر کے مجھے قادیان سے نکلوا دیا تو احرار کا پروگرام پایہ
تکمیل تک پہنچنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ میں اس خدشے کو محسوس کر ہی رہا تھا کہ مجھے حکومت کی
جانب سے چوبیس گھنٹے کے اندر قادیان چھوڑ دینے کا نوٹس موصول ہو گیا۔ میں اس نوٹس کے لیے
تیار تھا چنانچہ میں نے اپنی مسجد میں قادیان کے مسلمانوں کو جمع کیا۔ ان کے سامنے ایک تقریر کی۔
میں نے کہا کہ یہ نوٹس جس کے ذریعہ مجھے قادیان سے نکالا جا رہا ہے۔ میری منشاء کے مطابق ہے
میں نے سیاسی کارکن کی حیثیت سے ہندوستان کے کونے کونے میں کام کیا ہے۔ اب مبلغ احرار کی
حیثیت سے ہندوستان بھر کا دورہ کروں گا۔ یہ نوٹس میری تقریر کا عنوان ہوگا۔ میں مسلمانوں سے
اپیل کروں گا کہ کسی مرزائی مبلغ کو کسی شہر میں کسی قسم کی تبلیغ کی اجازت نہ دیں۔ اگر حکومت کسی
مسلمان کو قادیان میں آنے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو ان مرزائیوں کو ہندوستا
میں تبلیغ کا کیا حق ہے۔ اس طرح کی باتیں کر کے میں مسجد سے چلا آیا۔ دوسرے دن شام کی گاڑی
سے مجھے قادیان کو خیر باد کہنا تھا۔ میری روانگی سے قبل مجھے ایک نوٹس ملا کہ میں قادیان سے باہر
نہیں جا سکتا۔ دیکھا حکومت کس مستعدی سے قادیان کے بارے میں قلم برداشتہ احکامات جاری
کرتی تھی۔ مجھے دو سال قادیان میں رہ کر اہل قادیان اور ''خداوند قادیان'' کے مطالعے کا موقع
ملا۔ کافی تجربہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ امت مرزائیہ مسلمانوں سے براہ راست ٹکر لینے کے
لیے کبھی آمادہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مذہبی پیشوا خلیفہ قادیان کی سربراہی میں کسی قسم کا اقدام کرنے
سے قبل ایسی صورتحال پیدا کر دیتی ہے کہ جوابی کارروائی کے لیے جب بھی مسلمانوں کا کوئی ساطبقہ
میدان میں قدم رکھے تو ان کا مقابلہ مرزائیوں کی بجائے حکومت سے ہو۔ مرزائی بیچ میں سے
صاف نکل آئیں۔ آٹھ میل کی پابندی کے نوٹس نے یہی صورت پیدا کر دی تھی۔ مرزائی بڑی
خوبصورتی سے اپنا دام صاف بچا کر نکل گئے۔ احرا نماؤں نے اس صورتحال کا بغور مطالہ کیا۔
خود میں نے بھی جب مجھ سے رہنماؤں نے پوچھا اسی رائے کا اظہار کیا کہ ہمیں بحالات موجودہ'

حکومت سے الجھنا نہیں چاہیے۔ اس الجھاؤ میں مرزائیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ حکومت ان کے زیادہ قریب ہوتی جارہی ہے۔ قانون ان کی زیادہ دستگیری کررہا ہے۔ بہر حال کچھ عرصے کے لیے خاموشی طاری ہوگئی۔ امت مرزائیہ بھی مست ہوکر بیٹھ گئی۔ حکومت نے بھی چین کا سانس لیا۔ میری طبیعت جب قادیان کے مختصر مگر روحانی کوفت کے میدان میں بور ہوجاتی تھی تو میں دو ایک روز کے لیے چودھری افضل حق سے ملنے لاہور چلا آتا یا حضرت شاہ جی کی زیارت کے لیے امرتسران کے دولت کدہ پر حاضر ہوجاتا تھا۔ اس طرح تسکین قلب حاصل کر کے تازم دم ہوکر پھر قادیان پہنچ جاتا تھا۔ مری پابندی ختم ہوچکی تھی۔ آٹھ میل والی پابندی کے ختم ہونے میں ابھی دو چار دن باقی تھے۔ حکومت بار بار تازہ پابندی لگانے سے بدنام ہوچکی تھی۔ اب اسے پابندی لگانے مین تذبذب تھا۔ احرار نے بظاہر پابندی قبول کرلی تھی۔

حضرت امیر شریعت کا جذبہ اخلاص:

میں ایک روز حضرت شاہ جی سے ملنے کے لیے قادیان سے امرتسران کے مکان پر پہنچا وہ بے تابانہ مجھ سے بغلگیر ہوئے۔ فرمانے لگے ہم نے تمہیں خطرناک محاذ پر بھیج رکھا ہے۔ ہم وہاں پہنچ بھی نہیں سکتے کیا کیا جائے پھر فرمانے لگے یار کوئی تگڑم لڑاؤ مجھے کسی طرح قادیان لے چلو۔ میں نے ادب سے کہا شاہ جی اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ کچھ دن خاموش رہنا مناسب ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ آپ کی دعائیں شامل حال ہیں۔ میں اپنے کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اس طرح کافی دیر قادیان کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ قادیان سے جانب مشرق تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک ہفتہ بعد احرار کی ایک روزہ کانفرنس میں حضرت شاہ جی کی تقریر ہونے والی تھی۔ مجھے شاہ جی نے فرمایا اس اجتماع کے موقع پر تم آؤ گے؟ میں نے حاضری کا وعدہ کیا اور واپس قادیان چلا آیا۔ آٹھ میل والی پابندی ختم ہوئی تو مرزائیوں نے پھر واویلا شروع کیا۔ ان کا پراپیگنڈہ یہ تھا کہ جس روز عطاء اللہ شاہ بخاری قادیان میں قدم رکھیں گے یہاں خوفناک فساد ہوگا۔ مگر حکومت نے اس پراپیگنڈے کا کوئی اثر نہ لیا۔ اب وہ نئی پابندی لگانے میں پس وپیش کررہی تھی یعنی پابندی کا معاملہ معلق تھا۔

یک روزہ احرار کانفرنس:

اعلان کے مطابق قادیان کے نو دس میل جانب مشرق کسی بڑے گاؤں میں مسلمانان علاقہ کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ نماز عشاء کے بعد حضرت امیر شریعت نے ایمان افروز تقریر کی مجمع خاموشی سے دم سادھے ہمہ تن آغوش تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نور کی بارش ہو رہی ہو۔ حضرت شاہ جی جب لحن داؤدی میں آیات ربانی تلاوت کرتے تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا۔ تہجد کے وقت تک رشد و ہدایت کے دریا بہتے رہے۔ دعا کے بعد اجلاس بخیر و خوبی برخاست ہوا۔ مجھے اسی کمرے میں سونے کے لیے جگہ مل گئی جہاں حضرت شاہ جی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ فجر کی اذان سے تھوڑی دیر قبل میری آنکھ کھلی میں نے حضرت شاہ جی کو جگایا اور ان سے عرض کیا کہ ہمیں سورج طلوع ہونے سے قبل بٹالے پہنچ جانا چاہیے۔ آپ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو بنالیں میں ڈرائیور کو جگاتا ہوں اور اسے کہتا ہوں کہ بس کو سٹارٹ کرے۔ ہم نے صبح کی نماز پڑھی میں نے ڈرائیور سے سرگوشیوں میں پروگرام طے کر لیا۔ اگلی سیٹ پر میں اور حضرت شاہ جی بیٹھ گئے۔ پیچھے باقی کارکن بیٹھ گئے۔ بس چلی تو سبھی اونگھنے لگے۔ حضرت شاہ جی مجھ سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ پانچ چھ میل کے فاصلے پر موڑ آ گیا۔ ایک راستہ بٹالے کو اور دوسرا قادیان کو جاتا تھا۔ بس قادیان کی سڑک پر ڈال دی گئی۔ میرے اور ڈرائیور کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ بس کدھر جا رہی ہے۔ سورج کی شعاعیں پھوٹیں تو ہر شے نظر آنے لگی۔ ریلوے لائن کو جب بس نے کراس کیا تو جھٹکا سا محسوس ہوا اور اونگھنے والے بیدار ہوئے۔ چھڑی گھماتے ایک صاحب خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ حضرت شاہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں یہ کیسی آبادی ہے......؟ میں نے عرض کیا یہ صاحب جو چہل قدمی فرما رہے ہیں ڈاکٹر محمد اسماعیل ہیں۔ مرزا محمود کے ماموں جان اور یہ سامنے دیکھیے منارۃ المسیح اور یہ ہے قادیان اتنے میں ہماری بس قادیان کی بستی میں داخل ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ جی کی قادیان میں آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان ہندو اور سکھ گھروں سے نکل آئے دوسری طرف مرزائیوں کے ہاں بھی کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے انتیس کو عید کا چاند نمودار ہو گیا ہو۔ چہل پہل شروع ہو گئی۔ تھانیدار دوڑا دوڑا ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا کہنے لگا کیا غضب کیا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں اور شاہ جی بلا اطلاع قادیان

پہنچ گئے ہیں۔ارے بھئی افسران بالا کو ہم کیا جواب دیں گے۔ بیچارہ بوکھلا گیا تھا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔کوئی غضب نہیں ہوا بس اک ذرہ سا پروگرام ہے۔ منہ ہاتھ دھو کر حضرت شاہ جی چائے کی ایک پیالی پی لیں ابھی ایک آدھ گھنٹے میں تشریف لے جائیں گے۔گھبراؤ نہیں تو تھانے میں جا کر آرام سے بیٹھو بے چارہ بیوقوف بن کر چلا گیا۔ایک گھنٹہ بعد پھر آ گیا پوچھنے لگا شاہ جی جانے کے لیے تیار ہو گئے؟ میں نے کہا رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔سو گئے ہیں۔ ایک گھنٹہ آرام کر لیں گھبرانے کی بات نہیں وہ زیادہ دیر ٹھہریں گے نہیں۔ چلے جائیں گے۔ تھانیدار غنچہ کھا کر پھر واپس چلا گیا۔مسلمانوں نے واقعی عید کی سی خوشی منائی۔ایک بکرا ذبح ہوا۔تنور گرم ہو گئے' روٹیاں پکنے لگیں' عورتیں' بچے' بوڑھے اور جوان خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ شاہ جی جب دس بجے کے قریب سو کر اٹھے تو تھانیدار صاحب پھر وارد ہوئے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے تھانیدار کو بتا دیا کہ اب شاہ جی واپس تشریف لے جانے سے قبل غسل فرمائیں گے۔تب جائیں گے۔تھانیدار پھر واپس ہو گیا۔ایک گھنٹے بعد کھانا تیار ہو گیا۔تھانیدار آیا اور دیکھ کر چلا گیا اسے اطمینان ہو گیا کہ ایسے معزز مہمان کو کھانا کھلائے بغیر کون جانے دیتا ہے۔کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے ایک رضا کار کو بلایا اسے کہا کہ ٹین کا کنستر بجا کر قادیان کے گلی کوچوں میں اعلان کر دو کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مسجد شیخاں میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کریں گے۔اس اعلان سے قادیان میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بھاگیو' دوڑیو' پچیو' پکڑیو' پولیس الگ بھاگی پھرتی تھی۔مرزائیوں کی سی آئی ڈی الگ پریشان ہو رہی تھی۔

قصر خلافت میں اہم میٹنگ:

مجھے نہیں معلوم کہ مرزا محمود کے قصر خلافت میں کیا مشورہ ہوا۔مگر جو کچھ میرے سامنے آیا۔ میری آنکھوں نے جو نظارہ دیکھا اس سے جو نتیجہ اخذ ہو سکتا تھا۔وہ یہی تھا کہ حضرت شاہ جی کو تقریر کا موقعہ نہ دیا جائے۔

حضرت شاہ جی کی تاریخی تقریر:

اعلان کے فوراً بعد پولیس گارد مسجد شیخاں کے موڑ پر پہرا جما کر کھڑی ہو گئی۔اسے خیال یہ تھا

کہ شاہ جی بازار کے سیدھے راستے مسجد میں تشریف لائیں گے مگر میں کسی اور فکر میں تھا۔ چنانچہ میں نے حضرت شاہ جی سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔ میں انہیں مرزائیوں کے خاص محلے میں سے گزار کر سیدھا قصر خلافت کی جانب لے گیا۔ مرزا محمود کے محل کے پاس سے ایک چھوٹی سے گلی سے نکل کر ہم مسجد شیخاں میں بخیریت پہنچ گئے۔ کس قدر خطرناک راستہ تھا مگر اللہ کا فضل شامل حال تھا۔ کسی شخص کو کوئی شرارت نہ سوجھی اور نہ کسی نے ہم سے تعرض کیا۔

حضرت شاہ جی منبر پر کھڑے ہوئے تقریر سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی۔ اتنے میں مرزائی رضا کار جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں مسجد میں داخل ہوئے۔ قادیان کے ایک جیالے مسلمان نے مرزائیوں کے داخلے پر احتجاج کرنا چاہا مگر حضرت شاہ جی اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا یہ نوجوان ہمارے مہمان ہیں اور یہ خانہ خدا ہے۔ اس میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے بعد مرزائی نوجوان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آؤ میرے عزیزو آگے آ کر بیٹھو ہٹو بھئی ان کو جگہ دو وہ لوگ آگے آ کر بیٹھ گئے حضرت شاہ نے

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی

کی آیت درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے تلاوت کی اور اس کے بعد مسئلہ خلافت نبوت پر مثبت انداز میں تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی جادو تھا' سحر تھا' پھولوں کی بارش برس رہی تھی۔ تقریر کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا۔ خدا جانے کیا ہوا حاضرین سانس بھی آہستہ لے رہے تھے۔ شاہ جی نے اس مسئلے پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ دوران تقریر وہ دریافت بھی کرتے گئے کہ مسئلہ ٹھیک طرح سے سمجھ میں آ گیا ہے۔ سب لوگ مع مرزائیوں کے اقرار کر رہے تھے۔ جھوم رہے تھے۔ فرط عقیدت سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تقریر کے بعد جب شاہ جی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو مرزائی نوجوانوں نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا مگر انہیں بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا پڑی۔ اپنے عقیدت مندوں کے مجمع میں تقریر کر کے واہ واہ کرا لینا کچھ مشکل کام نہیں مگر جو لوگ بدترین مخالف ہوں جو مخالفت کے ارادے سے آئے ہوں انہیں وجد میں لے آنا یہ وصف یہ ہمت اور حوصلہ خدا نے بخاری کو دے رکھا تھا۔ آہ وہ شیدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ پیکر ایثار د محبت اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس ایک واقعہ سے مرزائیوں کا یہ پراپیگنڈہ کہ حضرت شاہ جی قادیان میں داخل ہوئے تو خون خرابہ ہوگا۔ ختم ہو گیا۔ حکومت کے پاس اس واقعہ کے بعد پابندی لگانے کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ حضرت شاہ جی نہ صرف یہ کہ قادیان میں داخل ہوئے بلکہ وہ مرزائیوں کے اپنے محلے میں گھوم پھر آ گئے اور مجمع عام میں مسئلہ ختم نبوت پر دل کھول کر تقریر بھی کر ڈالی۔

ایں سعادت برزو بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مجلس احرار نے قادیان میں کن خطوط پر کام کیا؟

اس سوال کے جواب میں مولانا عنایت اللہ چشتی مرحوم لکھتے ہیں۔

۱۔ میری عمر کے سن وشعور کوئی چوراسی منزلیں طے کر چکے ہیں۔ میں جب اپنی عمر رفتہ پر نظر دوڑاتا ہوں اور اس کا جائزہ لیتا ہوں تو دل بیٹھ جاتا ہے اور نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا بڑا حصہ اکارت گیا۔ صرف وہی ایام حاصل زندہ ہیں جو قادیان میں بسر ہوئے۔ سبحان اللہ کیا کیفیت جہاد تھی۔ ان ایام کو اس سپاہی کے مماثل کہا جا سکتا ہے جو میدان جنگ میں دشمنوں سے گھرا ہوا ہو اور اس کی آنکھیں دشمن کو سامنے دیکھ رہی ہوں کہ فلاں جانب اتنے فاصلے پر دشمن کا مورچہ ہے جو اس کی تاک میں ہے کہ جب موقع ملے تو حملہ کر کے اس کی زندگی کا خاتمہ کرے اور اسے صاف نظر آ رہا ہو کہ وہ دشمن اس کی گھات میں بیٹھا ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس سپاہی کے لمحات حیات کس کیفیت میں بسر ہو رہے ہوں گے؟ وہ سپاہی کیا کھاتا ہوگا؟ کیا پیتا ہوگا؟ اور اس کے سونے اور آرام کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا کھانا اس سے زیادہ نہیں ہو گا کہ کوئی چیز پیٹ میں جائے جس سے زندگی قائم رہ سکے اور بس اسی طرح اس کا سونا اور آرام کرنا ہوگا جس سے تقاضہ حیات پورا ہو سکے۔ اس سے زیادہ نہ تو اس کھانے کا خیال ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے آرام کا تصور آ سکتا ہے...... ہماری قادیانی زندگی بھی اسی نوعیت کی تھی۔ ہم نے

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا

بسم اللہ مجریہا و مرسہا

کہہ کر ہلاکت خیز طوفان میں کشتی ڈال دی تھی۔ میں اور میرے رفقاء رات بارہ بجے تک اس انتظار میں ہوتے تھے کہ کہیں سے کوئی ناخوشگوار اطلاع تو نہیں آ جاتی؟ اور اگر کوئی اطلاع آئے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ مرزائی جماعت اس جدوجہد میں مصروف تھی کہ ''کادیان'' کا نواحی علاقہ یا تو پورے کا پورا ''مرزائیت'' قبول کر لے؟ یا کم از کم ''اکثریت'' کا ہمنوا ہو جائے اس لیے انہوں نے نواحی قادیان میں اپنے مشن قائم کر رکھے تھے اور لوگوں کو ''مرزائی'' بنانے میں کسی بھی حربہ کے استعمال کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ ان کے پروگرام میں تشدد بھی تھا اور ترغیب و ترہیب بھی۔ مقدمات میں معاونت یا مخالفت بھی۔ کاربار میں تعاون یا عدم تعاون، ملازمتوں میں امداد یا مخالفت غرض کہ وہ کون سا جائز یا ناجائز ہتھیار تھا جو استعمال نہ کیا جاتا تھا؟

۲۔ ہم نے بھی ان کے ہر مشن کو اپنی نظروں میں رکھا ہوا تھا اور ان کی ہر کارروائی سے باخبر رہتے تھے اور حسب استطاعت موقع محل کے اعتبار سے مناسب کارروائی کرتے تھے۔ قادیان خاص کا معاملہ ہمارے لیے بڑا کٹھن تھا۔ ہمیں ان کے ایک ایک عمل سے باخبر رہنا پڑتا تھا اور ایسی اطلاعات حاصل کرنے کے لیے کبھی رات کے ایک دو بجے جاتے تھے۔ خدا شاہد ہے کہ ہمیں اس دوران نہ کھانے کی پرواہ تھی اور نہ ہی آرام و راحت کا خیال۔ ہم نے ان کی کامیابی کے ہر راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں اور وہ بری طرح حیران و پریشان ہو گئے تھے۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ بڑے سے بڑا اقدام کر گزرتے؟ وہ اس وقت فبهت الذی کفر کا مصداق بنے ہوئے تھے۔ اگر ان کے پہلے سے حالات ہوتے تو ان کے لیے ہمارے جیسے ناتوانوں کو قتل کر کے بغیر ڈکار کے ہضم کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی؟ اور ہم ہر خطرے کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ تھے کہ جو ہو سو ہو۔ زندگی موت خدا کے ہاتھ میں ہے مگر حالات بدل چکے تھے اور مرزائیوں کے لیے ایسا اقدام ممکن نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے جب کبھی وہ قتل و آتش زنی جیسا اقدام کرتے تو صرف وہی شخص گرفتار یا مجرم گردانا جاتا جو اپنے ہاتھ سے جرم کرتا۔

اصل مجرموں کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا' جن کے ایماء اور شہ پر جرم سرزد ہوتا۔ ان کا جو ملزم سزا پاتا تو اسے قربانی سے تعبیر کیا جاتا۔ سزا پانے والوں کی میت پر پھول نچھاور کیے جاتے اور اسے اعزاز کے ساتھ سپرد خاک کیا جاتا۔ فخر ومباہات سے اس کی مروار قربانی کے تذکرے ہوتے جس سے جماعت کے حوصلے اور بلند ہو جاتے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ جماعت احرار جس کے ممبر اپنی طاقت لسانی کی وجہ سے ملک کے طول وعرض میں پھیلے اور چھائے ہوئے تھے اور وہ قادیان میں اپنے دفتر کے قیام اور دفتر کے ارکان کو پیش آنے والے ممکنہ مصائب سے قادیان سے باہر کے عوام کو آگاہ کر رہے تھے اور لوگوں کو تلقین کر رہے تھے کہ قادیان میں مرزائی تاریخ خدشات سے پر ہے۔ ہمیں اسے نظرانداز کر کے غافل نہیں ہونا چاہیے اور قادیان میں احرار کے کارکنوں کی زندگیوں کے تحفظ کے لیے عوام کو تیار رہنا چاہیے۔ مرزائی بھی ان حالات سے غافل نہ تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ اگر ہم نے قادیان میں احرار کے کارکنوں کے ساتھ کوئی ایسا ویسا معاملہ کیا تو سید عطاء اللہ شاہ بکاری اور ان کے رفقاء کی زبانیں ہمیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گی اور انگریز بہادر ہمیں بچانے میں کامیاب نہ ہوگا اور سارے ملک میں ہم پس کر رہ جائیں گے۔ یہ مرزائی کی دوراندیشی تھی' جس نے مرزائیوں کو بے بس کر رکھا تھا ورنہ ان کے لیے مستری محمد حسین بٹالوی اور فخر الدین ملتانی کا سا معاملہ کرنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ وہ اپنی معلومات کی بناء پر مشاہدہ کر رہی تھے کہ احرار نے ملک میں ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ اب مستری محمد حسین کا قاتل اکیلا پھانسی نہ پائے گا بلکہ ممکن ہے کہ پوری قادیانی جماعت جہاں جہاں ہو' اس کا بھی جھٹکا ہو جائے۔

ماسٹر تاج الدین للنصاری جن دنوں میرے ہمراہ قادیان میں مقیم تھے۔ انہوں نے ایک بڑا اقدام (جو بہ ظاہر مصلحت کے قطعاً خلاف تھا) کر ڈالا اور وہ اقدام اتنا سخت تھا کہ اگر مرزائیوں کے حالات پہلے کی طرح سازگار ہوتے تو اس اقدام کے بدلے اگر ہم سب کو قتل کر دیا جاتا تو بھی ان کی تسکین نہ ہوتی لیکن ہماری طرف کسی نے آنکھ اٹھا

کر بھی نہ دیکھا اور قادیانیوں کے غصہ کا نشانہ وہی ایک شخص بنا رہا جس نے ارتکاب جرم کیا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ اگر وہ ادھر ادھر تجاویز کرتے تو ہزاروں قادیانیوں کو اس کا نشانہ بننا پڑتا اور یہ سودا ان کے لیے مہنگا تھا اب اس اقدام کی تفصیل سنیے:

ماسٹر تاج الدین صاحب نے یہ کہا کہ اندر ہی اندر ایک نوجوان کو خفیہ طور پر تیار کر لیا کہ ''جب مرزا شریف احمد ہمارے محلہ سے گزر رہا ہو تو اسے دو ڈنڈے مار کر سائیکل سے گرا دے۔'' مرزا شریف احمد جو مرزا غلام احمد قادیانی کا چھوٹا بیٹا اور مرزا محمود کا چھوٹا بھائی تھا' اس کے دفتر جانے کا راستہ ہمارے محلہ شیخا نوالے میں سے تھا اور وہ ہر روز بلا ناغہ سائیکل پر سوار ہو کر دفتر کو جاتا تھا۔ چنانچہ اس نوجوان نے مرزا شریف احمد پر ڈنڈے رسید کیے اور اسے سائیکل سے گرا دیا۔ قادیان میں مرزائیوں کے لیے یہ حادثہ عظیمہ تھا اور اس حادثہ نے مرزائیت کی تاریخ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک تزلزل برپا کر دیا۔ چودھری ظفر اللہ خان اس وقت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر تھے۔ قادیانی جماعت ہر طرف سے واویلا کر رہی تھی اور چشم عبرت مسکراتے ہوئے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ ''تم نے انسانی جانوں کو بیدردی سے ذبح کیا ہے' مخالفوں کے مکانات نذر آتش کیے' وہ تمہارے لوح قلب سے ذہول ہو کر رہ گئے۔ اگر عدالتوں نے مجرمں کو سزائیں دیں تو ان کی مردار لاشوں کو تمہارے پیشوا نے کندھا دیا اور پھول چڑھائے اور انہیں اپنے ''بہشتی مقبرہ'' میں دفن کیا۔ ان ڈنڈوں سے آج اگر تمہارے صاحب زادہ کو چند خراشیں آ گئی ہیں تو آسمان سر پر اٹھا رہے ہو؟ چودھری ظفر اللہ خان نے خود تو جو واویلا کیا سو کیا' مزید برآں اپنی بوڑھی والدہ کو لیڈی وائسرائے کے پاس بھیج دیا تھا اور اس نے گلے میں کپڑا ڈال کر لیڈی وائسرائے کے قدموں پر سر رکھ کر زار و قطار رو کر فریاد کی تھی کہ ''ہمارے نبی زادہ کی سر بازار بے عزتی ہو گئی اور ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔'' انگریز مرزائیت کا بڑا حامی تھا اور اپنے خود کاشتہ پودے کی ہر طرح آبیاری کر رہا تھا لیکن وہ حکومت کے اصول جانتا تھا کہ ادھر یہ خراشیں ار ادھر ذبح عظیم ایک نہیں' دو نہیں کوئی نصف

درجن ۔انگریز یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اوران کے رفقاء کی زبانیں بے نیام ہوکر نکل آئیں گی اور جرائم کا موازنہ کرنے کے لیے جہاں وہ حکومت کو مجبور کریں گی وہاں عوام میں آتش انتقام بھڑکا کر مرزائیوں کا چلنا پھرنا دوبھر بنا دیں گی۔یہی وجہ تھی کہ مرزائیوں نے اصل مجرم کے بغیر کسی دوسرے احراری یا غیر مرزائی کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور قلمی یا لسانی احتجاج سے آگے ایک قدم بھی نہ بڑھایا' حالانکہ اس سے پہلے ایسے بیسیوں واقعات رونما ہوئے جنہیں سرزمین قادیان نے ہضم کر دیا تھا اور عوام کے کانوں تک ان کی بھنک بھی نہ پہنچی تھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طعمہ سرزمین قادیان ہو گئے تھے۔

(مشاہدات قادیان ص۱۰۷' تا۱۰۹)

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء

ازقلم آغا شورش کاشمیری

محترم ڈاکٹر عمر فاروق صاحب نے مجلس احرار اسلام کے متعلق جو مضمون لکھا ہے۔اس میں تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے متعلق کافی مواد جمع ہو گیا ہے۔تکرار سے بچنے کے لیے زیر نظر مضمون سے وہ اجزاء حذف کر دیئے گئے ہیں۔باقی مضمون حسب ذیل ہے۔(مولف)

پاکستان بنا تو اپنی عمر اور ملکی حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے شاہ جی نے سیاسیات سے سبکدوشی کا فیصلہ کرلیا۔اپنی جماعت کو بھی یہی مشورہ دیا کہ ہمارا مشن انگریزوں کی غلامی کے خاتمہ تک تھا۔ انگریز جا چکا برعظیم آزاد گیا۔پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے اور اب یہاں ایک مسلمان حکومت ہو چکی ہے۔ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ سیاست سے الگ ہو جائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو اس نوزائیدہ مملکت کے لیے کسی عنوان سے پریشانی کا باعث ہو۔یوں بھی مسلمانوں نے ہماری سیاسی رائے کو مسترد کر دیا ہے۔ملک کا مفاد اسی میں ہے کہ پاکستان کو مسائل درپیش ہیں ممکن ہو تو انفرادی طور پر مسلم لیگ کی لیڈر شپ کا ہاتھ بٹائیں ورنہ خاموش رہیں۔

یہ ایک خط تھا جو ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام موصول ہوا' میں ان دنوں جماعت کے ترجمان روزنامہ ''آزاد'' کا ایڈیٹر تھا۔ ماسٹر جی نے یہ خط میرے حوالہ کیا تو میں نے اس خط کا تین ثلث آزاد میں شائع کر دیا۔ قائداعظم کی وفات سے کچھ دن پہلے میں احرار سے الگ ہو گیا لیکن ان کی وفات پر ''اتاترک کے بعد'' کا اداریہ میرے قلم سے تھا۔ جو ماسٹر تاج الدین اور شیخ حسام الدین کی مشترکہ خواہش پر لکھا تھا۔

(اپریل ۱۹۴۹ء) میں پہلی احرار کانفرنس لاہور میں ہوئی تو اس میں احرار کو سیاست ختم کر دینے کا فیصلہ کیا یا اور جو کارکن یا راہنما سیاست میں رہنا چاہتے تھے۔ انہیں مشورہ دیا گیا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ مجلس احرار اپنے مشن کو تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں تک محدود رکھے گی۔ شاہ جی نے یہ قرارداد کھلے اجلاس میں پیش کی۔ صوبہ بھر کے ہزاروں احرار کانفرنس میں شریک تھے۔ وہ شاہ جی کے اس اعلان وتقریر پر پھوٹ پھوٹ کے روتے رہے۔ انہیں صدمہ تھا کہ برطانوی استعمار کے خلاف عمر بھر کی جدوجہ کا شعلہ اس طرح کچلا گیا اس سے پہلے کوئی پونے دو سال اگست ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۱۹۴۸ء تک شاہ جی خاموش رہے اور کسی جلسہ میں شریک نہ ہوئے لیکن دسمبر ۱۹۴۸ء میں ایک نجی محفل تھی۔ اس میں پاکستانی فوج کے ایک لیفٹینینٹ کرنل اپنے ایک سی ایس پی دوست کے ساتھ موجود تھے وہ شاہ جی سے کہہ رہے تھے۔

''شاہ جی! فی الواقعہ پاکستان سے پہلے ہم قادیانیت سے متعلق علماء کے تعاقب کو ایک فضول مذہبی جھگڑا سمجھتے تھے اور آپ لوگ جب قادیانیت کے بارے میں لمبے لمبے واعظ کرتے تو خیال ہوتا کہ یہ جھمیلے ملائیت کے منبر ومحراب کی خصوصیت ہیں یا احرار کی افتاد طبیعت ہے کہ وہ ذہنی طور پر مشغول رہنا چاہتے ہیں لیکن پاکستان بن جانے کے بعد جو حقائق ہمارے مشاہدے میں آئے اور جن تجربوں سے ہم گزر رہے ہیں وہ اتنے سنگین ہیں کہ پاکستان درجہ اول کی لیڈر شپ کے بعد:

۱۔ اپنی موجودہ ہیئت کھو بیٹھے گا اور اس کا کوئی دوسرا نقشہ ہوگا۔
۲۔ یا ہندوستان کی طرف کسی نہ کسی شکل میں پلٹ جائے گا۔
۳۔ یا اس کی حیثیت ایک مرزائی ریاست کی سی ہوگی۔

ان تینوں میں جو شکل جس طرح قائم ہوگی اس کے پس منظر میں مرزائی ہوں گے۔اس غرض سے اندر خانہ وہ اپنے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔

شاہ جی نے فرمایا۔ پہلے بھی بعض ذمہ دار احباب نے اسی قسم کی خبریں دی ہیں اور مجھے مرزائیوں کے عزائم کا بخوبی اندازہ وعلم ہے لیکن میرا کچھ کہنا یا کرنا اب شاید کوئی نتیجہ پیدا نہ کرے۔ آپ یہ سب باتیں ملک کے وزیراعظم لیاقت علی خان کے نوٹس میں لائیں اور انہیں بتائیں کہ پاکستان میں مرزائی امت کے ہاتھوں کیا ہو رہا ہے اور آئندہ اس امت کے منصوبے کیا ہیں۔وہ ملک کے وزیراعظم ہیں۔ ہر دائرے سے رپورٹ منگوا کر براہ راست معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔''

کرنل صاحب نے کہا۔

''شاہ جی! ہماری اصل مصیبت یہ ہے کہ حکمران جماعت دین سے معاشرتی دلچسپی رکھتی ہے مذہبی نہیں۔ وہ اولاً اپنی ذات پھر اپنی جماعت اور اس کے حدود میں اپنے مقاصد ومصالح دیکھتی ہے۔ اسے اسلام اور اس کی دعوت کے مضمرات ومقتضیات سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو بتائیں مرزائی کیا ہیں؟ آپ نے اس داستان کا نوٹس لیا اور اس طرح کوئی تحریک بن گئی تو لازماً حکمران جماعت آگاہ ہوگی نتیجتاً مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر کی بیداری سے قادیانی امت کو بھی احتساب کا اندیشہ ہوگا اور اس طرح وہ خطرہ جو ہم محسوس کرتے ہیں ٹل جائے گا۔اس وقت سوال مسلمان عوام اور مسلمان حکام کو اس فتنہ کے عمومی برگ وبار اور اس کی مخفی تگ ودو کے نقش ونگار سے مطلع کرنے کا ہے۔میرے ساتھ یہ سی ایس پی افسر ہیں اور وزارت خارجہ میں اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چوہدری ظفر اللہ خان پاکستان کا وزیر خارجہ ہے لیکن اس کے منصب کا فائدہ مرزائیت کو پہنچ رہا ہے وہ بیرونی دنیا میں پاکستان کی نمائندگی کے بجائے اپنی جماعت کی نمائندگی کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔اس نے بیرونی ملکوں میں قادیانی امت کے لیے سیاسی ومعاشی رابطے مہیا کیے ہیں۔اگر مرزائی یہاں کامیاب ہو گئے ہیں تو بین الاقوامی ناطوں کی معرفت قادیانیت کو اندرون ملک تحفظ ملے گا۔''

شاہ جی نے یہ باتیں سن کر سرد آہ بھری اور فرمایا۔

''مجھے یہی محسوس ہوتا ہے لیکن بوڑھا ہو گیا ہوں اب ہمت نہیں رہی۔ کس سے کہوں اور کن سے لڑوں؟ آپ نے جو کچھ کہا ہے اس سے میرا اندر ہل گیا ہے میں دوستوں سے کہوں گا کہ وہ اس خطرہ سے آگاہ ہو جائیں اور عام و حکام دونوں کو حتیٰ المقدور آگاہ کریں۔''

کرنل صاحب بولے۔

''شاہ جی پاکستان کو اس خطرے سے صرف آپ نکال سکتے ہیں۔ کراچی سے لاہور اور لاہور سے پشاور تک آپ کی چند تقریریں موجودہ حکمرانوں کے کان کھول دیں گی کسی سے روبرو لڑائی کا سوال نہیں بلکہ جو دیمک مسلمانوں کو چاٹ کر پاکستان کو حسب منشا ہضم کرنا چاہتی ہے اس کا عوام کی معرفت احتساب ہوگا کہ پوری قوم خبردار ہو جائے گی اور حکمرانوں کو بھی ہوش آئے گی کہ ملک فی الواقعہ کس مسئلہ میں ہے۔ شاہ جی ہم آپ تک یہ بات پہنچا سکتے تھے اور ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے وزیر اعظم سے ہم مل نہیں سکتے ورنہ ان سے ملتے اور کہتے۔ بہر حال ان تک پہنچانا آپ کا فرض ہے' آپ نے کوتاہی برتی تو ذمہ دار آپ ہوں گے عنداللہ بھی اور عندالناس بھی! پاکستان مرزائی ہو گیا تو قیامت کے دن ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آپ کے دامن گیر ہوں گے۔

وہ دونوں صاحب یہ کہہ کر چلے گئے لیکن شاہ جی کا یہ حال تھا کہ پہلے کچھ دیر چپ رہے پھر دو چار ہچکیاں آئیں اب جو ہچکیاں بند ہوئیں تو پون گھنٹہ روتے رہے زبان سے کچھ نہ کہا دیر تک آہیں ہی بھرتے رہے پھر اتنا فرمایا۔ ع

مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

ایسے موقعوں پر ہم لوگ خود ان کے ساتھ گم ہم ہو جاتے اور اس طرح اپنی بے چارگی کا تماشا کرتے۔

غرض مرزائیوں سے مسلمانوں کو جو خطرات لاحق ہو چکے تھے۔ ان کے عوامی احتساب اور اسی احتساب میں احرار کی شرکت کا نتیجہ براہ راست اقدام کی تحریک تھی۔

کھلا تصادم:

۲۷ فروری ۱۹۵۳ء کو شاہ جی تحریک کے رفقاء سمیت کراچی میں پکڑ لیے گئے تو پنجاب میں اس کا رد عمل شدید ہوا۔ ایکا ایکی حکومت کے خلاف تحریک بھڑک اٹھی۔ حکومت نے تحریک کو کچلنے

کے لیے کئی شہروں میں فائرنگ کی جس سے بیشمار لوگ شہید ہو گئے۔ بالآخر لاہور میں ۶ مارچ کو مارشل لاء نافذ کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دوران میں حکومت پنجاب معطل ہو کر رہ گئی۔ صوبہ کے بعض بڑے شہروں میں بغاوت کے آثار موجود تھے۔ صوبائی حکومت کے سیکرٹریٹ میں اہلکاروں نے کام چھوڑ دیا۔ ان کا مطالبہ تھا فائرنگ بند کرو یہ سارا اشتعال صرف اس لیے پیدا ہوا کہ حکومت نے پرامن مظاہرین کو اولاً اشتعال دلایا پھر ان پر تشدد کیا جب وہ بھڑک اٹھے تو انہیں گولیاں سے مارنا شروع کیا حتیٰ کہ پاک فوج کو پہلی دفعہ اس کے فرائض سے مختلف استعمال کیا گیا۔ لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ فوج مارشل لاء کے نام پر کیا کرتی ہے؟ ادھر یہ پہلا موقع تھا کہ سیاست دانوں نے فوج کو عوام کی سزادہی کے لیے منتخب کیا اور انہیں سخت سے سخت سزا دلوائی۔ آخر یہی فوج اکتوبر ۱۹۵۸ء میں سیاست دانوں کو نکال کے ملک پر قابض ہو گئی اور دسمبر ۱۹۷۱ء تک ملک کی تقدیر پر مسلط رہی۔ ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء میں اسکندر مرزا حکومت پاکستان کے ڈیفنس سیکرٹری تھے اور جنرل محمد اعظم لاہور کے جی او سی۔ سکندر مرزا نے صدر مملکت کی حیثیت سے ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کا نفاذ کیا لیکن چند ہی دنوں میں جنرل اعظم نے ایوان صدر میں جا کر ان سے استعفیٰ لکھوا لیا اور راتوں رات پاکستان سے ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا پھر جنرل اعظم بھی اقتدار سے محروم ہو گئے۔ ختم نبوتؐ کے مارشل لاء میں راقم نے خود دیکھا اور سنا کہ اسکندر مرزا گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں ایک فوجی افسر پر جھنجھلا رہے تھے کہ مجھے یہ نہ سنایئے امن ہو گیا ہے۔ مجھے یہ بتایئے کہ اس وقت تک کتنی لاشیں ڈھیر ہوئی ہیں؟ جتنی داڑھیاں نظر آئیں انہیں گولیاں سے بھون دو۔

جسٹس منیر نے سی آئی ڈی کی رپورٹوں کا سہارا لے کر اس سارے واقعہ پر جو نتائج مرتب کیے نتیجتاً وہ ایک جج کی شان کے شایان نہ تھے ان کے بین السطور سے معلوم ہوتا ہے کہ جسٹس منیر بغض و عناد کے تحت یکطرفہ کارروائی کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں احرار نے تحریک ختم نبوت کا اجرا پاکستان کو ختم کرنے کے لیے انڈین نیشنل کانگریس سے اپنے پرانے تعلقات کی بدولت کیا تھا۔ موصوف کے نزدیک احرار پاکستان کے دشمن تھے جن کا طرز عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا۔ انہوں نے پاکستان بننے تک کانگرس کے آگے دم ہلانے کا رویہ جاری رکھا اور اس سے ہمرشتہ ہو چکے تھے۔‘‘

ربوہ کی بنیاد:

مرزا محمود نے سب سے پہلے اپنے لیے ایک قلعہ کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ چنیوٹ ضلع جھنگ کے پاس دریائے چناب کے پار لائل پور اور سرگودھا کے وسط میں سر فرانسس مودی گورنر پنجاب سے کوڑیوں کے بھاؤ ۱۱۰۳۴ ایکڑ زمین لے کر ربوہ آباد کیا۔ یکم اپریل ۱۹۴۹ء کو ربوہ ریو سے اسٹیشن بھی قائم ہو گیا۔ اسٹیشن ماسٹر ایک قادیانی مقرر ہوا۔ غرض ربوہ کا پورا انتظام ایک ریاست کے نظام کے مشابہ ہے' کہا جاتا ہے کہ ربوہ میں اتنا اسلحہ ہے کہ پاکستان کے بڑے سے بڑے شہر میں بھی اتنا اسلحہ نہ ہوگا۔ ہر مرزائی کے لیے مسلح ہونا ''احکام خلافت'' کی رو سے لازم ہے۔

قیام پاکستان سے دو سال تک حکومت کے مختلف شعبوں میں مرزائی داخل ہوتے رہے حتیٰ کہ بعض بنیادی محکموں میں انہیں رسوخ حاصل ہو یا۔ بالخصوص فوج' مالیات اور خارجہ کے محکموں میں ان کی جڑیں خاصی گہری ہو گئیں۔

پاکستان بن جانے سے پہلے ''الفضل'' نے کبھی فوجی بھرتی کے پروگرام شائع نہیں کیے تھے لیکن پاکستان بن جانے کے بعد الفضل میں فوجی بھرتی کے پروگرام بہ التزام شائع ہونے لگے۔ بالخصوص ان علاقوں کے پروگرام جہاں مرزائی رہ رہے تھے اور جس دستہ کے ریکروٹنگ آفیسر مرزائی ہوتے تھے۔ اسی طرح سول کے قادیانی افسروں بالخصوص ڈپٹی کمشنر وغیرہ نے احمدیت کی تبلیغ کا بیڑہ اٹھایا۔ فروری ۱۹۵۳ء سے پہلے مسٹر ایم ایم احمد منٹگمری (ساہیوال) میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ انہوں نے کھلم کھلا احمدی مبلغوں کے لیے راستہ پیدا کیا جس سے مسلمانوں میں مزاحمت کا جوش پیدا ہو گیا۔ چنانچہ منٹگمری کے ڈپٹی کمشنر کا ذکر جسٹس منیر نے بھی اپنی رپورٹ میں کیا ہے کہ ان قادیانی افسروں کی جانبداری کے باعث مسلمانوں میں مزاحمانہ ردعمل کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔

یہ سب کچھ محض تبلیغ نہیں تھا بلکہ قادیانی ریاست قائم کرنے کا ایک منصوبہ تھا جس کے خطوط انگریزوں کے عہد میں تیار ہوئے لیکن جس کی جھلکیاں پہلی دفعہ باؤنڈری کمیشن کے وقت سامنے آئیں اور پاکستان بن جانے کے بعد مرزا محمود بزعم خویش میدان خالی پا کر قادیانی ریاست بنانے کی دھن میں لگ گئے۔

علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ احمدیت اپنے افکار واعمال میں یہودیت کا ثنیٰ ہے جس طرح دنیا بھر کے یہودی امریکہ و برطانیہ میں وہاں کی معاشیات کو کنٹرول کر رہے ہیں اور ان کی فوج میں رسوخ رکھتے ہیں اسی طرح مرزا محمود کا پلان تھا اور ان کے جانشین بھی اسی نہج پر جا رہے ہیں کہ پاکستان میں فوج کو ہاتھ میں لیا جائے' کچھ عرصہ سے پاکستان کی اقتصادیات کو بھی تصرف میں لینے کی کوشش ہو رہی ہے' چنانچہ بینکوں میں قادیانی گھس رہے ہیں اور اب لائف انشورنس کمپنیوں پر سرکاری قبضہ کے بعد اکثر قادیانی حکومت کی بدولت ان کے نگران ہوتے جا رہے ہیں۔

مرزا محمود کا خیال تھا کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے کہ اس کی حکمرانی بالآخر فوج کے ہاتھ میں ہوگی لہٰذا احمدیوں کا فرض ہے کہ وہ فوج میں اس کثرت سے شامل ہو جائیں کہ بالآخر فوج انہی کی ہو جائے۔

مرزا صاحب نے ایک خطبہ میں فرمایا:

''جب تک سارے محکموں میں ہمارے آدمی نہ ہوں ان سے جماعت پوری طرح کام نہیں لے سکتی۔ مثلاً موٹے موٹے محکموں میں سے فوج ہے' پولیس ہے' ایڈمنسٹریشن ہے' ریلوے ہے' فنانس ہے' اکاؤنٹس ہے' کسٹمز ہے' انجینئرنگ ہے۔ یہ آٹھ دس موٹے موٹے صیغے ہیں۔ جن کے بارے جماعت اپنے حقوق محفوظ کرا سکتی ہے اور پیسے بھی اس طرح کمائے جا سکتے ہیں کہ ہر صیغے میں ہمارے آدمی موجود ہوں اور ہر طرح ہماری آواز پہنچ سکے۔''

(الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۲ء)

اسی سال ۱۶ جنوری کو ارشاد ہوتا ہے کہ:

''۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجیے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آ گرے۔

(الفضل ۱۶ جنوری ۱۹۵۲ء)

مرزا صاحب نے اس سے پہلے دسمبر ۱۹۵۱ء کو جماعت کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ:

''وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ (مخالفین و منکرین) مجرموں کی حیثیت میں ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔''

الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۶ مرزا صاحب کے خطبہ کا آخری فقرہ ہے۔

''اپنا یا بیگانہ کوئی اعتراض کرے پرواہ نہیں' ہونا وہی ہے جو میں نے کہا ہے اور وہی ایک دن ہم کر کے رہیں گے۔''

وہ کیا تھا؟ مرزا صاحب نے ۲۳ جولائی ۱۹۴۸ء کو یعنی پاکستان بننے کے تقریباً پونے گیارہ ماہ بعد کوئٹہ میں ایک خطبہ دیا جس میں اعلان فرمایا کہ وہ بلوچستان کو احمدی صوبہ بنانا چاہتے ہیں۔ پھر یہی اعلان مرزا صاحب نے دوبارہ ۵ جولائی ۱۹۵۰ء کو ایک خطبہ میں کیا اور اس کا اعتراف منیر انکوائری کمیٹی کے روبرو کیا۔ چنانچہ رپورٹ میں اس پر نقد بحث موجود ہے کہ

''مرزا محمد نے کوئٹہ میں جو تقریر کی وہ نہ صرف نامناسب بلکہ غیر مآل اندیشانہ اور اشتعال انگیز تھی۔ انہوں نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈا کو تیز کر دیں تا کہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آ جائے ظاہر ہے کہ اس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔''

(ملاحظہ ہو اردو متن صفحہ ۲۸۰)

مرزا صاحب نے مزید اعلان کیا:

''میں یہ جانتا ہوں کہ اب یہ صوبہ بلوچستان ہمارے ہاتھوں نکل نہیں سکتا۔ یہ ہماری شکارگاہ ہوگا' دنیا کی ساری قومیں مل کر بھی ہم سے یہ علاقہ چھین نہیں سکتیں۔''

سردار عبدالرب نشتر (سابق گورنر پنجاب) نے تحقیقات عدالت میں بیان دیتے ہوئے توثیق فرمائی کہ قادیانی بہرطور پر بلوچستان کو اپنا صوبہ بنانے کی فکر میں تھے۔ سردار صاحب نے چودھری ظفر اللہ خان سے بھی کہا تھا کہ وہ مرزا صاحب کے اس اعلان کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ جو کچھ دنوں کے لیے جسٹس منیر کی مہربانی سے لاہور ہائیکورٹ کے جج رہے اور مرزا صاحب کے مقرب و ہمزلف تھے' ان سے بھی سردار صاحب نے یہی بات کہی کہ وہ مرزا صاحب کو آگاہ کر دیں لیکن مرزا محمود کب مانتے تھے۔ انہوں نے اس وقت تک بلوچستان کا پنڈ نہ چھوڑا جب تک ایک قادیانی ڈاکٹر میجر محمود کو لوگوں نے قتل نہ کر دیا اور مرزا صاحب وہاں سے چھپ کر بھاگ نہیں آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرزا محمود اور اس کی جماعت کا محاسبہ علماء نے اس

وقت شروع کیا جب مرزا محمود احمد کھلم کھلا احمدیت کا سیاسی اقتدار قائم کرنے پر تل گئے اور خلاف معمول ان کی زبان بہت تیز ہوگئی۔ مرزا صاحب کا خیال تھا کہ علماء کی اکثریت تحریک پاکستان میں عدم شمول کے باعث معتوب ہو چکی ہے وہ ان کا مقابلہ نہ کرے گی اور جو علماء تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کے ہمراہ وہم نوا تھے۔ وہ ان کے احتساب کا مذاق نہیں رکھتے لیکن مرزا صاحب کو جلد معلوم ہو گیا کہ وہ پاکستان میں عوام کی معرفت کبھی اقتدار میں نہیں آ سکتے ان کا میدان عالمی طاقتوں کی معرفت سازش کا میدان ہے اور وہ گٹھ جوڑ ہی سے ابھر سکتے ہیں۔ یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مرزائی امت برعظیم کی آزادی سے پہلے تک نہ صرف برطانیہ کی آلہ کار رہی ہے بلکہ اب اس کی حیثیت مستقلاً استعماری طاقتوں کے ایجنٹ کی ہو چکی ہے آج کل وہ امریکی استعمار کی کل پرزہ ہے۔

قادیانی خصوصیت:

مرزائی امت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے دو چیزیں خصوصیت سے ملحوظ رکھتی ہے۔

اولاد: اس نے اپنی جماعت فراہم کرنے کے لیے محمد عربی کی امت میں نقب لگائی ہے۔

ثانیاً: وہ ضعیف الاعتقاد لوگوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے سیاسی منصوبوں کو الہامی سند مہیا کرتی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مرزائی مسلمانوں کے کسی ابتلاء میں کبھی کام نہیں آئے بلکہ مسلمان سلطنتوں کے تاخت و تاراج ہونے پر چراغاں کیا۔ خلافت عثمانیہ کی تباہی پر جشن رچائے۔ انگریزوں کی کاسہ لیسی کو اپنے عقائد کا جزو سمجھا اور اس پر فخر کیا۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے اندر اور ہندوستان سے باہر کے اسلامی ملکوں میں برطانیہ کے لیے جاسوسی کی خدمات سرانجام دیتے رہے اور آزادی کے بعد بھی اپنی یہی خصوصیت برقرار رکھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ وہ ۱۹۳۱ء میں کشمیری مسلمانوں کے ہمدرد ہو گئے اور پاکستان آتے ہی حصول کشمیر کی جدوجہد میں شریک ہو گئے۔ اس کا جواب تاریخ احمدیت (مولد دوست محمد شاہد) جلد ششم کے صفحہ ۴۴۵ تا ۴۷۹ میں مرقوم ہے کہ مرزائیوں کی بلوچستان اور کشمیر سے دلچسپی کا باعث ''مسیح موعود'' اور ''مصلح موعود'' کے ''الہامی

ارشادات'' ہیں۔یہ ذکر اوپر آچکا ہے کہ وہ اپنی سیاسی ضرورتوں کو الہامات کی شکل دے کر شروع کرتے ہیں۔تاریخ احمدیت کا مولف حکیم نورالدین خلیفہ اول کے ایک انکشاف کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:

''آپ نے کوہ ہمالیہ سے (مطلب ہے کشمیر) شروع ہو کر بلوچستان اور ڈیرہ غازی خاں کے سب پہاڑی سلسلے گئے اور فرمایا ان پہاڑی قوموں کے اندر کوئی جائے اور ان میں زندگی پیدا کرے تو شاید ان میں حرکت پیدا ہو۔'' (صفحہ ۳۹۵)

مرزا بشیرالدین محمود کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ کشمیر اس لیے پیارا ہے کہ وہاں قریباً اسی ہزار احمدی رہتے ہیں۔

۲۔ وہاں مسیح اول دفن ہیں اور مسیح ثانی (مرزا غلام احمد) کی بڑی بھاری جماعت اس میں موجود ہے۔

۳۔ جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہے وہ ملک بہر حال مسلمانوں کا ہے اور مسلمان صرف احمدی ہیں۔

۴۔ نواب امام الدین جنہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گورنر بنا کر کشمیر بھجوایا تھا وہ اپنے ساتھ بطور مددگار مرزا محمود کے دادا امیر مرزا غلام مرتضٰی کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اجازت سے لے گئے تھے۔

۵۔ حکیم نورالدین (خلیفہ اول) جو مرزا محمد کے خسر بھی تھے ریاست میں شاہی طبیب رہے تھے۔..........................

ہندوستان نے مشرقی پنجاب کے ہر قصبہ وقریہ سے مسلمانوں کو محروم کر دیا لیکن مرزائی حضرات کو قادیان ہی میں رہنے دیا حالانکہ پاکستان اور بھارت کی سرحد پر واقع قریبی قصبہ ہے۔ بالفرض قادیانی مسلمان ہیں تو ان مسلمانوں سے بھارتی حکومت نے یہ رعایت کیوں برتی؟ حقیقت یہ ہے کہ مرزائی قادیان کے لیے پاکستان بھی ادا کرنے کو تیار تھے۔مرزا محمود کے تقسیم ملک کے خلاف وہ تمام خطبات مطبوعہ ہیں جن مین انہوں نے قبل از تقسیم پاکستان کو اپنے سیاسی اور دینی مفادات کے منافی قرار دیا ہے۔اسی طرح ۱۱ جون ۱۹۴۴ء کو مرزا صاحب نے پاکستان کے مطالبہ کو

غلامی مضبوط کرنے والی زنجیر قرار دیا۔ان سے تحقیقاتی کمیٹی میں سال کیا گیا تو انہوں نے تسلیم کیا کہ یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔

تاریخ احمدیت جلد دہم صفحہ ۲۷۶ پر الفاظ ذیل ملتے ہیں:

''ہم دل سے پہلے ہی اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے۔''

۳ جون ۱۹۴۷ء کو ملک کی تقسیم کا اعلان ہو گیا تو مرزا محمود نے بہ عنان ''سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل'' ایک پمفلٹ لکھا جس کے آخری الفاظ تھے۔

''میں دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب میرے اہل ملک کو سمجھ دے۔اول تو یہ ملک بٹے نہیں اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھلے رہیں۔اللھم آمین۔''

مسٹر ایم ایم احمد کے والد مرزا بشیر احمد ایم اے نے بھی تقسیم پنجاب کے موضوع پر کئی ایک مقالات لکھے جس میں انہی خیالات کا اظہار کیا جو تقسیم کے خلاف مرزا محمود کے افکار کو محیط تھے۔

۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو چودھری ظفر اللہ خان کے بھتیجے کا نکاح تھا۔مرزا صاحب نے فرمایا۔

''ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہندو مسلم سوال اٹھ جائے۔ساری قومیں شیر و شکر ہو کر رہیں۔ملک کے حصے بخرے نہ ہوں...... ممکن ہے عارضی طور پر کچھ افتراق ہو اور کچھ وقت کے لیے دونوں قومیں جدا جدا ہوں مگر یہ حالت عارضی ہو گی ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ یہ حالت جلد دور ہو جائے۔بہرحال ہم چاہتے ہیں کہ اکھنڈ ہندوستان بنے اور ساری قومیں باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔''
(الفضل ۱۵ اپریل ۱۹۴۷ء)

۱۴ مئی ۱۹۴۷ء کو بعد از مغرب مجلس علم عرفان میں فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم راضی ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے پھر یہ کوشش کریں گے کہ جلد سے جلد تر متحد ہو جائیں۔''

منیر انکوائری رپورٹ کے مولفین نے بھی قادیانی امت کی اس روش کو تسلیم کیا ہے کہ وہ برعظیم کی تقسیم کے مخالف تھے اور قادیان کا حصول ان کے عقیدہ کا جزدلاینفک ہے۔مرزا محمود نے اس غرض سے ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء کو اپنے ایک خطبہ میں کہا۔

''مایوس نہ ہونا' خدا تعالیٰ پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ کچھ عرصہ کے اندر ایسے سامان پیدا کر دے گا آخر یہودیوں نے ۱۳ سو سال انتظار کیا۔ پھر فلسطین میں آ گئے۔ آپ لوگوں کو تیرہ سو سال انتظار نہیں کرنا پڑے گا ممکن ہے ۱۲ بھی نہ کرنا پڑے ممکن ہے ۱۰ بھی نہ کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اپنی برکتوں کے نمونے تمہیں دکھائے گا۔

(الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۵۷ء)

آستین کے سانپ:

ہندوستان مخلوط تھا اور حکمران انگریز تھے تو مرزائی مسلمانوں میں تبلیغ کا حوصلہ نہ رکھتے تھے۔ وہ مسلمان عام میں سیاست رچانے سے محروم ہو چکے تھے لیکن پاکستان بنتے ہی وہ سرکش گھوڑے کی طرح ہو گئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس ملک کی عنان گویا ان کے ہاتھ میں ہو گی۔

شاہ جی نے احرار دوستوں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کے بعد ۱۹۴۹ء کی آخری سہ ماہی میں فیصلہ کیا کہ قادیانیوں کے سیاسی عزائم سے حکومت کو مطلع کرتے رہنا چاہیے۔ قاضی احسان احمد شجاع اس غرض سے نامزد کیے گئے۔ انہوں نے اکابر حکومت کو مرزائیوں کے خط و خال سے آگاہ کرنا شروع کیا۔ جہاں تک مرزائیوں کے خلاف دینی محاذ کا تعلق تھا وہ سارا کام مولانا محمد علی جالندھری اور دوسرے رفقاء کے سپرد کر دیا کہ ان کا تعاقب ہوتا رہے خود بھی گاہے ماہے مختلف شہروں کے جلسہ ہائے عام میں جانے لگے۔ فوری اثر یہ ہوا کہ مرزائی جس رفتار سے بڑھ رہے تھے اس میں کمی آ گئی۔ ادھر اوکاڑہ میں ایک احمدی مدرس محمد اشرف اپنی سرکشی کے باعث ایک نوجوان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ راولپنڈی باغ گوالمنڈی میں ایک شخص ولایت خان نے بدر دین احمد کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا۔ قتل انسانی کسی لحاظ سے بھی پسندیدہ فعل نہیں' سزا دینے کا حق حکومت کی عدلیہ کو ہے لیکن ان حالات کے واحد ذمہ دار مرزا محمود تھے جو کسی روک ٹوک کے بغیر احمدیوں کو قتل و خون کی دعوت دے رہے تھے۔

مرزا محمود قادیان میں افراد کو قتل کرانے کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس غرض سے وہ اپنے والد کی ''پیش گوئیاں' اور اپنے ذاتی ''الہام'' استعمال کرتے۔ مسلمانوں کو کافر' سور اور ان کی عورتوں کو کتیا کہتے رہے۔ ان کے لیے کوئی روک یا پرسش نہ تھی قادیان میں ایک متوازی حکومت قائم تھی۔

مولوی عبدالکریم مباہلہ کو وہاں سے نکالا گیا۔ اسکا مکان جلا ڈالا۔ محمد حسین کو قتل کروایا۔ جب قاتل پھانسی پا گیا تو اس کا جلوس نکالا اور بہشتی مقبرے میں دفن کرایا۔

یہ چیز پچھلے اوراق میں آ چکی ہے کہ مرزا محمد نے ایک شخص راجندر سنگھ آتش کو شاہ جی کے قتل پر مامور کیا لیکن وہ ضمیر کی سرزنش پر منحرف ہو گیا۔ ۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء کے الفضل میں مرزا محمود نے اعلان کیا کہ:

''آخری وقت آ پہنچا ہے ان علمائے حق کے خون کا بدلہ لینے کے لیے جن کو یہ علماء قتل کراتے آئے ہیں۔ اب ان کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔''

اور وہ زیر عتاب علماء کون تھے۔ مرزا محمود نے ان کے نام بھی درج کیے تھے۔

(۱) سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۲) ملا احتشام الحق تھانوی (۳) ملا عبدالحامد بدایونی (۴) ملا (مفتی محمد شفیع (۵) ملا مودودی۔

جسٹس منیر اور ان کے مآخذ یعنی سی آئی ڈی کے ارباب بست و کشاد کے اس الزام کی تردید تو اسی اعلان سے ہو جاتی ہے کہ تحریک ختم نبوت احرار احمدی نزاع تھا یا کیا تھا۔ شاہ جی کے سوا باقی چار میں سے کوئی بھی احراری نہ تھا اور نہ کبھی احرار سے وابستہ رہا۔ مولانا عبدالحامد بداونی' مولانا احتشام الحق تھانوی اور مفتی محمد شفیع شروع ہی سے لیگ میں تھے۔ شاہ جی یا دوسرے زعما ان تہدیدوں کا نوٹس نہ لیتے تو غلط ہوتا۔ مرزا کی اڑان گھائیوں ہی کا نتیجہ تھا کہ تحریک ختم نبوت کے مطالبات واضح و مدون ہوتے گئے۔

۱۷ مئی ۱۹۵۲ء کو چودھری ظفر اللہ خاں نے جہانگیر پارک کراچی میں احمدیوں کے ایک جلسہ عام کو خطاب کیا۔ خواجہ ناظم الدین نے انہیں منع کیا کہ وہ اس جلسہ میں شریک نہ ہوں لیکن چودھری صاحب نہ مانے اور خواجہ صاحب سے کہا کہ وزیراعظم اس بات پر مصر ہوں تو وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کو تیار ہیں۔

''چودھری صاحب نے جلسہ میں فرمایا کہ:

احمدیت ایک ایسا پودا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود لگایا ہے' وہ اب جڑ پکڑ گیا ہے اگر یہ پودا اکھاڑ

دیا گیا تو اسلام ایک زندہ مذہب کی حیثیت سے باقی نہ رہے گا بلکہ ایک سوکھے ہوئے درخت کی مانند ہو جائے گا اور دوسرے مذاہب پر اپنی برتری کا ثبوت مہیا نہ کر سکے گا۔‘‘

(تحقیقاتی رپورٹ اردو متن صفحہ ۷۷)

اس جلسہ کے ردعمل میں فساد ہوگا نتیجتاً مرزائیوں کی بعض عمارتوں کو نقصان پہنچا۔

آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن:

جب پانی سر سے گزر گیا اور مرزائی منہ زوری کے علاوہ سینہ زوری پر تل گئے تو مولانا لال حسین اختر نے تھیوسوفیکل ہال کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کے مقامی زعماء کی ایک کانفرنس بلوائی۔ جس میں ظفر اللہ خان کے جلسہ سے پیدا شدہ صورتحال پر غور کیا گیا اور قادیانی مسئلہ سے متعلق مطالبات مرتب کرنے کے لیے ۳ جون ۱۹۵۲ء کو ایک مجلس مشاورت طلب کی گئی۔ اس دعوت نامہ پر مولانا احتشام الحق تھانوی‘ مولانا عبدالحامد بدایونی‘ مفتی جعفر حسین مجتہد‘ مولانا محمد یوسف کلکتوی اور مولانا لال حسین اختر کے دستخط تھے۔ ذیل کے مطالبات مرتب کیے گئے۔

۱۔ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲۔ چودھری ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ کے عہدے سے سبکدوش کیا جائے۔

۳۔ تمام کلیدی عہدوں سے احمدیوں کو ہٹا دیا جائے۔

۴۔ ان مقاصد کو قطعی شکل دینے کے لیے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن منعقد کی جائے۔

حکومت نے ۲۶ اور ۲۷ فروری کی درمیانی رات سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کے رفقاء کو گرفتار کر لیا اور پنجاب میں احرار کے متعلقین کو پکڑ کے جیلوں میں ڈال دیا۔ اس جانبدارانہ تشدد سے لوگ برافروختہ ہو گئے اور صوبہ بھر میں برہمی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ لاہور‘ سیالکوٹ‘ راولپنڈی‘ لائل پور اور منٹگمری میں لوگوں نے اس شدت سے احتجاج کیا کہ لاء اینڈ آرڈر کی آبرو اٹھ گئی اور قریب قریب نظام حکومت معطل ہو گیا۔ لاہور کے احتجاجی مظاہرے قابو سے اس قدر باہر ہو گئے کہ چھ مارچ کو شہر فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ جو کچھ لاہور میں ہوا راقم اس کا چشم دید گواہ ہے۔

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احتجاجی جلوس ہزار ہا لوگوں پر مشتمل ہوتے اور مرزائیوں کے خلاف پرجوش نعرے بلند کیے جاتے تھے لیکن عام جلوس دہلی دروازے سے شروع ہو

کر چیئرنگ کراس پر ختم ہو جاتے کسی مرحلے میں بھی اہل جلوس کی طرف سے کوئی سی بدنظمی کا ارتکاب نہ ہوا۔

۲۔ ان پرامن مظاہروں کا خاتمہ مشکل تھا۔ انتظامیہ کے پاس ایسا کوئی قانون نہ تھا جس سے وہ مظاہرے ختم کر سکتی۔ راقم سے خود ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بیان کیا کہ ہر روز کے اس جلوس کو ختم کرنے کے لیے وہ تشدد کی طرح ڈال کر قضیہ نمٹا دیں گے۔

۳۔ چنانچہ حکام نے اپنے سفید پوش اہلکاروں کی معرفت پولیس پر پتھراؤ کیا اور اس طرح فائرنگ کی بنیاد رکھی۔

۴۔ شہر کے مختلف حصوں میں پولیس اور عوام میں تصادم شروع ہو گیا۔ نتیجتاً سید فردوس شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو لوگوں نے مار ڈالا۔ مرحوم کے خلاف یہ الزام تھا کہ اس نے چوک دالگراں میں مظاہرین کو بری طرح مارا اور قرآن مجید کی توہین کی تھی۔ مسجد وزیر خان کے پاس ایک ہجوم نے اسے گھیر لیا پھر چھروں اور لاٹھیوں سے حملہ کر کے وہیں ہلاک کر دیا۔ سید فردوس شاہ کے جسم پر زخموں کے ۵۲ نشان تھے۔

۵۔ کئی جگہ قادیانی جیپ میں سوار ہو کر فائرنگ کرتے رہے لیکن انہیں روکنے اور ٹوکنے والا کوئی نہ تھا بعض قادیانی العقیدہ پولیس افسروں نے اپنے علاقہ میں مسلمان نوجوانوں کو بے دریغ شہید کیا۔

۶۔ اس وحشیانہ تشدد کے ہاتھوں تنگ آ کر مسلمانوں نے مسجد وزیر خان میں کیمپ لگا لیا اور پولیس کی رپورٹوں کے مطابق ایک متوازی حکومت قائم کی اس کیمپ کے انچارج مولانا عبدالستار نیازی تھے۔

۷۔ لاہور میں مال روڈ پر چینیز لنچ ہوم کے سامنے کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے ۱۵ سے ۲۲ سال کی عمر کے نوجوانوں کی ایک جماعت پر ملک حبیب اللہ سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور دس بارہ بے گناہ نوجوانوں کو شہید کر ڈالا۔ یہ نظارہ انتہائی دردناک تھا۔

۸۔ لاہور چھاؤنی کے ملٹری ہسپتال میں بہت سے مظاہرین جو فوج کی گولی سے مجروح ہوئے تھے' انتہائی استقامت سے پڑے تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے ہوش

میں آتے ہی اپنے کرنل ڈاکٹر سے سوال کیا اس کے چہرے پر کسی خوف کے آثار تو نہیں ہیں؟ جب اسے کہا گیا کہ ایسا نہیں ہے تو اس کا چہرہ فخر و مسرت سے تمتما اٹھا۔

۹۔ ۶ مارچ کو مارشل لاء نافذ کر کے سارا شہر فوج کی نذر کر دیا۔ فوج نے اپنی ہی قوم کے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک کیا کہ اس سے پہلے کم سے دو نسلیں مارشل لاء کی سنگینی سے نا آشنا تھیں۔

۱۰۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی کو ملٹری کورٹ نے موت کی سزائیں دیں اور ان دونوں حضرات نے پھانسی کی کوٹھڑی میں اس بے نظیر استقامت و ایمان کا مظاہرہ کیا وہ حیرت انگیز تھا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے لڑکے سے کہا کہ اس حکومت سے کوئی اپیل نہ کرنا پھانسی پا جاؤں تو انہی کپڑوں میں دفنا دینا۔ مولانا سے چند قدم آگے مولانا عبدالستار خان نیازی پھانسی کی کوٹھڑی میں بند تھے وہ ان کے ملاقاتیوں کو للکارتے اور کہتے کہ اس بزدل حکومت میں یہ جرات نہیں کہ مجھے پھانسی پر لٹکا سکے۔ بھلا مولانا کو پھانسی پر کیونکر لٹکا سکتی ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی مولانا کو پھانسی پر لٹکانے کا خطرہ مول نہیں لے گی وہ اپنی موت سے ڈرتی ہے۔

۱۱۔ اولاً پولیس ثانیاً مارشل لاء ان دونوں کے ہاتھوں کے لاہور کے مسلمانوں کی جو بے عزتی کی گئی وہ تشدد و بہیمیت کا ایک ایسا سانحہ تھا کہ اس سے پہلے کسی نے ۲۴ برس میں ایسا اندوہناک ڈرامہ نہیں دیکھا تھا۔

۱۲۔ انگریزوں کے زمانہ میں لاہور کا شاہی قلعہ سیاسی اسیروں کے خلاف استعمال ہوتا تھا اس تحریک میں بھی کئی علماء کو گرفتار کر کے قلعہ میں لے جایا گیا وہاں ایک ایسے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو ان سے استفسار پر لگایا گیا جو انگریزوں کے زمانہ سے جھوٹے سیاسی مقدمے بنانے میں ماہر تھا اور جس کو اپنے طرز استبداد پر ہمیشہ ناز رہا۔

شاہ جی اور ان کے ساتھیوں مولانا سید ابوالحسنات، ماسٹر تاج الدین انصاری مولانا لال حسین اختر، صاحبزادہ فیض الحسن اور سید مظفر علی شمسی وغیرہ کو گرفتار کر کے پہلے کراچی جیل میں رکھا پھر سکھر جیل بھجا دیا جہاں ان کے لیے خاصی پریشانی پیدا کی گئی۔ ادھر حکومت پاکستان کا ایک اعلیٰ افسر سکھر

جیل گیا اور ان سے کہا کہ مسلمانوں کی حکومت ہے ایک اسلامی سلطنت میں اس قسم کی تحریکیں چلانا مناسب نہیں۔ چار سطریں لکھیے اور گھر جائیے۔ شاہ جی نے جواب دیا میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہے مگر ع

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

مسلمانوں کی ساری تاریخ یہی ہے کہ چند لوگ حکمرانی کرتے اور کچھ لوگ ان کے ہاتھوں قید و بند میں رہتے ہیں۔ بھلا اس کے بغیر کوئی سی اسلامی حکومت کیونکر مکمل ہوتی ہے؟

اس ساری صورتحال سے اگر کوئی شخص خوش تھا تو وہ صرف ربوہ کا خلیفہ مرزا محمود تھا یا اس کی جماعت جس نے بعض پولیس افسروں کو ہر قسمی آب و دانہ مہیا کر رکھا تھا۔

شاہ جی کے مرض الموت کا آغاز سکھر جیل ہی سے ہوا اچانک معلوم ہوا کہ ان کا جسم کئی بیماریوں کا محور ہو گیا ہے۔

لاہور میں یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو تحقیقاتی کمیٹی نے کام شروع کیا تو کمیٹی کے سامنے جوابدہ فریقوں میں احرار زعماء کو بھی شامل کیا گیا۔ اس غرض سے ۲۵ جولائی ۱۹۵۳ء کو شاہ جی اور ان کے تمام ساتھی لاہور سنٹرل جیل میں منتقل کر دیئے گئے۔

شاہ جی اس کمیٹی سے تعاون کے حق میں نہ تھے۔ راقم کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ وہ اکثر نازک مرحلوں میں استدلال کے بجائے وجدان سے باتیں کرتے اور عموماً ایسی باتیں کہہ جاتے جو بظاہر عجیب سی معلوم ہوتیں لیکن جب نتائج سامنے آتے تو انہی کے مطابق ہوتے۔ شاہ جی کو اصرار تھا کہ ''تحقیقاتی کمیٹی جسٹس منیر کی وجہ سے کبھی صحیح نتائج مرتب نہ کر سکے گی۔ میں ذاتی طور پر منیر کو جانتا ہوں کہ وہ احرار کا دشمن اور احمدیوں کا دوست ہے اس کی ضرورتیں احمدی بکمال و تمام پوری کر سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم اس فتنہ کا ساتھ نہ دیں اور جو شخص عاقبت خراب کرنے پر تلا ہو اس کو عاقبت خراب کرنے دیں۔ منیر دنیادار انسان ہے وہ آخرت کو نہیں مانتا اور نہ اس کو توحید و رسالت سے آگاہی وارادت ہے۔ شاہ جی کے رفقا نے ان کی بات نہ مانی اور تحقیقاتی کمیٹی سے تعاون کا فیصلہ کر لیا۔

اس کمیٹی کے اجلاسوں میں جو کچھ ہوا وہ غایت درجہ افسوسناک ہے۔ جسٹس منیر علماء کی اہانت

پر تلے ہوئے تھے۔انہوں نے اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے علماء اور اسلام کو اپنی ژاژ خائی کا ہدف بنایا۔ یکم جولائی ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۳ جنوری ۱۹۵۴ء تک اس کمیٹی کے ۱۱۷ اجلاس ہوئے جن میں ۱۹۲ اجلاس شہادتوں کی سماعت اور ان کے اندراج میں صرف ہوئے۔ یکم فروری سے ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء تک طرفین میں بحث ہوتی رہی اس کے بعد ۱۰ اپریل ۱۹۵۴ء کو کمیٹی نے اپنی رپورٹ حکومت پنجاب کو پیش کر دی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ احرار کے عدم تعاون سے کمیٹی کیا کرتی اور نتیجہ کیا ہوتا لیکن تعاون کا نتیجہ یہ تھا کہ جسٹس منیر نے کھلے اجلاسوں میں علماء کا حد درجہ استخفاف کیا۔ افسوس کہ علماء نے برداشت کیا ارکوئی دیوانہ جسٹس منیر کو ٹوک دیتا تو لازماً کمیٹی کو علماء کی اہانت کرنے کے شوق سے دست بردار ہونا پڑتا۔............

پنجاب میں اتنا خون خرابہ ہو چکا تھا کہ جب تک لوگوں کے دل راضی نہ ہوں کسی حکومت کے لیے بھی کام کرنا مشکل تھا۔ ایک اندازے کے مطابق تحریک میں کوئی ایک ہزار افراد شہید ہوئے۔ مجروحین کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔ ہر گھر حکومت سے بددل تھا اولاً میاں ممتاز دولتانہ کی وزارت عظمیٰ برخاست کی گئی اور ملک فیروز خان نون کو صوبہ کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔انہوں نے تقریباً سبھی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ادھر مرکزی حکومت میں مرزائیوں کی ملی بھگت سے سازش کا ایک چکر شروع ہو گیا۔ ملک غلام محمد نے قومی اسمبلی کو برخاست کر دیا۔خواجہ ناظم الدین وزارت عظمیٰ سے نکال دیئے گئے۔ان کی جگہ امریکہ میں پاکستان کے سفیر مسٹر محمد علی بوگرا کو درآمد کیا اور وزیر اعظم بنائے گئے۔مولوی تمیز الدین سپیکر نیشنل اسمبلی نے برخاستگی کے خلاف رٹ کی لیکن جسٹس منیر نے یہاں بھی گل کھلایا اور ملک غلام محمد کے اقدام کو جائز قرار دے کر ایک غیر قانونی اقدام کی تصدیق کر دی۔اس فیصلہ سے ملک میں عدالتی وقار مجروح ہو گیا۔اس کے ذمہ دار صرف جسٹس منیر تھے۔

رٹ اور رہائی:

مسٹر محمود علی قصوری نے حضرت شاہ صاحب' مولانا ابوالحسنات' صاحبزادہ فیض الحسن اور ماسٹر تاج الدین انصاری کی نظر بندی کے خلاف رٹ دائر کر دی۔

جسٹس ایس اے رحمٰن نے قانونی غلطی کا فائدہ دے کر ۸ فروری ۱۹۵۴ء کو انہیں رہا کر دیا۔ نتیجتاً حضرت شاہ صاحب اور ان کے محولا بالا ساتھی ۸ فروری ۱۹۵۴ء کو لاہور سنٹرل جیل سے رہا ہو گئے۔............

اسی سال (۱۳ستمبر) حضرت شاہ صاحب کو ملتان کے ایک اجلاس میں مجلس ختم نبوت کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۶ نومبر کو گھر میں وضو کر رہے تھے کہ دائیں جانب فالج کا ہلکا سا حملہ ہوا لیکن جلد ہی اس کا اثر زائل ہو گیا۔ یہ گویا مہلک مرض کے آغاز کا انتباہ تھا۔ **لاہور میں شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:**

جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے ہیں۔ ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔ وہ عشق رسالتؐ میں مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت میں نے پھونکا تھا جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ ان سے کہتا ہوں کہ حشر کے دن بھی اس خون کا ذمہ دار میں ہوں گا۔ اگر ان دانشوران بے دین یا دینداران بے عشق کے نزدیک ان کا جان دینا غلطی تھا تو اس غلطی کا ذمہ دار بھی میں ہوں۔ وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی تو سات ہزار حافظ قرآن صحابہ کو ختم نبوت کی خاطر شہید کرایا تھا۔

شاہ جی کی طبیعت ماندہ ہو چکی تھی لیکن بعض لیڈروں کی دغا اور کراچی کے بعض علماء کی مخبری سے انہیں اتنا صدمہ پہنچا تھا کہ شب و روز دورہ کرتے اور مسلمانوں کو بتاتے کہ ختم نبوت کا مسئلہ جوں کا توں ہے اور وہ آخری سانس تک اس کا اعلان کرتے رہیں گے۔

حکومت نے ۱۹۵۵ء میں چھ ماہ کے لیے انہیں اپنے گھر ملتان میں نظر بند کر دیا آزاد ہوئے تو کچھ عرصہ بعد ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء کو خانیوال کی ایک تقریر میں پکڑ لیا۔ کوئی پانچ چھ ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ ڈاکٹر خان صاحب صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے۔ راقم کی استدعا پر انہوں نے مقدمہ واپس لے لیا۔ مرزائیوں نے اس کے خلاف اندر خانہ احتجاج کیا اور اسکندر مرزا کے ہاں پہنچے۔ اسکندر مرزا نے شاہ جی سے ملاقات کی خواہش کی۔ شاہ جی ٹال گئے کہ فقیر بادشاہوں سے نہیں ملا کرتے۔ سید مظفر علی شمسی نے کوشش کی کہ اسکندر مرزا اسپیشل ٹرین میں ملتان سے گزر رہے ہیں وہاں شاہ جی سے مرزا صاحب کی ملاقات ہو جائے لیکن شمسی صاحب کو بھی ٹال دیا کہ میں ان ملاقاتوں کا آدمی نہیں ہوں۔

(سید عطاء اللہ شاہؒ بخاری)

سوانح و افکار، ص ۲۱۵ تا ۲۵۲

اس تحریک اور حکومتی تشدد نے کئی چیزوں کو جنم دیا۔

۱۔ اپنی ہی قوم سے وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ جس سے نوکر شاہی کو سیاست کا چسکہ پڑ گیا اور اس نے حکومت کا خواب دیکھنا شروع کیے۔

۲۔ جمہوریت کا فانوس گل ہو گیا۔ ملک غلام محمد نے میاں ممتاز دولتانہ کو خواجہ ناظم الدین سے برخاست کرایا پھر ماہ بعد خواجہ ناظم الدین کو برخاست کر دیا اور نیشنل اسمبلی توڑ ڈالی۔

۳۔ مولوی تمیز الدین سپیکر نیشنل اسمبلی نے برخاستگی کے خلاف رٹ کی لیکن جسٹس منیر نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے ملک غلام محمد کے فعل کو جائز قرار دے کر ایک غیر قانونی اقدام کی توثیق کی نتیجتاً عدالتی وقار مجروح ہو گیا اور ملک سازشوں کی ایک نئی ڈگر پر آ گیا۔

۴۔ فوجی جرنیلوں کا مزاج سیاسی ہو گیا اور وہ ملک پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے خودنوشت سوانح حیات جس سے اس میلان کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۵۔ جس جماعت نے ملک بنایا تھا یعنی مسلم لیگ وہ نوکر شاہی کی داشتہ ہوگئی۔

۶۔ عوام اور حکومت متحارب نہیں تو متصادم ادارے ہو گئے۔

اس تحریک کا سب سے بڑا المیہ تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ تھی گورنر پنجاب نے تحقیقاتی عدالت کو آرڈی نینس نمبر ۳ ۱۹۵۳ء کی ہدایات وشرائط کے مطابق قائم کیا تھا۔ جسٹس محمد منیر اس کے صدر اور جسٹس محمد رستم کیانی ممبر تھے۔ کمیٹی کی تجویز کردہ ترمیموں کے بعد فسادات پنجاب سے متعلق تحقیقات عامہ ایکٹ ۱۹۵۴ء بن گیا۔ یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو تحقیقات کا آغاز ہوا۔ کل ایک سو سترہ اجلاس ہوئے جن میں ایک سو بارہ اجلاس شہادتوں کے لیے مخصوص رہے۔ کمیشن نے ۲۸ فروری ۱۹۵۴ء کو اپنا کام ختم کیا اور انگریزی میں تین سو ستاسی صفحات کی ایک رپورٹ لکھی۔ اس کا اردو ترجمہ سرکاری اہتمام میں کرایا گیا جو محکمہ تعلقات عامہ نے اسی سائز کے چار سو پینتیس صفحات میں شائع کیا۔ اس تحقیقات میں جو ادارے شامل کیے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

ا۔حکومت پنجاب ۲۔صوبہ مسلم لیگ ۳۔مجلس احرار ۴۔مجلس عمل (مقررہ کردہ مجلس ختم نبوت پنجاب) ۵۔جماعت اسلامی ۶۔صدر انجمن احمدیہ ربوہ ۷۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

میاں ممتاز دولتانہ نے ایک درخواست میں استدعا کی کہ انہیں بھی ایک فریق بنایا جائے۔ اس پر عدالت نے انہیں ایک فریق قرار دے دیا اور ہدایت کی کہ وہ ایک تحریری بیان داخل کریں۔ تمام فریقوں نے حکومت پنجاب اور صوبائی مسلم لیگ کے سوا تفصیلی بیانات داخل کیے۔ اس رپورٹ کوئی ایک ذیلی عنوانات کے تحت چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ جسٹس ایم۔ آر کیانی نے خود راقم سے کہا تھا کہ وہ اس کتاب کی اشاعت سے پریشان و پشیمان ہیں۔ اس میں جو حصہ اسلام کے خلاف ہے اور جہاں تہاں احرار سے متعلق برے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ جسٹس منیر کے قلم سے ہیں۔ اس رپورٹ کا غالب حصہ یک طرفہ آلائشوں کا حامل ہے اور کسی لحاظ سے بھی پوری رپورٹ کسی جج کی تحریر یا تجزیہ نہیں بلکہ اس ایسے اخبار کا اداریہ ہے جو کف دردہاں قلم سے تبصرہ کرنے کا عادی ہو۔ ڈاکٹر جاوید اقبال خلف الرشید علامہ اقبال نے اپنی ایک نظریاتی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو اسلام کے خلاف خود مسلمان ججوں کے قلم سے نکلی ہے۔ اس کی اشاعت روک لی جائے اس کتاب کا ضبط کیا جانا ہی بہتر ہے۔ آج تک نفس اسلام کے خلاف دنیائے اسلام میں ایسی دستاویز شائع نہیں ہوئی۔ یہ سب سے بڑی تحریر ہے جس میں دو مسلمان ججوں نے مسلمانوں کی رسوائی کا سامان کیا ہے۔ اس رپورٹ کا مرجانا یقینی تھا اور یہ رپورٹ جلد ہی مرگئی۔ بعض یورپی مصنفوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے جوابی تبصرہ نے جو اردو کے علاوہ انگریزی اور عربی میں شائع کیا گیا۔ اس رپورٹ کی چتا تیار کی جس میں اس کا وجود بھسم ہوگیا جسٹس منیر احرار کے پیدائشی مخالف تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی طبیعت کا تمام زہران کے خلاف اگلا۔ وہ لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس تھے لیکن احرار کے خلاف تمام برے الفاظ پر اعتماد کیا اور خود جس قدر بھدے الفاظ ہو سکتے تھے ایک جج کی روایات کو پس پشت ڈال کر ان کے خلاف استعمال کیے۔ حتیٰ کہ سی۔ آئی۔ ڈی کے بے ضمیر افسروں کی یادداشتوں سے ان مکروہ الفاظ کو بطور استدلال نقل کیا جن میں احرار پر غداری کا بیہودہ الزام دھرا گیا اور ان کے رہنماؤں کو ہدف مطابق بنایا گیا۔ جسٹس منیر کو یہ جرات تو نہ ہوئی کہ وہ

قادیانیت کا دفاع کرتے یا ان کے مسلمان ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے' لیکن انہوں نے قادیانیوں کومختلف واسطوں سے تحفظ دیا اور بزعم خویش یہ ثابت کرنا چاہا کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار ایک مظلوم جماعت ہیں۔تمام رپورٹ غیر عدالتی اسلوب سے لکھی گئی لیکن شروع سے آخر تک ججوں نے اپنے تئیں عدالت کے حصار میں محفوظ رکھا۔ ....جن علماء کوشہادت کے لیے طلب کیا گیاان کو نہ صرف تضحیک واستہزاء کا نشانہ بنایا گیا بلکہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ کا سوال اٹھا کر اسلام پر چھینٹے اڑائے گئے اور ساری رپورٹ سنڈ اس کا پلندہ ہوگئی۔اس کے برعکس علماء نے اپنی ثقاہت کو قائم رکھا اور طیش میں نہ آئے۔اگر کوئی عالم دین یا متعلقہ راہنما جسٹس منیر کے ابلہانہ سوالات کا منہ توڑ جواب دیتا تو عین ممکن تھا اس قسم کی گستاخانہ رپورٹ تیار نہ ہوتی لیکن علما کی شرافت نے جسٹس منیر کے دیدے چوپٹ کردیئے اور وہ علماء کے خلاف مسلسل نیش زنی کرتے رہے۔اس رپورٹ کے مولفین سے کہیں زیادہ حکومت کے اعضاء سیانے تھے جنہوں نے اپنا معاملہ اس بیان پر ختم کر دیا کہ حکومت کا اس بارے میں کوئی نقطہ نگاہ نہیں۔اس رپورٹ کو علماء کے خلاف ایک اجتماعی مقدمہ (Collectiye Trall) کی خصوصیت حاصل ہوگئی۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے مشرقی پاکستان کے حالات پر ایک تجزیاتی رپورٹ قلمبند کی تو اس میں لکھا کہ ہندو اور کمیونسٹ دماغ منیر رپورٹ سے خصوصی فائدہ اٹھا رہے ہیں اس وقت دنیا میں کوئی ایسی دوسری دستاویز موجود نہیں جو مشرق ومغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس قدر غلط فہمیاں پھیلانے کا موجب ثابت ہوئی ہو۔.................

المختصر شروع سے آخر تک جسٹس منیر کے ذہن میں جو چیز سوار رہی وہ احرار کا وجود تھا۔انہیں اس ساری تحریک میں احرار ہی احرار نظر آرہے تھے کہ احرار نے پاکستان کے خواب وبرباد کرنے کے لیے اس تحریک کا ڈول ڈالا اوران کا منشاء ومقصد یہ تھا کہ پاکستان کیونکر تباہ ہوتا ہے۔ممکن تھا جسٹس منیر احرار پر اس سفاکی سے حملہ آور نہ ہوتے اگر ختم نبوت کے مسئلہ میں تمام جماعتیں ایک ہوکر اپنا مقدمہ لڑتیں اور اپنی جماعتی صفائی پیش کرنے کی بجائے متحدہ دفاع کرتیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی گرفتاری سے پہلے قادیانی مسئلہ کے نام سے ایک پمفلٹ میں پوری کہانی بیان کی پھر یہی پمفلٹ ان کی گرفتاری اور سزائے موت کا باعث ہوا۔اپنے مقدمہ میں [illegible]

تین جامع بیان داخل کیے۔ان بیانوں کے بعد منیر انکوائری رپورٹ چھپ کر سامنے آئی تو اس پر جماعت نے ایک مبسوط تبصرہ کیا اور ان خامیوں کی نشاندہی کی جو اس رپورٹ میں واضح طور پر موجود تھیں اس کی روداد ایک علیحدہ باب میں درج ہے۔ سب سے بڑی بات جو اس تحریک میں پسپائی کے بعد پیدا ہوئی وہ مجلس ختم نبوت کا قیام تھا۔اس کا صدر دفتر ملتان میں قائم کیا گیا۔شاہ جی اس سال ۱۲ستمبر کو صدر منتخب کیے گئے۔مولانا محمد علی جالندھری ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔مولانا قاضی احسان احمد مجلس کے مرکزی سفیر تھے۔ان کے علاوہ پچاس کے لگ بھگ سفیر مقرر کیے گئے جو وقتاً فوقتاً مختلف صوبوں اور ضلعوں کے سربراہ رہے۔ادھر تحریک کی اندوہناک پسپائی سے لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔کئی لوگ ان شہداء کے متعلق جو اس تحریک ناموس ختم نبوت پر قربان ہو چکے تھے۔یہ سوال کرتے کہ ان کے خون کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جی نے لاہور کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے جواب دیا کہ:

''جو لوگ تحریک ختم نبوت میں جہاں تہاں شہید ہوئے ان کے خون کا جوابدہ میں ہوں۔وہ عشق رسالت میں مارے گئے۔اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں جذبہ شہادت میں نے پھونکا تھا۔جو لوگ ان کے خون سے دامن بچانا چاہتے اور ہمارے ساتھ رہ کر اب کنی کترا رہے ہیں۔ان سے کہتا ہوں کہ میں حشر کے دن بھی ان کے خون کا ذمہ دار ہوں گا۔وہ عشق نبوت میں اسلامی سلطنت کے ہلاکو خانوں کی بھینٹ ہو گئے لیکن ختم نبوت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء کی کہانی مولانا تاج محمودؒ کی زبانی

۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء پر آہنی سلاخوں' لوہے کی تاروں کے بنائے ہوئے کوڑوں' آہنی پنجوں سے حملہ کیا گیا۔ان کو خوب مارا پیٹا' زخمی کیا گیا۔ایک ہفتہ پہلے یہ لڑکے تفریحی سفر پر پشاور کے لے جاتے ہوئے چناب ایکسپریس سے ربوہ اسٹیشن پر اتر کر اپنے کلاس فیلو قادیانی طلباء سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔قادیانیوں کا اس زمانہ میں معمول تھا کہ وہ ربوہ سے تمام گزرنے والی ٹرینوں پر مسافروں پر اپنا تبلیغی لٹریچر تقسیم کیا کرتے تھے۔اس دوران طلباء میں بھی انہوں نے لٹریچر تقسیم کیا' اس سے قبل طلباء کا نشتر میڈیکل کالج [illegible]

میں انتخاب ہوا تھا۔ ایک قادیانی اس میں امیدوار تھا' مسلمان طلباء نے قادیانیت کی بنیاد پر اس کی مخالفت کی تھی۔

قادیانیت کے خلاف مسلمان طلباء کی ذہن سازی تھی' اس لیے اس قادیانی لٹریچر کے تقسیم ہوتے ہی مسلمان طلباء بھپر گئے۔ قادیانیوں نے بھی ان کی جرات رندانہ کا شدید نوٹس لیا۔ قریب کی گراؤنڈ میں قادیانی نوجوان کھیل رہے تھے' ان کو اطلاع ملی وہ ہاکیوں سمیت اسٹیشن پر آ دھمکے۔ مسلمان طلباء بھی برہم' تو تکرار تک معاملہ پہنچا۔ خدا کا شکر ہے' ٹرین روانہ ہوگئی اور کوئی حادثہ نہ ہوا۔ تصادم ہوتے ہوتے رہ گیا' قادیانیوں نے لڑکوں پر ہی آئی ڈی لگا دی' ان کے پروگرام کا معلوم کیا اور ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ہفتہ کے بعد جب وہ اسی ٹرین سے واپس ہوئے تو سرگودھا سے ہی ان کے ڈبے میں قادیانی نوجوان خدام الاحمدیہ نیم فوجی تنظیم کے رضا کار سوار ہو گئے۔

جب یہ گاڑی نشتر آباد پہنچی وہاں کے قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے بذریعہ ریلوے فون ربوہ کے قادیانی اسٹیشن ماسٹر کو مطلع کیا کہ طلباء کا ڈبہ آخری سے تیسرا ہے۔ اس سے قبل ربوہ کا اسٹیشن ماسٹر سرگودھا تک کے اسٹیشن سے ٹرین کی آمد کے بارے میں پوچھتا رہا۔ گویا قادیانی قیادت بڑی تیاری سے دیوانگی کے ساتھ ٹرین کا انتظار کر رہی تھی۔ نشتر آباد لالیاں سے بھی قادیانی نوجوان اس ڈبہ میں سوار ہوئے' حالانکہ یہ ڈبہ ریزرو تھا جب گاڑی ربوہ اسٹیشن پر پہنچی تو پہلے سے موجود قادیانی غنڈے نے طلبہ کے ڈبہ کا دونوں اطراف سے گھیراؤ کر لیا۔ قادیانی غنڈوں نے موجودہ قادیانی سربراہ مرزا طاہر کی قیادت میں بڑی بیدردی سے مسلمان طلباء کو مارا پیٹا' زخمی کیا' طلباء لہولہان ہوگئے۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے' جسم زخموں سے چور چور ہوگئے۔ غنڈوں نے ان کا سامان لوٹ لیا۔

جب تک قادیانی غنڈوں کا ایکشن مکمل نہیں ہوا' اس وقت تک قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے ٹرین کو ربوہ سٹیشن پر روکے رکھا۔ فیصل آباد ریلوے کنٹرول نے پوچھا کہ ٹرین اتنی دیر ہوگئی چلی کیوں نہیں' تو ریلوے کے عملہ نے بتایا کہ فساد ہوگیا ہے۔ ریلوے کنٹرول کے ذریعہ یہ خبر مقامی انتظامیہ و صوبائی انتظامیہ تک پہنچی۔ ہم لوگ بے خبر تھے' ٹرین چنیوٹ برج سے ہوتی ہوئی چک جھمرہ پہنچ گئی' وہاں سے فیصل آباد کا سفر پندرہ بیس منٹ سے بھی کم کا ہے۔ اتنے میں دوپہر کے وقت ہانپتا کانپتا

ایک آدمی میرے مکان کے عقبی دروازہ پر آیا' دستک دی' بچوں نے مجھے اطلاع دی' میں نے کہا کہ اسے کہو کہ مسجد کے اوپر سے ہو کر مین گیٹ کی طرف سے آئے مگر اس نے کہا کہ ضروری کام ہے' مولانا ایک منٹ کے لئے جلدی سے تشریف لائیں۔ میں گیا تو وہ ریلوے کنٹرول کا ایک ذمہ دار آفیسر تھا' اس کی زبان و ہونٹ خشک' چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ خیریت تو ہے اس نے ڈبڈباتی آنکھوں سے نفی میں سر ہلایا' میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ خدایا خیر ہو' اتنا ذمہ دار آدمی اور یہ کیفیت۔ اس نے اپنی طبیعت کو سنبھالا تو مجھے ربوہ حادثہ کی اطلاع دی' اب ٹرین کو پہنچنے میں صرف دس پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں نے شہر میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رفقاء علماء' شہریان' فیصل آباد کے ڈی سی ایس پی کو فوراً اسٹیشن پر پہنچنے کا کہا۔ پریس رپورٹران' پنجاب میڈیکل کالج' گورنمنٹ کالج کے سٹوڈنٹس اور چیدہ چیدہ حضرات کو جہاں جہاں اطلاع ممکن تھی' کر دی۔

ریلوے لوکو شیڈ میں کام کرنے والے تمام لوگ میرے جمعہ کے مقتدی ہیں۔ ان کو پیغام بھیجوایا کہ کام چھوڑ کر فوراً اسٹیشن پر پہنچ جائیں' میں ان امور سے فارغ ہو کر جب اسٹیشن پہنچا تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ نعرہ بازی' احتجاج ہو رہا ہے' پولیس کی گارڈ' مجسٹریٹ' ڈاکٹر صاحبان موجود ہیں جو مسلمان اس ٹرین پر سفر کر رہے تھے' جنہوں نے قادیانی غنڈہ گردی کا ربوہ میں نظارہ دیکھا تھا' وہ بھی ہمارے اس احتجاج میں شریک ہو گئے۔ اسٹیشن پر اشتعال انگیز نعروں کا یہ عالم کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی احتجاجی نعروں کا فلک شگاف شور اٹھا' اس عالم میں مسلمان زخمی طلباء کو ٹرین سے اتارا۔ ڈاکٹر صاحبان کے مشورہ پر ان طلباء کو گرم دودھ سے گولیاں دی گئیں' زخموں پر مرہم پٹی کی گئی۔ ڈاکٹروں کی اس ٹیم میں ایک قادیانی ڈاکٹر تھا' میں نے دیکھا تو سخت پریشان ہوا کہ اگر کسی کو اس کے قادیانی ہونے کا علم ہو گیا تو اس کا یہیں پر کام تمام ہو جائے گا۔ میں نے معتمد کے ذریعہ اس کو وہاں سے چلا کر دیا کہ اگر بدبخت تو رکا رہا تو اپنی جان کا خود ذمہ دار ہو گا۔ ابھی اس قضیہ سے میں فارغ ہوا تھا کہ اطلاع ملی کہ فلاں ڈبہ میں ایک قادیانی کو چھرا مار دیا گیا ہے۔ میں وہاں گیا تو مشتعل ہجوم نے ادھیڑ عمر کے فربہ بدن قادیانی کو زخمی کیا ہوا ہے' اس کی پٹائی جاری ہے۔

لوگوں نے اسے نکال کر اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں لا کر بند کر دیا۔ اس قادیانی نے مجھے کہا کہ مولانا مجھے بتایا جائے کہ مجھے کس جرم میں مارا گیا ہے' میں نے کہا جس جرم میں ربوہ کے قادیانیوں نے ہمارے معصوم مسلمان بچوں کو مارا ہے۔ ان دنوں فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر فریدالدین احمد تھے' ان کو فون کر کے بلا لیا گیا' ان کے ہمراہ ایس۔ پی بھی تھے۔ ان کو کہا کہ وہ آ کر دیکھیں کہ ہمارے بے گناہ بچوں کو قادیانیوں نے کس بیدردی سے زدوکوب کیا ہے۔ ان افسران نے طلبہ سے ملاقات کی' اس ڈبہ کو دیکھا جس کے اوپر کے لوہے کے کنڈے مڑے ہوئے تھے جب مرہم پٹی کے عمل سے فارغ ہوئے تو افسران نے کہا کہ اب گاڑی کو آگے جانے دیں۔ ان زخمی طلباء کو یہاں اتار لیا جائے اور ان کا علاج معالجہ کیا جائے۔ ان زخمی طلباء سے بات کی تو انہوں نے کہ ہم اسی حالت میں ملتان جائیں گے' ہم وہاں نشتر ہسپتال میں علاج کرائیں گے۔ ڈپٹی کمشنر نے دوبارہ کہا کہ اب آپ گاڑی آگے جانے دیں' میں نے ان سے کہا کہ جب تک صوبائی حکومت ہمارے یہ مطالبات نہیں مان لیتی اس وقت تک گاڑی آگے نہیں جا سکتی۔

۱۔ اس سانحہ کی ہائیکورٹ کے جج سے تحقیقات کرائی جائیں۔

۲۔ اس سانحہ میں شریک تمام ملزمان بشمول اسٹیشن ماسٹر قادیانی ربوہ نشتر آباد کو رفتار کیا جائے۔

۳۔ اس سانحہ کے ملزمان کو کڑی سزا دی جائے۔

ڈپٹی کمشنر نے اسٹیشن ماسٹر کے کمرہ سے چیف سیکرٹری کو فون کیا اور تمام مطالبات ان کو پیش کیے۔ چیف سیکرٹری منٹ منٹ کی کارروائی سے باخبر تھے' انہوں نے تمام مطالبات تسلیم کر لیے۔ ڈپٹی کمشنر نے مجھے یقین دلایا کہ آپ کے تینوں مطالبات تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ میں نے ریلوے اسٹیشن کی دیوار پر کھڑے ہو کر تقریر کی' طلباء کو مخاطب ہو کر کہا: ''بچو! تم ہماری اولاد ہو' جگر کے ٹکڑے ہو' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک قادیانیوں سے آپ کے خون کے ایک ایک قطرہ کا حساب نہیں لے لیا جاتا' اس وقت تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے'' پریس رپورٹران نے فوٹو لیے' زخمی طلباء کو ائر کنڈیشنڈ کوچ میں شفٹ کیا گیا اور ٹرین روانہ ہو گئی۔ پلیٹ فارم پر ہی شام کے پانچ بجے' الخیام ہوٹل میں پریس کانفرنس اور آئندہ کے پروگرام کا اعلان کرنے کے لیے میں

نے پریس والوں کو ٹائم دے دیا۔ گھر آ کر گوجرہ' ٹوبہ ٹیک سنگھ' شورکوٹ' عبدالحکیم' مخدوم پور' خانیوال اور ملتان جہاں جہاں ٹرین رکتی تھی' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنماؤں کو مظاہرہ کرنے کا سگنل دے دیا۔ چنانچہ جہاں جہاں سے ٹرین گزرتی گئی' احتجاجی مظاہرہ ہوتا گیا۔

ملتان دفتر میں فون کر کے مولانا محمد شریف جالندھری' لاہور آغا شورش کاشمیری اور راولپنڈی سے مولانا غلام اللہ خان مرحوم کو سانحہ کی اطلاع دی۔ مولانا محمد شریف جالندھری نے کراچی حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کو جو اس وقت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ تھے اور خانقاہ سراجیہ مولانا خواجہ خان محمد صاحب کو جو اس وقت نائب امیر تھے' اطلاع دی۔ سارا دن فون کے ذریعے مولانا محمد شریف جالندھری ملک بھر میں اطلاع کرتے رہے اور تحریک کے لیے احباب کو اپنے مشوروں سے نوازتے رہے' حالات قادیانیت کے متعلق پہلے سے ہی تحریک کے متقاضی تھی' یہ خبر بجلی کا کام دے گئی۔

شام کو الخیام میں پریس کانفرس ہوئی جس میں مولانا مفتی زین العابدین' مولانا فقیر محمد' مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف' صاحبزادہ سید افتخار الحسن' مولانا فضل رسول حیدر' مولانا محمد صدیق' مولانا اللہ وسایا اور دوسرے رہنما موجود تھے۔ اخباری نمائندوں کے سامنے پوری تفصیلات بیان کیں اور دوسرے روز فیصل آباد شہر میں ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ لاہور' کراچی' بہاولپور' کوئٹہ' حیدرآباد' سکھر' پشاور' راولپنڈی کے علماء سے مشوروں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ان سے رابطہ کر کے تحریک کا آغاز کیا جائے گا۔ شہر کی تمام مساجد کے سپیکروں اور رکشہ پر سپیکر باندھ کر شہر میں اگلے روز کی ہڑتال اور جلسہ عام کا اعلان کرایا گیا۔ رات عشاء کے قریب ان امور سے فارغ ہو کر گھر آیا تو آغا شورش کاشمیری مرحوم نے ٹیلی فون کیا کہ آپ لوگ کل کیا کر رہے ہیں' میں نے ساری تفصیلات بتائیں۔

آغا مرحوم نے فرمایا کہ کل کے جلسہ عام میں ''قادیانیوں کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کریں۔'' تاکہ عوام کا غصہ حکومت کی بجائے قادیانیت کی طرف ہو' اس لیے کہ پچھلی تحریک میں قادیانیوں نے ہمارا تصادم حکومت سے کرا دیا تھا۔ اب تصادم بجائے حکومت کے قادیانیوں سے رہے تاکہ پرامن تحریک جاری رکھ سکیں۔ دوسرے روز شہر میں مثالی ہڑتال اور تاریخ ساز جلسہ عام

ہوا' کچہری بازار کی' جامع مسجد میں علماء کرام کی تقریریں ہوئیں۔ ان کے علاوہ اس جلسہ عام میں ملک احمد سعید اعوان نے بھی شرکت کی جو پیپلز پارٹی فیصل آباد کے صدر تھے۔ انہوں نے بھی دھواں دھار تقریر کی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت' ذوالفقار علی بھٹو مرحوم' وزیر اعظم اور ان کی جماعت کے صدر کی یہ تقریر' ہمیں اس سے خوشی ہوئی۔ یہ ملک صاحب کا ذاتی مبارک اقدام تھا' پیپلز پارٹی کی پالیسی نہ تھی' ان کے ضمیر کی آواز تھی۔

لوگوں نے مطالبہ کیا کہ جلسہ نکالا جائے' جلسہ ختم کیا جائے۔ احمد سعید اعوان نے عوام کا مطالبہ سنا تو ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے اور پرامن جلوس کی اجازت لے کر آئے۔ انہوں نے آ کر جلوس کا اعلان کر دیا مگر ستم یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر نے جلوس کی اجازت تو دے دی مگر بازار میں متعین ڈیوٹی افسران کو اجازت کی اطلاع نہ دی' وہ پہلی اطلاع کے مطابق جلوس کو روکنے کے پابند تھے۔ جلوس کا اعلان ہوا' انہوں نے پوزیشن سنبھال لی۔ جلوس نعرے لگاتا ہوا کچہری بازار میں جونہی داخل ہوا' انہوں نے شیلنگ اور لاٹھی چارج کیا۔ ایک سیل میرے بازو پر لگا' میں زخمی ہو گیا' دوسرے رہنماؤں کا بھی یہی حال ہوا' افراتفری کا عالم چار سو دھواں ہی دھواں۔ اس دھکم پیل میں جلوس نے دھرنا مار لیا' اس افسوسناک سانحہ کی ڈپٹی کمشنر کو اطلاع ملی تو انہوں نے تازہ احکامات بھجوائے اور جلوس کو آگے بڑھنے کی اجازت دے دی۔

جلوس مختلف بازاروں کا چکر لگاتا ہوا جامع مسجد میں میرے خطاب پر اختتام پذیر ہوا۔ مولانا مفتی زین العابدین نے دعا کرائی اور جلوس کو پرامن منتشر ہونے کی ہدایت کی۔

پہلے دن ہی قادیانیوں کے ۸۴ مکانات و دکانیں شہر میں جلا دی گئیں۔ میں اور میرے رفقاء اس سے بے خبر ہیں کہ یہ کون لوگ تھے' ایسی ترتیب و حکمت اور منظم کوشش کیونکر اپنائی گئی؟ بعد میں خبر ہوئی کہ قادیانیوں نے ۲۹ مئی سے دو چار دن قبل اپنے کارخانوں اور بڑی بڑی دکانوں کی انشورنس (فساد کی نذر ہونے کی صورت میں) کرا لیں۔

جس روز ہم فیصل آباد میں جلسہ جلوس میں مصروف تھے' اسی دن آغا شورش کاشمیری' مولانا عبیداللہ انور' نوابزادہ نصراللہ خان نے لاہور میں تمام مکاتب فکر کی میٹنگ کی اور اسی طرح کے فیصلے کیے جو ہم فیصل آباد میں کر چکے تھے۔ ملتان اور راولپنڈی میں تیسرے روز مولانا محمد شریف

جالندھری اور مولانا غلام اللہ خان کو فون کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ فوری طور پر آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا اجلاس بلایا جائے۔ چنانچہ مولانا سید محمد یوسف بنوری کی طرف سے مولانا محمد شریف جالندھری نے لاہور' ملتان' ساہیوال' فیصل آباد' کوئٹہ' پشاور' کراچی' سرگودھا' گوجرانوالہ اور دیگر شہروں کے علماء کرام کو ۳ جون ۱۹۷۴ء کو میٹنگ کے لیے راولپنڈی پہنچنے کی دعوت دی۔

فیصل آباد سے میں' مولانا مفتی زین العابدین' حکیم عبدالرحیم اشرف' مولانا محمد اسحاق چیمہ' مولانا محمد صدیق صاحب راولپنڈی کے لیے تیار ہوئے۔ مولانا محمد صدیق صاحب کار کے ذریعہ اور ہم لوگ ۲ جون کی شام کو چناب ایکسپریس کے ذریعے روانہ ہوئے۔ ٹیلیفون کے ذرعہ تمام تر پروگرام کی اطلاع تھی' ہمارے فون ٹیپ ہو رہے تھے۔ گورنمنٹ منٹ منٹ کی کارروائی سے باخبر تھی۔ رات بارہ بجے کے قریب ٹرین لالہ موسیٰ پہنچی تو پولیس کا ایک دستہ اور مجسٹریٹ آ دھمکے۔ ہمارے ڈبہ کے دروازے اور کھڑکیوں کو کھٹکھٹایا' ہم لوگ بیدار ہوئے۔ دروازہ کھلا' تعارف ہوا' ہمیں اپنا سامان باندھ کر نیچے اترنے کا حکم ملا۔ اسٹیشن سے پیادہ پا تھانہ لالہ موسیٰ لائے' سامان پولیس والوں نے اٹھایا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب زمیندار ٹائپ انسان ہیں' ہر چند کوشش کی کہ یہ بچ جائیں۔ مگر ان کا مولوی ہونا رکاوٹ بن گیا وہ بھی ہمارے ساتھ دھر لیے گئے۔ تھانہ سے ہمیں ایک بس میں بٹھا کر رات کوئی ایک بجے کے قریب جہلم کی طرف روانہ ہوگئے۔ آگے بڑی سڑک چھوڑ کر ایک چھوٹی سڑک پر رواں دواں صبح سحری کے وقت ہم دیہاتی تھانہ میں پہنچا دیئے گئے۔

بھٹو مرحوم کا دور تھا' گرفتار ہونے والوں کے ساتھ عجیب وغریب سانحات پیش آرہے تھے۔ ہزاروں وساوس کا شکار بے خبری کے عالم میں وہاں پہنچے۔ حیران تھے کہ شہر کے تھانہ سے دیہات کے لیے آباد علاقہ کے تھانہ میں ہمیں کیوں لایا گیا؟ چارپائیاں دی گئیں' تھوڑی دیر لیٹے' نماز کا وقت ہوگیا۔ ہم نماز کے عمل میں مشغول ہوئے' پولیس والوں کی ایک بیرک میں انہوں نے ہماری چارپائیاں ڈال دیں۔ ایس ایچ او نے اپنی جیب سے دس روپے دیئے' ہمیں چائے پلائی گئی۔ ہم نے اپنے طور پر پیسے دینے کی کوشش کی مگر ایس ایچ او صاحب راضی نہ ہوئے۔ ادھر ادھر کی گفتگو ہوئی' ہمارا تعارف ہوا تو وہ کچھ مانوس ہوا۔ ہم نے پوچھا کہ ہم اس وقت کہاں ہیں تو انہوں نے بتایا

کہ تھانہ ڈنگہ ہے' گجرات کا ضلع ہے۔ہم نے پوچھا کہ ہمیں یہاں کیوں لایا گیا' انہوں نے خود لاعلمی ظاہر کی' ہم لوگ لیٹ گئے۔ دوپہر کا وقت ہوا تو ایس ایچ او نے بڑے اہتمام سے کھانا کھلایا' کھانا کھا کر پھر لیٹ گئے۔نماز کے لیے اٹھے' ابھی نماز پڑھ کر فارغ نہ ہوئے تھے تو اطلاع ملی جناب ذوالقرنین ڈپٹی کمشنر' محمد شریف چیمہ ایس پی صاحب آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں۔نماز پڑھ کر ہم نے عمداً تھوڑی تاخیر کی کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے' تھانہ میں لوٹے' آپس میں گپ شپ ہوئی۔اتنے میں دیکھا کہ صحن میں میز کرسیاں لگائی جا رہی ہیں' تازہ پھل' مٹھائیاں' چائے کا اہتمام ہو رہا ہے۔

ہم سمجھے کہ پولیس والے ایس پی وڈی سی صاحب کی خاطر تواضع کے لیے اپنے عمل میں مصروف ہیں۔ان کی آؤ بھگت کا اہتمام بھی ہو رہا ہے' تھوڑی دیر کے بعد ہمیں بلایا گیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب اور ایس پی صاحب آپ حضرات کو بلاتے ہیں۔اب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے استقبالہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔دونوں بڑے تپاک سے ملے' ذوالقرنین مجھے ذاتی طور سے جانتے تھے' وہ فیصل آباد میں اے ڈی سی جی رہ چکے تھے۔گفتگو شروع ہوئی' دونوں کا روئے سخن میری طرف تھا۔قبلہ مفتی صاحب وحکیم صاحب بڑی محتاط گفتگو کے دلدادہ ہیں۔میں ایک دبنگ انسان ہوں' اب لگے وہ معافی مانگنے کہ خدا کے لیے آپ ہمیں معاف کر دیں' غلطی ہوگئی۔ہم نے کہا کہ آپ ہم سے کیوں مذاق کرتے ہیں' آپ لوگوں نے ہمیں گرفتار کیا ہے' انہوں نے کہا کہ نہیں جناب بس تھوڑی سی غلطی ہوگئی۔چیف سیکرٹری صاحب نے ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ جا کر ان سے معافی مانگیں اور سرکاری گاڑی پر راولپنڈی پہنچائیں۔ہم نے ان سے کہا کہ نہیں جہلم میں ہمارے دوست ہیں' آپ ہمیں وہاں پہنچا دیں' ہم کوئی مزید آپ سے مراعات نہیں چاہتے۔ہم نے جہلم پہنچ کر فیصلہ کیا کہ اب راولپنڈی جانا فضول ہے' میٹنگ کا وقت گزر چکا ہے' جو فیصلے ہوں گے اطلاع ہو جائے گی۔ اب ہمیں فیصل آباد جانا چاہیے۔حضرت مفتی صاحب کے ایک تعلق والے کے ہاں ہم جہلم میں ٹھہرے تھے کہ جہلم کی ضلعی انتظامیہ کا اعلیٰ آفیسر آیا اور کہا کہ چیف سیکرٹری صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔انہوں نے فون کیا تو چیف سیکرٹری صاحب لگے معذرت کرنے اور کہا کہ ہم نے آپ چاروں حضرات کے گھروں میں پیغام دے دیا ہے کہ آپ خیریت سے ہیں۔

اس سارے ڈرامے کا بعد میں پس منظر معلوم ہوا کہ ریلوے کے وفاقی منسٹر خورشید حسن پر تنقید کرتے ہوئے میں نے اسے مرزائی نوازی تک کا طعنہ دے دیا یا مرزائی لکھ دیا اس پر وہ بہت جز بز ہوئے۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا کہ میرے حلقوں میں بعض لوگ مجھے مرزائی کہہ رہے ہیں' اب آپ بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہ میرے خلاف ایک سازش ہے جس کا آپ شکار ہو گئے' آپ اس کی تردید شائع کریں۔ میں نے جواب میں تحریر کیا کہ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور علیہ السلام کے بعد دعویٰ نبوت کے باعث کافر دجال و کذاب لکھ دیں' میں آپ کی یہ تردید شائع کر دوں گا' اور جو کچھ پہلے ''لولاک'' میں لکھا ہے اس کی بھی معذرت چھاپ دوں گا' لیکن ان کا جواب آج تک نہ آیا' نہ میں نے تردید کی۔ انہوں نے دل میں ناراضگی رکھ لی۔ کچھ عرصہ بعد ریلوے نے راولپنڈی اور فیصل آباد کے درمیان نئی ٹرین فیصل آباد ایکسپریس چلائی۔ ریلوے کے مقامی حکام نے مشہور سماجی رہنما مولانا فقیر محمد کی معرفت اس کے افتتاح کرنے کی استدعا کی میں نے افتتاح کیا۔ فیتہ کاٹا' اخبارات میں خبر اور فوٹو شائع ہوئے۔ خورشید حسن میر خبریں اور فوٹو پڑھ کر آگ بگولا ہو گیا تو مقامی حکام کی شامت آ گئی کہ میں ریلوے منسٹر ہوں' میری پیشگی اجازت کے بغیر مولانا تاج محمود صاحب سے افتتاح آپ نے کیوں کرایا۔

جب ہم راولپنڈی جانے کے لیے تیار ہوئے تو ایک دن پہلے میری سرکٹ ہاؤس فیصل آباد میں کمشنر سرگودھا ڈویژن کاظمی صاحب اور ڈی آئی جی میاں عبدالقیوم سے مرزائیت کے عنوان پر ملاقات ہوئی۔ مرزائیت کے کفر وارتداد اور ملک دشمنی کے حوالے ان کو سنائے تو وہ بہت حیران اور متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ اے کاش آپ وزیراعظم بھٹو صاحب سے ایک ملاقات کریں اور یہ تمام چیزیں ان کے علم میں لائیں۔ اس لیے کہ اعلیٰ طبقہ مرزائیوں کے ان عقائد وعزائم سے بے خبر ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ کل میں راولپنڈی جا رہا ہوں' میری پوری کوشش ہو گی کہ میں وزیراعظم سے ملوں۔ ایک تو اس طرح' دوسرا یہ کہ ہمارے فون ٹیپ ہو رہے تھے' تیسرے یہ کہ ہماری روانگی کی اطلاع مقامی سی آئی ڈی نے اعلیٰ حکام تک پہنچا دی۔ کسی طرح خورشید حسن میر کو بھی ہماری راولپنڈی آمد کی اطلاع ہو گئی۔

ان دنوں پنڈی کے کمشنر مسعود مفتی تھے جو پہلے فیصل آباد میں ڈپٹی کمشنر رہ چکے تھے۔ میرے

ان سے دوستانہ مراسم تھے لیکن خورشید حسن میر کے دباؤ میں آ کر انہوں نے ہدایت کی کہ جونہی ہم راولپنڈی ڈویژن کی حدود میں داخل ہوں' لالہ موسیٰ سے ہمیں گرفتار کرلیا جائے' چنانچہ ہمیں گرفتار کرلیا گیا۔ٹرین راولپنڈی پہنچی تو مولانا غلام اللہ خان کے آدمی ہمیں لینے کے لیے آئے ہوئے تھے' وہ خالی واپس لوٹے تو مولانا نے میرے گھر فون کیا' اطلاع ملی کہ وہ تو راولپنڈی کے لیے چناب ایکسپریس سے روانہ ہوگئے۔انہوں نے کہا کہ وہ پہنچے نہیں اب فیصل آباد اور راولپنڈی دونوں جگہ تشویش ہوئی کہ ہوا کیا۔مولانا غلام اللہ خان معاملہ سمجھ گئے۔انہوں نے کہا کہ وہ گرفتار ہوگئے۔یہ خبر فیصل آباد کے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔فیصل آباد کی مقامی مجلس عمل کے رفقاء نے شہر میں ہڑتال اور جلسہ عام اگلے دن کرنے کا پروگرام بنالیا۔ڈی سی صاحب سے میرے رفقاء نے پوچھا۔انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ڈی سی صاحب نے کمشنر و ڈی آئی جی سے پوچھا جو ابھی فیصل آباد سرکٹ ہاؤس میں مقیم تھے' سرگودھا نہ گئے تھے' انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔انہوں نے چیف سیکرٹری سے پوچھا۔انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔کمشنر صاحب اور ڈی آئی جی نے کہا کہ اتنے بڑے آدمیوں کو پنجاب گورنمنٹ کی اطلاع و منظوری کے بغیر کیسے گرفتار کیا گیا۔راولپنڈی ڈویژن کے کمشنر صاحب سے چیف سیکرٹری نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ڈی سی اور ایس پی گجرات نے انہیں گرفتار کیا ہے' چیف سیکرٹری نے ہماری رہائی کے آرڈر کیے۔

ہم لوگوں نے فون کر کے گھر اطلاع دی کہ ہم چناب ایکسپریس کے ذریعے کل واپس آرہے ہیں۔ہماری آمد کی اطلاع سن کر دوسرے روز پورا شہر اسٹیشن پر امڈ آیا' پورے ملک میں تحریک کا زور تھا' ہر جگہ ہڑتالیں' جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع تھا۔راولپنڈی ہم نہ جاسکے چونکہ وقت تھوڑا تھا باقی حضرات بھی بہت کم تعداد میں پہنچے۔اس لیے اس راولپنڈی کی میٹنگ میں مولانا سید محمد یوسف بنوری نے فیصلہ کیا کہ ۹ جون ۷۴ء کو لاہور میں اجلاس رکھا جائے۔اب اس کی تیاری کے لیے صرف ٦ دن باقی تھے' اطلاعات کا سلسلہ شروع ہوا' ۹ جون ۷۴ء کو لاہور میں میٹنگ ہوئی۔عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی دعوت پر اٹھارہ سیاسی و دینی جماعتوں کا اجلاس منعقد ہوا۔جامع مسجد شیرانوالہ باغ میں عوام و خواص میٹنگ کے فیصلوں کو سننے کے لیے جمع تھے' ملک بھر کے اکابر علماء نے اس میں شرکت کی۔

مولانا مفتی محمود' مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا خواجہ خان محمد' مولانا عبدالستار خان نیازی' مولانا غلام اللہ خان' نوابزادہ نصر اللہ خان' مولانا غلام علی اوکاڑوی' مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا محمد شریف جالندھری' چوہدری غلام جیلانی' مولانا عبیداللہ انور' سید مظفر علی شمسی اور دیگر حضرات اس میں شریک تھے۔ اللہ رب العزت نے فضل فرمایا۔ پورے ملک کی اپوزیشن متحد تھی تحریک چلی تو تمام اسمبلی کے ممبران اور اور دینی وسیاسی جماعتوں نے مل کر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف خاص عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے تحریک چلانے کا اعلان کیا۔ ساری صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ آخر طویل بحث کے بعد

(۱) شورش کاشمیری کی تحریک و تجویز پر مولانا محمد یوسف بنوری کو آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کا کنویز بنا گیا۔

(۲) قادیانیوں کے اقتصادی ومعرانی بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا۔

(۳) ۱۴ جون کو ملک بھر میں ہڑتال کی اسلامیان پاکستان سے اپیل کی گئی۔

(۴) اور ۱۶ جون کو فیصل آباد میں مجلس عمل کے مستقل انتخاب کا طے ہوا۔

۱۱ جون کو آغا شورش کاشمیریؒ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور دیگر حضرات نے وزیراعظم بھٹو سے قادیانیت کے مسئلہ پر ملاقات کر کے تبادلہ خیال کیا' مولانا سید محمد یوسف نبوریؒ نے بھٹو صاحب سے کہا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان قادیانیت کا مسئلہ حل کرنا چاہتے تھے مگر وہ شہید ہو گئے۔ اس پر بھٹو نے کہا کہ آپ مجھے بھی شہید کرانا چاہتے ہیں۔ شیخ نبوری نے زور سے وزیراعظم کی میز پر مکہ مار کر فرمایا کہ آپ کے اتنے مقدر کہاں۔ اس پر بھٹو صاحب ششدر رہ گئے۔

۱۴ جون کو تمام ملک مین قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی حمایت میں ہڑتال ہوئی۔ اتنی بڑی ہڑتال اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ اس ہڑتال کو ریفرنڈم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مسجد وزیر خان لاہور میں جلسہ ہوا۔ مولانا عبدالستار خان نیازی' نوابزادہ نصر اللہ خان' آغا شورش کاشمیری' مولانا عبیداللہ انور' سید مظفر علی شمسی' احسان الٰہی ظہیر اور سید محمود احمد رضوی نے تقریریں کیں۔ سانحہ ربوہ کی تحقیقات کے لیے مسٹر جسٹس صمدانی کو مقرر کیا یا۔ انہوں نے ۳ مئی سے تحقیقات کا آغاز کیا۔ وزیراعظم بھٹو نے ۱۴ جون کو تقریر کر کے قوم کو عوامی امنگوں کے متعلق مسئلہ حل کرنے کا مژدہ سنایا۔

انہوں نے قومی اسمبلی میں مسئلہ لے جانے کا وعدہ کیا۔ پورے ملک میں قادیانیوں کے بائیکاٹ کی موثر تحریک شروع ہوگئی۔

۱۶ جون کو فیصل آباد کی تاریخ میں ایک عظیم تاریخی دن تھا۔ پورے ملک کی دینی و سیاسی طاقت یہاں پر جمع ہوئی۔ ماڈل ٹاؤن سی میں مجلس عمل کی میٹنگ مولانا سید محمد یوسف نبوری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد یوسف نبوری' مولانا خواجہ خان محمد' سردار میر عالم خان لغاری' بندہ تاج محمود' مولانا محمد شریف جالندھری' مولانا مفتی محمود' مولانا عبدالحق' مولانا عبیداللہ انور' مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا عبدالستار خان نیازی' مولانا صاحبزادہ فضل رسول' مولانا سید محمد احمد رضوی' میاں فضل حق' مولانا عبدالقادر روپڑی' مولانا محمد اسحاق رحیم' شیخ محمد اشرف' مولانا محمد شریف اشرف' مولانا محمد صدیق' علامہ احسان الٰہی ظہیر' مولانا مفتی زین العابدین' مولانا علی غضنفر کراروی' مولانا محمد اسماعیل' سید مظفر علی شمسی' میجر اعجاز' رانا ظفر اللہ خان' نوابزادہ نصر اللہ خان' مولانا عبیداللہ احرار اور مولانا عطاء المنعم بخاری' چوہدری ثناء اللہ بھٹہ' چوہدری صفدر علی رضوی' ملک عبدالغفور انوری' مولانا غلام اللہ خاں' سید عنایت اللہ شاہ بخاری' مولانا غلام علی اوکاڑوی' سید محمود گجراتی' مفتی سیاح الدین' مولانا محمد چراغ' سید نور الحسن بخاری' مولا عبدالستار تونسوی' مولانا خلیل احمد قادری' آغا شورش کاشمیری' ارباب سکندر خان' امیر زادہ' پروفیسر غفور احمد' چوہدری غلام جیلانی' مولانا ظفر احمد انصاری' مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف اور دوسرے حضرات شریک ہوئے۔ مولانا سید محمد یوسف نبوری صدر قرار پائے۔ ناظم اعلیٰ سید محمود احمد رضوی' ناظم مولانا محمد شریف جالندھری' نائب صدر مولانا عبدالستار خان نیازی' سید مظفر علی شمسی' مولانا عبدالحق' مولانا عبدالواحد' نوابزادہ نصر اللہ خان خازن' میاں فضل کو بنایا گیا۔

۱۶ جون کی شام کو فیصل آباد کی تاریخ کا عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا۔ ملک بھر سے آئے ہوئے مقررین رہنماؤں نے دھواں دھار تقریریں کیں۔ بھٹو صاحب کی ریڈیو ٹی وی کی تقریر کو ناقابل قبول قرار دے دیا گیا۔ مجلس عمل کے اجلاس کی تمام قراردادوں کو مولانا محمد شریف جالندھری اور پروفیسر غفور احمد نے مرتب کیا۔ پورے ملک میں قادیانیوں کے بائیکاٹ کی تحریک زوروں پر تھی۔ کراچی سے خیبر تک مسلمان عوام قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کیے ہوئے تھے۔

۲۰ جون کو سرحد اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی متفقہ سفارشی قرارداد پاس کی۔۲۲ جون کو قادیانی مسئلے کے متعلق حکومت نے مری میں اجلاس منعقد کیا اس میں کئی اہم فیصلے کیے گئے جس میں ربوہ کو کھلا شہر قرار دینے کا فیصلہ بھی شامل تھا۔۲۳ جون کو صالح نوا نے صمدانی کمیشن کے سامنے بیان دے کر مرزائیوں پر بوکھلاہٹ طاری کردی۔

یکم جولائی سے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔حزب اقتدار وحزب اختلاف نے متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو ایک کمیٹی قرار دے کر اجلاس شروع کر دیا۔ربوہ کے مرزائیوں کے پوپ مرزا ناصر اور لاہوریوں کے مولوی صدرالدین کو قومی اسمبلی میں بلایا گیا۔انہوں نے اپنا موقف بیان کیا۔تمام ممبران سوالات لکھ کر یحییٰ بختیار اٹارنی جنرل کی معرفت ان پر سوالات کرتے تھے۔مولانا مفتی محمود نے یحییٰ بختیار کی دینی وشرعی امور میں معاونت کی۔

۱۹ جولائی کو مرزا ناصر صمدانی کمیشن کے سامنے پیش ہوا۔ہائیکورٹ میں مرزا ناصر کی پیشی سے قبل اجلاس کو کھلے عام کی بجائے بند قرار دے دیا۔تمام جماعتوں نے اپنے وکلاء کے ذریعہ اس تحقیقاتی کمیشن میں اپنا فرض ادا کیا۔

۲۰ جولائی کو مرزائی نواز عناصر اور بعض حکومتی ارکان علماء نے اپنی ایک لے پالک ایجنسی کو ہزاروں روپے دے کر مولانا سید محمد یوسف بنوری کے خلاف اخبارات میں اشتہارات لگوائے۔ شیخ بنوری کو مشکوک قرار دینے کی بجائے عوام نے حکومت اور مرزائیوں کو مجرم قرار دیا۔غرض یہ کہ مرزائی و مرزائی نواز تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لیے جتنے حربے اختیار کرتے گئے اتنا ہی ان کے خلاف عوام میں اشتعال پھیلتا گیا۔

مرزائیوں نے اپنے عقائد کو توڑ مروڑ کر ایک اخبار میں اشتہار دیا۔اتنا شدید ردعمل ہوا کہ دوسرے دن اس اخبار نے اپنی طرف سے مرزائیوں کے کفریہ عقائد و ملک دشمن سرگرمیوں پر مشتمل اشتہار شائع کیا۔مجلس عمل فیصل آباد کی طرف سے بھی مرزائیوں کے عقائد پر مشتمل ایک اشتہار مرزائیوں کے اشتہارات کے جواب میں اخبارات میں شائع کر دیا گیا۔غرض یہ کہ ہر طرح دشمن کے تمام ہتھکنڈوں کو غیر موثر کر کے رکھ دیا گیا۔اب اس پر جرح ہونا تھی۔

۲۴ جولائی کو مرزا ناصر کا اسمبلی میں بیان مکمل ہوا۔

اس پر باقی ارکان تو درکنار پیپلز پارٹی کے غیر جانبدار ارکان اس درجہ برافروختہ تھے کہ انہوں مرزا ناصر پر درشت لہجہ میں جرح کی۔ اس کے بعض گستاخانہ کلمات پر حاضر ارکان نے سخت الفاظ میں اس کو ٹوکا۔ تمام ارکان اسمبلی قادیانیت کے خارج از اسلام ہونے پر متفق ہو گئے۔ مرزائیوں کے قومی اسمبلی میں بیانات کے جواب کے لیے مولانا سید محمد یوسف نبوری کی سربراہی میں مولانا تقی عثمانی' مولانا سمیع الحق نے ''ملت اسلامیہ کا موقوف'' نامی کتاب مرتب کی۔ مذہبی حصہ کے لیے مولانا تقی عثمانی کی معاونت مولانا محمد حیات فاتح قادیان' مولانا عبدالرحیم اشعر نے کی۔ سیاسی حصہ کے لیے مولانا سمیع الحق کی معاونت محمد شریف جالندھری اور بندہ تاج محمود نے کی۔ کتاب کا جتنا حصہ مکمل ہوتا رات کو مولانا مفتی محمود' مولانا شاہ احمد نورانی' پروفیسر غفور احمد' چوہدری ظہور الٰہی سن لیتے اس میں ترمیم و اضافہ کر کے مسودہ کتابت کے لیے ملک عزیز کے نامور کاتب جناب سید انور حسین نفیس رقم کے سپرد کر دیا جاتا۔ کاتبوں کی ایک ٹیم کے ہمراہ وہ اس کی کتابت کرتے جاتے۔ مختصر وقت میں جامع کتاب تیار کر کے چھپنے کے لیے دے دی گئی۔ اس کے اور تحریک کے تمام تر مصارف مجلس نے برداشت کیے۔.............

مجلس عمل کی قادیانیوں کے خلاف بائیکاٹ کی تحریک نے مرزائیت کی کمر توڑ دی۔ ان پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی' کئی مرزائی مسلمان ہوئے۔ اخبارات میں مرزائیت سے لاتعلقی کا اعلان کیا۔ بعض جگہ کچھ مسلمان مرزائیوں کی فائرنگ سے شہید ہوئے۔ مرزائیوں کی اشتعال انگیز حرکتوں کا ردعمل مرزائیوں کے احتساب کے لیے مزید سخت ہوتا گیا۔ تحریک جاری رہی ملک بھر کے تمام مکاتب فکر نے اپنی ہمت اور توفیق کے مطابق تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ سعودی عرب کی بعض اہم شخصیات نے حکومت کو مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیتی قرار دینے کا مشورہ دیا۔ مصر کے جامعہ ازہر کے شیوخ نے مرزائیوں کے بائیکاٹ کو واجب قرار دے دیا۔ اس سے رائے عامہ مزید پختہ ہو گئی۔ تحریک کو بے حد فائدہ پہنچا۔ بھٹو حکومت کا بھی تحریک کے بارے میں مناسب رویہ تھا۔ اکا دکا واقعات کے علاوہ کہیں تحریک نے خطرناک شکل اختیار نہ کی۔ پرامن جدوجہد کو مرزائی تشدد کی راہ پر ڈالنے میں ناکام رہے۔ البتہ حکومت نے فوری مطالبہ ماننے کی بجائے طویل المعیاد سکیم تیار کی۔ اس سے وہ عوام کے حوصلہ کا امتحان یا اپنی

گلوخلاصی کی شکل نکالنا چاہتے تھے۔ بعض جگہ گرفتاریاں، بعض جگہ لاٹھی چارج واشک آور گیس استعمال ہوئی، لیکن مجموعی طور پر حالات کنٹرول میں رہے۔ حکومت نے اندازہ لگا لیا کہ مسلمان حضور علیہ السلام کی عزت وناموس کے تحفظ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اب مسئلہ کو حل کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ قومی اسمبلی میں مسئلہ لے جا کر بھٹو صاحب ایک آئینی راہ اختیار کر کے ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ آئین کی بالادستی کے قائل ہیں۔ وہ تنہا اس کی پوری ذمہ واری اپنے سر لینے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ مولانا مفتی محمود مرحوم نے قومی اسمبلی میں ''ملت اسلامیہ کا موقف'' نامی کتاب پڑھی۔ تمام ارکان اسمبلی میں اسے تقسیم کیا گیا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے اپنی طرف سے قادیانیوں اور لاہوریوں کے جواب میں مواد جمع کر کے شائع کر دیا اور اسمبلی میں اسے پڑھا۔ اللہ رب العزت کا فضل ہے کہ ان ساری کوششوں کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے۔

ممبران اسمبلی پر پہلے رواداری کا بھوت سوار تھا۔ مرزا ناصر نے جب جرح کے دوران تسلیم کیا کہ وہ لوگ جو مرزا کو نہیں مانتے ہم ان کو کافر کہتے ہیں تو اسے ممبران اسمبلی کی آنکھیں کھلیں کہ یہ تو ہم کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ امت کا موقف جب پیش کیا گیا تو ان ممبران کے سامنے مرزائیت کا کفر الم نشرح ہو گیا۔

حکومت اور مجلس عمل نے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ایک سب کمیٹی تشکیل دی۔ مجلس عمل کی طرف سے مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد اور چوہدری ظہور الٰہی حکومت کی طرف سے عبدالحفیظ پیرزادہ، مولانا کوثر نیازی اور لاء سیکرٹری افضل چیمہ اس کے ممبران مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کے کئی اجلاس ہوئے، مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

کمیٹی کے سرکاری ارکان لمبا کرو اور لٹکاؤ کی پالیسی پر گامزن تھے۔ ان کی ٹال مٹول کی کیفیت نے بحرانی شکل اختیار کر لی۔ قومی اسمبلی کے فیصلے کے لیے ۷ ستمبر کی تاریخ کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

۲۵ اگست کو مرزا ناصر پر گیارہ روزہ جرح مکمل ہوئی۔ سات گھنٹے لاہوری مرزائیوں کے سربراہ صدر الدین پر جرح ہوئی۔ قومی اسمبلی کی کارروائی سے ہمارے ارکان مطمئن تھے مگر حکومت گومگو کی کیفیت سے دوچار تھی۔

۲ستمبر کو شاہی مسجد لاہور میں عظیم الشان تاریخی جلسہ عام منعقد ہوا۔ ملک بھر کے دینی وسماجی اور سیاسی راہنماؤں نے اس جلسہ سے خطاب کیا۔ پورے ملک بالخصوص پنجاب سے عوام کے پرجوش قافلے شریک ہوئے۔ شاہی مسجد لاہور اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ناکافی ثابت ہوئی۔ چاروں طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔ حد نگاہ تک انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس سے قبل بھٹو صاحب بلوچستان گئے تو فورٹ سنڈیمن اور کوئٹہ کے اجتماعات میں عوام نے مرزائیت کے خلاف اتنا اظہار نفرت کیا کہ بھٹو صاحب جیسے مضبوط اعصاب کے انسان کا بھی دم گھٹنے لگا۔ گجرات کے ایس پی شریف احمد چیمہ کی بعض حماقتوں کے باعث کھاریاں کے ایک گاؤں ڈنگہ میں دو مسلمان نوجوان غلام نبی اور محمد یوسف پولیس کی فائرنگ سے شہید ہو گئے۔ مولانا محمد یوسف نبوریؒ کی قیادت میں ملک بھر میں کہیں بھی تحریک کو مدہم نہ ہونے دیا گیا۔ جوں جوں وقت بڑھتا گیا حکومت اور مرزائیوں کے لیے مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ ظفر اللہ قادیانی نے بیرونی دباؤ اور بین الاقوامی پریس کے ذریعہ بیان بازی سے حکومت کو جھکانا چاہا لیکن عوام کے بے پناہ جذبہ نے حکومت کو ایسا نہ کرنے دیا۔ غرض یہ کہ کفر و اسلام دونوں نے اپنے تمام تر وسائل کو میدان کارزار میں جھونک دیا تھا۔

مجلس عمل نے ۶ ستمبر کو راولپنڈی تعلیم القرآن راجہ بازار میں اپنا اجلاس طلب کیا ہوا تھا ۶'۷ ستمبر کی درمیانی رات کو اسی دارالعلوم کی وسیع وعریض جامع مسجد میں آخری جلسہ عام منعقد ہونے والا تھا۔ اس کے بعد تحریک نے ۷ ستمبر کے بعد نیا رخ اختیار کرنا تھا۔ ۵ ستمبر رات کے آخری حصہ میں راولپنڈی کے لیے میں روانہ ہوا۔ پلیٹ فارم کے قریب سے گزرا کوئی ۳ بجے کا عمل ہوگا۔ اس وقت فوجی مال گاڑیوں کے ڈبوں سے ٹینک توپ بردار گاڑیاں اور اسلحہ اتار رہے تھے۔ فوج کی مسلح آمد اور اس تیاری کے تیور دیکھ کر میں بھانپ گیا کہ یہ سب کچھ ۷ ستمبر کے بعد تحریک کو کچلنے کے لیے ہے۔

دوسری بات جو میرے نوٹس میں آئی وہ یہ تھی کہ ۵' ۴ ستمبر کو مرزائیوں نے ملک بھر کی فون کی ڈائریکٹریوں سے پتہ جات لے کر مرزا قادیانی کی صداقت کے دلائل اور اسے قبول کرنے کی دعوت پر مشتمل خطوط ارسال کیے۔ ۶ ستمبر کو چھٹی تھی۔

مرزائیوں کا خیال تھا کہ ۷ ستمبر کو جب یہ ڈاک مسلمانوں کو ملے گی اس وقت تحریک کے رہنماؤں کی لاشیں سڑکوں پر ہوں گی۔ تحریک کچلی جا چکی ہوگی' قوم کے حوصلے پست ہوں گے' مرزا کی صداقت کا یہ خط ایک عظیم پیش گوئی کا کام دے جائے گا۔

تیسرا یہ کہ ۴' ۳ ستمبر کو ڈی سی فیصل آباد آفس میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کی اطلاع اسی دن شام کو مجھے مل گئی تھی۔ وہ یہ کہ مرکزی حکومت کی طرف سے ایک سربمہر لفافہ جس پر ٹاپ سیکریٹ لکھا تھا' موصول ہوا۔ اتفاق سے جس کلرک نے اس دن ڈاک کھولی وہ مرزائی تھا۔ اس نے یہ لفافہ دیکھتے ہی بھانپ لیا کہ یہ چٹھی ڈی سی صاحب کے نام مرکزی حکومت کی طرف سے تحریک ختم نبوت کے متعلق تازہ ہدایات پر مشتمل ہوگی۔ چوری چوری اس لفافہ کو اس نے کھول لیا اور اس کے باہر سے فوٹوسٹیٹ کاپی کرائی اور امیر جماعت مرزائیہ فیصل آباد کو مہیا کردی۔ واقعی وہ چٹھی تحریک ختم نبوت کے متعلق تھی۔ جس میں صوبائی ڈویژنل اور ضلعی انتظامیہ کو ہدایات بھیجی گئی تھیں کہ ۷ ستمبر کے بعد جو تحریک ختم نبوت میں مزید شدت آنے والی ہے اسے سختی سے کچل دیا جائے۔ ایک اے۔ ایس۔ آئی کو بھی گولی چلانے اور بغیر نوٹس دیئے' کسی مکان میں داخل ہونے' تلاشی لینے جس کو مناسب سمجھے گرفتار کرنے کے اختیار ہوں گے اس چٹھی کا فوٹوسٹیٹ مرزائی جماعت کے امیر کو اور اصل چٹھی کو ڈی سی آفس کے سٹاف روم میں میز کے نیچے ڈال دیا۔ اسی روز اس مرزائی کے علاوہ ایک مسلمان کلرک نے بھی کچھ ڈاک کھولی تھی' کچھ دیر بعد تیسرے کلرک کی میز کے نیچے سے اس چٹھی پر کسی کی نظر پڑ گئی۔ اسے اٹھایا گیا تو اس کی سیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس صورتحال سے تمام کلرک پریشان ہوگئے کہ یہ چٹھی کیوں کھولی گئی؟ کس نے کھولی۔ اس لیے کہ اسے تو ضابطہ کے مطابق ڈی سی صاحب کے سامنے کھولنا تھا۔ معاملہ سنگین تھا۔ ڈی سی صاحب کے نوٹس میں لایا گیا۔ انہوں نے مسلمان کلرک اللہ رکھا کو معطل کردیا۔ سپرنٹنڈنٹ ڈی سی آفس مسلمان اور سمجھدار شخص تھا۔ اس نے کہا کہ یہ دیکھا جائے کہ کھولنے سے قبل لفافے کے کونے پر کس کے دستخط ہیں' اس لیے کہ ڈی سی آفس کی ڈاک کھولنے سے پہلے ہر لفافہ پر کھولنے والا اپنے دستخط کرتا ہے' جب وہ دستخط دیکھے گئے تو وہ مرزائی کلرک کے تھے۔ اللہ رکھا مسلمان کلرک بحال ہوگیا اور مرزائی کلرک کو معافی مانگنے پر معاف کردیا گیا۔ اس چٹھی اور پورے ملک میں حکومت پولیس فوج کے عمل سے مرزائیوں نے اندازہ لگایا تحریک کچلی جائے گی اس لیے انہوں نے خطوط لکھے۔

۶ ستمبر کی صبح گورنمنٹ ایم این اے ہاسٹل میں مولانا مفتی محمود کے کمرہ میں مجلس عمل کا خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مولانا سید محمد یوسف نبوری' مولانا مفتی محمود' مولانا شاہ احمد نورانی' پروفیسر غفور احمد' چوہدری ظہور الٰہی' امیرزادہ خان عبدالولی خان' نوابزادہ نصر اللہ خان' مفتی زین العابدین' مولانا محمد شریف جالندھری' مولانا عبدالرحیم اشرف' میاں فضل حق اور بندہ تاج محمود شریک ہوئے۔ میں نے یہ تینوں واقعات گوش گزار کیے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے میری معلومات کی تصدیق کرتے ہوئے لاہور میں فوج کی پوزیشن سنبھالنے کے چشم دیدہ واقعات بیان کیے۔ مجلس پر سناٹا طاری رہا' چوہدری ظہور الٰہی نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حکومت ہمارے مطالبات مان لے گی اور آج ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ہماری معلومات کے خلاف ان کی یہ بات ہمارے لیے اچنبھا معلوم ہوئی' دوستوں نے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا شواہد ہیں۔ اس پر چوہدری صاحب نے کہا کہ کل مسز بندرانا نکے وزیراعظم سری لنکا پاکستان کے دورہ پر آئی تھیں۔ ان کے اعزاز میں بھٹو صاحب نے ضیافت دی۔ تمام اپوزیشن رہنماؤں کو بلایا گیا۔ کھانے کی میز پر تمام کے ناموں کی چٹیں لگی ہوئی تھیں۔ کوئی اپوزیشن رہنما اس میں شریک نہ ہوا۔ اتفاق سے میں چلا گیا' کھانا کھانے سے فارغ ہوئے تو مسز ابندرانا نکے اور وزیراعظم بھٹو صاحب دونوں بیرونی گیٹ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ہر جانے والے کو الوداع کہہ رہے تھے۔ میں اس روش پر چلتا ہوا بھٹو صاحب کے قریب پہنچا تو میرا دل ان سے ملاقات کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ راستہ چھوڑ کر پلاٹ سے گزر کر گیٹ کے ایک سائیڈ سے گزرنا چاہا۔ بھٹو صاحب نے فوراً مجھے آواز دی ظہور الٰہی مل کر جاؤ' چھپ کر کیوں جا رہے ہو۔ میں واپس لوٹ کر بھٹو صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے کہا کہ چوہدری ظہور الٰہی تمہیں کیا ہو گیا ہے' تو میرا جانی دوست تھا۔

میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو میرا سخت مخالف ہو گیا ہے۔ اتنے میں لاء سیکرٹری افضل چیمہ آ گئے۔ بھٹو صاحب نے ان کو کہا کہ چیمہ صاحب آپ ظہور الٰہی کو سمجھائیں کہ اس کو کیا ہو گیا ہے یہ آپ کا میرا دونوں کا دوست تھا۔ خدا جانے میں نے اس کا کیا قصور کیا ہے کہ اب یہ مجھے جلوسوں اور جلسوں میں گالیاں دیتا ہے۔ میری سی آئی ڈی رپورٹ یہ ہے کہ یہ اگر گھر پر ہو اور کوئی مخاطب نہ ہو تو بھی مجھے گالیاں دیتا رہتا ہے۔ چوہدری ظہور الٰہی صاحب نے کہا کہ جناب ایسے نہیں ہے۔

آپ کے ہمارے اصولی اختلافات ہیں' ہم اخلاص اور نیک نیتی سے آپ پر تنقید کرتے ہیں اور اب ختم نبوت کا مسئلہ آپ کے سامنے ہے اسے حل کیجیے اور قوم کے ہیرو بن جائیے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ اگر میں ۱۴ جون کو (ملک گیر ہڑتال کے دن) لاہور کی تقریر کے دن اس مسئلہ کو مان لیتا تو ہیرو بن سکتا تھا لیکن بعد از خرابی بسیار مسئلہ ماننے سے ہیرو کیسے بن سکتا ہوں۔ افضل چیمہ نے کہا کہ بھٹو صاحب باقی علماء کا تو مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے پر اتنا اصرار نہیں ہے البتہ چوہدری ظہور الٰہی صاحب بڑا اصرار کر رہے ہیں' اترا رہا ہے اور ضد کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ بھٹو صاحب یہ چیمہ صاحب آپ کے سامنے اپنے نمبر بنا رہے ہیں۔ میں ضد نہیں کر رہا' علمائے کرام کا اپنا موقف ہے وہ میرے تابع نہیں ہیں ایک دینی موقف اور شرعی امر پر علماء کرام کو یوں مطعون کرنا چیمہ صاحب کے لیے مناسب نہیں ہے اور صرف علماء کرام نہیں بلکہ اس وقت تمام اسلامیان پاکستان اس مسئلہ کو حل کرانے کے لیے سراپا تحریک بنے ہوئے ہیں۔

دنیائے اسلام کی نگاہیں اس مسئلہ کے لیے آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ دنیائے عالم کے مسلمان اس مسئلہ کا مثبت حل چاہتے ہیں۔ اسے صرف مولویوں کا مسئلہ کہہ کر چیمہ صاحب آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ علماء کرام قطعاً اس مسئلہ میں کسی بھی قسم کی معمولی سی لچک پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں' آپ اس بارے میں علماء کرام سے خود دریافت کر لیں بلکہ میں ایسے عالم دین کا نام بتاتا ہوں جو آپ کے لیے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں' آپ ان سے پوچھ لیں کہ مسئلہ ختم نبوت فروعی امر ہے یا دین کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کا تحفظ کرنا مسلمان حکومت کے لیے ضروری ہے یا نہیں۔ بھٹو صاحب نے کہا کون سے عالم دین۔ میں نے کہا کہ ظفر احمد انصاری' آپ ان سے پوچھ لیں اگر وہ ختم نبوت کے مسئلہ کو فروعی مسئلہ سمجھتے ہوں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم تحریک سے لاتعلق ہو جائیں گے۔ بھٹو صاحب نے چیمہ صاحب کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ مجھے (ظہور الٰہی) ساتھ لے کر مولانا ظفر احمد انصاری سے ملیں اور ان کا موقف معلوم کریں۔ چنانچہ اب وقت ہو گیا ہے چیمہ صاحب میرا انتظار کر رہے ہوں گے' ہم دونوں نے مولانا ظفر احمد انصاری سے ملنا ہے۔ مولانا مفتی زین العابدین اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے چیمہ صاحب اور مولانا ظفر احمد انصاری سے تعلقات تھے۔ چیمہ صاحب تو ویسے بھی فیصل آباد کے علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ

طے ہوا کہ یہ دونوں حضرات بھی آپ کے ساتھ جائیں۔ چوہدری ظہور الٰہی' افضل چیمہ' حکیم عبدالرحیم اشرف' مولانا مفتی زین العابدین اور مولانا ظفر احمد انصاری کی طویل گفتگو ہوئی۔ مولانا ظفر احمد انصاری نے صراحتہً فرمایا کہ ختم نبوت کا مسئلہ دین کا بنیادی مسئلہ ہے اس کو فروعی مسئلہ قرار دینا غلط ہے۔ حقیقت میں خود افضل چیمہ اس مسئلہ میں ضد کر رہے تھے۔ تمام حضرات کی گرفت سے چیمہ صاحب زچ ہو گئے تو ہاتھ جھٹک کر کہا کہ اگر آپ لوگ ملک کی جڑیں اس طرح کھوکھلی کرنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے جو چاہے کر جایئے' بہرحال مولانا ظفر احمد انصاری کی ملاقات کی رپورٹ بھٹو صاحب کو دی گئی۔

اس کے بعد قومی اسمبلی کے دفاتر میں سب کمیٹی کا اجلاس تھا۔ ظہور الٰہی' مولانا مفتی محمود' پروفیسر غفور احمد' مولانا شاہ احمد نورانی' حفیظ پیرزادہ' مولانا کوثر نیازی' افضل چیمہ شریک ہوئے۔ اجلاس میں جاتے وقت مولانا مفتی محمود نے ہمیں حکم فرمایا کہ آپ لوگ چل کر راجہ بازار میں مجلس عمل کی میٹنگ کریں۔ میں نے مفتی محمود صاحب سے استدعا کی کہ سب کمیٹی کی مثبت یا منفی جو بھی کارروائی ہو ہمیں حکومت کے رویہ سے ضرور باخبر رکھیں تاکہ اس کی روشنی میں ہم مجلس عمل میں اپنی پالیسی طے کر سکیں۔ دارالعلوم میں میٹنگ شروع ہوئی۔ آغا شورش کاشمیری کی صحت ناساز تھی' وہ میٹنگ میں لیٹ شریک ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ سید مظفر علی شمسی' سید محمود احمد رضوی' مولانا خواجہ خان محمد صاحب' مولانا محمد شریف جالندھری' سردار میر عالم خان لغاری' بندہ تاج محمود' مفتی زین العابدین' حکیم عبدالرحیم اشرف' علی غضنفر کراروی' مولانا غلام اللہ خان' مولانا غلام علی اوکاڑوی' مولانا احسان الٰہی ظہیر' مولانا عبیداللہ انور' نوابزادہ نصر اللہ خان' خان محمد خان اچکزئی' مولانا محمد علی رضوی' مولانا عبدالرحمٰن جامعہ اشرفیہ مولانا صاحبزادہ فضل رسول حیدر اور دوسرے کئی حضرات شریک اجلاس ہوئے۔ پوری مجلس عمل اس پر غور کر رہی تھی کہ اگر حکومت مطالبات تسلیم نہ کرے تو پھر ہمیں تحریک کو کن خطوط پر چلانا ہوگا اور اب مرزائیوں سے زیادہ حکومت سے مقابلہ ہوگا۔ سبھی تحفظ ناموس ختم نبوت کے لیے جان کی بازی لگانے پر تیار تھے اتنے میں مولانا مفتی محمود صاحب کا فون آیا کہ حالات پرامید ہیں۔ توقع ہے کہ سب کمیٹی کسی متفقہ مسودہ پر کامیاب ہو جائے گی۔ حفیظ پیرزادہ نے بھٹو صاحب کو فون کر کے

سب کمیٹی کی کارروائی سے باخبر کیا۔ بھٹو صاحب نے تمام اراکین کمیٹی کو اپنے ہاں طلب کیا۔ تھوڑی دیر گفتگو ہوئی بھٹو صاحب نے تمام ارکان کا موقف سنا اور کہا کہ امزید وقت ضائع نہ کریں رات بارہ بجے دوبارہ اجلاس ہوگا۔ آپ تمام حضرات تشریف لائیں۔ اس وقت دوٹوک فیصلہ کریں گے۔

ہم لوگ اپنی میٹنگ سے فارغ ہوئے امید و یاس کی کیفیت طاری تھی۔ میں سخت پریشان تھا بھٹو صاحب جیسے چالاک آدمی سے پالا پڑا تھا۔ کسی وقت بھی وہ جھٹکا دے کر تحریک کو کچلنے کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ تمام حالات ہمارے سامنے تھے' میں انتہائی پریشانی کے عالم میں مولانا محمد رمضان علوی کے گھر گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر فیصلہ صحیح نہ ہوا تو میری جان نکل جائے گا۔ ان کے ہاں کروٹیں بدلتے وقت گزرا۔ رات کو راجہ بازار کی جامع مسجد میں جلسہ عام منعقد ہوا۔ مقررین نے بڑی تقریریں کیں۔ ہجوم آتش فشاں پہاڑ کی شکل اختیار کیے ہوئے تھا۔ اعلان کیا گیا کہ کل اگر ہمارے مطالبات نہ مانے گئے تو راجہ بازار میں شہیدان ختم نبوت کی لاشوں کا انبار ہوگا۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا جلسہ کی تقریروں میں شدت پیدا ہوتی جارہی تھی۔ بھٹو صاحب جلسہ کی ایک ایک منٹ کی کارروائی سے باخبر تھے۔ تمام حالات ان کے سامنے تھے' رات بارہ بجے حسب پروگرام بھٹو صاحب کی صدارت میں کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ پنڈی میں جلسہ ہورہا تھا' اسلام آباد میں میٹنگ ہورہی تھی' رات ڈیڑھ بجے کے قریب مولانا مفتی محمود' مولانا شاہ احمد نورانی' پروفیسر غفور احمد اور مفتی محمود صاحب نے سٹیج پر چڑھنے سے قبل مجھے اشارہ سے بلوایا اور فرمایا مبارک ہو کل آپ کی انشاء اللہ العزیز جیت ہوجائے گی لیکن اس کا ابھی افشا نہ کریں لیکن آپ کو مبارک ہو۔ شیخ بنوری کے منہ سے بے ساختہ زور سے نکلا۔ الحمدللہ جس سے اکثر لوگ میری سرگوشی اور مولانا کے الحمدللہ کا مطلب سمجھ گئے۔ بھٹو صاحب بڑے ذہین آدمی تھے' وہ پہلے سے فیصلہ دل میں کیے ہوئے تھے کہ مسئلہ کو عوام کی خواہشات کے مطابق حل کرکے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیں گے' لیکن وہ اس مسئلہ کی مشکلات اور رکاوٹوں سے باخبر تھے' وہ یہ جانتے تھے کہ اس طرح جلدی سے فیصلہ کرنے سے' امریکہ' برطانیہ' فرانس' مغربی جرمنی کی حکومتیں مجھ پر زبردست دباؤ ڈالیں گی اس نے پیرزادہ کو کہا کہ

آپ لوگ گھر جا کر آرام کریں کل میں قومی اسمبلی اور ایوان بالا دونوں سے متفقہ قرارداد منظور کرالوں گا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں اور ان کا نام غیر مسلم اقلیت میں شامل کر دیا جائے۔ صوبائی ڈویژنل ضلعی انتظامیہ کو تحریک کو کچلنے کی ہدایات' فوج کا اسلحہ سمیت شہروں میں متعین ہونا یہ محض مرزائی و مرزائی نواز طاقتوں کی توجہ کو دوسری طرف پھیرنے کے لیے تھا۔

اللہ رب العزت نے فضل فرمایا اور ۷ ستمبر شام کو قومی اسمبلی و سینٹ نے متفقہ طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ یوں یہ جدوجہد کامیابی سے ہمکنار ہوئی' کفر ہار گیا اسلام جیت گیا' ختم نبوت کا بول بالا ہوا۔ اس کے منکرین کا منہ کالا ہوا' **الحق یعلو ولا یعلی** حق سربلند ہوتا ہے نہ کہ پست۔ شام کو ریڈیو ٹی وی دوسرے دن اخبارات کے ذریعہ قوم کو جب اس خبر کی اطلاع ہوئی تو وہ خوشی سے پاگل ہو گئے کسی کا اگر فوت شدہ باپ زندہ ہو جائے تو اسے اتنی خوشی نہ ہوگی جتنی اس مسئلہ ختم نبوت کے حل پر ہوئی۔

سچ ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ' اپنی اولاد اور اپنی جان سے زیادہ مجھے عزیز نہ سمجھے اس حدیث پر عمل کر کے تحریک ختم نبوت میں مسلمان قوم نے ثابت کر دیا کہ فخر عالم ﷺ کی ذات اقدس سے محبت ہی کامل ایمان کی نشانی ہے۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد' مرزائیت مردہ باد۔

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کی قرارداد

اس سلسلہ میں مجلس عمل کے پارلیمانی رہنماؤں نے ذیل کا خط اپنے دستخطوں سے سپیکر کو لکھا:

جناب سپیکر صاحب قومی اسمبلی پاکستان۔

جناب مکرم

ہم درج ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں:

ہرگاہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

اور یہ کہ جھوٹ پر مبنی اس کا دعویٰ نبوت قرآن کریم کی بیشمار آیات کو (نعوذ باللہ) جھوٹا ثابت کرنے کی کوششیں اور ترک جہاد کی تلقین اسلام کے اہم اور بنیادی ارکان سے اس کی کھلی غداری کے مترادف ہیں۔

اور یہ کہ مسلمانون کے اتحاد ملی کو تباہ کرنے اور اسلام کو ایک جھوٹا مذہب ثابت کرنے کی غرض سے وہ سراسر استعمار کی تخلیق تھا۔

اور یہ کہ تمام امت مسلمہ کا اس امر میں اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ اس کی نبوت پر ایمان رکھتے ہوں یا اسے کسی بھی شکل میں ایک مصلح یا مذہبی رہنما مانتے ہوں' دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اور یہ کہ اس کے پیروکار' خواہ کسی بھی نام سے موسوم ہوں اپنے آپ کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ظاہر کرتے ہوئے ان میں رہ کر اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں مین مصروف عمل ہیں۔

اور یہ کہ مکہ مکرمہ کے مقدس شہر مین ۶ سے ۱۰ اپریل تک رابطہ عالم اسلامی کے تحت منعقدہ دنیائے اسلام کی مختلف تنظیموں کے اجلاس نے (جس میں دنیا کے ہر حصہ سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں نے شرکت کی) متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ قادیانیت اسلام اور دنیائے اسلام کے خلاف یکسر تخریبی تحریک ہے' جو کذب بیانی اور فریب دہی سے اپنے آپ کو اسلام ہی کا ایک فرقہ ظاہر کرتی ہے۔

لہٰذا یہ اسمبلی اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار خواہ وہ کوئی سا نام بھی رکھتے ہوں مسلمان نہیں اور یہ کہ نیشنل اسمبلی میں سرکاری طور پر ایک بل پیش کیا جائے جس سے آئین میں مناسب ترمیم ہو۔ انہیں اس ترمیم کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بطور غیر مسلم اقلیت اپنے حقوق و مفادات کا تحفظ حاصل ہو۔

دستخط کنندگان

(۱) مولانا مفتی محمود
(۲) مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری
(۳) مولانا شاہ احمد نورانی
(۴) پروفیسر غفور احمد

(۵)مولانا سید محمد علی رضوی (۶)مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک
(۷)چودھری ظہور الٰہی (۸)سردار شیر باز خاں مزاری
(۹)مولانا ظفر احمد انصاری (۱۰)مسٹر عبدالحمید جتوئی
(۱۱)صاحبزادہ احمد رضا خاں قصوری (۱۲)مسٹر محمد اعظم فاروقی
(۱۳)مولانا صدر الشہید (۱۴)مولانا نعمت اللہ
(۱۵)مسٹر عمرا خاں (۱۶)مخدوم نور محمد
(۱۷)مسٹر غلام فاروق (۱۸)مسٹر مولا بخش سومرو
(۱۹)سردار شوکت حیات خاں (۲۰)مسٹر علی احمد تالپور
(۲۱)راؤ خورشید علی خاں (۲۲)رئیس عطا محمد خاں

مندرجہ بالا تحریک کی بنیادوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے افہام وتفہیم کی مختلف وادیاں قطع کرنے کے بعد عبدالحفیظ پیرزادہ وزیر قانون نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی متفقہ طور پر طے کرتی ہے کہ حسب ذیل سفارشات قومی اسمبلی کو غور اور منظوری کے لیے بھیجی جائیں۔

کل ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی اپنی رہنما کمیٹی اور ذیلی کمیٹی کی طرف سے اس کے سامنے پیش کردہ قومی کی طرف سے اس کو بھیجی گئی قراردادوں پر غور کرنے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے اور گواہوں بشمول سربراہان انجمن احمدیہ ربوہ اور انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کی شہادتوں اور جرح پر غور کرنے کے بعد متفقہ طور پر قومی اسمبلی کو حسب ذیل سفارشات پیش کرتی ہے:

(ا) کہ پاکستان کے آئین میں حسب ذیل ترمیم کی جائے۔

(ب) دفعہ ۱۰۶ (۳) میں قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے اپ کو احمدی کہتے ہیں) کا ذکر کیا جائے۔

(دوم) دفعہ ۲۶۰ میں ایک نئی شق کے ذریعے غیر مسلم کی تعریف کی جائے۔ مذکورہ بالا سفارشات کے نفاذ کے لیے خصوصی کمیٹی کی طرف سے متفقہ طور پر منظور شدہ مسودہ قانون منسلک ہے۔

(ب) کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے۔

تشریح: کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۳) کی تصریحات کے مطابق محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے، وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوا۔

(ج) کہ متعلقہ قوانین مثلاً قومی رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں منتجہ قانونی اور ضابطہ کی ترمیمات کی جائیں۔

(د) کہ پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، کے جان و مال، آزادی، عزت اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔

اوران سفارشات کی اساس پر ذیل کا بل پیش ہوا

ہر گاہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعد ازیں درج اغراض کے لیے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں مزید ترمیم کی جائے۔

لہٰذا بذریعہ ہذا حسب ذیل کا قانون وضع کیا جاتا ہے۔

۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ:

(۱) یہ ایکٹ آئین (ترمیم دوم) ایکٹ ۱۹۷۴ء کہلائے گا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲۔ آئین کی دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں جسے بعد ازیں آئین کہا جائے گا۔ دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں لفظ فرقوں کے بعد الفاظ اور قوسین ''اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے کو احمدی کہتے ہیں)'' درج کیے جائیں گے۔

۳۔ آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم:

آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں شق (۲) کے بعد حسب ذیل نئی شق درج کی جائے گی یعنی:

''(۳) جو شخص محمد ﷺ جو آخری نبی ہیں، کے خاتم النبین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہیں۔

بیان اغرض ووجوہ

جیسا کہ تمام ایوان کی خصوصی کمیٹی کی سفارش کے مطابق قومی اسمبلی میں طے پایا ہے، اس بل کا مقصد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین میں اس طرح ترمیم کرنا ہے تاکہ ہر وہ شخص جو محمد ﷺ کے خاتم النبین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا جو محمد ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے اسے غیر مسلم قرار دیا جائے۔

عبدالحفیظ پیرزادہ

وزیر انچارج

اس بل کی متفقہ منظوری کے بعد نوے سال کا ایک قضیہ ختم ہو گیا۔ مسلمانوں کی طویل جدوجہد بفضلہ تعالیٰ کامیاب ہوئی۔ مرزا غلام احمد کی صیہونی امت ایک نامسلمان اقلیت کے طور پر مشخص ہو گئی اور عرب وعجم میں وحدت ملی کا تصور اس مہلکہ سے محفوظ ہو گیا جو اس کے سیاسی بدن کا استعماری ناسور تھا۔

تحریک ختم نبوت کے آثار ونتائج:

اول: پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ علاوہ ازیں قریباً تیس اسلامی ممالک قادیانیوں کو کافر، مرتد، دائرہ اسلام سے خارج اور خلاف قانونی قرار دے چکے ہیں۔

دوم: ختم نبوت کی تحریک پاکستان میں کامیاب ہوئی تو پوری دنیا پر قادیانیوں کا کفر ونفاق واضح ہو گیا اور دنیا کے بعید ترین ممالک کے مسلمان بھی قادیانیون کے بدترین کفر سے واقف ہو گئے۔

سوم: بہاولپور سے ماریشش تک بہت سی عدالتوں نے قادیانیوں کی غیر مسلم حیثیت کی بنا پر فیصلے دیئے۔

چہارم: ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی تحریک نے نہ صرف پاکستان کو بلکہ دیگر اسلامی ممالک کو قادیانیوں کے غلبہ و تسلط سے محفوظ کر دیا اور تمام دنیا کے مسلمان قادیانیوں کو ایک سازشی اور مرتد ٹولہ سمجھ کر ان سے محتاط اور چوکنا رہنے لگے۔

پنجم: بے شمار لوگ جو قادیانیوں کے دام ہمرنگ زمین کا شکار ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ جب ان پر قادیانیت کا کفر کھل گیا تو وہ قادیانیت کو چھوڑ کر دوبارہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

ششم: ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کا ملازم پیشہ نوجوان طبقہ قادیانیوں سے بے حد مرعوب تھا۔ چونکہ قادیانی پاکستان میں اعلیٰ مناصب پر قابض تھے۔ اسی لیے وہ ایک طرف اپنے ماتحت عملے میں قادیانیت کی تبلیغ کرتے اور دوسری طرف اچھے مناصب کے لیے صرف قادیانیوں کا انتخاب کرتے۔ اس سے مسلمانوں کے نوجوان طبقہ کی صریح حق تلفی ہوتی تھی اور بہت سے نوجوان اچھی ملازمت کے لالچ میں قادیانی مذہب کے ہمنوا ہو جاتے تھے۔ اب بھی اگرچہ کلیدی آسامیوں پر بہت سے قادیانی فائز ہیں اور ملازمتوں میں ان کا حصہ مسلمانوں کی نسبت اب بھی زیادہ ہے مگر اب قادیانیوں کے سامنے مسلمان نوجوانوں کا احساس کمتری ختم ہو رہا ہے اور نوجوانوں کی طرف سے مطالبے ہو رہے ہیں کہ قادیانیوں کو ان کی حصہ رسدی سے زیادہ کسی ادارے میں نشستیں نہ دی جائیں۔

ہفتم: قیام پاکستان سے ۱۹۷۴ء تک ''ربوہ'' مسلمانوں کے لیے ایک ممنوعہ قصبہ تھا۔ وہاں مسلمانوں کے داخلہ کی اجازت نہ تھی۔ حتیٰ کہ ریلوے اور ڈاک خانہ کے سرکاری ملازموں کے لیے قادیانی ہونے کی شرط تھی لیکن اب ''ربوہ'' کی سنگینی ٹوٹ چکی ہے۔ وہاں اکثر سرکاری ملازم مسلمان ہیں۔ ایک سال سے مسلمانوں کی نماز باجماعت بھی ہوتی ہے اور کئی مساجد بن چکی ہیں اور وہاں نماز جمعہ ادا کی جا رہی ہے۔

☆ قادیانی اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے پر اصرار کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمانوں کے قبرستان میں ان کا دفن کیا جانا ممنوع ہے۔

☆ پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور فوجی ملازمتوں کے فارموں میں قادیانیوں کو اپنے مذہب کی تصریح کرنا پڑتی ہے۔

☆ پاکستان میں ختم نبوت کے خلاف کہنا یا لکھنا قابل تعزیر جرم قرار دیا جا چکا ہے۔

☆ سعودی عرب' لیبیا اور بعض دیگر اسلامی ممالک میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے اور انہیں اسلا کے جاسوس قرار دیا جا چکا ہے۔

☆ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے خلاف لب کشائی کی پاکستان میں اجازت نہیں تھی مگر اب صورتحال تبدیل ہو چکی ہے۔

☆ قادیانی جو بیرونی ممالک میں یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ پاکستان میں قادیانیوں کی حکومت ہے اور ہمارا دارالخلافہ ''ربوہ'' ہے وہ اس جھوٹ پر نہ صرف پوری دنیا میں ذلیل ہو چکے ہیں بلکہ خدا کی زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو رہی ہے۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء

تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء کی بنیادی وجہ قادیانیوں کے ہاتھوں مولانا محمد اسلم قریشی کی گم شدگی تھی۔ پہلے مولانا محمد اسلم قریشی کا تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

مجاہد ختم نبوت مولانا محمد اسلم قریشی سکنہ ۲۸۵/۲۹ محلہ امام صاحب ۱۹۳۴ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام روشن دین قریشی' والدہ کا نام چراغ بی بی۔ آج کل بھی اپنے آبائی مکان میں رہائش پذیر تھے۔

اسلم قریشی صاحب نے ایف۔ اے تک تعلیم مرے کالج سیالکوٹ میں حاصل کی۔ زمانہ تعلیم میں اور اس کے بعد ان کے ذاتی احوال کالج کے لڑکوں جیسے تھے۔ مذہب سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ بقول خود ''کبھی کبھار کسی مذہبی جلسے میں شریک ہو جاتا تھا اور بس۔''

تعلیم کے بعد سی۔ ڈی اے اسلام آباد میں بطور الیکٹریشن ملازم ہو گئے۔ غالباً اسی دوران میں اپنے اعزہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اہل وعیال ان کے ہمراہ اسلام آباد ہی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کی زندگی کا پہلا اہم ترین واقعہ جس نے ان کی زندگی کا رخ کلیتہً پلٹ دیا وہ ۱۹۷۰ء میں ایم۔ ایم۔ احمد پر قاتلانہ حملہ ہے۔ انہوں نے کس پس منظر میں یہ حملہ کیا خود ان کی زبانی سنیے۔

''ایک روز میں بازار سے بیکری لینے گیا۔ دکاندار نے جس کاغذ میں بیکری لپیٹ کر دی وہ

قادیانیوں کے کسی اخبار یا رسالے کا ورق تھا۔ میں نے سنا ہوا تھا کہ قادیانی ختم نبوت کے منکر ہیں اور حضور ﷺ اور اصحاب و ازواج رسول ﷺ کے بارے میں گستاخانہ زبان استعمال کرتے ہیں مگر پہلی دفعہ ان کی اس قسم کی تحریر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ جس پر مجھے غصہ آ گیا۔ میرے لیے اس کیفیت کا اظہار ممکن نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور گھر سے ایک تیز دھار آلہ لے کر سیکرٹریٹ پہنچ گیا۔ ایم۔ ایم۔ احمد کا دفتر میرا دیکھا ہوا تھا اور مجھے معلوم تھا یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا یا دوہتا ہے۔ میں نے دفتر کے سامنے ہی۔ ایم۔ ایم۔ احمد کو جا لیا۔ دو وار کیے وہ زمین پر گر گیا اور اس کا خون بہہ نکلا مجھے پکڑ لیا گیا۔ بعد میں کیس ہوا اور مجھے پندرہ سال قید بامشقت کی سزا ہو گئی۔“

میرا کیس راجہ ظفر الحق (موجودہ وزیر اطلاعات) نے بلا معاوضہ لڑا۔ جیل میں میں نے ترجمہ قرآن پڑھا۔ دینی لٹریچر پڑھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے ”قول فیصل“ اور ”علامہ اقبال“ کے مجموعے ”بانگ درا“ ”بال جبریل“ اور ”ضرب کلیم“ نے مجھ پر بہت اثر ڈالا۔ میں بنیادی طور پر مذہب پرست انسان بن گیا۔ نماز اور تلاوت کا پابند بنا بلکہ جیل میں اخلاقی قیدیوں کی اصلاح کی بھی اپنی سی کوشش کرتا رہا۔

عوام کے مطالبات اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ (جن کے اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ نہایت اچھے روابط تھے) کی مساعی سے اسلم قریشی صاحب کی سزا میں تخفیف ہوئی اور وہ دو سال آٹھ ماہ پندرہ یوم سزا کاٹ کر رہا ہو گئے۔ جیل سے نکلنے والا اسلم قریشی پوری شرعی ڈاڑھی والا اسلم قریشی تھا جس کے لیے ”مولانا“ کا سابقہ بے جواز نہیں۔ رہائی کے بعد اسلم قریشی عمرہ اور تلاش روزگار کی غرض سے سعودی عرب چلے گئے۔ ایک مقصد اپنی جان کا تحفظ بھی تھا۔ عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی مگر روزگار میں دل نہ لگا اور وطن واپس آ گئے۔ وہ کہا کرتے تھے:

”زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے اور جب وقت آ جاتا ہے تو ٹل نہیں سکتا۔“

وہ اکثر بڑے گداز کے ساتھ یہ مصرے پڑھا کرتے‘ شاید اپنی زندگی کو بے صرف خیال کرتے تھے۔

لمحہ لمحہ گھٹ رہی ہے رونق ہستی کلیم
کارواں سے دم بدم کٹتے چلے جاتے ہیں ہم

سعودی عرب سے واپسی کے بعد سیالکوٹ میں انہوں نے برتنوں کے کاروبار کا ڈول ڈالا مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ دو وقت کی روٹی چلانے کے لیے دو ایک جگہ ملازمت بھی کی۔ وہ جہاں بھی رہے اور جو کام کیا' اس میں ایک چیز ہر جگہ اور ہر وقت پیش نظر رکھی اور وہ تھا عقیدہ ختم نبوت اور اس کی تبلیغ۔ وہ قادیانیوں کے خلاف نہایت جارحانہ ذہن کے مالک تھے۔ وہ کہا کرتے تھے:

''قادیانی محض مذہبی اعتبار سے کینسر نہیں' یہ سیاسی اعتبار سے بڑا فتنہ ہیں۔ علامہ اقبال کے بقول یہ اسلام اور ملک دونوں کے غدار ہیں۔ قادیانی جماعت کا پاکستان میں وجود برقرار رہنا' خود پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرہ ہے' یہ اسرائیلی اور امریکی استعمار کے ایجنٹ ہیں۔ ہمیں اپنی قوم اور ملک کو ان کے اثرات سے بچانا چاہیے۔''

اسلم قریشی صاحب کی عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ یہی والہانہ لگن انہیں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' میں لے گئی۔

۱۹۷۷ء کی ''تحریک نظام مصطفیٰ'' میں وہ قومی اتحاد کے ناظم دفتر رہے۔ بعد میں وہ ''دارالعلوم الشہابیہ'' میں ناظم دفتر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ ۸۲ء کے دسمبر میں دارالعلوم کو چھوڑ کر وہ پھر ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' میں آ گئے اور رد قادیانیت کے ضمن میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

فروری ۸۷ء میں انہوں نے ''قادیانی مسئلہ'' (آئینی ترمیم کے مطابق قانون سازی کا تقاضا کرتا ہے۔) کے عنوان سے ایک نہایت خوبصورت کتابچہ چھپایا' یہ کتابچہ نعیم آسی کے ایک مطبوعہ مضمون پر مشتمل تھا۔ جو ۱۹ دسمبر ۷۷ء کے ہفت روزہ ''چٹان'' میں شائع ہوا اور جس میں لاہور ہائیکورٹ کے ایک فیصلہ پر تبصرہ کیا گیا تھا جس میں عدالت نے قادیانیوں کو مسجد کی تعمیر اور استعمال کی ممانعت کرنے سے انکار کیا تھا۔ اسلم قریشی صاحب نے اس کتابچے کو ملک بھر میں عام کرنے کے لیے روزنامہ ''نوائے وقت'' میں صفحہ اول پر اشتہار چھپوانے کا اہتمام کیا۔ یہ اشتہار

ملک منظور الٰہی صاحب کی طرف سے شائع ہوا جس کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں خطوط آئے اور اسلم قریشی صاحب نے بنڈلوں کی صورت میں متذکرہ کتابچے ''ڈسپیچ'' کیے۔

اس کتابچے کے ساتھ اسلم قریشی صاحب نے پندرہ بیس ہزار پوسٹ کارڈ چھپوائے ان پوسٹ کارڈز کو ملک بھر میں تقسیم کیا گیا۔ جن میں صدر مملکت' چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق سے قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کے ضمن میں متعدد مطالبات کیے گئے تھے۔

ستمبر ۱۹۸۲ء کے شروع میں ''قادیانی مسئلہ اور موجودہ حکومت'' کے عنوان سے اسلم قریشی صاحب نے ایک تحریر شائع کی۔ فل اسکیپ سائز کے چھ صفحات پر مشتمل یہ تحریر بھی نعیم آسی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ تحریر دراصل نعیم آسی کا ایک مضمون ہے۔ جو انہوں نے ہفت روزہ ''چٹان'' کے لیے لکھا۔ مگر سنسر کے باعث اسے حکام نے چھپانے کی اجازت نہ دی۔ اس مضمون میں ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کو پاکستان کا دورہ کرانے۔ ان کا مکان بطور قومی یادگار محفوظ کرنے اور راجہ منور احمد قادیانی کو صدر مملکت کا ''پولیٹیکل ایڈوائزر'' مقرر ہونے کے حوالے سے موجودہ حکومت پر تنقید کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ۷۳ء کے آئین کی دفعہ ''۱۰۶'' کی تنسیخ اور مرزا ناصر احمد کی طرف سے اس دفعہ کی تنسیخ کی پیش گوئی سے حکومت کے اندر قادیانی اثر و نفوذ کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ اسلم قریشی صاحب کی سرگرمیوں کے ضمن میں یہ ایک اور تحریر ہے۔

اسلم قریشی صاحب کی بیوی کا اواخر دسمبر ۸۲ء میں انتقال ہو گیا۔ (یہ واقعہ ان کی پراسرار گمشدگی سے کوئی دو ماہ پیشتر رونما ہوا)۔ بیوی کی موت کے بعد سے قریشی صاحب نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ وہ ہر شام بڑی پابندی کے ساتھ گھر پہنچ جاتے تھے۔

مولانا محمد اسلم قریشی کی گمشدگی کا واقعہ

تمہید:

عنوان: یادداشت بابت بازیابی مولانا محمد اسلم قریشی جن کی گمشدگی مرزائیت کی گہری منصوبہ بندی کے تحت عمل میں آئی۔ ڈویژنل انتظامیہ اور پولیس عرصہ گزرنے کے باوجود ان کا سراغ لگانے میں ناکام رہی۔ اس ناکامی کی روداد بصورت دستاویز:

محترمی!

سلام مسنون۔ مورخہ ۱۷فروری ۱۹۸۳ء مولانا محمد اسلم قریشی موضع ''معراج کے'' میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دینے کے لیے جاتے ہوئے راستے ہی میں اغوا کر لیے گئے۔ سیالکوٹ میں مقامی طور پر مولانا کی بازیابی کے لیے ''مجلس عمل'' قائم ہوئی۔ ۲۳ فروری کو بشکل ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی جاسکی۔ جس کے بعد مقامی انتظامیہ نے تفتیش شروع کی۔ واقعات کی تمام کڑیاں مرزائیت کو اس اغوا میں ملوث کرتی تھیں لیکن تفتیش کا رخ ان افراد کی طرف موڑا گیا جن کی دل پہلے ہی اس غم سے زخمی تھے۔ ان کے برادر نسبتی اور ہم زلف کو گرفتار کر کے ان پر تشدد کیا گیا اور مجبور کیا گیا کہ وہ قریشی صاحب کے دوستوں کو اس میں ملوث کریں۔ کبھی یہ تاثر دیا گیا کہ جو کچھ ہوا' شہابیہ کے اندر ہوا ہے۔ کبھی کہا گیا ہے کہ وہ سیہون شریف جانے کا ارادہ رکھتے تھے' کبھی کہا گیا کہ وہ پاسپورٹ لے کر نامعلوم کہاں چلے گئے ہیں۔ انتظامیہ کی طرف سے تفتیش کے نتائج اس طرح مرتب کرنا کسی طور پر بھی شک وشبہ سے بالاتر نہیں ہے۔

آج تک جو کچھ ہوا اس کی تفصیل بشکل دستاویزات بطور ثبوت ہمراہ ہے۔ دستاویز نمبر ۱ اور اس کے اجزاء مولانا قریشی کے شخصی پس منظر دستاویز نمبر ۲ الف نمبر ۳ الف' ب' ج' د۔ ایف۔ آئی۔ آر میں پولیس کی طرف سے بے جا تاخیر اور دستاویز نمبر ۷ الف' ب نمبر ۸ الف نمبر ۱۳ الف' نمبر ۱۴ الف پولیس کے رویے کو غیر منصفانہ اور جانبدارانہ ثابت کرتی ہیں۔ دستاویز نمبر ۱۱ الف واضح کرتی ہے کہ پولیس نے نہ صرف ان کے عزیزوں پر تشدد کیا بلکہ بعض بے گناہ افراد کو اس کیس میں پھنسانے پر مجبور کیا۔

دستاویز نمبر ۱۱ ب اسلم قریشی صاحب کی والدہ کا حلفی بیان ہے جو تفتیش کا رخ غلط سمت موڑنے کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے۔ اسی طرح دستاویز نمبر ۷ الف نمبر ۱۱۱ الف' نمبر ۱۲ الف مقامی اور ڈویژن انتظامیہ کی ثقاہت کو مجروح کرتا بلکہ یہ امر بھی واضح کرتا ہے کہ مقامی اور ڈویژنل انتظامیہ مولانا محمد اسلم قریشی کی بازیابی میں کیوں ناکام رہی ہے۔

ایک بلکہ قابل غور ہے کہ انتظامیہ کے ذمہ دار افسر اور ڈپٹی کمشنر اور ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے ۳ مارچ ۸۳ء کو ''مجلس عمل'' کے ایک وفد کو یقین دلایا کہ وہ چار دن کے اندر زندہ اسلم قریشی ان

کے سپرد کر دیں گی۔ اسی طرح مورخہ ۱۹ مئی ۸۳ء کو جناب کمشنر گوجرانوالہ ڈویژن نے علماء اور مجلس عمل کے ساتھ ایک ملاقات میں اپنے تجربے کی بنیاد پر یہ اظہار کیا کہ اگر وہ قتل ہوتے تو ضرور مل جاتے، مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

بناء بریں ''مجلس عمل'' دین وملت اور ملک وقوم کی محبت کی بنیاد پر مطالبہ کرتی ہے کہ مولانا کی بازیابی کے لیے خصوصی طور پر جدید اور سائنسی تفتیش اختیار کی جائے اور مرزائیت کے منظم گروہ کو گرفت میں لے کر اس اہم مسئلہ سے عہدہ برآ ہوں۔

''مجلس عمل'' اس کیس کی جانب اپنی تمام تر توجہ مبذول کیے ہوئے ہے اور آئندہ کے حالات بھی دستاویز کی صورت میں آپ کو پیش کرتی رہے گی۔'' والسلام

تاریخ — دستخط بحروف انگریزی

۳۰ مئی ۱۹۸۳ء — سید بشیر احمد

صدر ''مجلس عمل'' تحفظ ختم نبوت۔ سیالکوٹ۔ ''ڈار پلازہ'' بالمقابل ریلوے اسٹیشن سیالکوٹ

یہ دستاویز درج ذیل حکام کو بھیج جارہی ہے۔

۱۔ صدر مملکت وچیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب راولپنڈی

۲۔ وفاقی وزیر داخلہ جناب محمود ہارون صاحب۔ دفتر وفاقی وزارت داخلہ سیکرٹریٹ اسلام آباد

۳۔ وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات جناب راجہ محمد ظفر الحق سیکرٹریٹ اسلام آباد

۴۔ جناب خواجہ محمد صفدر صاحب چیئرمین وفاقی مجلس شوریٰ ایم این اے ہاسٹلز اسلام آباد

۵۔ جناب مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب، رکن وفاقی مجلس شوریٰ جامعہ عربیہ کشمیر روڈ راولپنڈی

۶۔ جناب لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں صاحب۔ گورنر پنجاب گورنر ہاؤس لاہور

۷۔ جناب لئیق احمد خاں صاحب۔ آئی جی پولیس پنجاب لاہور

۸۔ جناب جی۔ ایم پراچہ صاحب۔ کمشنر گوجرانوالہ ڈویژن گوجرانوالہ

۹۔ جناب میجر مشتاق احمد صاحب ڈی۔آئی۔جی۔گوجرانوالہ رینج گوجرانوالہ

۱۰۔ جناب حفیظ اختر صاحب رندھاوا۔ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ

۱۱۔ جناب طلعت محمود صاحب ایس پی سیالکوٹ

منسلکات: اس ریکارڈ میں انیس دستاویزات شامل ہیں' جو ۱۳۱ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ہیڈ لیٹر کے ۳ صفحات علاوہ ہیں۔

مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا قیام اور مولانا اسلم قریشی کی بازیابی کی تحریک

مجلس تحفظ ختم نبوت نے مولانا اسلم قریشی کی گمشدگی پر تحریک چلائی۔ معاملہ بہت حساس نوعیت کا تھا۔اس لیے مجلس عمل کے نام سے ایک مجلس منتظمہ تشکیل دی گئی جس تمام دینی وسیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل تھے' مجلس عمل نے حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد مدظلہم کی زیرقیادت ملک بھر میں بھرپور تحریک چلائی جگہ جگہ بھرپور احتجاجی جلسے کیے گئے' ریلیاں نکالی گئیں ملک بھر میں رائے عامہ بیدا کرنے کے بعد سیالکوٹ میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔جس میں مجلس عمل کے رابطہ سیکرٹری مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے اعلان کیا کہ اگر حکومت نے فلاں تاریخ تک قادیانی عبادت گاہوں سے قرآنی آیات اور کلمہ طیبہ کے کتبے اور عبارتیں نہ ہٹائیں تو ہم قانون ہاتھ میں لے کر از خود یہ کام کریں گے۔اس موقعہ پر مولانا ضیاء القاسمی مرحوم نے اپنی پانچ منٹ کی تقریر میں مجمع کو بے قابو کر دیا۔ حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ تقریر ختم ہونے پر فرط جوش میں اٹھے' مولانا قاسمی کا سر چوما اور ان کی دستار بندی کی۔

اس کانفرنس کے بعد راولپنڈی میں بھرپور جلسہ ہوا۔ملک بھر سے ختم نبوت کے پروانے وہاں جمع ہوئے اور حکومت پیغام دیا کہ Now or Never۔ ہمارے مطالبات مانے جائیں ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیشمار بار شکر ہے کہ اس نے صدر ضیاء الحق مرحوم کو توفیق دی اور انہوں نے ایک صدارتی آرڈیننس جاری کر کے قادیانیوں کی تبلیغ اور کتابوں کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی۔ سرکاری ایجنسیوں میں موجود قادیانی عناصر کے ذریعہ مخبری ہونے پر مولانا اسلم قریشی

کے اغوا کا مرکزی ملزم قادیانیوں کا چوتھا سربراہ مرزا طاہر برطانیہ بھاگ گیا اور گرفتاری سے بچ نکلا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں مولانا اسلم قریشی اگرچہ فوری طور پر بازیاب نہ ہوسکے لیکن مسلمانوں کو ۱۹۸۴ء کے صدارتی آرڈیننس کا گراں قدر تحفہ مل گیا جس پر صدر مملکت ضیاء الحق مرحوم کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔ کچھ عرصہ بعد قادیانیوں نے مولانا اسلم قریشی کو ایرانی سرحد پر لے جاکر چھوڑ دیا۔ بے انتہا تشدد کی وجہ سے وہ ذہنی ونفسیاتی مریض بن چکے ہیں۔

نئے آرڈیننس کا اجراء (۱۹۸۴ء)

قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں

پیش لفظ:

صدر مملکت نے قادیانی گروپ' لاہوری گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیوں کو روکنے کے لیے اور قانون میں ترمیم کے لیے ایک آرڈیننس بنام قادیانی گروپ' لاہور گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں (امتناع وتعزیر) ۱۹۸۴ء نافذ کیا ہے۔ یہ آرڈیننس ۲۶ اپریل ۱۹۸۴ء کو نافذ کیا گیا ہے۔

تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۸۔ بی کا اضافہ کیا گیا ہے جس کی رو سے قادیانی گروپ لاہوری گروپ کے کسی بھی ایسے شخص کو جو زبانی یا تحریری طور پر یا کسی فعل کے ذریعے مرزا قادیانی کے جانشینوں یا ساتھیوں کو ''امیر المومنین'' یا ''صحابہ'' یا اس کی بیوی کو ''ام المومنین'' یا اس کے خاندان کے افراد کو ''اہل بیت'' کے الفاظ سے پکارے یا اپنی عبادت گاہ کو ''مسجد'' کہے' تین سال کی سزا اور جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔

اس دفعہ کی رو سے قادیانی گروپ' لاہوری گروپ یا احمدیوں کے ہر اس شخص کی بھی یہی سزا ہوگی جو اپنے ہم مذہب افراد کو عبادت کے لیے جمع کرنے یا بلانے کے لیے اس طرح کی اذان کہے اس طرح کی اذان دے جس طرح کی مسلمان دیتے ہیں۔

ایک نئی دفعہ ۲۹۸۔ سی کا تعزیرات کا پاکستان میں اضافہ کیا گیا ہے جس کی رو سے متذکرہ

گروپوں میں سے ہر ایسا شخص جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے اور اپنے عقیدے کو اسلام کہے یا اپنے عقیدے کی تبلیغ کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی انداز میں مسلمانوں کے جذبات مشتعل کرے اس سزا کا مستحق ہوگا۔

اس آرڈیننس نے قانونی فوجداری ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹۔اے میں بھی ترمیم کردی ہے جس کی رو سے صوبائی حکومتوں کو یہ اختیار مل گیا ہے کہ وہ ایسے اخبار' کتاب اور دیگر دستاویز کو جو تعزیرات پاکستان میں اضافہ شدہ دفعہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شائع کی گئی' کو ضبط کرسکتی ہے۔

اس آرڈیننس کے تحت پاکستان پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ میں بھی ترمیم کردی گئی ہے جس کی رو سے صوبائی حکومتوں کو یہ اختیار مل گیا ہے کہ وہ ایسے پریس کو بند کردے جو تعزیرات پاکستان کی اس نئی اضافہ شدہ دفعہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی کتاب یا اخبار چھاپتا ہے۔اس اخبار کا ڈیکلریشن منسوخ کردے جو متذکرہ دفعہ کی خلاف ورزی کرتا ہے اور ہر اس کتاب یا اخبار پر قبضہ کرلے جس کی چھپائی یا اشاعت پر اس دفعہ کی رو سے پابندی ہے۔

آرڈیننس فوری طور پر نافذ ہوگیا ہے۔آرڈیننس کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

آرڈیننس نمبر ۲۰......مجریہ ۱۹۸۴ء

قادیانی گروپ' لاہوری گروپ اور احمدیوں کو خلاف اسلام سرگرمیوں سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کرنے کا آرڈیننس۔

چونکہ یہ قرین مصلحت ہے کہ قادیانی گروپ' لاہوری گروپ اور احمدیوں کو خلاف اسلام سرگرمیوں سے روکنے کے لیے قانون میں ترمیم کی جائے۔

اور چونکہ صدر کو اطمینان ہے کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کی بنا پر فوری کارروائی کرنا ضروری ہوگیا ہے۔

لہٰذا اب ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان کے بموجب اور سلسلے میں اسے مجاز کرنے والے تمام اختیارات استعمال کرتے ہوئے صدر نے حسب ذیل آرڈیننس وضع اور جاری کیا ہے۔

حصہ اول

ابتدائیہ

مختصر عنوان اور آغاز نفاذ:

۱۔ یہ آرڈیننس قادیانی گروپ، لاہوری گروپ اور احمدیوں کی خلاف اسلام سرگرمیاں (امتناع وتعزیر) آرڈیننس ۱۹۸۴ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

۲۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۳۔ آرڈیننس، عدالتوں کے احکام اور فیصلوں پر غالب ہوگا۔

۴۔ اس آرڈیننس کے احکام کسی حکم یا فیصلے کے باوجود موثر ہوں گے۔

حصہ دوم

مجموعہ تعزیرات پاکستان

(ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) کی ترمیم

۳۔ ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء میں نئی دفعات

۲۹۸۔ب اور ۲۹۸۔ج کا اضافہ

مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵، ۱۸۶۰ء میں باب ۱۵ میں، دفعہ ۲۹۸ الف کے بعد حسب ذیل نئی دفعات کا اضافہ کیا جائے گا۔ یعنی......

۲۹۸۔ب بعض مقدس شخصیات یا مقامات کے لیے مخصوص القاب، اوصاف یا خطابات وغیرہ کا ناجائز استعمال

۱۔ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو ''احمدی'' یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے۔

(ا) حضرت محمد ﷺ کے خلیفہ یا صحابی کے علاوہ کسی شخص کو امیر المومنین، خلیفہ المومنین، خلیفۃ المسلمین، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

(ب) حضرت محمد ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کے علاوہ کسی ذات کو ام المومنین کے طور پر منسوب کرے یا مخاطب کرے۔

(ج) اپنی عبادت گاہ کو ''مسجد'' کے طور پر منسوب کرے یا موسوم کرے یا پکارے، تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

۲۔ قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب میں عبادت کے لیے بلانے کے اس طریقے یا صورت کو اذان کے طور پر منسوب کرے یا اس طرح اذان دے جس طرح مسلمان دیتے ہیں تو اسے کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا مستوجب بھی ہوگا۔

۲۹۸۔ج قادیانی گروپ وغیرہ کا شخص جو خود کو مسلمان کہے یا اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے

قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص جو بلاواسطہ یا بالواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرے یا اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر موسوم کرے یا منسوب کرے یا الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا مرئی نقوش کے ذریعے اپنے مذہب کی تبلیغ یا تشہیر کرے یا دوسروں کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دے یا کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کو مجروح کرے، کو کسی ایک قسم کی سزائے قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے اور جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

حصہ سوم

مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء

(ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء کی ترمیم)

۴۔ ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء کی دفعہ ۹۹۔الف کی ترمیم

مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء میں جس کا حوالہ بعدازیں مذکورہ مجموعہ کے طور پر دیا گیا ہے' دفعہ ۹۹' الف میں' ذیلی دفعہ (۱) میں

(الف) ''الفاظ اور سکتہ'' اس طبقہ کے بعد الفاظ' ہندسے' قوسین' حرف اور ''سکتے'' اس نوعیت کا کوئی مواد جس کا حوالہ مغربی پاکستان پریس اور پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ کی ذیلی دفعہ (۱) کی شق (ی ی) میں دیا گیا ہے'' شامل کردیئے جائیں گے اور

(ب) ہندسہ اور حرف ''۲۹۸۔الف کے بعد الفظ' ہندسے اور حرف'' یا دفعہ ۲۹۸۔ب یا دفعہ ۲۹۸۔ج'' شامل کردیئے جائیں گے۔

ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء کی جدول دوم کی ترمیم

مذکورہ مجموعہ میں جدول دوم میں دفعہ ۲۹۸۔الف سے متعلق اندراجات کے بعد حسب ذیل اندراجات شامل کردیئے جائیں گے یعنی......

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
۲۹۸۔ب	بعض مقدس شخصیات کے لیے مخصوص القاب' اوصاف اور خطابات وغیرہ کا ناجائز استعمال	ایضاً	ایضاً	ناقابل ضمانت	ایضاً	تین سال کے لیے کسی ایک قسم کی سزائے قید اور جرمانے ایضاً	ایضاً

حصہ چہارم

مغربی پاکستان پریس اور پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء

(مغربی پاکستان آرڈیننس نمبر ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء) کی ترمیم

۶۔ مغربی پاکستان آرڈیننس ۱۹۶۳ء کی دفعہ ۲۴ کی ترمیم

مغربی پاکستان پریس اور پبلی کیشنز آرڈیننس ۱۹۶۳ء (مغربی پاکستان آرڈیننس نمبر ۳۰ مجریہ ۱۹۶۳ء) میں دفعہ ۲۴ میں ذیلی دفعہ (۱) میں شق (ی) کے بعد حسب ذیل نئی شق شامل کر دی جائے گی۔ یعنی......

"(ی ی) ایسی نوعیت کی ہوں جن کا حوالہ مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) کی دفعات ۲۹۸۔الف، ۲۹۸۔ب یا ۲۹۸۔ج میں دیا گیا ہے" "یا"

شائع کردہ:

محکمہ فلم و مطبوعات، وزارت اطلاعات و نشریات، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۸۴۔۶۔۶

ردقادیانیت کے سلسلہ میں علماء ودانشور حضرات کی تصانیف

علمائے کرام نے مرزائیت کے تعاقب میں مناظرہ ومباہلہ اور تقریر وتحریر کے ذریعہ اتنا کام کیا ہے کہ شاید ہی کسی اور فتنہ کے متعلق اتنا کام کیا گیا ہو اگر قادیانیت کو برطانیہ وامریکہ جیسی عالمی طاقتوں کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی اور پاکستانی سیاست دان اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھتے تو یہ فتنہ کب کا مٹ چکا ہوتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

ردقادیانیت میں علماء کرام نے حسب توفیق ہر اعتبار سے قلم اٹھایا ہے اور قادیانیوں پر اتمام حجت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ مجلس تحفظ ختم نبوت نے اکابرین کے نایاب رشحات قلم کو یکجا کر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور تقریباً تیس جلدوں میں اس علمی ذخیرہ کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو اللہ تعالیٰ ان حضرات سے لے رہے ہیں۔ سب سے پہلے احتساب قادیانیت کے نام سے چھپنے والی ان کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

احتساب قادیانیت جلد اول (۱)

۱۔	۱۔ترک مرزائیت	مولانا لال حسین اختر
۲۔	۲۔ختم نبوت اور بزرگان امت	ایضاً
۳۔	۳۔حضرت مسیح علیہ السلام مرزا کی نظر میں	ایضاً

فہرست احتساب قادیانیت جلد دوم (۲)

فہرست احتساب قادیانیت جلد تین (۳)

فہرست احتساب قادیانیت جلد چار (۴)

فہرست احتساب قادیانیت جلد پانچ (۵)

۶۴۔ ۳۔صحیفہ رحمانیہ نمبر تین	مولانا عبدالوحیدؒ
۶۵۔ ۴۔صحیفہ رحمانیہ نمبر چار	مولانا عبدالعزیزؒ
۶۶۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر پانچ	پروفیسر سید انور حسینؒ
۶۷۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۶/ مرزا کا دعویٰ نبوت	محمد علی مونگیرویؒ
۶۸۔ ۲۔صحیفہ رحمانیہ نمبر سات/ دعویٰ نبوت مرزا	ایضاً
۶۹۔ ۳۔صحیفہ رحمانیہ نمبر آٹھ/ عبرت خیز	ایضاً
۷۰۔ ۴۔صحیفہ رحمانیہ نمبر نو	ایضاً
۷۱۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۰	محمد یعسوب مونگیرویؒ
۷۲۔ ۲۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۱/ نمونہ القائے قادیانی	محمد یعسوب مونگیرویؒ
۷۳۔ ۳۔صحیفہ رحمانیہ ۱۲	محمد یعسوب مونگیرویؒ
۷۴۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۳	خواجہ غلام الثقلینؒ
۷۵۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۴' اسلامی چیلنج	مولانا عبدالغفار خانؒ مولانا لکھنویؒ
۷۶۔ ۴۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۵	محمد یعسوب مونگیرویؒ
۷۷۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۶/ مرزائی نبوت کا خاتمہ	مولانا سید محمد انور حسینؒ
۷۸۔ ا۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۷' نبوت فی الاسلام کے نو جواب اور مرزا کے جھوٹ	مولانا اسحٰق مونگیریؒ
۷۹۔ ۲۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۸/ چیلنج محمدیہ وصولت فاروقیہ	ایضاً
۸۰۔ ۳۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۱۹/ چسمہ ہدایت کی صداقت اور مسیح قادیانی کی واقعی حالت	ایضاً
۸۱۔ ۴۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲۰	ایضاً
۸۲۔ ۵۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲۱/ خاتم النبیین	ایضاً
۸۳۔ ۶۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲۲	ایضاً
۸۴۔ ۷۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲۳	ایضاً
۸۵۔ ۸۔صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲۴	ایضاً

فہرست احتساب قادیانیت جلد چھ(٦)

فہرست احتساب قادیانیت جلد سات(٧)

فہرست احتساب قادیانیت جلد آٹھ(٨)

فہرست احتساب قادیانیت جلدنو (۹)

فہرست احتساب قادیانیت جلد دس (۱۰)

فہرست احتساب قادیانیت جلد گیارہ (۱۱)

فہرست احتساب قادیانیت جلد بارہ (۱۲)

فہرست احتساب قادیانیت جلد تیرہ (۱۳)

فہرست احتساب قادیانیت جلد چودہ (۱۴)

فہرست احتساب قادیانیت جلد پندرہ (۱۵)

فہرست احتساب قادیانیت جلد سولہ (۱۶)

فہرست احتساب قادیانیت جلد سترہ (۱۷)

فہرست احتساب قادیانیت جلد اٹھارہ (۱۸)

فہرست احتساب قادیانیت جلد انیس (۱۹)

فہرست احتساب قادیانیت جلد بیس (۲۰)

اضافہ از مصنف

اس فہرست کے علاوہ بھی ہزاروں کتابیں اور رسالے ایسے ہیں جن کا تذکرہ اس فہرست میں بوجہ لاعلمی کی ناممکن ہے۔

بہرحال اپنے محدود دائرہ میں احقر مزید ناموں کا جو اضافہ کر سکا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے۔(مؤلف)

نام کتاب	مصنف
۲۶۹ ختم نبوت	علامہ انور شاہ کشمیری
۲۷۰ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام	ایضاً
۲۷۱ اکفار الملحدین	ایضاً
۲۷۲ ختم نبوت کامل	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۲۷۳ التصریح بما تواتر فی نزول المسیح	ایضاً
۲۷۴ ھدیۃ المھدیین	ایضاً
۲۷۵ شہادۃ القرآن	مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
۲۷۶ اسلام اور مرزائیت	علامہ احسان الٰہی ظہیر
۲۷۷ القادیانیۃ نقد و تحلیل	ایضاً
۲۷۸ سیف چشتیائی	حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی
۲۷۹ شمس الھدایہ	ایضاً
۲۸۰ عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم نبوت	علامہ ڈاکٹر خالد محمود
۲۸۱ عقیدۃ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم	ایضاً
۲۸۲ العبرۃ الناظرہ	علامہ زاہد الکوثری
۲۸۳ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں	مولانا محمد اسحاق سندیلوی

۲۸۴	تاریخ محاسبہ قادیانیت	پروفیسر خالد شبیر احمد
۲۸۵	النبی الخاتم	مولانا مناظر احسن گیلانی
۲۸۶	کلمہ فضل رحمانی	قاضی فضل احمد گورداسپوری
۲۸۷	تضادات مرزا قادیانی	مشتاق احمد چنیوٹی
۲۸۸	عقیدہ ختم نبوت اور سلف صالحین	مولانا محمد نافع مدظلہ
۲۸۹	قادیانی مذہب قادیانی قول وفعل قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ	پروفیسر محمد الیاس برنی
۲۹۰	الکاویہ علی الغاویہ	مولانا محمد عالم آسی
۲۹۱	رئیس قادیان	مولانا محمد رفیق دلاوری
۲۹۲	فتویٰ حیات مسیح	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۲۹۳	چودہ میزائل	ایضاً
۲۹۴	ردقادیانیت کے زریں اصول	ایضاً
۲۹۵	القادیانی ومعتقداتہ	ایضاً
۲۹۶	حرف محرمانہ	پروفیسر غلام جیلانی برق
۲۹۷	چراغ ہدایت	مولانا محمد چراغ
۲۹۸	قادیانی نبوت	مولانا عتیق الرحمٰن تائب
۲۹۹	قادیانی فتنہ	ایضاً
۳۰۰	تحفہ قادیانیت	مولانا محمد یوسف لدھیانوی
۳۰۱	قادیانی مسئلہ	مولانا مودودی
۳۰۲	احمدیہ تحریک	جعفر خان
۳۰۳	قادیانیت عدالت کے کٹہرے میں	جانباز مرزا

۳۰۴	تحریک ختم نبوت کا آخری باب	ایضاً
۳۰۵	مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک	ایضاً
۳۰۶	قادیانیت کا سیاسی تجزیہ	صاحبزادہ طارق محمود
۳۰۷	ثبوت حاضر ہیں	محمد متین خالد
۳۰۸	قادیانی راسپوٹینوں کا انجام	ایضاً
۳۰۹	علامہ اقبال اور فتنہ قادیانیت	ایضاً
۳۱۰	عدالتی فیصلے	ایضاً
۳۱۱	تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء	مولانا اللہ وسایا
۳۱۲	تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء (تین جلد)	ایضاً
۳۱۳	قادیانیت ہماری نظر میں	محمد متین خالد
۳۱۴	جو ختم نبوت پہ فدا تھے	طاہر عبدالرزاق
۳۱۵	ناموس رسالت کے پاسبان	ایضاً
۳۱۶	دفاع ختم نبوت	ایضاً
۳۱۷	شمع ختم نبوت کے پروانوں کی باتیں	ایضاً
۳۱۸	ربوہ کی پراسرار کہانیاں	ایضاً
۳۱۹	تحریک ختم نبوت	شورش کاشمیری
۳۲۰	کذبات مرزا	مولانا مخدوم عبدالواحد
۳۲۱	اقبال اور قادیانیت	پروفیسر خالد شبیر احمد
۳۲۲	تحریک ختم نبوت	ڈاکٹر بہاؤالدین
۳۲۳	تاریخ ختم نبوت	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
۳۲۴	تفاسیر قرآن اور مرزائی شبہات	مولانا شاہ عالم گورکھپوری

۳۲۵	فتاویٰ ختم نبوت (۳ جلد)	مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری
۳۲۶	ائمہ تلبیس	مولانا رفیق دلاوری
۳۲۷	الحق الصریح	مولانا محمد ابراہیم
۳۲۸	عقیدہ ختم نبوت اور قرآن مجید	ایضاً
۳۲۹	فتویٰ امام ربانی	مولانا عبدالحق بشیر
۳۳۰	آئینہ قادیانیت	مولانا اللہ وسایا
۳۳۱	قادیانی شبہات کے جوابات	ایضاً
۳۳۲	اقبال اور قادیانی	نعیم آسی
۳۳۳	ختم نبوت کتاب وسنت کی روشنی میں	مولانا محمد سرفراز خان صفدر
۳۳۴	توضیح المرام	ایضاً
۳۳۵	رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام	مولانا عبداللطیف مسعود
۳۳۶	قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف	مولانا محمد تقی عثانی، مولانا سمیع الحق
۳۳۷	مجاہدین ختم نبوت کی داستانیں	طاہر عبدالرزاق
۳۳۸	کاروان ختم نبوت کے چند نقوش	ایضاً
۳۳۹	جنہیں ختم نبوت سے عشق تھا	ایضاً
۳۴۰	شان خاتم النبیین	مولانا بدر عالم میرٹھی
۳۴۱	محمدیہ پاکٹ بک	مولانا عبداللہ معمار
۳۴۲	تازیانہ عبرت	مولانا کرم الدین (بھیں والے)
۳۴۳	عقیدۂ ختم نبوت	محمد اقبال لودھی جالندھری
۳۴۴	اقبال اور قادیانیت	بشیر احمد ایم اے
۳۴۵	قادیانیت مطالعہ جائزہ	مولانا ابوالحسن علی ندوی

۳۴۶	قادیانیت کا علمی ریمانڈ	مولانا تاج محمد (فقیر والی)
۳۴۷	تاریخی دستاویز	مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی
۳۴۸	ردقادیانیت	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۳۴۹	تفسیر صغیر کا تنقیدی جائزہ	مشتاق احمد چنیوٹی
۳۵۰	آئینہ قادیانیت	ایضاً
۳۵۱	ہم نے قادیان میں کیا دیکھا	طاہر عبدالرزاق
۳۵۲	ربوہ وقادیان جو ہم نے دیکھا	محمد متین خالد
۳۵۳	اہم پیش گوئیاں اوران کا جائزہ	مولانا محمد اقبال رنگونی
۳۵۴	مقیاس النبوۃ	مولانا محمد عمر اچھروی
۳۵۵	مرزائی حقیقت کا اظہار	مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی
۳۵۶	السیوف الکلامیہ	مولانا مفتی عبدالحفیظ
۳۵۷	ختم نبوت	مولوی شجاع الدین صوفی قادری
۳۵۸	ہدایۃ الرشید	سید محمد ولی اللہ قادری
۳۵۹	ہمارے استفسارات	قاری محمد تاج الدین قادری
۳۶۰	تکذیب مرزا	سید محمد ولی اللہ قادری
۳۶۱	ختم نبوت	مولانا محمد شریف کوٹلوی

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ قادیانیت کے خلاف قلمی جہاد کی سرگزشت ازقلم مولانا اللہ وسایا ناشر مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

قادیانیوں کے خلاف بین الاقوامی فیصلے
ماریشش کی عدالت کا فیصلہ

پیغمبری کا دعویدار مرزا غلام احمد کفر کی عدالتوں سے اس طرح کی ذلت کی رسوائی کے بعد ۱۹۰۸ء میں انتقال کر گیا۔ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کا یہ سب سے بڑا سہارا سمجھا جا رہا تھا کیونکہ مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے ۱۸۵۷ء میں برطانیہ کی امداد کی جبکہ وہ ہندوستانیوں کے مقابل صف آرا تھا جیسا کہ خود مرزا غلام احمد اپنی کتاب ''ستارۂ قیصرہ'' میں کہتا ہے:

> ''میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ مرحوم جنہوں نے سکھوں کے عہد میں بڑے بڑے صدمات دیکھے تھے۔ انگریزی سلطنت کے آنے کے ایسے منتظر تھے' جیسا کہ کوئی سخت پیاسا پانی کا منتظر ہوتا ہے اور پھر جب گورنمنٹ انگریزی کا اس ملک پر دخل ہو گیا تو اس وہ اس نعمت یعنی انگریزی حکومت کی قائمی سے ایسے خوش ہوئے کہ گویا ان کو ایک خزانہ مل گیا اور سرکاری انگریزی کے بڑے خیر خواں جاں نثار تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے ایام غدر ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑے بمعہ سواران بہم پہنچا کر سرکار انگریزی کو بطور امداد دیئے تھے۔''

پہلی جنگ عظیم کے بڑھتے ہوئے ابتدائی سائے جب برطانوی اقتدار کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے تو فرنگی شاطروں نے بطور حفظ ماتقدم بساط سیاست پر اپنے ڈھب کے مہرے بکھیر نے شروع کیے اور محکمہ جاسوسی کی ترتیب میں جن لوگوں کو شامل کیا گیا۔ ان میں قادیانی بھی شامل تھے۔ چنانچہ نوزائیدہ مملکت ماریشش کا ایک واقعہ میرے دعویٰ کے ثبوت میں پیش پیش ہے:

''ماریشش سے شائع ہونے والی ایک کتاب ''ماریشش میں مسلمان'' ردی مسلمان التماریئیس) میں'' قادیانی امت'' کے بارے میں ایک پورا باب ہے۔ کتاب کے مصنف جناب ممتاز عمریت نے بڑی محنت سے ماریشش کے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور خاص کر قادیانیوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے تکالیف کا سبب بن رہے ہیں۔ کتاب کا دیباچہ ماریشش کے وزیراعظم نے لکھا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ ہم اس کتاب سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ جس سے اس حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ مسلمانوں اور قادیانیوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا مسلمانوں اور عیسائیوں یا یہودیوں یا دوسرے مذاہب کا ہے۔''

ماریشش کا جغرافیائی پس منظر:

ماریشش دنیا کا سب سے خوبصورت جزیرہ ہے جو بحر ہند میں واقع ہے۔ یہ جزیرہ مڈغاسکر سے مشرق کی جانب ۵۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا رقبہ ۷۲۰ مربع میل اور آبادی سات لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ لمبائی میں یہ جزیرہ ۳۹ میل اور چوڑائی میں ۲۹ میل ہے۔ اس جزیرے میں اکثر طوفان اٹھتے ہیں جو جانی اور مالی نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ اس کا دارالخلافہ پورٹ لوئیس ہے جو جزیرے کے شمال مغرب میں بندرگاہ ہے۔ اس جزیرے میں مختلف ممالک کے باشندے آ کر آباد ہوتے رہے ہیں اور یہاں مختلف تہذیبیں گڈمڈ ہو کر کچھ اپنا ہی انداز اختیار کر گئی ہیں۔

یہاں کی آبادی میں ہندو ۴۸ فیصد' مسلمان ۱۶ فیصد' چینی ۳ فیصد اور باقی عیسائی ہیں۔ یہ جزیرہ زرعی پیداوار کے لحاظ سے خاصا مشہور ہے۔ یہاں گنے کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ ملک میں ۲۳ کارخانے شکر سازی کے ہیں اور ملک کے لیے زرمبادلہ کا انحصار بھی شکر پر ہے' دوسرے نمبر پر چائے اور تمباکو کی پیداوار ہے۔

ملک کے انتظامیہ امور میں ہندوؤں اور عیسائیوں کو بڑا دخل ہے۔ ہندو تو اب یہ کہنے لگے ہیں کہ جب برطانیہ بحر ہند سے اپنے بحری بیڑے کو واپس بلا لے گا (اور یہ کام ۱۹۷۱ء تک مکمل ہو

گا) تو وہ اس جزیرہ کا الحاق بھارت سے کرانے کے لیے پورا زور لگائیں گے۔ اس صورتحال سے ماریشش کے مسلمان خاصے پریشان ہیں۔ پچھلے دنوں عیسائیوں اور ہندوؤں نے ماریشش کے مسلمانوں پر قاتلانہ حملے کیے، بلوے ہوئے اور کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کی بستیوں کو نذر آتش کیا گیا ہے اور ان واقعات کا علم ہمیں لندن کی مسلم سوسائٹی کے تازہ بیان سے ہوا ہے۔ یہاں کے مشہور شہر اور قصبے یہ ہیں۔ رپورٹ لوئیس، کوری پائپ، کویڑی بورنز، روز ہل، دوکاز فونکس وغیرہ

ماریشش اور قادیانی امت:

جناب ممتاز عمریت اپنی کتاب کے چھٹے باب میں لکھتے ہیں۔

جزیرہ ماریشش میں قادیانیت کا تعارف ''ریویو آف ریلیجنز'' کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ جو قادیان سے شائع ہوتا تھا۔ یہ پرچہ ماریشش میں نور محمد ونورریا کے پاس جایا کرتا تھا۔ جو وہاں کے مذہبی رسالہ ''الاسلام'' کا مدیر تھا اور نور محمد و کے بارے میں قادیانیوں نے اس کے رسالہ ''الاسلام'' سے معلومات حاصل کیں، جو ماریشش سے تمام دوسرے ممالک میں بھیجا جاتا تھا۔ نور محمد و نے ۱۹۱۳ء میں قادیانیت اختیار کر لی اور اس کے عوض قادیانیوں نے اس کے پرچہ ''الاسلام'' کی ہزاروں کاپیاں خریدنا منظور کیں۔ ماریشش کا یہ پہلا مسلمان تھا، جو لالچ میں آ کر اپنا دین چھوڑ گیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم زوروں پر تھی، قادیان کے دو فوجی جو برطانوی فوج میں ماریشش پہنچے، چونکہ قادیانیوں کو ایک دوسرے کا علم ہوتا ہے۔ اس لیے ان فوجیوں نے نور محمد و سے ملاقات کی اور قادیانیت کے پھیلاؤ کے لیے پروگرام بنانے لگے۔

قادیانی مذہب سے تعلق رکھنے والے دو فوجی ماریشش پہنچے، ان میں سے ایک کا نام دین محمد اور دوسرے کا نام بابو اسمٰعیل خان تھا اور وہ سترہویں رائل انفنٹری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۱۵ء تک یہ فوجی اپنی تبلیغی کارروائیاں کرتے رہے، تا آنکہ ان کا تبادلہ نیروبی کی طرف ہو گیا۔ اس کے بعد ماریشش میں تبلیغی کام کے لیے قادیان سے مولوی غلام محمد بی اے کو بھیجا گیا، جس نے ۱۹۱۵ء میں نور محمد و سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا آغاز ہوا۔

ماریشش میں قادیانیوں کو اپنی تبلیغ میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ لوگ وہاں یہ بتاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حنفی (سنی) فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح کچھ لوگوں کو انہوں نے اپنے قریب کرلیا' لیکن جب ماریشش کے مسلمانوں کو اس بات کا علم ہوا' کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ماریشش کے عام مسلمان قادیانیوں کے خلاف ہو گئے' آج ماریشش میں مرزائیوں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے لیکن یہ ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے ۱۹۱۳ء میں قادیانیت قبول کی تھی۔ ماریشش کے مسلمانوں نے قادیانیوں کے خلاف سخت محاذ قائم کر رکھا ہے۔ قادیانیوں کے خلاف ماریشش میں محاذ قائم کرنے کا سہرا حضرت مولانا عبداللہ رشید نواب کے سر ہے۔ مولانا عبداللہ رشید نے ۱۹۱۷ء میں ایک نظم لکھی جس میں مرزا قادیان غلام احمد کے گھناؤنے کردار کو پیش کیا اور اس کا بڑا ہی اچھا اثر ہوا۔ اس نظم کی اشاعت کے فوراً بعد ماریشش کے مسلمان قادیانیوں کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ مسلمانوں نے قادیانیوں کی حقیقت کو بے نقاب کیا۔ اپنی مساجد کو ان کی دست برد اور ان کی ''تبلیغ'' سے محفوظ کیا جس طرح قادیانیوں نے اپنے ہاں مسلمانوں سے معاشرتی تعلقات منقطع کر رکھے تھے۔ اسی طرح ماریشش کے غیور مسلمانوں نے معاشرتی تعلقات منقطع کر رکھے تھے۔ اسی طرح ماریشش کے غیور مسلمانوں نے ان کا سوشل بائیکاٹ کیا اور اس طرح ملک بھر میں مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی' وہ قادیانی جو اپنے آپ کو سنی مذہب کے پیروکار بتاتے تھے پوری طرح بے نقاب ہو گئے اور ان کے لیے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے مواقع کم سے کم رہ گئے۔

جنگ عظیم اول اور قادیانیوں کی اسلام دشمنی:

۱۹۱۶ء میں جب جنگ زوروں پر تھی۔ ترک اور جرمنی کی سپاہ میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہی تھیں۔ برطانوی فوجیں درہ دانیال سے پسپا ہو رہی تھیں اس وقت ماریشش کے چند قادیانی ان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے تھے جو خلافت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے دل و جان سے حاضر تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے ماریشش کے دو مشہور مذہبی راہنماؤں اور قومی کارکنوں کو ملک بدر کیا' ان کے نام حافظ ابراہیم مال اور مولوی آیات اللہ تھے۔ مولوی آیات اللہ اور حافظ

ابراہیم مال جہاں قادیانیوں کے خلاف تقاریر کرتے تھے وہاں ترکوں کے لیے دعائیں بھی ان کی زندگی کا حصہ تھیں۔ چنانچہ ماریشش کے مسلمانوں نے ان مجاہدین کے ملک بدر ہونے کو قادیانیوں کی سازش ٹھہرایا اور اس کا معقول ثبوت ان کے پاس موجود تھا۔ اس واقعہ سے بھی قادیانوں کے خلاف مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے تھے۔ ماریشش کے مسلمان جنگ عظیم اول کے دوران نماز جمعہ کے بعد ''خلافت اسلامیہ'' کی حفاظت کی دعا کرتے تھے جبکہ قادیانی آج برطانیہ کی حفاظت کے لیے کام کررہے تھے۔ قادیانی کہتے تھے کہ ان کی خلافت ''قادیان'' میں ہے کسی اور کی خلافت سے ان کا کیا سروکار ہے' اور اسی لیے یہ لوگ برطانیہ کے ہمدرد ہیں کیونکہ برطانوی حکومت ہی اس امت کے قیام کا سبب بنی تھی۔ جنگ کے بعد ۱۹۱۹ء میں ماریشش کے مسلمانوں کو قادیانیوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مولوی آیات اللہ اور حافظ ابراہیم مال کے ملک بدر کیے جانے کے سلسلہ میں قادیانیوں کا ہاتھ نہیں تھا لیکن مسلمانوں نے قادیانیوں کی ایسی یقین دہانی کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

روز ہل مسجد کا قضیہ اور قادیانیوں کی شکست:

''روز ہل'' ماریشش کا ایک خوبصورت قصبہ ہے۔ یہاں ۱۸۶۳ء میں مسلمانون نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کی اور یہاں سے پورے علاقے کے مسلمان راہنمائی حاصل کرتے تھے' جب روز ہل کے علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو انہیں ایک اور مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ایک دیندار اور مخیّر مسلمان اسمٰعیل جیوا کی کوششوں سے یہ خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی۔ مسجد کی کمیٹی کا نام ''روز ہل مسلم مسجد کمیٹی'' قائم کی اور یہ کمیٹی وہاں کے مسلمانوں سے چندہ لے کر مسجد کا انتظام چلاتی تھی۔ ماریشش میں یہی ایک مسجد ایسی تھی جہاں دین کے مسائل پر سیر حاصل تقاریر ہوتیں اور جدید نظریت کی مخالفت ہوتی اور یہاں کے علماء عیسائیوں کی تبلیغ کا موثر جواب دیتے تھے۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات کے پھیلانے کا یہ مرکز تھا۔ چنانچہ یہاں سے قادیانیوں کے خلاف بھی آواز بلند ہوئی' قادیانیوں کا داخلہ مسلمانوں کی مساجد میں بند ہوا' ان سے معاشرتی تعلقات منقطع کرلیے گئے۔ کچھ قادیانی جو ''روز ہل مسجد'' میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مسجد پر قبضہ کرلیا

کیونکہ ان دنوں مسجد کا متولی حاجی ابراہیم سلیمان اچیا تھا' جو لالچی آدمی تھا اور قادیانیوں نے اسے پھانس لیا تھا جب مسجد کا جھگڑا شروع ہوا تو مسجد کی انتظامیہ میں ۱۲ قادیانی تھے اور ۵۰۰ مسلمان تھے۔ چونکہ متولی قادیانی تھا اس نے مسجد پر قبضہ جمالیا اور محاصرہ بند ہو گیا۔ حالات بگڑتے دیکھ کر مسجد کی انتظامیہ نے یہ جھگڑا ماریشش کی سپریم کورٹ کے سپرد کر دیا۔

ماریشش میں سب سے بڑا مقدمہ:

مسجد ''روز ہل'' کے مقدمہ کو تاریخ ماریشش کا سب سے بڑا مقدمہ کہا جاتا ہے' کیونکہ پورے دو سال تک سپریم کورٹ نے بیانات لیے' شہادتیں سنیں اور پہلی مرتبہ یہ فیصلہ دیا کہ

''مسلمان الگ امت ہیں اور قادیانی الگ۔''

یہ مقدمہ لڑنے کے لیے مسلمانوں اور قادیانیوں دونوں نے دوسرے ممالک سے مشہور وکلاء منگوائے۔ قادیانیوں سے مسجد واپس لینے کے سلسلہ میں روز ہل کے جن مسلمانوں نے کام کیا۔ ان میں محمود احساق جی' اسمٰعیل حسن جی' ابراہیم حسن جی قابل ذکر ہیں۔ یہ لوگ وہاں کے تجارتی حلقوں میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے جو مقدمہ دائر کیا اس کی بنیاد یہ تھی۔

دعویٰ:

''روز ہل کی مسجد جہاں مسلمانوں کے سنی (حنفی) فرقہ کے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ یہ مسجد انہوں نے تعمیر کروائی ہے اور مسلسل قابض چلے آرہے تھے۔ اس پر قادیانیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ جن کا تعلق امت اسلامیہ سے نہیں ہے۔ قادیانی ہم مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ ہمارے پیچھے ان کی نماز نہیں ہوتی ایسی صورت میں ان کو مسجد سے نکالا جائے۔''

چنانچہ ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء کو یہ مقدمہ دائر ہوا' قادیانیوں کے خلاف ۲۱ شہادتیں پیش کی گئیں اور ان شہادتوں میں مولانا عبداللہ رشید نواب کی شہادت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ نے عدالت عالیہ میں نہایت جرات' بیباکی سے قادنیوں کو بے نقاب کیا اور سینکڑوں کتب' اخبارات'

رسائل جو جرائد پیش کر کے عدالت کو باور کرانے کی کامیاب کوشش کی کہ قادیانی اور مسلمان الگ الگ امتیں ہیں۔ مرزا غلام احمد کی اپنی لکھی ہوئی کتب اور حوالے مولانا رشید نے پیش کیے۔ قادیانیوں کی طرف سے مولوی غلام محمد بی اے نے وکلاء کی مدد سے جواب دعویٰ تیار کیا۔ مولوی غلام محمد اس مقصد کے لیے خاص طور سے قادیان سے گیا تھا۔ مسلمانوں کے وکلاء میں مسٹر رولوڈ کے سی ای سویز ٔ کے سی اے اسفوف اور ای نیاریک شامل تھے' جبکہ قادیان کا وکیل مسٹر آر پزانی تھا۔

عدالت عالیہ کی کارروائی کے دوران ہزاروں مسلمان موجود ہوتے اور ملک میں پہلی بار یہ علم ہوا کہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں' بلکہ مسلمانوں کے بھیس میں اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو چیف جج سرائے ہر چیز وڈر نے یوں فیصلہ پڑھ کر سنایا۔

فیصلہ:

''عدالت عالیہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مدعا علیہ (قادیانی) کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ روزہل مسجد میں اپنی پسند کے امام کے پیچھے نماز ادا کریں۔ اس مسجد میں صرف مدعی (مسلمان) نماز ادا کر سکیں۔ اپنے اعتقادات کی روشنی میں۔''

اسی عدالت کے ایک دوسرے جج جناب ٹی اے روزبی نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا۔ اس فیصلے سے قادیانیوں کو بدترین شکست ہوئی۔ ان کی جھوٹی اور سیاسی نبوت کی قلعی کھلی' یہ لوگ بے نقاب ہوئے اور اس طرح ان کی تبلیغی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ روزہل کی مسجد پر دوبارہ مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور آج تک وہاں سے ''ختم نبوت'' کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔

آج سے ۵۰ سال پہلے ماریشش کے جن مسلمانوں نے قادیانیت کے خلاف محاذ قائم کیا تھا وہ اب ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کا کارنامہ جہاں رہتی دنیا تک قائم رہے گا وہاں وہ اللہ کے ہاں سرخرو بھی ہو گئے ہیں۔

ہفت روزہ ''المنبر'' [illegible] پور

۱۳ محرم ۱۳۹۸ھ

رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام دنیا بھر سے ۱۴۰ وفود کی مشترکہ قرارداد

(۱) اسلامی تنظیموں کی عالمی کانفرنس (موتمر المنظمات اسلامیه فی العالم) کی طرف اشارہ ہے۔ جو ۱۴ تا ۱۸ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ (اپریل ۱۹۷۴ء) رابطہ عالم الامی کے زیر اہتمام مکہ مکرمہ سعودی عرب میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں اور حکومتوں کے ۱۴۰ نمائندہ وفود شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس نے قادیانیوں کے بارے میں جو قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی تھی، وہ یہ ہے:

''قادیانیت یا احمدیت'' یہ ایک ایسا تخریبی گروہ ہے جو اپنے ناپاک مقاصد کو چھپانے کے لیے اسلام کا نام استعمال کرتا ہے۔ اس کے اسلامی تعلیمات کے منافی بنیادی امور یہ ہیں:

(۱) اس کے بانی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

(۲) یہ قرآن کریم کی آیات میں تحریف کرتے ہیں۔

(۳) یہ جہاد کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

قادیانیت، برطانوی سامراج کی پروردہ ہے اور یہ اسی کی حمایت اور سرپرستی میں ترقی کر رہی ہے۔ یہ امت مسلمہ کے مسائل اور معاملات میں خیانت کرتی رہی ہے اور سامراج اور صیہونیت کی وفادار ہے۔ قادیانیت، اسلام دشمن طاقتوں سے تعاون کرتے ہوئے اسلامی عقائد اور تعلیمات کو مسخ کرنے اور ان میں تحریف کرنے کے لیے ان کے آلہ کار کے طور پر کام کرتی ہے۔ ان مقاصد کے لیے قادیانیت یہ ذرائع اختیار کرتی ہے:

(ل) اسلام دشمن عناصر اور طاقتوں کی امداد سے ایسی عبادت گاہوں کا قیام، جن میں گمراہ کن قادیانی افکار کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(ب) سکول، ادارے اور یتیم خانے قائم کر کے لوگوں کو قادیانیت کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی تعلیم دینا۔ علاوہ ازیں قادیانی مختلف عالمی اور مقامی زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ تراجم کی اشاعت کرتے ہیں۔

ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ:

۱۔ تمام اسلامی تنظیمیں اس امر کا اہتمام کریں کہ قادیانیوں کی سرگرمیوں کو ان کے سکولوں' اداروں اور یتیم خانوں کے اندر محدود کیا جائے۔ نیز مسلمانان عالم کو ان کے ہتھکنڈوں سے بچانے کے لیے عالم اسلام کو ان کی حقیقت اور سیاسی سرگرمیوں سے آگاہ کیا جائے۔

۲۔ اس گروہ کے کافر اور اسلام سے خارج ہونے کا اعلان کیا جائے اور اسی وجہ سے مقدس مقامات میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔

۳۔ مسلمان' قادیانیوں یا احمدیوں کے ساتھ کوئی لین دین نہ کریں' نیز ان کا معاشی' سماجی اور تعلیمی بائیکاٹ کیا جائے' نہ ان سے شادی بیاہ کیا جائے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ ان سے ہر طرح کافروں جیسا برتاؤ کیا جائے۔

۴۔ تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ نبوت کے مدعی مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو روکیں اور انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دیں اور انہیں حکومت کی کلیدی اسامیوں پر تعینات نہ کریں۔

۵۔ قرآن کریم میں قادیانیوں کی تحریفات کی تصاویر شائع کی جائیں اور ان کے تراجم کا شمار کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے۔ نیز ان تراجم کی نشر و اشاعت کو روکا جائے۔

۶۔ اسلام سے منحرف ہونے والے تمام گروہوں سے قادیانیوں جیسا سلوک کیا جائے۔

رئیس علماء مولانا نور اللہ آفندی (ترکی) کا بیان

مسجد استنبول میں ایک عام اجلاس منعقد ہوا جس میں ملت ترکیہ کے ستر ہزار فرزندوں کے علاوہ پچاس کے قریب قائدین ملت نے بھی شرکت کی۔ نماز جمعہ کے بعد رئیس علماء حافظ نور اللہ آفندی نے ایک بصیرت افروز تقریر میں کہا:

''اس وقت دشمنان اسلام' ملت کے درمیان افراط و تفریط کا بیج بونے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہیں۔ میرے غیور بھائیو! میں فرقہ مرزائیہ کے دجل کا تار پود بکھیرنا چاہتا ہوں۔ اس فرقے کی ابتداء ہندوستان کے قصبہ قادیان سے ہوئی تھی۔ آج سے

چند سال قبل مرزا غلام احمد نامی ایک آدمی نے اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی فریب کاریوں سے اس نے ایسا اثر پیدا کیا کہ معدودے چند احمقوں نے اس کی بیعت کر لی اور اس کی نبوت کا اقرار کر لیا۔''

اس وقت حاضرین میں سے کسی نے مرزا غلام احمد کی لیاقت اور اس کے اقتدار کے متعلق سوال کیا۔ مقرر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''مرزا مذکور سرکاری دفتر میں معمولی اہلکار تھا' لیکن رفتہ رفتہ اپنی شاطرانہ چالوں اور فوق العادات ذکاوت فطری کی وجہ سے نبی کے رتبے تک جا پہنچا۔ اس نے اپنے گردوپیش کاسہ لیسوں کا ایک حلقہ بھی جمع کر لیا جو اس کی تائید وحمایت میں مضامین لکھتا تھا۔

اس نے ہندوستان کی موجودہ حکومت کی تائید واعانت کے بل بوتے پر وہاں کے مسلمانوں کو پریشان کرنا شروع کر دیا اور انہوں نے کفر والحاد کے فتویٰ چسپاں کرنے شروع کر دیئے۔ میں اور میرے رفقاء فرقہ مرزائیہ کی ایمان سوز سرگرمیوں کا دلچسپی سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ ترکی مدتوں شخصی حکومت کی زنجیروں میں جکڑ رہا اور جو ملوکیت کی نحوست دور ہوئی تو غیر مسلم اقوام نے اسے تباہ کرنے کے لیے اس پر یورش کر دی اور ہمیں آج تک کوئی موقع نہ مل سکا کہ ہم عوام کو باقاعدہ اس نئے فرقہ باطلہ کے حالات سے مطلع کریں اور انہیں بتا سکیں کہ اس فرقہ نے اغیار کی مدد سے شعائر اسلامی میں رخنہ اندازی کر کے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کس قدر کوشش کی ہے۔

میرے عزیز بھائیو! مرزائی نے قرآنی آیات کی ترجمانی میں بہت تحریف سے کام لیا ہے اور قرآنی آیات میں اپنے نام کو داخل کرنے کی کوشش کی ہے اس نے جہاد کو منسوخ کر دیا اور مکہ معظمہ کی بجائے حجاز کی عقیدت کا مرکز قادیان کو قرار دیا۔ وہ کلیم اللہ ہونے کا مدعی تھا اور عوام میں ہمیشہ یہ مشہور کرتا تھا کہ رات کو مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے' اس کا دعویٰ تھا کہ مجھ میں مسیح موعود کی تمام نشانیاں پائی جاتی ہیں' اس لیے مجھ پر ایمان لاؤ۔

مرزا کے مرنے کے بعد اس کے جانشین بدستور اس غلط راہ پر کاربند رہے۔ جو مرزا نے ان کے لیے تجویز کیا تھا' وہ لوگ ذلیل سے ذلیل حرکت کے ارتکاب سے نہیں ہچکچاتے۔ پچھلے دنوں تو انہوں نے مسلمانوں کی تحقیر اور حق شکنی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے سوا

روئے زمین کے تمام مسلمان کافر ہیں۔ مرزا کا جانشین بشیر الدین محمود اپنے آپ کو دنیا کا روحانی حکمران تصور کرتا ہے اور لوگوں سے کہتا ہے کہ میں اپنی بددعاؤں سے تمام عالم پر بیماریوں اور عذاب نازل کروں گا۔

میرے عزیز دوستو! یہ وہ ذلیل گروہ ہے جس نے جنگ عظیم میں ترکوں کی شکست پر خوشی کے شادیانے بجانے اور سکونت بغداد اور عربستان سے ترکوں کے اخراج کے موقع پر حکومت ہند کو ہدیہ تبریک پیش کیا۔ میں ترکوں سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی قوت کے مطابق اس فتنے کے انسداد کے لیے کوشاں ہوں گے۔

اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا:

اس تقریر کے بعد آلہ جہیر الصوت پر انگورہ سے جواب دیتے ہوئے اتاترک نے فرمایا:

''میں نے رئیس العلماء حافظ نور اللہ آفندی کی تقریر کو سنا ہے اور مجھے سخت رنج ہوا ہے۔ واقعی اغیار نے اسلام کو کھلونا سمجھ رہا ہے اور وہ ذلیل اور ناپاک طریقوں سے آئے دن ملت اسلامیہ پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اغیار اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ترکوں نے اسلامی تعلیمات کو ترک کر دیا ہے۔ اس لیے ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ وہ ہمارے فلاکت زدہ اور محکوم بھائیوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

مخالفین اسلام نے اسلامی تعلیمات کو تضحیک واستہزاء کا موضوع سمجھ رکھا ہے۔ اس وقت ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا پر ظاہر کر دیں کہ شوکت اسلام کے احیاء کے لیے ہم آج بھی آمادہ عمل ہیں۔

عزیز بھائیو! جب میں کروڑوں مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتا ہوں تو میرے دل میں ایک درد اٹھتا ہے۔

سبش! مسلمان یہ سمجھتے کہ غلامی ان کے مذہبی احکام کے خلاف ہے۔ ترکوں کو ملک گیری کی ہوس بالکل نہیں لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان غلامی کی قید سے نجات

پائیں اور اسلامی مقدسات پر کسی قسم کی آنچ نہ آئے۔ ہمارا فرض ہے کہ دنیا کے مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے ہمارے ہاتھ میں شمشیر دی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ

اتفاق امتی حجة قاطعة.

تم یہ خیال نہ کرو کہ ہندوستان کہاں اور ہم کہاں' بلکہ اس حدیث شریف پر عمل کرو کیونکہ مرد مجاہد کے لیے جغرافیائی حدود کی کوئی حقیت نہیں۔ تمہارے آباؤاجداد کبھی دریاؤں' پہاڑوں اور دشوارگزار راستوں سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔

میرے دوستو! اگر کوئی موقعہ آیا تو تم دیکھو گے کہ تحفظ ناموس اسلام کی راہ میں سر کٹانے کے لیے مجاہدین کی صف اول میں شامل ہوں گا۔ تمہیں اجازت ہے کہ تم فرقہ ضالہ قادیانیہ کے استیصال کے لیے ہر ممکن اور جائز ذریعے اختیار کرو۔ میں تمہیں کامیابی کی نوید دیتا ہوں۔

وكان حقا علينا نصر المومنين. (القرآن)

جلسے کا اہتمام:

غازی اعظم اتاترک کی تقریر کے بعد حافظ نوراللہ آفندی نے قوم کی طرف سے غازی اعظم کا شکریہ ادا کیا اور قادیانیت اور دوسرے فتنوں کے استیصال کے لیے ''انجمن مدافعہ حقوق مقدسہ اسلامیہ'' کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس انجمن کی تشکیل کے لیے یکم فروری ۱۹۳۵ء بروز جمعہ مسجد سلطان محمد فاتح میں مسلمانوں کا اجتماع ہوگا۔'' (ترک نامہ نگار)

(روزنامہ ''احسان'' لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۳۵ء)

میر عبدالرحمٰن والئی افغانستان کے نام مرزا غلام احمد کا خط

یہ خط کتاب ''سیرت المہدی'' (حصہ سوم) کے آٹھ صفحات پر مشتمل ہے' لیکن ہم اختصار کرتے ہوئے اس کے کچھ حصے درج کر رہے ہیں۔

''ہم خدا کا شکر کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ عاجز خدا کی پناہ لینے والے غلام احمد کی طرف سے بحضور امیر ظل سبحانی مظہر تفضلات یزدانی شاہ ممالک کابل بعد دعوت اسلام ورحمت و برکت کے ابعث اس خط لکھنے کا وہ فطرتی نسانی خاصہ ہے۔''

○

''اے شاہ کابل! اگر آپ آج میری باتیں سنیں اور ہماری مدد کے واسطے اپنے مال سے مستعد ہوں، تو ہم دعا کریں گے کہ جو کچھ تو خدا سے مانگے، وہ تجھے بخشے اور برائیوں سے محفوظ رکھے اور تیری عمر زندگی میں برکت بخشے اور اگر کسی کو ہمارے دعویٰ کی سچائی میں تامل ہو تو اس کو اسلام کے سچا ہونے میں تو کوئی تامل نہیں ہوگا۔''

○

''اے بادشاہ! اللہ تجھے اور تجھ میں اور تجھ پر اور تیرے لیے برکت دے۔ جان لیں کہ یہ وقت وقت امداد کا ہے پس اپنے واسطے ذخیرہ عاقبت جمع کر لیں کیونکہ میں آپ کو نیک بختوں سے دیکھتا ہوں، اگر اس وقت کوئی آپ کا غیر سبقت لے گیا تو بس آپ کا غیر سبقت لے گیا۔''

○

''اور اللہ کی قسم میں اللہ کی طرف سے مامور ہوں، وہ میرے باطن اور ظاہر کو جانتا ہے اور اسی نے مجھے اس صدی کے سر پر دین کے تازہ کرنے کے لیے اٹھایا ہے۔ اس نے دیکھا کہ زمین ساری بگڑ گئی ہے اور گمراہی کے طریقے بہت پھیل گئے ہیں اور دیانت بہت تھوڑی ہے اور خیانت بہت اور اس نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دین کے تازہ کرنے کے لیے چن لیا اور اس نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دین کے تازہ کرنے کے لیے چن لیا اور اس نے اس بندہ کو اپنی عظمت اور کبریائی اور اپنے کلام کا فارم بنایا اور خدا کے واسطے خلق اور امر ہے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے روح نازل کرتا ہے۔ پس خدا کے کام سے تعجب مت کرو اور اپنے رخساروں کو بدظنی کرتے ہوئے اونچا نہ اٹھاؤ اور حق کو قبول کرو اور سابقین میں سے بنو۔''

○

''تحقیق خدا تمام عالم پر فضل کرنے والا ہے' اس نے ایک اپنے بندہ کو اپنے وقت پر بطور مجدد پیدا کیا ہے' کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتے ہو اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

○

''پس جو کوئی قرآن پر ایمان رکھتا ہے' اور خدا کے فضل کی طرف رغبت کرتا ہے۔ پس سے لازم ہے کہ میری تصدیق کرے اور بیعت کرنے والوں میں داخل ہو اور جس نے اپنے نفس کو میرے نفس سے ملایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ کے نیچے رکھا اس کو خدا دنیا میں اور آخرت میں بلند کرے گا اور اس کو دونوں جہانوں میں نجات دینے والا بنائے گا۔''

الملتمس: عبدالصمد غلام احمد

○ ماہ شوال ۱۳۱۳ھ

یہ خط جب والئی افغانستان کو پہنچا تو انہوں نے اس خط کے جواب میں اسی کی پشت پر لکھ دیا:...... ''ایں جا بیا''

اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتا ہے کہ جب میں نے یہ خط بغرض اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

''کچھ عرصہ ہوا' خواجہ حسن نظامی صاحب نے شائع کیا تھا کہ ایک دفعہ مرزا صاحب نے امیر کابل کو ایک دعوتی خط لکھا تھا جس پر اس نے جواب دیا کہ لکھ دو...... ''ایں جابہ آ''...... یعنی اس جگہ افغانستان میں آ جاؤ۔''

خاکسار (بشیر احمد ایم اے) عرض کرتا ہے کہ یہ جواب حضرت مسیح موعود کو تو نہیں پہنچا' لیکن اگر یہ بات درست ہے تو اس سے امیر کابل کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم انگریزی حکومت میں آرام سے بیٹھے یہ دعویٰ کر رہے ہو اور انگریزی حکومت کو سراہ رہے ہو اگر میرے ملک میں آؤ تو پتہ چل جائے۔''

(''سیرت المہدیٰ'' حصہ سوم ص ۸۶)

وزارت داخلہ شام کی کارروائی:

اس کے علاوہ مفتی اعظم جمہوریہ شام نے صدر کابینہ جمہوریہ شام کے نام ایک خط میں ان کے مراسلہ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء کا جواب دیتے ہوئے جو سفارشات کیں۔ ان کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''حوالہ ۶۰۶۔۵۵ بتاریخ ۲۱۔۳۔۷۷ھ مطابق ۱۵۔۱۰۔۱۹۵۷ء بنام صدر کابینہ

آپ کے نوٹ نمبر ۱۰۳۹۳۔۲۵۹۷ مورخہ ۱۰۔۱۰۔۱۹۵۷ء کے جواب میں جو وزارت داخلہ کے خط پر مندرجہ تھا اور جس میں دمشق میں قادیانی جماعت کے کوائف کے متعلق رائے طلب کی گئی تھی۔

ہم اس سے پہلے ہم وزارت داخلہ سے (بتاریخ ۲۸ گست ۱۹۵۶ء بموجب عریضہ نمبر ۳۸۹۰۔۳۵۲ جس کی کاپی مع اس مراسلت کے جو ہمارے اور عدالت زیریں کے درمیان ہوئی تھی منسلک ہے) مطالبہ کر چکے ہیں کہ چونکہ قادیانی فرقہ دین اسلامی کے احکام کے خلاف شعائر انجام دیتا ہے۔ اس سے قبل اس کے کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے۔ اس فرقہ کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے اور ان کے تمام زاویوں (مراکز) کو محکمہ اوقاف کے حوالے کر دیا جائے۔

قادیانیوں کے عقائد وافکار کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان کے عقائد سراسر باطل ہیں۔ لہٰذا ہم ہمراہ عریضہ قادیانیوں کے متعلق اپنا شرعی فتویٰ ارسال کر رہے ہیں۔

ہم متوقع ہیں کہ یہ عریضہ متعلقہ بااختیار اداروں تک پہنچا کر اس بارے میں ضروری قانون کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ نیز ہمیں اس کارروائی کے نتیجہ سے آگاہ کیا جائے گا۔

دستخط مفتی اعظم جمہوریہ شام

انسپکٹر جنرل پولیس کا اعلامیہ:

وزارت داخلہ کی ضروری کارروائی کے بعد حکومت شام نے انسپکٹر جنرل پولیس کو بذریعہ تار اپنے فیصلہ سے مطلع کیا' جس کی بناء پر انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''یہ اعلامیہ دمشق سے ۲۷ مارچ ۱۹۵۸ء کو جاری ہوا۔ حوالہ ۱۲۱ھ نوٹیفکیشن نمبر ۱۵۸۱ ب (بموجب تعمیل برقیہ نمبر ۲۳۳۔ ب س بتاریخ ۵۸۔۳۔۲۵)

بروئے نوٹس ہذا لازم ہے کہ فرقہ احمدیہ (قادیانیہ) کی سرگرمیوں پر قدغن لگائی جائے۔ ان کے مراکز پر چھاپے مار کران کی تمام املاک قبضہ میں کر لی جائیں اور انہیں اوقاف اسلامیہ کے محکموں کی تحویل میں دے دیا جائے اور ان کے قبضہ سے جو ایسے کاغذات برآمد ہوں' جو فتویٰ شرعی کے صدر اور ہمارے اعلامیہ کے اجراء کے بعد کسی سرگرمیوں کی نشاندہی کرتے ہیں وہ ہم تک پہنچائے جائیں۔

دمشق ۵۸۔۳۔۱۹ء

العقیدہ محمد الجراح انسپکٹر جنرل پولیس

بنام: (۱) ضلعوں (محافظات) کے تمام ذیلی مقام

(۲) عام پبلک اور تحفظ امن پولیس کے ملازمین

اخبارات میں اعلان:

پولیس کی کارروائی سے قبل وزارت داخلہ کے احکام کے تحت محکمہ اوقاف نے جو کارروائی کی' وہ اخبار ''العصر'' شمارہ ۳۹۴۸ مورجہ ۴ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۴۔۳۔۵۸ء میں شائع ہوئی درج ذیل ہے۔

قادیانی مرکز کو سربمہر کر دیا گیا:

گزشتہ جمعرات کو محکمہ اوقاف نے قادیانی مرزا کو جو محلہ شاغور گلی المزاز میں واقع ہے بند کر

دیا ہے اور وزارت داخلہ کے فرمان کے بموجب اس کی تمام املاک کو ضبط کرلیا ہے اس زاویے کا انچارج ایک قادیانی مبلغ منیر الحصنی ہے۔ زاویے میں قادیانی جماعت کے پیرو اپنے اجتماعات منعقد کرتے تھے اور اپنی مخصوص نمازیں ادا کرتے تھے۔ اب اس زاویہ کی جملہ املاک ضبط کر کے انہیں محکمہ اوقاف کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔

قادیانیوں کی سرگرمیوں میں قدغن لگانے کے لیے دمشق کے بعض علماء نے عدالت میں متعدد درخواستیں دائر کی تھیں، جن میں اس جماعت کے عقائد کے بطلان اور اس کی متعدد سرگرمیوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔

مفتی اعظم شام کا اظہار اطمینان:

قادیانیوں پر اس پابندی کے بعد مفتی اعظم شام نے پریس کے نام ایک بیان جاری کیا جو اخبار النشا مور کہ ۱۳۔۲۔۱۹۵۸ء شمارا۱۱ ۵۰ میں شائع ہوا ہے، جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''ابوالیسر عابدین مفتی اعظمؒ جمہوریہ شام نے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا ہے۔

احمدی مرکز واقع محلہ شاغور کو بند کر دینے کے بعد اب شام میں تمام ایسے مذاہب کی جو دراصل اسلام سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے مگر اپنے اوپر اسلام کا لیبل لگا کر اندر گھس آئے ہیں ''کلیتہً'' بیخ کنی کی جا چکی ہے۔ مقام حرستا میں طہ ابوالورد کا مذہب اور اسی طرح حرستا اور زبدانی کے ذیل دیہات میں شیخ طعمہ کے مذہب کا بھی خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

مفتی اعظم نے اس اقدام کی توجیہہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ مذاہب محض اسلام کو منہدم کرنے اور مسلمانوں کی وحدت واجماع کو پارہ پارہ کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں موخرالذکر دونوں مذاہب کے پیرو ایسی نازیبا حرکات کا رتکاب کرتے ہیں جن کی اسلام میں صریح حرمت ہے۔ مثلاً عورتوں کے ساتھ کھلم کھلا اختلاط رکھتے ہیں اور ننگ دھڑنگ پھرتے رہے ہیں...... چنانچہ ان کے بعض پیرو اپنی ہی فحش حرکات کی بناء پر جیلوں میں بھی جا چکے ہیں۔

توقع ہے کہ مفتی اعظم چند دنوں میں شام کے تمام علاقوں کا دورہ کر کے حالات کا جائزہ لیں گے۔

تفصیلات

جن صاحب نے یہ دستاویزات ارسال کی ہیں' انہوں نے شیخ عادل دادا سے بھی ملاقات کی۔ شیخ صاحب اس کمیٹی کے ایک ممبر تھے جو قادیانیوں کی ضبط شدہ املاک کی نگران مقرر ہوئی تھی۔ شیخ صاحب نے ان واقعات کی تصدیق کی۔ ان صاحب نے قادیانی مبلغ منیر الحصنی سے بھی ملاقات کی۔ منیر الحصنی نے ان واقعات کی تصدیق کی اور مزید بتایا کہ میں نے وزارت اوقاف اور وزارت داخلہ کی اس کارروائی کے خلاف عدالت عدلیہ میں ایک نالش دائر کر دی ہے جس کا نمبر ۱۲۱ ہے۔ عدالت عالیہ نے درخواست پر فوری کارروائی کرنے کی بجائے اسے التوا میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ میں نے صدر جمال عبدالناصر کے نام اس سلسلے میں ایک عرضداشت لکھی اور اس کے ہمراہ تین کتابیں ''المودودی فی المیزان'' ''ابن عربی وبقاء النبوہ'' اور ''فلسفہ الاصول الاسلامیہ'' بھی صدر کے نام ارسال کر دیں۔ ہمارے خبررداں ذریعہ نے مزید بتایا ہے کہ منیر الحصنی نے عدالت عالیہ میں جو درخواست واپسی املاک پیش کی ہیں وہ صرف اس بنیاد پر مبنی ہے کہ شاغور کا زاویہ منیر الحصنی کی شخصی ملکیت ہے۔ اس لیے یہ واپس کیا جائے۔

مفتی اعظم شام کا فتویٰ

شام کے عوام قادیانیوں کے بارے میں ازحد پریشان تھے۔ چنانچہ مفتی اعظم شام نے (اپنی سرکاری حیثیت میں) اپنے فتویٰ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا۔ یہ فتویٰ وزارت داخلہ کے خط مورخہ ۱۰ اکتوبر ۵۷ء کی بنیاد پر تھا۔ ان کے فتویٰ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

نقل فتوےٰ شیخ ابوالیسر عابدین مفتی اعظم جمہوریہ شام

الحمد للہ تعالیٰ

چونکہ فرقہ قادیانیہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہیں تسلیم کرتا جس سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''خاتم النبیین'' کی مخالفت لازم آتی ہے' نیز دین اسلام کے بیشتر عقائد کا منکر ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی ان کے عقائد اختیار کرے گا۔ میں اس کے کفر کا فتویٰ دیتا ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔''

دمشق ۱ء۔۳۔۷۷ ۱۳ھ۔ دستخط مفتی اعظم

مطابق ۱۵۔۱۰۔۱۹۵۷ء جمہوریہ شام

گیمبیا میں بھی قادیانیوں کو کافر قرار دیا گیا

افریقی ملک جمہوریہ گیمبیا کے صدر یحییٰ ابوبکر نے مرزا قادیانی اور اس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا ہے۔ مرزا ناصر نے جب افریقی ملکوں کا دورہ کیا تھا تو وہاں بڑی گمراہی پھیلی تھی۔ اس کے دورہ کے اثرات کی تلافی کے لئے فضیلت الشیخ مولانا عبدالحفیظ مکی اور سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی نے گیمبیا کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ اُن کے مسلسل دوروں کے نتیجہ میں حکومت گیمبیا نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

(دیکھئے روزنامہ نوائے وقت لاہور 19 دسمبر 1997ء)

حکومت ملائیشیا کا فیصلہ

یکم نومبر ۱۹۸۲ء کو صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق بیرونی ممالک کے دورے پر تھے، جس دن آپ نے ملائشیا پہنچنا تھا۔ ملائشیا کی حکومت نے قبل ازیں مرزائیوں کے بارے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا جو حسب ذیل ہے۔

ملائشیا کے نائب وزیر اعظم موسیٰ تہام نے مرزائیوں کو کافر قرار دیتے ہوئے کہا۔

۱۔ ملائشیا کے آئین میں بصراحت موجود ہے کہ جو شخص مسلمان نہیں اسے ملائشیا کی مسلم شہریت کہلانے کا حق نہیں اور نہ ہی مسلمان جیسی سرگرمیوں کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۲۔ جو لوگ مرزائی فرقہ کے کسی گروہ سے اپنا تعلق قائم کریں گے ان کی ملائشیا کی شہریت ختم کر دی جائے۔

۳۔ موسیٰ تہام نے ایک مسجد کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ مرزائی فتنہ ملک بھر میں سرطان کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ حکومت اس کے سد باب کے لیے ضروری اقدام کر رہی ہے۔

۴۔ دوسرے ملکوں سے آکر ان کی بڑھتی ہوئی تعداد اور سرگرمیوں پر مسلمانوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ علماء کرام نے مرزائیوں کو متفقہ طور پر کافر قرار دیا ہے۔

۶۔ نائب وزیر اعظم نے بھی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ دیگر ممالک کی طرح ملائشیا میں بھی

مرزائیوں نے آپریشن شروع کردیا ہے اور روز بروز ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہورہا ہے جس کا تدارک ضروری ہے۔

(جنگ ۴ نومبر ۱۹۸۲ء بحوالہ لولاک)

اب دیکھیے کہ ہماری مسلمان حکومت اس غیر مسلم اقلیت اور ملک وملت کے بدخواہ گردہ سے آسامیوں کو کب پاک کرتی اوران کی ناز برداریوں سے کب دست کشی اختیار کرتی ہے۔

(۱۹۸۲) مرزائیوں کے خلاف جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ کا فیصلہ

جس کی رو سے مرزائی مسلمانوں کے قبرستان میں اپنے مردے دفن نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ازقلم مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد گوجرانوالہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وعلى اصحابه الذين اوفو عهده.

جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ کا فیصلہ

۱۹۸۷ء کو انجمن احمدیہ لاہور کی ایک ذیلی شاخ جنوبی افریقہ میں انجمن اشاعت اسلام کے نام سے موجود ہے۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف کیپ ٹاؤن کے سپریم کورٹ میں دعویٰ کردیا ہے۔ یہ دعویٰ مسلم تنظیموں کے راہنماؤں' مساجد کے امام' مسلم قبرستان کے نگران میں سے کچھ افراد کے خلاف تھا۔

مقدمہ حسب ذیل تین نکات پر مشتمل تھا۔

۱۔ ہم مسلمان ہیں لیکن مسلمان ہمیں مرزا غلام احمد کے پیروکار ہونے کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں جس سے ہمارے جذبات مجروح اور ہماری ہتک ہوتی ہے۔ پاکستان میں

سنی اکثریت نے پارلیمنٹ کے ذریعہ ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا اور ہمیں دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے مسلمان بھی ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے یہاں کے مسلمانوں سے ہمیں ہرجانہ دلایا جائے اور انہیں مستقل طور پر روک دیا جائے کہ ہمیں اپنی تقریر و تحریر میں کافر نہ کہیں۔

۲۔ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے جہاں ہر مسلمان کو حق ہے کہ وہ اس میں نماز پڑھے لیکن ہمیں مسلمان اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں' ہم بھی آخر مسلمان ہیں۔ سنی مسلمانوں کو پابند کر دیا جائے کہ وہ ہمیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہ روکیں۔

۳۔ مسلمان اپنے قبرستانوں میں ہمیں اپنے مردے دفن کرنے نہیں دیتے۔ انہیں مستقل طور پر اس سے بھی روک دیا جائے کہ ہمیں مسلمانوں کے مخصوص قبرستانوں میں اپنے مردے دفن کرنے سے منع نہ کریں۔

جنوبی افریقہ میں عدالتی طریقہ کار کچھ ہم سے مختلف ہے۔ وہاں مقدمہ داخل کرنے سے قبل اگر کوئی اپنی مختصر شکایت پیش کرے اور ساتھ ہی حلفیہ بیان داخل کرائے تو عبوری طور پر حکم امتناعی حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مرزائیوں نے مندرجہ بالا نکات ثلاثہ پر درخواست دے کر عبوری طور پر حکم امتناعی عدالت سے حاصل کر لیا جس کی توثیق کے لیے پہلے چھ اگست ۸۲ء اور پھر ۹ ستمبر ۸۲ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔

جنوبی افریقہ کی مسلم تنظیموں نے رابطہ عالم اسلامی' مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان سے اس سلسلہ میں رابطہ پیدا کیا چنانچہ رابطہ اور مجلس کی طرف سے مقتدر علماء' ماہر وکلاء' وقت پر کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ پہنچ گئے۔ وفد کے نوارکان حسب ذیل ہیں۔

مولانا تقی عثمانی' مولانا عبدالرحیم اشعر' مولانا زین العابدین' سابقہ اٹارنی جنرل حاجی شیخ غیاث محمد' سید ریاض الحسن گیلانی' انور احمد قادری ایڈوکیٹ' رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے مولانا ظفر احمد انصاری' جسٹس ریٹائرڈ محمد افضل چیمہ' پروفیسر رشید احمد' مولانا منظور احمد چنیوٹی' علامہ ڈاکٹر محمود یہ وفد کراچی سے نیروبی (کینیا) وہاں سے ایل ایم کے طیارے کے ذریعہ وہاں پہنچ گیا۔

جہاں اس وفد کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ بلند پایہ دارالعلوم کے ایک خوبصورت ہوسٹل میں ان کا قیام ہوا۔

مقامی وکلاء جو مقدمہ سے متعلق تھے' ان کی وفد سے ملاقات ہوئی۔ تبادلہ خیالات کے بعد مقدمہ کی نوعیت' اس کے مدوجزر' مقامی قانون وضوابط سے مقامی وکلاء نے پاکستانی وفد کو آگاہ کیا اور پاکستانی وفد نے مرزائیت کی حقیقت' عقائد ونظریات' مرزا غلام احمد کے دعویٰ بدکلامی کا پردہ چاک کیا اور مقدمہ کے مندرجات میں حوالہ جات سے مدد کی۔ فیصلہ ہوا کہ مقامی وکلاء کی ٹیم کے قائد جناب اسماعیل محمد ایڈووکیٹ متکلم ہوں گے۔ دیگر احباب ممدومعاون ہوں گے۔

مرزائی وکلاء:

مرزائیوں کی طرف سے وکلاء کی جو ٹیم مقدمہ کی پیروی کر رہی تھی۔ وہ تمام یہودی تھے اور ان کا قائد سپریم کورٹ کا سابق جج مسٹر ینگ تھا۔ مرزائی ان کے مدد تھے۔ یہ بات بھی مشہور تھی کہ ان کی معاونت چوہدری سر ظفر اللہ کر رہے ہیں۔

یہودی:

جنوبی افریقہ بڑا متمول ملک ہے۔ ہیرے' جواہرات' لوہے' سونے اور کوئلے کی کانیں نجی ملکیت ہیں اور تمام یہودی مالک ہیں۔ مرزائیوں اور یہودیوں کا رشتہ آپس میں بڑا گہرا اور مضبوط ہے کہ یک مقاصد کے حامل ہیں۔ اگر انہیں توام بہنیں (جڑواں بہنیں) کہہ دیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کا پریس یہودیوں کے اثر میں ہے اور اس کا جھکاؤ مرزائیوں کی طرف رہتا ہے۔

کارروائی کا آغاز:

۹ ستمبر صبح دس بجے عدالت نے اپنی کارروائی شروع کی تو کارروائی سننے کے لیے مسلمانوں کا اتنا ہجوم ہوگیا کہ کمرہ عدالت اپنی کم دامنی کا اظہار کرنے لگا۔ عدالت نے کمرہ بدلا لیکن وہاں بھی کمرہ معہ گیلری کھچا کھچ بھر گیا اور اکثر لوگوں کو وہاں بھی کھڑے ہی رہنا پڑا اور اس حالت میں کارروائی سنتے رہے۔

مرزائی وکیل:

مسٹر رینگ نے حکم امتناعی کی توثیق کے لیے دلائل پیش کرنے سے قبل ایک درخواست پیش کی کہ مقدمہ انجمن اشاعت اسلام کی طرف سے پیش کیا گیا تھا لہٰذا اس میں (ایک شخص) مسٹر پیک کو بھی فریق مقدمہ بنایا جائے۔ یہ ایک کمزوری تھی جو دعویٰ دائر کرتے وقت رہ گئی تھی کہ مدعی اشاعت اسلام ہی تھی، نہ کوئی ذی روح انسان، انجمن نہ ذی روح تھی، نہ یہ عزت وہتک کی دعویدار ہو سکتی، نہ کسی مسجد میں داخل ہونے یا قبرستان میں دفن ہونے کا مطالبہ کرسکتی ہے تو حکم امتناعی آخر کسے دیا جائے۔ اس منطقی غلطی کو پر کرنے کے لیے مرزائی وکیل نے مسٹر پیک کو فریق بنانے کی درخواست پیش کی۔

جج:

سپریم کورٹ کے ججوں میں ایک عیسائی عورت بھی تھی یہی اس کیس کی سماعت کررہی تھی۔

عدالت:

جج نے اس سلسلہ میں مسلمان وکیل سے پوچھا کہ آپ کا اس درخواست کے بارے کیا خیال ہے اور کیا کہنا چاہتے ہیں۔

مسلمان وکیل:

جناب اسماعیل محمد نے کہا کہ یہ درخواست ہمارے نزدیک سخت قابل اعتراض ہے اب تک جو کارروائی ہوئی وہ انجمن کی درخواست پر ہوئی اور اس کی جواب دہی کے لیے تیاری کی گئی ہے لہٰذا اس نئے شخص کو فریق بنانا ہمارے نزدیک انصاف کے خلاف ہے۔

عدالت:

سپریم کورٹ کے جج نے مرزائیوں کی اس درخواست کو مسترد کرتے ہوئے مرزائی وکیل مسٹر رینگ کو دلائل پیش کرنے کے لیے کہا۔

مرزائی وکیل:

مسٹر رینگ نے کہا کہ مرزائی مسلمان ہیں۔ توحید' رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مرزائیوں) کو کافر کہے یا کافر قرار دے یا انہیں مسجد میں داخل نہ ہونے دے یا قبرستان میں دفن ہونے سے روکے۔ مرزائی وکیل یہی رٹ لگاتا رہا۔

عدالت:

جج عورت بار بار ٹوکتی رہی کہ میرے فرائض میں یہ نہیں بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ آپ حکم امتناعی کے حقدار بھی ہیں یا نہیں۔

مرزائی وکیل:

جناب عالی جب ہم مسلمان ہیں تو پھر ہمیں کیوں روکا جا رہا ہے۔

عدالت:

جب آپ نے خود اعتراف کیا ہے کہ سالہا سال سے مسلمان آپ کو غیر مسلم سمجھتے آئے ہیں اور آپ کو سالہا سال سے ہی اپنے قبرستانوں میں دفن کرنے نہیں دیا گیا تو آج کونسی ہنگامی ضرورت پیش آ گئی ہے جس کی بناء پر اچانک آپ نے حکم امتناعی حاصل کرنے کی درخواست کر دی ہے۔

مرزائی وکیل:

مسٹر رینگ اپنی طویل بحث میں اس سوال کا تو کوئی جواب نہ دے سکے لیکن اس خیال کا اظہار کیا کہ جناب ہماری ہنگامی ضرورت یہ ہے کہ اگر حکم امتناعی جاری نہ ہوا اور کیپ ٹاؤن کے علماء و مشائخ کو ہمیں کافر کہنے سے نہ روکا گیا تو ہمارے گھر برباد ہو جائیں گے۔ احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان عام نکاح کے رشتے ٹوٹ جائیں گے۔[1]

[1] مرزائی وکیل کا یہ کہنا ایک فریب تھا کیونکہ مرزا غلام احمد مرزائی اور مسلمان کے باہمی رشتہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔

عدالت:

اس پر جج نے کہا کہ ریکارڈ پر تو کوئی بھی ایسا واقعہ موجود نہیں کہ کسی احمدی کا غیر احمدی سے نکاح ثابت ہو۔

مرزائی وکیل:

مسٹر رینگ نے کہا جناب اس بات کے ریکارڈ پر ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کو اس بات کا جوڈیشل نوٹس لینا چاہیے کہ مسلمان' مسلمان سے نکاح کرتا ہے۔ احمدی چونکہ مسلمان ہیں اس لیے ان کے آپس میں ضرور نکاح ہوئے ہوں گے۔

عدالت:

اس پر جج نے برجستہ کہا کہ آپ یہ چاہتے ہیں اس طرح آپ کے مسلمان ہونے کا پہلے ہی فیصلہ کر دوں اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ آپ کے نکاح کا جوڈیشل نوٹس لوں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

مرزائی وکیل:

مسٹر رینگ نے اس پر اصرار کیا۔

عدالت:

جج نے کہا میرا جوڈیشل پہلو تو یہ ہے کہ مسلمان' مسلمان سے نکاح کرتا ہے اور احمدی احمدی سے نکاح کرتا ہے۔ غرضیکہ یہ سارا دن اس بحث میں ختم ہوا۔ مرزائی وکیل بار بار انہیں باتوں کو دہراتا رہا' پونے چار بجے یہ دلائل ختم ہوئے جبکہ پندرہ منٹ عدالت کا وقت ختم ہونے میں باقی رہ گئے تھے۔

عدالت:

جج نے اب مسلمان وکیل اسماعیل محمد کو اپنے دلائل پیش کرنے کی دعوت دی۔

مسلمان وکیل:

اسماعیل محمد نے پندرہ منٹ میں اپنے نکات کا خلاصہ نہایت موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے اپنی تحریری بحث دائر کر دی اور جوابی بحث کا کچھ خاکہ پیش کیا تو عدالت کا وقت ختم ہو گیا اور کارروائی ۱۰ ستمبر بروز جمعہ تک ملتوی ہو گئی۔

تعارف:

اس دوران اسماعیل محمد نے عدالت کو پاکستانی وفد کا تعارف کرایا کہ یہ وکلاء اور جید علماء اس مقدمہ کی پیروی کے لیے پاکستان سے تشریف لائے ہیں۔

مسلمانوں کی تحریری بحث کے اہم نکات:

نمبر ایک کسی نبی کی امت میں شامل ہونے یا خارج ہونے کا بنیادی معیار اس نبی کی تعلیمات پر ایمان لانے کے ساتھ اس کے آخری نبی ہونے پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جس طرح سچے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ ان کو آخری نبی بھی مانتے ہیں۔ جو عیسائی حضرت محمد ﷺ کی امت میں داخل ہو جاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی مانتا ہے وہی عیسائی رہتا ہے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی امت میں شامل ہونے کے لیے بھی دو ہی امور لازمی ہیں۔

(الف) آپ کی نبوت پر ایمان لانا...... (ب) آپ کو آخری نبی تسلیم کرنا۔

۱۔ جو شخص آپ کی نبوت کے بعد کسی اور پر ایمان لے آئے وہ امت مسلمہ سے خارج ہو جائے گا یہ وہ اصول ہے جو کسی صورت میں کوئی معقول آدمی جھٹلا نہیں سکتا۔

۲۔ مرزا غلام احمد کی اپنی شائع شدہ کتابیں موجود ہیں۔ جن میں واضح اور غیر مبہم صاف سیدھے الفاظ میں اس نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور واضح طور پر کہا ہے کہ اس پر وحی کی بارش ہوتی ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے اور جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیے۔ لہٰذا خود مرزا غلام احمد اپنے موقف کے علاوہ کسی مسلمان سے تعلق نہیں رکھتا وہ خود مسلمان کو کافر قرار دیتا ہے۔ اسلام کا مسلمہ حکم ہے جو کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود مسلمان نہیں رہ سکتا۔

۳۔ مرزائیوں کے دونوں گروپ اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا غلام احمد کو کافر کہنے والے خود کافر ہیں۔ لاہوری گروپ انجمن احمدیہ کے سربراہ مولوی محمد علی کتاب "ردتکفیر اہل قبلہ" میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ غلام احمد کو کافر قرار دینے والا یقیناً کافر ہے۔اس طرح مسلمانوں کے سب فرقے مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت کی وجہ سے کافر قرار دیتے ہیں۔ جب مرزائیوں کے نزدیک مسلمان کافر ٹھہرے اور مسلمانوں کے نزدیک مرزائی کافر قرار پائے تو یقیناً وہ مسلمانوں کے گروہ سے علیحدہ گروہ بن گئے۔

۴۔ حکم امتناعی کا مطلب صورتحال کو جوں کا توں رکھنا ہوتا ہے کہ صورتحال بدل نہ جائے۔ اس عدالت سے انہوں نے جو حکم امتناعی حاصل کیا اس سے صورتحال جوں کی توں رہنے کی بجائے بالکل بدل جاتی ہے۔ مسلمان ایک صدی سے مرزائیوں کو کافر قرار دیتے آئے ہیں' مسلمانوں نے انہیں کبھی بھی مسجدوں میں داخل نہیں ہونے دیا' نہ ہی کبھی اپنے قبرستانوں میں مرزائیوں کو اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دی۔ لہٰذا اس مقدمہ میں حکم امتناعی حاصل کرتے وقت انہوں نے عدالت کے سامنے صحیح صورتحال پیش نہیں کی ورنہ فاضل عدالت سے حکم امتناعی حاصل نہ کرسکتے۔

۵۔ حکم امتناعی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر حکم امتناعی جاری نہ کیا گیا تو درخواست گزار کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑیگا۔ جرمانے اور ہرجانے کی صورت میں اس کی تلافی نہیں کی جاسکے گی۔ یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ اگر مسجد میں نماز نہ پڑھنے دی جائے تو یہ مسجد سے باہر نماز پڑھ سکتے ہیں' اگر مسلمان اپنے مخصوص قبرستانوں میں مردے دفن نہ کرنے دیں تو یہ کہیں اور دفن کرسکتے ہیں۔ ان کے خرچ میں تھوڑا فرق پڑے گا۔ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی صورت میں ساٹھ (60) وینڈ خرچ کرنا ہوتے ہیں۔ (جو مساوی ہیں ایک ڈالر کے) اور حکومت کی اجازت سے اگر کسی اور جگہ دفن کیا جائے تو خرچہ ۲۴۰ وینڈ (جو مساوی ہیں تقریباً چار ڈالر کے) یہ کوئی ناقابل تلافی نقصان نہیں ہے۔

۶۔ جناب عالی مرزائیوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ

مرزا غلام احمد نے انبیاء کرام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بڑی دیدہ دلیری سے گستاخیاں کی ہیں۔ جو شخص رسول مقبول ﷺ یا کسی اور نبی کی توہین کا مرتکب ہو وہ اسلامی ضابطہ میں ہرگز مسلمان نہیں رہتا۔

ابتدائی عذر کے طور پر سابق اٹارنی جنرل حاجی شیخ غیاث محمد نے یہ نکتہ اٹھایا کہ یہ مقدمہ ایک انجمن کی طرف سے دائر کیا گیا ہے جب کہ مقدمے کی نوعیت صرف اسی صورت میں از روئے قانون چلنے کے قابل ہو سکتی ہے کہ مخصوص افراد کی طرف سے دائر کیا جاتا' چونکہ یہ ایک انجمن کی طرف سے دائر کیا گیا ہے لہٰذا اس بنیاد پر بھی خارج کر دیئے جانے کے قابل ہے۔

مرزائی وکیل:

کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان یہ قانونی نقطہ اٹھانے والے ہیں تو مسٹر ینگ نے مسٹر پیگ کو فریق بنانے کی درخواست کر دی جو کسی طرح سے بھی قابل التفات نہ تھی۔

مسلمان وکیل:

انجمن اشاعت اسلام' مرزائیوں کے لاہوری گروپ انجمن احمدیہ کی ایک شاخ ہے جس کا ذکر مندرجہ بالا میں آ چکا ہے۔

مرزائی وکیل:

جناب عالی انجمن احمدیہ لاہور مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتی بلکہ مصلح مانتی ہے اور ختم نبوت کی منکر نہیں۔

مسلمان وکیل:

میں بیان کر آیا ہوں کہ یہ گروپ بھی اس شخص کی تکفیر کا قائل ہے جو مرزا غلام احمد کو کافر قرار دیتا ہے۔

مرزائی وکیل:

بار بار یہی دہرا رہا تھا کہ لاہوری مرزا کو نبی نہیں مانتے۔

عدالت:

فاضل عدالت نے کہا کہ مرزا غلام احمد موجودہ دور کا آدمی ہے۔ اس کی اپنی کتابیں موجود ہیں۔ جن میں اس نے صراحت سے بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ اگر لاہوری مرزائی' مرزا کی کی نبوت کو نہیں مانتے تو وہ اس کے پیروکار نہیں ہو سکتے۔

عدالتی کارروائی ۱۰ ستمبر کو نماز جمعہ کے لیے بارہ بجے ملتوی ہوگئی۔ بعد از نماز جمعہ دو بجے پھر کارروائی شروع ہوئی۔ جب فریقین کے وکلاء کی بحث ختم ہوئی تو عدالت کی طرف سے حسب ذیل فیصلہ سنایا گیا۔

فیصلہ:

فاضل عدالت نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ تفصیلات بعد میں لکھی جائیں گی۔ فیصلہ ابھی سنایا جاتا ہے کہ مرزائیوں کا مقدمہ بمعہ خرچ خارج کیا جاتا ہے۔

مرزائی وکیل:

اس پر مرزائی وکیل نے سپریم کورٹ کے لاجز بینچ کے سامنے اپیل کی اجازت طلب کی اور ساتھ ہی حکم امتناعی مانگا۔

عدالت:

نے حکم امتناعی کی درخواست پھر مسترد کردی۔

کمرہ عدالت نعرہ ہائے تکبیر کے فلک بوس نعروں سے گونج اٹھا۔ مسلمان' مقامی وکلاء' پاکستانی وفد کے ہمراہ عدالت سے باہر نکلے اور اجتماعی دعا کی گئی۔ مسلمان ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے۔ مبارکبادیں دی جارہی تھیں اور خدا کا شکر ادا کیا جارہا تھا۔

دوسری طرف مرزائی زخمی سانپ کی طرح زہر گھول رہے تھے۔ جب پاکستانی وفد عدالت میں پہنچا تو مرزائی اس وقت غضب آلود ہو کر پلٹے کھا رہے تھے کہ اب ہمارے دجل کا سارا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا اور ہماری توقعات کا محل چکنا چور ہو جائے گا۔

بلکہ پاکستانی وفد کی آمد کا سن کر مرزائی بے حد مضطرب تھے حتیٰ کہ باوثوق ذرائع سے مسلمانوں کو یہ اطلاع مل گئی کہ مرزائیوں نے پاکستانی وفد پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنالیا ہے کہ بحث سے قبل ان کا کام تمام کردیا جائے گا۔ (شائد یہودیوں کی معاونت سے انہوں نے کیپ ٹاؤن کو ربوہ ہی خیال کرلیا تھا) نہ تو پاکستانی وفد نے اس کی کوئی پرواہ کی اور نہ ہی مرزائیوں کی یہ جرات ہو سکی۔ مرزائیوں کا خیال تھا کہ حملے کے خطرہ سے وکلاء بحث اور مقدمہ کی پیروی میں کوئی موثر کردار ادا نہ کرسکیں گے۔ مقامی مسلمانوں نے بھی پاکستانی وفد کے لیے مکمل حفاظتی انتظامات کرر کھے تھے۔ ان کی رہائش گاہ' آمدورفت' خوردونوش پر مکمل نگرانی تھی۔

جنوبی افریقہ میں مقدمہ درج کرانے کی وجوہات

اس مقدمے سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ مرزائیوں کو آخر جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کے خلاف مقدمہ درج کرانے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ ان کی مرکزی جگہ قادیان یا پھر ربوہ تھا۔ اس جگہ انہیں کیوں یہ جرات نہ ہوئی کہ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ درج کراتے۔ قادیان میں تو ان کے خلاف غیر مسلم اقلیت کا بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا' مقدمہ درج کرادیا جاتا۔

جنوبی افریقہ جس میں مسلمانوں کی تعداد چھبیس ہزار ہے اور مرزائی دوسو سے بھی کم ہیں تاہم یہاں **مقدمہ درج کرنے کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔**

نمبرا: ہندو پاک میں تو مرزائیت کے نظریات' افکار اور مرزا غلام احمد کے کردار و اعمال' دعاوی اور اس کی پیش گوئیوں کے برے نتائج کسی سے پوشیدہ نہیں' جس کی وجہ سے ہر شخص ان سے نفرت کرتا ہے جبکہ جنوبی افریقہ میں لوگ ناواقف ہیں' اور پاکستان کی اسمبلی مسلمانوں کے حق میں فیصلہ دے چکی ہے۔

نمبر۲: جنوبی افریقہ کی اقتصادیات پر یہودی قابض ہیں۔ کانوں پر ان کا قبضہ' پریس پر ان کا تسلط اور پھر مرزائیوں کا یہودیوں سے سیاسی و مذہبی گٹھ جوڑ اور مفاہمت نقطہ عروج پر کہ یک جان دو قالب کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں اور انہیں یقین ہے کہ یہودی ہمارے ممد و معاون ہیں۔

یہاں کے تمام وسائل یہودیوں کے اختیار میں ہیں۔ مسلمان کسی شکل میں نہ ان کا مقابلہ کر سکیں گے نہ مقدمہ کی پیروی کی جرات ہوگی۔

نمبر۳: وہاں کی حکومت نسل پرستانہ پالیسی کی وجہ سے مہذب دنیا کے بڑے حصے سے منقطع ہو چکی تھی خصوصاً مسلم دنیا کی پہنچ سے یہ ملک باہر ہے۔ مرزائی سمجھتے تھے کہ یہاں نسلی تعلقات کی بناء پر ہمارے خلاف مسلمان قدم نہیں اٹھاسکیں گے۔

نمبر۴: انہیں یہ علم تھا کہ مرزائیت کے پس منظر اور کافرانہ اصلیت سے یہ لوگ نہ آگاہ ہیں اور نہ ہی مرزا غلام احمد کے اعمال و کردار' دعاوی و تعلیم کا انہیں علم ہے نہ ہی مرزا غلام احمد کی کتابوں کی خباثتیں ان کے سامنے ہیں۔ اس لیے وہ مقدمہ میں دلچسپی لیں گے نہ موثر پیروی کر سکیں گے۔

نمبر۵: وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلم دنیا کا تعلق جنوبی افریقہ سے ختم ہے۔ باہر سے کوئی کمک ان کی امداد کے لیے نہیں پہنچ سکتی جو مرزائیت کا پوسٹ مارٹم کر کے ہمارا محاسبہ کر سکے۔

انہیں خیال تھا کہ ہم یہودی اثر و رسوخ سے یہاں مقدمہ جیت لیں گے اس طرح پاکستان میں ۱۹۷۴ء کو اسمبلی نے ہمیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کے مقابلہ میں ہم جنوبی افریقہ کے سپریم کورٹ کا فیصلہ اپنے حق میں لے کر اس کی بناء پر دنیا بھر میں پبلسٹی کریں گے۔

انہیں یہ علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور مرزائیت کا دجل وفریب اپنے آخری سانس گن رہا ہے۔ چنانچہ وہاں کے مسلمانوں نے رابطہ عالم اسلامی اور مجلس تحفظ ختم نبوت کو پکارا تو انہوں نے فوراً لبیک کہتے ہوئے اس فریضہ کو کما حقہ پورا کیا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغین قبل ازیں بھی بیرونی ممالک کا دورہ کر کے آنحضرت ﷺ کی ختم المرسلینی کی پاسبانی کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ بی بی سی لندن نے بھی ریڈیو براڈ کاسٹ کے ذریعہ اعلان کیا کہ اس مقدمہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کے جس خطہ میں مرزائی کوئی ایسی حرکت کریں گے وہاں بھی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ پہنچیں گے۔ انشاء اللہ تار عنکبوت کی طرح یہ طلسم تار تار ہو کر رہ جائے گا۔

اس سلسلہ میں جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی جدوجہد قابل داد ہے۔ رابطہ عالم اسلامی اور مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی مساعی قابل فخر ہے اور حکومت پاکستان کی کوششیں مبارکباد کی مستحق ہیں۔

جناب ضیاء الحق کی حکومت نے اس سلسلہ میں علماء' وکلاء کو باہر جانے کی جو سہولتیں بہم پہنچائیں جس اخلاص سے وفد سے معاونت کی۔ ہم اس اخلاقی اور دینی فریضہ کی ادائیگی پر حکومت کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور اسے اسلام' ملت اسلامیہ سے پرخلوص ہمدردی کا مظہر خیال کرتے ہیں۔

افریقی ممالک گنی بساؤ میں قادیانیوں پر پابندی

روزنامہ پاکستان لاہور نے 12 مارچ 2005ء کی اشاعت میں خبر شائع کی ہے کہ افریقہ کے ایک ملک گنی بساؤ میں حکومت نے قادیانیوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی ہے۔ خبر کے مطابق حکومت کے ترجمان نے بتایا کہ یہ اقدام قومی اتحاد کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ ترجمان کا کہنا ہے احمدیوں کی ملک میں سرگرمیاں مسلمان برادری کے استحکام کے لیے خطرہ ثابت ہو رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کچھ سیاستدان مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ گنی بساؤ میں احمدیوں کی 30 مساجد اور سکول قائم ہیں۔ 2001ء میں اس وقت کے صدر نے 5 پاکستانی رہنماؤں کو ملک سے نکال دیا تھا کہ وہ وہاں کی مسلم برادری سے تعاون میں ناکام رہے تھے اور ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے ایسا ماحول بنتا جا رہا تھا جو ملکی استحکام کے لیے نقصان دہ ہے۔

افریقہ میں قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ گنی بساؤ جیسے چھوٹے سے ملک میں جس کی مجموعی آبادی زیادہ سے زیادہ بارہ لاکھ بتائی جاتی ہے اس میں قادیانیوں کی تیس مساجد اور سکول موجود ہیں اور مسلمانوں کے حوالے سے ان کے طرز عمل کا بھی اس سے اندازہ کر لیں کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں۔ قادیانیوں کی

سرگرمیاں وہاں کی حکومت کے ترجمان کے مطابق مسلمانوں کے استحکام کے لیے خطرہ کا باعث بنی ہوئی ہیں اور حکومت کو ان پر پابندی عائد کرنا پڑی ہے۔

قادیانیوں کی سرگرمیوں کا ہر جگہ یہی حال ہے وہ جہاں بھی ہوں مسلمانوں کے مفادات کے خلاف کام کرنا اور ان کے استحکام کے لیے خطرات کھڑے کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے کیونکہ ان کے آقاؤں نے انہیں اسی کام کے لیے کھڑا کیا تھا' مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ کے بقول قادیانیت یہودی کا چربہ ہے اور ان کا طریقہ کار بھی وہی ہے یہ بات پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے جیل میں اپنے نگران سے کہی تھی جو کرنل رفیع کی یادداشتوں میں چھپ چکی ہے کہ قادیانی پاکستان میں وہی پوزیشن حاصل کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے۔

تحریک ختم نبوت کے قائدین اور تمام دینی مکاتب فکر کے رہنما یہی بات موجودہ حکومت کو سمجھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ خدا کرے کہ جو بات گنی بساؤ کی حکومت کو سمجھ آ گئی ہے وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کو بھی سمجھ آ جائے کیونکہ دین اور ملک کا مفاد بہرحال اسی میں ہے۔

(ماہنامہ انوار ختم نبوت اپریل 2005)

پاکستان عدلیہ کے قادیانیوں کے خلاف اہم فیصلے

1- فیصلہ مقدمہ بہاولپور جو کہ تنسیخ نکاح مرزائی و مسلم کے سلسلہ میں 1926ء سے 1935ء تک زیر سماعت رہ کر فیصلہ ہوا۔ جس کی پیروی کے لیے دار العلوم کے مایہ ناز شیخ الحدیث حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ، شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد گھوٹوی وغیرہ جیسے یگانہ روزگار علما پیش ہوئے ____ بالآخر مکمل بحث و تمحیص کے بعد جناب محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے پونے دوصد صفحات پر مشتمل ایمان افروز فیصلہ صادر فرمایا اور مسئلہ ختم نبوت کو انگریزی سلطنت کے دور میں پہلی مرتبہ حل کر کے اپنے ایمان و اخلاص کا حق ادا کر دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔ جس کی مکمل تفاصیل بعد حصول نقول از عدالت مسلسل پانچ سال تک محنت کر کے تین جلدوں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل اسلامک فاؤنڈیشن ڈیوس روڈ لاہور نے شائع کر دی ہیں۔

2- 25 مارچ 1954ء کو میاں محمد سلیم سینئر سول جج راولپنڈی نے اپنے فیصلہ میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

3- 3 جون 1955ء کو جناب شیخ محمد اکبر صاحب ایڈیشنل جج ڈسٹرکٹ راولپنڈی نے اپنے فیصلے میں مرزائیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

4- 22 مارچ 1969ء کو شیخ محمد رفیق گریجہ سول جج اور فیملی کورٹ جیمس آباد (سندھ) نے فیصلہ دیا کہ مرزائی خواہ قادیانی ہو یا لاہوری غیر مسلم ہیں۔

5- 13 جولائی 1970ء کوسول جج سمارو جیمز آباد ضلع میر پور خاص نے اپنے فیصلے میں مرزائیوں کودائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

6- 1972ء میں جناب ملک احمد خان صاحب کمشنر بہاول پور نے فیصلہ دیا کہ مرزائی مسلم اُمت سے بالکل الگ گردہ ہے۔

7- 8 فروری 1972ء میں چودھری محمد نسیم صاحب سول جج رحیم یار خان نے فیصلہ دیا کو مسلمانوں کی آبادیوں میں قادیانیوں کو تبلیغ کرنے یا عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہیں۔

8- 28 اپریل 1973ء کو آزاد کشمیر کی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پاس کی۔

9- 19 جون 1974ء کو صوبہ سرحد کی اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرارداد پاس کی کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اقرار دیا جائے۔

10- 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر رابطہ عالم اسلامی کے فیصلہ کی تائید کی اور ایک اہم انقلابی قدم اُٹھایا۔

11- 12 نومبر 1976ء مسٹر جسٹس آفتاب حسین لاہور ہائیکورٹ کا فیصلہ کہ مسجد صرف مسلمانوں کی عبادت گاہ بن سکتی ہے۔

12- 11 اکتوبر 1987ء جناب منظور حسین سول جج ڈسکہ ضلع سیالکوٹ نے فیصلہ دیا کہ مسجد کے انتظام وانصرام کے حقدار صرف مسلمان ہیں۔

فیصلہ عدالت بہاولپور ۷ فروری ۱۹۳۵ء

اُوپر کی تمام بحث سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہےاور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بایں معنیٰ نہ ماننے سے کہ آپ ﷺ آخری نبی ﷺ ہیں ارتداد واقع ہو جاتا ہےاور کہ عقائد اسلامی کی رُو سے ایک شخص کلمہ کفر کہہ کر بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مدعاعلیہ مرزا غلام احمد صاحب کو عقائد قادیانی کی رو سے نبی مانتا ہے اور ان کی تعلیم کے مطابق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اُمت محمدیہ ﷺ میں قیامت تک سلسلہ نبوت جاری ہے یعنی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ﷺ بمعنی آخری نبی ﷺ تسلیم نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی دوسرے شخص کو نیا نبی تسلیم کرنے سے جو قباحتیں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل اُوپر بیان کی جا چکی ہے۔ اس لیے مدعاعلیہ اس اجماع عقیدۂ اُمت سے منحرف ہونے کی وجہ سے مرتد سمجھا جائے گا اور اگر ارتداد کے معنی کسی مذہب کے اُصولوں سے بکلی انحراف کے لیے جائیں تو بھی مدعاعلیہ مرزا صاحب کو نبی ماننے سے ایک نئے مذہب کا پیرو سمجھا جائے گا کیونکہ اس صورت میں اس کے لیے قرآن کی تفسیر اور معمول بہ مرزا صاحب کی وحی ہوگی نہ کہ احادیث واقوال فقہا جن پر کہ اس وقت تک مذہب اسلام قائم چلا آیا ہے اور جن میں سے بعض کے مستند ہونے کو خود مرزا صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے

علاوہ ازیں احمدی مذہب میں بعض احکام ایسے ہیں کہ جو شرع محمدی ﷺ پر مستزاد ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں مثلاً چندہ ماہواری کا دینا جیسا کہ اُوپر دکھلایا گیا ہے زکوٰۃ پر ایک زائد حکم ہے اس طرح غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھنا کسی احمدی کی لڑکی غیر احمدی کو نکاح میں نہ دینا۔ کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا شرع محمد ﷺ کے خلاف افعال ہیں۔

مدعاعلیہ کی طرف سے ان امور کی توجیہیں بیان کی گئی ہیں کہ وہ کیوں غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھتے کیوں ان کو نکاح میں لڑکی نہیں دیتے اور کیوں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لیکن یہ توجیہیں اس لیے کارآمد نہیں کہ یہ امور ان کے پیشواؤں کے احکام میں مذکور ہیں۔ اس لیے وہ ان کے نقطہ نگاہ سے شریعت کا جزو سمجھے جائیں گے جو کسی صورت میں بھی شرع محمدی ﷺ کے موافق تصور نہیں ہو سکتے اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے کہ وہ تمام غیر احمدی کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے مذہب کو مذہب اسلام سے ایک جدا مذہب قرار دینے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں مدعاعلیہ کے گواہ مولوی جلال الدین شمس نے اپنے بیان میں مسیلمہ وغیرہ کاذب مدعیان نبوت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ گواہ مذکور کے نزدیک دعویٰ نبوت کاذبہ ارتداد ہے اور کاذب مدعی نبوت کو جو مان لے وہ مرتد سمجھا جاتا ہے۔

مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں اس لیے مدعا علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا لہٰذا ابتدائی تحقیقات جو ۴ نومبر ۱۹۱۶ء کو عدالت منصفی احمد پور شرقیہ سے وضع کی گئی تھیں بحق مدعیہ ثابت قرار دی جا کر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعا علیہ قادیانی عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح تاریخ ارتداد، مدعا علیہ سے فسخ ہو چکا ہے اور اگر مدعا علیہ کے عقائد کو بحث مذکورہ بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو بھی مدعا علیہ کے ادعا کے مطابق مدعیہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اُمتی نبی نہیں ہوسکتا اور کہ اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعا علیہ نے اپنی طرف سے منسوب کیے ہیں وہ گو عام اسلامی عقائد کے مطابق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا سمجھا جائے گا جو معنے مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغائر ہیں جو جمہور اُمت آج تک لیتی آئی اس لیے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور وہ ہر دو صورتوں میں مرُتد ہی ہے اور یہ مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعا صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد و مدعا علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔ مدعیہ خرچہ مقدمہ بھی ازاں مدعا علیہ لینے کی حقدار ہوگی۔

اس ضمن میں مدعا علیہ کی طف سے ایک سوال یہ پیدا کیا گیا ہے کہ ہر دو فریق چونکہ قرآن مجید کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کا نکاح جائز ہے اس لیے بھی مدعیہ کا نکاح فسخ قرار نہیں دینا چاہیے اس کے متعلق مدعیہ کی طرف سے یہ کیا گیا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کو مرتد سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے عقائد کی رو سے بھی باہمی نکاح قائم نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے نہ کہ مردوں سے بھی مدعیہ کے دعوے کی رُو سے بھی مدعا علیہ مُرتد ہو چکا ہے اس لیے اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے بھی اس کے ساتھ مدعیہ کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ مدعیہ کی یہ بحث وزن دار پائی جاتی ہے لہٰذا اس بناء پر بھی وہ ڈگری پانے کی مستحق ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے اپنے حق میں چند نظائر قانونی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا ان میں پٹنہ اور

پنجاب ہائیکورٹ کے فیصلہ جات کو عدالت عالیہ چیف کورٹ نے پہلے واقعات مقدمہ ہذا پر حاوی نہیں سمجھا اور مدارس ہائیکورٹ کے فیصلہ کو عدالت معلیٰ اجلاس خاص نے قابل پیروی قرار نہیں دیا باقی رہا عدالت عالیہ چیف کورٹ بہاولپور کا فیصلہ بمقدمہ مسمات حیدوڈی بنام کریم بخش اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فیصلہ جناب مہتہ اودھوداس صاحب جج چیف کورٹ کے اجلاس سے صادر ہوا تھا اور اس مقدمہ کا صاحب موصوف نے مدراس ہائیکورٹ کے فیصلہ پر ہی انحصار رکھتے ہوئے فیصلہ فرمایا تھا اور خود ان اختلافی مسائل پر جو فیصلہ مذکور میں درج تھے کوئی محاکمہ نہیں فرمایا تھا مقدمہ چونکہ بہت عرصہ سے دائر تھا اس لیے صاحب موصوف نے اسے زیادہ عرصہ معرض تعویق میں رکھنا پسند نہ فرما کر باتباع فیصلہ مذکور اسے طے فرما دیا دربار معلےٰ نے چونکہ اس فیصلہ کو قابل پابندی قرار نہیں دیا جس فیصلہ کی بناء پر کہ وہ فیصلہ صادر ہوا اس لیے فیصلہ زیر بحث بھی قابل پابندی نہیں رہتا۔

فریقین میں سے مختار مدعیہ حاضر ہے اس کے حکم سنایا گیا مدعا علیہ کارروائی مثلاً مقدمہ ہذا ختم ہونے کے بعد مقدمہ زیر غور تھا فوت ہو گیا ہے۔

اس کے خلاف یہ حکم زیر آرڈر ۲۲ رول ۶ ضابطہ دیوانی تصور ہوگا۔ پرچہ ڈگری مرتب کیا جائے اور مسل داخل دفتر ہو۔

۷ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعدۃ ۱۳۵۳ھ

بمقام بہاولپور

دستخط

محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج

ضلع بہاولنگر۔ ریاست بہاولپور

(بحروف انگریزی)

فیصلہ عدالت راولپنڈی ۳ جون ۱۹۵۵ء

نقل فیصلہ از عدالت شیخ محمد اکبر صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سیشن جج راولپنڈی مورخہ جون ۱۹۵۵ء در اپیل ہائے دیوانی نمبر ۳۳۔۳۴۔۱۹۵۵ء از مسماۃ امتہ الکریم بنام لیفٹیننٹ نذیر الدین۔

فیصلہ کی آخری پیراگراف:

''چنانچہ مسلمان قادیانیوں کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔''

۱۔ آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت سے انکار۔ الفاظ قرآنی کی غلط تاویلات اور اُس دین کو لعنتی اور شیطانی قرار دینا جس کے پیروکار حضور ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲۔ مرزا غلام احمد کا تشریعی نبوت کا قطعی دعویٰ۔

۳۔ یہ دعویٰ کہ حضرت جبرئیل اُن (مرزا غلام احمد) پر وحی لاتے ہیں اور وہ وحی قرآن کے برابر ہے۔

۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مختلف طریقوں سے توہین۔

۵۔ نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کا اہانت آمیز طور پر ذکر۔

۶۔ قادیانیوں کے سوا تمام دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دینا۔

اُوپر کی ساری بحث سے میں نے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے آخری نبی ﷺ تھے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

۲۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کے ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں۔

۳۔ مسلمانوں کا اس امر پر بھی اجماع ہے کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔

۴۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے دعاوی تشریحات۔ تاویلات کی روشنی میں اور اپنے

جانشینوں اور پیروی کی تشریحات وتاویلات اور فہم کی روشنی میں ایک ایسی وحی پانے کے مدعی تھے جسے نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۵۔ اپنی اولین تصانیف میں مرزا صاحب کے خود اپنے قائم کردہ معیار اُن کے اس دعویٰ نبوت کو جھٹلاتے ہیں۔

۶۔ اُنہوں نے واقعتاً دنیا بھر کے مانے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح نبی کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور ''ظل و بروز'' کی اصطلاحوں کی حقیقت ایک فریب کے سوا کچھ نہیں۔

۷۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد وحی نبوت نہیں آسکتی اور جو کوئی ایسی وحی کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث اور اس سے اخذ کردہ نتائج کی بناء پر یہ بات بڑی آسانی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عدالت سماعت نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ درست ہیں چنانچہ میں اُن سب کی توثیق کرتا ہوں۔ مسماۃ اُمۃ الکریم کی اپیل میں کوئی جان نہیں۔ لہٰذا میں اسے خارج کرتا ہوں۔

اعلان فیصلہ ۲ جون ۱۹۵۵ء

دستخط محمد اکبر

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی

فیصلہ ملک احمد خاں، کمشنر بہاولپور ڈویژن ۱۹۷۲ء

''احمدی فرقہ'' مسلم امت سے بالکل الگ تھلگ ایک گروہ ہے۔ اس فرقہ کا مسلم امت سے سوشل، کمرشل اور مذہبی کسی قسم کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے...... اس لحاظ سے احمدی اور مسلمان دو الگ الگ گروہ ہیں۔ مذہبی اور معاشرتی دونوں حیثیتوں سے ان کے درمیان کوئی اتحاد اور اتفاق نہیں ہے۔ احمدیہ گروہ کے مذہبی راہنما مرزا بشیر الدین محمود نے اپنی کتابوں میں احمدی گروہ کے لیے درج ذیل قسم کی متعدد ہدایات دی ہیں۔

۱۔ غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

۲۔ غیر احمدی کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

۳۔ غیر احمدی کو نکاح میں لڑکی دینا ناجائز ہے۔

۴۔ ہمارا حج مسلمان کے حج سے الگ ہے۔

۵۔ بچوں کی تعلیم کے لیے ہمارے سکول بھی مسلمانوں کے سکول سے الگ ہونے چاہئیں۔

سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ پاکستان نے قائداعظمؒ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ اس بارے میں جب ایک مقدمہ کے دوران مسٹر ایم ایم احمد قادیانی سے سوال کیا گیا تو جواب میں انہوں نے کہا کہ احمدی اور غیر احمدی چونکہ ایک دوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ ایسے احمدی ہونے کی وجہ سے انہوں نے غیر احمدی (قائداعظم) کا جنازہ نہیں پڑھا ہوگا۔ قائداعظم مسلمان قوم کے ابوطالب تھے۔ جس طرح رسول اللہ نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا تھا اسی طرح سر ظفر اللہ خان نے بھی قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا' ان تمام باتوں سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ احمدی گروہ کے افراد مذہبی اور معاشرتی حیثیت سے مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ یہ خود بھی اپنے آپ کو ایک علیحدہ کمیونٹی قرار دیتے ہیں۔'' (فیصلہ کمشنر بہاولپور ڈویژن بہاولپور' ۱۸ نومبر ۱۹۷۲ء)

فیصلہ محمد رفیق گریجہ سول جج جیمس آباد ۱۹۶۹ء

''اسلام میں امتی نبی یا ظلی اور بروزی نبی کا کوئی تصور نہیں ہے' جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے پیروں کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی بیٹیاں غیر احمدیوں (مسلمانوں) کے نکاح میں نہ دیں اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اس طرح مرزا غلام احمد نے شریعت محمدیہ سے انحراف کر کے اپنے ماننے والے کے لیے ایک نئی شریعت وضع کی ہے۔ مسیح موعود کے بارے میں بھی ان کا تصور اسلامی نہیں ہے۔ مسیح کے صحیح اسلامی تصور کے مطابق وہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ حدیث رسول ﷺ کے مطابق مسیح جب

دوبارہ ظہور فرمائیں گے تو وہ دوسرا جنم نہیں لیں گے۔ اس طرح اس بارے میں مرزا غلام احمد کا دعویٰ بھی باطل قرار پاتا ہے۔

جہاد کے بارے میں بھی ان کا نظریہ مسلمانوں کے عقیدے سے بالکل مختلف ہے۔ مرزا غلام احمد کے مطابق' اب جہاد کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور یہ کہ مہدی اور مسیح کی حیثیت سے تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کی نفی ہوگئی۔

ان کا یہ نظریہ قرآن پاک کی ۳۲ ویں سورۃ آیت نمبر ۳۹' ۴۰ اور دوسری سورۃ آیت نمبر ۱۹۲' ۱۹۴' ۶۰ ویں سورۃ آیت نمبر ۸' چوتھی سورۃ آیت نمبر ۷۴' ۷۵۔ نویں سورۃ آیت ۵ اور ۲۵ سورۃ آیت ۵۳ کے بالکل برعکس اور منافی ہے۔

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر' میں یہ قرار دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ مدعا علیہ اور ان کا ممدوح مرزا غلام احمد نبوت کے جھوٹے مدعی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات وصول کرنے کے متعلق ان کے دعوے بھی باطل اور مسلمانوں کے اس متفقہ عقیدے کے منافی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔

مسلمانوں کا اس بارے میں بھی اجماع ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا اور اگر کوئی اس کے برعکس یقین رکھتا ہے تو وہ صریحاً کافر اور ''مرتد'' ہے۔

مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات مقدسہ کو توڑ مروڑ کر غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے ناواقف اور جاہل لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے' اس لیے مدعا علیہ کو جس نے خود اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے نیز مرزا غلام احمد اور ان کی نبوت پر اپنے ایمان کا اعلان کیا ہے۔ بغیر کسی تردود کے غیر مسلم اور مرتد قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں کسی مسلمان کے لیے جنس مخالف کے ساتھ شادی کے سلسلے میں متعدد پابندیاں

عائد کی گئی ہیں اور کسی بھی صورت میں کوئی مسلمان عورت کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کر سکتی، جن میں عیسائی، یہودی یا بت پرست شامل ہیں اور ایک مسلمان عورت اور غیر مسلم مرد کا نکاح اسلام کی نظر میں غیر موثر ہے۔

(یہ فیصلہ ۱۳ جولائی ۷۰ء کو جناب محمد رفیق گریجہ کے جانشین جناب قیصر احمد حمید پی نے جوان کی جگہ جیمس آباد کے سول اور فیملی مقرر ہوئے تھے، کھلی عدالت میں پڑھ کر سنایا۔)

قادیانیوں کے خلاف اعلیٰ عدالتی فیصلوں کا تعارف

قادیانیوں کے خلاف ان مایہ ناز عدالتی فیصلوں کا عزت مآب جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے مختصر و جامع جائزہ لیا ہے جو کہ ذیلی عنوانات کے اضافہ کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کا فیصلہ:

سب سے پہلے قادیانیوں سے فیصلہ کن قانونی معرکہ آرائی سرزمین بہاولپور میں ہوئی، جہاں جناب محمد اکبر خان ڈسٹرکٹ جج بہاولپور نے مقدمہ تنسیخ نکاح میں مسماۃ عائشہ بی بی کا نکاح عبدالرزاق قادیانی سے فسخ کر دیا کہ ایک مسلمان عورت مرتد کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس مقدمہ میں وکلا کی جرح اور علمائے کرام کی شہادت نے قادیانیت کے تار و پود بکھیر دیے اور اس کے مکروہ چہرے کو بے نقاب کر دیا۔ اس مقدمہ کا آغاز سال ۱۹۲۶ اور اس کا فیصلہ ۷ فروری ۱۹۳۵ میں ہوا، جس کے خلاف اپیل سر ظفر اللہ خاں اور دیگر قادیانی وکلا کی ایما پر عدالت عالیہ میں دائر نہیں کی گئی۔ اس مقدمہ میں دو باتیں بڑی قابل ذکر ہیں۔ حکومت برطانیہ نے، جس کے پرستار بھی اس کے عدل و انصاف کے گن گاتے ہیں، فرماں روائے ریاست بہاولپور نواب صادق محمد خاں عباسی کو مجبور کیا کہ وہ اس مقدمہ میں مداخلت کر کے اسے خارج کرا دیں۔ نواب صاحب موصوف نے اس بات کا ذکر خضر حیات ٹوانہ کے والد نواب سر عمر حیات ٹوانہ سے لندن میں اپنے دوران قیام کیا۔ عمر حیات خان ٹوانہ نے ان سے کہا:

''ہم انگریز اور گورنمنٹ برطانیہ کے وفادار ضرور ہیں مگر ہم نے ان سے اپنے دین وایمان اور عشق رسول ﷺ کا سودا نہیں کیا ہے''۔اس مقدمہ کی دوبارہ سماعت کی منظور خود والئی ریاست نے جوڈیشل کونسل کے سربراہ کی حیثیت سے دی ہوئی تھی اور اس کا تعلق دین وایمان سے تھا' اس لیے انہوں نے حکومت برطانیہ کی فہمائش کے باوجود کسی مرحلہ پر کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی۔
دوسرا ایک عجیب واقعہ کارروائی مقدمہ کے دوران عدالت میں اس وقت پیش آیا جب حضرت انور شاہ کاشمیریؒ نے جلال الدین شمس قادیانی کی جرح پر گرج کر فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں یہیں عدالتیں میں کھڑے ہوئے تم دکھلا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی اس وقت جہنم کی آگ میں جل رہا ہے''۔شاہ صاحب نے یہ بات اس یقین اور جلال کے ساتھ فرمائی کہ حاضرین عالت سہم گئے اور وہاں موجود قادیانیوں پر ہیبت طاری ہوگئی۔

صمدانی انکوائری کمیشن:

قادیانیوں اوران کے سرکردہ لیڈروں کی تقسیم ہند کی مخالفت کے باوجود جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو انہوں نے یہاں احمدی وٹیکن سٹیٹ کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے جس کا علمائے امت نے بروقت نوٹس لیا اور سال ۱۹۵۳ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تحریک پر مجلس تحفظ ختم نبوت نے اپنی ملک گیر سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا۔لیکن قادیانیوں نے اندر ہی اندر سازشوں کا جال پھیلایا ہوا تھا اور وہ سول انتظامیہ' فارن سروس' فوج اور ایئر فورس میں کلیدی عہدوں پر قابض ہو گئے تھے اور ربوہ میں انہوں نے سٹیٹ در سٹیٹ (State Wirhin State) بھی قائم کر لی اور نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر سال ۱۹۷۴ء میں ربوہ ریلوے سٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ریعہ سفر کرنے والے ملتان نشتر میڈیکل کالج کے مسلمان طلبہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا' جس پر سارے ملک میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔سیاسی ودینی جماعتوں کے مطالبہ پر کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے' حکومت نے صمدانی انکوائری کمیشن قائم کیا۔ قادیانیوں کی طرف سے پیروی کے لیے سابق چیف جسٹس جناب منظور قادر آئے' جن کی معاونت جناب اعجاز بٹالوی اور تمام قادیانی وکلا کر رہے تھے۔ان کے مقابل کے لیے لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن نے پاکستان کے سرکردہ ممتاز قانون دانوں کا ایک پینل بنایا' جس میں

چوہدری نذیر احمد خاں سابق اٹارنی جنرل پاکستان تھے۔ وکلا کے اس پینل کی سربراہی کا قرعہ فال مجھ دیوانہ ختم نبوت کے نام آیا۔ یہ کمیشن کئی ہفتوں تک مسلسل فریقین کے بیانات اور ان کی شہادتیں قلم بند کرتا رہا۔ مسلمانوں کی طرف سے دینی اور سیاسی جماعتوں کے رہنما پیش ہوئے اور قادیانیوں کی طرف سے ان کے خلیفہ اور دوسرے قائدین جماعت نے اپنا موقف بیان کیا۔ اس کے بعد کئی دن تک فریقین کے وکلا کے دلائل ہوتے رہے اور بفضل تعالیٰ ہمارا پلہ بھاری رہا اور کمیشن نے اپنی رپورٹ، حکومت کو پیش کر دی۔

قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ:

اسی دوران قومی اسمبلی میں مولانا مفتی محمود' مولانا غلام غوث ہزاروی' مولانا شاہ احمد نورانی' پروفیسر غفور احمد اور ان کے ساتھیوں نے متفقہ طور پر اپوزیشن کی طرف قادیانیوں کے خلاف قرار داد پیش کی۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء متحد ہو کر سرگرم عمل ہو گئے' جس کے نتیجہ میں اسلامیان پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے ملک کے گوشہ گوشہ سے آواز اٹھائی۔ اس وقت جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت برسر اقتدار تھی' جس نے پاکستان کے مسلم عوام کے جذبات اور احساسات کا صحیح طور پر اندازہ کرتے ہوئے حکومتی بنچوں کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی' جس کی منظوری کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں قومی اسمبلی میں ۷ استمبر ۱۹۷۴ء کی منظورہ کردہ قرارداد کو آئینی ترمیم کے ذریعہ شامل دستور کر لیا گیا' جس کے بعد لاہوری اور قادیانی گروپ اور ہر وہ شخص' جو ختم نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو' آئینی طور پر غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

صدارتی آرڈیننس ۱۹۸۴ء:

اس کے بعد قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت کی طرح پرامن زندگی بسر کرنا چاہیے تھی' لیکن ان کی فتنہ سامانیوں کو قرار نہیں آیا اور ان کے سربراہ مرزا طاہر کی ایما پر ۷ افروری ۱۹۸۳ کو مجلس ختم نبوت کے سرگرم کارکن اور مبلغ مولانا محمد اسلام قریشی کو اغوا کر لیا گیا' اس پر ایک مرتبہ پھر علمائے

پاکستان نے عالمی مجلس ختم نبوت کے سربراہ حضرت مولانا ابوالخلیل خان محمد کی مومنانہ قیادت میں مولانا اسلم قریشی کی بازیابی اور قادیانیوں کی اسلام کی آڑ میں تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف پوری قوت کے ساتھ تحریک چلائی' جس پر صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے ۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء کو امتناع سے روک دیا گیا اور خود کو بطور مسلمان پوز (Pose) کرنے بالفاظ دیگر مسلمانوں کا بہروپ اختیار کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ:

اس آرڈیننس کی وجہ سے ان کے عزائم اور منصوبوں کی تکمیل کے راستے مسدود ہو گئے' اس لیے قادیانیوں کے معروف وکیل مجیب الرحمٰن اور ان کے دو ساتھیوں نے فیڈرل شریعت کورٹ میں اس آرڈیننس کو چیلنج کر دیا کہ وہ قرآن و سنت اور شریعت اسلامی کے خلاف ہے۔ اس شریعت پٹیشن کی سماعت فیڈرل شریعت کورٹ کے فل بنچ نے کی' جو چیف جسٹس شیخ آفتاب احمد' جسٹس فخر عالم' جسٹس چوہدری محمد صدیق' جسٹس ملک غلام علی اور جسٹس عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل تھا' لیکن جسٹس شیخ آفتاب احمد کے بوجوہ صدر مملکت کے مشیر بنائے جانے کی وجہ سے جسٹس فخر عالم نے چیف جسٹس کا عہدہ سنبھال لیا اور وہی اس مقدمہ کے منصف بھی ہیں۔ اس شریعت پٹیشن میں حکومت کی جانب سے حاجی غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل پاکستان' جن کی معاونت میاں ایم بی زمان سابق ایڈووکیٹ جنرل پنجاب اور ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی نے کی۔ راقم الحروف نے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کی جانب سے کارروائی مقدمہ میں' حصہ لیا اور میری معاونت ڈاکٹر ظفر علی راجہ ایڈووکیٹ نے کی۔ جناب حاجی غیاث محمد نے مقدمہ کے آئینی اور میاں ایم بی زمان نے اس کے قانونی پہلوؤں سے بحث کی' جبکہ ڈاکٹر ریاض الحسن نے قادیانی مذہب کے بنیادی عقائد کو ان ہی کی کتابوں کے حوالہ سے عدالت کو پیش کیا۔ راقم الحروف نے ڈاکٹر ظفر علی راجہ ایڈووکیٹ کی اعانت سے قادیانی مذہب کے مذہبی عقائد کو شریعت اسلامیہ سے متصادم ہونے کے دلائل کو تحریری بحث کی صورت میں پیش کیا۔ اس مقدمہ کی بھی تقریباً ایک مہینہ تک سماعت

جاری رہی۔ آخر بفضل تعالیٰ قادیانیوں کا یہ مقدمہ بھی ۱۲ اگست ۱۹۸۴ کو خارج ہوگیا۔ اس فیصلہ میں فاضل جج نے نہایت شرح وضبط کے ساتھ قادیانی مذہب کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا اور امتناع قادیانیت آرڈیننس کو قرآن وسنت سے ہم آہنگ قرار دیا۔

سپریم کورٹ میں قادیانیوں کی اپیل:

اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ کے اپیلیٹ شریعت بنچ میں اپیل دائر کردی گئی۔ نوٹس ملنے پر حکومت کی جانب سے سید ریاض الحسن گیلانی ڈپٹی اٹارنی جنرل اور عامتہ المسلمین کی جانب سے راقم الحروف سپریم کورٹ پہنچے اور قادیانی وکلا کو معلوم ہوا کہ شیر بیشہ وکالت، رشید مرتضیٰ قریشی بھی خم ٹھونک کر مقابلہ کے لیے آنے والے ہیں تو انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اس اپیل کو واپس لے لیا جائے۔

شریعت اپیلیٹ بنچ، جو جناب جسٹس محمد افضل ظلہ، جناب جسٹس نسیم حسن شاہ، جناب جسٹس شفیع الرحمٰن، جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ، جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی پر مشتمل تھا، نے ان نکات کو زیر غور لانے سے احتراز کیا جو فیڈرل شریعت کورٹ میں اٹھائے گئے تھے، چونکہ اپیل واپس لے لی گئی تھی، لیکن فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ:

فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے بعد قادیانی اپنی شرانگیزیوں سے باز نہ رہ سکے اور انہوں نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کی خلاف ورزیاں شروع کردیں اور برسرعام اپنے سینوں پر کلمہ طیبہ کے بیج لگا کر اپنے آپ کو مسلمان پوز کرنا شروع کردیا۔ اس کے علاوہ دیگر شعائر اسلام کو بھی غلط طور پر استعمال کرنے لگے۔ ایک قادیانی ملک جہانگیر خان جوئیہ ایڈووکیٹ نے دفعہ 298-c آرڈیننس نمبر ۲۰ سال ۸۴ء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے سینہ پر کلمہ طیبہ کا بیج لگایا، جس پر اسے گرفتار کرلیا گیا، جس کی ضمانت سیشن جج سرگودھا نے لینے سے انکار کردیا، جس کے خلاف ملزم نے ہائی کورٹ میں درخواست ضمانت پیش کی جو عدالت عالیہ لاہور میں جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ کے سامنے پیش ہوئی، لیکن ملزم نے وہاں سے اپنی درخواست ضمانت کو واپس لے لیا۔ درخواست

بصیغہ وستبرداری کو خارج کرتے ہوئے فاضل جج نے اپنے حکم میں یہ واضح کیا کہ غیر مسلم قادیانی کلمہ طیبہ کو جن معنوں میں لیتے ہیں یا اس سے جو مفہوم وابستہ کرتے ہیں' وہ بہر حال یہ تقاضا کرتا ہے کہ آیا ان لوگوں کا یہ عمل' جس کے خلاف شکایت کی گئی ہے' رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی توہین میں آتا ہے۔

کوئٹہ ہائی کورٹ کا فیصلہ ۱۹۸۷ء:

اسی طرح کے پانچ مقدمات دفعہ 298-c کی خلاف ورزی میں قادیانیوں کے خلاف کوئٹہ میں رجسٹر ہوئے' جہاں ملزمان نے قادیانی ہونے کے باوجود اپنے سینوں پر کلمہ طیبہ کے بیج لگائے ہوئے تھے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کوئٹہ نے جرم مذکور کی پاداش میں ملزمان کو ایک ایک سال قید بامشقت اور ایک ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی' جس کے خلاف اپیل بھی عدالت ایڈیشنل جج کوئٹہ نے خارج کی تو انہوں نے ہائی کورٹ آف بلوچستان کوئٹہ میں نگرانی دائر کی' جن کی باقاعدہ سماعت جناب جسٹس امیر الملک مینگل نے کی۔ قادیانیوں کی طرف سے مسٹر مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ معاونت کے لیے مسٹر محمد مقیم انصاری اور مسٹر بشارت اللہ ایڈووکیٹس کو بلا لیا۔ فاضل جج نے فریقین کے وکلا اور معاونین عدالت کے دلائل کی سماعت کے بعد یہ قرار دیا کہ جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہے' اسے مسلمان سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسلام کا سب سے پہلا بنیادی رکن یہی ہے۔ اس طرح جب کوئی قادیانی کلمہ طیبہ کا بیج لگا کر گلیوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو گویا خود کو مسلم ظاہر کرتا ہے۔ اس کی صریح وجہ یہ نظر آتی ہے کہ وہ لوگوں سے یہ منوانا چاہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ موجودہ مقدمہ میں سائل نگرانی گزاروں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے قادیانی ہوتے ہوئے کلمہ طیبہ کا بیج لگایا تھا' جب وہ گرفتار کیے گئے۔ یوں اس امر میں بمشکل کوئی شبہ باقی رہتا ہے کہ انہوں نے دفعہ 298-c کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے فاضل جج نے عدالت ماتحت کے فیصلوں کو درست قرار دیا' البتہ ان کی سزاؤں میں تخفیف کرتے ہوئے اس کی مدت ایک سال کی بجائے ۹ ماہ کر دی اور فیصلہ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۷ کو سنا دیا۔

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ ۱۹۹۱:

پاکستان کی تاریخ میں ایک نہایت اہم مقدمہ مرزا خورشید احمد اور حکیم خورشید احمد کی جانب سے عدالت عالیہ لاہور میں دائر کیا گیا' جس میں حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ کے حکم مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۸۹ کو صحیح کہا گیا تھا کہ جس کی رو سے دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے تحت قادیانیوں کے جشن صد سالہ کی تقریبات پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ بعدازاں ربوہ کے ریذیڈنٹ مجسٹریٹ نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ احمدیہ جماعت ربوہ کے عہدہ داروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ شہر ربوہ میں لگائے گئے آرائشی گیٹ ہٹا دیں' جھنڈوں اور چراغاں کے لیے لگائی گئی روشنی اتارلیں اور شہر کے درودیوار پر اشتہارات لگانے سے باز رہیں۔ سائیلان نے رٹ میں استدعا کی تھی کہ یہ تمام احکامات آئین میں دیے گئے بنیادی حق 20 کے منافی ہیں' اس لیے انہیں کالعدم قرار دے کر منسوخ کیا جائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے راقم الحروف نے درخواست پیش کی کہ مجلس کو بھی رٹ میں ضروری فریق مقدمہ کے طور پر شامل کیا جائے کیونکہ قادیانیوں کے جشن صد سالہ پر پابندی حکومت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے مطالبہ پر لگائی ہے۔ قادیانیوں کے وکلاء نے اس مخالفت کی' لیکن عدالت عالیہ کے فاضل جج جناب جسٹس خلیل الرحمٰن خان' جو اس مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے' مجلس کو کارروائی عدالت میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ رشید مرتضیٰ قریشی صاحب نے عبدالناصر گل کی جانب سے بھی درخواست دی کہ عیسائیوں کو بھی فریق مقدمہ بنایا جائے کیونکہ قادیانیوں کی ان سرگرمیوں سے مسیحی فرقہ کی بھی دل آزاری ہوتی ہے۔ اس طرح عیسائیوں کو بھی اپنا موقف پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ حکومت کی جانب سے اس وقت کے ایڈووکیٹ جنرل جناب مقبول الٰہی ملک پیش ہوئے' جن کی اعانت جناب نذیر احمد غازی اے اے جی ارشاد اللہ خان اور مسعود احمد خان ایڈووکیٹ نے کی۔ مجلس کے قائدین مولانا منظور احمد چنیوٹی' مولانا اللہ وسایا اور مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی نے اور ان کے رفقائے کار نے جس جگر کاوی سے اس مقدمہ کی تیاری میں حصہ لیا' وہ ان کے عشق رسالت ﷺ ماب کا مظہر ہے۔ اس مقدمہ کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں فاضل عدالت نے سو سالہ قادیانی لٹریچر سے یہ واضح کیا ہے کہ قادیانی دائرہ اسلام سے خارج علیحدہ امت ہے اور پھر ہاؤس

لارڈز اور یورپ کی کورٹ آف جسٹس کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ امن عامہ کے تحفظ کے پیش نظر امتناع قادیانیت آرڈی نینس مجریہ سال ۱۹۸۴ء اور ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۴۴ کے تحت قادیانیوں کو ایسی سرگرمیوں پر پابندی آئین کے کسی بنیادی حق کے منافی نہیں ہے۔ فاضل عدالت نے یہ فیصلہ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۱ کو سنایا۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ ۱۹۹۳ء

قادیانی دراصل مرزا غلام احمد کے اعلان نبوت کے جشن صد سالہ کی آڑ میں اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو از سر نو پاکستان میں زندہ کرنا چاہتے تھے مگر یہ فیصلہ ان کی راہ میں مزاحم تھا' اس لیے انہوں نے عدالت عالیہ کی رو سے قادیانیوں کی نگرانیوں کو جناب جسٹس امیر الملک مینگل نے خارج کر دیا تھا' اپیلیں دائر کر دیں۔ ان اپیلوں میں وفاقی سیکرٹری محکمہ انصاف اور پارلیمانی امور اور قانون' سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ حکومت پنجاب' ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ' ریذیڈنٹ مجسٹریٹ ربوہ اور مولانا منظور احمد چنیوٹی اور عبدالناصر گل کو فریق مقدمہ بنایا جس کی سماعت سپریم کورٹ کے فل بنچ نے جو جناب جسٹس شفیع الرحمٰن' جناب جسٹس عبدالقدیر چودھری' جناب جسٹس محمد افضل لون' جناب جسٹس سلیم اختر اور جناب جسٹس ولی محمد خان کی۔ قادیانیوں کی جانب سے فخر الدین جی ابراہیم' جناب مجیب الرحمٰن' مرزا عبدالرشید اور ایس علی احمد طارق ایڈووکیٹ پیش ہوئے جب کہ حکومت پاکستان کی جانب سے ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی اور عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے راقم الحروف پیش ہوئے۔ سپریم کورٹ کے نوٹس پر اس وقت کے اٹارنی جنرل پاکستان مسٹر عزیز اے منشی اور حکومت پنجاب کے ایڈووکیٹ جنرل مقبول الٰہی ملک پیش ہوئے۔ حکومت بلوچستان کی جانب سے مسٹر یوسف اعجاز ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل اور حکومت سندھ کی جانب سے مسٹر غفور منگی ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل پیش ہوئے۔ اپیلوں کی سماعت کے دوران جناب میجر منہاس اور دیگر جماعتوں کے نمائندے بھی پیش ہوئے۔ مسٹر فخر الدین جی ابراہیم نے اپیلوں پر بحث کا آغاز کیا۔ امت مسلمہ کی جانب سے مولانا اللہ وسایا اور دیگر قائدین عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی اس آخری عدالت میں قادیانیوں سے نمٹنے کے لیے اپنے پورے جذبہ ایمان کے ساتھ میری رہنمائی اور امداد کے لیے وہاں موجود تھے۔

اپیلوں کی سماعت ۳۱ جنوری سے شروع ہوئی جو ۳ فروری ۱۹۹۳ تک جاری رہی۔ پھر ۳ مارچ کو اس کی مکمل سماعت ہوئی۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا اہم ترین فیصلہ ہے۔ جس میں سپریم کورٹ کے فل بنچ کے تمام جج صاحبان نے متفقہ طور پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298-C کی کلاز (اے)، (بی)، (ای) جس کی رو سے قادیانی اور لاہوری گروپ کو مسلمان ظاہر کرنے یا اپنے مذہب کو اسلام بتلانے یا اسلام سے منسوب کرنے یا کسی بھی طریقہ سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ آئین پاکستان کے بنیادی حقوق سے متصادم قرار نہیں دیا جب کہ صرف جناب جسٹس شفیع الرحمٰن نے دفعہ 298-B کی کلاز (ب) اور 298-c مذکور کی کلاز (سی) اور (ڈی) جس کی رو سے قادیانی اور لاہوری گروپ کو اپنے مذہب کی تبلیغ یا نشرو اشاعت یا کسی کو اپنے مذہب کی دعوت دینے سے روک دیا گیا ہے۔ آئین کے بنیادی حقوق ۲۰، ۱۹ اور ۲۵ کے منافی قرار دیا ہے۔ چاروں جج صاحبان نے جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کی اس قرارداد سے اختلاف کیا ہے۔ اس حد تک فاضل جج موصوف کا فیصلہ اقلیتی فیصلہ (Minority Judgement) ہو گیا ہے۔ اکثریتی فیصلہ کی رو سے 298-c کی تمام شقیں آئین کے کسی بنیادی اسلامی ریاست کو ایسی قانون سازی کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ اس فیصلہ کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کے بعد قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو جو وہ اسلام کے نام پر کرتے رہے ہیں، ہمیشہ کے لیے روک دیا گیا ہے اور سب سے اہم یہ فیصلہ بھی ہے کہ پاکستان کی عدالت عظمیٰ نے قرارداد مقاصد کو آئین کا قابل عمل حصہ قرار دے کر اسلامی قوانین کو پاکستان کا بالاتر قانون بنا دیا ہے اور یہ بھی قرار دیا ہے کہ اگر آئین میں دیے گئے بنیادی حقوق قرآن وسنت اور احکامات رسول ﷺ کے خلاف ہوں تو انہیں بھی کالعدم قرار دیا جائے گا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک ایسا اہم ترین فیصلہ ہے جس نے اسلامی ریاست کے معرض وجود میں آنے کے مقاصد کی تکمیل کر دی ہے۔

یہاں میں جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کے اختلافی فیصلہ سے بصد احترام اختلاف کرتے ہوئے یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ ان کے اس فیصلہ میں تضاد پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک طرف جب انہوں نے 298-c کی کلاز مذکور الصدر کلاز (اے)، (بی) اور (ای) کو بنیادی حقوق کے

عین مطابق قرار دیا ہے‘ تو اس کے نتیجہ میں جب ایک قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے شعائر اسلامی اختیار کرتا ہے اور جشن صد سالہ کی آڑ میں وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے تو یقیناً وہ 298-c کے ان شقوں کی خلاف ورزی کرتا ہے‘ جسے خود فاضل جج نے جائز قرار دیا ہے۔ یہ جشن صد سالہ دراصل مرزا غلام احمد قادیانی کی اس خود ساختہ نبوت کا جشن ہے‘ جو انگریزوں اور اقوام یورپ کی ایما پر مسلمانوں سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے تیار کی گئی تھی‘ جس کا تفصیلی ذکر ہم نے اس مقدمہ کے آغاز میں کر دیا ہے۔

اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے متعلق تفصیلی معلومات

لاہور ہائی کورٹ ــــــ لاہور (۱۹۸۱ء)

نفیس احمد وغیرہ	بنام	پنجاب یونیورسٹی

حاضر مبشر لطیف احمد ایڈووکیٹ

حاجی اظہار الحق ایڈووکیٹ

جسٹس گل محمد خان:

۱۔ سائیلان نے جب اپنے نام نہ تو بی فارم میں کلاس کے داخلہ کے لیے مسئول علیہ (پنجاب یونیورسٹی) کی تیار کردہ فہرست مجریہ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱‘ نہ ہی فہرست انتظار میں موجود پائے تو انہوں نے اپنے داخلے کی درخواست کے اخراج کے خلاف یہ رٹ درخواست دائر کی۔

۲۔ ان کی طرف سے یہ موقف اختیار کیا گیا کہ چونکہ انہوں نے بعض داخل کردہ طلباء سے زیادہ نمبر حاصل کیے ہیں اور چونکہ یہ قابلیت کا کھلا مطالبہ تھا لہٰذا یونیورسٹی کو اس بات کا اختیار نہ تھا کہ ان کی درخواست داخلہ صرف اس بنا پر مسترد کر دی جائے کہ انہوں نے کالم نمبر ۶ جو مذہب کے لیے مختص ہے‘ اس میں اسلام کے ساتھ لفظ ’’احمدی‘‘ لکھا ہے۔

۳۔ واضح ہے کہ درخواست داخلہ کا کالم نمبر ۶ طلباء سے ان کے مذہب کا استفسار کرتا ہے۔ واضح طور پر سائیلان نے اپنا مذہب اسلام لکھا ہے اور بریکٹ میں لفظ احمدی لکھا ہے۔ مجلس داخلہ نے درخواست داخلہ مسترد کرنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ سائیلان نے اپنے مذہب کے بارے میں غلط بیانی کی ہے۔ انٹرویو کے دوران اس اندراج کو درست کرنے کے لیے کہا گیا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ وجہ تھی جو ان کے فارم داخلہ مسترد کیے گئے۔

۴۔ فاضل وکیل نے آئین کی دفعہ ۲۰' دفعہ ۴ اور عبوری آئین کے حکم پر انحصار کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مسئول علیہ سائیلان کو مذہب کے خانے میں ''غیر مسلم'' لکھنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر چونکہ احمدی کا لفظ لکھ کر انہوں نے اپنی پوزیشن واضح کر دی ہوئی ہے۔ انہوں نے آنسہ رفعت پروین بنام سلیکشن کمیٹی وغیرہ (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۸۰ کوئٹہ' صفحہ ۱۰) عبدالرحمٰن مبشر بنام سید امیر علی (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۷۸ء لاہور' صفحہ ۱۱۳) کے مقدمہ جات اور آئین کی دفعہ (۲۰) (۳) ب پر انحصار کیا ہے۔

۵۔ عبوری آئینی حکم کی دفعہ کے مطابق آئین کی دفعات ۲۰ اور ۲۲ کو نہیں اپنایا گیا۔ لہٰذا مندرجہ بالا موقف میں کوئی قوت نہیں ہے۔ مزید برآں یہ بھی عیاں ہے کہ کہ عبوری آئینی حکم مجریہ ۱۹۸۱ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ''احمدی'' غیر مسلم ہیں۔ سائیلان نے مذہب کے کالم میں اسلام لکھ کر آئینی دفعات کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔ انہیں اپنے جواب کی تصحیح کا ایک موقع دیا گیا مگر ان کے انکار نے ان کے خلاف مزید جواز پیدا کیا۔ اگر یونیورسٹی ان حالات میں خاموش رہتی تو آئین کی خلاف ورزی میں حصہ دار بنتی۔ سائیلان کے اپنے کردار نے یونیورسٹی کو یہ اختیار دیا کہ ایسی درخواست مسترد کر دی جائے جو بادی النظر میں آئین کی خلاف ورزی کر رہی تھی اور آئینی دفعات کا مضحکہ اڑانے کے مترادف تھی۔ سائیلان کی اس کارروائی سے ڈسپلن کی خلاف ورزی بھی ہوئی۔ اس طرح سائیلان کے اپنے کردار کی بنا پر بھی' میں یونیورسٹی کے حکم میں تبدیلی کو قرین انصاف نہیں گردانتا۔

۶۔ بعدازاں فاضل وکیل نے یہ موقف بھی اختیار کیا کہ مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنا صریحاً غیر مناسب ہے۔ چونکہ یہ قابلیت کا کھلا مقابلہ ہے اور داخلہ کی کارروائی پر اس کا چنداں اثر نہیں ہوتا۔ ان کے مطابق درخواست فارم کے اخیر میں منسلک ''عمومی ہدایات'' کے پیرانمبر ۶ کی رو سے مذہب کو زیر بحث ہی نہیں لایا جاسکتا۔

۷۔ یہ ضروری نہیں کہ مذہب کے بارے میں استفسار کے پس پردہ عقلی وجوہ پر بحث ہو۔ یقیناً کوئی معقول مقصد موجود ہے۔ بہر حال سائیلان سے مذہب کے بارے میں استفسار کیا گیا اور آئین کے مطابق جواب دینا ان پر لازم تھا۔ انہیں امید نہیں کرنی چاہیے کہ حکام ان کے غیر آئینی جوابات میں ان کے ہاتھ ہٹائیں گے۔ مزید براں انہیں داخلے سے انکار اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ کسی مخصوص فرقہ یا مذہب سے متعلق ہیں۔ دراصل ان کے فارم درخواست اس پر بنا پر مسترد کیے کہ انہوں نے ایک غیر آئینی موقف اختیار کیا۔

براں بریں عدالت اسے معاف نہیں کرسکتی کہ سائیلان نے یونیورسٹی اور عدالت کو ایک ایسے نازک مسئلے میں ملوث کرنے کی سعی کی۔ ان پر لازم ہے کہ جب تک یہ شق موجودہ ہے وہ آئین کے مطابق عمل کریں۔ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں مجھے اس رٹ درخواست میں کوئی خوبی معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسے فوری طور پر خارج کیا جاتا ہے۔

دستخط

مسٹر جسٹس گل محمد خان، جج لاہور ہائیکورٹ

(Not Reported)

(ترجمہ: اظہار الحق ایڈووکیٹ)

بحضور جسٹس میاں محبوب احمد (۱۹۸۱)

رٹ پٹیشن نمبر 5637 —— لغایت 1981

فریقین: مسعود احمد ...... درخواست گزار

بنام

(ممبر یونیو) بورڈ آف ریونیو و دیگران

مسئول ایہان

ریفرنس: CLC.1982.357

پیروی: مظفر قادر —— درخواست گزار کی طرف سے پیش

ہوئے

تاریخ فیصلہ: ۲ دسمبر ۱۹۸۱

عدالت کا حکم

اس رٹ پٹیشن کے ذریعہ جو عبوری دستور کے حکم مجریہ ۱۹۸۱ پڑھیے بشمول قوانین کے (مسلسل نفاذ) کے حکم مجریہ ۱۹۷۷ کے تحت دائر کی گئی ہے۔

مورخہ 10.9.81 ' 19.7.77 اور 31.1.77 کو علی الترتیب فاضل ممبر (ریونیو) بورڈ آف ریونیو پنجاب لاہور کمشنر سرگودھا ڈویژن سرگودھا اور اسسٹنٹ کمشنر تلکہ ائل پور کے جاری کردہ احکام کو چیلنج کیا گیا ہے۔

حقائق جن کا اس پٹیشن کی اغراض کے لیے اختصار کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہے، یہ ہیں کہ ظفر الحق نمبر دار چک ۱۲۱ ج۔ب، تحصیل وضلع لائل پور کی وفات پر خالی اسامی کو پر کرنے کے لیے ایک عام اعلان کے ذریعے درخواستیں طلب کی گئیں۔

صدر دین نامی شخص کو اے۔سی/کلکٹر لائل پور کے حکم سے 30.11.72 کو نمبر دار مقرر کر دیا گیا۔ اس تقرری کو کمشنر سرگودھا ڈویژن کی عدالت میں چیلنج کیا گیا جس نے مورخہ 25.7.73 کے حکم کی رو سے اے۔سی/کلکٹر لائل پور کو از سر نو تصفیہ کے لیے بھجوا دیا۔

صدر دین نے کمشنر سرگودھا ڈویژن کے حکم کے خلاف فاضل ممبر (ریونیو) بورڈ آف ریونیو پنجاب کی عدالت میں اپیل دائر کی تو وہ بھی خارج کر دی گئی۔ اس پر اس نے ہائی کورٹ میں رٹ (رٹ پٹیشن نمبر ۱۹۳۶ الغایت ۱۹۷۳) دائر کر دی۔ صدر دین پٹیشن کی سماعت کے دوران چل بسا۔ اس پٹیشن میں ہائی کورٹ کے صادر کردہ فیصلہ کے پیش نظر مقابلہ میں شریک امیدواروں کو سننے اور سفارشات پیش کرنے کے لیے معاملہ تحصیل دار کو بھیج دیا گیا۔

لائل پور کے فاضل اے۔سی/کلکٹر نے تحصیل دار کی سفارشات موصول ہونے پر تینوں امیدواروں کی خوبیوں/ خامیوں کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد آخر کار اپنے حکم مورخہ 31.1.77 کی رو سے محمد منیر مسئول الیہ نمبر ۴ کو نمبر دار مقرر کر دیا۔ فاضل اے۔سی نے جن باتوں کو وزن دیا، وہ حسب ذیل تھیں:

۱۔ یہ کہ محمد منیر زیادہ اراضی (۱۰۲ کنال ۱۴ مرلے) کا مالک تھا۔

۲۔ یہ کہ وہ اکثریتی براوری سے تعلق رکھتا تھا۔

۳۔ یہ کہ وہ سول ڈیفنس کا ممبر تھا اور

۴۔ یہ کہ وہ گاؤں میں اثر و رسوخ رکھتا تھا اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ جہاں تک اس منصب کے لیے مقابلہ میں شریک امیدواروں یعنی عبالمجید اور مسعود احمد کا تعلق ہے، فاضل اے۔سی نے دیکھا کہ وہ دونوں، چک میں رہائش نہیں رکھتے۔ ان میں سے ایک جرمنی میں مقیم تھا جب کہ دوسرے مسعود احمد درخواست گزار کی سکونت سرگودھا

مین تھی، جہاں وہ کتابیں بھیجنے کا کاروبار کرتا تھا۔ وہ کم اراضی کے مالک تھے اور اقلیتی برادری سے تعلق رکھتے تھے، یعنی احمدی تھے۔

اے۔سی/کلکٹر کے حکم پر مطمئن نہ ہوتے ہوئے درخواست گزار نے کمشنر سرگودھا ڈویژن کے ہاں اپیل کی جس نے اپنے حکم مورخہ 19.7.77 کی رو سے اسے کالعدم کر دیا۔ فاضل کمشنر نے اے۔سی/کلکٹر کی تجویز (Findings) سے اتفاق کیا اور یہ بھی دیکھا کہ درخواست گزار کے بچہ نے حال ہی میں گاؤں کے اسکول میں داخلہ لیا ہے اور یہ کہ وہ علاقہ کے راشن ڈپو سے کوئی راشن حاصل نہیں کر رہا۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ عوامل بھی اس امر واقعہ کو تقویت پہنچاتے ہیں کہ درخواست گزار (مسعود احمد) چک میں رہائش پذیر نہیں ہے، چنانچہ اس کے کیس پر مغربی پاکستان قواعد مالیہ اراضی ۱۹۶۸ء کے تحت قاعدہ ۱۸(۲) میں شامل نا اہلیت کا اطلاق ہوتا ہے یعنی وہ نا اہل ہے۔

سائل نے فاضل کمشنر کے حکم سے بھی خود کو مظلوم سمجھتے ہوئے فاضل ممبر (ریونیو) بورڈ آف ریونیو کے ہاں نظر ثانی کی درخواست دے دی۔ جس نے اپنے حکم مورخہ 10.9.81 کے تحت سابقہ فیصلہ کو اس بنا پر کالعدم قرار دیا کہ نچلی دونوں عدالتیں اپنی تجویز میں متفق الرائے ہیں۔ اس لیے زیر نظر آئینی پٹیشن دائر کی گئی ہے۔

سائل کے فاضل وکیل کا استدلال تھا کہ نچلے دونوں فورموں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ نمبردار کی تقرری مغربی پاکستان قواعد لگان اراضی مجریہ ۱۹۶۸ء کے قاعدہ ۱۷ کے تحت کی گئی ہے۔ معاملہ کا غلط فیصلہ کر دیا اور یہ حقیقت نظر انداز کر دی کہ یہ محض جانشین کی تقرری کا کیس ہے جس پر قواعد مذکورہ بالا کے قاعدہ ۱۹ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس نے مزید دلیل دی کہ احمدی ہونا کوئی نا اہلیت نہیں کیونکہ نمبرداری کا فیصلہ ''ارائیں''، ''جاٹ''، ''راجپوت''، ''گوجر'' اور ''سید'' وغیرہ ہونے کی وجہ سے نچلی عدالتوں نے تعصب سے کام لیتے ہوئے اس کے خلاف غلطی پر مبنی فیصلہ صادر کیا۔

مجھے افسوس ہے کہ سائل کی طرف سے پیش کردہ دلائل میں کوئی وزن نہیں۔

سماعت کرنے والے مقتدر حکام نے نمبردار کی تقرری کے معاملہ کو قاعدہ ۱۷ کے تحت نہیں سمجھا بلکہ قاعدہ ۱۹ کے تحت لیا ہے۔ صادر کردہ احکام پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سماعت کے

دوران مختلف امیدواروں کی خوبیوں اور کامیوں کو جانچا گیا تھا اور واقعاتی تجویز کی روشنی میں جس پر نچلی تمام عدالتیں متفق ہیں، یہ فیصلہ کیا گیا کہ مسئول الیہ نمبر ۴ درخواست گزار کے مقابلے میں زیادہ موزوں ہے۔ درخواست گزار کے مرحوم کے ساتھ رشتہ پر بھی غور کیا گیا، لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ علاقے سے غیر حاضر رہتا ہے اور چک میں رہائش نہیں رکھتا بلکہ کہیں اور سرگودھا میں کاروبار کرتا ہے۔ اپنے فرائض ادا نہیں کر سکے گا۔ پس اس پر مذکورہ بالا قواعد کے قاعدہ ۱۸ (۲) کا اطلاع ہوتا ہے۔ قاعدہ ۱۹ کی تشریح کلکٹر کو یہ اختیار کر دیتی ہے کہ وہ ایسے شخص کو بحیثیت نمبردار مقرر کرنے سے انکار کر دے جو وارث کے طور پر اس منصب کے لیے ایسی بنیاد پر دعویٰ کر رہا ہے جو نمبردار کے منصب سے اس کی برطرفی کا جواز فراہم کرتی ہے۔ معاملہ کی اس نوعیت کے پیش نظر قاعدہ ۱۹ کے تحت نمبردار کا تقرر کرتے وقت قاعدہ ۱۸ (۲) (سی) کو ملا کر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس لیے مسئول الیہ نمبر ۴ کی بطور نمبردار تقرری کرنے اور سائل کو نااہل قرار دینے میں کسی استثناء سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

سائل کی طرف سے دی گئی دوسری دلیل میں بھی کوئی وزن نہیں۔ درخواست گزار کا احمدی ہونا واحد سبب نہیں تھا، جسے نچلی عدالتوں نے نمبرداری کے نااہل قرار دینے کے لیے وزن دیا۔ حقیقت میں جس چیز کو اہمیت دی گئی وہ یہ تھی کہ سائل گاؤں کا رہائشی نہیں ہے بلکہ سرگودھا شہر میں رہتا ہے، جہاں وہ کتب فروشی کرتا ہے۔ صرف یہی نہیں ریکارڈ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سائل کے بچوں کو حال ہی میں گاؤں کے اسکول میں داخل کرایا گیا ہے۔ بظاہر یہ دکھانے کے لیے کہ وہ وہاں رہائش رکھتا ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ سائل علاقہ کے راشن ڈپو سے راشن نہیں لیتا۔ اس واقعاتی تجویز کے مطابق نمبردار کی حیثیت سے سائل کی تقرری درست نہیں تھی کیونکہ اس پر مغربی پاکستان قواعد لگان مجریہ ۱۹۶۸ کے قاعدہ ۱۸ (۲) (سی) میں مذکور نااہلیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

فاضل اے۔ سی/کلکٹر نیز فاضل کمشنر کے صادر کردہ احکام کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے سائل کے احمدی ہونے کے عامل کو ثانوی نوعیت کا سمجھا اور اس نکتہ پر نچلی عدالتوں کے آبزرویشنز سے بظاہر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بصورت دیگر بھی اس عامل کی بنا کر کسی استثنا کو بروئے کار نہیں لایا جاسکتا کیونکہ تقابلی مطالعہ کر کے فاضل اے۔ سی اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ گاؤں میں ۵ مسلم

مالکان ہیں۔ جبکہ احمدی مالکان کی تعداد سات آٹھ سے زیادہ نہیں۔ اس لیے اکثریت اس برادری کی ہے، جس سے مسئول الیہ نمبر ۴ تعلق رکھتا ہے۔ فاضل کمشنر نے بھی ریکارڈ ملاحظہ کر کے دیکھا ہے کہ گاؤں کے باشندے درخواست گزار کو یا اس کی برادری سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کو بطور نمبردار قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اگر سائل کو گاؤں کا نمبردار مقرر کر دیا جاتا تو نمبرداری کا کام صحیح طریقے سے انجام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

مزید برآں نچلی عدالتوں نے سائل کو نمبرداری کے لیے نااہل قرار دینے کی جو وجہ بتائی ہیں، وہ متفقہ واقعاتی تجویز پر مبنی ہیں۔ اب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی ہے کہ نچلی عدالتوں اور حکام نے جن متنازعہ امور کو حل کر دیا ہے، وہ عالت ہذا کے آئینی اختیار سماعت میں قابل چیلنج نہیں۔ خواہ وہ فیصلہ غلطی پر مبنی ہو۔ (حوالہ کے لیے دیکھیے محمد حسین منیر و دیگران بنام سکندر و دیگران (پی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۷۴ ایس۔ سی ۳۹)

زیر بحث مقدمہ میں نہ صرف سائل کی سکونت سے متعلق واقعاتی تجویز پر اتفاق رائے موجود ہے جو ریکارڈ کے ملاحظہ پر مبنی ہے۔ اس لیے ایسی تجویز پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ درخواست کے ساتھ ضمیمہ جات الف، جی، ایچ اور جے کی صورت میں جو دستاویزات یہ ظاہر کرنے کے لیے منسلک کی گئی ہیں کہ سائل گاؤں میں ہی رہتا ہے، وہ فاضل اے۔ سی/کلکٹر کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد کی تاریخوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے چند فاضل کمشنر کے فیصلہ کی تاریخ سے چند دن پہلی کی ہیں۔ کمشنر نے یہ دستاویزات ملاحظہ کی ہیں، جس کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اس نے ضمیمہ ''الف'' کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ درخواست گزار نے اپنے بچوں کو گاؤں کے اسکول میں حال ہی میں نمبرداری پر اپنا استحقاق ثابت کرنے کی غرض سے داخل کرایا ہے۔ تاہم سرگودھا میں اعتراف کردہ کاروبار اور اس حقیقت کی بنیاد پر وہ علاقئی ڈپو سے راشن نہیں لے رہا، یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ درخواست دہندہ گاؤں کو سکونتی نہیں ہے۔ بظاہر ایسی تجویز میں عدالت ہذا کے آئینی اختیار سماعت کے اندر رہتے ہوئے مداخلت نہیں کی جا سکتی۔

مقدمہ کے آخر میں، میں یہ کہنا چاہوں گا کہ نمبردار کی تقرری کا معاملہ لازماً ایک انتظامی کارروائی ہے اور کسی شخص کو اس منصب پر تقرری کا دعویٰ کرنے کا محفوظ حق حاصل نہیں۔

نمبردار کی تقرری پر لاگو ہونے والے قواعد کے مجموعی مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی شخص کو کوئی قانونی حق تفویض نہیں کرتے بلکہ ہدایتی نوعیت کے ہیں جو مجاز حکام کی جانشین نمبردار کے چناؤ میں راہنمائی کرتے ہیں۔ ان قواعد کے پس پردہ یہ مقصد کارفرما ہے کہ ایسے شخص کا تقرر کیا جائے جو تقرر کنندہ حاکم کی رائے میں اہل امیدواروں میں سب سے بہتر ہو اور ایسی تقرری کی جانچ پڑتال ۱۹۶۷ کے مغربی پاکستان مالیہ اراضی ایکٹ کی رو سے انتظامیہ پر چھوڑ دی گئی ہے۔ بصورت دیگر بھی معاملات کی نوعیت کے پیش نظر جانشین نمبردار کی سلیکشن یا چناؤ کا کام محکمہ مال کے افسران پر چھوڑ دینا چاہیے جو اپنے تجربے، تربیت اور علاقائی امور کے بارے میں معلومات کی بنا پر مناسب انتخاب کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ پس نمبردار کی تقرری کا مسئلہ ایسا نہیں کہ اس کے تعین کے لیے اس عدالت کے آئینی اختیار سماعت سے مدد لی جائے۔

گزشتہ بحث کے پیش نظر مجھے اس رٹ پٹیشن میں کوئی میرٹ دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ اسے خارج کیا جاتا ہے۔

(درخواست خارج کر دی گئی)

(سی۔ایل۔سی ۱۹۸۲، صفحہ ۳۵۷)

وفاقی شرعی عدالت میں (۱۹۸۴)

(اصل دائرۂ کار)

- مسٹر جسٹس فخر عالم — چیف جسٹس
- مسٹر جسٹس چوہدری محمد صدیق
- مسٹر جسٹس مولانا ملک غلام علی
- مسٹر جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی

شریعت پٹیشن نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء

مجیب الرحمٰن | درخواست
دہندگان
اور تین دیگر

بنام

وفاقی حکومت پاکستان | مدعی علیہ
بذریعہ اٹارنی جنرل آف پاکستان

شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء

کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد | درخواست
دہندگان
اور ایک دوسرا

بنام

اٹارنی جنرل' اسلامی جمہوریہ پاکستان | مدعی علیہ

برائے درخواست دہندگان
☆ (شریعت پٹیشن نمبر ۱۷/آئی ۱۹۸۴ء میں)
مسٹر مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ
(یکے از درخواست
دہندگان)

برائے درخواست دہندگان
(شریعت پٹیشن نمبر ۲/ایل ۱۹۸۴ء میں)
کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد
(یکے از درخواست
دہندگان)

منجانب مدعی علیہ
حاجی شیخ غیاث محمد ایڈووکیٹ
مسٹر ایم۔ بی۔ زمان ایڈووکیٹ
اور ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ

تاریخ سماعت	۱۵/۷/۱۹۸۴ء	۱۶/۷/۱۹۸۴ء
لاہور میں	۱۷/۷/۱۹۸۴ء	۱۸/۷/۱۹۸۴ء
	۱۹/۷/۱۹۸۴ء	۲۲/۷/۱۹۸۴ء
	۲۳/۷/۱۹۸۴ء	۲۴/۷/۱۹۸۴ء
	۲۵/۷/۱۹۸۴ء	۲۶/۷/۱۹۸۴ء
	۲۹/۷/۱۹۸۴ء	۳۰/۷/۱۹۸۴ء
	۳۱/۷/۱۹۸۴ء	۱/۸/۱۹۸۴ء
	۲/۸/۱۹۸۴ء	۵/۸/۱۹۸۴ء
	۶/۸/۱۹۸۴ء	۷/۸/۱۹۸۴ء
	۹/۸/۱۹۸۴ء	۱۱/۸/۱۹۸۴ء
	۱۲/۸/۱۹۸۴ء	

تاریخ فیصلہ ۱۲/۸/۱۹۸۴

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

(اخباری رپورٹ)

’’وفاقی شرعی عدالت نے ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ایک فیصلے میں قادیانیوں کی دائر کردہ درخواست مسترد کردی ہے اور قرار دیا ہے کہ قادیانی آرڈیننس کسی بھی طرح قرآن وسنت احکام کے منافی نہیں ہے۔ قادیانیوں سے تعلق رکھنے والے بعض افراد نے وفاقی شرعی عدالت سے استدعا کی تھی کہ قادیانی گروپ‘ لاہوری گروپ اور احمدیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں پر پابندی اور

تقریر سے متعلق آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء میں شامل دفعات کو قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت نے درخواست کی تفصیل سے سماعت کی۔ عدالت میں دوسری باتوں کے علاوہ جو نکات اٹھائے گئے تھے' ان میں یہ سوال بھی شامل تھا کہ کیا حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ قطعی طور پر ختم ہو گیا ہے؟ کیا وہ آخری پیغمبر تھے اور ان کے بعد اب کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا؟ عدالت نے قرآن وسنت اور سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے متفقہ اور نامور مفسرین کی تشریحات اور آراء کو پیش کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا سلسلہ قطعی طور پر ختم ہو چکا ہے اور یہ کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی تھے۔ ان کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ عدالت سماعت کے بعد جس نتائج پر پہنچی ہے ان کو قلم بند کرتے ہوئے اس نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں امت مسلمہ کے ایک فرد اور اسلامی شریعت کے پیروکار کے طور پر ظاہر ہوں گے اور یہ کہ مرزا غلام احمد نہ مسیح موعود تھے اور نہ ہی مہدی' جو لوگ قرآن پاک کی واضح اور عمومی آیات کو ان تحریف اور تخصیص کے ذریعے غلط معانی پہناتے ہیں' مومن نہیں ہیں اور چونکہ مرزا غلام احمد نے بھی خود کو نبی کہا تھا لہٰذا وہ کافر تھا۔ مرزا غلام احمد کی زندگی کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دھوکہ باز اور بے ایمان آدمی تھا' جس نے درجہ بدرجہ اور منصوبے کے ساتھ اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے خود کو محدث اور بعد میں ظلی اور بروزی نبی اور رسول اور مسیح منوانے کی کوشش کی۔ اس کی تمام پیش گوئیاں اور الہامی پیش گوئیاں غلط پائی گئیں' لیکن اپنے مخالفین کے تمسخر سے بچنے کے لیے اس نے بعض اوقات اپنی تحریروں کی اس طرح تعبیر کی ہے کہ اس میں نبوت یا رسالت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ مرزا غلام احمد نے خود اس بات کا اعلان کیا کہ خدا نے اس پر وحی بھیجی ہے' جس شخص تک میرا یعنی غلام احمد کا پیغام پہنچے اور وہ مجھے نبی قبول نہ کرے' وہ مسلمان نہیں ہے۔ مرزا غلام احمد کے اسی اعلان کی تائید چوہدری ظفر اللہ خان نے کی تھی' جنہوں نے

قائداعظم کے نماز جنازہ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ خود قادیان میں مرزا غلام احمد کے ماننے والے' مسلمانوں کو اذان دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ عدالت کے اخذ کردہ نتائج کے مطابق قائداعظمؒ یا پاکستان کا قادیانیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ یا عہد و پیان نہیں تھا کہ ان کو مسلمان سمجھا جائے گا یا ان کو اسلام کے نام سے اپنے عقیدے کی تبلیغ کرنے دی جائے گی اور یہ کہ مسلمانوں کے طور پر عمل کرنے کی اجازت دینے سے انکار کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کے اپنے مذہب کے حق عبادت میں مداخلت کی گئی ہے' وہ ایسا کر سکتے ہیں' جب تک کہ وہ خود کو مسلمان ظاہر نہ کریں یا لوگوں کو اپنے عقیدے پر لانے کے لیے اس عقیدے کے بارے میں غلط بیانی سے کام نہ لیں۔

ام المومنین' امیر المومنین' خلفتہ المومنین کے کلمات کے استعمال سے لوگوں کو دھوکہ ہو سکتا ہے کہ ایسے ناموں کے حامل مسلمان ہیں۔ اسی طرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلمہ قرآن پاک میں رسول پاک ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے لیے بطور فضل و رحمت استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح مسلمان صحابی اور اہل بیت کے کلمات علی الترتیب رسول پاک ﷺ کے صحابہ اور ان کے خاندان کے افراد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ قادیانیوں کی طرف سے خود کو مسلمان ظاہر کرنے' مسلمانوں کی طرح عمل کرنے اور مسلمانوں کی مقدس شخصیات' مقامات' خطابات' القابات اور ناموں کا استعمال کرنے پر اصرار کی وجہ سے مسلمانوں کو ہمیشہ ایذا اور تکلیف پہنچی ہے اور امن عامہ کے مسائل پیدا ہوئے ہیں' جس کی وجہ سے مملکت کے لیے قانون نافذ کرنا ضروری ہو گیا۔ عدالت نے کہا ہے کہ قادیانیوں اور لاہوریوں کی طرف سے مسلمانوں کی مقدس شخصیات اور مقامات کے خطابا اور القابات کے استعمال یا خود کو مسلمان اور اپنے مذہب کو اسلام قرار دینے اور مسلمانوں کی طرح اذان دینے پر' ۱۹۸۴ء کے آرڈیننس نمبر ۲۰ کے تحت' جو سزا یا جرمانہ مقرر کیا گیا ہے' وہ ایک جائز قانون ہے''

(روزنامہ جنگ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

لاہور ہائی کورٹ لاہور

(ابتدائی کوائف)

عنوان مقدمہ	....	ملکہ جہانگیر ایم جوئیہ بنام سرکار
متفرق فوجداری نمبر	....	۱۹۸۷۔بی۔۱۵۹۲
تاریخ سماعت	....	۲۸ جون ۱۹۸۷ء
فریق اول	....	ملک جہانگیر ایم جوئیہ (پٹشنر)
فریق ثانی	....	سرکار (ریسپانڈنٹ)
فریق اول کے وکلاء	....	شیخ مجیب الرحمٰن' ملک محمود مجید اور مرزا نصیر احمد ایڈووکیٹ
فریق ثانی کے وکلاء	....	خلیل الرحمٰن رمدے ایڈووکیٹ جنرل'
		اویس نسیم ایڈووکیٹ
وکیل مستغیث	....	رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ
❁	....	اے۔ایس۔آئی' امیر خاں مع ریکارڈ

فیصلہ کی اخباری رپورٹ:

جسٹس محمد رفیق تارڑ سپریم کورٹ پاکستان
(سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ)

''لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس محمد رفیق تارڑ نے سرگودھا کے قادیانی وکیل ملک جہانگیر محمد خاں کی ضمانت کی درخواست اس بناء پر خارج کر دی ہے کہ درخواست گزار نے اسے واپس لے لیا

ہے۔ ملک جہانگیر محمد خاں پر کلمہ طیبہ سینے پر لگانے کا الزام ہے۔ اس جرم میں ایڈیشنل جج سرگودھا نے اس کی درخواست ضمانت پہلے ہی مسترد کر دی تھی۔ عدالت عالیہ نے اس کی اپیل خارج کرتے ہوئے ایڈووکیٹ جنرل پنجاب مسٹر خلیل رمدے کے اس موقف سے اتفاق کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب خود کاشتہ پودا ہے‘ جسے برطانوی سامراج نے پیدا کیا تھا‘ اس لیے مرزا غلام احمد قادیانی کے جو پیروکار اپنے لیے محمد رسول اللہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں‘ وہ حضرت نبی آخر الزماں ﷺ کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ درخوات گزار اور متعدد دوسرے افراد کے خلاف‘ اپنے سینوں پر کلمہ طیبہ لگانے کے جرم میں‘ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ کے تحت مقدمہ درج کر کے انہیں گرفتار کیا گیا تھا۔ دیگر افراد کو یڈیشنل سیشن جج سرگودھا نے رہا کر دیا تھا۔ جب کہ درخواست گزار کے توہین آمیز رویہ کے باعث اس کی ضمانت کی درخواست مسترد کر دی تھی‘ اس لیے بعد میں ملزم نے ہائی کورٹ میں اپیل کر دی۔

اس کیس کی مختلف تاریخوں پر سماعت کے دوران ڈپٹی اٹارنی جنرل سید ریاض الحسن گیلانی نے موقف اختیار کیا کہ قادیانی حضرات کی جانب سے کلمہ طیبہ کا بیج لگانا تعزیرات پاکستان کی ۲۹۵۔سی کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی سزا موت ہے انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی خود کو محمد رسول اللہ بھی کہتا تھا اس لیے اس کے پروکار جب کلمہ طیبہ لگاتے ہیں تو محمد رسول اللہ سے ان کی مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے قادیانیوں کی کتاب کلمۃ الفصل بھی پیش کی۔ اس میں تحریر کیا گیا ہے کہ ’’پس مسیح موعود خود محمد رسول اللہ جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں آئے‘ اس لیے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔‘‘

فاضل عدالت کے روبرو جب اس تحریر کے بارے میں درخواست گزار کے وکیل شیخ مجیب الرحمان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی وضاحت سے انکار کیا اور درخواست ضمانت واپس لینے کی درخواست کی کی۔ اس پر ایڈووکیٹ جنرل پنجاب خلیل رمدے نے موقف اختیار کیا کہ درخواست ضمانت میں درج الفاظ توہین عدالت کے مترادف ہیں۔ اس لیے انہیں اس درخواست کے بارے میں اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس پر فاضل عدالت نے سماعت

ملتوی کردی۔ اگلی تاریخ سماعت پر ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نے اپنا موقف پیش کیا۔ انہوں نے فاضل عدالت عالیہ کے روبرو چار کتابیں پیش کیں اور ان میں سے اقتباسات پڑھے۔ انہوں نے موقف اختیار کیا کہ قادیانیت برطانوی حکمرانوں کا خودساختہ مذہب ہے۔

فاضل عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ کے آخر میں لکھا ہے کہ درخواست گزار کے وکیل نے رٹ درخواست واپس لینے کے لیے جو تحریر پیش کی ہے' اس میں درج الفاظ سے عدالت کی توہین کا پہلو نکلتا ہے' لیکن چونکہ درخواست گزار کا وکیل ایک اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے' اس لیے یہ عدالت رحم دلی سے کام لے کر اس سلسلہ میں مزید کارروائی نہیں کرے گی۔'' (روزنامہ مشرق لاہور' روزنامہ جنگ لاہور ۱۲ جولائی ۱۹۸۷ء)

ہائی کورٹ آف بلوچستان' کوئٹہ (۱۹۸۷)

بعدالت مسٹر جسٹس امیر الملک مینگل

فوجداری نگرانی نمبر ۸۷/ ۳۸

ظہیر الدین ولد عطاء الرحمٰن' ذات قریشی' سکنہ فلیٹ نمبر ۲۱ سی' کبیر بلڈنگ' جناح روڈ کوئٹہ' ب قیدی' سینٹرل جیل مچھ .... سائل

سرکار .... بنام .... مسئول الیہ

رفیع احمد ولد ظفر احمد' ذات، شیخ سکنہ نہال سنگھ سٹریٹ' کوئٹہ اب قیدی سینٹرل جیل مچھ .... سائل

سرکار .... بنام .... مسئول الیہ

فوجداری نگرانی نمبر ۸۷/۳۹

عبدالمجید ولد عبدالسلام' ذات ککے زئی' سکنہ علی یار سٹریٹ، توغی روڈ' کوئٹہ اب قیدی' سینٹرل

جیل مچھ .... سائل

سرکار .... بنام ....مسئول الیہ

فوجداری نگرانی نمبر ۴۱/۸۷

عبدالرحمان خاں ولد محمد عبداللہ ذات ککے زئی سکنہ قائد آباد کوئٹہ اب قیدی سینٹرل جیل مچھ

.... سائل

سرکار .... بنام ....مسئول الیہ

چودھری محمد حیات ولد چودھری اللہ بخش ذات کشمیری بٹ سکنہ گوردت سنگھ روڈ کوئٹہ

.... سائل

سرکار .... بنام ....مسئول الیہ

درخواست ہائے نگرانی:

زیر دفعات ۴۳۹/ ۴۳۵ ضابطہ فوجداری تعزیرات پاکستان بحکم مورخہ ۱۶ جون ۱۹۸۷ء از مسٹر جے۔ کے شیروانی ایڈیشنل سیشن جج درجہ اول کوئٹہ بدیں وجہ سائل کی اپیل بخلاف حکم سزا دہی اور ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر I اور مجسٹریٹ درجہ اول کوئٹہ کی طرف سے صادر شدہ سزا برقرار رہی اور سائل کی اپیل خارج کر دی گئی۔

تاریخ ہائے سماعت:

۱۹ ستمبر ۱۹۸۷ء--- ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء--- ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء۔

سائل:

ظہیر الدین و دیگران بذریعہ مسٹر مجیب الرحمان ایڈووکیٹ--- مددگار وکلا: مبارک احمد سید علی احمد طارق خالد ملک احسان الحق اور مرزا عبدالرشید ایڈووکیٹ صاحبان۔

مسوئل الیہ:

سرکار' بذریعہ چودھری محمد اعجاز یوسف ایڈووکیٹ --- محمد مقیم انصاری اور بشارت اللہ ایڈووکیٹ صاحبان بطور صدیق العدالت۔

فیصلہ:

''میں نے تمام بحث اور دلائل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دفعہ ۲۹۸۔بی تعزیرایات پاکستان اور دفعہ ۲۹۸۔سی تعزیرات پاکستان' دو آزاد دفعات ہیں' جو الگ الگ جرائم کا تعین کرتی ہیں۔ دفعہ ۲۹۸۔بی کا ابتدأ یہ منشا تھا کہ مقدس ہستیوں' ناموں' القابوں اور مقامات وغیرہ کو۔بے جا استعمال ہونے سے محفوظ رکھا جائے' لیکن دفعہ ۲۹۸۔سی کسی قادیانی کو اس کے طریقہ کار اور عام طرز عمل کے لیے اس صورت میں سزادہی کا مستوجب قرار دیتی ہے' جب وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ اپنے آپ کو مسلم ظاہر کرتا ہے یا اپنے عقیدے کو اسلام کہتا یا اس کا حوالہ دیتا ہے اپنے عقیدہ کی تبلیغ یا نشر و اشاعت کرتا ہے یا کسی نظر آنے والی قائم مقامی کے ذریعے یا کسی بھی اور طریقے سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکاتا ہو۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دفعہ ۲۹۸۔سی تعزیرات پاکستان کے الفاظ میں' مجلس قانون ساز کا منشا دریافت کرنے کے لیے' کوئی الہام موجود نہیں ہے۔'' (پی۔ایل۔ڈی ۱۹۸۸ء کوئٹہ)

سپریم کورٹ آف پاکستان

(شرعی مرافعہ کا دائرہ کار)

حاضر:

جناب جسٹس محمد افضل ظلہ' چیئرمین

جناب جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ

جناب جسٹس شفیع الرحمٰن

جناب جسٹس پیر محمد کرم شاہ

جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی

شرعی مرافعہ نمبر ۲۴ برائے ۱۹۸۴ء:

شرعی مرافعہ نمبر ۲۵ برائے ۱۹۸۴:

(شریعت پٹیشن نمبر ۱۷ آئی ۱۹۸۴ء ۲ اپریل ۱۹۸۴ء ۱۷ اپریل ایل ۱۹۸۴ء اور ۲۱ ایل ۱۹۸۴ء میں وفاقی شرعی عدالت' لاہور کے فیصلے/احکامات مجریہ ۱۲/ ۸/ ۱۹۸۴ء کے خلاف اپیل)

کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالواجد

اور ایک دوسرا (ایس اے ۲۴/ ۱۹۸۴ء)

مجیب الرحمٰن اور تین دیگر — اپیل کنندگان

(ایس اے ۲۵/ ۱۹۸۴ء)

بنام

وفاقی حکومت پاکستان

مدعی علیہ

بتوسط اٹارنی جنرل آف پاکستان

برائے اپیل کنندہ نمبر ۱ — مسٹر منظور الٰہی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

(ایس اے ۲۴/ ۱۹۸۴ء)

اپیل کنندہ نمبر ۲ — شخصی طور پر

(ایس اے ۲۴/۱۹۸۴ء)

برائے اپیل کنندگان — مسٹر مجیب الرحمٰن شخصی طور پر

(ایس اے ۲۵/۱۹۸۴ء) — مسٹر حمید اسلم قریشی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

اور دیگران شخصی طور پر

برائے مدعی علیہ — ڈاکٹر سید علی ریاض الحسن گیلانی

(دونوں معاملات میں) — ڈپٹی اٹارنی جنرل

چوہدری اختر علی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

تاریخ سماعت برائے — ۱۰/۱/۱۹۸۸ء راولپنڈی

(ایس اے نمبر ۲۴/۱۹۸۴ء) — ۱۱/۱/۱۹۸۸ء راولپنڈی

تاریخ سماعت برائے — ۱۲/۱/۱۹۸۸ء راولپنڈی

(ایس اے نمبر ۲۵/۱۹۸۴ء)

عدالتی فیصلہ

''متنازعہ فیصلہ اپیل کنندگان کی ان دو درخواستوں پر دیا گیا تھا' جنہیں انہوں نے الگ الگ پیش کیا اور ان میں ایک قانون ''قادیانی گروہ'' لاہوری گروہ اور احمدیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی (ممانعت اور سزا) کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء کو چیلنج کرتے ہوئے اسے دفعہ ۲۰۳ ڈی کے مطابق احکام اسلام کی رو سے کالعدم قرار دینے کی درخواست کی تھی۔ عدالت نے اس دفعہ کی ذیلی شق (۲)(۱) کے مطابق مفصل وجوہ (جو ۲۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں) بیان کرتے ہوئے دادرسی سے انکار کر دیا تھا اس مقصد کے لیے ترمیم صرف ووٹوں کی مطلوبہ لازمی اکثریت سے نہیں' بلکہ دونوں ایوانوں میں اتفاق رائے سے پاس کی گئی تھی اس ترمیم نے مرزا غلام احمد کے پیرو کاروں کو' جو عموماً احمدیوں کے نام سے معروف ہیں' غیر مسلم قرار دے دیا تھا اور پورے ہاؤس پر مشتمل خاص کمیٹی کی طویل روئیداد کے دوران احمدیوں کے دونوں گروہوں کے مسلمہ لیڈروں کو

بھی اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ اس قرارداد میں یہ تصریح بھی موجود تھی کہ ''احمدی اندرونی اور بیرونی سطح پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور یہ کہ'' اس وقت مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس' جس میں دنیا بھر سے ۱۴۰ وفود نے شرکت کی تھی۔ بالا اتفاق قرار دیا تھا کہ '' قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف سرگرم عمل ایک تخریبی تحریک ہے' جو دھوکے اور مکاری سے ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔'' (مباحثہ قومی اسمبلی پارلیمنٹ جلد۴' ۱۹۷۴ء)۔

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ (الف) میں درج توضیع کے مطابق' جو مسلمان دستور کے آرٹیکل ۲۶۰ کی شق (۳) میں درج کردہ حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدے کے خلاف اظہار کرے گا' عمل کرے گا یا تبلیغ کرے گا۔ وہ اس دفعہ کے تحت سزا کا مستحق ٹھہرے گا اپیل کنندگان کے اپنے بیان کے مطابق' وہ ان مسلمانوں کے مقابلے میں '' خوردبینی اقلیت'' ہیں جو نہ صرف یہ کہ پاکستان میں وسیع اکثریت میں نہیں' بلکہ عالم اسلام کی سطح پر تو ان کی حیثیت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ ان کی حیثیت کے بارے میں اس طویل نزاع کو حل کرنا ہے جو تقریباً پون صدی سے ملک میں چلا آرہا ہے۔ ماضی میں اس نزاع پر خون ریزی' مارشل لاء کا نفاذ' عدالتی تحقیق' مداخلت اور کارروائیاں اور احتجاج بھی ہوتے رہے ہیں۔ اس سے قبل یہ تمام حل آزمائے جا چکے تھے۔ اس بار' دستوری اور پارلیمانی طریقہ کار اپنایا گیا۔ جس قانون کو فاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا' وہ بھی متذکرہ بالا صورتحال کا حاصل اور بدیہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے اور اس سے مقصود بھی یہی ہے کہ احمدیوں کی کچھ ان سرگرمیوں کو روکا جائے جو ان سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں.............
مذکورہ بالا حقائق اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں شریعت اپیلیں نمبر ۲۴ اور ۲۵ برائے ۱۹۸۴ء واپس لیے جانے کی وجہ سے خارج کی جاتی ہیں اور قرار دیا جاتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کا زیر بحث فیصلہ ملک میں نافذ العمل رہے گا۔ (۱۰ جنوری ۱۹۸۸ء)

☆

لاہور ہائی کورٹ ۱۹۹۱ء

ابتدائی کوائف

عنوان مقدمہ......مرزا خورشید احمد ودیگر بنام حکومت پنجاب

مقدمہ نمبر......رٹ پٹیشن نمبر ۲۰۸۹ لغایت ۱۹۸۹

فریق اول......مرزا خورشید احمد ودیگر　　　　اپیلانٹ

فریق ثانی......حکومت پنجاب وغیرہ　　　　مسئول الیہان

فریق اول کے وکلاء......سی اے رحمان' مبشر لطیف احمد　　　　اور مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ

فریق دوم کے وکلاء......مقبول الٰہی ملک' ایڈووکیٹ جنرل اور ان کے معاونین این اے غازی' اے اے جی ارشاد اللہ خان اور مسعود احمد خان ایڈووکیٹ

دیوانی متفرق......درخواست نمبر ۵۳۷۷ لغیات ۱۹۸۹ کی پیروری ایم اسماعیل قریشی اور

دیوانی متفرق......درخواست نمبر ۲۰۴۹ لغایت ۱۹۹۱ء میں رشید مرتضٰی قریشی پیش ہوئے۔

تاریخ ہائے سماعت:۔۶' ۷' ۱۱' ۱۲' ۱۳' ۱۴' ۱۵' ۱۶' ۱۷' ۱۸' ۱۹' ۲۰' ۲۱' اور ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء

فیصلہ کا اعلان......مورخہ ۱۷ ستمبر' ۱۹۹۱ء کو کیا گیا۔

فیصلہ کی اخباری رپورٹ

جسٹس خلیل الرحمان خان' لاہور ہائی کورٹ:

لاہور ۱۷ ستمبر (سٹاف رپورٹر) لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس خلیل الرحمان خان نے دو قادیانی راہنماؤں' مسٹر خورشید احمد اور حکیم خورشید احمد کی وہ رٹ درخواست مسترد کر دی ہے' جس میں صوبائی ہوم سیکرٹری کے اس حکم کو چیلنج کیا گیا تھا' جس کے تحت قادیانیوں کے صد سالہ جشن منانے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اس رٹ میں' جو ۸ مارچ ۱۹۸۹ء کو دائر کی گئی تھی' درخواست دہندگان نے موقف اختیار کیا تھا کہ قادیانیوں کی تنظیم ۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو قائم ہوئی تھی اور ۲۳ مارچ

۱۹۸۹ء کو اس تنظیم کے سو سال ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر وہ قادیانی تحریک کا سو سالہ جشن منانا چاہتے تھے۔ وہ اس سلسلے میں گھروں پر روشنی کرنا چاہتے تھے اور جلسے منعقد کرنا چاہتے تھے' وہ کسی قسم کی اشتعال انگیزی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

انہوں نے اس موقع پر نیا لباس پہننا تھا' مٹھائی تقسیم کرنا تھی اور اپنی اولاد کو تحریک کے مقاصد سے آگاہ کرنا تھا۔ رٹ درخواست میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ہمیں جشن صد سالہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی نعمتوں' نوازشوں' انعامات اور رحمتوں کا شکریہ ادا کرنا تھا' جو اللہ تعالیٰ نے اس تحریک والوں پر کی ہیں۔ انہوں نے اپنی نئی نسل کو تحریک کا پیغام پہنچانا تھا۔ یہ ان کا آئینی اور قانونی حق ہے' لیکن حکومت نے صد سالہ جشن کی تقریبات پر پابندی لگا دی اور یہ موقف اختیار کیا کہ اس سے عوام میں فساد کا اندیشہ ہے۔

صوبائی ہوم سیکرٹری نے ۲۰ مارچ ۸۹ء کو ایک حکم جاری کیا اور ۲۱ مارچ ۸۹ء کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ نے بھی ایک حکم جاری کیا۔ جس میں قادیانیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آرائشی دروازے اور روشنیاں ہٹا دی جائیں اور ایسی کوئی کارروائی نہ کی جائے' جس سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے' قادیانیت کی تبلیغ نہ کی جائے اور نہ ہی جلسے جلوس نکالے جائیں۔ درخواست دہندگان نے اپنی رٹ میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۸ سی کو چیلنج کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ یہ دفعہ آئین کے آرٹیکل ۲۰ سے متصادم ہے' جس کے تحت کوئی بھی مذہب اختیار کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ رٹ درخواست میں مخالفین کے بارے میں جنونی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ لوگ قادیانیوں کو ان کے جائز حقوق اور مراعات سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔

درخواست دہندگان کی طرف سی اے رحمٰن' مبشر لطیف اور مجیب الرحمٰن ایڈووکیٹ نے پیروی کی' جب کہ حکومت کی طرف سے ایڈووکیٹ جنرل مسٹر مقبول الٰہی ملک اور اسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل مسٹر نذیر احمد غازی نے دلائل دیئے۔ عوام کی طرف سے محمد اسماعیل قریشی' ارشاد

اللہ خان اور مقصود احمد ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ ان وکلاء کا موقف تھا کہ قادیانیت کی تبلیغ و اشاعت اور قادیانیوں کی طرف سے خود کو مسلمان کہنا' حتیٰ کہ اپنی اولاد میں قادیانیت کی تبلیغ ممنوع قرار دی جا چکی ہے۔ مسیحیوں کی طرف ناصر گل نے عدالت کو بتایا کہ مرزا غلام احمد نے خود کو مسیح موعود قرار دیا ہے' جس سے مسیحیوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل' اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل اور عوام کی طرف سے پیش ہونے والے وکلاء نے موقف اختیار کیا کہ قادیانیت کی تبلیغ اور سرگرمیاں نہ صرف پاکستان کے مسلمانوں' بلکہ عالم اسلام کے لیے بھی باعث اشتعال ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آئین اور قانون کی پاسداری' عوام کی سلامتی' امن عامہ کے قیام اور لوگوں کے حقوق اور مفادات کی محافظ ہوتی ہے' اس لیے اگر وہ اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھاتی ہے تو وہ جائز ہے۔ حکومت پنجاب کی طرف سے ایڈووکیٹ جنرل اور اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نے مزید کہا کہ قادیانیوں کے نزدیک غیر احمدی بدعقیدہ اور اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں' اس لیے کافر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی اپنے اعمال اور افعال سے بھی خود کو مسلمانوں سے الگ امت قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی' برطانوی حکومت کے زیر سایہ انگریزوں اور برطانوی حکومت کے مفادات کے مطابق کام کرتا تھا۔ مرزا غلام احمد امت مسلمہ میں انتشار پیدا کر کے انگریزوں کی خدمت کر رہا تھا۔ ان وکلاء نے کہا کہ امت مسلمہ کی وحدت کی سب سے بڑی بنیاد یہ ہے کہ وہ سب حضور اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ فاضل جج نے سرکاری اور عوام کے وکلاء کے دلائل سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قادیانیوں کو نہ صرف اپنے عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے اور اس پر عمل کرنے کا پورا اختیار ہے' بلکہ انہیں ہندوؤں' سکھوں' پارسیوں اور دوسری مذہبی اقلیتوں کی طرح پوری آزادی حاصل ہے لیکن قادیانیوں نے خود کو مسلمان قرار دے کر اور کلمہ طیبہ اور شعائر اسلام کو اپنا کر' جو اسلام کی بنیاد ہے' خود ہی اپنے لیے مشکل صورت حال پیدا کی ہے' کیونکہ اگر قادیانی آئینی تقاضوں کے مطابق زندگی گزاریں اور خود کو مسلمانوں سے الگ امت سمجھیں اور عمل کریں تو اس سے کوئی ناخوشگوار بات نہیں ہوگی۔ آئین

سے ان کی وفاداری اور الگ امت کی حیثیت' ان کی شناخت' ان کی سلامتی اور بہبود کی ضامن ہوگی۔ انہیں اسلام کو ہائی جیک کرنے کی کس طرح اجازت دی جا سکتی ہے؟ قادیانی جو عقیدہ بھی اختیار کریں' یہ ان کا مسئلہ ہے' لیکن وہ مسلمانوں کے عقیدے کو کیوں خراب کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان اپنے عقیدے کے تحفظ کے لیے اگر کوئی اقدام کرتے ہیں تو اس سے قادیانیوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

درخواست دہندگان کے وکلاء سی اے رحمان' مبشر لطیف اور مجیب الرحمان نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ صد سالہ جشن کی تقریبات پر پابندی آئین کے منافی ہے۔ درخواست کے جواب میں حکومت پنجاب کی طرف سے ایڈووکیٹ جنرل مسٹر مقبول الٰہی ملک اور اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل نذیر احمد غازی نے دلائل دیئے' جبکہ عوام کی طرف سے محمد اسماعیل قریشی' ارشاد اللہ خاں اور مقصود احمد ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔ ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ قادیانیوں کے صد سالہ جشن کی قربیات پر پابندی بالکل جائز اور حالات کے مطابق تھی۔ قادیانیوں کے عقائد کی بنیاد ہی سرور کائنات رسول مبقول ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے انکار پر ہے۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ اگر کوئی شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا' باطل اور مرتد ہے۔ قادیانیت کی ابتداء ہی اسلام اور مسلمانوں سے متصادم ہے۔ مرزا غلام احمد نے نہ صرف اپنی کتابوں میں خود کو پیغمبر اسلام ظاہر کیا' بلکہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ ان کی تحریروں کی بناء پر پچھلے ایک سو برس کے دوران مسلمانوں میں ہمیشہ اشتعال پھیلا رہا اور قادیانیوں کے ساتھ ان کا مسلسل تنازعہ رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرزا غلام احمد نے برطانوی حکومت کے زیر سایہ اس مقصد کو پروان چڑھانے کے لیے نبوت کا اعلان کیا تھا کہ امت مسلمہ کی وحدت کو منتشر کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی خود کو مسلمان قرار دیتے رہے ہیں اور بظاہر کلمہ طیبہ بھی دہراتے ہیں' مگر خود ان کے مذہب کے بانی مرزا غلام احمد کی تحریروں کے مطابق جب وہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو اس سے ان لوگوں کی مراد نعوذ باللہ' مرزا غلام احمد ہوتی ہے۔ قادیانیوں کی سرگرمیاں ہمیشہ مسلمانوں کے لیے اشتعال کا باعث بنتی رہیں۔ انہی

حرکتوں کے باعث' قیام پاکستان کے فوراً بعد لاہور میں مارشل لاء لگانا پڑا اور بعد میں بھی ملک بار بار ہنگاموں کی نذر ہوتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عقائد کی بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر تبلیغ و تشہیر پابندی لگانا ضروری ہوگیا تھا۔ ایڈووکیٹ جنرل نے کہا کہ مارچ ۱۹۸۹ء میں صد سالہ جشن پر پابندی عائد نہ کی جاتی تو وسیع پیمانے پر فساد شروع ہو جاتے۔

مسیحی عبدالناصر گل نے اپنی درخواست میں کہا کہ مرزا غلام احمد نے خود کو مسیح موعود قرار دے کر دنیا بھر کے مسیحیوں کی دلآزاری کی ہے۔ قادیانیوں کو جشن منانے کی اجازت دینے سے مسیحی طبقے کے مذہبی جذبات مجروح ہو سکتے تھے اور اشتعال اور فساد پھیل سکتا تھا۔

فاضل عدالت نے فریقین کے وکلاء کے دلائل کے حوالوں کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے دارالعوام' دارالامراء اور یورپی عدالتوں کے بعض فیصلوں کا حوالہ دیتے ہوئے قرار دیا کہ عوام کے مفاد کے لیے بنائی جانے والی سرکاری پالیسیاں اور عام آدمی کے تحفظ اور بہتری کی خاطر قادیانیوں کے صد سالہ جشن کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کا اقدام جائز اور درست تھا عدالت نے قرار دیا کہ یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے کہ احمدیوں کی سرگرمیوں اور ان کے عقائد کی تبلیغ کے خلاف عوام میں اس لیے بھی شدید مزاحمت اور ردعمل پایا جاتا ہے کہ مسلم امہ اپنے عقائد اور ایمان میں کسی ملاوٹ کو پسند نہیں کرتی۔ مسلم امہ خود کو متحد رکھنا چاہتی ہے وہ اس مقصد کے لیے جو لائحہ عمل اختیار کرتی ہے' اس سے قادیانیوں کے عقائد و اعمال کسی طور پر مجروح نہیں ہوتے' اس لیے اس درخواست کو بلاجواز قرار دیتے ہوئے مسترد کیا جاتا ہے۔" (روزنامہ جنگ ۱۸ ستمبر ۱۹۹۰)

لاہور ہائی کورٹ

متفرق فوجداری مقدمہ نمبر ________ 216-B-1992

تاریخ سماعت ________ ۱۵ جولائی ۱۹۹۲ء

درخواست دہندگان ________ سرفراز احمد وغیرہ

وکیل درخواست دہندگان ________ مسٹر مبشر لطیف ایڈووکیٹ

وکیل سرکار ـــــ مسٹر نذیر احمد غازی اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب

وکیل مستغیث ـــــ مسٹر رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ

بعدالت جناب ـــــ مسٹر جسٹس میاں نذیر اختر

عدالتی فیصلہ

''مرزا غلام احمد (قادیانی) کے قادیانی اور لاہوری پیروکار خود کو مسلمان ظاہر کرنے کے لیے شعائر اسلام کا استعمال نہیں کر سکتے۔ قادیانی ایک علیحدہ گروہ ہیں اور ان کا اسلام اور امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مرزا غلام احمد نے اسلام کی تعلیمات کی واضح خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی نبی ہونے کے بارے میں جھوٹا دعویٰ کیا اور اعلان کیا کہ اس کی ''نبوت'' پر یقین نہ رکھنے والے سب کافر ہیں۔ اس نے یہ دعویٰ کر کے تو انتہا کر دی کہ وہ آدمؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور حتیٰ کہ محمد ﷺ ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی پاک حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ قرآن مجید کی آیات کو اپنے آپ سے منسوب کرنے کی ناپاک جسارت کی۔ مرزائی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے واضح طور پر لفظ ''محمد'' سے مراد ''مرزا غلام احمد قادیانی'' ہی لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ''مرزا غلام احمد قادیانی'' پر درود بھیجتے ہیں۔ گویا جب یہ لوگ (قادیانی) کلمہ طیبہ اور درود پڑھتے ہیں تو ان کے قلب وذہن پر مکمل طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کا تصور ہوتا ہے اور اس طرح کرتے ہوئے وہ نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے مقدس نام کی تحقیر کر رہے ہوتے ہیں۔

قادیانی اور لاہوری گروہوں سے تعلق رکھنے والے، مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار آئین پاکستان کی دفعہ (B)(۳)۲۶۰ کے تحت غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا تھا کہ ''وہ احمد اور محمد ہے اور اس میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی ختم نبوت اس کے دعویٰ نبوت سے متاثر نہیں ہوئی، کیونکہ وہ کچھ نہیں، سوائے اس کے، کہ (ظلی اور بروزی شکل میں) وہ (مرزا غلام احمد قادیانی) محمد ﷺ ہے۔ قادیانی، جو مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے لیے درود وسلام پڑھتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے مطابق یہ (درود وسلام) نبی

پاک ﷺ کا استحقاق ہے۔ قادیانی مرزا غلام احمد کو حضرت محمد ﷺ کے برابر سمجھتے ہوئے اس پر درود بھیجتے ہیں اور اس طرح نبی پاک حضرت محمد ﷺ کے رتبہ کو گھٹا کر مرزا غلام احمد قادیانی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

قادیانیوں کا یہ فعل واضح طور پر نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے مبارک اور مقدس نام کی تحقیر کے مترادف ہے' جو زیر دفعہ 295-C پی پی سی قابل سزا ہے۔ جرم زیر دفعہ 295-C پی پی سی کی سزا' سزائے موت یا عمر قید اور جرمانہ ہے اور یہ جرم دفعہ ۴۹۷ سی آر پی سی کی امتناعی تعریف میں آتا ہے۔ جس کے تحت ضمانت نہیں لی جاسکتی۔

تاریخ فیصلہ ۱۹۹۲ء۔۸۔۲

بحضور سپریم کورٹ آف پاکستان

(بصیغہ اپیل)

سماعت کنندہ بنچ:

- جسٹس شفیع الرحمٰن
- جسٹس عبدالقدیر چودھری
- جسٹس محمد افضل لون
- جسٹس ولی محمد خان
- جسٹس سلیم اختر

فوجداری اپیل نمبر ۱۳۔ کے تا ۳۵۔ کے لغایت ۱۹۸۸ء

بلوچستان ہائیکورٹ کوئٹہ کے فیصلہ مورخہ ۸۷/۱۲/۲۲ کے خلاف اپیل جو کہ فوجداری (نظر ثانی کی) درخواست ہائے نمبر ۸۷/۳۸ تا ۸۷/۴۲ میں سنایا گیا تھا)۔

فوجداری اپیل نمبر ۳۱۔ کے ۸۸

ظہیرالدین ـــــــ اپیلانٹ

بنام

سرکار ـــــــ مسئول الیہ

فوجداری اپیل نمبر ۳۲۔ کے ۸۸

رفیع احمد ـــــــ اپیلانٹ

بنام

سرکار ـــــــ مسئول الیہ

فوجداری اپیل نمبر ۳۳۔ کے ۸۸

عبدالمجید ـــــــ اپیل کنندہ

بنام

سرکار ـــــــ مسئول الیہ

فوجداری اپیل نمبر ۳۴۔ کے ۸۸

عبدالرحمٰن خاں ـــــــ اپیل کنندہ

بنام

سرکار ـــــــ مسئول الیہ

فوجداری اپیل نمبر ۳۵۔ کے ۸۸

چوہدری محمد حیات ـــــــ اپیل کنندہ

بنام

سرکار ـــــــ مسئول الیہ

دیوانی اپیل نمبر ۱۴۹، ۱۵۰ الغایت ۱۹۸۹ء

(لاہور ہائیکورٹ کے فیصلہ مورخہ ۸۴/ ۹/ ۲۵ کے خلاف اپیل جو بین العدالت اپیل نمبر ۸۴/۱۵۸ اور نمبر ۸۴/۱۶۰ میں سنایا گیا تھا)

دیوانی اپیل نمبر ۸۹/۱۴۹

مجیب الرحمٰن درد ـــــــ اپیلانٹ

پاکستان بذریعہ سیکرٹری وزارت قانون و پارلیمانی امور اسلام آباد ـــــــ مسئول الیہ

دیوانی اپیل نمبر ۸۹/۱۵۰

۱۔ شیخ محمد اسلم

۲۔ شیخ محمد یوسف ـــــــ اپیل کنندگان

۳۔ نور محمد ہاشمی

بنام

۱۔ پاکستان بذریعہ سیکرٹری وزارت قانون و پارلیمانی امور اسلام آباد

۲۔ سرکار ـــــــ مسئول الیہ

دیوانی اپیل نمبر ۴۱۲ لغایت ۱۹۹۲ء

(لاہور ہائیکورٹ کے فیصلہ مورخہ ۹۱/۹/۱۷ کے خلاف اپیل جو رٹ پٹیشن نمبر ۸۹/۲۰۸۹ میں سنایا گیا تھا)

۱۔ مرزا خورشید احمد

۲۔ حکیم خورشید احمد ـــــــ اپیل کنندگان

۳۔ نور محمد ہاشمی

بنام

۱۔ صوبہ پنجاب معرفت سیکرٹری، محکمہ داخلہ لاہور

۲۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ

۳۔ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ ربوہ ——— مسئول الیہان

۴۔ مولانا منظور احمد چنیوٹی

۵۔ عبدالناصر گل

پیروی:

فوجداری اپیل نمبر ۳۱۔ کے تا ۳۵۔ کے لغایت ۱۹۸۸ میں اپیل کنندگان کی طرف سے فخر الدین جی ابراہیم سینئر ایڈووکیٹ' مجیب الرحمٰن' مرزا عبدالرشید اور ایس علی احمد طارق ایڈووکیٹ پیش ہوئے جبکہ سرکاری کی پیروی اعجاز یوسف' ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان' نے کی۔

فوجداری اپیل نمبر ۳۱۔ کے/ ۸۸ میں مستغیث کی پیروی راجہ حق نواز ایڈووکیٹ اور ایم اے آئی قرنی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ (غیر حاضر) نے کی۔

دیوانی اپیل نمبر ۱۴۹' نمبر ۱۵۰/ ۸۸ میں اپیل کنندگان کی طرف سے فخر الدین جی ابراہیم سینئر ایڈووکیٹ' عزیز احمد باجوہ' چوہدری اے وحید سلیم سینئر ایڈووکیٹ' مجیب الرحمٰن اور حمید اسلم قریشی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ پیش ہوئے۔

دیوانی اپیل نمبر ۱۴۹' ۱۵۰ لغایت ۱۹۸۹ء اور ۲۹/ ۴۱۲ میں وفاقی حکومت کی طرف سے ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی (صرف ۹۳۔۲۔۱ اور ۹۳۔۲۔۲ کو) سید عنایت حسین ایڈووکیٹ آن ریکارڈ (صرف ۹۳۔۲۔۳ کو) گلزار حسن' ایڈووکیٹ آن ریکارڈ (غیر حاضر) اور چوہدری اختر علی' ایڈووکیٹ آن ریکارڈ پیش ہوئے۔

دیوانی اپیل نمبر ۲۹/ ۴۱۲ میں مسئول الیہ نمبر ۱ کی پیروی مقبول الٰہی ملک' ایڈووکیٹ جنرل پنجاب' ایم ایم سعید بیگ' راؤ محمد یوسف خاں ایڈووکیٹ آن ریکارڈ نے کی۔

دیوانی اپیل نمبر ۲۹/ ۴۲۱ میں مسئولہ الیہ نمبر ۴ کی طرف سے ایم اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ اور سید عبدالعاصم جعفری ایڈووکیٹ آن ریکاڈ پیش ہوئے۔

عدالت کے نوٹس پر مسٹر عزیز اے منشی اٹارنی جنرل' ممتاز علی مرزا ڈپٹی اٹارنی جنرل' اعجاز یوسف ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل بلوچستان' ایم سردار خاں ایڈووکیٹ جنرل صوبہ سرحد' مقبول الٰہی ملک ایڈووکیٹ جنرل پنجاب' غفور منگی ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل سندھ پیش ہوئے۔

جبکہ عام لوگوں کی نمائندگی میجر (ریٹائرڈ) امیر افضل خان اور میجر (ریٹائرڈ) امین منہاس نے کی۔

تاریخ ہائے سماعت:

۳۰،۳۱ جنوری، یکم، دو اور تین فروری ۹۳ء بمقام راولپنڈی

فیصلہ کی تاریخ:

۳ جولائی ۹۳ء

(سپریم کورٹ کے تاریخی فیصلہ سے ایک اقتباس)

۸۸۔ جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

''ہر مسلمان کے لیے جس کا ایمان پختہ ہو لازم ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے بچوں، خاندان، والدین اور دنیا کی ہر محبوب ترین شے سے بڑھ کر پیار کرے۔''

(صحیح بخاری کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان)

کیا ایسی صورت میں کوئی کسی مسلمان کو مورود الزام ٹھہرا سکتا ہے اگر وہ ایسا توہین آمیز مواد جیسا کہ مرزا صاحب نے تخلیق کیا ہے سنن، پڑھنے یا دیکھنے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے؟

۸۹۔ ہمیں اس پس منظر میں احمدیوں کے صد سالہ جشن کی تقریبات کے موقع پر احمدیوں کے اعلانیہ رویہ کا تصور کرنا چاہیے اور اس رد عمل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ جس کا اظہار مسلمانوں کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر کسی احمدی کو انتظامیہ کی طرف سے یا قانوناً شعائر اسلام کا اعلانیہ اظہار کرنے یا انہیں پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اقدام اس کی شکل میں ایک اور رشدی تخلیق کرنے کے مترادف ہوگا۔ کیا اس صورت میں انتظامیہ اس کی جان، مال اور آزادی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے اور اگر دے سکتی ہے تو کس قیمت پر؟ مزید برآں اگر گلیوں یا جائے عام پر جلوس نکالنے

یا جلسہ کرنے کی اجازت دی جائے تو یہ خانہ جنگی کی اجازت دینے کے برابر ہے۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں' حقیقتاً ماضی میں بارہا ایسا ہو چکا ہے اور بھاری جانی و مالی نقصان کے بعد اس پر قابو پایا گیا (تفصیلات کے لیے منیر رپورٹ دیکھی جاسکتی ہے) ردعمل یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی احمدی یا قادیانی سرعام کسی بلے کارڈ' بیج یا پوسٹر پر کلمہ کی نمائش کرتا ہے' یا دیوار یا نمائشی دروازوں یا جھنڈیوں پر لکھتا ہے یا دوسرے شعائر اسلامی کا استعمال کرتا یا انہیں پڑھتا ہے تو یہ اعلانیہ رسول اکرم ﷺ کے نام نامی کی بے حرمتی اور دوسرے انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کی توہین کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کا مرتبہ اونچا کرنے کے مترادف ہے جس سے مسلمانوں کا مشتعل ہونا اور طیش میں آنا ایک فطری بات ہے اور یہ چیز امن عامہ کو خراب کرنے کا موجب بن سکتی ہے' جس کے نتیجہ میں جان و مال کا نقصان ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں احتیاطی تدابیر بروئے کار لانا لازمی ہے تاکہ امن و امان برقرار رکھا جاسکے اور جان و مال خصوصاً احمدیوں کے نقصان سے بچا جاسکے۔ اس صورت حال میں مقامی انتظامیہ نے جو فیصلے کیے' یہ عدالت انہیں کالعدم نہیں کرسکتی۔ وہ اس معاملے میں بہترین جج ہیں تاوقتیکہ قانون یا حقیقت کے ذریعے اس کے برعکس ثابت نہ کیا جائے۔

۹۰۔ جس کارروائی کے نتیجہ میں زیر بحث اپیلوں کی سماعت کی نوبت آئی۔ وہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے زیر دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کا جاری کردہ حکم ہے۔ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ نے احمدیہ جماعت کو' جو ربوہ کی آبادی میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے عہدیداروں کے توسط سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم سے مطلع کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ آرائشی دروازے' بینرز اور لائٹنگ کا سامان ہٹالیں اور اس امر کو یقینی بنائیں کہ آئندہ دیواروں پر اشتہار نہیں لکھے جائیں گے' اپیل کنندگان یہ بات ثابت نہیں کرسکتے کہ مذکورہ بالا معمولات اور کام ان کے مذہب کے لازمی تکمیلی ارکان ہیں۔ حتیٰ کہ صد سالہ تقریبات کے گلیوں اور سڑکوں پر انعقاد کے بارے میں بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ان کے مذہب کا لازمی اور ناگزیر جزو تھیں۔

۹۱۔ اس سوال پر کہ آیا ایسا تقاضا مذہبی آزادی کا حصہ ہے یا نہیں جبکہ وہ عام لوگوں کی سلامتی، قانون اور امن عامہ کے تابع ہو، آسٹریلیا اور امریکہ جیسے ملکوں میں جہاں بنیادی حقوق کو سب سے مقدم سمجھا جاتا ہے، صادر کیے گئے فیصلوں کی روشنی میں پہلے ہی تفصیلی بحث ہو چکی ہے، ہم نے بھارت میں ہونے والے فیصلوں کا حوالہ بھی دیا ہے، کہیں بھی ایسے معمولات کو جو نہ تو مذہب کا لازمی جزو ہیں نہ تکمیلی حصہ، لوگوں کی سلامتی اور امن وامان پر سبقت نہیں دی جاتی، بلکہ مذہب سے متعلق اساسی و بنیادی معمولات کو لوگوں کی سلامتی اور امن وآشتی کی قربان گاہ پر قربان کر دیا گیا۔

۹۲۔ اپیل کنندگان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ وہ احمدیہ تحریک کی صد سالہ سالگرہ کی تقریباً ہیں۔ دوسری باتوں کے علاوہ شکرانہ کی خصوصی نمازیں ادا کر کے، بچوں میں مٹھائیں بانٹ کر اور غرباء و مساکین میں کھانا تقسیم کر کے پر امن اور بے ضرر طریقے سے منانا چاہتے تھے، ہمارے سامنے ایسی سرگرمیوں کو نجی طور پر انجام دینے سے روکنے والا کوئی حکم پیش نہیں کیا گیا۔ احمدی دوسری اقلیتوں کی طرح اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہیں اور ان کے اس حق کو قانون یا انتظامی احکام کے ذریعے کوئی نہیں چھین سکتا۔ بہر حال ان پر لازم ہے کہ وہ آئین و قانون کا احترام کریں اور انہیں اسلام سمیت کسی دوسرے مذہب کی مقدس ہستیوں کی بے حرمتی یا توہین نہیں کرنی چاہیے، نہ ہی ان کے مخصوص خطابات، القابات و اصطلاحات استعمال کرنے چاہئیں نیز مخصوص نام مثلاً مسجد اور مذہبی عمل مثلاً اذان وغیرہ کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور لوگوں کو عقیدہ کے بارے میں گمراہ نہ کیا جائے یا دھوکہ نہ دیا جائے۔

۹۳۔ ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ احمدیوں کو اپنی شخصیات، مقامات اور معمولات کے لیے خطاب، القاب یا نام وضع کرنے میں کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آخر کار ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر برادریوں نے بھی تو اپنے بزرگوں کے لیے القاب و خطاب بنا رکھے ہیں اور وہ اپنے تہوار، امن وامان کا کوئی مسئلہ یا الجھن پیدا کیے بغیر

امن طور پر مناتے ہیں۔ انتظامیہ جو امن وامان قائم رکھنے اور شہریوں کے جان و مال نیز عزت و آبرو کا تحفظ کرنے کی ذمہ دار ہے، بہر حال مذکورہ بالا اقدار میں سے کسی کو خطرہ لاحق ہونے کی صورت میں مداخلت کرے گی۔

۹۴۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فاضل سنگل بنچ نے ایک تفصیلی اور بڑا معقول حکم جاری کیا ہے اور بڑی دانائی اور دیانتداری کے ساتھ متعدد غیر ملکی فیصلوں سے مثالیں دی ہیں، جس سے اس انتہائی احساس غیر مسلم اقلیت (احمدیہ جماعت) میں اعتماد پیدا ہوگا اس لیے اہم ریکارڈ کو مزید وزنی کیے بغیر ان کے استدلال کو بھی قبول کرتے ہیں، پس آرڈیننس کے بارے میں قرار دیا جاتا ہے کہ وہ آئین سے ماورا نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو مقدمہ کے حقائق میں دستور کے آرٹیکل ۲۰ کا سہارا لیا گیا ہے نہ ہی اس اپیل کا کوئی میرٹ بنتا ہے، پس یہ اپیل خارج کی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے نتیجہ میں اس سے متعلق اپیلیں بھی نامنظور کی جاتی ہیں۔

دستخط

جسٹس عبدالقدیر چودھری

جسٹس محمد افضل لون

جسٹس ولی محمد خاں

نوٹ: فاضل عدالت کا یہ تاریخی فیصلہ مکمل متن کے ساتھ ''قادیانیوں کے خلاف عدالتی فیصلے'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

مآخذومراجع

نمبرشمار	کتاب	مصنف
۱۔	تاریخ مرزا	مولانا ثناءاللہؒ امرتسری
۲۔	فتاویٰ قادریہ	مولانا محمد لدھیانویؒ
۳۔	رئیس قادیان	مولانا محمد رفیقؒ دلاوری
۴۔	تازیانہ عبرت	مولانا کرم الدینؒ
۵۔	مشاہدات قادیان	مولانا عنایتؒ اللہ چشتی
۶۔	محمدیہ پاکٹ بک	مولانا محمد عبداللہؒ معمار
۷۔	المہند علی المفند	مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری
۸۔	امدادالفتاویٰ	مولانا اشرف علیؒ تھانوی
۹۔	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی محمد شفیع
۱۰۔	مہرمنیر	مولانا فیض احمد فیض گولڑوی
۱۱۔	سوانح مولانا مونگیریؒ	مولانا سید محمد حسنیؒ
۱۲۔	بیس بڑے مسلمان	مولانا عبدالرشیدؒ ارشد
۱۳۔	روئداد مقدمہ بہاولپور (۳ جلد)	
۱۴۔	تذکار بگویہ	صاحبزادہ ابرار احمد بگوی
۱۵۔	ائمہ تلبیس	مولانا محمد رفیق دلاوری

۱۶۔	تحفہ قادیانیت	مولانا محمد یوسف لدھیانوی
۱۷۔	تحریک ختم نبوت	آغا شورش کاشمیری
۱۸۔	تاریخ محاسبہ قادیانیت	پروفیسر خالد شبیر احمد
۱۹۔	تذکرہ مجاہدین ختم نبوت	مولانا اللہ وسایا
۲۰۔	فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہؒ امرتسری	مولانا صفی الرحمٰن اعظمی
۲۱۔	اول فتویٰ تکفیر	محمد عثمان رحمانی لدھیانوی
۲۲۔	تاریخ ختم نبوت	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
۲۳۔	تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء	مولانا اللہ وسایا
۲۴۔	تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء	مولانا اللہ وسای
۲۵۔	مولانا ظفر علی خان اور ان کا عہد	پروفیسر عنایت اللہ نسیم
۲۶۔	فتویٰ امام ربانی	مولانا عبدالحق خان بشیر
۲۷۔	فتاویٰ ختم نبوت (تین جلد)	مولانا مفتی سعید احمد جلالپوری
۲۸۔	تذکرہ اکابر اہل سنت	مولانا عبدالحکیم شرف قادری
۲۹۔	دارالعلوم دیوبند احیاء اسلام کی عظیم تحریک	مولانا اسیر ادوری
۳۰۔	سوانح مولانا احسان احمد شجاع آبادی	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
۳۱۔	سوانح مولانا محمد علی جالندھری	ڈاکٹر نور محمد غفاری
۳۲۔	سوانح مولانا لال حسین اختر	مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
۳۳۔	قادیانیت ہماری نظر میں	محمد متین خالد
۳۴۔	مسیلمہ کذاب سے دجال قادیان تک	جانباز مرزا
۳۵۔	کارروان احرار	جانباز مرزا
۳۶۔	ربوہ اور قادیان جو میں نے دیکھا	محمد متین خالد

۳۷۔	فتویٰ حیات مسیح	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۳۸۔	قادیانیت کے خلاف عدالتی فیصلے	محمد متین خالد
۳۹۔	مقالہ مجلس احرار اسلام اور قادیانیت ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۳ء تک (مقالہ)	ڈاکٹر محمد عمر فاروق
۴۰۔	نقش دوام	مولانا محمد انظر شاہ کشمیری
۴۱۔	چراغ ہدایت (دیباچہ)	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۴۲۔	زندہ رود	ڈاکٹر جاوید اقبال
۴۳۔	علامہ محمد اقبال اور فتنہ قادیانیت	محمد متین خالد
۴۴۔	حیات عثمانی	پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی
۴۵۔	تذکرۃ الظفر	مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی
۴۶۔	حیات امیر شریعت	جانباز مرزا
۴۷۔	سوانح امیر شریعت	شورش کاشمیری
۴۸۔	تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی	مولانا محمد میاں صدیقی
۴۹۔	تحریک ختم نبوت میں مولانا ہزاروی کا مجاہدانہ کردار	مولانا قاضی محمد اسرائیل
۵۰۔	مشاہدات وتاثرات	مولانا محمد یوسف لدھیانوی
۵۱۔	سوانح مولانا غلام اللہ خان	مولانا محمد عبدالمعبود
۵۲۔	تذکرہ حافظ الحدیث	مولانا صاحبزادہ خلیل الرحمٰن درخواستی
۵۳۔	سوانح مولانا عبدالحکیم	مولانا محمد زریں نقشبندی
۵۴۔	پیکر اخلاص	مولانا مفتی سعید احمد جلال پوری

۵۵۔	عکس جمیل	مولانا مفتی خالد محمود
۵۶۔	انوار الرشید	مولانا مفتی احتشام الحق آسیابادی
۵۷۔	مضمون بیاد پیر محمد کرم شاہ الازہری	حافظ احمد بخش
۵۸۔	۵۰ مثالی شخصیات	مولانا قاری محمد طیب
۵۹۔	تحریک ختم نبوت	ڈاکٹر بہاؤ الدین
۶۰۔	فراق یاراں	مولانا اللہ وسایا
۶۱۔	دورہ افریقہ	مولانا منظور احمد چنیوٹی
۶۲۔	تعارف مجلس تحفظ ختم نبوت (متعدد کتابچے)	مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، مولانا عبدالرحیم اشعر و دیگر حضرات
۶۳۔	مضمون	مولانا محمد خالد قریشی
۶۴۔	عدالتی فیصلے	جانباز مرزا
۶۵۔	عدالتی فیصلے	مولانا گلزار احمد مظاہری
۶۶۔	دفاع ختم نبوت	محمد طاہر عبدالرزاق
۶۷۔	شاہراہ عشق کے مسافر	محمد طاہر عبدالرزاق
۶۸۔	شمع ختم نبوت کے پروانوں کی باتیں	محمد طاہر عبدالرزاق
۶۹۔	ناموس محمد کے پاسبان	محمد طاہر عبدالرزاق
۷۰۔	جو ختم نبوت پر فدا تھے	محمد طاہر عبدالرزاق
۷۱۔	تحریک تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد مجلس احرار کے پس منظر میں	سید محمد کفیل شاہ بخاری
۷۲۔	احتساب قادیانیت متعدد جلدیں	

رسائل کے خصوصی نمبر

۱۔	ماہنامہ لولاک فیصل آباد	مولانا بنوریؒ نمبر
۲۔	ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی	مولانا احتشام الحقؒ تھانوی نمبر
۳۔	ماہنامہ ترجمان اسلام لاہور	مولانا مفتی محمودؒ نمبر
۴۔	ماہنامہ بینات کراچی	مولانا بنوریؒ نمبر
۵۔	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند	ختم نبوت نمبر
۶۔	ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ	مولانا حبیب اللہؒ امرتسری نمبر
۷۔	ماہنامہ الفرقان لکھنو	مولانا محمد منظورؒ نعمانی نمبر
۸۔	ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان	امیر شریعتؒ نمبر ۲ جلد
۹۔	ماہنامہ البلاغ کراچی	مفتی اعظمؒ پاکستان نمبر
۱۰۔	ماہنامہ کنزالایمان لاہور	ختم نبوت نمبر
۱۱۔	ماہنامہ ضیائے حرم لاہور	تحریک ختم نبوت نمبر
۱۲۔	ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور	مولانا قاضی عبداللطیف جہلمی نمبر

قادیانی کتب

۱۔	انوارالاسلام	مرزا غلام احمد قادیانی
۲۔	مجموعہ اشتہارات	ایضاً
۳۔	تذکرہ	مجموعہ الہامات مرزا قادیانی
۴۔	آئینہ کمالات اسلام	مرزا قادیانی
۵۔	ملفوظات	مرزا قادیانی
۶۔	سراج منیر	مرزا قادیانی

۷۔	اعجاز احمدی	مرزا قادیانی
۸۔	حجۃ الاسلام	مرزا قادیانی
۹۔	انجام آتھم	مرزا قادیانی
۱۰۔	نزول المسیح	مرزا قادیانی
۱۱۔	دافع البلاء	مرزا قادیانی
۱۲۔	حقیقت الوحی	مرزا قادیانی
۱۳۔	مجدد اعظم	ڈاکٹر بشارت احمد
۱۴۔	حیات طیبہ	شیخ عبدالقادر
۱۵۔	تاریخ احمدیت	دوست محمد شاہد
۱۶۔	سیرت المہدی	مرزا بشیر احمد ایم اے